سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگوں کا مستند تذکرہ

تذکرہ مشائخ نقشبندیہ

تالیف

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ (ایم۔ اے)

مع تکملہ

از جناب محمد صادق قصوری

نوری بک ڈپو ــــ لاہور

نام کتاب ———— تذکرہ مشائخ نقشبندیہ

مؤلف ———— علامہ محمد نور بخش توکلی ایم اے

طبع اول ———— ۱۹۳۸ء

طبع دوم باضافہ تکملہ ———— مئی ۱۹۷۶ء

صفحات ————

تعداد ————

قیمت ———— =/۳۰ روپے

ناشر ———— نوری بک ڈپو، لاہور

طابع ———— معارف پریس لاہور

فہرست مضامین تذکرہ مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم السامیہ

فہرست

حضرت مولانا نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

یہ امر محتاج وضاحت نہیں ہے کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں نے برصغیر میں اسلام کی اشاعت اور شرک و بدعت کی بیخ کنی میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ ہماری تاریخ کا ایک سنہری باب ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، مرزا مظہر جان جاناں شہید، شاہ غلام علی دہلوی، شاہ احمد سعید، شاہ ابو الخیر دہلوی، میاں شیر محمد شرقپوری، امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی محدث علی پوری، خواجہ غلام مرتضیٰ سربلوی، خواجہ غلام محی الدین قصوری، مولانا غلام دستگیر قصوری، اور سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہم کی خدمات جلیلہ سے کون واقف نہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں نور اسلام کی شمع فروزاں کی اور لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں گم گشتگاں راہ کو صراط مستقیم پر گامزن کیا۔

حضرت مولانا پروفیسر محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی سلسلۂ عالیہ کی ایک کڑی تھے جن کی مذہبی، علمی اور ادبی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے اور ان کی مایہ ناز تصنیف "سیرت رسول عربی" (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہ شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوئی کہ ذریعۂ نجات ٹھہری۔

آپ کی ولادت باسعادت چک قاضیاں ضلع لدھیانہ (مشرقی پنجاب) میں ہوئی [1]۔ ابتدائی تعلیم مقامی دینی درس گاہوں میں حاصل کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخلہ لیکر ایم اے عربی

---

[1] تذکرہ علمائے اہلسنت لاہور میں ہمارے فاضل دوست علامہ اقبال احمد فاروقی نے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۸۷۰ء درج کی ہے جو صحیح نہیں کیونکہ مولانا علی گڑھ سے ایم اے کرنے کے بعد ۱۸۹۳ء میں ملازم ہو گئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ سولہ سال کی عمر میں انہوں نے ایم اے کر لیا ہو؟ نیز تذکرہ نقشبندیہ مطبوعہ برقی پریس لدھیانہ ۱۹۲۶ء پر مولانا نے اپنے خود نوشت حالات میں تاریخ پیدائش درج نہیں کی جس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا کو بھی اپنی تاریخ پیدائش کا علم نہ تھا۔

کی ڈگری امتیازی حیثیت سے حاصل کی دورانِ تعلیم آپ نے پروفیسر علامہ شبلی نعمانی سے خصوصی استفادہ کیا [1]
۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں ہندو محمڈن ہائی سکول انبالہ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ اسی دوران آپ حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے۔ بیعت کا واقعہ خود مولانا کی زبانی سنئے :۔

"میں بغرض بیعت حضور قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے پہلے ہی دریافت کیا کہ تمہارے والد کس کے مرید ہیں؟ میں نے عرض کر دیا (کہ حضرت خواجہ عبدالخالق جہانخیلاں شریف کے مرید ہیں) تو فرمایا کہ آجاؤ اپنا ہی گھر ہے، اور مجھے فوراً بیعت کر لیا۔" [2]

بیعت کے بعد آپ اکثر و بیشتر پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور فیوض و برکات کے خزانے لوٹتے رہے۔ چند ماہ بعد آپ ایم بی ہائی سکول دہلی کے ہیڈ ماسٹر ہو کر چلے گئے۔ قیامِ دہلی کے دوران ۱۸۹۴ء میں آپ نے منشی محمد قاسم صاحب قاسم نقشہ نویس نقشبندی توکلی مجددی مرحوم کی تحریک پر "تاریخ گبن" کا ترجمہ بعنوان "سیرتِ حسن" کیا۔ ۱۸۹۶ء میں میونسپل بورڈ کالج امرتسر میں پروفیسر ہوئے۔ انہی ایام میں معروف عالمِ دین مولانا غلام رسول قاسمی کشمیری امرتسری (المتوفی ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور تمام علومِ متداولہ کی تکمیل کی [3]

اسی دوران حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے تو حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہ نے حضرت شمس العارفین خواجہ قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک کے موقع پر مجمع عام میں آپ کی دستار بندی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میں حضرت خواجہ توکل شاہ کی طرف سے ان کو خلافت دیتا ہوں۔ آپ نے حضرت شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ کیا واقعۃً آپ نے مجھے خلافت دی ہے؟ فرمایا ہاں! اسی طرح حضرت مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی چشتی صابری نے بھی سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ میں آپ کو خلافت

---

[1] سیرتِ حسن ترجمہ تاریخ گبن مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ۱۸۹۴ء ص ۸۰ کے حاشیے پر مولانا نے علامہ شبلی کو "استاذی مخدومی مولانا شبلی نعمانی" لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا علامہ شبلی کے شاگرد تھے۔
[2] تذکرہ نقشبندیہ مطبوعہ برقی پریس لدھیانہ، ص ۶۲۴
[3] تذکرۂ اسلاف از محمد بہاء الحق قاسمی، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۴ھ، ص ۱۳۰

سے نوازا [1]

امرتسر میں علم و عرفان کے دریا بہانے کے بعد آپ لاہور تشریف لے آئے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ساتھ ہی ساتھ علمی، دینی اور مذہبی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے۔ عرصہ تک دارالعلوم نعمانیہ کے ناظم تعلیمات اور انجمن نعمانیہ کے ماہوار رسالہ کے مدیر رہے۔ دینی اجتماعات میں آپ کی تقاریر کو پسندیدگی سے سنا جاتا تھا۔ آپ کی گفتگو علمی، ادبی اور روحانی اقدار کی ترجمان ہوتی، بات کرتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ لاہور میں سنیت کے فروغ میں آپ کا بڑا دخل ہے۔ آپ نے گورنمنٹ کے گزٹ اور سرکاری کاغذات میں "بارہ وفات" کی غلطی کو "عید میلادالنبی" سے تبدیل کرایا اور اس دن عام تعطیل منظور کرائی۔ مولانا کا ملت اسلامیہ پر یہ احسان عظیم ہے کہ آج ہم سب مل کر بڑی شان و شوکت سے عید میلادالنبی مناکر اپنے آقا و مولیٰ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

آپ ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بلند پایہ صوفی اور ولی کامل تھے۔ سادہ مزاج، سادہ خوراک اور سادہ لباس میں ملبوس رہتے تھے۔ علماء و مشائخ عصر آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ حضرت محدث علی پوری، مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں، حضرت پیر عبدالغفار شاہ، پروفیسر علامہ اصغر علی روحی اور مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی امرتسری رحمہم اللہ تعالیٰ سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔ یہ سارے بزرگان اہلسنت آپ کی فضیلت، قابلیت اور خدمات جلیلہ کے معترف تھے۔

گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف بھی خصوصی توجہ فرمائی۔ مندرجہ ذیل تصانیف آپ کی یادگار اور علمی تبحر کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

۱۔ سیرتِ رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) مولانا کی یہ مایہ ناز تصنیف تاج کمپنی لاہور لاکھوں کی تعداد میں شائع کر چکی ہے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا جا رہا ہے اس کی اہمیت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ مولانا نے یہ کتاب عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر لکھی ہے۔ نقطہ نقطہ سے عشق و محبت کے دھارے بہتے ہیں۔ کوئی صفحہ ایسا نہیں جسے پڑھتے ہوئے [illegible] آنسو ضبط کئے بغیر پڑھ سکے۔ اس بات پر حیرانی ہوتی

---

[1] تذکرہ نقشبندیہ مطبوعہ [illegible] ص ۲۶۲

ہے کہ جب قاری کی یہ حالت ہے تو خود مولانا کی کیا کیفیت ہو گی جنہوں نے اس قدر ضخیم کتاب لکھی ہے۔ سیرت کی کئی کتابیں نظر سے گزر چکی ہیں مگر اس کی تو بات ہی اور ہے یہی کتاب مولانا کی نجات کے لئے کافی ہے جیسا کہ چوہدری محمد سلیمان نوری توکلی ایڈووکیٹ لائل پور لکھتے ہیں:۔

"محترمی مفتی عبد الحمید صاحب نقشبندی مجددی لدھیانوی جو کہ ایک عابد، صالح، بزرگ ہستی ہیں سال ۱۹۸۰ء میں ملتان شریف رہائش رکھتے تھے، نے بندہ کو ایک چٹھی بدیں مضمون تحریر فرمائی، جبکہ حضرت صاحب توکلی کے انتقال کو تقریباً ایک ماہ گزر چکا تھا" ایک رات خواب میں میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا ایک خوبصورت معطر باغ میں ایک سنہری تخت پر جلوہ افروز ہیں،" میں نے دریافت کیا مولانا صاحب یہ سرفرازی کیسے نصیب ہوئی؟ فرمانے لگے کہ مفتی صاحب یہ انعام سیرت رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے نصیب ہوا ہے۔" [1]

۲۔ عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۲۔ تحفۂ شیعہ (دو حصے)
۳۔ معجزات نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۳۔ رسالۂ نور
۴۔ اعجاز القرآن ۱۴۔ شرح اردو مولود برزنجی
۵۔ عقائد اہل سنت ۱۵۔ تذکرہ حضرت غوث اعظم
۶۔ شرح اردو قصیدہ بردہ ۱۶۔ ابو حنیفہ
۷۔ شرح عربی قصیدہ بردہ ۱۷۔ شرح ہدایہ
۸۔ تذکرہ مشائخ نقشبند ۱۸۔ الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ
۹۔ حلیۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۹۔ کتاب البرزخ
۱۰۔ غزوات النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ۲۰۔ مقدمہ تفسیر القرآن
۱۱۔ سیرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ ۲۱۔ تفسیر سورہ فاتحہ و بقرہ

---

[1] سیرت رسول عربی، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور ص ۷

۲۲ امام بخاری شافعی

۲۳۔ ترجمہ تحقیق المرام فی منع القراءۃ خلف الامام (اصل کتاب آپ کے استاد مولانا غلام رسول قاسمی امرتسری کی تصنیف ہے)

۲۴۔ ترجمہ اردو الرسالۃ الجلیلہ (اصل کتاب مفتی غلام مصطفےٰ قاسمی امرتسری کی تصنیف ہے)

۲۵۔ افضل المقال فی الرد علی الرافضی الضال۔

(ممکن ہے ان کے علاوہ بھی مولانا کی تصنیفات ہوں ہمیں فی الحال یہی کچھ معلوم ہو سکیں)

ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے اپنے گاؤں چک قاضیاں میں "مدرسہ اسلامیہ توکلیہ" کی بنیاد رکھی تھی جس سے ہزاروں لوگ مستفید ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ لائل پور میں قیام پذیر ہو گئے اور تفسیر لکھنا شروع کی، ابھی صرف چار صد صفحات لکھنے پائے تھے کہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو آپ اپنے مکان کی سیڑھی سے پھسل کر زخمی ہو گئے اور زخموں کی تاب نہ لا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

حسب وصیت آپ کو حضرت نور شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ کے عزیز چوہدری محمد سلیمان نوری توکلی ایڈووکیٹ (مرحوم) لائلپور نے زائرین کی سہولت کے لیے خوبصورت مقبرہ تعمیر کرا دیا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین۔ والصلوٰۃ والسلام علےٰ سیدنا ومولانا ووسیلتنا فی الدارین محمد ن الذی بعث رحمۃ للعلمین۔ وعلیٰ الہ واصحابہ واولیاء امتہ واتباعہ الیٰ یوم الدین۔

اما بعد گورنمنٹ کالج لاہور کی ملازمت سے سبکدوش ہوکر کچھ عرصے کے بعد میری طبیعت گوشہ نشینی کی طرف بہت مائل ہوگئی۔ میں فلوت میں حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم کے حالات کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اسی اثنا میں یہ خیال آیا۔ کہ اگر ان حالات کو یکجا جمع کیا جائے۔ تو کیا خوب ہو۔ عنایت الٰہی اور مشائخ سلسلہ کی روحانی مدد شامل حال ہوئی۔ اور وہ خیال قوت سے فعل میں آنے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ کتاب تیار ہوگئی۔ جو ناظرین کرام کے پیش نظر ہے۔

مشائخ متقدمین رحمہم اللہ تعالےٰ اپنے اپنے زمانے میں طریقہ صوفیہ کرام کے اندراس۔ وقحط الرجال اور ابنائے روزگار کی غفلت وانہماک فی الدنیا اور احکام شریعت سے بےاعتنائی کی شکایت کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر موجودہ زمانہ کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ وہ مادی ترقی جس کا اب دعوےٰ کیا جاتا ہے سراسر مخرب اخلاق ہے۔ جو خرابیاں انفرادی طور پر قرون ماضیہ میں پائی جاتی تھیں دور حاضرہ کو اگر ان سب کا جامع کہا جائے۔ تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔ نظر بریں اس کتاب میں حضرات خواجگان نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالےٰ کے آداب واخلاق اور مقامات وکرامات اور معاملات وعقائد افادۂ عام کے لئے اردو میں جمع کئے گئے ہیں۔ تاکہ ان کے مطالعہ سے قارئین کرام کے دلوں میں طریقت کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔ اور وہ اس چند روزہ زندگی میں حیات ابدی کے لئے توشہ تیار کرلیں۔ اور اس امتحان کے لئے جو بمقتضائے من مات فقد قامت قیامتہ[1]

[1] جو شخص مرگیا۔ اس کی قیامت برپا ہوگئی۔

بہت قریب ہے تیاری کریں۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس امر پر اجماع ہے کہ تفسیر و حدیث کے بعد صوفیہ کرام کے ارشادات بہترین کلام ہیں۔ اور ان کا پڑھنا یا سننا صحبت معنوی کا حکم رکھتا ہے۔ اس لئے ان حالات کے جمع کرنے میں مشائخ کرام کے کلمات قدسیہ کی تدوین کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ تاکہ وہ سالک کے لئے دستور العمل کا کام دیں۔ نظر بر اختصار اُن مشائخ کی اولاد و خلفاء سے تعرض نہیں کیا گیا۔ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہ کے دوسرے خلیفہ حضرت خواجہ محمد پارسا رحمہ اللہ (متوفی ۸۲۲ھ) باوجود کمالات صوری و معنوی کے حضرات خواجگان قدس اللہ ارواحہم کے رسالوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے کلمات قدسیہ کا ہمیشہ ساتھ رکھنا اور ان کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔[۱] شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ انصاری ہروی قدس سرہ نے اپنے مریدوں کو وصیت[۲] کی۔ کہ ہر ایک پیر کا کوئی کلام یاد کر لو۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو ان کا نام یاد رکھو تاکہ اُس سے فائدہ اُٹھاؤ۔

رباعی

آنی تو کہ از نام تو مے بارد عشق　　　وز نامہ و پیغام تو مے بارد عشق
عاشق گردد ہر کہ بکویت گزرد　　　آرے ز در و بام تو مے بارد عشق

مولانا جامیؒ فرماتے ہیں[۳]۔ کہ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک بندہ مفلسی و بدکرداری کے سبب سے ناامید ہو جائے گا۔ حق سبحانہ کہے گا۔ اے میرے بندے! کیا تو فلاں محلہ میں فلاں دانشمند یا فلاں عارف کو پہچانتا تھا۔ وہ جواب دے گا۔ ہاں۔ میں پہچانتا تھا۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا۔ جا۔ میں نے تجھے اُس کے طفیل سے بخش دیا۔ جب محض شناخت ولی وسیلۂ نجات ہو۔ تو اولیاء اللہ کی دوستی و محبت اور ان کی سیرت کا اتباع بطریق اولیٰ ایسا ہوگا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے۔ کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اُس شخص کی نسبت کیا فرماتے ہیں جس نے ایک قوم کو دوست رکھا۔ مگر اُن کی ملاقات سے مشرف نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ المرء مع من احبّ یعنی قیامت کے دن انسان اُس کے ساتھ ہوگا جس کو وہ دوست رکھتا تھا انتہیٰ۔ اولیائے کرام وہ مبارک

---

[۱] رشحات۔ ص ۲۶۸

[۲] بہارستان جامی۔ ص ۶

[۳] نفحات الانس۔ ص ۲۱

ہستیاں ہیں کہ جن ان کا ذکر ہوتا ہے۔ وہاں بفحوائے تنزل الرحمۃ عند ذکر الصالحین رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ اِن ہی کے قدموں کی برکت سے آسمان سے مینہ برستا ہے اور زمین سے نباتات اُگتی ہے۔

فوائد مذکورہ بالا کے علاوہ مشائخ کرام کے حالات کے مطالعہ میں اور کئی فائدے ہیں۔ مطالعہ کرنے والوں کو ان بزرگوں سے نسبت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ منکرین کے ہذیانات کے زہریلے اثر سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ سے دریافت کیا گیا۔ کہ حکایات مشائخ سے مریدوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔

الحکایات جند من جنود اللہ یقوی بھا قلوب المریدین (رسالہ قشیریہ۔ باب الارادہ)	حکایات مشائخ خدا کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔ جن سے مریدوں کے دل قوی ہو جاتے ہیں۔

اِس پر آپ سے سوال کیا گیا۔ کہ کیا آپ کے اِس قول پر کوئی شاہد ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں۔ اور وہ اللہ عزّوجلّ کا یہ ارشاد ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ۔ (ھود۔ ع ۱۰)	اور ہر ایک چیز کو ہم بیان کرتے ہیں تجھ سے پیغمبروں کی خبروں سے وہ چیز کہ جس سے کہ ہم ثابت رکھتے ہیں تیرا دل۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔ کہ ہم پیغمبروں کے قصے تجھ سے اِس لئے بیان کرتے ہیں۔ کہ جب تجھ کو کوئی رنج و مصیبت پہنچے۔ تو غور کرے کہ ایسے تکالیف میں ان پیغمبروں نے صبر و توکل سے کام لیا ہے۔ اِس سے تیرے دل کو ثبات و عزم و صبر حاصل ہو جائیگا۔ اِسی طرح بلا و امتحان کے وقت حکایات مشائخ کے سننے سے مریدوں کے دل میں ثبات و قوت و عزم پیدا ہو جاتا ہے۔ مولانا جامی قدس اللہ سرہ السامی نے حضرت سید الطائفہ کے ارشاد کو بہارستان میں یوں منظوم کیا ہے۔ ؎

ہجوم نفس و ہوا کز سپاہِ شیطانند — چو زور بر دلِ مردِ خدا پرست آرد
بجز جنودِ حکایاتِ رہنمایاں را — چہ تاب آنکہ براں رہزناں شکست آرد

حکایاتِ مشائخ کا کمترین فائدہ یہ ہے کہ جب مطالعہ کرنے والا دیکھتا ہے۔ کہ میرے افعال و اقوال و احوال اُن بزرگوں جیسے نہیں۔ تو دید قصور اُس پر غالب آ جاتی ہے۔ اور وہ عُجب و ریا و استحسان سے بچ جاتا ہے۔

مرید صادق کو چاہیئے کہ مناجات کے وقت حضور قلبی اور نہایت عاجزی سے اپنے سلسلہ کے

بزرگوں کو نام بنام یاد کرے اور ہر ایک ظاہری و باطنی مشکل میں ان کو اپنا شفیع بنائے۔ اور ان کے وسیلہ و واسطہ سے دعا مانگے تاکہ جلدی قبول ہو جائے۔

اس کتاب میں تراجم مشائخ کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کے نام بھی دئے گئے ہیں۔ جن سے وہ حالات ماخوذ ہیں۔ عبارت آرائی کا چنداں خیال نہیں رکھا گیا بلکہ یہ کوشش کی گئی ہے۔ کہ وہ حالات معانی کی طرح الفاظ کے لحاظ سے بھی اصل کے عین مطابق ہوں۔ اثنائے مطالعہ میں جہاں کسی صحابی کا نام آئے تو اس نام کے ساتھ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ضرور کہنا چاہیئے۔ اور جہاں اولیاء اللہ میں سے کسی کا نام آئے۔ تو اس کے ساتھ قدس سرہ یا رحمۃ اللہ تعالےٰ یا رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اضافہ لازم ہے۔

اخیر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے۔ کہ "سیرت رسول عربی" صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح اس کتاب کی طبع و اشاعت کی سعادت کا قرعہ بھی میرے برادر عزیز عالی جناب فیضمآب چودھری محمد سلیمان صاحب بی۔اے ایڈوکیٹ ہائی کورٹ پنجاب کے اسم گرامی پر پڑا۔ اللہ تعالےٰ چودھری صاحب موصوف کو دنیا و آخرت میں آبرو سے رکھے۔ اور ان کے صاحبزادگان کو صالح اور طویل العمر بنائے۔

۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ
۱۳۔ مئی ۱۹۳۸ء

محمد نور بخش حنفی نقشبندی مجددی توکلی
لودہیانہ۔ نور منزل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور امام اولیاء، سرور انبیاء، باعث ایجاد عالم۔ فخر موجودات۔ محبوب رب العالمین۔ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین۔ منبع فیض انبیاء ومرسلین۔ معدن علوم اولین وآخرین۔ واسطہ ہر فضل وکمال مظہر ہر حسن وجمال اور خلیفہ مطلق ونائب کل حضرت باریتعالیٰ عزاسمہٗ کے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے آپ کے نور کو پیدا کیا۔ پھر اُسی نور کو واسطہ خلق عالم ٹھہرایا۔ عالم ارواح ہی میں اُس نور کو خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اُسی عالم میں دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی روحوں سے عہد لیا گیا کہ اگر وہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو پائیں۔ تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں۔ جیساکہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیہ میں مذکور ہے۔ اِسی واسطے تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو حضور کی آمد کی بشارت دیتے رہے ہیں۔

جب اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ان کی پشت مبارک میں بطور ودیعت رکھا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے وہ نور حضرت حوا کے رحم پاک میں منتقل ہوا۔ پھر حضرت حوا سے حضرت شیث علیہ السلام کی پشت میں منتقل ہوا۔ اس طرح یہ نور انور پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا ہوا حضور کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کی پشت مبارک میں منتقل ہوا۔ اور حضرت عبد اللہ سے حضرت آمنہ کے بطن مبارک میں منتقل ہوا۔

اِسی نور کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام مسجود ملائک بنے۔ اور اسی نور کے وسیلے سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اِسی نور کی برکت سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی غرق ہونے سے بچی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود گلزار ہوگئی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت دور ہوگئی۔ اور اسی نور کی برکت سے حضرات انبیائے سابقین علیہم السلام پر اللہ تعالےٰ کی عنایات بےغایت ہوئیں۔ حضور اپنی والدہ ماجدہ کے بطن مبارک میں ہی تھے

کہ آپ کے والد حضرت عبداللہ نے انتقال فرمایا۔

آپ کا تولد شریف سال فیل میں سنہ ۵۷۱ء میں ہوا۔ اصحاب فیل کا قصہ بقول جمہور نصف ماہ محرم میں تولد شریف سے ۵۵ روز پہلے وقوع میں آیا۔ تولد شریف کے وقت آپ کے ساتھ ایسا نور نکلا کہ مکہ مشرفہ کے رہنے والوں کو ملک شام کے قیصری محل نظر آ گئے۔ اور دیگر خوارق مثلاً ایوان کسرےٰ کے چودہ کنگروں کا گر پڑنا۔ آتش فارس کا بجھ جانا۔ بحیرہ ساوہ کا خشک ہو جانا اور وادی سماوہ کی ندی کا لبالب بہنا وغیرہ وقوع میں آئے۔

سب سے پہلے آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے کئی دن دودھ پلایا۔ پھر آپ نے چند روز ابولہب کی آزاد کی ہوئی لونڈی ثویبہ کا دودھ پیا۔ بعد ازاں حلیمہ سعدیہ آپ کو اپنے قبیلہ میں لے گئیں۔ وہیں پہلی بار حضور کا شق صدر ہوا۔ دوسرا شق صدر دس برس کی عمر شریف میں اور تیسرا غار حراء میں بعثت کے وقت اور چوتھا شب معراج میں ہوا۔ جب آپ کی عمر شریف چھ سال کی ہوئی۔ تو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ انتقال فرما گئیں۔ اور آپ کا دادا عبدالمطلب آپ کی پرورش کا کفیل ہوا۔ جب آٹھ سال کے ہوئے۔ تو عبدالمطلب نے بھی وفات پائی۔ پھر حضور اپنے چچا ابوطالب کے ہاں پرورش پاتے رہے۔ بارہ سال کی عمر شریف میں آپ ابوطالب کے ساتھ ملک شام کو تشریف لے گئے۔ اس سفر میں بحیرا راہب نے آپ کو دیکھ کر کہا۔ کہ یہ رسول رب العالمین ہیں۔ چودہ سال کی عمر میں آپ نے اپنے چچاؤں کے ساتھ حرب فجار میں شرکت فرمائی۔ پچیس سال کی عمر شریف میں آپ حضرت خدیجہ کی طرف سے بغرض تجارت شام کو تشریف لے گئے۔ اس سفر میں نسطورا راہب نے آپ کی نسبت کہا کہ یہ آخر الانبیاء ہیں۔ اس سفر سے واپسی کے قریباً تین ماہ بعد حضور کا نکاح حضرت خدیجہ سے ہو گیا۔ جب آپ کی عمر شریف ۳۵ سال کی ہوئی۔ تو قریش نے عمارت کعبہ کو از سر نو بنایا۔ اس تعمیر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شریک تھے۔ اور اپنے چچا حضرت عباس کے ساتھ کندھے پر پتھر اُٹھا کر لا رہے تھے

جب عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی۔ تو اللہ تعالےٰ نے آپ کو منصب نبوت عطا فرمایا۔ چنانچہ آپ خفیہ طور پر بعض لوگوں کو دعوت اسلام دینے لگے۔ اس دعوت پر کئی مرد و زن آپ پر ایمان لائے۔ چنانچہ مردوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق۔ لڑکوں میں سے حضرت علی عورتوں میں حضرت خدیجہ۔ آزاد کئے ہوئے غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اور غلاموں میں حضرت بلال ہیں رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

خفیہ دعوت کے تین سال بعد اعلان دعوت کا حکم آیا۔ تبلیغ علی الاعلان پر قریش برافروختہ ہو گئے

اور آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اذیت دیتے رہے۔ نبوت کے پانچویں سال حضور نے اپنے اصحاب سے فرمایا
کہ تم میں سے جو چاہیں ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں چنانچہ پہلی بار گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی
نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہ ایمان لائے اور ان کے تین دن بعد حضرت عمر فاروق بھی مشرف باسلام
ہوئے۔ اسلام کی ترقی پر قریش مسلمانوں کو اور ایذا دینے لگے۔ اس لئے ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتوں نے
دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ قریش نے نجاشی کے پاس اپنی سفارت بھیجی کہ مہاجرین کو واپس کر دے
مگر وہ سفارت بے نیل مرام واپس آئی۔ اس لئے قریش نے اب بالاتفاق یہ قرار دیا۔ کہ (حضرت) محمد
(صلے اللہ علیہ وسلم) کو علانیہ قتل کر دیا جائے۔ بنو ہاشم و بنو مطلب حضور کو بغرض حفاظت شعب ابی طالب
میں لے گئے۔ اس پر قریش نے بنو ہاشم و بنو مطلب سے مقاطعہ کر دیا۔ تاکہ تنگ آکر حضور کو ان کے
حوالے کر دیں۔ اور اس بارے میں ایک تحریری معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ کی چھت میں لٹکا دیا۔ قریش نے
نہایت سختی سے اس معاہدہ کی پابندی کی۔ تین سال کے بعد حضور نے خبر دی کہ اس معاہدہ کو دیمک
چاٹ گئی ہے۔ اور سوائے اللہ کے نام کے کچھ نہیں چھوڑا۔ جب معاہدہ کو دیکھا گیا۔ تو حضور کا ارشاد صحیح
نکلا۔ مگر مخالفین بجائے روبراہ ہونے کے اور درپئے ایذاء ہو گئے۔ ماہ رمضان سنہ ۱۰ نبوت میں ابو طالب کا
انتقال ہو گیا۔ اور اس کے تین دن بعد حضرت خدیجۃ الکبرٰے نے بھی انتقال فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے پریشانی کی حالت میں طائف کا سفر کیا۔ مگر اشراف ثقیف نے آپ کی دعوت کا بری طرح سے جواب
دیا۔ اور واپسی پر اس قدر پتھر برسائے کہ نعلین شریفین خون آلودہ ہو گئیں۔

آپ کی عادت شریف تھی کہ ہر سال موسم حج میں تمام قبائل عرب کو جو مکہ اور نواح مکہ میں موجود ہوتے
دعوت اسلام دیا کرتے تھے۔ اور میلوں میں بھی اسی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ نبوت کے
گیارھویں سال آپ نے حسب عادت منٰی میں عقبہ کے نزدیک جہاں اب مسجد عقبہ ہے۔ قبیلہ خزرج کے
چھ آدمیوں کو دعوت اسلام دی۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے مدینہ میں اپنے بھائیوں کو اسلام
کی دعوت دی۔ اس لئے آئندہ سال بارہ مرد ایام حج میں مکہ میں آئے۔ اور حضور کے دست مبارک پر
بیعت ہوئے۔ بقول مشہور اسی سال ماہ رجب کی ستائیسویں رات حضور کو حالت بیداری میں جسد
شریف کے ساتھ معراج ہوا اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ نبوت کے تیرھویں سال انصار میں سے
۷۳ مرد اور دو عورتوں نے حضور کی بیعت کی۔

قریش کی ایذاء رسانی سے اب مسلمانوں کا قیام مکہ میں دشوار ہو گیا۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی اجازت سے صحابہ کرام متفرق طور پر رفتہ رفتہ چوری چھپے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔

اور مکہ میں حضور کے علاوہ حضرت ابوبکر و علی اور کچھ بیمار و عاجز رہ گئے۔
قریش نے جب دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مددگار مکہ سے باہر مدینہ میں بھی ہوگئے ہیں۔ تو وہ ڈرے کہ کہیں ایسا ہو کہ آپ بھی وہاں چلے جائیں اور اپنے مددگاروں کو ساتھ لے کر مکہ پر حملہ آور ہوں۔ اس لئے انہوں نے دارالندوہ میں جمع ہو کر شیخ نجدی کے مشورہ سے یہ قرار دیا کہ رات کو حضور کو قتل کر دیا جائے۔ حضور کو بذریعہ وحی خبر ہوگئی۔ کفار نے حسب قرارداد رات ہوتے ہی حضور کے دولتخانہ کو گھیر لیا۔ آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر چھوڑا اور ایک مشت خاک لے کر سورہ یٰس شریف کی شروع کی آیات پڑھ کر کفار پر پھینک دی، کفار کو کچھ نظر نہ آیا۔ اور آپ وہاں سے نکل کر حضرت صدیق اکبر کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ تین رات غار ثور میں رہے قدید کے قریب سراقہ بن جعشم آپ کے تعاقب میں آیا۔ آپ کی دعاء سے اُس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ اور وہ معافی مانگ کر واپس چلا آیا۔ قدید ہی میں حضور کا گزر ام معبد کے خیمہ پر ہوا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن پہنچے۔ یہی تاریخ اسلامی کی ابتداء ہے۔ آپ نے قباء میں مسجد قباء کی بنیاد ڈالی جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ مدینہ میں آپ کی تشریف آوری سے مسلمانوں کو جو خوشی ہوئی وہ بیان نہیں ہوسکتی۔ آپ نے حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان پر قیام فرمایا۔ اس سال مسجد نبوی، ازواج مطہرات کے لئے حجرے اور مہاجرین کے لئے مکانات بن کر تیار ہوگئے۔ آذان مشروع ہوگئی۔ حضور نے اپنے اصحاب کے درمیان مواخات کرائی۔
ہجرت کے دوسرے سال قبلہ نماز بجائے بیت المقدس کے کعبہ شریف ہوگیا۔ رمضان شریف کے روزے فرض ہوگئے۔ اور غزوات و سرایا کا آغاز ہوا۔ غزوات تعداد میں ۲۷ ہیں اور سرایا ۴۷۔ بڑے بڑے غزوات جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے سات ہیں۔ بدر۔ اُحد۔ خندق۔ خیبر۔ فتح مکہ۔ حنین۔ تبوک۔ جن غزوات میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے قتال فرمایا وہ یہ ہیں۔ بدر۔ اُحد۔ خندق۔ مصطلق۔ خیبر۔ فتح مکہ۔ حنین۔ طائف۔ غزوات میں سب سے اخیر غزوہ تبوک ماہ رجب ۹ھ میں تھا۔
ہجرت کے ساتویں سال کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے والیان ملک (قیصر و کسرٰے و نجاشی وغیرہ) کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔ اور ۹ھ میں غزوہ تبوک سے واپسی پر مسجد ضرار جو منافقین نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی غرض سے بنائی تھی آپ کے حکم سے جلا دی گئی۔ اسی سال وفود عرب دربار رسالت میں اس کثرت سے حاضر ہوئے کہ اسے سال وفود کہا جاتا ہے۔ یہ وفود بالعموم نعمت ایمان سے مالامال ہو کر واپس گئے۔ ۱۰ھ میں بھی وفود عرب خدمت اقدس میں حاضر

ہوتے رہے۔ اہل یمن وملوک حمیر ایمان لائے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام دنیا بالخصوص عرب بر حد سے زیادہ جہالت و گمراہی چھائی ہوئی تھی۔ ان کی اخلاقی و مذہبی پستی حد غایت کو پہنچی ہوئی تھی۔ موافق و مخالف سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمّی تھے۔ اُمیوں میں آپ نے پرورش پائی۔ کسی سے تعلم وتلمذ نہ کیا اور نہ لکھنا پڑھنا سیکھا۔ مگر آپ نے بتعلیم الٰہی اپنے اصحاب کرام کو وہ تعلیم روحانی دی کہ وہ معارف ربانی کے عارف اور اسرار فرقانی کے ماہر بن گئے۔ جس کسی نے دولت ایمان سے سرفراز ہو کر کچھ وقت بھی شرف ملازمت حاصل کر لیا۔ وہی عالم ربّانی اور عارف یزدانی بن گیا۔ آپ کی صحبت میں صحابہ کرام میں سے ہر ایک کو نسبت خاصہ اور قوت قدسیہ مبدأ فیاض سے عطا ہوگئی۔ قصہ کوتاہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام کو اسلام وایمان اور احسان سے مالامال کر کے اور سچے دین کے ظاہری و باطنی علوم سکھا کر ماہ ربیع الاول ۱۱ھ میں دوشنبہ کے دن الرفیق الاعلیٰ پکارتے ہوئے اعلیٰ علیین قرب العالمین میں جا سدھارے۔ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ افضل الصلوات واکمل التحیات۔ مگر حضور سراپا رحمۃ للعالمین اور حیات النبی ہیں۔ قیامت تک حضور کی امت مرحومہ کو حضور سے وہی فیضان بواسطہ خواص اُمت علمائے کرام وصوفیہ عظام پہنچتا رہے گا۔ جو حضور کی ظاہری زندگی میں پہنچتا تھا۔ حضور کی اُمت میں وقتاً فوقتاً اولیاء وصلحاء پیدا ہوتے رہیں گے۔ جو اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو علوم ظاہری و باطنی کے فیضان سے مالامال کرتے رہیں گے۔ اور ان اولیائے کرام کے ذریعے حضور ختم المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق ہوتی رہے گی۔ چنانچہ حضرت امام وقت سیدنا مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں یوں فرماتے ہیں:۔

"خداوند تعالے برہان نبوی را تا امروز باقی گردانیدہ است و اولیاء را سبب اظہار آں کردہ۔ تا پیوستہ آیات حق وحجت صدق سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہرے باشند۔ وایشاں را والیان عالم گردانیدہ تا محرم شگشتہ اند وراہ متابعت نفس را درنوشتہ۔ از آسمان باراں ببرکت اقدام ایشاں آید۔ واز زمین نباتات ببرکات صفائی احوال ایشاں روید"

میرے پیرو دستگیر حضرت خواجہ انباوی روحی وقلبی فداہ فرماتے ہیں:۔

"حقیقت محمدیہ کا تعلق جس طرح ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حیات میں تھا بعینہ وہی تعلق اب بعد وصال بھی بدن مبارک کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دین کو کوئی

نہیں بول سکتا۔ اور جس طرح حضور پر نور کی حیات میں آپ کے تصرفات جاری تھے۔ ویسے ہی اب بھی جاری ہیں۔ یہی معنی ہیں حیات النبیؐ ہونے کے۔ اور اسی وجہ سے قطب۔ غوث۔ ابدال اوتاد وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہوتے رہیں گے۔" (ذکر خیر)۔

فقیر توکلی نے یہاں بطور تبرک حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے چند بڑے بڑے واقعات کی نہایت مختصر سی فہرست پیش کر دی ہے۔ ان واقعات کی تفصیل اور حضور انور کے خلق عظیم وحلیہ شریف ومعجزات ومناقب وخصائص اور امت پر حضور کے حقوق وغیرہ کے بیان کے لئے ایک علیحدہ کتاب موسوم بہ "سیرت رسول عربی" صلے اللہ علیہ وسلم لکھی ہے۔ جو چھپ چکی ہے۔ اس کا مطالعہ مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لئے ضروریات سے ہے۔

ارشاداتِ قدسیہ

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قدسیہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق آپ کے ارشادات قدسیہ نہ پائے جاتے ہوں۔ نظر بر مضمون کتاب بغرض ترغیب اربعین صوفیہ اس کتاب کے اخیر میں درج ہیں۔ اللّٰھم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا ومولانا محمد واصحاب سیدنا ومولانا محمد واھل بیت سیدنا ومولانا محمد وازواج سیدنا ومولانا محمد وذریۃ سیدنا ومولانا محمد واتباع سیدنا ومولانا محمد وبارک وسلم۔

۲۔ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا اسم گرامی عبد اللہ اور آپ کے والد بزرگوار کا نام مبارک ابو قحافہ عثمان تھا۔ صدیق اور عتیق آپ کے لقب ہیں۔ آپ کی پیدائش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تولد شریف سے دو سال اور کچھ مہینے بعد ہوئی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مرّہ بن کعب میں ملتے ہیں۔ مرّہ اور حضرت ابوبکر صدیق میں چھ واسطے ہیں۔ اسی طرح مرّہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ واسطے ہیں۔ آپ زمانہ جاہلیت میں رؤسائے قریش میں سے تھے اور سب سے بڑھ کر عالم انساب تھے۔ منصب دیات آپ کے متعلق تھا۔

فضائل ومناقب | مردوں میں آپ سب سے پہلے ایمان لائے۔ اسلام لاتے ہی آپ نے تبلیغ کا کام

شروع کر دیا۔ چنانچہ حضرات عشرہ مبشرہ میں سے عبد الرحمٰن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ عثمان بن عفان۔ زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ہی کی دعوت سے مشرف باسلام ہوئے۔ صحابہ کرام میں آپ کے لئے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کے والد اور آپ کی تمام اولاد اور آپ کا پوتا ابو عتیق محمد بن عبد الرحمٰن سب صحابی ہیں۔ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

۵ نبوت میں آپ ہجرت کے ارادے سے حبشہ کی طرف نکلے۔ برک الغماد تک جو مکہ سے یمن کی جانب پانچ دن کی راہ ہے پہنچے تھے۔ کہ قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغنہ (ربیعہ بن رفیع) ملا۔ اُس نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ میری قوم نے مجھے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا" یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ سا فیاض۔ اپنوں سے نیک سلوک کرنے والا۔ غریب پرور۔ مہمان نواز اور حوادث حق میں لوگوں کا مددگار مکہ سے نکل جائے یا نکالا جائے۔ میں آپ کو اپنی حفاظت (جوار) میں لیتا ہوں۔ آپ واپس چلئے۔ اور اپنے شہر میں اپنے پروردگار کی عبادت کیجئے" چنانچہ آپ واپس آئے اور ابن الدغنہ آپ کے ساتھ آیا۔ وہ شام کو سردارانِ قریش سے ملا اور اُن سے کہا کہ ابو بکر سا شخص نکلنے نہ پائے اور نہ نکالا جائے۔ کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو فیاض اپنوں سے نیک سلوک کرنے والا۔ غریب پرور مہمان نواز اور حوادث حق میں لوگوں کا مددگار ہے۔ یہ سُن کر قریش نے ابن الدغنہ کی جوار کو ردّ نہ کیا۔ اور اُس سے کہا کہ ابو بکر سے کہہ دو کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے۔ اور نماز میں چپکے جو چاہے پڑھے۔ مگر ہمیں ایذا نہ دے اور آواز سے قرآن نہ پڑھے۔ کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ مبادا ہماری عورتوں اور بچوں پر قرآن کا اثر پڑ جائے۔ ابن الدغنہ نے یہی آپ سے ذکر کر دیا۔ آپ نے کچھ مدت یہ پابندی اختیار کی کہ اپنے گھر میں خدا کی عبادت کرتے اور چپکے نماز پڑھتے۔ اور گھر کے سوا کسی اور جگہ قرآن نہ پڑھتے۔ بعد ازاں آپ نے اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی جس میں آپ نماز پڑھتے اور قرآن باآواز پڑھتے۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور تعجب سے آپ کی طرف دیکھتے۔ آپ رقیق القلب تھے۔ قرآن پڑھتے تو بے اختیار روتے۔ آپ کی قراءت اور رقت سے سردارانِ قریش ڈر گئے۔ انہوں نے ابن الدغنہ کو بلا کر کہا کہ ہم نے ابو بکر کو تمہاری جوار کے سبب سے بدیں شرط پناہ دی ہے کہ وہ اپنے گھر میں چپکے اپنے رب کی عبادت کرے۔ مگر اُس نے خلاف شرط اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی ہے۔ جس میں وہ بہ آواز بلند نماز و قرآن پڑھتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ مبادا ہماری عورتوں اور بچوں پر اُس کا اثر پڑے۔ تم اُس کو روک دو۔ ہاں اگر وہ اپنے گھر کے اندر چپکے عبادت کرنا چاہے۔ تو کیا کرے۔ اور اگر بہ آواز قرآن

پڑھنے پر اصرار کرے۔ تو تم اُس کی حفاظت کی ذمہ واری واپس لے لو۔ کیونکہ ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہم تمہارے عہد حفاظت کو توڑ دیں۔ ہم ابوبکر کو قراءت بالجہر کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ سُن کر ابن الدغنہ آپ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا کہ آپ کو میری جوار کی شرط معلوم ہے۔ آپ اُس کی پابندی کریں ورنہ میری ذمہ واری واپس کر دیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ عرب یہ سنیں کہ ایک شخص کی حفاظت کا عہد جو میں نے کیا تھا وہ توڑ ڈالا گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں تمہاری جوار تم کو واپس کرتا ہوں اور خدا کی جوار پر راضی ہوں[1]

قصہ مذکورہ بالا سے حضرت ابوبکر صدیق کی بڑی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ ابتدائے بعثت میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے جن اوصاف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا تھا ان ہی اوصاف سے ابن الدغنہ نے جو بعد میں ایمان لائے حضرت صدیق اکبر کو یاد کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ برحق اور مبشر بالجنۃ اور افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ آپ کے فضائل میں کئی آیتیں وارد ہوئی ہیں۔

(۱) اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ الآیہ (توبہ ع)	اگر تم اُس کو مدد نہ دو گے۔ پس تحقیق اللہ نے اُس کو مدد دی ہے جس وقت اُس کو نکال دیا تھا کافروں نے۔ دوسرا دو میں کا جس وقت وہ دونوں غار میں تھے۔ جب وہ اپنے رفیق سے کہتا تھا۔ غم مت کھا۔ تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس آیت میں بالاتفاق صاحب سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ یہ وہ منقبت ہے کہ جس میں کوئی دوسرا صحابی آپ کا شریک نہیں۔

ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاعر حسانؓ سے پوچھا۔ کہ کیا تم نے ابوبکر کی شان میں کچھ کہا ہے۔ حضرت حسان نے عرض کیا کہ ہاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سناؤ۔ میں سنتا ہوں۔ پس حضرت حسان نے یہ دو شعر پیش کئے۔ ؎

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو بہ اذ صاعد الجبلا	وہ غار شریف میں دو میں کے دوسرے تھے جس حال میں کہ دشمن پہاڑ پر چڑھ کر ان کے گرد پھرا۔

[1] صحیح بخاری۔ باب ہجرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ۔
[2] صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر۔ تفسیر سورہ علق۔

وکان حِبّ رسول اللہ قد علموا	وہ رسول اللہ کے محبوب تھے۔ لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ رسول اللہ
من البریۃ لم یعدل بہ رجلا	نے خلق میں سے کسی کو آپ کے برابر نہیں فرمایا۔

یہ شعر سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوئے۔ اور فرمایا "حسان! تم نے سچ کہا۔ وہ حقیقت میں ہیں ہی ایسے"[1]

(۲) وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (نور۔ ع)	اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے تم میں اور کشایش والے اِس سے کہ دیویں ناتے والوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں۔ اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کردے۔ اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔

یہ آیت حضرت صدیق اکبر کی شان میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ موضح القرآن میں ہے کہ "جب طوفان بولنے والے جھوٹے پڑے اوران کو حد ماری گئی اسی کوڑے۔ جو ان میں دو تین مسلمان تھے۔ ایک شخص تھا مسطح ابوبکر صدیق کا بھانجا مفلس۔ یہ اُس کی خبر لیتے تھے سا بچے قسم کھائی کہ اُس کو کچھ نہ دوں گا۔ اللہ نے اُس کی سفارش کردی کہ وہ تھا مہاجرین سے اہل بدر سے۔ بڑائی والے کہا صدیق اکبر کو۔ جو اُن کی بڑائی نہ مانے۔ وہ اللہ سے جھگڑے۔ پھر انہوں نے قسم کھائی کہ جو دیتا تھا۔ وہ کبھی بند نہ کروں گا۔" حکیم سنائی فرماتے ہیں ؎

بود چنداں کرامت وفضلش	کہ اولوا الفضل خواند ذوالفضلش
صورت وسیرتش ہمہ جاں بود	زاں زچشم عواں پنہاں بود
روز وشب سال وماہ ہمہ در کار	ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

(۳) وَالَّذِيْ جَاۗءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (زمر۔ ع)	اور جو لایا سچی بات اور سچ مانا جس نے اُس کو وہی لوگ ہیں پرہیزگار۔

اِس آیت میں بقول حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جو سچی بات لائے وہ نبی صلے اللہ

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للسبکی۔ جزو اول۔ ص۱۱۔ زرقانی علی المواہب بحوالہ ابن عدی و ابن عساکر بروایت الشرح۔ ہجرۃ المصطفےٰ واصحابہ الی المدینۃ۔

علیہ وسلم ہیں۔ اور جس نے تصدیق کی وہ صدیق اکبرؓ ہیں۔

(۴) وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝ (سورہ لیل)

اور بچایا جاوے گا اس سے وہ بڑا پرہیزگار جو دیتا ہے اپنا مال پاک ہونے کو اور نہیں کسی کا اُس پر احسان کہ بدلہ دیا جائے مگر واسطے چاہنے رضامندی اپنے پروردگار بلند کی۔ اور بے شک وہ آگے راضی ہوگا۔

یہ آیتیں بالاتفاق حضرت صدیق اکبر کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں صراحت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اتقیٰ ہیں۔ جو اتقیٰ ہو۔ وہ اللہ کے نزدیک اکرم ہے۔ چنانچہ ارشاد باریتعالےٰ ہے۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ اور جو اکرم ہو۔ وہ افضل ہوتا ہے۔ پس حضرت ابوبکر صدیق باقی اُمت سے افضل ثابت ہوئے۔ حضرت صدیق اکبر نے جس طرح اپنا مال راہ خدا میں خرچ کیا۔ اس کا بیان عنقریب آتا ہے۔

آیات مذکورہ بالا کے سوا اور آیتیں بھی ہیں جو حضرت صدیقِ اکبر کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ آپ کی خلافت راشدہ کے ثبوت میں جو آیات وارد ہیں وہ علاوہ ہیں۔ نظر بر اختصار ہم ان کو یہاں نقل نہیں کرتے۔

آیات قرآن کریم کے علاوہ آپ کے مناقب میں احادیث بکثرت آئی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا خلیل بناتا۔ تو ابوبکر کو بناتا۔ نیز فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ دیا ہے۔ مگر ابوبکر کا احسان ایسا ہے کہ اُس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ دے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میرے نزدیک ابوبکر مردوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ نیز حضرت صدیق سے ارشاد فرمایا۔ انتؐ عتیق اللہ من النار جس کے باعث آپ کا لقب عتیق ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے۔ کہ اے ابوبکر! تم میری امت میں سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوگے۔ وغیر ذالک

آپ کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ آپ کو ضمنیت کبریٰ حاصل تھی۔ ضمنیت سے مراد یہ ہے کہ ایک ولی دوسرے کے ضمن میں ہو۔ پس جو کمال پہلے کو حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا بے اختیار اُس میں شریک ہوتا ہے۔ جس طرح بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو اپنے پیٹ میں لے لیتی ہے۔ جس جگہ وہ سیر کرتی ہے۔

لہ تو اللہ کا آتش دوزخ سے آزاد کیا ہوا ہے۔

چھوٹی بے اختیار اُس سیر میں شریک ہوتی ہے۔ اگر ایک ولی کی ضمنیت دوسرے ولی کو حاصل ہو۔ تو اُسے ضمنیت صغرٰے کہتے ہیں۔ جس ولی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ضمنیت حاصل ہو۔ اُسے ضمنیت کبرٰے بولتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق کو ضمنیت کبرٰے حاصل تھی۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَا صَبَّ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ[۱] یعنے حقائق ومعارف میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں ڈالا ہے وہی میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

آنچہ بود از بارگاہ کبریا ۔۔۔ ریخت در صدر شریف مصطفیٰ
آن ہمہ در سینہ صدیق ریخت ۔۔۔ لاجرم تا بود زو تحقیق ریخت

آپ سفر وحضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں۔ اور تمام غزوات میں حضور انور بابی ہو وامی کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ہجرت کے وقت آپ غار میں ثانی اور بدر کے دن عریش میں ثانی اور موت کے بعد قبر میں بھی ثانی ہیں۔

علم وشجاعت آپ کے اخلاق حمیدہ میں سے بعضے اوصاف کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ نظر براختصار صرف چند جزئیات اور پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وفات شریف سے پانچ روز پیشتر جمعرات کے دن نماز ظہر کے بعد) لوگوں میں خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ نے ایک بندے کو دنیا اور ماعند اللہ (جو کچھ اللہ کے پاس ہے) میں اختیار عطا فرمایا۔ اُس بندے نے ماعند اللہ کو اختیار کیا۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر رو پڑے۔ ہمیں ان کے رونے پر تعجب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک بندے کی خبر دے رہے ہیں جس کو اختیار دیا گیا ہے۔ (یہ رونے کی کیا بات ہے۔) مگر ابوبکر ہم میں اَعْلَم تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ وہ بندہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ لوگوں میں مجھ پر سب سے زیادہ جان ومال صرف کرنے والوں میں ابوبکر ہیں۔ اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی اور کو اپنا خلیل بناتا۔ تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن اخوت ومحبت اسلام باقی ہے۔ مسجد کے رُخ ابوبکر کے دریچہ کے سوا کوئی دریچہ غیر مسدود نہ رہنے پائے۔[۲]

امام فخر رازی یہ روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ صحابہ کرام کو سُنائی۔ تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور انہوں نے اظہار مسرت کیا۔ مگر حضرت

---

[۱] مکتوبات قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ۔
[۲] صحیح بخاری۔ باب قول النبی صلے اللہ علیہ وسلم سدّوا الابواب الاباب ابی بکر۔

ابوبکر رو پڑے۔ ان سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے قرب پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ کمال کے بعد زوال ہی ہوا کرتا ہے۔ اس سے حضرت ابوبکر صدیق کا کمال علم معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس آیت سے اِس سِر پر آپ کے سوا کوئی صحابی واقف نہ ہوا[1]۔

جمادی الاولے ۸ھ میں جنگ موتہ میں مشرکین روم و عرب نے حضرت زید بن حارثہ کو شہید کر دیا تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض موت میں رومیوں سے جہاد کرنے اور حضرت زید کا بدلہ لینے کے لئے ایک لشکر تیار کیا جس میں اعیان مہاجرین و انصار صدیق اکبر فاروق اعظم۔ ابو عبیدہ بن جراح۔ سعد بن ابی وقاص۔ سعید بن زید۔ قتادہ بن نعمان۔ سلمہ بن اسلم وغیرہ شامل تھے۔ اور حضرت اسامہ بن زید کو اس لشکر کا سردار مقرر کیا اور اپنے دست مبارک سے حضرت اسامہ کے لئے جھنڈا تیار فرمایا۔ پنجشنبہ کے دن ۸ ربیع الاول کو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو بلا کر خلیفہ نماز مقرر فرمایا۔ چنانچہ وفات شریف تک وہی نماز پڑھاتے رہے۔ متعینان لشکر مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں جمع ہوئے۔ اور کوچ کرنے کو ہی تھے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہو گیا۔ اس لئے وہ لشکر واپس مدینہ منورہ میں آگیا۔ اسی اثناء میں خبر لگی کہ عرب کے کئی قبیلے دین اسلام سے پھر گئے ہیں اور بعضوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ بنابریں بعض اصحاب نے حضرت صدیق اکبر سے عرض کیا کہ ایسی حالت میں ایسے لشکر جرار کا دور دراز مہم پر بھیجنا خلاف مصلحت ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف نہیں کر سکتا۔ آپ نے حضرت اسامہ کی اجازت سے حضرت عمر فاروق کو مشورہ کے لئے اپنے پاس رکھ لیا۔ غرض وہ لشکر بسرکردگی اسامہ ملک شام کو روانہ ہو گیا اور مظفر و منصور واپس آیا۔

آپ نے لشکر اسامہ کی روانگی کے ساتھ ہی مرتدین سے جہاد کا حکم دیا۔ یہ مرتدین عرب کے مختلف مقامات میں تھے۔ آپ نے سرایا بھیج کر ان سب کو زیر کیا اور ان کے ارتداد کا انسداد کیا۔ اسی طرح منکرین زکوٰۃ کے ساتھ بھی جہاد کی تیاری کی گئی۔ حضرت عمر فاروق نے کہا۔ آپ لوگوں سے کیسے قتال کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ کہیں	امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا لا الٰہ

---

[1] تفسیر کبیر۔ جزء ثالث۔ تحت الیوم اکملت لکم الآیہ۔

[2] یہ تاریخ بنا بر قول جمہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ۱۲ ربیع الاول کو تھا۔

الا اللہ فمن قال لا الٰہ الا اللہ عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ (مشکوٰۃ - کتاب الزکوٰۃ)	لا الٰہ الا اللہ - جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا - اُس نے مجھ سے اپنا مال اور جان بچا لی مگر بحق اسلام (دیت قصاص وغیرہ) اور اس کا حساب خدا پر ہے ۔

یہ سُن کر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا" خدا کی قسم! میں ضرور جہاد کروں گا ان لوگوں سے جنہوں نے نماز و زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا۔ کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم! اگر وہ بزغالہ یک سالہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے مجھے نہ دیں۔ تو میں ان کے منع پر ضرور ان سے قتال کروں گا" حضرت عمر فاروق نے فرمایا" خدا کی قسم! اِس حجت میں میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کو قتال کے لئے شرح صدر عطا فرمایا ہے۔ پس میں نے پہچان لیا کہ قتال ہی حق ہے" ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق نے کہا۔ اے خلیفۂ رسول اللہ! لوگوں سے موافقت کیجئے اور ان کے ساتھ نرمی کیجئے۔ یہ سُن کر حضرت صدیق اکبر نے جواب دیا۔

اجبّار فی الجاھلیۃ وخوار فی الاسلام	کیا آپ امر جاہلیت میں جبار و قہار اور کاروبار اسلام میں سست بنتے ہیں[۱]۔

بعض روایات میں وارد ہے کہ دیگر صحابہ کرام حتیٰ کہ حضرت مولےٰ مرتضیٰ نے بھی حضرت صدیق اکبر کو جہاد سے منع کیا اور کہا کہ عہد خلافت کا آغاز ہے اور مخالفین کی جماعت کثیر ہے - ایسا نہ ہو کہ کارخانہ اسلام میں کوئی خلل و فتور واقع ہو۔ توقف و تاخیر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ مگر صدیق اکبر نے جواب دیا کہ میں جہاد سے نہیں رُک سکتا۔ اگر تمام لوگ ایک طرف ہو جائیں تو میں تنہا جہاد کروں گا۔ آخر کار تمام صحابہ کرام نے آپ سے اتفاق کیا اور کامیابی کے ساتھ جہاد کیا۔

روایات مذکورہ بالا سے حضرت صدیق اکبر کا اشجع الصحابہ اور اعلم الصحابہ ہونا ثابت ہے۔

جود و سخاوت | حضرت صدیق اکبر نے اسلام لاتے ہی اپنا مال جو چالیس ہزار درہم تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ چنانچہ وہ مال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور حضور انور کے حکم سے مسلمانوں پر صرف ہوتا رہا۔ آپ نے سات[۲] مرد و زن کو جو غلامی کے سبب کفار کے ہاتھ سے سخت بدنی تکلیفیں اُٹھا رہے تھے بھاری داموں پر خرید کر آزاد کر دیا۔ ہجرت مدینہ تک تیرہ سال میں

---

[۱] مشکوٰۃ - باب فی مناقب ابی بکر الصدیق۔

[۲] یعنی حضرات بلال حبشی - عامر بن فہیرہ - زنیرہ رومیہ - نہدیہ - دختر نہدیہ - ابو عُبیس - کنیز بنی مؤمل رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

جو کچھ آپ نے تجارت سے کمایا۔ وہ بھی اعانت اسلام میں کام آیا۔ جب ہجرت کا وقت آیا۔ تو اُس وقت پانچ ہزار درہم آپ کے پاس تھے۔ وہ ہمہ ہجرت اور زمین مسجد کی خرید اور دیگر وجوہ خیرات میں صرف ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:۔

ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر	مجھے کسی کے مال نے وہ نفع نہیں دیا جو ابو بکر کے مال نے دیا۔

وجہ یہ کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور ابو طالب وعبد المطلب کا مال جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خرچ میں آیا۔ وہ فقط خوراک وپوشاک اور صلہ رحم ومہمان نوازی اور محتاجوں کی خبر گیری کے لئے تھا۔ اور صدیق اکبر کا مال شوکت اسلام کی زیادتی اور کفار کے ہاتھ سے مسلمانوں کی خلاصی اور ضعفائے اہل اسلام کی اعانت میں کام آیا۔ ان ہر دو مصارف میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

جب حضرت صدیق اکبر کا مال تمام خرچ ہوگیا اور ان پر فقر نے غلبہ پایا۔ تو ایک روز بجائے کرتہ کے کمبل کو ایک خلال سے مربوط کر کے گلے میں ڈال کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور پوچھا کہ یا محمد! باوجود اس قدر مالداری کے ابوبکر کا کیا حال ہوگیا کہ فقیری کا لباس پہنے بیٹھا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ اس نے اپنا تمام مال مجھ پر اور راہ خدا میں خرچ کر دیا اور مفلس ہوگیا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ خدا تعالےٰ نے ابوبکر کو سلام بھیجا ہے۔ اور ان سے دریافت فرماتا ہے۔ کہ بتاؤ اس فقر میں تم مجھ سے راضی ہو یا کچھ کدورت رکھتے ہو؟ یہ سُن کر حضرت ابوبکر صدیق پر وجد کی حالت طاری ہوگئی اور جواب میں عرض کیا کہ میں اپنے پروردگار سے کس قسم کی کدورت رکھ سکتا ہوں؟ اور بار بار یوں نعرہ مارتے تھے۔

انا عن ربی راض انا عن ربی راض	میں اپنے رب سے راضی ہوں میں اپنے رب سے راضی ہوں[1]۔

حضرت عمر فاروق کا بیان ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ راہ خدا میں صدقہ دو۔ اتفاقاً اُس وقت میرے پاس بہت سامال تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر ممکن ہو۔ تو میں آج ابوبکر سے سبقت لے جاؤں گا۔ پس میں اپنا آدھا مال لایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ تم اپنے اہل وعیال کے لئے کتنا چھوڑ آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آدھا چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت ابوبکر اپنا تمام مال جو ان کے پاس تھا لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے جو پوچھا کہ تم اپنے اہل وعیال کے لئے کتنا چھوڑ آئے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ فقط خدا اور رسول کو چھوڑ

[1] تفسیر عزیزی وغیرہ۔

آیا ہوں (یعنی فضل خدا و اعانت رسول میرے واسطے کافی ہے) یہ سُن کر میں نے کہا کہ میں کبھی ابوبکر کر سبقت نہیں لے جاسکتا[۱] القصہ حضرت صدیق اکبر اجود الصحابہ تھے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔

تقوی و تواضع حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر کا ایک غلام تھا۔ وہ کما کر لاتا۔ آپ اُس میں سے کھالیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ کوئی چیز لایا۔ آپ نے اُس میں سے کھالیا۔ غلام نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کیا کھایا ہے؟۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا کہ وہ کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں نے جاہلیت میں ایک شخص کو بطور کاہن غیب کی خبر دی تھی۔ آج وہ مجھے مل گیا تھا۔ اُس نے کہانت کے بدلے مجھے کچھ ہدیہ دیا تھا۔ آپ نے اُسی میں سے کھایا ہے۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر نے اپنا ہاتھ منہ میں ڈال کر جو کچھ کھایا تھا قے کر دیا[۲]۔

عبدالرزاق نے بروایت ابن سیرین نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اصحاب ایک پانی پر اُترے ہوئے تھے۔ حضرت نعیمان بن عمرو انصاری پانی والوں سے کہا کرتے تھے کہ آیندہ ایسا ایسا ہوگا۔ وہ حضرت نعیمان کے پاس دودھ اور کھانا لاتے۔ جسے آپ اپنے ساتھیوں کے پاس بھیج دیا کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو خبر لگی۔ تو فرمایا کہ "میں دیکھتا ہوں کہ میں اُس دن سے نعیمان کی کہانت سے کھاتا ہوں" یہ فرما کر جو کچھ پیٹ میں تھا قے کر دیا[۳]۔

تاریخ کامل ابن اثیر میں لکھا ہے۔ کہ جب حضرت ابوبکر کی وفات کا وقت آیا۔ تو آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا۔ کہ جب سے ہم مسلمانوں کے امور کے متکفل ہوئے ہیں۔ ہم نے ان کا درہم و دینار نہیں لیا۔ ہاں ان کا نیم کوفتہ طعام کھایا ہے اور موٹے کپڑے پہنے ہیں۔ اب ہمارے پاس مسلمانوں کے مال میں سے سوائے اِس غلام۔ اِس اونٹ اور اِس چادر کے کچھ نہیں ہے۔ جب میں مر جاؤں۔ تو اِس تمام کو حضرت عمر کے پاس بھیج دیجو۔ جب آپ نے وفات پائی۔ تو حضرت صدیقہ نے وصیت پر عمل کیا۔ حضرت فاروق یہ دیکھ کر رو پڑے یہانتک کہ آپ کے آنسو زمین پر ٹپک پڑے۔ آپ بار بار فرماتے:۔

خدا ابوبکر پر رحم کرے۔ انہوں نے بے شک اپنے جانشینوں کو مشقت میں ڈال دیا۔	رحم اللہ ابا بکر لقد اتعب من بعدہ

[۱] مشکوٰۃ۔ باب فی مناقب ابی بکر الصدیق۔
[۲] صحیح بخاری۔ باب ایام الجاہلیہ۔
[۳] اصابہ۔ ترجمہ نعیمان بن عمرو انصاری۔

پھر حکم دیا کہ یہ سب لے لیا جائے۔ اس پر حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت فاروق اعظم سے کہا۔ سبحان اللہ! آپ ابو بکر کے عیال سے غلام اور آبکش اونٹ اور پرانی چادر جس کی قیمت پانچ درہم ہیں چھین رہے ہیں۔ کاش آپ واپس کر دیں۔ یہ سُن کر حضرت عمر فاروق نے فرمایا۔ "قسم ہے اُس ذات کی جس نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کی بیوی نے حلوا کھانا چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس وہ چیز نہیں جس سے حلوا خرید لیں۔ بیوی نے جواب دیا کہ میں چند روز میں اپنے نفقہ میں سے اِس قدر بچالوں گی کہ جس سے حلوا خرید ا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ بچالو۔ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ اور بہت سے دنوں میں تھوڑی سی بچت ہوئی۔ جب بیوی نے آپ کو بچت کی اطلاع دی تاکہ اُس سے حلوا خرید لیں۔ تو آپ نے اُس بچت کو لے کر بیت المال میں داخل کر دیا۔ اور فرمایا کہ یہ ہمارے نفقہ سے زائد ہے۔ اور اپنے نفقہ میں سے اتنا ساقط کر دیا جتنا کہ بیوی نے روزانہ خرچ میں کمی کی تھی۔ اور مقدار زائد کو بیت المال میں بھیج دیا۔ قسم بخدا کہ یہ غایت درجہ کا تقوٰے ہے جس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام نے بجا کیا کہ آپ کو اپنا سردار و خلیفہ بنایا۔

حضرت صدیق اکبر کا مکان مقام سنح[1] میں آپ کی زوجہ حبیبہ بنت خارجہ خزرجیہ کے پاس تھا۔ آپ نے بیعت خلافت کے بعد چھ مہینے وہیں قیام رکھا۔ آپ وہاں سے مدینہ میں پیدل آتے اور بعض وقت گھوڑے پر سوار ہوتے اور تہ بند اور پھٹی پرانی چادر اوڑھتے۔ اور لوگوں کو نماز پڑھاتے۔ نماز عشاء کے بعد سنح کو واپس چلے جاتے۔ آپ کی غیر حاضری میں حضرت عمر فاروق نماز پڑھاتے۔ آپ تاجر تھے۔ ہر روز خرید و فروخت کے لئے بازار جاتے۔ آپ کے پاس بکریوں کا گلہ تھا۔ جسے بعض وقت آپ خود چرانے اور بعض وقت کوئی اور چراتا۔ آپ اپنے قبیلہ کی بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ جب آپ کو خلافت مل گئی۔ تو قبیلہ کی ایک لڑکی نے کہا کہ ابو بکر اب ہمارے گھر کی بکریوں کا دودھ نہ دُہے گا۔ آپ نے جو یہ سُنا۔ تو فرمایا کہ مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں تمہاری بکریوں کا دودھ ضرور دُوہا کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ خلافت سے میرے خُلق سابق میں کچھ تغیر پیدا نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ بدستور سابق ان کی بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔

خلافت صدیقی میں حضرت عمر فاروق رات کو مدینہ منورہ کے بعض اطراف میں ایک اندھی بڑھیا کے ہاں پانی وغیرہ لانے کے خیال سے حاضر ہوتے۔ مگر اُس کے سب کام تیار پاتے۔ اُن کو تلاش ہوئی کہ

[1] یہ مقام مدینہ منورہ کے ایک طرف واقع تھا۔ اور اُس کے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دولتخانہ کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔

اس کا کام مجھ سے پہلے کون کر جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر کر جاتے ہیں۔

بیعت خلافت سے چھ ماہ بعد آپ نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔ اور فرمایا کہ میری قوم کو معلوم ہے کہ میں (کپڑے کی) تجارت کیا کرتا تھا جس سے میرے اہل وعیال کا گزارہ ہوتا تھا۔ اب امور مسلمین میرے متعلق ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ تجارت کے ساتھ امور خلافت انجام نہیں پا سکتے۔ ان کے لئے فارغ البالی اور توجہ درکار ہے۔ اس لئے ابوبکر کے اہل وعیال وتابعین بیت المال میں سے کھائیں گے۔[۱] اس واسطے آپ نے تجارت کو چھوڑ دیا۔ اور بیت المال سے نفقہ لینے لگے جو آپ کے لئے اور آپ کے اہل وعیال اور حج وعمرہ کے لئے کفایت کرتا۔ صحابہ کرام نے جو آپ کے لئے معین کیا وہ چھ ہزار درہم سالانہ تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ آپ کا کفاف معین کیا تھا۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا۔ تو وصیت کی کہ میری زمین بیچ دی جائے۔ اور اُس کی قیمت اُس نفقہ کے عوض میں صرف کردی جائے جو میں نے مسلمانوں کے مال میں سے لیا ہے۔

آپ پہلے حاکم ہیں جن کے لئے رعیت نے نفقہ معین کیا۔ اور پہلے حاکم ہیں جن کو خلیفہ کہا گیا۔ اور پہلے خلیفہ ہیں جن کو ان کے والد بزرگوار کی زندگی میں خلافت ملی۔ اور پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے مصحف قرآن کو مصحف کہا۔

اتباع سنت حضرت صدیق اکبر کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا کمال شوق تھا۔ اُس کا اندازہ اُس گفتگو سے لگ سکتا ہے جو وفات شریف سے چند گھنٹے پیشتر آپ کے اور آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ کے درمیان ہوئی۔ اور وہ یہ ہے[۲]

صدیق اکبر۔ تم نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں دفن کیا؟

صدیقہ۔ موضع سحول کے تین سفید کپڑوں میں جن میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔

صدیق اکبر۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کس دن وفات پائی؟

صدیقہ۔ دوشنبہ کے دن۔

صدیق اکبر۔ آج کونسا دن ہے؟

صدیقہ۔ دوشنبہ۔

صدیق اکبر۔ مجھے توقع ہے کہ میری موت اِس وقت اور رات کے درمیان ہوگی (اپنے بدن کے کپڑے پر

---

[۱] مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری۔ باب رزق الولاۃ۔

[۲] صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب موت یوم الاثنین۔

زعفران کا نشان دیکھ کر) میرے اِس کپڑے کو دھو ڈالنا۔ اور اس پر دو نئے کپڑے اور زیادہ کرنا اور مجھے اِن دونوں قسموں میں کفنا دینا۔

صدیقہ۔ یہ کپڑا تو پرانا ہے۔

صدیق اکبر۔ زندہ مُردے کی نسبت نئے کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ یہ تو صرف پیپ کے لئے ہے۔

حضرت صدیق اکبر کا سوال حضور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے کفن ویوم وفات شریف کی نسبت اِس واسطے تھا۔ کہ آپ کی آرزو تھی کہ کفن ویوم وفات میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت نصیب ہو۔ حیات میں تو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع تھا ہی وہ ممات میں بھی آپ ہی کا اتباع چاہتے تھے۔ اللہ اللہ یہ اتباع کیوں نہ ہو صدیق اکبر تھے۔ رضی اللہ تعالے عنہ۔

آپ فرماتے ہیں۔ کہ جس امر پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عمل کیا کرتے تھے۔ میں اُسے کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اگر میں حضور کے حال سے کسی امر کو چھوڑ دوں۔ تو مجھے ڈر ہے کہ سنت سے منحرف ہو جاؤں گا۔[1]

کرامات وخوارق | آپ کی کرامتوں میں سے جو مجھے معلوم ہوئیں وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

(۱) حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر کا بیان ہے کہ ایک روز پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ہاں دو شخصوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو اصحاب صفہ میں سے اپنے ساتھ لے جائے۔ اور جس کے ہاں تین کا کھانا ہو۔ وہ چوتھے کو لے جائے۔ اور جس کے ہاں چار کا کھانا ہو وہ پانچویں کو یا چھٹے کو بھی لے جائے اِس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ میں سے دس کو اپنے ہاں لے گئے اور حضرت ابوبکر تین کو لے گئے۔ اور ان کو گھر چھوڑ آئے آپ نے شام کا کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کھایا اور وہیں ٹھیرے رہے یہانتک کہ حضور کے ساتھ نماز عشا پڑھی۔ اور رات کا ایک حصہ گذرنے پر گھر واپس آئے۔ آپ کی بیوی (ام رومان) نے پوچھا کہ آپ نے اپنے مہمانوں کی خبر کیوں نہ لی۔ فرمایا کہ تو نے ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ اُس نے کہا کہ کھانا ان پر پیش کیا گیا اور ہر چند کہا گیا کہ تناول فرمائیے۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک ابوبکر نہ آئیں۔ ہم نہیں کھائیں گے۔ یہ سُن کر آپ خفا ہوئے اور مجھے سخت سُست کہا۔ اور فرمایا کہ میں اسے نہیں کھانے کا۔ آپ کی بیوی نے کہا کہ میں بھی نہ کھاؤں گی۔ مہمانوں نے کہا کہ جب تک گھر والے نہ کھائیں گے ہم بھی نہ کھائیں گے۔ آخر حضرت ابوبکر نے اُس میں سے ایک لقمہ کھایا۔ پھر باقی سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔ وہ لقمہ جو اُٹھاتے تھے۔ کھانا اُس کے نیچے سے اور زیادہ ہو جاتا تھا۔ اخیر میں حضرت ابوبکر نے جو نگاہ کی۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ کھانا اتنا ہی ہے جتنا شروع میں تھا یا اُس سے بھی زیادہ ہے۔ آپ نے

---

[1] نسیم الریاض۔ بحوالہ ابوداؤد وبخاری۔

اپنی بیوی سے کہا۔ اے بنو فراس کی بہن! یہ کیا معاملہ ہے۔ وہ بولی کہ مجھے اپنے قرہ عین کی قسم کہ کھانا اب پہلے سے تگنا ہے۔ بعد ازاں آپ نے وہ کھانا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں بھیج دیا۔ اور وہ صبح تک حضور کے ہاں رہا ایک قوم سے ہمارا عہد تھا۔ اُس کی میعاد گزر چکی تھی۔ وہ مدینہ میں آ گئے۔ ہم نے ان میں سے بارہ اشخاص کو ان کے عریف بنایا۔ ہر ایک عریف کے ماتحت اشخاص تھے جن کی تعداد خدا معلوم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک عریف کے ہاتھ اُس کھانے میں سے اس کے اصحاب کا حصہ بھیج دیا۔ اس طرح اُس تمام لشکر نے سیر ہو کر کھایا[1]۔ یہ تکثیر طعام حضرت صدیق اکبر کی کرامت اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔

(۲) حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے بیان کیا۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق نے مجھے عوالی مدینہ کے ایک گاؤں میں اپنے مال میں سے کھجور کے درخت عطا کئے۔ جن سے ایک فصل میں بیس وسق[2] کھجوریں اترتی تھیں۔ جب آپ کی وفات کا وقت آیا۔ تو فرمایا۔ اے پیاری بیٹی! اللہ کی قسم مجھے اپنے بعد وارثوں میں تیری نسبت کسی کی دولتمندی پسند تر نہیں۔ اور نہ تیری نسبت کسی کا فقر مجھے زیادہ ناگوار ہے۔ میں نے تجھے اپنے مال میں سے بیس وسق آمدنی والے کھجور کے درخت ہبہ کئے تھے اگر تو ان پر قبضہ کر لیتی۔ تو وہ تیری ملک ہو جاتے۔ وہ آج وارثوں کا مال ہیں۔ اور وہ وارث (علاوہ تیرے) تیرے دونوں بھائی اور دونوں بہنیں ہیں تم ان کو کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کر لینا یہ سُن کر حضرت عائشہ نے جواب دیا۔ ابا جان! اللہ کی قسم اگر وہ مال موہوب اِس سے بھی زیادہ ہوتا۔ میں اُسے چھوڑ دیتی۔ (آپ نے دو بہنوں کا ذکر کیا) میری بہن تو فقط اسماء ہے۔ دوسری کون ہے؟ فرمایا کہ (حبیبہ) بنت خارجہ کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ میرے گمان میں لڑکی ہے۔ چنانچہ بنت خارجہ لڑکی جنی[3]۔ استیعاب ابن عبد البر میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میرے دل میں القاء ہوا ہے کہ جو بچہ بنت خارجہ کے شکم میں ہے وہ لڑکی ہے۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد لڑکی ہی پیدا ہوئی۔ جس کا نام حضرت عائشہ صدیقہ نے ام کلثوم رکھا انتہٰی۔ اِس روایت میں حضرت ابوبکر صدیق کی دو کرامتیں مذکور ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے خبر دے دی کہ میری موت اِسی مرض میں ہوگی۔ کیونکہ آپ نے فرمادیا کہ وہ آج وارثوں کا مال ہیں۔ دوسری یہ کہ آپ نے جتا دیا کہ میری

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب قول الضیف لصاحبہ لا آکل حتیٰ تاکل۔ نیز کتاب المناقب۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔ اور کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب السمر مع الاہل والضیف۔

[2] ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اور ایک صاع قریبًا ساڑھے تین سیر پختہ ہوتا ہے۔

[3] موطا امام محمد۔ باب النحلی۔

اہلیہ بیبیہ کے بطن سے لڑکی پیدا ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ دونوں کرامتیں از قبیل اخبار بالمغیبات ہیں۔

(٣) امام مستغفری رحمہ اللہ تعالےٰ نے بالاسناد روایت کی۔ کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے بیان کیا۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق نے وصیت کی تھی۔ کہ میں جب مرجاؤں۔ تو مجھے اُس حجرے کے دروازے میں لے جائیو۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے اور دروازہ کھٹکھٹائیو۔ اگر دروازہ کھل جائے۔ تو مجھے اُس میں دفن کردیجو۔ حضرت جابر کا قول ہے کہ ہم آپ کا جنازہ وہاں لے گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ یہ ابوبکر ہیں۔ ان کی آرزو تھی کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن کئے جائیں۔ اس پر دروازہ کھل گیا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ کس نے کھولا۔ اور آواز آئی کہ اندر لے آؤ۔ اور عزت و تعظیم سے دفن کردو۔ ہمیں آواز دینے والا کوئی نظر نہیں آیا۔[1]

(٤) حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر نے وفات پائی۔ تو بعضوں نے کہا کہ ہم ان کو شہیدوں میں دفن کریں گے۔ دوسروں نے کہا کہ ہم بقیع میں لے جائیں گے۔ میں نے کہا کہ میں ان کو اپنے حبیب کے پاس دفن کردوں گی۔ ہم اسی اختلاف میں تھے کہ مجھ پر نیند نے غلبہ کیا۔ میں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے۔ ضمّوا الحبیب الی الحبیب یعنی حبیب کو حبیب کے پاس پہنچا دو۔ جب میری آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ سب نے اس آواز کو سُن لیا یہاں تک کہ مسجد میں لوگوں نے بھی سُنا۔[2]

(٥) ابو محمد شنبکی کا بیان ہے۔ کہ شیخنا ابوبکر بن ہوار رضی اللہ عنہ بطائح (واسط و بصرہ کے درمیان) میں رہزنی کیا کرتے تھے۔ اور اس کام میں آپ کے اور رفیق بھی تھے۔ مگر آپ سرگروہ تھے۔ مسافروں کا مال لوٹ کر باہم تقسیم کرلیا کرتے تھے۔ ایک رات آپ نے سُنا کہ ایک عورت اپنے شوہر سے کہہ رہی ہے کہ یہیں ٹھہر جاؤ۔ مبادا ابن ہوار اور اُس کے اصحاب ہم کو پکڑ لیں۔ یہ سُن کر آپ رو پڑے۔ کہنے لگے کہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ اور میں اللہ تعالے سے نہیں ڈرتا۔ آپ نے اُسی وقت توبہ کی۔ آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی تائب ہوئے۔ بعد ازاں آپ صدق و اخلاص کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ اپنے تئیں کسی ایسے شخص کے سپرد کریں جو خدا تک پہنچا دے۔ اُن ایام میں عراق میں اہل طریقت میں سے کوئی مشہور شیخ موجود نہ تھا۔ آپ نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دیکھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ!

---

[1] نفحات الانس نولکشوری۔ ص٤١ خطیب بغدادی نے یہی مضمون بروایت حضرت عائشہ صدیقہ نقل کیا ہے۔
(خصائص کبرےٰ للسیوطی۔ جزء ثانی۔ ص٢٨١)

[2] شواہد النبوت مولانا جامی نولکشوری۔ ص١٥٠

مجھے خرقہ پہنائیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اے ابن ہوار! میں تیرا نبی ہوں اور یہ تیرے شیخ ہیں۔ اور صدیق اکبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ اے ابو بکر! اپنے ہمنام ابن ہوار کو خرقہ پہناؤ جیسا کہ میں نے حکم دیا ہے۔ پس حضرت صدیق اکبر نے ابن ہوار کو پیراہن اور کلاہ پہنائی۔ اور اپنا مبارک ہاتھ ان کے سر اور پیشانی پر پھیرا اور کہا۔ بارك الله فيك۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ہوار کو یوں فرمایا:۔ "اے ابو بکر! تجھ سے عراق میں میری امت کے اہل طریقت کی مردہ سنتیں زندہ ہوں گی۔ اور ارباب حقائق و دوستان خدا کی منزلوں کے مٹے ہوئے نشانات قائم ہو جائیں گے۔ اور عراق میں مشیخت قیامت تک تجھ میں رہے گی۔ تیرے ظہور سے عنایت باریتعالیٰ کی نرم ہوائیں چلنی شروع ہو گئی ہیں۔ اور تیرے قیام سے عنایت ایزدی کی ٹھنڈی ہوائیں چھوڑ دی گئی ہیں۔" جب ابن ہوار بیدار ہوئے۔ تو وہی پیراہن اور کلاہ اپنے اوپر موجود پائی۔ آپ کے سر پر جو پھوڑے تھے وہ سب ناپدید ہو گئے۔ آفاق میں گویا یہ ندا کر دی گئی۔ "ابن ہوار اللہ تعالے تک پہنچ گئے" پس چاروں طرف سے خلق خدا آپ کی طرف متوجہ ہوئی۔ اور قرب الٰہی کی علامتیں ظاہر ہو گئیں۔ راوی (ابو محمد) کا قول ہے۔ کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آپ بطیحہ میں اکیلے رہتے اور شیر آپ کے گرد ہوتے۔ بعضے شیر آپ کے قدموں لوٹتے۔[1]

وفات جب آپ کی وفات کا وقت آیا۔ تو صحابہ کرام عیادت کو آئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم کسی طبیب کو بلاتے ہیں جو آپ کو دیکھے۔ آپ نے فرمایا کہ طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ اس نے کیا کہا؟ فرمایا کہ اس نے یوں کہا ہے۔ اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا اُرِیْدُ۔ (میں کرنے والا ہوں جو چاہتا ہوں)۔

آپ نے سہ شنبہ کی رات مغرب و عشا کے درمیان ۲۲ جمادی الآخرے ۱۳ھ میں تریسٹھ سال کی عمر پا کر وفات پائی۔ اور صبح ہونے سے پیشتر حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی خلافت دو سال تین مہینے اور آٹھ دن رہی۔ اس قلیل عرصہ میں یمامہ اطراف عراق اور ملک شام کے بعض شہر فتح ہوئے۔ مسیلہ کذاب مارا گیا۔ اور قرآن مجید ایک مصحف میں جمع کیا گیا۔

کلماتِ قدسیہ

اربعین

(۱) جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے۔ تو آپ نے خطبہ دیا جس میں خدا کی مناسب حمد و ثنا کے بعد فرمایا:۔ "امابعد اے لوگو! میں تمہارا حاکم بنایا گیا حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں نیکی کروں۔ تو تم

[1] بہجۃ الاسرار للشطنوفی مطبوعہ مصر۔ صفحہ ۱۳۲۔

میری مدد کرو۔ اور اگر بدی کروں تو مجھے سیدھا کرو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ میں اُسے اُس سے حق لیکر چھوڑوں گا انشاء اللہ اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے میں اُس سے حق لے کر چھوڑوں گا انشاء اللہ۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے۔ خدا اُس پر ذلت نازل کرتا ہے۔ اور جس قوم میں کوئی برائی شائع ہو جاتی ہے۔ خدا ان سب پر بلا بھیجتا ہے۔ تم میری اطاعت کرو جب تک کہ میں خدا و رسول کی اطاعت کروں۔ پس جب میں خدا و رسولؐ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں۔" (سیرت ابن ہشام)۔

(۲) یوسف بن محمد کا بیان ہے کہ مجھے خبر پہنچی کہ حضرت ابوبکر نے مرض موت میں وصیت کی اور حضرت عثمان سے کہا کہ لکھئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ ہے جس کی وصیّت ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر نے دنیا سے جاتے اور آخرت میں داخل ہوتے ہوئے ایسے وقت میں کی جبکہ کاذب سچ بولتا ہے اور خائن امانت ادا کرتا ہے اور کافر ایمان لاتا ہے (مضمون وصیت یہ) کہ میں نے اپنے بعد عمر بن خطاب کو خلیفہ بنایا ہے۔ اگر وہ عدل کرے۔ تو یہ میرا اس کی نسبت گمان اور توقع ہے۔ اور اگر وہ جور دستم کرے۔ تو میں غیب دان نہیں۔ اور ہر شخص کے لئے سزا ہے اُس گناہ کی جو اُس نے کیا۔" اور ظلم کرنے والے عنقریب معلوم کریں گے کہ وہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔" (شعراء۔ اخیر آیت)۔

(۳) آپ نے ایک پرندے کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا۔ اے پرندے! خوش رہو۔ اللہ کی قسم کاش میں تیری مانند ہوتا کہ تو درخت پر بیٹھتا ہے۔ پھل کھاتا ہے پھر اُڑ جاتا ہے اور تجھ پر کوئی حساب وعذاب نہیں۔ خدا کی قسم کاش میں بجائے انسان ہونے کے راستے کی ایک طرف کا درخت ہوتا۔ کوئی اونٹ میرے پاس سے گزرتا۔ وہ پکڑ کر مجھے اپنے منہ میں ٹھونس لیتا۔ پھر چبا کر نگل جاتا۔ بعد ازاں مینگنیوں کی شکل میں نکال دیتا۔

(۴) جب لوگ آپ کی مدح کرتے تو آپ یوں کہتے: "خدایا! تو میرا حال میری نسبت بہتر جانتا ہے اور میں اپنا حال ان کی نسبت بہتر جانتا ہوں خدایا تو مجھے بہتر بنا دے اس سے جو وہ گمان کرتے ہیں۔ اور میرے وہ گناہ بخش دے جو ان کو معلوم نہیں۔ اور جو وہ کہتے ہیں اُس پر مجھے گرفت نہ کر!"

(۵) جب آپ ایسا کھانا کھاتے جس میں شبہ ہوتا اور پھر آپ کو اُس کا علم ہو جاتا۔ تو آپ اُسے قے کرکے اپنے پیٹ سے نکال دیتے۔ اور یوں دعا کرتے: "خدایا! جو کچھ رگوں نے پی لیا اور انتڑیوں کے ساتھ مل گیا تو اُس پر مجھے مواخذہ نہ کرنا۔"

(۶) فرماتے کہ جب بندے میں کسی زینت دنیا پر ناز آجاتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ اُس بندے کو دشمن رکھتا ہے یہانتک کہ وہ اُس زینت کو چھوڑ دے۔

(۷) فرماتے۔ اے گروہ مردم! خدا سے حیا کرو۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب میں قضائے حاجت کے لئے جنگل میں جاتا ہوں۔ تو خدا سے حیاء کے مارے اپنا سر ڈھانپ لیتا ہوں۔

(۸) امام نسائی نے اسلم (غلام عمر فاروق) سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو دیکھا کہ اپنی زبان کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسی نے مجھے ہلاکت کی جگہوں میں ڈال دیا ہے۔

(۹) آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اپنے ہمسایہ سے جھگڑ رہے تھے۔ آپ اُن کے پاس سے گزرے۔ تو فرمایا کہ اپنے ہمسایہ سے نہ جھگڑو۔ کیونکہ نیکی رہ جائے گی اور لوگ چلے جائیں گے۔

(۱۰) جب آپ کی اونٹنی کی مہار گر پڑتی تو اُسے بٹھا کر خود اُٹھا لیتے۔ حاضرین عرض کرتے کہ آپ نے ہمیں کیوں نہ حکم دے دیا۔ آپ جواب دیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا۔

(۱۱) آپ جب کسی شخص کو صبر کی نصیحت کرتے۔ تو فرماتے کہ صبر کے ساتھ کوئی مصیبت نہیں اور بے صبری سے کوئی فائدہ نہیں۔ موت اپنے مابعد سے آسان اور ماقبل سے سخت ہے۔

(۱۲) جب آپ نے حضرت خالد بن ولید کو مرتدین کی طرف جہاد کرنے کے لئے بھیجا۔ تو فرمایا کہ موت کا حریص بن۔ تجھے حیات عطا ہوگی۔

(۱۳) جب آپ کو خبر لگی کہ اہل فارس نے پرویز کی لڑکی کو اپنا حکمران بنا لیا ہے۔ تو فرمایا کہ وہ لوگ ذلیل ہو گئے۔ جنہوں نے اپنی حکومت ایک عورت کے ہاتھ میں دے دی۔

(۱۴) تجھ پر خدا کی طرف سے جاسوس ہیں۔ جو تجھے دیکھتے ہیں۔

(۱۵) لوگوں میں خدا کا سب سے زیادہ فرمانبردار وہ بندہ ہے۔ جو گناہ کا سب سے زیادہ دشمن ہو۔

(۱۶) قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میرے نزدیک اپنے خویش و اقرباء کی نسبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خویش و اقرباء سے محبت و سلوک رکھنا پسندیدہ تر ہے۔

(۱۷) اُس قول میں کوئی خوبی نہیں جس سے رضائے خدا مراد نہ ہو۔ اور اس مال میں کوئی خوبی نہیں جو راہ خدا میں خرچ نہ کیا جائے۔ اور اُس شخص میں کوئی خوبی نہیں جس کی جہالت اُس کے علم پر غالب ہو۔

ف مشکوٰۃ بحوالہ امام مالک۔ باب حفظ اللسان من الغیبۃ والشتم۔

اور اُس شخص میں کوئی خوبی نہیں جو ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتا ہو۔

(۱۸) ابو صالح کا بیان ہے کہ جب حضرت ابوبکر کے عہد میں یمن کے لوگ آئے اور انہوں نے قرآن شریف سُنا۔ تو رونے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ ہم بھی اس طرح رویا کرتے تھے۔ پھر ہمارے دل سخت ہو گئے۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے قوی اور مطمئن ہو گئے۔

(۱۹) ادراک کے حاصل کرنے سے عاجز آنا ادراک ہے۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ تیرے باطن کا حال دیکھ رہا ہے جیسا کہ ظاہر کا حال دیکھ رہا ہے۔

(۲۱) اللہ رحم کرے اُس مرد پر جس نے اپنی جان سے اپنے بھائی کی مدد کی۔

(۲۲) تو اپنے تئیں جاہلیت کی غیبت سے دور رکھ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غیبت جاہلیت کو اور اہل غیبت کو دشمن رکھا ہے۔

(۲۳) جب تجھ سے کوئی نیکی فوت ہو جائے۔ تو اُس کا تدارک کر۔ اور اگر کوئی بدی تجھے آگھیرے۔ تو اُس سے بچ جا۔

(۲۴) ہم ایک حرام میں پڑنے کے خوف سے ستر حلال کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔

(۲۵) جو شخص بغیر توشہ کے قبر میں جائے۔ اُس نے گویا بغیر کشتی کے سمندر میں سفر کیا۔

(۲۶) آیہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (ظاہر ہو گیا فساد جنگل اور سمندر میں۔ روم۔ ع۴) کی تاویل میں آپ کا قول ہے کہ جنگل سے مراد زبان اور سمندر سے مراد قلب ہے۔ جب زبان خراب ہو جاتی ہے۔ تو انسان اُس پر روتے ہیں۔ جب دل خراب ہو جاتا ہے۔ تو اُس پر فرشتے روتے ہیں۔

(۲۷) شہوت کے سبب سے بادشاہ غلام بن جاتے ہیں اور صبر سے غلام بادشاہ بن جاتے ہیں حضرت یوسف و زلیخا کے قصہ پر غور کرو۔

(۲۸) جس شخص نے گناہوں کو ترک کیا۔ اُس کا دل نرم ہو گیا۔ اور جس نے حرام کو ترک کیا۔ اُس کا فکر و اندیشہ صاف ہو گیا۔

(۲۹) سب سے کامل عقل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا اتباع اور اُس کے غضب سے بچنا ہے۔

(۳۰) عاقل کے لئے کوئی مسافرت نہیں اور جاہل کے لئے کوئی وطن نہیں۔

(۳۱) تین چیزیں ہیں جس شخص میں وہ ہوں گی۔ اُس کو نقصان دیں گی۔ نافرمانی۔ عہد شکنی۔ مکر۔

(۳۲) تین چیزیں تین چیزوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔ دولتمندی آرزوؤں سے۔ جوانی خضاب سے۔

(۳۳) جس شخص میں یہ چار خصلتیں ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہے۔ توبہ کرنے والے سے خوش ہو۔ گنہگار کے لئے مغفرت طلب کرے۔ مصیبت زدہ کے لئے دعا کرے۔ احسان کرنے والے کی مدد کرے۔

(۳۴) چار چیزیں چار چیزوں سے تمام وکامل ہو جاتی ہیں۔ نماز سجدہ سہو سے۔ روزہ صدقہ فطر سے۔ حج فدیہ سے اور ایمان حیاء سے۔

(۳۵) تاریکیاں پانچ ہیں اور ان کے چراغ پانچ ہیں۔ حبّ دنیا تاریکی ہے۔ اور اُس کا چراغ تقویٰ ہے گناہ تاریکی ہے اور اس کا چراغ توبہ ہے۔ قبر تاریکی ہے اور اُس کا چراغ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ آخرت تاریکی ہے اور اُس کا چراغ نیک عمل ہے۔ پُل صراط تاریکی ہے اور اُس کا چراغ یقین ہے۔

(۳۶) ابلیس تیرے آگے کھڑا ہے۔ اور نفس تیرے دائیں طرف اور خواہش نفسانی بائیں طرف اور دنیا تیرے پیچھے اور اعضا تیرے گرد اور جبار جل جلالہ تیرے اوپر ہے۔ ابلیس تو تجھے ترکِ دین کی طرف بلاتا ہے۔ اور نفس معصیت کی طرف اور خواہش نفسانی شہوتوں کی طرف اور دنیا آخرت کو چھوڑ کر اُسے اختیار کرنے کی طرف اور اعضا گناہوں کی طرف اور حضرت جبار جل جلالہ جنت و مغفرت کی طرف بلا رہا ہے۔ پس جس نے ابلیس کی سُنی اس کا دین جاتا رہا۔ جس نے نفس کی سُنی اُس کی روح جاتی رہی۔ جس نے ہوائے نفس کی سُنی اُس کی عقل جاتی رہی۔ جس نے دنیا کی سُنی اُس سے آخرت جاتی رہی۔ جس نے اعضا کی سُنی اُس سے بہشت جاتا رہا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی سُنی اُس سے تمام بُرائی جاتی رہی اور اُس نے تمام نیکی کو حاصل کر لیا۔

(۳۷) بخیل کا مال سات حالتوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ مر جائے گا اور اُس کا وارث ایسا شخص ہوگا جو اُس کے مال کو فضول خرچی سے اُڑا دے گا اور طاعت خدا کے سوا کسی اور کام میں خرچ کرے گا۔ یا اللہ تعالیٰ اُس پر کسی جابر شخص کو مسلط کرے گا جو اس کا مال بلا اختیار اُس سے چھین لے گا۔ یا کوئی شہوت نفسانی اُس میں پیدا ہو جائے گی جس سے وہ اپنے مال کو ضائع کرے گا۔ یا اُسے گھر یا عمارت (جس کا انجام خرابی ہے) کے بنانے کا خیال آجائے گا اور اُس کا مال صرف ہو جائے گا۔ یا اُس مال کو حوادث دنیا میں سے کوئی حادثہ پیش آئے گا جیسا کہ جل جانا یا غرق ہو جانا یا چوری جانا یا مثل ان کے کوئی اور حادثہ۔ یا اُس کو کوئی مرض دائمی عارض ہو جائے گا جس کے سبب سے وہ اپنے مال کو دواؤں میں خرچ کرے گا۔ یا وہ اپنے مال کو کسی جگہ دفن کر کے بھول جائے گا اور نہ پائے گا۔

(۳۸) آٹھ چیزیں آٹھ چیزوں کی زینت ہیں۔ پرہیزگاری زینت ہے فقر کی۔ شکر زینت ہے دولتمندی کی۔ صبر زینت ہے بلا کی۔ تواضع زینت ہے شرف و بزرگی کی۔ علم زینت ہے عالم کی فروتنی و عاجزی

زینت ہے طالب علم کی۔ احسان نہ جتانا زینت ہے احسان کی۔ اور خشوع زینت ہے نماز کی۔

(۳۹) عابد تین قسم کے ہیں اور ہر قسم کے علامات ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ ایک قسم وہ ہیں جو بر سبیل خوف اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو بر سبیل امید اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور تیسرے وہ ہیں جو بر سبیل محبت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ قسم اول کے لئے تین علامتیں ہیں۔ عابد اپنے نفس کو حقیر سمجھے گا اور اپنی نیکیوں کو قلیل اور اپنی برائیوں کو کثیر خیال کرے گا۔ قسم دوم کے عابد کی تین علامتیں ہیں۔ وہ تمام حالتوں میں لوگوں سے پرہیز کرے گا۔ دنیا میں سب سے زیادہ سخی ہوگا اور تمام خلق میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے والا زیادہ ہوگا۔ تیسری قسم کے عابد کی تین علامتیں ہیں۔ وہ عطا کرے گا وہ چیز جسے وہ دوست رکھتا ہے اور بجز رضائے خدا کسی چیز کی پروا نہ کرے گا۔ وہ رضائے خدا کے لئے خلاف نفس عمل کرے گا۔ اور تمام حالتوں میں امر و نہی میں اپنے پروردگار کے ساتھ ہوگا۔

(۴۰) امام مالک نے موطا میں بروایت یحییٰ بن سعید نقل کیا ہے۔ کہ حضرت ابو بکرؓ نے شام کی طرف فوجیں بھیجیں۔ آپ یزید بن ابی سفیان کو وداع کرنے نکلے۔ تو ان سے فرمایا۔ کہ میں تم کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ کسی لڑکے کو قتل نہ کرنا۔ کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔ کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔ کسی پھل والے درخت کو نہ کاٹنا۔ کسی بکری یا گائے بیل کے پاؤں نہ کاٹنا مگر بغرض خوراک ذبح کر لینا۔ کسی بستی کو نہ جلانا اور نہ ویران کرنا۔ ہراساں نہ ہونا۔ بزدلی نہ کرنا۔ غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔

۳۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ اصل آپ کی فارس سے ہے۔ آپ کا والد آتش پرست تھا۔ پہلے آپ دین مجوس سے بیزار ہو کر دین موسوی میں داخل ہو گئے۔ بعد ازاں دین نصاریٰ اختیار کیا۔ اور شام و روم میں رہبان نصاریٰ کی خدمت میں رہے۔ اور اس راہ میں تکالیف برداشت کیں۔ قریباً دس دفعہ نوبت بنوبت فروخت ہوئے۔ اخیر راہب جس کے پاس آپ تھے مرنے لگا۔ تو اُس نے آپ کو بشارت دی۔ کہ مدینہ میں پیغمبر آخر الزمان کی بعثت کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ تو اُن کا دین اختیار کرنا۔ اس لئے راہب مذکور کے مرنے پر آپ نے مدینے کی راہ لی۔ راستے میں ایک شخص نے آپ کو غلامی کی تہمت میں گرفتار کر لیا۔ اور آپ بنو قریظہ کے ایک یہودی عثمان بن اشہل کے ہاتھ فروخت ہوئے۔ جب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مدینے میں وارد ہوئے۔ تو ہجرت کے پہلے ہی سال آپ نے دین اسلام اختیار کیا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد سے

پانچویں سال ہجرت میں اُس یہودی کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔ جیساکہ" سیرت رسول عربی" صلے اللہ علیہ وسلم مؤلفہ خاکسار میں مذکور ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سابقین چار ہیں میں سابق عرب ہوں۔ صہیب سابق روم ہیں۔ سلمان سابقِ فرس ہیں۔ اور بلال سابقِ حبشہ ہیں۔

فضائل ومناقب | حضرت سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ غزوہ خندق اور غزوات مابعد میں شامل ہوئے۔ غزوہ احزاب میں جب خندق کھودنے لگے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خندق مسلمانوں میں تقسیم فرمادی حضرت سلمان کے بارے میں مہاجرین وانصار میں اختلاف پیدا ہوا۔ ہر ایک فریق کا دعوےٰ تھا کہ سلمان ہم میں سے ہیں۔ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سلمان منا اھل البیت۔ آپ نجبائے صحابہ کرام میں سے اور اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ آپ ان تین صحابیوں میں سے ہیں۔ جن کا بہشت مشتاق ہے۔ آپ اُن چار صحابیوں میں سے ہیں۔ جن کو خدا دوست رکھتا ہے اور اپنے حبیب پاک کو ان کی دوستی کا ارشاد فرماتا ہے۔ آپ ان چار بزرگوں میں سے ہیں۔ جن کی نسبت حضرت معاذ بن جبل نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ اُن کے پاس علم تلاش کرنا۔

زُہد ومعیشت | آپ کو حضرت عمر فاروق نے مدائن کا گورنر بنادیا تھا۔ اور پانچ ہزار درہم سالانہ آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ جب آپ کو وظیفہ ملتا۔ تو اُسے راہ خدا میں خرچ کر دیتے۔ اور بوریا بافی سے اپنا گذارہ کرتے۔ آپ کا کوئی گھر نہ تھا۔ دیواروں اور درختوں کے سایہ میں رہا کرتے۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ کہ میں آپ کی سکونت کے لئے گھر بنادیتا ہوں۔ فرمایا مجھے گھر کی ضرورت نہیں۔ اُس نے اصرار کیا اور کہا۔ کہ جس قسم کا گھر آپ کی طبیعت کے موافق ہے وہ مجھے معلوم ہے۔ فرمایا کہ بیان کر۔ اُس نے عرض کیا۔ کہ میں آپ کے لئے ایسا گھر بنادیتا ہوں کہ جب آپ اُس میں کھڑے ہوں۔ تو سر مبارک اُس کی چھت سے لگے۔ اور جب پاؤں پھیلائیں۔ تو پاؤں کی انگلیاں دیوار سے جالگیں۔ فرمایا کہ درست ہے۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی گھر تیار کر دیا۔

آپ کے پاس ایک دھاری دار کملی تھی۔ جس کا کچھ حصہ آپ اوڑھ لیتے اور کچھ نیچے بچھا لیتے۔ گورنری کی حالت میں بھی یہی کملی آپ کے پاس رہتی۔ بعض ناواقف لوگ آپ کی ظاہری حالت دیکھ کر آپ سے بطور مزدور اپنا اسباب اٹھواتے۔ جب راستے میں ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ امیر شہر ہیں۔ تو عذر کرتے کہ ہم خود اٹھا لیتے ہیں۔ مگر آپ فرماتے کہ حسب وعدہ منزل تک پہنچا کر چھوڑوں گا

وفات | جب آپ کی وفات کا وقت آیا۔ تو اپنی بیوی سے کہا۔ کہ کچھ کستوری جو تمہارے پاس ہے اُسے پانی میں گھول کر میرے سر کے گرد چھڑک دو۔ کیونکہ اب ایک قوم آنے والی ہے جو دانسان ہیں نہ جن

آپ کی بیوی کا بیان ہے کہ میں آپ کا ارشاد بجالائی۔ اور گھر سے باہر نکلی۔ آواز آئی۔ السلام علیک یا ولی اللہ۔ السلام علیک یا صاحب رسول اللہ۔ جب میں اندر آئی۔ تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپ کی روح مبارک پرواز کر گئی ہے۔ اور آپ ایسے لیٹے ہوئے ہیں۔ کہ گویا سو رہے ہیں۔ آپ کی وفات اڑھائی سو سال کی عمر میں (۱۰ رجب سـ۳۳ھ) میں شہر مدائن میں واقع ہوئی۔

کلمات قدسیہ

(۱) آپ جب اپنی خادمہ کو کسی کام پر بھیجتے۔ تو بجائے اُس کے خود آٹا گوندھتے۔ اور فرماتے کہ ہم اُس سے دو کام نہیں لیتے۔

(۲) آپ بوریا بافی (یا زنبیل بافی) کرتے۔ اور فرماتے۔ کہ میں ایک درہم کے برگ خرما خریدتا ہوں۔ اور اس سے بوریا یا زنبیل تیار کر کے تین درہموں پر بیچ دیتا ہوں۔ ان میں سے ایک درہم برگ خرما کے لئے پس انداز کر دیتا ہوں۔ ایک درہم اپنے عیال پر خرچ کرتا ہوں۔ اور ایک درہم خیرات کر دیتا ہوں۔

(۳) گورنری کی حالت میں ایک جماعت آپ کے پاس آئی۔ اور آپ بوریا بافی کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔ آپ یہ کام کیوں کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ گورنر ہیں اور آپ کا وظیفہ مقرر ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاؤں۔

(۴) مومن کا حال دنیا میں مثل اُس بیمار کے ہے جس کے ساتھ اُس کا طبیب ہو۔ جو اُس کی بیماری اور دوا کو جانتا ہے۔ جب مریض کسی مضر چیز کو چاہتا ہے تو وہ اُسے منع کر دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے۔ کہ اگر تم اسے کھاؤ گے۔ تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ اسی طرح مومن بہت سی چیزوں کو چاہتا ہے۔ پس اللہ عزوجل اُس کو اُن سے روک دیتا ہے یہانتک کہ وہ مر جاتا ہے اور بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۵) تعجب ہے طالب دنیا پر جس کو موت طلب کر رہی ہے۔ اور تعجب ہے اُس غافل پر جس کو فراموش نہیں کیا گیا۔ اور تعجب ہے اُس ہنسنے والے پر جو یہ نہیں جانتا کہ اُس کا پروردگار اُس سے راضی ہے یا ناخوش۔

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا۔ کہ تمہارا روزینہ مثل توشۂ سوار کے ہو۔

(۷) سعید بن مسیب سے روایت ہے۔ کہ حضرت سلمان نے حضرت عبداللہ بن سلام سے کہا۔ پیارے بھائی! ہم میں سے جو پہلے وفات پائے۔ وہ دوسرے کو خواب میں دکھائی دے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ حضرت سلمان نے فرمایا کہ ہاں۔ مومن بندے کی روح آزاد ہوتی ہے۔ زمین میں جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے۔ اور کافر کی روح قید خانے میں ہوتی ہے۔ پس حضرت سلمان نے پہلے

وفات پائی۔ حضرت عبداللہ کا بیان ہے۔ کہ ایک روز میں دوپہر کے وقت اپنی چارپائی پر قیلولہ کر رہا تھا۔ میری آنکھ جو لگی۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت سلمان آئے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں نے جواب میں کہا۔ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ۔ اے ابو عبداللہ! تو نے اپنا مقام کیسا پایا؟ حضرت سلمان نے کہا کہ خوب ہے۔ پھر تین بار فرمایا۔ تو توکل اختیار کر کیونکہ توکل اچھا ہے۔

(۸) تو بازار میں سب سے پہلے داخل نہ ہو اور نہ سب سے پیچھے نکل۔ کیونکہ وہ معرکۂ شیطان ہے۔ اور وہاں اُس کا جھنڈا کھڑا ہوتا ہے۔

(۹) آپ نے حضرت ابوالدرداء سے کہا۔ کہ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے اور تیرے رب کا تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے اور تیرے اہل کا تجھ پر حق ہے۔ پس ہر ایک حق دار کو اس کا حق عطا کر۔ پھر وہ دونوں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور حضور سے یہ ذکر کیا۔ حضور نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا ہے۔ (جامع ترمذی)۔

(طبقات ابن سعد۔ طبقات کبرے للشعرانی۔ استیعاب لابن عبدالبر۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ شواہد النبوت وغیرہ)

۴۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عہد میں یزدجرد شاہ فارس کی تین لڑکیاں غنیمت میں آئیں۔ ان کی قیمت ٹھیرائی گئی۔ حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ نے تینوں کو لے لیا۔ ان میں سے ایک اپنے صاحبزادے امام حسین کو دے دی جس سے امام زین العابدین پیدا ہوئے۔ دوسری حضرت عبداللہ بن عمر کو دی جس سے حضرت سالم پیدا ہوئے۔ اور تیسری حضرت محمد بن ابی بکر صدیق کو دی۔ جس سے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ پس حضرات زین العابدین و سالم و قاسم ایک دوسرے کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ حضرت قاسم اپنے والد ماجد کے قتل ہونے کے بعد اپنی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاں بطور یتیم پرورش پاتے رہے۔ آپ کا انتساب علم باطن میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے۔

فضائل حضرت قاسم کبار تابعین اور فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ امام و عالم و فقیہ و پرہیزگار اور کثیر الحدیث تھے۔ یحییٰ بن سعید انصاری کا قول ہے کہ ہم نے مدینہ منورہ میں کسی کو ایسا نہ پایا کہ اُسے قاسم پر فضیلت دیں۔ ایوب سختیانی کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو قاسم سے افضل نہ دیکھا۔ بقول امام بخاری آپ افضل اہل زمانہ تھے۔ ابوالزناد کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو قاسم سے بڑھ کر سنت کا عالم نہ پایا اور نہ کسی فقیہ کو

آپ سے اعلم دیکھا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے۔ کہ میں نے قاسم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ ایک اعرابی آیا۔ اُس نے آپ سے پوچھا۔ کہ تم اور سالم دونوں میں بڑا عالم کون ہے۔ قاسم نے کہا سبحان اللہ! اعرابی نے پھر وہی سوال کیا۔ آپ نے جواب دیا۔ سالم وہ ہیں۔ ان سے پوچھ لے۔ ابن اسحاق نے اس کی توجیہ میں کہا۔ کہ قاسم نے پسند نہ کیا کہ کہہ دیں۔ میں اعلم ہوں۔ کیونکہ یہ تو تزکیہ نفس ہے۔ اور یہ بھی نہ کہا کہ سالم اعلم ہیں۔ کیونکہ یہ جھوٹ ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے۔ کہ اگر امر خلافت میرے اختیار میں ہوتا۔ تو میں قاسم کے سپرد کر دیتا۔

وفات | جب وفات کا وقت قریب آیا۔ تو آپ نے وصیت کی۔ کہ مجھے اُن کپڑوں میں کفنانا جن میں نماز پڑھا کرتا تھا۔ یعنی قمیص وازار و چادر۔ آپ کے صاحبزادے نے عرض کیا۔ ابّا جان! کیا ہم دو کپڑے اور زیادہ کر دیں۔ جواب دیا۔ جانِ پدر! حضرت ابوبکر صدیق کا کفن بھی تین ہی کپڑے تھے۔ مُردے کی نسبت زندہ کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے۔

آپ نے ستر یا بہتّر سال کی عمر میں مکہ و مدینہ کے درمیان مقام قُدید میں وفات پائی۔ اور مُشَلَّل[1] میں دفن کئے گئے۔ سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں ۱۰۸ھ لکھا ہے۔ بقول ابن معین و ابن المدینی (۲۴ جمادی الاولےٰ) ۱۰۶ھ ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی۔ طبقات ابن سعد۔ تہذیب التہذیب للعسقلانی۔ تاریخ ابن خلکان)۔

۵۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

آپ امام زین العابدین کے پوتے اور امام محمد باقر کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی والدہ ام فروہ حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے قاسم کی صاحبزادی ہے۔ اور امام فروہ کی ماں اسماء حضرت ابوبکر صدیق کے بیٹے عبدالرحمٰن کی صاحبزادی ہے۔ اسی واسطے آپ فرمایا کرتے تھے۔ ولدنی ابوبکر مرتین۔ یعنی میں ابوبکر سے دو مرتبہ پیدا ہوا ہوں۔ مگر حضرت[2] مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ حضرت امام کا نسب صوری اور نسب معنوی حضرت صدیق اکبر سے ہے۔ اس واسطے آپ نے ایسا فرمایا ہے۔ علم باطن میں آپ کا انتساب اپنے

---

[1] طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ یہ جگہ قدید سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ مشلل ایک پہاڑ ہے جس سے سمندر کی طرف سے قدید کو اترتے ہیں۔

[2] مکتوبات احمدیہ دفتر اول۔ مکتوب ۲۹۰۔

نانا قاسم سے ہے۔

آپ مدینہ منورہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ صدق مقال کے سبب سے آپ کو صادق کہتے ہیں۔ آپ کی سیادت وامامت پر سب کا اتفاق ہے۔ عمرو بن ابی المقدام کا قول ہے۔ کہ میں جس وقت امام جعفر کو دیکھتا ہوں معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ خاندان نبوت سے ہیں۔

علم | آپ لطائف تفسیر اور اسرار تنزیل میں بے نظیر تھے۔ علامہ ذہبی نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ۔ مالک۔ شعبہ۔ ہر دو سفیان۔ حاتم بن اسماعیل۔ یحیٰی قطان۔ ابو عاصم نبیل وغیرہ نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے (اہلبیت میں) امام جعفر بن محمد سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔ غرض آپ تمام علوم و اشارات میں کامل اور مشائخ کے پیشرو اور مقتدائے مطلق تھے۔

زہد و سخاوت | ایک روز امام سفیان ثوری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ خز[1] کا جبہ اور خز کا کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر سفیان بولے۔ اے فرزند رسول! یہ آپ کے آبا و اجداد کا لباس نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تنگدستی کے زمانہ میں تھے۔ اب امارت کا زمانہ ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے خز کا جبہ اُٹھا کر اُس کے نیچے پشم کا کھُردرا جبہ دکھایا۔ اور فرمایا۔ اے ثوری! یہ ہم نے اللہ کے واسطے پہنا ہے اور وہ تمہارے واسطے۔ جو اللہ کے واسطے ہے اُسے ہم نے پوشیدہ رکھا ہے اور جو تمہارے واسطے ہے اُسے ہم نے ظاہر رکھا ہے۔

آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ہیاج بن بسطام فرماتے ہیں۔ کہ امام جعفر صادق اوروں کو یہاں تک کھلاتے کہ اپنے عیال کے لئے کچھ باقی نہ رہتا۔

خوف و خشیت | منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت داؤد طائی نے امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اے فرزند رسول! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ کیونکہ میرا دل سیاہ ہو گیا ہے۔ فرمایا۔ یا ابا سلیمان! آپ زاہد زمانہ ہیں۔ آپ کو میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے۔ داؤد نے عرض کیا۔ اے فرزند رسول! آپ کو سب پر فضیلت حاصل ہے۔ اِس لئے آپ پر واجب ہے کہ سب کو نصیحت کریں۔ فرمایا۔ یا ابا سلیمان! مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قیامت کے دن میرے جد بزرگوار میرا دامن نہ پکڑیں اور یوں فرمادیں کہ میرا حق متابعت کیوں نہ ادا کیا۔ کیونکہ یہ کام نسب کی شرافت پر موقوف نہیں۔ بلکہ درگاہ رب العزت میں

---

[1] خز ایک قسم کا ابریشمی کپڑا ہے۔ بقول بعض ابریشم و پشم سے تیار ہوتا ہے۔ اور بعضے ایک قسم کی پوستین بتاتے ہیں۔

عمل کی پسندیدگی معتبر ہے۔ یہ سُن کر داؤد بہت روئے۔ اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ کہ پروردگارا! جس شخص کی سرشت نبوت کے آب و گل سے ہے۔ اور جس کی طبیعت کی ترکیب آثار رسالت سے ہوئی ہے اور جس کے جد بزرگوار رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور ماں حضرت فاطمہ بتول ہیں۔ جب وہ ایسی حیرانی میں ہے۔ تو داؤد کس شمار میں ہے کہ اپنے حال پر نازاں ہو۔

تعظیم و توقیر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق کی زیارت کیا کرتا تھا۔ جلوت میں حسن خلق کے سبب سے ان کے مزاج میں مزاح و تبسم زیادہ تھا۔ مگر جس وقت ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا۔ تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا۔ میں نے ان کو حدیث شریف بیان کرتے وقت کبھی بے وضو نہیں دیکھا۔ ان کی خدمت میں میری آمد و رفت دیر تک رہی۔ مگر جب کبھی میں ان سے ملا تو ان کو نماز پڑھتے یا خاموش یا قرآن پڑھتے ہی پایا۔ وہ (خلوت میں) فضول و لغو کلام نہ کیا کرتے تھے۔ اور علوم شرعیہ کے عالم اور خدا ترس تھے۔[1]

کرامات

(۱) لیث بن سعد کا بیان ہے۔ کہ میں نے ۱۱۳ھ میں حج کیا۔ جب میں نے مسجد حرام میں عصر کی نماز پڑھی۔ تو میں کوہ ابو قبیس پر چڑھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا یوں دعا مانگ رہا ہے۔ یَا رَبِّ یَا رَبِّ۔ پھر خاموش ہو گیا۔ بعد ازاں بولا۔ یَا حَیُّ یَا حَیُّ یَا حَیُّ۔ پھر کچھ دیر کے بعد بولا۔ الٰہی میں انگور چاہتا ہوں۔ خدایا مجھے انگور کھلا دے۔ میری دونوں چادریں پھٹ گئی ہیں۔ مجھے نئی پہنا دے۔ راوی کا قول ہے کہ اُس کا کلام تمام نہ ہونے پایا تھا۔ کہ میں نے ایک انگوروں کا بھرا ہوا ٹوکرا دیکھا حالانکہ اُس وقت روئے زمین پر انگور نہ تھے۔ اور دو چادریں دیکھیں کہ جن کی مثل میں نے دنیا میں نہیں دیکھی۔ اُس شخص نے چاہا کہ انگور کھائے۔ میں نے کہا۔ میں تیرا شریک ہوں۔ اُس نے پوچھا۔ کیونکر؟ میں نے جواب دیا کہ جب تم دعا کر رہے تھے۔ تو میں آمین کہہ رہا تھا۔ یہ سُن کر اُس نے کہا۔ آگے آئیے۔ کھائیے۔ میں آگے بڑھا اور وہ انگور کھائے کہ ایسے کبھی نہ کھائے تھے۔ ہم نے پیٹ بھر کر کھائے۔ مگر ٹوکرا اسی طرح بھرا ہوا تھا۔ اُس نے فرمایا۔ کہ ان کو ذخیرہ مت کرو اور نہ چھپاؤ۔ بعد ازاں اُس شخص نے ایک چادر خود لے لی اور دوسری مجھے دے دی۔ میں نے کہا۔ کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اِس پر اُس نے ایک چادر بطور تہبند باندھ لی۔ اور دوسری بدن پر اوڑھ لی۔ پھر وہ دونوں پرانی چادریں ہاتھ میں لئے پہاڑ سے اترا۔ صفا و مروہ کے درمیان ایک شخص نے اُس سے سوال کیا۔ اے فرزند رسول اللہ! میں ننگا ہوں۔ مجھے اڑھا دے جیسا کہ اللہ تعالٰے نے تجھے اڑھایا ہے۔ پس اُس نے وہ دونو سائل کو دے دیں۔ یہ دیکھ کر میں نے پوچھا

---

[1] شفا شریف قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ۔

کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ جواب ملا کہ جعفر صادق ہیں۔ اس کے بعد میں نے اُن کو ڈھونڈا کہ ان سے کچھ سنوں مگر نہ ملے۔

(۲) ایک روز حضرت جعفر صادق مکہ میں پھر رہے تھے۔ اچانک آپ کا گزر ایک عورت پر ہوا۔ جس کے آگے ایک گائے مُردہ پڑی ہوئی تھی۔ اور وہ اپنے بچوں کے ساتھ رو رہی تھی۔ حضرت امام نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟۔ اُس نے عرض کی۔ کہ میرا اور میرے بچوں کا گزارہ اسی گائے کے دودھ سے ہوتا تھا۔ اب جو مر گئی۔ حیران ہوں کہ کیا کروں۔ امام نے فرمایا۔ کیا تو چاہتی ہے کہ خدا تعالےٰ اس کو زندہ کردے۔ اُس نے جواب دیا۔ مجھ پر تو یہ مصیبت پڑی ہوئی ہے۔ اور آپ ہنسی کرتے ہیں۔ امام نے فرمایا کہ میں ہنسی نہیں کرتا۔ بعد ازاں آپ نے دعا فرمائی اور گائے کے ایک ٹھوکر ماری۔ وہ زندہ ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور آپ عام لوگوں میں جا ملے۔ اُس عورت کو معلوم نہ ہوا کہ کون تھے۔

(۳) منقول ہے کہ منصور نے جو خلیفہ وقت تھا۔ اپنے وزیر سے کہا۔ کہ جعفر صادق کو لاؤ تاکہ میں اُسے قتل کردوں۔ وزیر نے کہا کہ جو شخص گوشہ نشین اور عبادت میں مشغول ہے۔ اور ملک سے قطع تعلق کئے ہوئے ہے اُس کے قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خلیفہ نے ناراض ہو کر کہا کہ اُسے ضرور لاؤ۔ میں قتل کرنا چاہتا ہوں۔ وزیر نے بہتیرا سمجھایا۔ مگر اُس نے ایک نہ سُنی۔ آخر کار وزیر تلاش میں نکلا۔ خلیفہ نے غلاموں سے کہا۔ کہ جس وقت صادق آئے اور میں سر سے ٹوپی اتاروں۔ تم اُسے قتل کردینا۔ جب حضرت امام آئے۔ تو منصور استقبال کے لئے آگے بڑھا۔ اور آپ کو تخت پر بٹھا کر خود ادب سے سامنے ہو بیٹھا۔ غلام یہ دیکھ کر حیران ہوئے۔ منصور نے عرض کیا۔ کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے۔ امام نے فرمایا۔ کہ صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ مجھے پھر اپنے پاس نہ بلانا۔ اور اب مجھے اجازت دو کہ جا کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاؤں۔ یہ سُن کر خلیفہ نے آپ کو بڑے اعزاز و اکرام سے رخصت کیا۔ جب آپ رخصت ہوئے۔ تو خلیفہ کانپ کر بیہوش گر پڑا۔ تین روز تک بیہوش رہا۔ بعضے کہتے ہیں کہ اُس کی تین نمازیں فوت ہو گئیں۔ جب ہوش میں آیا۔ تو وزیر نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ تھا۔ خلیفہ بولا کہ جب امام جعفر صادق یہاں آئے۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ آپ کے ہمراہ ایک اژدہا ہے۔ جس کا ایک ہونٹ اِس مکان کے نیچے اور دوسرا اوپر ہے۔ اور زبان فصیح سے مجھے کہہ رہا ہے۔ کہ اگر تو حضرت امام کو تکلیف دے گا۔ تو میں تجھے اس مکان سمیت نگل جاؤں گا۔ اِس لئے میں اُس اژدہا کے ڈر کے مارے کچھ نہ کہہ سکا۔ بلکہ اُس سے معافی مانگی اور بیہوش ہو گیا۔

وفات | آپ نے مدینہ منورہ میں (۱۵ رجب) ۱۴۸ھ میں اڑسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ اور جنت البقیع میں قبہ اہلبیت میں مدفون ہوئے۔

کلماتِ قدسیہ

(۱) چار چیزیں ہیں۔ جن سے شریف آدمی کو عار نہ چاہئے۔ اپنے والد کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جانا۔ اپنے مہمان کی خدمت کرنا۔ اپنے چوپایہ کی خبر لینا خواہ اس کے سو غلام ہوں۔ اپنے استاد کی خدمت کرنا۔

(۲) نیکی سوائے تین خصلتوں کے تمام و کامل نہیں ہوتی۔ اُسے جلدی کرنا۔ اُسے چھوٹا سمجھنا۔ اُسے چھپانا

(۳) جب دنیا کسی انسان کے پاس آتی ہے۔ اُسے غیروں کی خوبیاں دے دیتی ہے۔ اور جب اُس سے مُنہ پھیر لیتی ہے۔ تو اُس کی ذاتی خوبیاں بھی اُس سے چھین لیتی ہے۔

(۴) جب تجھے اپنے بھائی سے ایسی چیز پہنچے جو تو ناپسند کرتا ہے۔ تو اُس کے لئے ایک عذر سے ستر عذر تلاش کر۔ اگر تجھے اُس کے لئے کوئی عذر نہ ملے۔ تو یوں کہہ۔ کہ شاید اُس کے لئے کوئی عذر ہوگا جو مجھے معلوم نہیں۔

(۵) جب تم کسی مسلمان سے کوئی کلمہ سنو۔ تو اُسے اچھے سے اچھے معنی پر حمل کرو۔ یہانتک کہ اگر تمہیں کوئی محل نیک نہ ملے۔ تو اپنے تئیں ملامت کرو۔

(۶) تم ایسے ہاتھ کا کھانا نہ کھاؤ۔ جو بھوکا تھا۔ پھر سیر ہوگیا۔

(۷) آپ نے کسی قبیلے کے ایک شخص سے پوچھا۔ کہ اس قبیلے کا سردار کون ہے؟۔ اُس شخص نے جواب دیا۔ کہ میں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر تو اُن کا سردار ہوتا۔ تو جواب میں مَیں نہ کہتا۔

(۸) جب تو گناہ کرے۔ تو معافی مانگ۔ کیونکہ گناہ مردوں کے گلوں میں ان کی پیدائش سے پہلے ڈالے گئے ہیں۔ اور ان پر اصرار کرنا کمال درجہ کی ہلاکت ہے۔

(۹) جو شخص اپنے رزق میں تاخیر پائے۔ اُسے طلب مغفرت زیادہ کرنی چاہئے۔

(۱۰) جو شخص اپنے مالوں میں سے کسی مال پر ناز کرے۔ اور اُس مال کا بقاء چاہے۔ اُسے یوں کہنا چاہئے۔ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔

(۱۱) اللہ تعالٰے نے دنیا کی طرف یہ حکم بھیجا۔ کہ جو شخص میری خدمت کرے تو اُس کی خدمت کر اور جو تیرا خادم بنے۔ تو اُسے تکلیف دے۔

(۱۲) علمائے شریعت پیغمبروں کے امین ہیں جب تک کہ بادشاہوں کے دروازوں پر نہ جائیں۔

(۱۳) یا اللہ! تو مجھے اُس شخص کے ساتھ غم خواری عطا فرما۔ جس پر تو نے اپنا رزق تنگ کردیا ہے۔ اور جس حالت میں مَیں ہوں وہ تیرے فضل سے ہے۔

(۱۴) آپ کو جب کسی چیز کی حاجت ہوتی۔ تو یوں دعا کرتے۔ پروردگارا! مجھے فلاں چیز کی حاجت ہے

آپ کی دعا تمام نہ ہوتی۔ کہ وہ چیز آپ کے پہلو میں موجود ہوتی۔

(۱۵) جس نے اللہ کو پہچانا۔ اُس نے ماسوائے منہ پھیر لیا۔

(۱۶) عبادت توبہ کے سوا درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر مقدم کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ التائبون العابدون۔

(۱۷) مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جو چار میں مبتلا ہو۔ وہ چار سے کیسے غافل رہتا ہے تعجب ہے اس پر جو غم میں مبتلا ہو۔ وہ یہ کیوں نہیں کہتا (لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد فرماتا ہے (فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ) اور تعجب ہے اُس پر جو کسی آفت سے ڈرتا ہو وہ یہ کیوں نہیں کہتا (حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْہُمْ سُوْٓءٌ)۔ اور تعجب ہے اُس جو لوگوں کے مکر سے ڈرتا ہو۔ وہ یہ کیوں نہیں کہتا (وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (فَوَقٰہُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِ مَا مَکَرُوْا) اور تعجب ہے اُس پر جو جنت میں رغبت کرتا ہے۔ وہ یہ کیوں نہیں کہتا (مَاشَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ) کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (فَعَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ)۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی۔ تہذیب التہذیب للعسقلانی۔ طبقات کبریٰ للشعرانی۔ صواعق محرقہ للشیخ ابن حجر۔ شواہد النبوۃ للجامی۔ تذکرۃ الاولیاء للشیخ عطار۔ کشف المحجوب للشیخ مخدوم علی ہجویری)۔

۶۔ سلطان العارفین ابویزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی قدس سرہٗ

آپ کا دادا پہلے مجوسی تھا۔ پھر مسلمان ہو گیا۔ آپ کے دو اور بھائی آدم و علی نام تھے۔ جو عابد و زاہد تھے۔ مگر آپ زہد و عبادت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ آپ کو علم باطن میں حضرت امام جعفر صادق کی روحانیت سے تربیت ہے۔ کیونکہ آپ کی پیدائش حضرت امام کی وفات شریف کے بعد ہے۔

مجاہدہ و ریاضت | بچپن میں آپ نے مکتب میں پڑھنا شروع کیا۔ جب آپ سورہ لقمان کی اِس آیت پر پہنچے۔ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ۔ یعنی شکر کر میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ تو آپ استاد سے رخصت لے کر گھر آئے۔ اور اپنی والدہ ماجدہ سے کہا کہ میں اس آیت تک پہنچا ہوں۔ جس میں باریتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ شکر کر میرا اور اپنے والدین کا۔ اب میری عرض یہ ہے۔ کہ میں دو گھروں سے تعلق نباہ نہیں سکتا۔ یا تو

آپ مجھے خدا تعالےٰ سے مانگ لیجئے کہ بالکل آپ ہی کا ہو رہوں۔ یا خدا تعالےٰ ہی کو سونپ دیجئے کہ اُسی کا ہو رہوں۔ والدہ نے جواب دیا۔ کہ میں نے تجھے اپنا حق بخش دیا۔ اور راہِ خدا کے لئے چھوڑ دیا۔ یہ سن کر آپ بسطام سے نکلے اور تیس سال تک بادیۂ شام میں ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ سخت سے سخت مجاہدہ کونسا ہے جو آپ نے راہ خدا میں کیا ہے۔ فرمایا کہ اُس کا بیان ممکن نہیں۔ اُس نے عرض کیا کہ آسان سے آسان تکلیف تو بتا دیجئے جو آپ کے نفس نے اُٹھائی ہے۔ فرمایا۔ ہاں یہ تو سُن لو۔ ایک دفعہ میں نے اپنے نفس کو کسی طاعت کی طرف بلایا۔ اُس نے میرا کہا نہ مانا۔ اِس پر میں نے اُسے ایک سال پیاسا رکھا۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ حج کے لئے روانہ ہوئے اور بارہ سال میں کعبہ میں پہنچے۔ راستے میں چند قدم چلتے اور جا نماز بچھا کر دو رکعت نماز پڑھتے۔ فرماتے کہ یہ دنیا کے بادشاہوں کا دربار نہیں کہ یکبارگی وہاں پہنچ سکیں۔ اُس دفعہ آپ حج سے فارغ ہو کر واپس آ گئے اور مدینہ منورہ میں حاضر نہ ہوئے۔ فرمایا کہ زیارتِ روضہ منورہ کو حج کے تابع بنانا خلافِ ادب ہے۔ اِس لئے آیندہ سال آپ نے روضہ منورہ کی زیارت کے لئے علیحٰدہ احرام باندھا راستے میں آپ ایک شہر میں داخل ہوئے۔ لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ جب وہاں سے نکلے۔ تو اپنے پیچھے ہجوم دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ ہی رہیں گے۔ آپ نے چاہا کہ کسی طرح یہ مجھ سے دور ہو جائیں۔ اِس لئے نماز فجر کے بعد آپ نے اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر یہ آیت پڑھی۔ اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری عبادت کرو)۔ یہ سُن کر انہوں نے کہا کہ یہ تو دیوانہ ہے۔ اور آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔

جب آپ نماز پڑھتے۔ تو ہیبت حق اور تعظیم شریعت کے سبب سے آپ کے سینہ کی ہڈیوں سے اِس قدر چرچراہٹ کی آواز نکلتی کہ لوگ سُن لیتے۔ ایک روز آپ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے۔ تو امام نے آپ سے پوچھا۔ اے شیخ! آپ کوئی کسب نہیں کرتے اور نہ کسی سے سوال کرتے ہیں۔ آپ کھاتے کہاں سے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ٹھیرو میں نماز کا اعادہ کر لوں۔ کیونکہ جو شخص روزی دینے والے کو نہیں جانتا اُس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

ابو علی جوزجانی سے اُن الفاظ کی نسبت سوال کیا گیا جو بایزید سے منقول ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بایزید کے حال کو تسلیم کرتے ہیں۔ شاید وہ الفاظ اُن سے غلبۂ حال یا حالت سکر میں صادر ہوئے ہیں۔ جو شخص بایزید کا مقام حاصل کرنا چاہے۔ اُسے بایزید کی طرح مجاہدہ نفس کرنا چاہئے۔ تب وہ بایزید کے کلام کو سمجھے گا۔

خدمت والدہ نقل ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کہ جس کام کو مَیں سب سے موخّر سمجھتا تھا وہ سب سے مقدّم نکلا۔

اور وہ والدہ کی رضا تھی۔ نیز فرمایا کہ جو کچھ میں ریاضات و مجاہدات اور مسافرت میں ڈھونڈتا رہا وہ اسی میں پایا۔ ایک رات میری ماں نے مجھ سے پانی مانگا۔ میں پانی لینے گیا۔ کوزہ میں پانی نہ تھا۔ میں نے گھڑی میں دیکھا۔ وہاں بھی نہ ملا۔ میں ندی پر گیا وہاں سے پانی لایا۔ اتنے میں والدہ سوگئی تھیں اور رات جاڑے کی تھی۔ میں نے کوزہ ہاتھ میں اُٹھائے رکھا۔ جب اُن کی آنکھ کھلی۔ تو پانی پیا اور مجھے دعا دی۔ کوزہ اسی طرح میرے ہاتھ میں جم گیا تھا۔ فرمایا۔ نیچے کیوں نہ رکھ دیا۔ میں نے عرض کی۔ کہ مجھے ڈر تھا۔ کہ کہیں آپ جاگ اُٹھیں اور میں حاضر نہ ہوں۔ ایک اور موقع پر میری والدہ ماجدہ نے فرمایا۔ کہ آدھا دروازہ بند کردو۔ میں صبح تک یہی سوچتا رہا۔ کہ کونسا آدھا بند کروں دائیں طرف کا یا بائیں طرف کا۔ تاکہ والدہ کے حکم کے خلاف نہ ہوجائے۔ صبح کے وقت مجھے مل گیا جو میں ڈھونڈتا تھا۔ سید الطائفہ جنید بغدادی فرماتے ہیں۔ کہ بایزید ہماری جماعت میں ایسے ہیں جیسا کہ حضرت جبرئیلؑ فرشتوں میں۔ دیگر سالکین کے میدان کی نہایت بایزید کے میدان کی بدایت ہے۔

تقوے | نقل ہے کہ آپ مکہ مشرفہ سے آرہے تھے جب ہمدان میں پہنچے۔ تو آپ نے کسم کا بیج خرید کر خرقہ میں باندھ لیا۔ بسطام میں آکر جو کھولا۔ تو اُس میں چند کیڑے نظر آئے۔ فرمایا۔ میں نے ان کو بے وطن کیا ہے۔ اُٹھ کر پھر ہمدان واپس گئے۔ اور ان کیڑوں کو ان کے ٹھکانے پر پہنچا دیا۔

ایک روز آپ نے صحرا میں اپنا کپڑا دھویا۔ ایک ارادتمند ساتھ تھا۔ وہ بولا۔ ہم اسے انگوروں کی دیوار پر لٹکا دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ لوگوں کی دیوار میں میخ نہ گاڑو۔ اُس نے عرض کیا کہ درخت پر لٹکا دیتے ہیں۔ فرمایا۔ ایسا نہ کرنا۔ درخت کی شاخیں ٹوٹ جائیں گی۔ عرض کیا کہ گھاس پر پھیلا دیتے ہیں۔ فرمایا۔ ایسا نہ کرنا۔ گھاس چوپایوں کا چارہ ہے۔ ہم اسے اُن سے نہیں چھپاتے۔ پس آپ کپڑے کو پشت مبارک پر رکھ کر دھوپ میں کھڑے ہو گئے۔ جب ایک طرف سوکھ گئی۔ تو دوسری طرف الٹا دی۔

ایک دفعہ آپ جامع مسجد میں تشریف لے گئے۔ اور اپنا عصا زمین میں گاڑ دیا۔ اس کے پہلو میں ایک شیخ نے اپنا عصا زمین میں گاڑا ہوا تھا۔ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کا عصا اُس شیخ کے عصا پر گرا۔ جس سے وہ بھی گر پڑا۔ شیخ نے جھک کر اپنا عصا اُٹھایا اور گھر کو چل دیا۔ آپ بھی اُس کے گھر پہنچے۔ اور معافی مانگی۔ فرمایا کہ تم کو جھکنے کی تکلیف اِس واسطے اُٹھانی پڑی کہ میں نے اپنا عصا اچھی طرح نہ گاڑا تھا۔ ورنہ تمہیں جھکنے کی حاجت نہ پڑتی۔

زُہد | ایک رات آپ کو عبادت کا ذوق نہ آتا تھا۔ خادم سے فرمایا کہ دیکھو گھر میں کیا ہے۔ دیکھ بھال کی گئی۔ تو انگور کا ایک خوشہ نکلا۔ آپ نے فرمایا۔ کسی کو دے دو۔ ہمارا گھر میوہ فروش کی دکان نہیں۔ پھر آپ

خوش وقت ہوئے۔

استغراق | آپ کے استغراق کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک مرید بیس سال تک لگاتار آپ کی خدمت میں رہا۔ آپ ہر روز اُس کو بلاتے۔ تو اُس کا نام پوچھ لیتے۔ آخرکار ایک دن اُس نے عرض کیا۔ کہ میں بیس سال سے آپ کی خدمت میں ہوں۔ آپ ہر روز میرا نام دریافت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں ہنسی نہیں کرتا۔ جب سے اُس کا نام دل میں آیا ہے۔ تمام نام بھول گئے ہیں۔ اس لئے میں ہر روز تجھ سے تیرا نام پوچھ لیتا ہوں۔ اور بھول جاتا ہوں۔

حق ہمسایہ | نقل ہے کہ آپ کا ہمسایہ آتش پرست تھا جس کے ہاں ایک دودھ پیتا بچہ تھا۔ وہ سفر کو گیا ہوا تھا۔ بچہ رات کو تاریکی کے سبب سے روتا۔ آپ ہر روز اُس کے گھر میں چراغ رکھ آتے جس کی روشنی میں بچہ کھیلتا رہتا۔ جب آتش پرست سفر سے واپس آیا۔ تو اُس کی بیوی نے شیخ کا سلوک بیان کیا۔ آتش پرست نے کہا۔ افسوس! شیخ کی روشنی ہمارے گھر آئے اور ہم تاریکی میں رہیں۔ اُسی وقت آکر مسلمان ہو گیا۔

بایزید و ذوالنون مصری | ایک روز ذوالنون مصری نے ایک مرید کے ہاتھ آپ کو کہلا بھیجا۔ اے بایزید! تم رات کو جنگل میں آرام سے سوتے ہو۔ قافلہ چلا گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ مرد کامل تو وہ ہے جو رات کو سو جائے اور صبح کو قافلہ کے اترنے سے پہلے منزل پر پہنچ جائے۔ ذوالنون یہ سُن کر رو دئے۔ اور کہا کہ بایزید کو مبارک ہو۔ ہم اس مرتبے کو نہیں پہنچے ہیں۔ مولانا جامی نے سلسلۃ الذہب میں اس حکایت کو نظم میں بیان کیا ہے۔

کرامات | (۱) آپ کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں۔ کہ جب آپ پیٹ میں تھے۔ تو جب کبھی میں مشتبہ لقمہ کھا بیٹھتی۔ آپ پیٹ میں تڑپنا شروع کرتے۔ جب تک قے نہ کرتی اور وہ لقمہ دور نہ ہو جاتا۔ آرام نہ کرتے۔ اس کا مصداق یہ ہے کہ آپ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ انسان کے لئے اس راہ میں کونسی بات سب سے اچھی ہے۔ فرمایا۔ مادرزاد نعمت۔ کہا اگر یہ نہ ہو۔ فرمایا۔ دیکھنے والی آنکھ۔ کہا اگر یہ بھی نہ ہو۔ فرمایا۔ سُننے والا کان۔ کہا اگر یہ بھی نہ ہو۔ فرمایا۔ ناگہانی موت۔

(۲) ایک دفعہ آپ حج کو جا رہے تھے۔ اپنا اور مریدوں کا سارا اسباب ایک اونٹ پر لدا ہوا تھا۔ کسی نے کہا۔ کہ اس بیچارے اونٹ پر بوجھ زیادہ ہے۔ اور یہ بڑا ظلم ہے۔ حضرت بایزید نے جواب دیا۔ اے جوانمرد! بوجھ کا اُٹھانے والا اونٹ نہیں ہے۔ غور سے دیکھ کہ اونٹ کی پیٹھ پر کچھ بوجھ ہے یا نہیں۔ اُس نے جو دیکھا۔ تو بوجھ اونٹ کی پیٹھ سے ایک ہاتھ اونچا تھا۔ کہنے لگا یہ عجیب معاملہ ہے۔ شیخ نے فرمایا۔ کہ اگر میں اپنا حال تم سے پوشیدہ رکھتا ہوں۔ تو تم مجھے ملامت کرنے لگتے ہو۔ اور اگر

ظاہر کردیتا ہوں تو اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ کیا کیا جائے۔

(۳) نقل ہے کہ ایک جماعت نے آپ کی خدمت میں قحط کی شکایت کی۔ اور عرض کیا کہ دعا کیجئے۔ اللہ تعالےٰ بارش بھیجے۔ یہ سن کر آپ نے سر جھکا لیا۔ پھر سر اُٹھا کر فرمایا۔ جاؤ۔ اپنے پرنالوں کو درست کرلو۔ بارش آگئی۔ اُسی وقت مینہ برسنا شروع ہوا۔ اور ایک دن رات برستا رہا۔

(۴) شیخ ابو سعید مخورانی حضرت بایزید کی خدمت میں بغرض امتحان آئے۔ آپ نے فرمایا میرے مرید ابو سعید راعی کے پاس جاؤ۔ کیونکہ ولایت وکرامت ہم نے اُسے بخش دی ہے۔ جب ابو سعید وہاں پہنچے۔ راعی کو دیکھا کہ صحرا میں نماز پڑھ رہے ہیں اور بھیڑئے آپ کی بھیڑوں کی گلہ بانی کر رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے۔ پوچھا کیا چاہتے ہو۔ کہا گرم روٹی اور انگور۔ راعی نے ہاتھ کی لکڑی کے دو ٹکڑے کرکے ایک اپنے آگے اور دوسرا اس کے آگے گاڑ دیا۔ فوراً انگور لگے۔ مگر راعی کی طرف کے سفید اور اُس کی طرف کے سیاہ تھے۔ اُس نے راعی سے سبب پوچھا۔ راعی نے جواب دیا۔ کہ میری طلب بطور یقین اور تیری طلب بطور امتحان تھی۔ ہر چیز کا رنگ اُس کے حال کے موافق ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد راعی نے ابو سعید مخورانی کو اپنی گدڑی دی اور فرمایا کہ اِسے سنبھال کر رکھنا۔ مگر جب وہ حج کو گئے۔ تو عرفات میں وہ گدڑی غائب ہوگئی۔ جب بسطام میں آئے۔ تو راعی کے پاس دیکھی۔

(۵) ایک دفعہ ملک روم میں لشکر اسلام کا کفار سے مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کو شکست ہونے والی تھی۔ کہ حضرت شیخ نے یہ آواز سنی۔ بایزید دریاب (اے بایزید خبر لیجو)۔ اُسی وقت خراسان کی طرف سے آگ نمودار ہوئی۔ جس کی دہشت سے لشکر کفار میں تہلکہ مچ گیا۔ اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

(۶) حضرت بایزید سے پوچھا گیا۔ کہ آپ کا پیر کون ہے۔ جواب دیا کہ ایک بڑھیا۔ میں ایک روز ایسے غلبہ شوق وجوش توحید میں تھا کہ بال برابر بھی کسی اور چیز کی گنجائش نہ تھی میں۔ بیخودی کی حالت میں صحرا میں چلا گیا۔ وہاں ایک بڑھیا آٹے کی تھیلی لے کر آئی اور مجھ سے کہا کہ اسے اٹھالو۔ میری یہ کیفیت تھی کہ اپنے تئیں بھی سنبھال نہ سکتا تھا۔ میں نے ایک شیر کو اشارہ کیا۔ وہ آیا۔ میں نے تھیلی اُس کی پیٹھ پر رکھ دی۔ اور بڑھیا سے کہا۔ کہ جب تو شہر میں جائے گی۔ تو کیا کہے گی کہ میں نے کس کو دیکھا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں کہوں گی کہ میں نے ایک ظالم ومتکبر کو دیکھا۔ میں نے کہا۔ ذرا ہوش کر۔ بڑھیا بولی۔ شیر مکلف ہے یا نہیں۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ اس نے کہا جس کو خدا تعالےٰ نے مکلف نہیں بنایا۔ اُسے تکلیف دینا ظلم ہے یا نہیں۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ پھر بڑھیا نے کہا۔ کہ تو باوجود اس بات کے چاہتا ہے۔ کہ اہل شہر جانیں کہ شیر تیرا مطیع ہے۔ اور تو صاحب کرامات ہے۔ یہ رعنائی ہے۔ یہ سُن کر میں نے توبہ کی۔ اور

اعلیٰ سے اسفل کی طرف آیا۔ بڑھیا کی یہ بات میرا پیر ہے۔

وفات | آپ نے (۱۵ شعبان) ۲۶۱ھ میں بسطام[1] میں انتقال فرمایا۔ وصال کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ اور آپ کا حال دریافت کیا۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ سے پوچھا۔ بوڑھے! تو میرے واسطے کیا لایا ہے؟۔ میں نے عرض کیا۔ خداوندا جب کوئی فقیر بادشاہ کی درگاہ میں آتا ہے۔ اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ تو ہمارے واسطے کیا لایا۔ بلکہ یہ پوچھتے ہیں کہ تو کیا مانگتا ہے۔

جب آپ کو دفن کیا گیا۔ تو علی کی والدہ جو احمد خضرویہ کی بیوی تھی زیارت کو آئی۔ جب زیارت سے فارغ ہوئی۔ تو کہنے لگی۔ تم جانتے ہو کہ شیخ بایزید کون تھے۔ لوگوں نے کہا تو بہتر جانتی ہے۔ وہ بولی کہ ایک رات میں کعبہ کا طواف کر رہی تھی۔ میں کچھ دیر بیٹھ گئی۔ اور سو گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ آسمان پر لے گئے۔ میں نے عرش کے نیچے ایک بیابان دیکھا۔ جس کی لمبائی اور چوڑائی کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ تمام بیابان گل و ریاحین تھا۔ جس کے پھولوں کی ہر پتی پر لکھا تھا۔ کہ بایزید ولی اللہ تھا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر آپ کی زیارت کو آئے۔ تو فرمانے لگے۔ یہ وہ جگہ ہے کہ دنیا میں جس شخص کی کوئی چیز گم ہوئی ہو۔ وہ یہاں ڈھونڈے۔

کلماتِ قدسیہ

(۱) آپ سے دریافت کیا گیا۔ کہ آپ نے یہ معرفت کس طرح حاصل کی؟۔ جواب دیا کہ بھوکے پیٹ اور ننگے بدن سے۔

(۲) میں نے تیس سال مجاہدے میں گذارے۔ اس عرصہ میں کسی چیز کو اپنے اوپر ایسا سخت نہ پایا جیسا کہ علم اور اُس پر عمل۔ اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا۔ تو میں ایک[2] اجتہاد پر رہتا۔ علماء کا اختلاف سوائے تجرید توحید کے رحمت ہے۔

(۳) عمی[3] بسطامی کا بیان ہے۔ کہ میں نے اپنے باپ کو یہ کہتے سنا۔ کہ ابو یزید نے مجھ سے کہا۔ کہ ہمارے ساتھ چلو تاکہ اس شخص کو دیکھیں۔ جس نے اپنے تئیں ولی مشہور کر رکھا ہے اور وہ زہد میں مشہور

---

[1] یہ شہر علاقہ قومس میں اُس راستے پر جو نیشاپور کو جاتا ہے دامغان کے بعد دو منزل پر واقع ہے۔ یاقوت حموی نے اس کو با کے کسرہ کے ساتھ اور ابن خلکان نے با کے فتحہ کے ساتھ لکھا ہے۔ یاقوت نے اس شہر کو دیکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت بایزید کا مقبرہ اس شہر کے وسط میں بازار کی طرف واقع ہے۔

[2] یعنی قول متفق علیہ پر میرا عمل ہوتا۔ اور ایک ہی نوع کی ملازمت کے سبب سے زیادہ مشقت میں ہوتا۔

[3] شیخ عمی بسطامی سلطان العارفین کے برادر زادہ اور مرید ہیں۔

و معروف تھا پس ہم اس کی طرف گئے۔ جب وہ اپنے گھر سے نکلا اور مسجد میں داخل ہوا۔ تو اُس نے اپنا لعاب دہن قبلہ کی طرف پھینکا۔ یہ دیکھ کر ابویزید واپس آگئے اور اُسے سلام نہ کہا۔ فرمایا کہ یہ شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب میں معتمد علیہ وامین نہیں۔ جس بات کا یہ دعویٰ کرتا ہے اُس میں کس طرح معتمد علیہ ہوگا۔

(۴) میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالےٰ سے سوال کروں کہ مجھے کھانے کی تکلیف اور عورتوں کی تکلیف سے بچائے۔ پھر خیال آیا کہ یہ سوال میرے واسطے کس طرح جائز ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال نہیں کیا۔ اس لئے میں اِس سوال سے باز رہا۔ بعد ازاں اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے مجھے عورتوں کی تکلیف سے ایسا بچایا کہ مجھے پروا نہیں۔ میرے آگے عورت ہو یا دیوار۔

(۵) اگر تم کسی شخص میں کرامات دیکھو یہانتک کہ ہوا میں اُڑتا ہو۔ تو اس پر فریفتہ نہ ہوجاؤ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر ونہی۔ حفظ حدود اور آداب شریعت میں کیسا ہے۔

(۶) اپنی موت کے وقت فرمایا۔ خدایا میں نے تجھ کو یاد نہ کیا مگر غفلت سے۔ اور تیری عبادت نہ کی مگر سستی سے۔

(۷) میں نے ایک رات اپنی محراب میں پاؤں پھیلایا۔ ہاتف نے مجھے آواز دی کہ جو شخص بادشاہوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے اُسے چاہئے کہ حسن ادب سے بیٹھے۔

(۸) میں نے اللہ کو اللہ کے ساتھ پہچانا۔ اور اللہ کے ماسوا کو اللہ کے نور کے ساتھ پہچانا۔

(۹) اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو نعمتیں دیں تاکہ ان کے سبب سے اللہ کی طرف رجوع کریں۔ مگر وہ ان کے سبب سے اُس سے غافل ہوگئے۔

(۱۰) اے خدا! تو نے خلق کو ان کے علم کے بغیر پیدا کیا۔ اور ان کے ارادہ کے بغیر امانت ان کے گلے میں ڈال دی۔ پس اگر تو ان کی مدد نہ کرے گا۔ تو اور کون کرے گا؟۔

(۱۱) آپ سے دریافت کیا گیا کہ سنت وفریضہ کیا ہے۔ فرمایا کہ سنت تمام دنیا کا ترک کرنا اور فریضہ اللہ کے ساتھ صحبت ہے۔ وجہ یہ کہ سنت تمام ترک دنیا پر دلالت کرتی ہے۔ اور کتاب تمام صحبت مولےٰ پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا کلام اُس کی ایک صفت ہے۔ اور نعمتیں ازلی ہیں پس واجب ہے کہ ان کا شکر ازلی ہو۔

(۱۲) میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ اے میرے پروردگار! میں تجھے کس طرح پاؤں؟ ارشاد ہوا کہ اپنے نفس[1] کو چھوڑ اور میری طرف آ۔

[1] یعنی خودی کو چھوڑ دو تو مجھ کو پالوگے۔

(۱۳) آپ سے دریافت کیا گیا کہ انسان متواضع کب ہوتا ہے۔ فرمایا جب اپنی ذات کے لئے کوئی مقام و حال نہ دیکھے اور نہ لوگوں میں اپنے سے بدتر کسی کو سمجھے۔

(۱۴) عامہ مومنین کے مقام کی غایت اولیاء کے مقام کی ابتدا ہے۔ اور اولیاء کے مقام کی نہایت شہیدوں کے مقام کی ابتدا ہے۔ اور شہیدوں کے مقام کی غایت صدیقوں کے مقام کی ابتدا ہے۔ اور صدیقوں کے مقام کی غایت نبیوں کے مقام کی ابتدا ہے۔ اور نبیوں کے مقام کی غایت رسولوں کے مقام کی ابتدا ہے۔ اور رسولوں کے مقام کی غایت اولوالعزم کے مقام کی ابتدا ہے۔ اور اولوالعزم کے مقام کی نہایت حضرت مصطفےٰ کے مقام کی ابتدا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور حضرت مصطفےٰ کے مقام کی نہایت معلوم نہیں۔ سوائے حق جل وعلا کے کوئی آپ کے مقام کی نہایت نہیں جانتا۔ روز ازل میں اور میثاق کے دن روحوں کا مقام ان ہی مراتب پر تھا جو مذکور ہوئے۔ اور قیامت کے دن بھی ان ہی مراتب پر ہوگا۔ اور ان کے اسرار حق تعالےٰ کی محبت میں ان ہی مراتب پر ہوں گے۔

(تذکرۃ الاولیاء۔ رسالہ قشیریہ۔ طبقات کبرےٰ للشعرانی۔ نفحات الانس۔ انیس الطالبین مولفہ خواجہ صالح بن مبارک بخاری)۔

۷۔ شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی علی بن احمد اور کنیت ابوالحسن ہے۔ سلوک میں آپ کی تربیت حضرت بایزید بسطامی کی روحانیت سے ہوئی۔ کیونکہ آپ کی ولادت سلطان العارفین کی وفات کے بعد ہے۔

شیخ ابوالحسن سلطان مشائخ اور اوتاد و ابدال کے قطب اور اہل طریقت و حقیقت کے پیشوا تھے۔ معرفت و توحید میں درجہ کمال پر پہنچے ہوئے تھے۔ ہمیشہ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول اور حضور و مشاہدہ میں مستغرق رہتے تھے۔ شیخ ابوالعباس قصاب نے فرمایا تھا۔ کہ ہمارے بعد ہمارا بازار خرقانی سنبھالیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا استاد ابوالقاسم قشیری کا بیان ہے۔ کہ میں جب ولایت خرقان میں داخل ہوا۔ تو پیر خرقانی کی دہشت سے میری فصاحت و عبارت جاتی رہی۔ میں نے خیال کیا کہ میں اپنی ولایت سے معزول ہو گیا۔

مجاہدہ ابتدا میں آپ کا یہ معمول تھا۔ کہ عشا کی نماز خرقان میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے۔ پھر حضرت بایزید کے مزار شریف کی زیارت کے لئے روانہ ہو جاتے۔ وہاں پہنچ کر یوں دعا کرتے۔ خدایا! جو خلعت

تو نے بایزید کو عطا کیا ہے وہ ابوالحسن کو بھی عنایت فرما۔ پھر زیارت سے فارغ ہو کر خرقان کو آتے۔ تو تمام راستے میں مزار مبارک کی طرف پیٹھ نہ کرتے۔ اور فجر کی نماز عشا کے وضو کے ساتھ خرقان میں پڑھتے۔ بارہ برس کے بعد مزار مبارک سے آواز آئی۔ اے ابوالحسن اب تمہارے بیٹھنے کا وقت آگیا ہے۔ یہ سن کر عرض کیا کہ میں اَن پڑھ ہوں۔ رموز شریعت سے چنداں واقف نہیں۔ آواز آئی۔ کہ تم نے جو کچھ خدا سے مانگا وہ تمہیں مل گیا۔ فاتحہ شروع کیجئے۔ جب آپ خرقان میں پہنچے۔ تو قرآن ختم کرلیا۔ اور علوم ظاہری و باطنی آپ پر منکشف ہو گئے۔

تواضع ایک روز آپ بہت سے درویشوں کے ساتھ خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور سات دن سے کچھ نہ کھایا تھا۔ ایک شخص آٹے کی بوری اور ایک بکری لے کر حاضر خدمت ہوا۔ اُس نے آواز دی۔ کہ میں یہ صوفیوں کے لئے لایا ہوں۔ آپ نے درویشوں سے فرمایا۔ کہ تم میں سے جو صوفی ہو لے لے مجھ میں تو جرأت نہیں کہ تصوف کا دعوے کروں۔ یہ سن کر کسی نے نہ لیا اور وہ شخص واپس لے گیا۔

حضرت بایزید کی پیشگوئی کہتے ہیں کہ سلطان العارفین ہر سال ایک مرتبہ دہستان میں قبور شہداء کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ جب آپ موضع خرقان[1] سے گزرتے۔ تو ٹھیر جاتے اور اِس طرح سے سانس لیتے جیسا کوئی کچھ سونگھتا ہے۔ مریدوں نے پوچھا کہ آپ کس چیز کی بو سونگھتے ہیں۔ ہم کو تو یہاں کچھ خوشبو نہیں آتی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اِس چوروں کے گاؤں سے ایک مردِ خدا کی خوشبو آتی ہے۔ جس کا نام علی اور کنیت ابوالحسن ہے۔ اُس میں تین باتیں مجھ سے زیادہ ہوں گی۔ وہ اہل و عیال کا بوجھ اُٹھانے کا کھیتی کرے گا اور درخت لگایا کرے گا۔ سلطان العارفین کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے اس قصہ کو اپنی مثنوی میں نہایت دلچسپ پیرایہ میں یوں نظم کیا ہے:۔

ایں طبیبانِ بدن دانشورند / بر سقامِ تو ز تو واقف ترند
تا ز قارورہ ہمے بینند حال / کہ ندانی تو از آں رو اعتدال

ہم ز نبض و ہم ز رنگ و ہم ز دم / بو برند از تو بصد گونہ سقم
پس طبیبانِ الٰہی در جہاں / چوں ندانند از تو اسرارِ نہاں

ایں طبیبانِ نو آموزند خود / کہ بدیں آیات شاں حاجت بود
کاملاں از دور نامت بشنوند / تا بقعرِ تار و پودت در روند

بلکہ پیش از زادنِ تو سالہا / دیدہ باشندت بچندیں حالہا
حالِ تو دانند یک یک مو بمو / زانکہ پر ہستند از اسرارِ ہو

آں شنیدی داستانِ بایزید / کہ ز حالِ بوالحسن از پیش دید
روزے آں سلطانِ تقویٰ میگزشت / با مریداں جانبِ صحرا و دشت

بوئے خوش آمد مر او را ناگہاں / در سوادِ رے ز سوئے خارقاں
ہم بدانجا نالۂ مشتاق کرد / بوئے را از باد استنشاق کرد

[1] خرقان بفتح رائے مہملہ استر آباد کے راستے پر بسطام کے دیہات میں سے ایک گاؤں کا نام ہے معجم البلدان لیاقوت الحموی۔

بوئے خوش را عاشقانہ میکشید ۔ جانِ او از بوِ بادہ مے چشید
چوں درو آثار مستی شد پدید ۔ یک مرید او را در آندم در رسید
پس بپرسیدش کہ ایں احوال خوش ۔ کہ برونست از حجاب پنج و شش
گاہ سرخ و گاہ زرد و گہ سفید ۔ مے شود رویت چہ حالست و نوید
مے کشی بوئے بظاہر نیست گل ۔ بے شک از غیب است و از گلزارِ کل
قطرۂ بر ریز بر ما زاں سبو ۔ شمۂ زاں گلستاں با ما بگو
گفت زیں سو بوئے یارے میرسد ۔ کاندریں دِہ شہریارے میرسد
بعد چندیں سال میزاید شہی ۔ میزند بر آسمانہا خرگہے
رویش از گلزارِ حق گلگوں بود ۔ از من او اندر مقام افزوں بود
چیست نامش گفت نامش بوالحسن ۔ حلیہ اش واگفت ز ابرو و ذقن
قد او و رنگ او و شکل او ۔ یک بیک واگفت از گیسو و رُو
بر نبشتند آں زماں تاریخ را ۔ از کباب آراستند آں سیخ را
زادہ شد آں شاہ و نرد ملک باخت ۔ از عدم پیدا شد و مرکب بتاخت
از پس آں سالہا آمد پدید ۔ بوالحسن بعد از وفات بایزید
جملہ خوہائے او ز امساک و جود ۔ آنچناں آمد کہ آں شہ گفتہ بود
لوح محفوظ است او را پیشوا ۔ از چہ محفوظ است محفوظ از خطا
نے نجومست و نہ رملست و نہ خواب ۔ وحی حق واللہ اعلم بالصواب
از پئے روپوش عامہ در بیاں ۔ وحیِ دل گویند او را صوفیاں
وحی دل گیرش کہ منظرگاہ اوست ۔ چوں خطا باشد چو دل آگاہ اوست
مومنِ ینظر بنور اللہ شدی ۔ از خطا و سہو بیروں آمدی

کرامات (۱) سلطان محمود غزنی سے حضرت شیخ کی زیارت کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ جب خرقان میں پہنچا۔ تو شیخ کو ایک شخص کی زبانی یہ پیغام بھیجا کہ سلطان آپ کی زیارت کے لئے غزنی سے آیا ہے۔ اگر آپ خانقاہ سے اس کی بارگاہ میں قدم رنجہ فرمائیں۔ تو آپ کی عنایت سے بعید نہ ہوگا۔ اور قاصد سے کہہ دیا۔ اگر شیخ انکار کریں۔ تو ان کے سامنے یہ آیت پڑھ دینا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (نساء۔ ع ۸) | اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو اس کے رسول کا اور اُن کا جو اختیار والے ہیں تم میں سے۔

قاصد نے جب شیخ کو یہ پیغام دیا۔ تو شیخ نے انکار کیا۔ اس پر قاصد نے آیت مذکورہ پڑھ سنائی۔ شیخ نے جواب دیا۔ کہ مجھے معذور رکھئے اور محمود سے کہہ دیجئے کہ میں اطیعوا اللہ میں ایسا مستغرق ہوں کہ اطیعوا الرسول[1] سے بھی شرمندہ ہوں۔ اولی الامر تو بجائے خود رہے۔ جب قاصد نے سلطان سے یہ جواب

[1] اس پر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "حضرت شیخ نے حق سبحانہ کی اطاعت کو اس کے رسول کی اطاعت کے مغائر جانا۔ یہ بات استقامت سے دور ہے مستقیم الاحوال مشائخ اس قسم کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور شریعت و طریقت و حقیقت کے تمام مراتب میں حق سبحانہ کی اطاعت کو اس کے رسول کی اطاعت میں جانتے ہیں۔ اور حق سبحانہ کی اطاعت کو جو اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کے مغائر ہو عین گمراہی خیال کرتے ہیں۔" خلاصہ یہ کہ حضرت شیخ کا یہ کلام حالت سکر و غلبہ حال میں صادر ہوا ہے۔ ورنہ اطاعت رسول عین اطاعت حق سبحانہ ہے۔ (مکتوبات دفتر اول۔ مکتوب ۱۵۲)۔

عرض کیا۔ تو سلطان آبدیدہ ہوا۔ کہنے لگا۔ اُٹھو چلو۔ یہ مرد ایسا نہیں جیسا ہم نے گمان کیا ہے۔ پس اپنے کپڑے اپنے غلام ایاز کو پہنائے۔ اور دس لونڈیوں کو غلاموں کا لباس پہنا کر خود بجائے ایاز ہو گیا۔ اور امتحان کے لئے شیخ کی خانقاہ کا قصد کیا۔ جب سب نے حاضر خدمت ہو کر سلام کہا۔ تو شیخ نے سلام کا جواب دیا۔ مگر تعظیم کے لئے نہ اُٹھے۔ پھر سلطان محمود کی طرف متوجہ ہوئے اور ایاز کی طرف نگاہ نہ کی۔ محمود نے کہا کہ آپ سلطان کی تعظیم کے لئے نہیں اُٹھے۔ شیخ نے فرمایا۔ کہ یہ تمام جال ہے۔ محمود نے کہا۔ ہاں جال ہے۔ مگر اس کا پرندہ تم نہیں ہو۔ پھر شیخ نے محمود کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ آگے آؤ تم مقدم ہو۔ پس سلطان محمود بیٹھ گیا۔ اور عرض کیا۔ کہ مجھے کچھ ارشاد فرمائیے۔ شیخ نے فرمایا۔ کہ نامحرموں کو نکال دو۔ محمود نے اشارہ کیا اور وہ لونڈیاں باہر چلی گئیں۔ بعد ازاں عرض کیا۔ کہ مجھے بایزید کی کوئی حکایت سنائیے۔ شیخ نے فرمایا۔ کہ بایزید نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ جس نے مجھ کو دیکھا وہ رقم شقاوت سے محفوظ ہو گیا۔ محمود نے کہا۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تو بایزید سے زیادہ ہے پھر ابوجہل و ابولہب جنہوں نے حضرت کو دیکھا کس واسطے شقی ہی رہے۔ شیخ نے فرمایا۔ اے محمود! ادب کو ملحوظ رکھ اور اپنی بساط سے پاؤں باہر نہ رکھ۔ حضرت مصطفٰےؐ کو سوائے صحابہ کرام کے کسی نے نہیں دیکھا۔ اور اس کی دلیل باری تعالٰی کا یہ قول ہے:۔

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (اعراف۔ ع۲۴)	اور تو ان کو دیکھتا ہے کہ وہ چشم ظاہر سے تیری طرف دیکھتے ہیں۔ حالانکہ چشم بصیرت سے تجھے نہیں دیکھتے۔

یہ بات محمود کو اچھی لگی۔ عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ شیخ نے فرمایا کہ چار چیزیں اختیار کیجئے۔ اوّل پرہیزگاری۔ دوم نماز باجماعت۔ سوم سخاوت۔ چہارم خلقِ خدا پر شفقت۔ سلطان نے التجا کی کہ میرے واسطے دعا فرمائیں۔ شیخ نے فرمایا۔ میں پانچوں نمازوں میں دعا کرتا ہوں اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات (یا اللہ! مومنین و مومنات کے گناہ بخش دے)۔ سلطان نے کہا۔ کہ خاص دعا کیجئے۔ فرمایا۔ اے محمود! تیری عاقبت محمود ہو۔ اس کے بعد سلطان نے اشرفیوں کی تھیلی پیش کی۔ شیخ نے ایک جَو کی روٹی اُس کے آگے رکھ دی۔ اور کہا کہ کھائیے۔ سلطان چباتا تھا مگر حلق سے نیچے نہ اُترتی تھی۔ شیخ نے فرمایا۔ کیا تمہارا گلا پکڑتی ہے۔ محمود نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا کہ تمہاری اشرفیوں کی تھیلی اسی طرح میرا گلا پکڑتی ہے۔ اسے لے جاؤ۔ میں نے اسے طلاق دے دی ہے۔ سلطان نے کہا۔ کہ مجھے اپنی کوئی یادگار عطا کیجئے۔ شیخ نے اپنا پیراہن عطا فرمایا۔ جب محمود واپس ہوا تو شیخ اُس کی تعظیم کو اُٹھے سلطان نے کہا۔ کہ جس وقت میں آیا تھا۔ آپ نے کچھ التفات نہ کی تھی۔ اور اب تعظیم کے لئے کھڑے

ہو گئے ہیں فرمایا کہ تو بادشاہی کی رعونت اور امتحان کی نخوت میں آیا تھا۔ اور اب انکسار و درویشی میں جاتا ہے اس لئے میں پہلے تیری بادشاہی کے لئے نہ اُٹھا اور اب تیری درویشی کے لئے کھڑا ہو گیا۔ غرض سلطان وہاں سے چلا آیا۔ جب سومنات پر چڑھائی کی اور شکست کھانے لگا۔ تو اضطراب کی حالت میں ایک گوشہ میں اترا۔ اور پیراہن شیخ کو ہاتھ میں لے کر اور پیشانی زمین پر رکھ کر یوں دعا کی:

الٰہی بآبروے ایں خرقہ مرا بریں کفار ظفر دہ کہ ہرچہ
از ینجا غنیمت بگیرم بدرویشاں بدہم۔

خدایا اس خرقہ کی آبرو کے صدقہ مجھے ان کافروں پر فتح دے۔ میں یہاں سے جو غنیمت لوں گا درویشوں کو دے دوں گا

ناگاہ کفار کی طرف سے رعد و ظلمت ایسی نمودار ہوئی کہ انہوں نے ایک دوسرے کو تہ تیغ کیا۔ اور بہت سے پراگندہ ہو گئے۔ اِس طرح لشکر اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ اُسی رات محمود نے خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت شیخ فرما رہے ہیں اے محمود! تو نے ہمارے خرقہ کی آبرو ضائع کر دی۔ اگر تو اُس وقت خدا تعالےٰ سے دعا کرتا کہ تمام کفار مسلمان ہو جائیں۔ تو سب مسلمان ہو جاتے۔

(۲) ایک روز شیخ المشائخ[1] آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے آگے ایک تھال پانی سے بھرا ہوا رکھا تھا شیخ المشائخ نے تھال میں ہاتھ ڈال کر ایک زندہ مچھلی نکال کر آپ کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے نگاہ کی تو ایک گرم تنور نظر پڑا۔ آپ نے اُس میں ہاتھ ڈال کر زندہ مچھلی نکال لی اور فرمایا۔ کہ پانی میں سے زندہ مچھلی کا نکالنا آسان ہے آگ میں سے نکالنی چاہئے۔ شیخ المشائخ نے کہا آؤ ہم دونوں اِس تنور میں کود پڑیں۔ دیکھیں کون زندہ نکل آتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے عبداللہ! آ تاکہ ہم اپنی نیستی میں چلے جائیں۔ اور دیکھیں کہ اُس کی ہستی کے ساتھ کون نکلتا ہے۔ شیخ المشائخ نے پھر کچھ نہ کہا۔

(۳) نقل ہے کہ ایک مرید نے شیخ ابوالحسن سے درخواست کی۔ کہ مجھے اجازت دیجئے کہ کوہ لبنان میں جا کر قطب عالم کی زیارت کروں شیخ نے اجازت دے دی۔ جب وہ لبنان میں پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ بہت سے لوگ ایک جنازہ سامنے رکھے رو بقبلہ بیٹھے ہیں اور نماز جنازہ نہیں پڑھتے۔ مرید نے پوچھا کہ نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھتے۔ انہوں نے کہا کہ قطب عالم کی انتظار ہے۔ کیونکہ وہ یہاں پانچوں وقت امامت کرتے ہیں۔ یہ سُن کر مرید خوش ہوا۔ کچھ دیر کے بعد سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مرید کا بیان ہے۔ کہ میں نے شیخ کو دیکھا کہ امام بن کر نماز ادا کی۔ مجھ پر دہشت طاری ہوئی۔ جب ہوش آیا تو لوگ مردہ کو دفن کر چکے تھے اور شیخ تشریف لے جا چکے تھے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ شخص کون تھا۔ انہوں نے کہا

---

[1] شیخ عبداللہ داستانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام مبارک محمد بن علی داستانی اور لقب شیخ المشائخ ہے۔ جن کی وفات رجب [illegible] میں ہوئی۔ دیکھو نفحات الانس۔

کہ ابوالحسن خرقانی۔ میں نے پوچھا کہ پھر کب تشریف لائیں گے؟ وہ بولے کہ نماز دیگر کے وقت آئیں گے۔ میں رو پڑا کہ میں ان کا مرید ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ قطب عالم وہی ہیں۔ ورنہ یہ دور دراز سفر اختیار نہ کرتا۔ تم میری سفارش کرنا تاکہ وہ مجھے خرقان میں لے جائیں۔ جب نماز کا وقت آیا۔ میں نے دوبارہ شیخ کو دیکھا کہ امام بنے۔ جب آپ نے سلام پھیرا۔ تو میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا۔ اور عرض کیا کہ میں پشیمان ہوں۔ مجھے بھی خرقان لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے اس شرط پر خرقان لے چلتا ہوں کہ جو کچھ تو نے دیکھا ہے کسی کے ظاہر نہ کرے۔ کیونکہ میں نے اللہ تعالےٰ سے درخواست کی ہے کہ اس جہان میں مجھے خلقت سے پوشیدہ رکھے۔ چنانچہ مجھے سوائے بایزید بسطامی کے کسی مخلوق نے نہیں دیکھا۔

(۴) حضرت شیخ سماع نہ سنتے تھے۔ جب شیخ ابوسعید خرقان میں آپ کی زیارت کے لئے آئے۔ تو کھانا کھانے کے بعد آپ سے کہا کہ اجازت ہے کہ قوال کچھ گائیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہمیں سماع کی پروا نہیں۔ مگر آپ کی موافقت سے سن لیتے ہیں۔ پس قوالوں نے ایک شعر پڑھا۔ ابوسعید نے کہا۔ اے شیخ! اب وقت ہے کہ آپ اٹھیں۔ حضرت شیخ اٹھے۔ اور تین بار آستین کو حرکت دی اور سات مرتبہ قدم زمین پر مارا۔ خانقاہ کی تمام دیواریں آپ کی موافقت میں ہلنے لگیں۔ ابوسعید نے کہا۔ یا شیخ! بس کیجئے کہ عمارتیں خراب ہو جائیں گی۔ پھر کہا کہ قسم ہے خدا تعالےٰ کی عزت کی کہ آسمان و زمین آپ کی موافقت میں رقص کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا۔ کہ سماع اس شخص کے لئے جائز ہے جو اوپر عرش تک اور نیچے تحت الثریٰ تک سب کچھ دیکھے۔ اور اپنے اصحاب سے ارشاد فرمایا۔ کہ اگر تم سے پوچھا جائے کہ رقص کیوں کرتے ہو۔ تو جواب دیجو کہ اُن لوگوں کی موافقت سے جو ہو گزرے ہیں اور وہ ایسے ہوا کرتے ہیں۔

(۵) ایک روز شیخ ابوسعید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے ہاں چند جَو کی روٹیاں موجود تھیں جو بیوی نے پکائی تھیں۔ آپ نے بیوی سے فرمایا کہ ان پر چادر ڈال دو اور جتنی چاہو نکالتی جاؤ۔ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ لوگوں کا خاصہ مجمع ہوگیا۔ خادم روٹیاں لا رہا تھا۔ مگر وہ اسی طرح باقی تھیں۔ کہ اتنے میں بیوی نے چادر اُٹھا دی۔ کوئی روٹی نہ رہی۔ آپ نے بیوی سے کہا۔ کہ تو نے غلطی کی۔ اگر تو چادر نہ اُٹھاتی۔ تو قیامت تک اسی طرح اس کے نیچے سے روٹیاں نکلتی رہتیں۔

(۶) نقل ہے کہ بوعلی سینا آپ کی شہرت سُن کر خرقان کو آئے۔ جب آپ کے دولتخانہ پر پہنچے۔ تو شیخ ایندھن کے لئے جنگل گئے ہوئے تھے۔ پوچھا کہ کہاں ہیں۔ بیوی نے جواب دیا کہ تم ایسے زندیق کذاب کو کیا کرو گے اور بہت کچھ سخت سست کہا۔ بوعلی کے دل میں آیا۔ کہ جب بیوی ہی منکر ہے تو شیخ کا کیا حال ہوگا۔ پھر شیخ کی زیارت کے لئے جنگل کو چلے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ آ رہے ہیں۔ اور درختوں کا گٹھا شیر پر لدا ہوا ہے۔

بوعلی حیران ہوئے۔ پوچھنے لگے کہ شیخ! یہ کیا حالت ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر میں ایسے بھیڑیے اپنی بیوی) کا بوجھ نہ اٹھاؤں۔ تو شیر میرا بوجھ کیسے اٹھائے۔ جب دو خرقانی میں واپس آئے۔ تو بوعلی بیٹھ گئے اور آپس میں بہت سی باتیں ہوئیں شیخ نے دیوار بنانے کے لئے مٹی میں پانی ڈالا ہوا تھا۔ اُٹھ کر فرمانے لگے کہ مجھے یہ دیوار بنانی ہے معذور رکھئے۔ یہ کہہ کر دیوار بنانے لگے۔ اچانک تیشہ آپ کے ہاتھ سے گر پڑا۔ بوعلی نے اٹھا کر دینا چاہا۔ مگر اُٹھنے سے پہلے وہ شیخ کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر بوعلی کو اور تصدیق ہوئی۔

وفات | جب آپ کی وفات کا وقت نزدیک آیا۔ تو وصیت کی کہ میری قبر تیس گز گہری کھودنا تاکہ حضرت بایزیدؒ کی قبر سے اونچی نہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ کا وصال خرقان میں عاشورا کے دن ۴۲۵ھ میں ہوا۔ مشہور ہے کہ آپؒ نے فرمایا تھا۔ جو شخص میرے مزار کے پتھر پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگے گا وہ قبول ہو جائیگی۔ یہ بات تجربہ میں بھی آچکی ہے۔

کلماتِ قدسیہ

(۱) ایک دن آپ نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ کونسی چیز بہتر ہے؟ انہوں نے عرض کی۔ اے شیخ! آپ ہی فرمائیے۔ فرمایا کہ وہ دل کہ جس میں خدا کی یاد ہو۔

(۲) لوگوں نے آپ سے پوچھا۔ کہ صوفی کون ہے۔ فرمایا۔ کہ گدڑی اور جانماز سے صوفی نہیں ہوتا اور رسوم و عادات سے صوفی نہیں ہوتا۔ صوفی وہ ہوتا ہے کہ نیست ہو۔ اور آپ ہی نے فرمایا ہے کہ صوفی اُس دن ہوتا ہے کہ اُس کو آفتاب کی حاجت نہ ہو اور اُس رات ہوتا ہے کہ اُس کو چاند اور ستارے کی حاجت نہ ہو۔ اور ایسا نیست ہوتا ہے کہ ہستی کی حاجت نہ ہو۔

(۳) لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ صدق کیا چیز ہے۔ فرمایا۔ صدق یہ ہے کہ دل سے بات کہے۔ یعنی وہ بات کہے جو اُس کے دل میں ہو۔

(۴) آپ سے دریافت کیا گیا کہ مرد کس چیز سے جانے کہ وہ جاگتا ہے۔ فرمایا اس بات سے کہ جب وہ حق کو یاد کرے تو اُس کا سر سے قدم تک حق کی یاد سے خبر رکھتا ہو۔

(۵) آپ سے پوچھا گیا۔ کہ اخلاص کیا ہے۔ فرمایا۔ جو کچھ تو خدا کے واسطے کرتا ہے اخلاص ہے۔ اور جو کچھ بندوں کے واسطے کرتا ہے ریا ہے۔

(۶) آپ سے دریافت کیا گیا کہ فنا بقا میں کلام کرنے کا حق کس کا ہے۔ فرمایا کہ اُس شخص کا کہ ایک تار سے آسمان سے لٹکتا ہو۔ ایسی ہوا چلے کہ درختوں اور عمارتوں کو گرا دے۔ اور تمام پہاڑوں کو اکھیڑ دے اور تمام دریاؤں کو اُلٹ دے۔ مگر اُس کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے۔

(۷) تم ہرگز اُس شخص کے ساتھ صحبت نہ رکھو کہ تم کہو خدا اور وہ کہے کچھ اور۔

(۸) اندوہ طلب کر یہانتک کہ تیری آنکھ سے آنسو نکل پڑیں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ رونے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(۹) کوئی شخص راگ گائے اور اُس سے خدا کو طلب کرے وہ ایسے شخص سے بہتر ہے جو قرآن پڑھے اور اُس سے حق کو طلب نہ کرے۔

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث وہ شخص ہے جو آپ کے فعل کی پیروی کرے۔ نہ وہ شخص جو کہ کاغذ کو سیاہ کرے۔

(۱۱) حضرت شبلیؒ کا قول ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ نہ چاہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بھی طلب ہے۔

(۱۲) آج چالیس سال ہوتے ہیں کہ میں ایک حالت میں ہوں اور حق میرے دل کو دیکھتا ہے اور اپنے سوا کسی اور کو نہیں پاتا۔ مجھ میں غیر خدا کے لئے کوئی شے باقی نہیں رہی اور نہ میرے سینہ میں غیر کے لئے قرار رہا ہے۔

(۱۳) عالم و عابد جہان میں بہت ہیں۔ تجھے ایسا ہونا چاہئے۔ کہ تو صبح سے شام اس طرح کرے جیساکہ خدا پسند کرتا ہے۔ اور رات سے صبح اس طرح کرے جیساکہ خدا پسند کرتا ہے۔

(۱۴) چالیس سال سے میرا نفس ٹھنڈے پانی کا یا کھٹی چھاچھ کا ایک گھونٹ طلب کرتا ہے مگر اب تک میں نے اُس کو نہیں دیا۔

(۱۵) دلوں میں سب سے روشن دل وہ ہے کہ جس میں مخلوق نہ ہو۔ اور کاموں میں سب سے اچھا وہ ہے کہ جس میں مخلوق کا اندیشہ نہ ہو۔ اور نعمتوں میں سب سے حلال وہ ہے جو تیری کوشش سے ہو۔ اور رفیقوں میں سب سے اچھا وہ ہے جس کی زندگانی حق کے ساتھ ہو۔

(۱۶) مجھے تین چیزوں کی غایت معلوم نہ ہوئی۔ حضرت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے درجات۔ نفس کا مکر۔ معرفت۔

(۱۷) میں نے خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ آواز سُنی۔ میرے بندے! اگر تو غم کے ساتھ میرے سامنے آئے گا۔ تو تجھے خوش کروں گا۔ اور اگر حاجت و فقر کے ساتھ آئے گا۔ میں تجھے تونگر کر دوں گا۔ جب تو اپنے آپ سے بالکل دست بردار ہو جائے گا۔ پانی اور ہوا کو تیرا مطیع کر دوں گا۔

(۱۸) میں نے عافیت تنہائی میں پائی اور سلامتی خاموشی میں۔

(۱۹) تمام مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔ لیکن مرد وہ ہے کہ ساٹھ سال اُس پر

گر جائیں مگر فرشتہ اُس کے نامہ اعمال میں کوئی ایسی چیز نہ لکھے کہ جس کے سبب سے اُسے حق تعالٰے سے شرمندہ ہونا پڑے۔ اور وہ حق کو ایک لمحہ فراموش نہ کرے۔

(۲) تین مقام پر فرشتے اولیاء سے زیادہ ہیبت کھاتے ہیں۔ ایک موت کا فرشتہ اُن کی جان نکالنے کے وقت۔ دوسرے کراماً کاتبین اُن کے عمل لکھنے کے وقت۔ تیسرے منکر نکیر اُن سے سوال کے وقت۔

(۳) ایک روز خدا تعالٰے نے مجھے آواز دی۔ کہ جو بندہ تیری مسجد میں آئے گا۔ اُس کا گوشت دپوست دوزخ کی آگ پر حرام ہوگا۔ اور جو بندہ تیری زندگی میں اور تیرے مرنے کے بعد تیری مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے گا۔ قیامت کے دن عابدوں کے گروہ میں اُٹھے گا۔

(۴) خدا تعالٰے کے ایسے بندے ہیں کہ جب رات کے وقت روئے زمین پر اندھیرے گھر میں سوتے ہیں اور لحاف منہ پر ہوتا ہے۔ تو آسمان کے ستاروں اور چاند اور اُن کی سیر کو دیکھتے ہیں۔ اور لوگوں کی طاعت اور گناہ کو دیکھتے ہیں جو فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے ارزقوں کو دیکھتے ہیں جو آسمان سے زمین پر آتے ہیں۔ اور اُن فرشتوں کو دیکھتے ہیں جو آسمان سے زمین پر آتے ہیں اور پھر آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ اور آفتاب کو دیکھتے ہیں جو کہ زمین میں گزرتا ہے۔

(نفحات الانس۔ تذکرۃ الاولیاء)۔

۸۔ شیخ ابوالقاسم گُرگّانی قدس سرّہٗ

آپ کا اسم مبارک علی بن عبداللہ اور کنیت ابوالقاسم ہے۔ آپ کو فیض باطنی شیخ ابوالحسن خرقانی سے اور تین واسطے سے سید الطائفہ جنید بغدادی سے ہے۔ اپنے وقت میں بے نظیر و بے بدل اور مرجع کل تھے۔ اور مریدوں کے واقعہ کے کشف میں ید طولٰے رکھتے تھے۔

کرامات (۱) حضرت قطب دوراں داتا گنج بخش ہجویری لاہوری فرماتے ہیں۔ کہ مجھے ایک واقعہ پیش آیا۔ جس کے حل کا طریقہ دشوار ہوا۔ میں شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کی زیارت کے ارادے سے طوس میں پہنچا۔ اور آپ کو مسجد میں اپنے حجرے کے اندر تنہا پایا۔ آپ اُس وقت بعینہٖ میرے واقعہ کو ایک ستون سے ارشاد فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ اے شیخ! آپ یہ گفتگو کس سے کر رہے ہیں؟۔ فرمایا۔ اے لڑکے! اللہ تعالٰے نے اِس وقت اِس ستون کو میرے ساتھ گویا کر دیا کہ اس نے مجھ سے سوال کیا۔ جس کا میں

---

[۱] گرگاں بضم کاف و تشدید راء مہملہ مفتوح و کاف فارسی دیہات طوس میں سے ایک گاؤں کا نام ہے۔

جواب دے رہا ہوں۔

(۲) ایک روز شیخ ابو سعید اور شیخ ابو القاسم طوس میں ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور درویشوں کی ایک جماعت ان کے آگے کھڑی تھی۔ ایک درویش کے دل میں آیا کہ ان بزرگوں کا مرتبہ کیا ہے۔ شیخ ابو سعید نے اُس درویش کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ کہ جو شخص دو بادشاہوں کو ایک وقت میں ایک جگہ پر ایک تخت پر دیکھنا چاہے۔ اُسے کہہ دو کہ آکر دیکھ لے۔ یہ سُن کر وہ درویش دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ اللہ تعالےٰ نے اُس کی آنکھ کے آگے سے حجاب اُٹھا دیا۔ پس شیخ کے قول کی صداقت اُس کے دل پر منکشف ہو گئی۔ اور اُس نے ان کی بزرگی کو دیکھ لیا۔ پھر اُس کے دل میں خیال آیا۔ کہ کیا آج روئے زمین پر خدا تعالےٰ کا کوئی بندہ ایسا بھی ہے جو ان دونوں سے بزرگ ہو۔ شیخ ابو سعید نے اُس درویش کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کہ ایک چھوٹا سا ملک ہوتا ہے جس میں ہر روز ابو سعید و ابو القاسم جیسے ستر ہزار جاتے ہیں اور ستر ہزار آتے ہیں۔

وفات | سفینۃ الاولیاء میں آپ کا سنہ وفات (۲۳ صفر) ۴۵۰ھ لکھا ہے۔

کلماتِ قدسیہ

(۱) علی بن عثمان الجلالی یعنی حضرت داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ کا بیان ہے کہ میں نے شیخ المشائخ ابو القاسم کرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے طوس میں پوچھا۔ کہ درویش کے لئے کم سے کم کونسی چیز ہونی چاہیئے تاکہ فقر کے نام کے شایاں ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تین چیزیں ہونی چاہئے۔ تین سے کم نہ چاہئے۔ ایک یہ کہ گدڑی پر پیوند درست لگانا جانتا ہو۔ دوسرے یہ کہ بات درست سننا جانتا ہو۔ تیسرے یہ کہ زمین پر پاؤں درست مارنا جانتا ہو۔ جب شیخ نے یہ فرمایا۔ درویشوں کا ایک گروہ میرے ساتھ حاضر تھا۔ ہم جب اپنے مکان پر واپس آئے۔ میں نے کہا۔ آؤ۔ ہم میں سے ہر ایک ارشادِ شیخ کی نسبت اپنا اپنا خیال ظاہر کرے۔ چنانچہ ہر ایک نے اظہار خیال کیا۔ جب میری باری آئی۔ تو میں نے کہا۔ کہ پیوند درست وہ ہوتا ہے۔ جو بنا بر احتیاج و ضرورت ہو نہ کہ زینت کے لئے جب بنا بر ضرورت پیوند لگایا جائے۔ تو وہ خواہ درست نہ ہو۔ مگر راست و موجب حصول مقصد ہو گا۔ بات درست وہ ہوتی ہے جو درویش حال میں سُنے نہ کہ امید و آرزو میں۔ اور اُس میں حق و جد کے ساتھ تصرف کرے نہ کہ ہزل کے ساتھ۔ اور پاؤں درست وہ ہوتا ہے جو وجد سے زمین پر مارے نہ کہ لہو سے۔ کسی نے یہ توجیہ حضرت سید ابو القاسم سے بیان کر دی آپ نے سُن کر فرمایا۔ علی نے درست کہا۔ اللہ تعالےٰ اس کا حال اچھا کرے۔

(۲) حضرت شیخ ابو القاسم کرگانی قدس سرہ نے اپنی کتاب اصول الطریقہ و فصول الحقیقہ میں

ذکر کیا ہے کہ کسی کام میں جو کہ دینی بھائیوں کی خدمت کی فضیلت نفلی روزے سے کم نہیں ہے۔ اور روزے کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ روزہ دار کی نظر میں اپنے روزے کی قدر و مقدار نہ ہو۔ (انیس الطالبین۔ صفحہ ۳۷)۔

(۳) خواجہ عبید اللہ احرار فرماتے تھے کہ شیخ ابو القاسم گرگانی قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ تو ایسے شخص کی صحبت میں بیٹھ کہ تو سراسر وہ ہو جائے یا وہ سراسر تو بن جائے۔ یا دونوں حق سبحانہ میں گم ہو جائیں کہ نہ تو رہے نہ وہ (رشحات۔ صفحہ ۹)۔

(کشف المحجوب۔ نفحات الانس)۔

۹۔ شیخ ابو علی فارمدی طوسی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی فضل بن محمد بن علی اور کنیت ابو علی ہے۔ اور فارمد کی طرف منسوب ہیں۔ جو طوس کے دیہات میں سے ایک گاؤں ہے۔

تحصیل علوم و مجاہدہ آپ نے فقہ امام ابو حامد غزالی کبیر سے پڑھی۔ اور ابو عبد اللہ بن باکو شیرازی۔ ابو منصور تیمی۔ ابو حامد غزالی کبیر ابو عبد الرحمن نیلی اور ابو عثمان صابونی وغیرہ سے سماع حدیث کیا۔ عبد الغافر فارسی۔ عبد اللہ بن علی خرکوشی عبد اللہ بن محمد کوفی علوی اور ابو الخیر جامع الشفاء وغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے۔ وعظ و تذکیر میں آپ استاد امام ابو القاسم قشیری صاحب رسالہ کے شاگرد ہیں۔ عبد الغافر کا بیان ہے کہ ابو علی اپنے زمانے میں شیخ اور وعظ و تذکیر میں اپنے طریقہ کے ساتھ منفرد ہیں۔ عبارت و تہذیب وحسن ادب و ملیح استعارہ و دقیق اشارہ و رقت الفاظ میں کوئی آپ سے سبقت نہیں لے گیا۔ آپ کا کلام پُر تاثیر ہے۔

علم باطن میں آپ کا انتساب دو طریق سے ہے۔ ایک شیخ بزرگوار ابو القاسم گرگانی سے۔ دوسرے شیخ ابو الحسن خرقانی سے جو قطب وقت اور اپنے زمانے کے مشائخ کے پیشوا تھے۔

آپ اپنی تعلیم کی کیفیت یوں بیان فرماتے ہیں:۔

"میں آغاز جوانی میں نیشاپور میں طالب علم تھا۔ میں نے سنا کہ شیخ ابو سعید بن ابی الخیر قدس سرہ آئے ہوئے ہیں اور وعظ فرماتے ہیں۔ میں ان کی زیارت کے لئے گیا۔ جب میری نظر ان کے جمال پر پڑی۔ میں ان پر شیدا ہو گیا۔ اور طائفہ صوفیہ کی محبت میرے دل میں زیادہ ہو گئی۔ ایک روز میں

مدرسہ میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ میرے دل میں شیخ ابوسعید کی زیارت کی تمنا پیدا ہوئی۔ اور وہ وقت شیخ کے باہر نکلنے کا نہ تھا۔ میں نے چاہا کہ صبر کروں۔ مگر نہ کر سکا۔ ناچار اُٹھ کر باہر آیا۔ جب چوراہہ پر پہنچا۔ تو میں نے دیکھا کہ شیخ ایک بڑی جماعت کے ساتھ جا رہے ہیں۔ میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ شیخ ایک جگہ پہنچے۔ میں بھی ساتھ چلا گیا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گیا جہاں شیخ کی نظر مجھ پر نہ پڑتی تھی۔ وہاں سماع شروع ہو گیا۔ اور شیخ کو وجد آ گیا۔ اور حالت وجد میں آپ نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے جب سماع سے فارغ ہوئے۔ تو شیخ نے کپڑے اتار ڈالے۔ اور وہ آپ کے سامنے پارہ پارہ کئے گئے۔ شیخ نے ایک آستین علیحدہ کر لی اور آواز دی کہ ابوعلی طوسی کہاں ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ شیخ تو مجھے دیکھتے اور جانتے بھی نہیں۔ شاید ان کے کسی مرید کا نام ابوعلی ہو گا۔ اس لئے میں خاموش ہو رہا۔ شیخ نے دوسری بار آواز دی۔ میں نے جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ آواز دی۔ تو لوگوں نے کہا کہ شیخ تم کو جانتے ہیں۔ میں اُٹھ کر شیخ کے سامنے آیا۔ شیخ نے وہ تریز و آستین مجھے عطا کی اور فرمایا کہ یہ تیرا حصہ ہے۔ میں نے وہ کپڑا لیا اور آداب بجا لایا۔ اور اُسے لے جا کر ایک محفوظ جگہ میں رکھ دیا۔ میں ہمیشہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ مجھے ان کی خدمت میں بہت سے فائدے اور روشنی ظاہر ہوئی اور حالات وارد ہوئے۔ جب شیخ نیشاپور سے چلے گئے۔ تو میں استاد امام ابوالقاسم قشیری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے وہ حالات بیان کئے جو مجھ پر وارد ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اے لڑکے! جا علم پڑھنے میں مشغول رہ۔ مگر وہ روشنی روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ میں تین سال اور علم پڑھنے میں لگا رہا۔ یہاں تک کہ ایک روز میں نے قلم دوات سے نکالا۔ تو سفید نکلا۔ میں امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ اب علم تجھ سے دست بردار ہو گیا۔ تو بھی علم سے دست بردار ہو جا اور طریقت کے کام میں لگ جا اور معاملہ میں مشغول ہو جا۔ چنانچہ میں اپنا سامان مدرسہ سے خانقاہ میں لے آیا۔ اور استاد امام کی صحبت میں رہا۔ ایک روز استاد امام حمام میں تنہا تھے۔ میں نے جا کر چند ڈول پانی کے حمام میں ڈالے۔ جب حضرت امام نکلے۔ تو نماز پڑھ کر پوچھا۔ کہ کون شخص تھا جس نے حمام میں پانی ڈالا۔ میں بدیں خیال کہ شاید خلاف مرضی ہو خاموش رہا۔ آپ نے پھر پوچھا میں نے جواب نہ دیا۔ آپ نے تیسری بار پوچھا۔ تو میں نے جواب دیا کہ خادم تھا۔ امام نے فرمایا۔ کہ اے ابوعلی! جو کچھ میں نے ستر سال میں پایا۔ تو نے پانی کے ایک ڈول سے پا لیا۔ میں کچھ عرصہ امام کی خدمت میں مجاہدہ کرتا رہا۔ ایک روز مجھ پر ایسی حالت طاری ہوا کہ میں اُس میں گم ہو گیا۔ یہ واقعہ میں نے حضرت امام سے عرض کیا۔ تو فرمایا۔ اے ابوعلی! سلوک میں میری دھوپ اس مقام سے اوپر نہیں۔ جو کچھ اس مقام سے اوپر ہے۔ مجھے اُس کی رسائی کا رستہ معلوم نہیں۔

یہ سُن کر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے ایسے پیر کی ضرورت ہے جو اس مقام سے اوپر لے جائے۔ وہ حالت زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ میں نے شیخ ابو القاسم کرگانی کا نام سُنا ہوا تھا۔ اس لئے طوس کی طرف روانہ ہوا۔ شہر میں پہنچ کر میں نے ان کا مکان دریافت کیا۔ میں وہاں چلا گیا۔ آپ اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے میں دو رکعت تحیہ مسجد پڑھ کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ مراقبہ میں تھے میرے جانے پر سر اُٹھا کر فرمایا۔ ابو علی! آؤ کیا چاہتے ہو؟۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور اپنے حالات بیان کئے۔ آپ نے فرمایا تمہیں یہ ابتدا مبارک ہو۔ ابھی تم کسی درجہ پر نہیں پہنچے۔ ہاں اگر تربیت پاؤ گے۔ تو بڑے درجہ پر پہنچ جاؤ گے۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ کہ میرے پیر یہ ہیں۔ اور وہیں قیام کیا۔ انہوں نے مدتوں مجھ سے طرح طرح کی ریاضت اور مجاہدہ کرایا۔ بعد ازاں اپنی صاحبزادی کا نکاح مجھ سے کر دیا۔ ابھی آپ نے مجھ سے وعظ کہنے کے لئے ارشاد نہ فرمایا تھا۔ کہ ایک روز شیخ ابو سعید میہنہ[1] سے طوس میں آئے ہوئے تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو فرمایا۔ ابو علی! وہ زمانہ آگیا ہے۔ کہ تم کو طوطی کی طرح گویا کریں گے اس بات کو بہت دن نہ گزرے تھے کہ شیخ ابو القاسم نے مجھ سے فرمایا کہ وعظ کہو۔ اُس وقت شیخ ابو سعید کے ارشاد کا مطلب مجھ پر ظاہر ہو گیا۔"

اس کے بعد ابو علی طوس سے نیشاپور تشریف لے گئے۔ اور اپنے پُر تاثیر وعظ کے سبب سے امراء بالخصوص نظام الملک کے ہاں بیحد قبولیت حاصل کی۔ کہتے ہیں کہ آپ کو جو کچھ ملتا تھا۔ وہ اکثر صوفیہ کرام پر صرف کر دیتے تھے۔ آپ صوفیہ کرام و غرباء کے مرجع اور لسان الوقت تھے۔ ابن سمعانی کا قول ہے کہ ابو علی لسان خراسان و شیخ خراسان تھے۔ اور اپنے اصحاب و مریدین کی تربیت میں طریقہ حسنہ رکھتے تھے۔ آپ کے وعظ کی مجلس گویا ایک باغ تھا جس میں طرح طرح کے شگوفے تھے۔

وفات آپ کی ولادت ۴۰۷ھ میں اور وفات ربیع الثانی ۴۷۷ھ میں طوس میں ہوئی۔

(طبقات الشافعیۃ الکبرٰی للتاج السبکی۔ نفحات الانس)

---

[1] میہنہ بفتح میم و سکون یا و فتح ہا و نون دیہات خابران سے ہے۔ اور خابران خراسان میں سرخس و ابیورد کے درمیان ایک شہر و علاقہ کا نام ہے۔ اہل علم و تصوف کی ایک جماعت اس سے منسوب ہے جن میں ابو سعید بن ابی الخیر اور ابو الفتح طاہر اہل تصوف میں مشہور ہیں۔ کذا فی معجم البلدان۔

۱۰۔ خواجہ ابو یعقوب یوسف بن ایوب ہمدانی قدس سرہ

آپ عالم عامل عارف زاہد پرہیزگار صاحب احوال جلیلہ وکرامات واضحہ ومقامات سنیہ تھے۔ اور علوم ومعارف میں قدم راسخ اور فتاوئے دینیہ میں ید بیضاء اور احکام شرعیہ میں دستگاہ کامل اور خواطر قلبیہ سے واقفیت رکھتے تھے۔ اپنے وقت میں یگانۂ مشائخ تھے۔ خراسان میں مریدین کی تربیت آپ پر ختم تھی۔ آپ کی مجلس میں علماء فقہاء وصلحاء کا بڑا مجمع رہا کرتا تھا۔ جو آپ کے کلام سے مستفیض ہوتے تھے۔ آپ ساٹھ سال سے زیادہ مسند ارشاد پر متمکن رہے۔ کچھ عرصہ کوہ زرّا[1] میں بھی مقیم رہے اور سوائے نماز جمعہ کے کبھی باہر نہ نکلتے تھے۔

تعلیم علم ظاہری وباطنی آپ موضع بوزنجرد[2] میں قریباً ۴۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں بغداد میں آئے۔ وہاں آپ نے ابواسحاق شیرازی کی صحبت اختیار کی۔ اور ان سے فقہ پڑھی یہانتک کہ اصول فقہ و مذہب و خلاف میں ماہر ہو گئے۔ اور قاضی ابوالحسین محمد بن علی بن مہتدی باللہ۔ ابوالغنائم عبدالصمد بن علی بن مامون۔ ابوجعفر محمد بن احمد بن مسلمہ وغیرہ سے سماع حدیث کیا۔ اور اصفہان وسمرقند میں بھی سماع کیا۔ اس کے بعد سب کو ترک کر کے عبادت وریاضت ومجاہدہ کا طریق اختیار کیا۔ مشہور یہ ہے کہ تصوف میں آپ کا انتساب شیخ ابوعلی فارمدی سے ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ عبداللہ جوینی نیشاپوری اور شیخ حسن سمنانی کی صحبت میں بھی رہے ہیں اور مقدم الذکر سے خرقہ پہنا ہے۔ مرو میں آپ کا قیام دیر تک رہا۔ وہاں آپ کی خانقاہ میں اس قدر طالبان خدا تھے کہ کسی دوسری خانقاہ میں نہ تھے۔ آپ مرو سے ہرات میں آئے کچھ عرصے کے بعد پھر مرو چلے آئے۔ بعد ازاں دوبارہ ہرات میں تشریف لے گئے۔ وہاں زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ پھر مرو کا قصد کیا۔ یہ آپ کا اخیر سفر تھا۔

خواجہ یوسف ہمدانی اور شیخ عبدالقادر جیلانی خواجہ یوسف ہمدانی کی طرح سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بھی اٹھارہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لئے اپنے وطن سے بغداد میں تشریف لائے تھے۔ جب آپ تحصیل علم سے فارغ ہو چکے۔ تو ایک روز بغداد ہی میں خواجہ موصوف سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ جسے آپ یوں بیان فرماتے ہیں:۔

---

[1] زرّا مضافات جوزان سے ہے جو خراسان میں نواح مرورود سے ہے۔

[2] بوزنجرد بضم باء موحدہ وسکون واو وفتح زا ونون ہردو وکسر جیم وسکون راء ودر آخر دال مہملہ ہمدان کے دیہات میں سے شہر سے ساوہ کی طرف کو ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔

" بغداد میں ایک شخص ہمدان سے آیا جسے یوسف ہمدانی کہتے تھے۔ اور کہا جاتا تھا کہ وہ قطب ہیں۔ وہ ایک مسافر خانے میں اُترے۔ جب میں نے یہ حال سُنا۔ تو میں مسافر خانے میں گیا۔ مگر اُن کو نہ پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ سرداب میں ہیں۔ پس میں اُس سرداب میں اُترا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا۔ تو کھڑے ہو گئے۔ اور مجھے اپنے پاس بٹھایا۔ آپ نے میرے تمام حالات مجھ سے ذکر کئے اور میری تمام مشکلات کو حل فرمایا۔ پھر مجھ سے یوں ارشاد کیا۔ اے عبدالقادر! تم لوگوں کو وعظ سنایا کرو۔ میں نے عرض کیا۔ آقا! میں عجمی ہوں فصحائے بغداد کے آگے کیا گفتگو کروں۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ تم کو اب فقہ اصول فقہ۔ اختلاف مذاہب نحو لغت اور تفسیر قرآن یاد ہے۔ تم میں وعظ کہنے کی صلاحیت وقابلیت موجود ہے۔ برسر منبر لوگوں کو وعظ سنایا کرو۔ کیونکہ میں تم میں ایک جڑ دیکھتا ہوں۔ جو عنقریب درخت ہو جائیگا۔"

کرامات | (۱) ایک روز حضرت خواجہ ایک مجمع میں وعظ فرما رہے تھے۔ دو فقیہوں نے جو اُس مجلس میں حاضر تھے آپ سے کہا کہ چپ رہو۔ تم تو بدعتی ہو۔ آپ نے فرمایا۔ تم چپ رہو۔ زندہ نہ رہو۔ وہ دونوں وہیں مر گئے۔

(۲) ہمدان کی ایک عورت کے لڑکے کو فرنگی قید کر کے لے گئے۔ وہ روتی ہوئی حضرت خواجہ کی خدمت میں آئی۔ آپ نے فرمایا کہ صبر کر۔ اُس نے کہا کہ مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ آپ نے یوں دعا فرمائی۔

اللھم فك اسرہ و عجّل فرجہ | خدایا اس کی بیڑی توڑ دے اور اُس کا غم جلدی دور کر دے۔

پھر اُس عورت سے فرمایا۔ اپنے گھر جا۔ تو لڑکے کو گھر میں پائے گی۔ وہ چلی گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ لڑکا گھر میں ہے۔ وہ حیران ہوئی اور لڑکے سے کیفیت دریافت کی۔ اُس نے بیان کیا کہ میں ابھی قسطنطنیہ میں تھا۔ میرے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور نگہبان مجھ پر مقرر تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا جس کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا اُس نے مجھے اُٹھا لیا اور آنکھ جھپکنے میں مجھے یہاں لے آیا۔ یہ سُن کر وہ عورت پھر حضرت خواجہ کی خدمت میں آئی اور لڑکے کا قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو امر الٰہی سے تعجب کرتی ہے؟۔

(۳) حضرت خواجہ ۵۱۵ھ میں بغداد میں تشریف لائے۔ اور مدرسہ نظامیہ میں مجلس وعظ منعقد کی اور لوگوں میں بڑی قبولیت پائی۔ صوفی ابوالفضل صافی بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک روز آپ نظامیہ میں علماء کے مجمع میں وعظ فرما رہے تھے۔ کہ ایک فقیہ ابن سقا نام مجلس میں سے اٹھا۔ اور اُس نے آپ سے ایک سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹھ جا۔ مجھے تیرے کلام میں کفر کی بو آتی ہے۔ شاید تیری موت اسلام پر نہ ہوگی۔ اس واقعہ سے ایک مدت کے بعد شاہ روم کی طرف سے ایک نصرانی بطور ایلچی کے

خلیفہ وقت کے پاس آیا۔ ابن سقا اُس کے پاس گیا اور اُس سے التجا کی کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ میں دین اسلام چھوڑ کر تمہارے دین میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ نصرانی نے منظور کر لیا۔ وہ نصرانی کے ساتھ قسطنطنیہ میں پہنچا اور شاہ روم سے ملا۔ اور عیسائی ہوگیا اور عیسائی ہی مرا۔ کہتے ہیں کہ ابن سقا قاری و حافظ قرآن تھا۔ مرض موت میں ایک شخص نے اُسے قسطنطنیہ میں دیکھا کہ ایک دکان میں لیٹا ہوا ہے اور ہاتھ میں ایک پرانا پنکھا ہے۔ جس سے وہ اپنے چہرے سے مکھیاں اُڑا رہا ہے۔ اِس حالت میں اُس سے پوچھا گیا۔ کہ کیا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟۔ بولا کہ نہیں۔ سب بھول گیا۔ صرف یہ آیت یاد ہے:۔

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ۔ (سورہ حجر ع ۱)	بہت وقت کفار آرزو کریں گے۔ کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔

صاحب بہجۃ الاسرار نے قصہ ابن سقا دوسرے طریقہ سے بیان کیا ہے۔ جسے راقم الحروف سیرت الغوث الاعظم میں لایا ہے۔

وفات | اخیر سفر میں آپ ہرات سے مرو کو آرہے تھے۔ کہ راستے میں ہرات و بغشور کے درمیان موضع بامئین میں روز دوشنبہ ۲۲ ربیع الاول ۵۳۵ھ میں انتقال فرمایا۔ اور وہیں دفن کئے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد آپ کے مریدوں میں سے ابن النجار آپ کے جسد مبارک کو مرو میں لے گیا اور وہاں اُس حظیرہ میں دفن کر دیا جو آپ کے نام مبارک سے موسوم ہے۔

کلماتِ قدسیہ

(۱) سماع ایک سفیر ہے حق تعالےٰ کی طرف۔ اور ایک ایلچی ہے حق تعالےٰ کی طرف سے۔ وہ ارواح کی خوراک اور اجسام کی غذا اور قلوب کی زندگی اور اسرار کی بقا ہے۔ وہ پردہ کے پھاڑنے والا اور بھید کے ظاہر کرنے والا ہے۔ اور برق درخشاں اور آفتاب تاباں ہے۔ وہ عالم میں ہر فکر ہر لحظہ ہر تدبر و تفکر ہر ہوا کے جھونکے اور ہر درخت کی حرکت اور ہر ناطق کے نطق سے ہوتا ہے۔ پس تو اہل حقیقت کو سماع میں سرگشتہ و حیران اور مقید و اسیر اور صاحب خشوع و مست دیکھتا ہے۔

(۲) جان لے کہ خدا تعالےٰ نے اپنی زیبائی کے نور سے ملائکہ مقربین میں سے ستر ہزار فرشتے پیدا کئے۔ اور اُن کو اپنی بارگاہ میں عرش و کرسی کے درمیان کھڑا کیا۔ ان کا لباس سبز صوف ہے۔ اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مثل ہیں۔ وہ اپنی پیدائش کے وقت سے حالت وجد میں سرگشتہ و حیران اور عروتن و مست کھڑے ہیں۔ اور شیفتگی کی شدت کے سبب سے رکن عرش سے

کرسی تک دوڑتے ہیں۔ پس وہ اہل آسمان کے صوفیہ اور بلحاظ نسبتوں کے ہمارے بھائی ہیں۔ اسرافیلؑ ان کے قائد و مرشد اور جبرئیلؑ ان کے رئیس و متکلم ہیں۔ اور حق تعالےٰ ان کا انیس و ملیک ہے۔ پس ان پر سلام و تحیہ و اکرام ہو۔

(۳) شیخ نجم الدین رازی رحمہ اللہ نے کتاب مرصاد العباد میں ذکر کیا ہے۔ کہ ایک روز ایک درویش نے شیخ یوسف ہمدانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ میں اِس وقت شیخ احمد غزالی قدس سرہ کے پاس تھا۔ آپ درویشوں کے ساتھ دسترخوان پر کھانا تناول فرما رہے تھے۔ کچھ دیر آپ پر غیبت طاری ہوگئی۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ میں نے اِس وقت حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تشریف لائے اور میرے مُنہ میں لقمہ ڈال دیا۔ یہ سُن کر شیخ یوسف ہمدانی قدس سرہ نے فرمایا:۔

تِلْكَ خَيَالَاتٌ تُرَبِّيْ بِهَا اَطْفَالُ الطَّرِيْقَةِ	یہ خیالات ہیں جن سے اطفالِ طریقہ پرورش پاتے ہیں۔[۱] (انیس الطالبین۔ صفحہ ۹۷)

(۴) تم خدا تعالےٰ کے ساتھ صحبت[۲] رکھو۔ اگر یہ میسر نہ آئے۔ تو اُس شخص کے ساتھ صحبت رکھو جو خدا تعالےٰ کے ساتھ صحبت رکھتا ہے۔

(بہجۃ الاسرار۔ تاریخ ابن خلکان۔ نفحات الانس)۔

۱۱۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ

آپ طبقہ خواجگان کے سردفتر اور سلسلہ نقشبندیہ کے سردار ہیں۔ طریقت میں آپ کی روش حجت ہے۔ آپ تمام فرقوں میں مقبول ہیں۔ آپ ہمیشہ راہ صدق و صفا اور متابعت شرع و سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مخالفت بدعت و ہوا میں کوشاں رہے ہیں۔ اور اپنی روش پاک کو آپ نے اغیار کی نظر سے پوشیدہ رکھا ہے۔

نسب و ولادت آپ کے والد کا اسم گرامی عبدالجمیل ہے جو عبدالجمیل امام کر کے مشہور تھے۔ وہ اپنے وقت کے

---

[۱] مطلب یہ کہ اس قسم کے احوال و مواجید مقاصد سے نہیں۔ بلکہ مطلوب کے مبادی ہیں۔ ان سے اطفال طریقہ کا شوق بڑھتا ہے اور ان کے دل میں مزید ترقی کی آرزو پیدا ہو جاتی ہے۔

[۲] حضرت خواجہ عبیداللہ احرار فرماتے ہیں کہ یہاں صحبت سے مراد حضور و آگاہی ہے جو لازم صحبت ہے کیونکہ مصاحبین کے لئے لازم ہے کہ ایک دوسرے سے آگاہ و حاضر ہوں۔ رشحات۔ صفحہ ۲۴۸۔

مقتدا اور عالم ظاہر و باطن تھے۔ اور امام مالک کی اولاد سے تھے۔ روم میں رہا کرتے تھے۔ آپ کی والدہ روم کے شاہی خاندان سے تھیں۔ کہتے ہیں کہ عبدالجمیل حضرت خضرؑ کے صحبت دار تھے حضرت خضرؑ نے ان کو بشارت دی تھی کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اُس کا نام عبدالخالق رکھنا۔ حوادث روزگار کے سبب سے عبدالجمیل مع متعلقین روم سے ماوراء النہر کی طرف نکلے۔ اور ولایت بخارا میں پہنچ کر موضع غجدوان میں جو بخارا سے چھ فرسنگ کے فاصلہ پر ہے سکونت پذیر ہوئے۔ خواجہ عبدالخالق وہیں پیدا ہوئے اور نشو و نما پایا۔ اور بخارا میں تحصیل علوم میں مشغول ہوئے۔

سلوک و طریقت حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہ کا بیان ہے کہ خواجہ عبدالخالق اپنے استاد صدرالدین علیہ الرحمۃ کے پاس تفسیر پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے:-

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ (اعراف۔ ع)	تم اپنے رب کو زاری اور پوشیدگی کے ساتھ پکارو۔ تحقیق وہ حد سے زیادہ تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

تو آپ نے استاد سے پوچھا کہ اس پوشیدگی کی حقیقت اور اُس کا طریقہ کیا ہے۔ اگر ذاکر بلند آواز سے ذکر کرے یا ذکر کے وقت اعضا سے حرکت کرے۔ تو غیر شخص اُس ذکر سے واقف ہو جاتا ہے۔ اور اگر دل سے ذکر کرے۔ تو بحکم حدیث الشیطان یجری من الانسان مجری الدم[۱] ۔ شیطان ذکر سے واقف ہو جاتا ہے۔ اُستاد نے فرمایا۔ کہ یہ علم لدنّی ہے۔ اگر خدا نے چاہا۔ تو اہل اللہ میں سے کوئی تمہیں مل جائے گا اور بتا دے گا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ اولیاء اُنکی تلاش میں رہے۔ یہانتک کہ ایک روز حضرت خضرؑ سے ملاقات نصیب ہوئی۔ بعد دریافت حال حضرت خضر نے فرمایا کہ میں خضر ہوں میں نے تم کو فرزندی میں قبول کیا۔ میں تمہیں ایک سبق بتاتا ہوں۔ اُسے ہمیشہ دُہراتے رہنا۔ تم پر اسرار کھل جائیں گے۔ پھر وقوف عددی کی تعلیم دی اور فرمایا کہ حوض میں اترو اور غوطہ لگاؤ اور دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہو۔ حضرت خواجہ نے اسی طرح کیا۔ اور اس ورد میں مشغول رہے۔ یہانتک کہ بہت سے اسرار کھل گئے۔ بعد ازاں حضرت خواجہ یوسف ہمدانی بخارا میں تشریف لائے۔ جب تک ان کا قیام بخارا میں رہا۔ آپ ان کی صحبت میں حاضر ہو کر فیض اٹھاتے رہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ خضرؑ آپ کے پیر سبق ہیں اور خواجہ یوسف ہمدانی پیر صحبت و پیر خرقہ۔ اگرچہ خواجہ یوسف اور ان کے مشائخ ذکر بالجہر کیا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ خواجہ عبدالخالق کو ذکر خفیہ کی تلقین حضرت خضرؑ سے تھی۔ اِس لئے خواجہ یوسف نے اس میں ردّ و بدل نہیں کیا۔ بلکہ فرمایا کہ جس طرح تم کو تلقین ہوئی ہے

---

[۱] شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے (ابو داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی حسن الظن)

کئے جاؤ۔ خواجہ عبدالخالق نے اپنی بعض تحریرات میں ذکر کیا ہے کہ جب حضرت خضرؑ نے مجھے خواجہ یوسف کے سپرد کیا۔ تو اُس وقت میری عمر بائیس سال کی تھی۔ ایک مدت کے بعد خواجہ یوسف خراسان میں آگئے۔ حضرت خواجہ ریاضات و مجاہدات میں مشغول ہو گئے۔ آپ اپنے حالات پوشیدہ رکھا کرتے تھے۔ ملک شام میں بہت سے لوگ آپ کے مرید ہو گئے۔ اور وہاں خانقاہ و آستانہ بن گیا تھا۔

حکایت درویش ایک روز ایک درویش حضرت خواجہ کی خدمت میں کہہ رہا تھا کہ اگر خدا تعالےٰ مجھے دوزخ و بہشت کے درمیان اختیار دے۔ تو میں دوزخ کو اختیار کروں گا۔ کیونکہ میں تمام عمر اپنے نفس کی مراد پر نہیں چلا اور اُس صورت میں بہشت میرے نفس کی مراد ہوگی۔ حضرت خواجہ نے اُس درویش کے کلام کی تردید کی۔ اور فرمایا کہ بندے کو اختیار سے کیا کام۔ جہاں مالک بھیجے چلا جائے اور جہاں ٹھیرائے ٹھیر جائے۔ بندگی اسی کا نام ہے نہ کہ جو تم کہہ رہے ہو۔ اُس درویش نے پوچھا کہ سالکانِ طریقت پر شیطان کا غلبہ ہوتا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو سالک مقام فنائے نفس کو نہ پہنچا ہو تو شیطان اُس پر غصہ کے وقت قابو پاتا ہے۔ لیکن جو اس مقام پر پہنچ گیا ہو اُس کو غصہ نہیں آتا۔ بلکہ غیرت آتی ہے۔ اور جہاں غیرت ہوتی ہے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔ اور یہ صفت اُس شخص میں ہوتی ہے جو کتاب اللہ کو دائیں ہاتھ میں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں ہاتھ میں لئے ہوئے ہو اور ان دونوں کی روشنی میں راستہ چلتا ہو۔

کرامات (۱) ایک دفعہ ایام عاشورا میں لوگوں کی ایک بڑی جماعت آپ کی خدمت میں حاضر تھی اور آپ معرفت پر کلام فرما رہے تھے۔ اچانک ایک جوان زاہدوں کی صورت میں خرقہ پہنے اور سجادہ کندھے پر ڈالے ہوئے حاضر ہوا۔ اور گوشہ میں بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ نے اُس کی طرف نظر کی۔ کچھ دیر کے بعد وہ اُٹھ کر کہنے لگا۔ اے خواجہ! حضور رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله عز وجل	مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ اللہ عز و جل کے نور سے دیکھتا ہے۔

اِس حدیث کا ستر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اِس حدیث کا ستر یہ ہے کہ تو زنّار کو توڑ دے اور ایمان لا۔ اس نے کہا۔ پناہ بخدا کہ میرے پاس زنّار ہو۔ حضرت خواجہ نے خادم کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ خادم اُٹھا۔ اور اُس جوان کے بدن پر سے خرقہ اُٹھا دیا۔ پس خرقہ کے نیچے سے زنّار ظاہر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر جوان نے اُسی وقت زنّار توڑ دیا اور ایمان لایا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ یارو! آؤ۔ ہم بھی اِس نومسلم کی طرح اپنے زنّار توڑ ڈالیں اور ایمان لائیں۔ جس طرح اس نے زنّار ظاہری توڑا ہے۔ ہم اپنے زنّار باطنی

جس سے مراد خود پسندی ہے توڑ ڈالیں تاکہ اس کی طرح ہم بھی بخشے جائیں۔ یہ سُن کر حاضرین پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ وہ حضرت خواجہ کے قدموں پر گر کر توبہ کرنے لگے۔

(۲) حضرت خواجہ کی ولایت اس مرتبہ تک پہنچ گئی تھی کہ ایک وقت کی نماز میں آپ خانہ کعبہ جاتے اور واپس آجاتے۔

وفات حضرت خواجہ کی وفات ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک غجدوان میں ہے۔

کلماتِ قدسیہ

حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہ کا ایک وصیت نامہ آداب طریقت میں ہے۔ جسے آپ نے اپنے خلیفہ و فرزند معنوی خواجہ اولیائے کبیر قدس سرہ کے لئے لکھا ہے ہم اس کا ترجمہ بطور تیمن و تبرک کے یہاں درج کرتے ہیں:۔

"پیارے فرزند! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ۔ وظائف و عبادات کی پابندی رکھو۔ اپنے حالات کی نگہبانی کرتے رہو۔ خدا تعالےٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ خدا و رسول کے حقوق کو نگاہ رکھو۔ ماں باپ اور تمام مشائخ کے حقوق کا خیال رکھو تاکہ ان خصلتوں سے تم رضائے خدا سے مشرف ہو جاؤ۔ خدا تعالےٰ کا حکم بجا لاؤ تاکہ وہ تمہارا حافظ رہے۔ تم پر لازم ہے کہ قرآن شریف کا پڑھنا ترک نہ کرو۔ تلاوت بلند آواز سے ہو یا آہستہ۔ زبانی ہو یا دیکھ کر۔ اور قرآن مجید کو تفکر و خوف و گریہ سے پڑھو۔ اور تمام امور میں قرآن کی پناہ لو۔ کیونکہ بندوں پر خدا کی حجت قرآن کریم ہے۔ اور علم فقہ کی طلب سے ایک قدم بھی دور نہ رہو۔ اور حدیث کا علم سیکھو۔ جاہل صوفیوں سے دور رہو کیونکہ وہ دین کے چور اور مسلمانوں کے رہزن ہیں۔ تم پر لازم ہے کہ مذہب سنت و جماعت کے پابند رہو۔ اور ائمہ سلف کے مسلک کو اختیار کرو کیونکہ جو نئی باتیں پیدا ہوئی ہیں وہ گمراہی ہیں۔ اور عورتوں۔ نوجوانوں بدعتیوں اور دولتمندوں سے صحبت مت رکھو۔ کیونکہ یہ دین کو برباد کر دیتے ہیں۔ اور دنیا سے دو روٹی پر قناعت کرو۔ اگر صحبت رکھو تو فقیروں سے رکھو اور ہمیشہ خلوت نشین رہو۔ اور حلال کھاؤ کیونکہ حلال نیکی کی کنجی ہے۔ اور حرام سے بچو ورنہ خدا تعالےٰ سے دور ہو جاؤ گے۔ اسی پر ثابت رہنا تاکہ کل کو دوزخ کی آگ میں نہ جاؤ۔ اور حلال پہنو تاکہ عبادت کی لذت پاؤ۔ حق تعالےٰ کی جلالت سے ڈرتے رہو۔ اور معلوم رہے کہ ایک روز تم موقف حساب میں کھڑے ہوگے۔ اور رات دن نماز بہت پڑھا کرو اور جماعت کو ترک نہ کرو اور امام و موذن نہ بنو۔ قبالہ پر اپنا نام نہ لکھو۔ محکمہ قضا میں حاضر نہ ہو اور خارج از طریقت بادشاہوں کی صحبت میں نہ بیٹھو۔ لوگوں کی وصیتوں میں دخل نہ دو۔ اور لوگوں سے بھاگو جس طرح

شیر سے بھاگتے ہیں۔ تم پرلازم ہے کہ گمنام رہو تاکہ نیکنام ہو جاؤ۔ اور تم پر لازم ہے کہ سفر بہت کرو
تاکہ تمہارا نفس خوار ہو جائے۔ خانقاہ نہ بناؤ اور نہ خانقاہ میں رہو۔ کسی کی مدح سے مغرور اور کسی کی
مذمت سے غمگین نہ ہو۔ بندوں کی مدح و مذمت تمہارے نفس کے نزدیک برابر ہونی چاہئے۔ لوگوں سے
حسن خلق سے معاملہ کرو۔ تم پر لازم ہے کہ تمام حالات میں ادب سے رہو۔ بُرے بھلے تمام مخلوقات پر
رحم کرو۔ تمہیں قہقہہ مار کر ہنسنا نہ چاہئے۔ کیونکہ قہقہہ غفلت کے سبب سے ہوتا ہے اور دل کو مُردہ کردیتا
ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے اہوال و شدائد جو مجھے معلوم ہیں۔
اگر تم کو معلوم ہو جائیں۔ تو خندہ تھوڑا اور رونا بہت کرو۔ اللہ تعالےٰ کے عذاب سے نڈر اور اُس کی
رحمت سے ناامید نہ ہو خوف و امید میں زندگی بسر کرو کیونکہ سالکوں کو کبھی خوف ہوتا ہے اور کبھی امید
ہوتی ہے۔

اے فرزند! شیخ اپنے مرید کے لئے بمنزلہ باپ کے ہے بلکہ باپ سے بھی زیادہ مشفق کیونکہ وہ مرید
کو مقام قرب میں پہنچا دیتا ہے۔ اور اگر ہو سکے تو نکاح مت کرو۔ ورنہ طالب دنیا بن جاؤ گے اور دنیا کی
طلب میں دین کو برباد کر دو گے۔ اگر تمہارا نفس نکاح کا مشتاق ہو۔ تو روزے رکھو اور آخرت کے غم
میں رہو اور موت کو بہت یاد کرو۔ طالب ریاست مت بنو۔ کیونکہ جو طالب ریاست ہو اُسے سالک طریقت
نہ کہنا چاہئے۔ تم پر لازم ہے کہ فقر میں پرہیز و دیانت اور پرہیزگاری و حلم کے ساتھ پاکیزہ رہو۔ اور خدا
تعالےٰ کے راستے میں ثابت قدم رہو۔ جاہلوں سے بچو۔ جان و تن و مال سے مشائخ کی خدمت کرو۔ ان کے
دلوں کا خیال رکھو۔ ان کی پیروی کرو ان کے سیر و سلوک کو نگاہ رکھو۔ اور ان میں سے کسی کا انکار نہ
کرو سوائے ان چیزوں کے جو مخالف شرع ہوں۔ اگر تم مشائخ کا انکار کرو گے۔ تو کبھی کامیاب نہ ہو گے۔
لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو۔ اور کل کے لئے ذخیرہ نہ کرو۔ حق تعالےٰ کے ذخیروں پر بھروسہ کرو کیونکہ وہ
ارشاد فرماتا ہے۔ اے فرزند آدم! میں ہر روز تیری روزی تجھے پہنچا دیتا ہوں۔ تو اپنے تئیں تکلیف نہ دے۔
مقام توکل میں قدم رکھو۔ کیونکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ | جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اُس کے لئے کافی ہے۔

پس جان لو کہ رزق قسمت میں لکھا ہوا ہے۔ جوانمرد و سخی بنو۔ جو کچھ خدا تعالےٰ نے تم کو دیا ہے تم
خلق خدا پر خرچ کرو۔ اور بخل و حسد سے دور رہو کیونکہ بخیل و حاسد قیامت کے دن دوزخ میں ہوں گے۔
اپنے ظاہر کو آراستہ مت کرو کیونکہ ظاہر کا آراستہ کرنا باطن کی خرابی ہے۔ خدا تعالےٰ کے وعدہ
پر بھروسہ کرو اور تمام خلائق سے ناامید ہو جاؤ اور ان سے اُنس نہ پکڑو۔ سچ بولو اور ڈرو مت۔

مخلوقات میں سے کسی سے صحبت نہ رکھو۔ کیونکہ وہ تمہارے دین کو برباد کردیں گے اور تم خدا تعالےٰ سے دور ہو جاؤ گے۔ تم پر لازم ہے کہ اپنے نفس کی ضروریات کا خیال رکھو تاکہ وہ درست ہو جائے۔ اپنے نفس کی عزت نہ کرو۔ غیر ضروری باتوں سے زبان کو بند رکھو۔ اور ہمیشہ لوگوں کو نصیحت کرتے رہو۔ تم پر لازم ہے کہ کم بولو۔ کم کھاؤ۔ کم سوؤ اور جلدی اُٹھو۔ سماع میں بہت نہ بیٹھو۔ کیونکہ سماع کی کثرت سے نفاق پیدا ہوتا ہے اور دل مُردہ ہو جاتا ہے۔ سماع کا انکار نہ کرو کیونکہ اصحاب سماع بہت ہیں۔ سماع روا نہیں مگر اُس شخص کے لئے جس کا دل زندہ اور نفس مردہ ہو۔ ورنہ نماز روزے میں مشغول ہونا بہتر ہے۔ چاہئے کہ تمہارا دل غمگین۔ تمہارا بدن بیمار۔ تمہاری آنکھ روتی۔ تمہارا عمل خالص۔ تمہاری دعا مجاہدہ کے ساتھ۔ تمہارا کپڑا پرانا۔ تمہارے رفیق درویش۔ تمہارا گھر مسجد۔ تمہارا مال کتب دین۔ تمہاری آرائش زُہد اور تمہارا مونس باری تعالےٰ ہو۔ کسی شخص سے برادری نہ کرو جب تک یہ پانچ خصلتیں اُس میں نہ پاؤ۔ اوّل فقیری کو امیری پر ترجیح دے۔ دوّم دین کو دنیا پر ترجیح دے۔ سوّم ذلت کو عزت پر ترجیح دے۔ چہارم علم ظاہر و باطن کا جاننے والا ہو۔ پنجم موت کے لئے تیار ہو۔

اے فرزند! میری وصیتوں کو نگاہ رکھو جس طرح میں نے اپنے شیخ قدس سرہ سے یاد کیں اور ان پر عمل کیا۔ اُسی طرح اب تم بھی یاد کرو اور عمل کرو۔ خدا تعالےٰ دنیا و آخرت میں تمہارا حافظ و نگہبان ہوگا۔ اگر یہ خصلتیں کسی سالک میں پائی جائیں۔ تو اُس کا شیخ و پیر ہونا مسلّم ہوگا۔ جو شخص ایسے شیخ کی پیروی کرے گا۔ وہ اُس کو مقصد و مقصود تک پہنچائے گا۔ مگر یہ مرتبہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ انتہیٰ[1]۔

حضرت خواجہ قدس سرہ کے کلمات قدسیہ میں سے یہ آٹھ کلمے بھی ہیں۔ ہوش در دم۔ نظر بر قدم۔ سفر در وطن۔ خلوت در انجمن۔ یاد کرد۔ باز گشت۔ نگاہداشت۔ یادداشت۔ ان آٹھ کے علاوہ تین کلمے اور ہیں جو مصطلحات نقشبندیہ میں سے ہیں۔ یعنی وقوف عددی۔ وقوف زمانی۔ وقوف قلبی۔ ان گیارہ کلمات پر طریقہ نقشبندیہ کی بنا ہے۔ جن کا مطلب بطریق اختصار ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ہوش در دم سے مراد یہ ہے کہ سالک کا ہر ایک سانس حضور و آگاہی سے ہو نہ کہ غفلت سے۔ یعنی کسی سانس میں خدا سے غافل نہ رہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ کسی سانس کو ضائع نہ ہونے دو۔

---

[1] مولانا ابوالخیر فضل بن روز بہان معروف بہ خواجہ مولانا اصفہانی نے ان وصایا کی شرح لکھی ہے۔ اور آغاز شرح سے پہلے تین فصلیں لکھی ہیں۔ پہلی فصل میں حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہ کے حالات ہیں۔ دوسری میں سلسلہ مشائخ کے حالات اور تیسری میں حضرت خواجہ کے خلفاء کے حالات درج کئے ہیں۔ کشف الظنون۔

سانس کے خروج و دخول میں اور خروج و دخول کے درمیان محافظت چاہئے کہ کوئی دقیقہ غفلت کا نہ پایا جائے۔

نظر بر قدم سے مراد یہ ہے کہ سالک راہ چلنے میں نظر اپنے پاؤں کی پشت پر رکھے تاکہ بیجا نظر نہ پڑے اور دل محسوسات متفرقہ سے پراگندہ نہ ہو جائے۔ پس راہ چلتے ادھر اُدھر نہ دیکھے کہ موجب فسادِ عظیم و مانع حصول مقصود ہے۔ یہ عمل تفرقہ بیرونی کے دفعیہ کے لئے ہے جیسا کہ ہوش در دم تفرقہ اندرونی کے دفعیہ کے واسطے ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ سالک کا قدم باطن اس کی نظر باطن سے پیچھے نہ رہے۔ رشحات میں ہے کہ شاید نظر بر قدم سرعت سیر کی طرف اشارہ ہے یعنی مسافت ہستی کے قطع کرنے اور عقبات خود پرستی کے طے کرنے میں قدم نظر سے پیچھے نہ رہے۔ بلکہ منتہائے نظر پر پڑے۔ چنانچہ مولانا جامی رحمہ اللہ تعالےٰ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ کی مدح میں فرماتے ہیں۔ ؎

بسکہ زخود کردہ بسرعت سفر بازنماندہ قدمش از نظر

سفر در وطن (سیر در انفس) سے مراد صفات ذمیمہ سے صفات حمیدہ کی طرف انتقال کرنا ہے۔ خواجگان نقشبندیہ نے مقام بقا میں جو سیر انفسی سے تعلق رکھتا ہے بجائے سیر آفاقی کے اسی سیر کیفی کو اختیار کیا ہے۔ اور سفر ظاہر اتنا ہی کرتے ہیں کہ پیر کامل تک پہنچ جائیں۔ دوسری حرکت جائز نہیں رکھتے اور ملازمت شیخ سے دوری نہیں چاہتے۔ اور ملکہ آگاہی کے حصول میں نہایت کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے وہ سیر آفاقی کو جو دور دراز راستہ ہے حتی الامکان پسند نہیں کرتے بلکہ سیر انفسی کے ضمن میں اُسے قطع کرتے ہیں۔ اور ملکہ آگاہی کے حصول کے بعد سفر کرتے ہیں یا اقامت۔ دوسرے سلسلوں میں سلوک کو سیر آفاقی سے شروع کرتے ہیں اور سیر انفسی پر ختم کرتے ہیں۔ سیر انفسی سے شروع کرنا سلسلہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے۔ اندراج نہایت در بدایت کے یہی معنی ہیں کہ سیر انفسی جو دوسروں کی نہایت ہے وہ اکابر نقشبندیہ کی ہدایت ہے۔

واضح رہے کہ سیر آفاقی مطلوب کو اپنے سے باہر ڈھونڈنا ہے۔ اور سیر انفسی اپنے میں آنا اور اپنے دل کے گرد پھرنا ہے۔ ؎

ہمچو نابینا مبر ہر سوے دست با تو زیر گلیم است ہر چہ ہست

مگر شہود انفسی میں گرفتار نہ رہنا چاہئے۔ اور اس کو مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظل تصور کرنا چاہئے۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہ تعالےٰ جیسا کہ ورائے آفاق ہے ورائے نفس بھی ہے۔ پس اس کو آفاق و انفس سے باہر طلب کرنا چاہئے۔

خلوت در انجمن سے مراد یہ ہے کہ انجمن میں جو محل تفرقہ ہے از راہ باطن مطلوب کے ساتھ خلوت رکھے اور غفلت کو دل میں راہ نہ دے۔ ظاہر میں خلائق کے ساتھ اور باطن میں حق کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ابتداء میں یہ معاملہ بتکلف ہوتا ہے اور انتہاء میں بے تکلف۔ ؎

از بروں درمیانِ بازارم وز دروں خلوتیست بایارم

خواجہ اولیاء کبیر فرماتے ہیں کہ خلوت در انجمن یہ ہے کہ سالک اگر بازار میں جائے۔ تو ذکر میں استغراق کے سبب سے کوئی آواز نہ سنے۔ خواجہ احرار قدس سرہ کا قول ہے کہ ذکر میں جہد و اہتمام بلیغ کے ساتھ مشغول ہونے سے سالک کو پانچ چھ روز میں یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ نے اس کلمہ کی جو تشریح کی ہے وہ آگے آئے گی انشاء اللہ تعالےٰ۔ مشائخ نقشبندیہ بجائے چلہ کے اسی خلوت پر قناعت کرتے ہیں۔ کیونکہ حاصلِ چلہ اس میں داخل ہے اور آفات سے دور ہے۔

یاد کرد سے مراد یہ ہے کہ ہر وقت ذکر میں مشغول رہے خواہ زبانی ہو یا قلبی۔ ذکر کی تلقین کا طریق بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔

بازگشت سے مراد یہ ہے کہ جب ذاکر بطریق معہود کلمہ توحید کا ذکر دل سے کرے۔ تو ہر بار کلمہ توحید کے بعد زبانِ دل سے کہے۔ خدایا مقصود میرا تو ہے اور تیری رضا۔ مشائخ نقشبندیہ کا معمول یہ ہے کہ کلمہ توحید کے تلفظ کے ضمن میں لامقصود ملاحظہ کرتے ہیں۔ کیونکہ جو معبود ہوتا ہے وہ مقصود ہوتا ہے جیساکہ آیہ اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ سے ظاہر ہے۔

نگاہداشت سے مراد یہ ہے کہ قلب کو خطرات و حدیث نفس سے نگاہ رکھا جائے۔ یعنی کلمہ طیبہ کے تکرار کے وقت ماسوا قلب میں خطور نہ کرے۔ خطرات کے دور کرنے کے لئے کلمہ طیبہ حبس دم کے ساتھ مفید ہے۔

یادداشت سے مراد ہے دوام آگاہی بحق سبحانہ بر سبیل ذوق۔ ؎

دارم ہمہ جا باہمہ کس در ہمہ حال در دل ز تو آرزو و در دیدہ خیال

اگر دوام آگاہی اس قدر غالب ہو کہ کثرت کو نیہ اس کی مزاحم نہ ہو بلکہ اپنے وجود کا بھی شعور نہ رہے۔ تو اسے فناء کہتے ہیں۔ اگر اس بے شعوری کا شعور بھی نہ رہے۔ تو اسے فنائے فناء بولتے ہیں اور جمع الجمع اور عین الیقین بھی کہتے ہیں۔

انتباہ۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے اخیر کے چار کلموں کی تشریح یوں فرمائی ہے۔ کہ یاد کرد سے مراد ذکر میں تکلف ہے۔ یعنی ذکر جس کی تلقین شیخ سے ہوتی ہے اُس کے تکرار میں بتکلف مشغول رہتے

یہانتک کہ مرتبہ حضور حاصل ہو جائے۔ اور بازگشت سے مراد رجوع بحق سبحانہ بدیں طور کہ جتنی بار کلمہ طیبہ کا ذکر کرے۔ ہر بار اس کلمہ کے بعد دل میں خیال کرے کہ خدایا مقصود میرا تو ہے اور تیری رضا۔ اور نگاہداشت سے مراد ہے اس رجوع کی محافظت بغیر زبان سے کہنے کے۔ اور یادداشت سے مراد نگاہداشت میں رسوخ ہے۔

وقوف عددی سے مراد ذکر نفی و اثبات میں عدد ذکر سے واقف رہنا ہے یعنی ذاکر اس ذکر میں سانس کو عدد طاق پر چھوڑے نہ کہ جفت پر۔ کہتے ہیں کہ آداب و شرائط کی رعایت کے ساتھ ایک سانس میں ۲۱ بار نفی و اثبات کرنا مثمر فناء ہے۔ حضرت علاء الدین عطار فرماتے ہیں کہ زیادہ کہنا شرط نہیں۔ جو کچھ کہے وقوف سے کہے۔ جب عدد ۲۱ سے تجاوز کر جائے اور اثر ظاہر نہ ہو۔ تو یہ اس عمل کی بیحاصلی کی دلیل ہے۔ اثر ذکر یہ ہے کہ زمان نفی میں وجود بشریت منتفی ہو جائے اور زمان اثبات میں جذبات الٰہی کے تصرفات کے آثار میں سے کوئی اثر محسوس ہو۔ یہ جو کلام خواجگان میں آیا ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں شخص کو وقوف عددی کا امر فرمایا اس سے مراد ذکر قلبی مع رعایت عدد ہے نہ کہ فقط رعایت عدد۔

وقوف زمانی کے دو معنے ہیں۔ ایک یہ کہ سالک کو چاہیئے کہ واقف نفس رہے اور پاسِ انفاس کو ملحوظ رکھے یعنی ہر وقت خیال رکھے کہ سانس حضور میں گزرتا ہے یا غفلت میں۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ بندہ ہر وقت اپنے حال سے واقف رہے۔ اگر وقت طاعت میں گذرا ہے تو شکر بجا لائے۔ اور اگر معصیت میں گزرا ہے تو عذر خواہی کرے۔ اسی طرح حالت بسط میں شکر اور حالت قبض میں استغفار کرے۔ صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اسے محاسبہ کہتے ہیں۔ قول باریتعالےٰ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔ اور قول حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ حاسبوا قبل ان تحاسبوا میں اسی محاسبہ کی طرف اشارہ ہے۔

وقوف قلبی کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ذکر کے وقت دل حق سبحانہ سے واقف و آگاہ رہے۔ اور یہ مقولہ یادداشت سے ہے۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ بندہ اثنائے ذکر میں قلب صنوبری کی طرف متوجہ رہے اور اسے ذکر میں مشغول کرے اور ذکر اور ذکر کے مفہوم سے غافل نہ ہونے دے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ نے ذکر میں حبس دم اور رعایت عدد کو لازم قرار نہیں دیا۔ مگر وقوف قلبی

---

۵۴ اور رجوع کرو اپنے رب کی طرف۔ اور اس کی فرمانبرداری کرو پہلے اس سے کہ آوے تم پر عذاب۔ پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا۔ (پ ۲۴۔ زمر۔ ع ۶)۔

۵۵ تم محاسبہ کرو پہلے اس سے کہ محاسبہ کئے جاؤ۔

ذکر جہر شروع کیا۔ کیونکہ حضرت خواجہ عارف نے اخیر وقت میں فرمایا تھا۔ کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ جس کی طرف ہمیں اشارہ ہوا تھا کہ ایک وقت آنے والا ہے جبکہ طالبوں کو بنا بر مصلحت ذکر جہر اختیار کرنا پڑے گا۔ مولانا حافظ الدین بخاری نے جو اُس وقت کے بڑے عالم اور خواجہ محمد پارسا قدس سرہ کے جدِّ اعلیٰ تھے رئیس العلماء شمس الائمہ حلوانی کے اشارے سے علمائے وقت کی ایک جماعت کے روبرو حضرت خواجہ محمود سے استفتاء کیا کہ آپ ذکر جہر کس نیت سے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تاکہ سویا ہوا بیدار اور غفلت سے ہوشیار ہو جائے۔ اور راہ راست پر آجائے اور شریعت و طریقت پر استقامت حاصل کرے اور توبہ و انابت (جو ہر نیکی کی اصل ہے) کی طرف رغبت کرے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ کی نیت درست ہے اور آپ کے لئے یہ شغل جائز ہے۔ لیکن ذکر جہر کی ایک حد مقرر کر دیجئے کہ جس سے حقیقت مجاز سے اور بیگانہ آشنا سے ممتاز ہو جائے۔ اس پر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ذکر جہر اُس شخص کے لئے جائز ہے کہ جس کی زبان جھوٹ اور غیبت سے پاک ہو۔ اور جس کا حلق حرام و شبہ سے اور دل ریا و سمعہ سے اور باطن توجہ بما سوا سے پاک ہو۔

حضرت خواجہ علی رامیتنی کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ محمود قدس سرہ کے وقت میں ایک درویش نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے پوچھا کہ اس زمانے میں مشائخ میں سے ایسا کون ہے جو طریق استقامت پر ثابت قدم ہو تاکہ اُس کا مرید بن کر اُس کی پیروی کروں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ خواجہ محمود انجیر فغنوی۔ خواجہ رامیتنی کے بعض اصحاب نے کہا کہ وہ درویش سائل خود خواجہ علی رامیتنی تھے۔ مگر اپنا نام بدیں خیال نہ لیا کہ یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ آپ نے حضرت خضرؑ کو دیکھا ہے۔

کرامت | ایک روز خواجہ علی رامیتنی خواجہ محمود کے باقی اصحاب کے ساتھ موضع راحتین میں ذکر میں مشغول تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑا سفید پرندہ ان کے اوپر اُڑا چلا جاتا ہے۔ جب وہ پرندہ ان کے عین سمت الرأس پر آیا۔ تو فصیح زبان سے بولا۔ اے علی مردانہ باش۔ یہ دیکھ کر اصحاب پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور وہ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے۔ تو حضرت خواجہ سے پوچھا کہ یہ کیا تھا جو ہم نے دیکھا اور سنا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ وہ خواجہ محمود قدس سرہ تھے۔ حق سبحانہ نے ان کو یہ کرامت عطا فرمائی ہے کہ وہ ہمیشہ اُس مقام پر پرواز کرتے ہیں۔ جہاں حق سبحانہ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے کئی ہزار کلمات فرمائے۔ اِس وقت آپ خواجہ دہقان قلتی کے سرہانے گئے تھے جو خواجہ اولیائے کبیر کے پہلے خلیفہ ہیں۔ خواجہ دہقان کا اخیر وقت تھا۔ انہوں نے بارتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ خدایا دم اخیر میں اپنے دوستوں میں سے کسی کو میرے پاس میری مدد کے لئے بھیج دے۔ چنانچہ خواجہ محمود بحکم ربانی خواجہ دہقان کے پاس بغرض امداد تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے واپس آتے ہوئے اس راہ سے گزرے ہیں۔

بہردو معنی کو ضروری سمجھا ہے۔ آیہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا میں اسی وقوف قلبی کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ وقوف قلبی یہ ہے کہ دل کا نگران و واقف رہے۔ اور قطع نظر ذکر کے اُس کی طرف توجہ رکھے۔ تاکہ اُس میں تفرقہ راہ نہ پائے اور وہ ماسوا کے نقوش سے منقش نہ ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ دل بیکار نہیں رہتا۔ یا ماسوا سے طارہتا ہے یا مطلوب حقیقی سے۔ جب دل ماسوا سے ممنوع ہوگیا۔ تو اُسے مطلوب کی طرف توجہ سے چارہ نہ ہوگا۔ غرض تم دل کو دشمن سے باز رکھو۔ دوست کی طلب کی حاجت نہیں۔ وہ خود جلوہ گر ہو جائے گا۔

(انیس الطالبین۔ نفحات۔ رشحات)۔

۱۲۔ خواجہ عارف ریوگری قدس سرہ

خواجہ عبدالخالق قدس سرہ کے چار خلیفے تھے۔ خواجہ احمد صدیق۔ خواجہ اولیائے کبیر۔ خواجہ سلیمان کرمینی۔ خواجہ عارف ریوگری۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ کی نسبت وارادت ان میں سے خواجہ عارف تک پہنچتی ہے۔ حضرت خواجہ عارف کا مولد و مدفن موضع ریوگر[ا] ہے جو دیہات بخارا میں سے ہے۔ حضرت خواجہ عبدالخالق کے وصال کے بعد آپ ریاضت و عبادت اور ہدایت خلق میں مشغول رہے۔ آپ کا سنہ وفات بقول صاحب حضرات القدس ۶۱۶ھ یا ایک سال بعد ہے۔ (رشحات)۔

۱۳۔ خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہ

آپ خواجہ عارف قدس سرہ کے تمام اصحاب میں افضل و اکمل اور خلافت سے ممتاز تھے۔ آپ کا مقام ولادت موضع انجیر فغنہ ہے جو علاقہ بخارا میں وابکنہ[۳] کا ایک گاؤں ہے۔ آپ وابکنہ میں رہا کرتے تھے۔ وجہ معاش گل کاری تھی۔ جب آپ کو اجازت ارشاد مل گئی۔ تو آپ نے بنا بر مصلحت و مقتضائے حال طالب

---

[۱] اے ایمان والو! خدا کو بہت یاد کرو۔ (پ۲۲۔ احزاب۔ ع۶)۔

[۲] ریوگر (بکسر رائے مہملہ و سکون یا و واو بہردو۔ و کسر کاف فارسی) بخارا سے چھ فرسنگ اور غجدوان سے ایک فرسنگ شرعی کے فاصلہ پر واقع ہے۔

[۳] وابکنہ ایک قصبہ ہے۔ جو چند قریات و مزارع پر شامل ہے اور شہر بخارا سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔

بروز و تناسخ پوشیدہ نہ رہے کہ حیات دنیوی میں بعضے بندگان خدا کو غایت صفا و لطافت سے عنایت ایزدی اس بات پر قدرت ہوتی ہے۔ کہ باوجود کالبد ظاہری کی قید کے مختلف بدن کسب کر سکیں پس موت کے بعد جبکہ یہ قید رفع ہو جاتی ہے اور طائر روح اس قفس سے آزاد ہو جاتا ہے وہ دوسرے بدن کے کسب پر بطریق اولیٰ قادر ہیں۔ اسے بروز کہتے ہیں۔ بروز و تناسخ میں فرق ہے۔ اہل تناسخ عموم و لزوم کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی روح نفیس ہو یا خسیس۔ مسلمان ہو یا کافر۔ انسان ہو یا حیوان کسی بدن سے جدا نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی دوسرا بدن اُس کے واسطے تیار نہ ہو۔ تاکہ پہلے بدن سے نکلتے ہی دوسرے میں چلی جائے۔ بخلاف اہل بروز کے کہ ان کے نزدیک نہ عموم ہے نہ لزوم۔ یعنی اس طائفہ کے نزدیک یہ کاملین سے خاص ہے اور وہ بھی بر سبیل لزوم نہیں۔ کیونکہ موت کے بعد کبھی بنا بر مصلحت دوسرے بدن میں ظاہر ہوتے ہیں خواہ وہ بدن اصلی دنیوی کی مثل ہو یا نہ ہو اور صورت بشری میں ہو یا نہ ہو۔ اور پھر اتمام مطلوب کے بعد پس پردہ غائب ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ بروز و تناسخ میں فرق نہیں کرتے وہ اولیائے کرام پر بیجا اعتراض و طعن کرتے ہیں ؎

تا چند کنی ببادہ نوشاں انکار	انکار مکن کہ نیست نیکو ایں کار
رندے کہ بود زبادۂ عرفاں مست	زنہار بر و طعنہ مکن صد زنہار

وفات حضرت خواجہ محمود قدس سرہ کا سنہ وفات بعضوں نے ۱۷ ربیع الاول ۷۱۵ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار مبارک وابکنہ میں ہے۔ (رشحات - روائح)

۱۴۔ خواجہ علی رامیتنی قدس سرہٗ

آپ خواجہ محمود قدس سرہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ سلسلہ خواجگان میں آپ کا لقب حضرت عزیزاں ہے۔ آپ کے مقامات عالیہ اور کرامات عجیبہ بہت ہیں۔ آپ صنعت بافندگی میں مشغول رہا کرتے تھے۔ مولانا جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے۔ کہ میں نے بعض اکابر سے یوں سُنا ہے کہ مولانا جلال الدین رومی کے شعر ذیل میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ ؎

گر نہ علم حال فوق قال بودے کے شدے بندہ اعیان بخارا خواجۂ نساج را	علم حال اگر قال سے بہتر نہ ہوتا۔ تو سرداران بخارا خواجہ نساج (بافندہ) کے کب غلام بنتے۔

آپ کی پیدائش موضع رامیتن میں ہوئی۔ جو ولایت بخارا میں ایک بڑا قصبہ شہر سے دو فرسنگ کے

فاصلہ پر ہے۔ اتفاقات زمانہ سے آپ رامتین سے باوردمیں تشریف لائے۔ اور ایک مدت تک یہاں کے لوگوں کو راہ خدا بتاتے رہے۔ بعدازاں شہر خوارزم میں مقیم ہوئے۔ اور حسب معمول ہدایت خلق اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے۔ خوارزم میں بہت سے لوگ آپ کے سلسلہ میں داخل ہوئے۔

کرامات (۱) حضرت سید اتا اور حضرت عزیزان ہمعصر تھے۔ اور کبھی کبھی ایک دوسرے سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ اوائل میں سید اتا کو حضرت عزیزان سے صفائی نہ تھی۔ ایک روز سید اتا سے آپ کی جناب میں بے ادبی ہوگئی۔ اتفاقاً ان ہی ایام میں ترکوں کی ایک جماعت دشت قبچاق کی طرف سے حملہ آور ہوئی۔ اور سید اتا کے ایک لڑکے کو پکڑ کر لے گئی۔ سید اتا کو معلوم ہوا کہ یہ حادثہ اُس بے ادبی کے سبب سے وقوع میں آیا ہے۔ اس لئے حضرت عزیزان سے معافی مانگی۔ اور بطور ضیافت آپ کی دعوت کی۔ آپ نے قبول کیا اور سید اتا کے ہاں تشریف لائے۔ اُس دعوت میں بڑے بڑے علماء اور مشاہیر وقت حاضر ہوئے۔ اُس روز حضرت عزیزاں نہایت خوش وقت اور بڑی کیفیت کے عالم میں تھے۔ جب خادم نمکدان لایا اور دسترخوان بچھایا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ علی اپنی انگلی نمک پر نہ رکھے گا اور ہاتھ کھانے کی طرف نہ بڑھائے گا جب تک کہ سید اتا کا لڑکا دسترخوان پر حاضر نہ ہو جائے۔ یہ کہہ کر آپ نے کچھ دیر سکوت فرمایا۔ تمام حاضرین اُس کے منتظر تھے۔ اچانک سید اتا کا لڑکا اُس گھر کے دروازے سے آحاضر ہوا۔ یکبارگی مجلس میں شور برپا ہوگیا۔ لوگ حیران رہ گئے۔ اور اُس لڑکے کے آنے کی کیفیت لڑکے سے ہی دریافت کی۔ اُس نے کہا۔ میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ ابھی میں ترکوں کے ہاتھ قید تھا اور مجھ کو اپنے ملک میں لے جا رہے تھے۔ اب دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے سامنے حاضر ہوں۔ اہل مجلس کو یقین ہوگیا کہ یہ حضرت عزیزاں کا تصرف ہے۔ سب آپ کے پاؤں پر گر پڑے اور آپ کے مرید ہو گئے۔

(۲) ایک روز حضرت عزیزاں کے ہاں ایک عزیز مہمان آیا۔ گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ آپ بہت دلگیر ہوئے اور گھر سے نکلے۔ اچانک ایک طعام فروش لڑکا جو آپ کے معتقدین میں سے تھا ایک دیگ طعام سے بھری ہوئی سر پر اُٹھائے ہوئے آپہنچا۔ اُس نے التجا کی کہ میں نے یہ کھانا آپ کے خادموں کے لئے تیار کیا ہے۔ امیدوار ہوں کہ آپ قبول فرمائیں گے۔ حضرت عزیزاں کو اُس لڑکے کی یہ خدمت بہت پسند آئی۔ جب آپ مہمان کو کھانا کھلا چکے۔ تو لڑکے کو بلا کر کہا۔ ہم تیری اس خدمت سے بہت خوش ہیں۔ اب تیری جو مراد ہے ہم سے مانگ۔ انشاء اللہ پوری ہو جائے گی۔ لڑکا نہایت عقلمند اور ہوشیار تھا۔ بولا کہ میں چاہتا ہوں کہ خواجہ عزیزاں بن جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو نہایت مشکل ہے۔ اس بھاری بوجھ کے اٹھانے کی تجھ میں طاقت نہیں ہے۔ لڑکے نے عرض کیا کہ میری مراد تو یہی ہے۔

اِس کے سوا کوئی آرزو نہیں۔ تب حضرت نے فرمایا کہ اسی طرح ہو جائے گا۔ اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت خاص میں لے گئے۔ اور اُس پر توجہ ڈالی۔ وہ لڑکا تھوڑی سی دیر میں صورت و سیرت میں بعینہٖ مثل عزیزاں بن گیا۔ اس کے بعد وہ کم و بیش چالیس روز زندہ رہا پھر انتقال کر گیا۔

(۳) کہتے ہیں کہ جب حضرت عزیزاں نے باشارہ غیبی ولایت بخارا سے خوارزم کا قصد کیا اور اُس شہر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ تو وہاں ٹھہر گئے۔ اور دو درویشوں کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا کہ ایک بافندہ فقیر تمہارے شہر کے دروازے پر آیا ہے اور اقامت کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر تمہاری مصلحت ہو۔ تو داخل ہو جائے ورنہ واپس چلا جائے۔ اور اُن درویشوں سے آپ نے کہہ دیا کہ اگر بادشاہ اجازت دیدے۔ تو اجازت نامہ مُہری و دستخطی اُس کا لیتے آنا۔ جب وہ درویش بادشاہ کے پاس گئے اور مدعا عرض کیا۔ تو بادشاہ اور اُس کے ارکان دولت ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ وہ سادہ اور نادان آدمی ہیں۔ پھر بطور مذاق بادشاہ کا مُہری و دستخطی اجازت نامہ ان کے حوالہ کیا گیا۔ وہ یہ اجازت نامہ حضرت عزیزاں کے پاس لائے پس آپ نے قدم مبارک شہر میں رکھا اور گوشہ نشین ہو کر بطریق خواجگان اپنے اوراد و اذکار میں مشغول ہو گئے۔ آپ ہر روز صبح کے وقت مزدور گاہ میں آتے اور ایک دو مزدوروں کو اپنے مکان پر لے جا کر فرماتے۔ کہ پورا وضو کرو۔ اور نماز دیگر تک باوضو ہمارے پاس رہو اور ذکر کرو۔ بعد ازاں اپنی مزدوری لے کر چلے جاؤ۔ مزدور بہت خوشی سے ایسا کرتے اور نماز دیگر تک آپ کی صحبت میں رہتے۔ مگر جو مزدور ایک دن اس طرح آپ کے پاس رہتے۔ آپ کی صحبت کی برکت اور آپ کی تاثیر و تصرف باطنی سے اُن میں یہ وصف پیدا ہو جاتا کہ آپ کی خدمت سے جدائی گوارا نہ کرتے۔ اس طرح کچھ مدت کے بعد وہاں کے لوگ آپ کے مرید بن گئے۔ اور آپ کے گرد طالبوں کا بڑا مجمع ہو گیا۔ رفتہ رفتہ کسی نے بادشاہ کو خبر دی کہ اِس شہر میں ایک شخص آیا ہے۔ اکثر لوگ اس کے مرید ہو گئے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ اس کے سبب سے ملک میں کوئی فتنہ و فساد پیدا ہو جائے کہ جس کا انسداد ممکن نہ ہو۔ بادشاہ نے اس وہم میں پڑ کر حضرت عزیزاں کے اخراج کا حکم دیا۔ آپ نے ان ہی دو درویشوں کے ہاتھ اجازت نامہ بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ کہ ہم تمہارے شہر میں تمہاری ہی اجازت و مصلحت سے آئے ہیں۔ اگر تم اپنے حکم کے خلاف کرتے ہو۔ تو ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ اِس پر بادشاہ اور ارکان دولت بہت شرمندہ ہوئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے محبین و مخلصین میں سے ہو گئے۔

(۴) حضرت عزیزاں کے دو فرزند تھے۔ ایک خواجہ محمد جو خواجہ خُرد کے نام سے مشہور تھے۔ کیونکہ حضرت عزیزاں کے اصحاب حضرت عزیزاں کو خواجہ بزرگ کہا کرتے تھے اور خواجہ محمد کو خواجہ خُرد۔

دوسرے خواجہ ابراہیم تھے جو خواجہ محمد سے چھوٹے تھے۔ جب حضرت کا زمانہ وفات نزدیک آیا۔ تو آپ نے خواجہ ابراہیم کو اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ بعضے یاروں کے دل میں آیا کہ بڑے صاحبزادے کی موجودگی میں جو عالم و عارف ہیں چھوٹے کو کیوں خلیفہ بنایا گیا۔ حضرت نے ان کے خطرے پر آگاہ ہو کر فرمایا کہ خواجہ خرد ہمارے بعد زیادہ نہ ٹھیریں گے بلکہ جلدی ہمارے پاس پہنچیں گے۔ چنانچہ ویسا ہی وقوع میں آیا۔ حضرت کی وفات کے اُنیس روز بعد خواجہ خرد نے بروز دوشنبہ وقت چاشت ۱۷ ماہ ذی حجہ ۷۱۵ھ میں وفات پائی۔ اور خواجہ ابراہیم نے ۷۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔

وفات حضرت عزیزاں نے بتاریخ ۲۸ ذیقعدہ ۷۱۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک خوارزم میں مشہور و معروف اور زیارتگاہ خاص و عام ہے۔

کلماتِ قدسیہ

(۱) شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی نے جو حضرت عزیزاں کے ہمعصر تھے ایک درویش کو آپ کی خدمت میں بھیج کر تین مسئلے پوچھے اور ہر ایک کا جواب پایا۔ پہلا مسئلہ یہ تھا کہ ہم اور تم آنے جانے والوں کی خدمت کرتے ہیں۔ تم کھانے میں تکلف نہیں کرتے اور ہم کرتے ہیں۔ مگر لوگ تمہاری آرزو اور ہماری شکایت کرتے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے؟۔ حضرت عزیزاں نے جواب دیا کہ احسان جتا کر خدمت کرنے والے بہت ہیں اور احسانمند ہو کر خدمت کرنے والے کم ہیں۔ کوشش کرو کہ تم دوسری قسم سے بنو تاکہ کوئی تمہاری شکایت نہ کرے۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہاری تربیت خواجہ خضر علیہ السلام سے ہے۔ یہ کس طرح ہے؟۔ حضرت نے جواب دیا کہ حق سبحانہ کے بندے اُس ذات کے عاشق ہیں جس کے حضرت خضر عاشق ہیں۔ تیسرا مسئلہ یہ تھا کہ ہم سنتے ہیں کہ تم ذکر جہر کرتے ہو۔ یہ کس طرح ہے؟۔ فرمایا کہ ہم بھی سنتے ہیں کہ تم ذکر خفیہ کرتے ہو۔ پس تمہارا ذکر بھی جہر ہوا۔

(۲) مولانا سیف الدین نے جو اُس زمانے کے اکابر علماء سے تھے حضرت عزیزاں سے سوال کیا کہ تم ذکر علانیہ کس نیت سے کرتے ہو؟۔ فرمایا کہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اخیر دم میں ذکر بلند کرنا اور تلقین کرنا جائز ہے۔ بحکم حدیث۔

لقنوا موتاکم بشهادة ان لا اله الا الله	تم اپنے مُردوں کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کی تلقین کرو۔

درویشوں کا ہر دم دمِ اخیر ہے۔

(۳) شیخ بدر الدین نے جو شیخ حسن بلغاری کے اصحاب کبار سے تھے حضرت عزیزاں سے پوچھا

کہ اللہ تعالیٰ جو ارشاد فرماتا ہے:-

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا۔ (احزاب)	اے ایمان والو! خدا کو بہت یاد کیا کرو۔

ذکر کثیر سے ذکر زبان مراد ہے یا ذکر دل۔ حضرت نے فرمایا کہ مبتدی کے لئے ذکر زبان اور منتہی کے لئے ذکر دل۔ مبتدی ہمیشہ تکلف و تعمل سے کام لیتا ہے۔ چونکہ منتہی کے ذکر کا اثر دل تک پہنچتا ہے۔ اُس کے تمام اعضا اور رگیں اور جوڑ ذکر کرنے لگتے ہیں۔ اُس وقت سالک ذکر کثیر سے متصف ہوتا ہے۔ اور اُس حالت میں اُس کا ایک دن کا کام دوسروں کے سال بھر کے کام کے برابر ہوتا ہے۔

(۴) فرمایا کہ یہ بات کہ حق سبحانہ ہر شب و روز میں بندہ مومن کے دل پر تین سو ساٹھ نظر رحمت کرتا ہے اس طرح ہے کہ دل تمام اعضا کی طرف تین سو ساٹھ دریچہ رکھتا ہے۔ اور وہ دل کے متصل تین سو ساٹھ رگیں جہندہ و غیر جہندہ ہیں۔ جب دل ذکر سے متاثر ہوتا ہے اور اس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے کہ حق سبحانہ کی نظر خاص کا منظور ہو جائے۔ تو اس نظر کے آثار دل سے تمام اعضا کی طرف منشعب ہوتے ہیں۔ پس ہر ایک عضو اپنے اپنے حال کے مناسب طاعت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور ہر عضو کی طاعت کے نور سے ایک فیض جس سے مراد نظر رحمت ہے دل کو پہنچتا ہے۔

(۵) حضرت عزیزاں سے پوچھا گیا کہ ایمان کیا ہے۔ آپ نے اپنی صنعت (بافندگی) کے مناسب جواب دیا کہ توڑنا اور جوڑنا۔ یعنی ماسوا سے توڑنا اور حق تعالیٰ سے ملانا۔

(۶) آیہ تُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ (تحریم) میں اشارت بھی ہے اور بشارت بھی۔ اشارت ہے توبہ کرنے کی اور بشارت ہے اُس کے قبول کی۔ کیونکہ اگر قبول نہ کرتا۔ تو توبہ کا امر نہ کرتا۔ امر دلیل ہے قبول کی دید قصور کے ساتھ۔

(۷) عمل کرنا چاہئے اور ناکردہ خیال کرنا چاہئے۔ اور اپنے تئیں قصوروار سمجھنا چاہئے۔ اور (بعوت نقصان) عمل کو از سر نو کرنا چاہئے۔

(۸) دو وقت اپنے تئیں خوب نگاہ رکھنا چاہئے۔ بات کرنے کے وقت اور ... چیز کھانے کے وقت۔

(۹) ایک روز حضرت خضر علیہ السلام خواجہ عبد الخالق کے پاس آئے۔ خواجہ نے دو جَو کی روٹیاں گھر سے لا کر پیش کیں۔ مگر حضرت خضرؑ نے نہ کھائیں۔ خواجہ نے عرض کیا کہ تناول فرمائیے۔ لقمہ حلال ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ درست ہے۔ لیکن خمیر کرنے والا بے وضو تھا۔ ہمارے واسطے اس کا کھانا روا نہ تھا۔

(۱۰) جو شخص مسند ارشاد پر بیٹھے اور لوگوں کو راہ خدا بتائے اُسے پرندے پالنے والے کی طرح ہونا چاہئے۔ جو ہر ایک پرندہ کے بولنے سے واقف ہوتا ہے اور ہر ایک کو اُس کے مناسب خوراک دیتا ہے۔ اسی طرح مرشد کو بھی چاہئے کہ اپنے مریدوں میں سے ہر ایک کی تربیت اُس کی استعداد و قابلیت کے مطابق کرے۔

(۱۱) اگر تمام روئے زمین میں خواجہ عبدالخالق کے فرزندوں میں سے ایک بھی ہوتا۔ تو منصور کبھی سولی پر نہ چڑھتا۔ یعنی اگر خواجہ کے فرزندان معنوی میں سے ایک بھی زندہ ہوتا۔ وہ حسین منصور کی تربیت کر کے اُس مقام سے اوپر لے جاتا۔

(۱۲) سالکان طریقت کو ریاضت و مجاہدہ بہت کرنا چاہئے تاکہ وہ کسی مرتبہ و مقام پر پہنچ جائیں۔ لیکن ایک راستہ اس سب سے نزدیک ہے کہ جس سے مقصود کو بہت جلدی پہنچ سکتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ سالک خلق و خدمت کے ذریعے کسی صاحبدل کے دل میں جگہ پائے۔ چونکہ اس گروہ کا دل نظر حق کا مورد ہے۔ اس لئے سالک کو اُس نظر سے حصہ مل جائے گا۔

(۱۳) ایسی زبان سے دعا کرو کہ جس سے گناہ نہ کیا ہو تاکہ وہ دعا درجہ قبولیت پائے۔ یعنی دوستانِ خدا کے آگے تواضع اور التجا کرو کہ وہ تمہارے واسطے دعا کریں۔

(۱۴) ایک روز کسی نے حضرت عزیزاں کے سامنے یہ مصرع پڑھا ؎

عاشقاں در دمے دو عید کنند

آپ نے فرمایا کہ عاشق ایک دم میں دو کیا تین عید کرتے ہیں۔ اُس نے عرض کیا۔ کہ اس کی تشریح فرمائیے۔ حضرت نے فرمایا کہ بندے کی ایک یاد خدا تعالےٰ کی دو یاد کے درمیان ہے۔ پہلے وہ بندے کو توفیق دیتا ہے کہ اُس کی یاد کرے پھر جب بندہ اسے یاد کرتا ہے۔ تو اُسے شرف قبولیت سے مشرف فرماتا ہے پس توفیق اور یاد اور قبولیت تین عیدیں ہوئیں۔

(۱۵) ایک روز شیخ فخرالدین نوری نے جو اُس وقت کے اکابر میں سے تھے حضرت عزیزاں سے سوال کیا کہ روز ازل میں جب اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے ساتھ سوال ہوا۔ تو ایک گروہ نے لفظ بلیٰ کے ساتھ جواب دیا۔ مگر روز ابد میں جب حق سبحانہ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کہے گا۔ تو کوئی جواب نہ دے گا۔ اس کا سبب کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ روز ازل تکالیف شرعیہ کی وضع کا دن تھا اور شرع میں گفت ہوتی ہے۔ مگر روز ابد تکالیف شرعیہ کے اُٹھا دینے اور ابتدائے عالم حقیقت کا دن ہے اور حقیقت میں گفت نہیں ہوتی۔ اس لئے اُس روز حق سبحانہ خود اپنے سوال کا جواب یوں دے گا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

علاوہ کلمات مذکورہ بالا کے حضرت عزیزاں کی تصنیف سے ایک رسالہ بھی ہے۔ اُس رسالہ میں آپ نے فرمایا ہے کہ سالک راہ کو دس شرطیں نگاہ رکھنی چاہئیں۔ طہارت۔ خاموشی۔ خلوت۔ روزہ۔ ذکر۔ نگہداشت خاطر۔ رضا بحکم خدا۔ صحبت صالحاں۔ شب بیداری۔ نگہداشت لقمہ۔ تفصیل کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ ضروری ہے۔

حضرت عزیزاں کے اشعار میں سے یہ رباعی مشہور ہے۔ ؎

با ہر کہ نشستی و نشد جمع دلت	جس شخص کے پاس تو بیٹھا اور تیری دلجمعی نہ ہوئی
وز تو نرمید زحمت آب و گلت	اور تیری آب وگل کی کدورت تجھ سے دور نہ ہوئی
از صحبت وے اگر تبرا نکنی	اگر تو اُس کی صحبت سے بیزار نہ ہوگا۔
ہرگز نکند روح عزیزاں بحلت	تو عزیزاں کی روح تجھے کبھی معاف نہ کرے گی۔

(رشحات)

۱۵۔ خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہٗ

طریقت میں آپ کا انتساب حضرت عزیزاں سے ہے۔ آپ کا مولد قریہ سماسی ہے جو بقول صاحب رشحات دیہات رامتین میں سے ہے۔ اور رامتین سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ انتباہ میں فرماتے ہیں کہ سماسی مضافات طوس یعنی مشہد سے ہے۔ خواجہ محمد بابا کو اُس کی طرف نسبت کر کے سماسی کہتے ہیں۔

جب حضرت عزیزاں کی وفات کا وقت نزدیک آیا۔ تو آپ نے اپنے اصحاب میں سے خواجہ محمد بابا کو اپنی خلافت و نیابت کے لئے انتخاب کیا۔ اور تمام اصحاب کو ان کی متابعت و ملازمت کا حکم دیا۔

استغراق آپ کی محویت و استغراق کا یہ عالم تھا کہ موضع سماسی میں آپ کا ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ جہاں آپ کبھی کبھی تشریف لے جاتے اور وہاں کے انگوروں کی شاخوں کو اپنے دست مبارک سے تراشتے۔ مگر اس کام میں بہت دیر لگ جاتی۔ کیونکہ جب آپ انگور کی ایک شاخ کو کاٹتے۔ تو غلبہ حال و استغراق کی وجہ سے آری آپ کے دست مبارک سے گر پڑتی اور آپ بیخود ہو جاتے۔ یہ بیخودی و غیبت دیر تک رہتی۔ جب ہوش میں آتے۔ تو پھر شاخ انگور کو کاٹنے لگتے۔ پھر وہی کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی۔

کرامات (۱) آپ نے خواجہ بہاء الدین نقشبند کو اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ جس کی کیفیت اس طرح ہے کہ

حضرت شاہ نقشبند کی ولادت سے پہلے آپ بارہا کوشک ہندواں سے گزرتے اور فرماتے :-

ازیں خاک بوئے مردے مے آید۔ زود باشد کہ کوشک ہندواں قصر عارفاں شود۔

اِس زمین سے ایک مرد کی خوشبو آتی ہے۔ جلدی ایسا ہوگا کہ کوشک ہندواں قصر عارفاں بن جائے گا۔

ایک روز آپ اپنے خلیفہ سید امیر کلال کے مکان سے قصر عارفاں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور وہاں پہنچ کر فرمایا کہ وہ خوشبو اب زیادہ ہوگئی ہے اور بے شک وہ مرد پیدا ہوگیا ہے۔ اُس وقت حضرت نقشبند کی ولادت کو تین روز ہو چکے تھے۔ آپ کے جد امجد آپ کو لے کر خواجہ محمد بابا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ ہمارا فرزند ہے۔ ہم نے اس کو اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ پھر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ یہ وہی مرد خدا ہے جس کی خوشبو ہم نے سونگھی تھی۔ یہ لڑکا عنقریب اپنے وقت کا مقتدا ہوگا۔ بعد ازاں سید امیر کلال کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم میرے فرزند بہاء الدین کے حق میں شفقت و تربیت سے دریغ نہ کرنا۔ اگر تم اس میں کوتاہی کروگے۔ تو میں تمہیں معاف نہ کروں گا۔ امیر موصوف نے کھڑے ہو کر اور ادب سے ہاتھ سینے پر رکھ کر عرض کیا کہ اگر کوتاہی کروں۔ تو میں مرد نہیں۔

(۲) حضرت خواجہ نقشبند سے منقول ہے کہ جب میری عمر اٹھارہ سال یا کچھ کم و بیش کی ہوئی۔ تو میرے جد امجد کو میرے نکاح کی فکر ہوئی۔ انہوں نے مجھے خواجہ محمد بابا قدس سرہٗ کے بلانے کے لئے قصر عارفاں میں بھیجا۔ تاکہ ان کے قدم کی برکت سے یہ کام انجام کو پہنچ جائے۔ جب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ تو پہلی کرامت جو دیکھنے میں آئی یہ تھی کہ اُس رات آپ کی صحبت کی برکت سے مجھ میں بڑا تضرع و نیاز پیدا ہوا۔ رات کے اخیر حصے میں اُٹھ کر میں نے وضو کیا اور آپ کی مسجد مبارک میں جاکر دو رکعت نماز پڑھی۔ اور سر سجدے میں رکھ کر دعا و تضرع بہت کی۔ اس اثنا میں میری زبان سے نکلا: "خدایا! مجھے بلا کا بوجھ اُٹھانے اور اپنی محبت کی محنت برداشت کرنے کی قوت عطا فرما۔" صبح کو جو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے ازروئے فراست و بصیرت میری رات کی سرگزشت سے آگاہ ہو کر فرمایا۔ اے فرزند! دعا میں یوں کہنا چاہئے: "خدایا! اس بندہ ضعیف کو اپنے فضل و کرم سے اُسی پر قائم رکھ جس میں تیری رضا ہے۔" پھر فرمایا کہ بے شک خداء عز و جل کی رضا تو اس میں ہے کہ بندہ بلا میں مبتلا نہ ہو۔ اگر وہ بنا بر حکمت اپنے کسی دوست پر بلا بھیجتا ہے۔ تو اپنی عنایت سے اُس دوست کو اُس بلا کے برداشت کرنے کی قوت عطا فرماتا ہے اور اُس کی حکمت اُس پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اپنے اختیار سے بلا طلب کرنا دشوار ہے۔ گستاخی نہ کرنی چاہئے۔ بعد ازاں کھانا لایا گیا جب کھانے سے فارغ ہوئے۔ تو آپ نے دسترخوان پر سے ایک روٹی مجھے دی میں لینا نہ چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ لے لو۔ کام آئے گی۔ میں نے وہ روٹی لے لی اور آپ کے ہمراہ قصر عارفاں

کی طرف روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں میرے باطن میں جب کوئی خطرہ پیدا ہوتا۔ تو آپ فرماتے کہ باطن کی حفاظت چاہیئے۔ ان حالات کے مشاہدے سے حضرت کی نسبت میرا یقین و اعتقاد زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ راستے میں ایک جگہ پہنچے جہاں حضرت کا ایک محب مخلص تھا۔ وہ بڑی بشاشت اور عاجزی سے پیش آیا۔ جب آپ اس کے مکان میں اترے۔ تو آپ نے اُس کے اضطراب و بیقراری کو دیکھ کر فرمایا کہ سچ بتاؤ۔ اس اضطراب کا سبب کیا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ گھر میں دودھ کا پنیر تو حاضر ہے مگر روٹی موجود نہیں۔ حضرت خواجہ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ وہ روٹی لاؤ۔ تم نے دیکھا کہ آخر کام آگئی۔ یہ پہلے حالات ہیں جو میں نے حضرت بابا سے مشاہدہ کئے۔

وفات | بعض رسائل میں آپ کا سنہ وصال ۸ جمادی الاخرٰے ۷۵۵ھ لکھا ہے۔ مزار مبارک موضع سماسی میں ہے۔ (رشحات۔ انیس الطالبین)۔

۱۶۔ خواجہ شمس الدین امیر کلال قدس سرہٗ

حضرت امیر کلال صحیح النسب سیّد ہیں۔ طریقت میں آپ کا انتساب حضرت بابا سماسی قدس سرہ سے ہے۔ آپ کا مولد قریہ سوخار ہے جو سماسی سے پانچ فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کوزہ گری کا شغل رکھتے تھے۔ فارسی زبان میں کلال کوزہ گر کو کہتے ہیں۔

بیعت | حضرت امیر ابتدائے جوانی میں کشتی لڑا کرتے تھے۔ ایک روز رامیتن میں آپ کشتی لڑنے میں مشغول تھے کہ خواجہ محمد بابا قدس سرہٗ کا گزر اکھاڑے پر ہوا۔ خواجہ ممدوح نظارہ کے لئے ایک دیوار کے سایہ میں ٹھیر گئے اور حضرت امیر کے حالات میں محو ہو گئے۔ حضرت بابا کے خدام میں سے ایک نے پوچھا کہ اے مخدوم! آپ ان لوگوں میں جو بدعت میں مشغول ہیں کس واسطے حیران ہیں۔ فرمایا کہ اس میدان میں ایک مرد ہے اور اس صید گاہ میں ایک ایسا شکار ہے کہ کاملین زمانہ اُس کی صحبت سے فیضیاب ہوں گے کیونکہ اُس کی پرواز نہایت بلند ہے۔ ہم اسی مرد کے منتظر ہیں کہ کاش وہ ہمارے جال میں آ پھنسے۔ اسی اثنا میں اچانک حضرت امیر کی نظر خواجہ محمد بابا پر پڑی اور ان کے دل کا پرندہ خواجہ کی محبت کے جال میں آ پھنسا۔ خواجہ موصوف نے اُسے اپنی قوت جاذبہ سے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس طرح وہ بے اختیار خواجہ کے پیچھے پیچھے ان کے دولتخانہ پر پہنچے۔ اسی روز حضرت خواجہ نے ان کو طریقہ عالیہ کی تلقین کی اور اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ اس کے بعد حضرت امیر کو کسی نے کبھی کشتی کے دنگل اور بازار میں نہ دیکھا۔ اِس

واقعہ کے بعد آپ بطریق خواجگان ریاضت میں مشغول رہے یہانتک کہ حضرت باباکی تربیت کے سایہ میں درجہ تکمیل وارشاد پر پہنچے۔ نقل ہے کہ متواتر آٹھ سال تک آپ ہمیشہ دوشنبہ اور جمعہ کے روز نماز شام سوخار میں پڑھتے اور نماز خفتن سماسی میں حضرت بابا کے ساتھ ادا کرتے اور نماز فجر سوخار میں گزارتے۔ کسی کو بھی ان کے اِس حال پر اطلاع نہ ہوئی۔

تقوٰے ایک روز اتفاقاً رامیتن کے ایک باغ میں حضرت امیر نے اپنے کپڑے دھوئے۔ جب ان کو خشک کرنا چاہا۔ تو یاروں سے فرمایا کہ کانٹوں کی باڑوں پر نہ پھیلاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ باڑ کو نقصان پہنچے۔ اور نہ درختوں کی شاخوں پر پھیلاؤ کہ مبادا شاخیں ٹیڑھی ہو جائیں۔ اور زمین پر بھی نہ پھیلاؤ تاکہ مویشیوں کی گھاس خراب نہ ہو یہ سُن کر یار عاجز رہ گئے اور پوچھنے لگے۔ کہ اے امیر! آپ کس طرح خشک کیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے کپڑوں کو اپنی پیٹھ پر پھیلا لیا کرتا ہوں اور پیٹھ سورج کی طرف کر کے خشک کر لیا کرتا ہوں۔ پھر فرمایا۔ اے یارو! اگر باڑ کو نقصان پہنچے یا کسی درخت کی شاخ ٹیڑھی ہو جائے یا مویشیوں کی گھاس خراب ہو جائے۔ تم باغ کے مالک کے آگے کیا عذر پیش کرو گے۔ یہ عمل تم خلاف شریعت کرتے ہو۔ دوسروں کی ملک میں تصرف جائز نہیں۔ گناہ کو خواہ صغیرہ ہو سہل نہ سمجھو۔ آدمی گناہ کو سہل سمجھنے کے سبب سے دوزخ میں جاتا ہے۔ اسی حال میں حضرت امیر کی زبان مبارک سے نکلا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

لا صغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ مع الاستغفار	اصرار کے ساتھ کوئی صغیرہ نہیں (بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے) اور استغفار کے ساتھ کوئی کبیرہ نہیں رہتا۔

بعد ازاں فرمایا کہ راہ خدا کسی پر نہیں کھلتا جب تک کہ وہ تقوٰے کو اپنا شعار نہ بنائے۔ یہ بیعت کے بعد کا حال ہے۔

زہد جب امیر تیمور نے سمرقند میں قیام کیا۔ تو ایک قاصد کو حضرت امیر کلال کی خدمت میں بھیجا کہ آپ یہاں قدم رنجہ فرمائیں اور اس ولایت کو اپنے قدم مبارک سے مشرف کریں۔ کیونکہ ہمارا آنا دشوار ہے:-

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا (سورہ نمل ع ۳)	تحقیق بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اسکو خراب کر دیتے ہیں۔

وہ قاصد حضرت امیر کی خدمت میں آیا۔ حضرت نے عذر کیا اور فرمایا۔ کہ ہم اسی جگہ دعاگوئی میں مشغول ہیں۔ اور اپنے صاحبزادے امیر عمر نام کو عذر خواہی کے لئے بھیجا۔ اور اُس سے فرمایا کہ امیر تیمور تم کو انعام یا جاگیر دے گا۔ تم ہرگز قبول نہ کرنا اگر قبول کرو۔ تو ہمارے پاس نہ آنا۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

ایسے معاملے قبول نہیں فرماتے۔ اگر تم قبول کرو گے۔ تو اپنے جد بزرگوار صلے اللہ علیہ والہ وسلم کی مخالفت کرو گے۔ علاوہ ازیں درویش ہر وقت مومنوں کے لئے دعا میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر وہ دنیا کی طرف میلان کریں۔ تو ان کی دعا حجاب میں ہو جاتی ہے۔ جب امیر عمر امیر تیمور کے پاس پہنچے۔ تو عذر خواہی کی اور چند روز کے بعد اجازت طلب کی۔ امیر تیمور نے کہا کہ میں نے تمام بخارا تمہیں عطا کیا۔ سید ممدوح نے قبول نہ کیا۔ تیمور نے کہا کہ سارا نہیں تو کچھ حصہ قبول کرو۔ آپ نے انکار کیا کہ اجازت نہیں۔ تیمور نے کہا کہ میں حضرت امیر کے مناسب حال کیا بھیجوں کہ ہمارا تقرب ہو جائے۔ سید امیر عمر نے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ درویشوں کے دل میں تمہارا تقرب ہو جائے تو تقویٰ اور عدل کو اپنا شعار بناؤ۔ کیونکہ حق تعالےٰ در خاصانِ حق کے قرب کا ذریعہ یہی چیزیں ہیں۔

کرامات (۱) حضرت امیر کلال کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں۔ کہ جب آپ پیٹ میں تھے۔ اگر اتفاقاً کبھی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں چلا جاتا۔ تو اس قدر درد ہوتا کہ میں بیہوش ہو جاتی۔ جب یہ کیفیت کئی بار گزری۔ تو مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ بات اس بچے کے قدم کی برکت سے ہے جو میرے پیٹ میں ہے۔

(۲) بیعت سے پہلے ایک روز حضرت امیر کلال کشتی لڑ رہے تھے۔ حاضرین کی ایک سیاہ باطن جماعت غیبت کرنے لگی۔ کہ ایسے بزرگ زادہ اور سید زادہ کو اس کام میں جو بدعت ہے مشغول نہ ہونا چاہئے۔ اسی وقت اس جماعت پر خواب نے غلبہ کیا۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ قیامت برپا ہے اور وہ کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہر چند کوشش کرتے ہیں۔ مگر نکل نہیں سکتے۔ ناگاہ حضرت امیر کلال ان کے پاس پہنچے ہیں اور ان کو اس کیچڑ سے نکال لاتے ہیں۔ جب وہ بیدار ہوئے۔ تو حضرت امیر نے ان کے کان پکڑ کر کہا۔ کہ یارو! ہم اسی روز کے لئے زور آزمائی کرتے ہیں۔ تم درویشوں کے حق میں بد اعتقاد نہ بنو۔ جب انہوں نے یہ حال دیکھا۔ تو سب نے توبہ کی اور مردانِ راہ خدا بن گئے۔ جس بزرگ کا یہ حال کشتی لڑنے کے وقت ہو۔ مابعد کو اسی پر قیاس کر لینا چاہئے۔

(۳) ایک روز حضرت امیر اپنے اصحاب کے ساتھ خواجہ ابوحفص کبیر بخاری نور اللہ مرقدہ کی مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ اور مناسک حج بالتفصیل بیان فرما رہے تھے۔ ایک بے اعتقاد شخص کے دل میں خیال آیا کہ حضرت امیر نے کعبہ کو کب دیکھا ہے کہ بیان کر رہے ہیں۔ یہ مسائل تو وہ بیان کرے جس نے کعبہ کو دیکھا ہو۔ کچھ دیر کے بعد حضرت امیر باہر نکلے۔ اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ اے نادان! دیکھ تجھے کیا دکھائی دیتا ہے۔ اس نے جو نظر اٹھائی۔ تو دیکھا کہ کعبہ حضرت امیر کے سر پر طواف کر رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اے نادان! جس کے پاس ایک درہم نہ ہو۔ وہ اس خیال میں ہے کہ کسی کے پاس کچھ نہیں۔ تاوقتیکہ

تیرے دل کی آنکھ نہ کھلے۔ تجھے کچھ نظر نہ آئے گا۔

(۴) ایک روز حضرت امیر کے اصحاب کی ایک جماعت حضرت جگردوں اتا رحمہ اللہ کے مزار کی زیارت کو گئی جب انہوں نے کچھ فاصلہ طے کیا۔ تو دیکھتے ہیں کہ ایک شیر ان کے راستے میں کھڑا ہے۔ وہ حیران ہوئے حضرت امیر تشریف لائے۔ اور شیر کی گردن پکڑ کر راستہ سے ایک طرف کر دیا۔ جب وہ گزر گئے۔ تو شیر نے بطور تعظیم سر جھکایا اور چل دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اصحاب نے حضرت سے پوچھا کہ یہ کیا حالت تھی۔ فرمایا کہ جو ظاہر و باطن میں حق تعالےٰ سے ڈرتا ہے۔ سب چیزیں اُس سے ڈرتی ہیں۔

(۵) ایک روز حضرت خواجہ بہاء الدین علیہ الرحمۃ قزغان سلطان کے دربار میں جلادی میں مشغول تھے۔ ایک مجرم پیش ہوا۔ سلطان نے اُس کے قتل کا حکم دیا۔ خواجہ ممدوح اُسے قصاص گاہ میں لے گئے۔ اُس کی آنکھیں باندھ لیں۔ تلوار کھینچی۔ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا۔ اور تلوار اُس کی گردن پر ماری۔ مگر تلوار نے اثر نہ کیا۔ دوسری بار اسی طرح کیا۔ مگر تلوار نے اثر نہ کیا۔ تیسری بار ایسا ہی کیا گیا۔ مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت خواجہ نے دیکھا کہ تلوار کھینچتے وقت مجرم ہونٹ ہلاتا تھا اور منہ میں کچھ کہتا تھا۔ حضرت خواجہ نے پوچھا۔ خدا کی عزت کی قسم کہ جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ تو سچ بتا کہ کیا کہتا تھا؟۔ اُس نے جواب دیا کہ میں اپنے شیخ و سید کو یاد کرتا تھا۔ حضرت خواجہ نے پوچھا کہ تیرا شیخ کون ہے؟۔ اُس نے جواب دیا کہ میرے شیخ و سید امیر کلال ہیں۔ پوچھا کہ اِس وقت کہاں ہیں؟ جواب دیا کہ علاقہ بخارا میں قریہ سوخار میں ہیں۔ یہ سُن کر حضرت خواجہ نے تلوار پھینک دی اور فوراً روانہ ہوئے۔ فرماتے تھے کہ وہ بزرگ جو مرید کو تلوار کے نیچے سے بچا لے اگر کوئی اُس کی خدمت بجا لائے تعجب نہیں کہ حق تعالےٰ اُسے دوزخ کی آگ سے بچا لے۔

(۶) ایک روز حضرت امیر مسجد جامع بخارا سے نماز جمعہ ادا کر کے اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ راستے میں فتح آباد و کلاآباد کے درمیان امیر تیمور مع فوج خیمہ زن تھا۔ حضرت نے اپنے یاروں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ یہ امیر تیمور کا خیمہ ہے۔ امیر تیمور یہ سُن کر خیمہ سے نکلا اور حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ اے مخدوم! میں آج آپ کی زبان سے کچھ سننا چاہتا ہوں جس سے میرے دل کو کچھ تسکین ہو۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ فقیر جب تک حضرت عزیزاں کی روحانیت سے اشارہ نہ پائے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہی حال میرے جد بزرگوار صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ مگر تم منتظر رہو۔ جب حضرت امیر گھر پہنچے۔ تو نماز عشا کو جماعت کے ساتھ ادا کر کے حضرت عزیزاں کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اپنے ایک محرم شیخ منصور کو جو قراماں میں رہتا تھا طلب کر کے ارشاد فرمایا کہ فوراً امیر تیمور کے پاس

جاؤ اور اُسے پیغام دو کہ مشائخ بخارا کی ارواح طیبہ نے مملکت خوارزم تمہیں عطا کر دی ہے۔ تم بے توقف سوار ہو کر وہاں پہنچ جاؤ۔ امیر تیمور نے ایسا ہی کیا اور خوارزم سے مظفر و منصور واپس آیا۔

(۷) ایک روز حضرت امیر اپنے اصحاب کے ساتھ بخارا کی جامع مسجد کو جا رہے تھے۔ ایک کسان اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا۔ اس کے غلام نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ آقا نے جواب دیا کہ یہ مفت خورے ہیں۔ حضرت امیر نے نور کرامت سے معلوم کر لیا۔ اور اُسی وقت فرمایا کہ یارو! حضرت امیر کلال نے فرمایا ہے کہ درویشوں کے حق میں بے اعتقادی نہ کرو اور ان کو چشم حقارت سے نہ دیکھو۔ تاکہ دنیا سے ذلیل و خوار ہو کر نہ جاؤ۔ یار حیران ہوئے کہ حضرت نے یہ کیا فرمایا۔ جب مسجد سے واپس آئے۔ کیا دیکھتے کہ وہ شخص (آقا) درد گردہ کے سبب سے قریب الموت ہے۔ جب نزدیک پہنچے۔ تو اُس نے کہا کہ مجھے حضرت امیر کے پاس لے چلو۔ جب نزدیک لائے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ اس شخص نے کارگر تیر کھایا ہے۔ اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اسے واپس لے جاؤ۔ اس کا کام تمام ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ گھر پہنچتے ہی مر گیا۔ مقامات امیر کلال میں حضرت امیر کی اور کرامتیں بھی مذکور ہیں۔

وفات | مرض اخیر میں حضرت امیر نے اپنے اصحاب کو حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی متابعت کا حکم دیا۔ اس پر اصحاب نے عرض کیا کہ حضرت خواجہ نے ذکر علانیہ میں آپ کی متابعت نہیں کی۔ حضرت امیر نے فرمایا کہ اس میں ان کا کچھ اختیار نہیں۔ جو عمل ان پر پیش کیا گیا ہے وہ البتہ بنا بر حکمت الٰہی ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں حضرت امیر قدس سرہ کا سنہ وفات روز پنجشنبہ ۸ جمادی الاولےٰ ۷۷۲ھ مذکور ہے۔ مزار مبارک سوخار میں ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت امیر کے ایک سو چودہ خلیفے تھے۔

کلمات قدسیہ

حضرت امیر اپنے معارف میں اپنے یاروں سے ہمیشہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر عبادت میں تمہاری پیٹھ کبڑی ہو جائے اور ریاضت میں تمہارا جسم کمان کے چلّے کی طرح باریک ہو جائے۔ تو خدائے خالق کے جلال و عظمت کی قسم کہ تم ہرگز مقصود تک نہ پہنچو گے جب تک کہ اپنے لقمہ اور خرقہ کو پاک نہ رکھو اور حضرت مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ تمام کاموں کی اصل اسی پر ہے۔ آیہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ[۱] سے اسی بات کی تاکید و تائید ہوتی ہے۔

وصایا | جب حضرت امیر پر ضعف غالب ہوا۔ تو آپ نے اپنے صاحبزادوں اور یاروں کو جمع کیا اور یہ وصیتیں فرمائیں:۔

---

[۱] اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔ (سورہ مدثر)

(۱) جب تک تم زندہ ہو۔ طلب علم سے ایک قدم دور نہ رہو۔ کیونکہ طلب علم تمام مسلمانوں پر فرض ہے اول علم ایمان۔ دوم علم نماز سوم علم روزہ چہارم علم زکوٰۃ۔ پنجم علم حج اگر استطاعت ہو۔ ششم والدین کی خدمت کا علم۔ ہفتم صلہ رحم اور رعایت ہمسایہ کا علم۔ ہشتم خرید و فروخت کا علم اگر ضرورت ہو۔ نہم حلال و حرام کا علم۔ کیونکہ بہت سے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ بےعلمی کے سبب سے تباہی کے بھنور میں گر پڑتے ہیں اور گر پڑے۔

(۲) چاہئے کہ تم خدا داں بنو اور خدا خواں بھی۔ اور ایسے کام میں مشغول رہو کہ جس سے دنیا کے خیال میں تمہارا دین نہ جاتا رہے۔ ہر وقت خدا تعالےٰ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ کوئی عبادت خدا ترسی سے بہتر نہیں ہے۔ نیز چاہئے کہ جب تم ذکر خدا میں مشغول ہو۔ تو کلمہ لا الٰہ سے تمام ماسوائے حق کی نفی کرو اور غیر مشرع باتیں نہ کرو۔ اور کلمہ الا اللہ سے تمام مشروعات کا اثبات کرو۔ اور اپنے دل میں اِس امر کو نگاہ رکھو کہ کوئی عبادت وسجدے کے لائق نہیں سوائے خدا تعالےٰ کے جو باپ بیٹے اور معونت و مدد سے بےنیاز ہے۔ جب تم نے یہ بات جان لی۔ تو تم ذاکرین میں سے ہوگے۔ اور جان لو کہ کپڑے کو پانی۔ زبان کو خدا تعالےٰ کا ذکر اور تمہارے جسم کو نماز کا ہمیشہ ادا کرنا پاک کر دیتا ہے۔ اور تمہارے مال کو زکوٰۃ اور تمہاری راہ کو مطالبۂ حقوق کرنے والوں کی رضامندی اور تمہارے دین کو شرک سے بچنا پاک کر دیتا ہے۔ یارو! اخلاص اختیار کرو اور اخلاص کے ساتھ رہو۔

(۳) چاہئے کہ تم توبہ کرتے رہو۔ کیونکہ توبہ تمام بندگیوں کا سر ہے۔ توبہ یہ نہیں کہ زبان سے کہو کہ میں توبہ کرتا ہوں توبہ یہ ہے کہ تم پہلے اپنے گناہوں سے دل میں پشیمان ہو اور نیت کرو کہ آیندہ اس گناہ کی طرف نہ جاؤگے۔ اور ہمیشہ رب العزت سے ڈرتے رہو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ اور اپنے مطالبہ حقوق کرنے والوں کو راضی کرو۔ اور گریہ وزاری ایسی کرو کہ توبہ کا اثر اپنے باطن میں مشاہدہ کرو تاکہ تائب کا نام تم پر صادق آئے۔

(۴) چاہئے کہ روزی کا غم تم اپنے دل سے نکال دو۔ اور آخرت اور ادائے بندگی کے غم کو اپنے دل میں جگہ دو۔ کیونکہ تمام کاموں میں اصل یہ ہے۔

(۵) فرمایا کہ ارادت کیا ہے؟ ارادت خدا کی طلب ترک عادت۔ وفائے عہد۔ ادائے امانت۔ ترک خیانت۔ اپنی تقصیر کی دید اور اپنے عمل کی نادید کا نام ہے۔

(۶) ہر حال میں امر معروف اور نہی منکر بجالاؤ۔ اور ہمیشہ دل میں غیر شرع امر اور بدعت کے منکر رہو۔ اور آیہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

[1] اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے جس کا ایندھن آدمی ہیں اور پتھر (سورہ تحریم)

پر غور کرو۔ تاکہ قیامت کے دن تم درماندہ نہ ہو۔ اور جو بات کہ عتبۃ الغلام علیہ الرحمۃ نے فضیل عیاض علیہ الرحمۃ سے ارشاد فرمائی اُس سے آگاہ رہو۔ ایک دن ہوا نہایت سرد تھی۔ عتبۃ الغلام باریک کپڑے پہنے ہوئے سرد ہوا میں کھڑے تھے اور ان سے پسینہ جاری تھا فضیل نے پوچھا کہ اس ٹھنڈی ہوا میں پسینہ کس سبب سے ہے۔ عتبہ نے جواب دیا کہ اس جگہ مجھ سے ایک گناہ صادر ہوا ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ گناہ کیا ہے اور کس طرح کا ہے۔ جواب دیا کہ باوجودیکہ مجھ میں امر معروف کی طاقت تھی اور منع منکر کی بھی طاقت تھی۔ مگر میں نے منع نہ کیا۔ اور امر معروف کو ترک کیا۔ اس لئے ابتک اس شرمندگی میں ہوں اور اس پسینہ میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اب تم اپنے دل میں خیال کرو کہ ہم سے ہر روز کتنے امر معروف اپنے حق میں بالخصوص دوسروں کے حق میں ترک ہوتے ہیں۔ اپنے عملوں کو زر خالص خیال نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ شریعت کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے۔ اگر نیک ہو۔ تو قبول ورنہ رد کر دینا چاہئے۔

(۷) تمام کاموں میں اصل شریعت اور ان حدود کی حفاظت ہے جو حق تعالےٰ نے مقرر کر دی ہیں لیکن عامل کو چاہئے کہ اپنے دل میں خیال کرے کہ اُس حد کے بارے میں جو بندوں میں باہم ہے کتنے وعید نازل ہوئے ہیں۔ پس جو حد کہ بندے اور خدا تعالےٰ کے درمیان ہے اُس کا کیا حال ہوگا۔ وہ حدیں مکان و زمان میں اور نظر اور گفت و شنید میں اور چلنے کھانے پینے اور نفقہ و صدقہ کے لینے اور نہ لینے میں ہیں۔ اس جگہ ان کی رعایت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ موقع اور فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اور وہ کام کرنا چاہئے جو نجات کا سبب ہو۔ اور کسب حلال کی طرف بطریق غنا و کفاف متوجہ ہو نہ کہ لاف و اسراف کے واسطے۔ اس کے بعد نفقہ کی طرف بطریق شرع متوجہ ہو نہ کہ بطریق اسراف یا بخل بلکہ میانہ روی اختیار کرو۔ اگر صدقہ کرو تو حلال کمائی سے کرو۔ رہے حدود روزہ جو سال میں ایک بار آتا ہے۔ سو وہ اپنے تئیں صبح سے شام تک کھانے پینے اور جماع سے روکنا ہے۔ یہ نگہداشت ظاہر روزہ ہے۔ اور اپنے کان کو حرام سننے سے اور ہاتھ کو حرام پکڑنے سے اور پاؤں کو حرام چلنے سے روکنا باطن روزہ ہے حقیقت روزہ یہ ہے کہ روزہ دار اپنے دل کو تمام حالات میں بالخصوص روزے کے وقت میں تکبر۔ حسد۔ طمع۔ ریا۔ نفاق کینہ اور خود پسندی سے پاک رکھے۔ اور چاہئے کہ زکوٰۃ دینے اور اُس کی حدود کی نگہداشت بہایت کوشش سے کرے۔ کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا۔ اس کی نماز اور حج اور کوئی کام قبول نہیں ہوتا۔ نیز فرمایا ہے کہ بخیل خدا تعالےٰ سے اور بندگانِ خدا کے دلوں سے دور ہے۔ اور بہشت سے دور اور دوزخ سے نزدیک ہے۔ اور سخی خدا کی رحمت سے اور بندگانِ خدا کے دلوں سے نزدیک اور دوزخ سے دور ہے۔ نیز تمہیں معلوم رہے کہ آدمی کے دین کو

کوئی چیز اس طرح درست نہیں کرتی جیساکہ حسن خلق اور سخاوت۔

(۸) پھر حضرت امیرنے فرمایا کہ یارو! تمہیں معلوم رہے۔ کہ لوگ اس سبب سے مقصود حقیقی تک پہنچنے سے محروم رہتے ہیں کہ انہوں نے راہ وصول کو چھوڑ دیا ہے اور دنیائے دنی پر قانع ہو گئے ہیں۔ پس صوفی کو چاہئے کہ معرفت و توحید باریتعالےٰ میں اپنے اعتقاد کو درست رکھے اور گمراہی اور بدعت سے دور رہے۔ اور اپنے اعتقاد میں مقلد نہ بنے۔ اور ہر بات میں دلیل و برہان رکھتا ہو۔ تاکہ بوقت حاجت حتی الامکان اُسے بیان کرسکے۔ اے یارو! اس سے بُری کوئی چیز نہیں۔ کہ لوگ تم سے مذہب کی بات کہیں اور تمہیں معلوم نہ ہو کہ یہ دلیل عقلی ہے۔ کیونکہ اگر دوسروں کے لئے غنیمت ہے۔ تو اس گروہ کے لئے کشف ہے۔ جو کچھ معرفت سے دوسروں کا مقصود ہے اُن کے لئے حق سے موجود ہے۔ کیونکہ دوسرے اہل استدلال ہیں اور ہمارے یار اہل وصال ہیں۔ اس گروہ کو اُس گروہ سے کیا نسبت ہے؟ یارو! جان لو کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں کہ جس میں خدا کے دوستوں میں سے کوئی دوست موجود نہ ہو۔ کہ جس کی برکت سے خدا تعالےٰ سب کو شدائد و بلیات سے بچاتا ہے۔ خبردار! تم ایسے مردوں کے طالب رہنا تاکہ ہر دو جہان کی دولت تمہیں نصیب ہو۔

(۹) چاہئے کہ تم علماء کی خدمت میں رہو اور ان کے پاس بیٹھا کرو۔ کیونکہ وہ امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ و السلام کے چراغ ہیں۔ جاہلوں اور ان کی صحبت سے دور رہو۔ اور دنیاداروں سے صحبت نہ رکھو۔ کیونکہ ان کی صحبت تم کو خدا سے دور رکھتی ہے

(۱۰) چاہئے کہ سماع یعنی رقاصوں کی مجلس میں حاضر نہ ہو اور ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔ کیونکہ سماع کی کثرت اور اہل سماع کی صحبت دل کو مردہ بنا دیتی ہے۔ رخصتوں سے دور رہو اور جہانتک ہو سکے عزیمت پر عمل کرو۔ کیونکہ رخصت پر عمل کرنا ضعیفوں کا کام ہے۔ اگر تمہیں زیادہ تفصیل مطلوب ہو۔ تو حضرت قطب الاقطاب خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس سرہٗ کی وصیتوں کا مطالعہ کرو۔ سالک کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ العاقل تکفیہ الاشارۃ۔

جب حضرت سید امیر کلال علیہ الرحمۃ نے یہ وصیتیں کیں۔ تو فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں۔ کہ ہمارے اور ہمارے یاروں کے کام کا سرانجام ان وصیتوں کی نگہداشت پر ہو۔ پھر فرمایا کہ مشائخ متقدمین نے اپنے اپنے مریدوں سے ارشادات فرمائے جن کو وہ بجالائے۔ میں بھی امیدوار ہوں کہ خدا تعالےٰ ہمارے یاروں کو ان وصیتوں پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

مذکورہ بالا وصیتوں کے بعد حضرت امیر تنہائی کے گوشہ میں تشریف لے گئے اور تین دن تک آپنے

کسی صاحبزادے سے بات نہ کی۔ تین دن کے بعد آپ نے مراقبہ سے سر اُٹھایا اور خدا کی بہت حمد کی۔ حاضرین مجلس نے سوال کیا کہ اے مخدوم! آپنے اس مقام میں بہت حمد کی۔ ہمیں بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا سبب کیا ہے۔ حضرت امیر نے فرمایا کہ تین دن سے میں مراقبہ میں تھا اور تنہائی کے گوشہ میں لوگوں کی ملاقات سے متنفر تھا۔ اور دریائے حیرت میں غوطہ زن تھا کہ ہمارا اور ہمارے یاروں کا کیا حال ہوگا۔ ہاتف غیبی نے ہمارے باطن میں یہ ندا دی کہ اے امیر کلال! ہم نے تجھ پر اور تیرے یاروں پر اور تیرے دوستوں پر اور ان لوگوں پر کہ جن پر آپ کے مطبخ کی مکھی بیٹھی ہو رحمت کی اور سب کے گناہ معاف کر دئیے۔ تم خوش ہو کہ خدا تعالٰے اپنے فضل و کرم سے تم پر رحمت کرے گا اور تمہارے گناہ سے درگزر کرے گا۔ حضرت امیر اُسی دن جوار رحمت الٰہی میں چل بسے۔

(مقامات امیر کلال لحفید الامیر حمزہ بن الامیر کلال)۔

۱۷۔ خواجہ خواجگان خواجہ سیّد بہاء الدین نقشبند قدس سرہ

آپ کی ولادت باسعادت ۴ محرم الحرام ۷۱۸ھ میں قصر عارفاں میں ہوئی۔ جو شہر بخارا سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ پیدائش سے پہلے حضرت بابا محمد سماسی نے آپکے تولد مبارک کی بشارت دی تھی۔ تولد سے تیسرے روز آپکے جد امجد آپ کو حضرت بابا قدس سرہ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت بابا نے آپکو فرزندی میں قبول فرمایا اور اپنے خلیفہ سید امیر کلال سے آپ کی تربیت کے بارے میں عہد لیا جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔

طفولیت | لڑکپن ہی سے ولایت کے آثار اور کرامت و ہدایت کے انوار آپ کی پیشانی سے ظاہر و آشکارا تھے۔ چنانچہ آپ کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ میرا فرزند بہاء الدین چار سال ایک ماہ کا تھا۔ میرے پاس ایک گائے تھی جو حاملہ تھی۔ ایک روز میرے فرزند نے اُس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ کہ یہ گائے گوسالہ سفید پیشانی جنے گی۔ چنانچہ چند ماہ کے بعد قدرت حق تعالٰے سے وہ گائے ویسا ہی گوسالہ جنی۔ جنہوں نے میرے فرزند کی بات سنی تھی وہ حیران ہوئے۔ اور حضرت خواجہ محمد بابا کے نفس مبارک کا اثر ثابت ہوگیا۔

چراغوں کا قصہ اور بیعت | آپ کو آداب طریقت کی تعلیم بظاہر سید امیر کلال سے ہے۔ مگر حقیقت میں آپ اویسی ہیں۔ کیونکہ آپ کی تربیت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی روحانیت سے ہوئی ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔ کہ اوائل احوال اور غلبات جذبات و بیقراری میں راتوں کو میں نواحی بخارا میں پھرا کرتا تھا۔

اور ہر مزار پر جاتا تھا۔ ایک رات میں تین مزاروں پر گیا۔ جس مزار پر پہنچتا۔ ایک چراغ ٹمٹماتا نظر آتا۔ چراغ میں پورا تیل اور بتی ہوتی۔ مگر بتی کو ذرا اکسانے کی ضرورت تھی۔ تاکہ تیل سے باہر آجائے اور بخوبی جلے۔ شروع رات میں خواجہ محمد واسع کے مزار مبارک پر پہنچا۔ وہاں اشارہ ہوا کہ خواجہ محمود انجیر فغنوی کے مزار پر جانا چاہیئے۔ جب میں اُس مزار پر پہنچا۔ تو دو شخص آئے۔ انہوں نے دو تلواریں میری کمر پہ باندھیں۔ اور گھوڑے پر سوار کر کے اُس کی باگ مزار مزداخن کی طرف پھیر دی۔ جب وہاں پہنچا۔ تو فتیلہ اور چراغ اُسی حالت میں تھا۔ میں روبقبلہ بیٹھ گیا۔ اور اسی توجہ میں غیبت ہوگئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ قبلہ کی جانب سے دیوار شق ہوگئی اور ایک بڑا تخت ظاہر ہوا تخت پر ایک بزرگ بیٹھا ہے۔ جس کے آگے ایک سبز پردہ لٹکا ہوا ہے اور اُس تخت کے گرد ایک جماعت حاضر ہے میں نے اُس جماعت میں خواجہ محمد بابا کو دیکھا اور جان گیا کہ یہ جماعت گزشتہ بزرگوں کی ہے۔ مگر دل میں خیال آیا کہ وہ بزرگ اس جماعت میں کون ہے اتنے میں اُس جماعت میں سے ایک نے کہا کہ وہ خواجہ عبدالخالق ہیں اور یہ جماعت ان کے خلیفے ہیں۔ خلیفوں کے نام گن گن کر اُس نے ہر ایک کی طرف اشارہ کیا کہ یہ خواجہ احمد صدیق ہیں۔ یہ خواجہ اولیائے کلاں۔ یہ خواجہ عارف ریوگری۔ یہ خواجہ محمود انجیر فغنوی اور یہ خواجہ علی رامیتنی ہیں۔ جب خواجہ محمد بابا سماسی تک پہنچا۔ تو اشارہ کر کے کہا کہ ان کو تم نے حالت حیات میں دیکھا ہے۔ یہ تیرے شیخ ہیں۔ انہوں نے تجھے کلاہ دی ہے۔ کیا تو ان کو پہچانتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں ان کو پہچانتا ہوں کلاہ کا قصہ بہت دنوں کا ہے مجھے یاد نہیں رہا۔ اُس نے کہا کہ وہ کلاہ تیرے گھر میں ہے اور تجھے یہ کرامت عطا ہوئی ہے کہ جو بلا نازل ہو وہ تیری برکت سے دُور ہو جائے گی۔ اُس وقت اس جماعت نے کہا کہ کان لگا کر سنو۔ حضرت خواجہ بزرگ ارشادات فرمائیں گے جو تجھے راہ حق کے سلوک میں کام آئیں گے۔ میں نے اُس جماعت سے درخواست کی۔ کہ میں حضرت خواجہ کو سلام کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے وہ پردہ آگے سے اُٹھا دیا۔ میں نے حضرت خواجہ کو سلام کیا۔ حضرت نے جواب دیا اور ارشادات فرمائے جو سلوک کے ابتدا و وسط و انتہا سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ جو چراغ تجھے اس حالت میں دکھائے گئے تیرے لئے بشارت ہیں اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تجھ میں اس رستے کی استعداد و قابلیت ہے۔ مگر استعداد کی بتی کو اکسانا چاہیئے تاکہ روشن ہو جائے اور اسرار ظاہر ہوں۔ اور قابلیت کے بموجب عمل کرنا چاہیئے تاکہ مقصد حاصل ہو۔ دوسرا ارشاد جس کی آپ نے تاکید فرمائی یہ تھا کہ ہر حال میں جادۂ شریعت و استقامت پر قدم رکھنا چاہیئے اور عزیمت و سنت پر عمل کرنا اور رخصت و بدعت سے دور رہنا چاہیئے۔ اور ہمیشہ احادیث مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیشوا بنانا اور اخبار

رسول اکرم اور آثار صحابہ کرام کی تلاش میں رہنا چاہئے۔ ان ارشادات کے ختم ہونے پر حضرت خواجہ کے خلیفوں نے مجھ سے کہا کہ تیرے حال کی صداقت کا شاہد ایک یہ ہے کہ تو مولانا شمس الدین ایکنوی کے پاس جانا اور کہنا کہ فلاں ترک نے ایک شخص سقا نام پر دعوےٰ کیا ہے۔ حق اس ترک کی طرف ہے اور تم سقا کی رعایت کرتے ہو۔ اگر سقا مدعی کی جانب کی حقیت کا منکر ہو۔ تو اس سے کہنا کہ "اے سقائے تشنہ" وہ اس بات کو جانتا ہے۔ دوسرا شاہد یہ ہے کہ سقا نے ایک عورت سے زنا کیا ہے۔ جب وہ حاملہ ہوگئی۔ تو حمل کو اسقاط کر کے بچہ کو فلاں جگہ میں انگور کے نیچے دفن کر دیا ہے۔ پھر ان خلیفوں نے فرمایا کہ جب تو یہ پیغام مولانا شمس الدین کو پہنچائے۔ تو دوسرے روز صبح کے وقت فوراً تین عدد مویز لینا۔ اور ریگ مردہ کے راستے نسف کی طرف امیر سید کلال کی خدمت میں روانہ ہو جانا۔ جب تو پشتہ فزاخوں پر پہنچے گا۔ تو ایک بوڑھا ملے گا جو تجھے ایک گرم روٹی دے گا۔ وہ روٹی لے لینا مگر اس سے بات نہ کرنا۔ آگے بڑھ کر تجھے ایک قافلہ ملے گا۔ قافلہ سے گزر کر ایک سوار آگے آئے گا۔ جسے تو نصیحت کرے گا اور وہ تیرے ہاتھ پر توبہ کرے گا۔ حضرت عزیزاں کی کلاہ جو تیرے پاس ہے اسے اپنے ساتھ سید امیر کلال کی خدمت میں لے جانا۔ بعد ازاں اس جماعت نے مجھے ہلا دیا اور میں ہوش میں آگیا۔ صبح کو میں فوراً زیورتوں کی طرف اپنے مکان میں گیا۔ اور متعلقین سے کلاہ کا قصہ دریافت کیا۔ وہ بولے کہ مدت ہوئی وہ کلاہ فلاں جگہ میں ہے۔ جب میں نے حضرت عزیزاں کی کلاہ دیکھی۔ میرا حال دگرگوں ہوگیا اور میں بہت رویا۔ اسی وقت میں ایکنہ میں آیا اور نماز فجر مولانا شمس الدین کی مسجد میں پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے وہ قصہ مولانا سے بیان کیا۔ سقا حاضر تھا۔ وہ مدعی کی جانب کی حقیت کا منکر ہوگیا۔ میں نے سقا سے کہا کہ میرا ایک گواہ یہ ہے کہ تو سقائے تشنہ ہے۔ تجھے عالم معنے سے کچھ حصہ نہیں۔ وہ خاموش ہوگیا۔ پھر میں نے کہا کہ میرا دوسرا گواہ یہ ہے کہ تو نے ایک عورت سے زنا کیا۔ وہ حاملہ ہوگئی۔ تیرے حکم سے اسقاط حمل کیا گیا۔ اور بچہ کو تو نے فلاں جگہ میں انگور کے نیچے دفن کر دیا۔ سقا نے اس سے بھی انکار کیا۔ مولانا اور مسجد کے لوگ اس جگہ پہنچے اور تلاش کی۔ تو وہاں مدفون بچہ پایا۔ سقا نے معافی مانگی۔ مولانا اور مسجد کے لوگ رو پڑے اور عجیب حالات ظاہر ہوئے۔ جب وہ دن گزرا۔ میں دوسرے روز آفتاب نکلنے کے وقت جیسا کہ واقعہ میں مامور ہوا تھا تین عدد مویز لے کر ریگ مردہ کے راستے نسف کی طرف روانہ ہونے لگا۔ جب مولانا کو میری روانگی کی خبر ہوئی۔ تو مجھے بلایا اور مجھ پر بڑی عنایت کی۔ اور فرمایا کہ تجھ میں درد طلب پیدا ہوگیا ہے۔ اس درد کی دوا ہمارے پاس ہے۔ تو اسی جگہ ٹھیر جا تاکہ ہم تیری تربیت کا حق بجا لائیں۔ اس ارشاد کے جواب میں میری

زبان سے نکلا کہ میں دوسروں کا فرزند ہوں۔ اگر آپ پستان تربیت میرے منہ میں دیں۔ تو مجھے لینا نہ چاہئے۔ یہ سن کر مولانا خاموش ہو گئے اور سب مجھے اجازت دے دی۔ میں نے اسی وقت کمر مضبوط باندھی۔ اور دو شخصوں کو حکم دیا۔ پس انہوں نے پوری قوت سے ہر طرف سے میرا کمر بند کس دیا اور میں چل پڑا۔ جب میں پشتہ فراخوں پر پہنچا۔ ایک بوڑھا مجھ سے ملا۔ جس نے مجھے ایک گرم روٹی دی۔ میں نے لے لی۔ اور اس سے کوئی بات نہ کی۔ آگے بڑھ کر ایک قافلہ پر میرا گزر ہوا۔ قافلہ والوں نے مجھ سے پوچھا کہ تو کہاں سے آرہا ہے؟۔ میں نے کہا کہ ابکنہ سے۔ وہ بولے کہ وہاں سے تو کب روانہ ہوا۔ میں نے کہا کہ طلوع آفتاب کے وقت۔ میں جس وقت ان سے ملا۔ چاشت کا وقت تھا۔ وہ متعجب ہوئے کہ ابکنہ سے یہاں تک چار فرسنگ کا فاصلہ ہے اور ہم اول شب روانہ ہوئے تھے۔ جب میں ان سے آگے بڑھا۔ تو وہ سوار ملا۔ میں نے سلام کہا۔ اس نے کہا کہ تو کون ہے۔ میں تجھ سے ڈرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ میں وہ ہوں۔ جس کے ہاتھ پر تجھے توبہ کرنی چاہئے۔ اس نے جلدی گھوڑے سے اتر کر بہت تضرع اور توبہ کی۔ اس کے پاس بہت سی شراب تھی۔ وہ سب اس نے پھینک دی۔ جب میں اس سے آگے بڑھا اور نسف کی حد میں پہنچا۔ تو اس جگہ گیا جہاں حضرت سید امیر کلال تشریف رکھتے تھے۔ میں ان کی ملاقات سے مشرف ہوا۔ اور حضرت عزیزاں کی کلاہ ان کے آگے رکھ دی۔ حضرت امیر ایک لحظہ خاموش رہے اور کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ یہ کلاہ حضرت عزیزاں کی ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ حضرت امیر نے فرمایا کہ اس کے بارے میں اشارہ یوں ہوا ہے کہ اس کو دو پردوں کے درمیان محفوظ رکھو۔ میں نے قبول کیا اور کلاہ لے لی۔ بعد ازاں حضرت امیر نے مجھے ذکر کی تلقین کی اور بطریق خفیہ نفی و اثبات میں مشغول کیا۔ میں ایک مدت تک اس سبق میں مشغول رہا۔ میں نے جیسا کہ واقعہ میں مامور ہوا تھا عزیمت پر عمل کیا اور ذکر بالجہر نہ کیا۔ چونکہ مجھے اخبار و آثار رسول کریم و صحابہ کرام کی تفحص کا حکم تھا۔ اس لئے علماء کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور احادیث پڑھا کرتا اور آثار صحابہ معلوم کیا کرتا تھا۔ اور ہر ایک پر عمل کرتا اور اس کا نتیجہ اپنے باطن میں مشاہدہ کرتا۔

حضرت خواجہ نقشبند فرماتے ہیں کہ اوائل احوال میں ایک دفعہ ۹ ماہ تک فیض کا دروازہ مجھ پر بند رہا۔ میں کمزور اور بے چین ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ مخلوق کی خدمت و ملازمت میں مشغول ہو جاؤں۔ اس حال میں میرا گذر ایک مسجد پر ہوا جس پر یہ شعر لکھا ہوا نظر پڑا۔ ؎

اے دوست بیا کہ ما ترائیم   بیگانہ مشو کہ آشنائیم

جب میں نے یہ شعر پڑھا۔ مجھ پر رقت طاری ہوئی۔ اور عنایت الٰہی سے وہ دروازہ پھر مجھ پر کھل گیا۔

فرماتے ہیں کہ مبادی احوال میں ایک رات میں مسجد زیورتوں میں ایک ستون کے پیچھے روبقبلہ بیٹھا تھا۔ ناگاہ غیبت وفنا کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ اور رفتہ رفتہ میں بیخود ہوگیا۔ اور اس حالت میں فنائے کلی کو پہنچ گیا۔ ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہو جاؤ۔ جو مطلوب و مقصود ہے تمہیں مل گیا۔ کچھ دیر کے بعد میں ہوش میں آگیا۔ فرماتے ہیں کہ اس قصہ کے بعد ایک روز میں اُس باغ میں تھا اور اشارہ اُس باغ کی طرف کیا جس میں آپ کا مزار مقدس واقع ہے۔ متعلقین کی ایک جماعت میرے ساتھ تھی۔ ناگاہ عنایت الٰہی کے جذبات کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ اضطراب وبیقراری پیدا ہوئی۔ میں اُٹھ کر روبقبلہ ہو بیٹھا۔ اچانک غیبت واقع ہوئی۔ اور وہ غیبت فنائے حقیقی تک پہنچ گئی۔ میں اس فناء میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ میری روح کو آسمانوں کے ملکوت سے آگے لے گئے۔ اور اس مقام پر پہنچا کہ میری روح ستارہ کی شکل میں نور بے نہایت کے دریا میں محو و ناپدید ہوگئی۔ اور میرے قالب میں حیات ظاہری کا کچھ نشان نہ رہا۔ میرے گھر والے اور متعلقین اُس حالت میں گریہ وزاری کرتے تھے۔ یہانتک کہ میں آہستہ آہستہ وجود بشریت میں آگیا۔ وہ غیبت وفناء کم وبیش چھ گھنٹے رہی تھی۔

مشائخ سے استغفانہ | خواجگان نقشبندیہ کے سلسلہ میں خواجہ محمود انجیر فغنوی کے وقت سے سید امیر کلال کے زمانے تک ذکر خفیہ کو ذکر علانیہ کے ساتھ جمع کیا کرتے تھے۔ مگر خواجہ نقشبند ذکر خفیہ کیا کرتے تھے اور ذکر علانیہ سے پرہیز کرتے تھے جیساکہ اوپر بیان ہوا۔ اور جب حضرت امیر کے اصحاب حلقہ میں ذکر علانیہ کرتے تو حضرت خواجہ مجلس سے اُٹھ جایا کرتے۔ حضرت امیر کے اصحاب پر یہ امر ناگوار گزرتا۔ مگر حضرت خواجہ حضرت امیر کی خدمت و ملازمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ اور ہمیشہ سر تسلیم ان کی ارادت ومتابعت کی آستان پر رکھتے۔ اور حضرت بھی روز بروز حضرت خواجہ کی طرف زیادہ التفات کرتے۔ یہانتک کہ ایک روز آپ کے اصحاب کی ایک جماعت نے خلوت میں آپ کی خدمت میں حضرت خواجہ کی شکایت کی۔ حضرت امیر نے اُس خلوت میں کچھ جواب نہ دیا۔ مگر بعد ازاں ایک دن آپ کے تمام اصحاب چھوٹے بڑے جن کی تعداد پانسو تھی سوخار میں مسجد و جماعت خانہ اور دیگر مکانات کی تعمیر کے لئے جمع تھے۔ اور ہر ایک کام میں لگا ہوا تھا۔ جب مٹی کا کام تمام ہوا۔ آپ نے اُس مجمع میں شکایت کرنے والوں سے فرمایا۔ کہ تم میرے فرزند بہاء الدین کے حق میں بدگمانی کرتے ہو اور غلطی سے اُس کے بعض احوال کو قصور پر محمول کرتے ہو۔ تم نے اُس کو نہیں پہچانا۔ حق تعالےٰ کی نظر خاص ہمیشہ اس کے شامل حال ہے۔ اور بندگان حق تعالےٰ کی نظر حق سبحانہٗ کی نظر کے تابع ہے۔ اُس کے حق میں مزید التفات کے بارے میں میرا کچھ اختیار نہیں۔ پھر حضرت خواجہ کو جو اینٹیں لا رہے تھے طلب کیا۔

اور ان سے یوں خطاب کیا۔

"اے فرزند بہاء الدین! حضرت خواجہ محمد بابا نے جو تمہارے حق میں وصیت کی تھی میں اُسے بجا لایا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جس طرح میں نے تمہاری تربیت کی میرے فرزند بہاء الدین کی تربیت بھی اسی طرح کرنا۔ اور کوتاہی نہ کرنا۔ سو میں نے ویسا ہی کیا ہے۔ اور اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ میں نے یہ پستان تمہارے واسطے خشک کئے اور تمہاری روحانیت کا مرغ بشریت کے بیضہ سے نکل آیا۔ مگر تمہاری ہمت کا مرغ بلند پرواز واقع ہوا ہے۔ ترک و تاجیک سے جس جگہ کوئی خوشبو تمہارے دماغ میں پہنچے طلب کرو اور اپنی ہمت کے بموجب طلب میں کوتاہی نہ کرو۔" اس ارشاد کے مطابق حضرت خواجہ سات سال مولانا عارف دیک کرانی[۱] کی خدمت میں رہے اور ان کی متابعت اور تعظیم و آداب بجا لاتے رہے۔ چنانچہ وضو کے وقت نہر کے کنارے مولانا سے نیچے کی طرف وضو کرنے بیٹھتے۔ اور چلتے وقت مولانا کے قدم پر قدم نہ رکھتے۔ بعد ازاں قثم شیخ کی خدمت میں دو تین مہینے رہے جب پہلے پہل شیخ کی خدمت میں پہنچے ہیں۔ تو شیخ اُس وقت خربزہ کھا رہے تھے۔ شیخ نے چھلکا آپ کی طرف پھینک دیا۔ آپ نے بر سبیل تبرک کھا لیا۔ اسی مجلس میں تین بار ایسا ہی وقوع میں آیا۔ اسی اثناء میں شیخ کے خادم نے آکر اطلاع دی۔ کہ تین اونٹ اور چار گھوڑے گم ہو گئے۔ شیخ نے حضرت خواجہ کی طرف اشارہ کیا حضرت خواجہ مراقب ہو کر متوجہ ہو گئے۔ نماز شام کے ادا کرنے کے بعد خادم نے خبر دی کہ اونٹ اور گھوڑے خود بخود آ گئے ہیں۔ بعد ازاں بارہ سال حضرت اتا کی خدمت میں رہے۔

چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں کہ اوائل حال میں ایک روز میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت حکیم اتا قدس سرہ جو کہ کبار مشائخ ترک سے تھے مجھ سے ایک درویش کی سفارش فرماتے ہیں۔ جب میں بیدار ہوا۔ اُس درویش کی صورت میرے ذہن میں تھی۔ میں نے اپنی دادی سے جو صالحہ تھیں اِس خواب کا ذکر کیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ بیٹا! تجھے مشائخ ترک سے کچھ فیض پہنچے گا۔ میں ہمیشہ اُس درویش کی ملاقات کا طالب رہا۔ ایک روز بازار بخارا میں اُس سے میری ملاقات ہو گئی۔ میں نے اُس کو پہچان لیا۔ اُس کا نام خلیل اتا تھا۔ اُس وقت تو اُس کی صحبت میسر نہ ہوئی۔ جب میں گھر پہنچا اور شام ہو گئی۔ تو ایک قاصد آیا کہ وہ درویش خلیل آپ کو یاد کرتے ہیں میں نے کچھ تحفہ لیا اور بڑے نیاز و شوق سے ان کی خدمت میں گیا۔ جب میں اُن کی ملاقات سے مشرف ہوا۔ تو میں نے چاہا کہ وہ خواب ان سے بیان کروں۔ مگر خود انہوں نے ترکی زبان میں

---

[۱] دیک کراں ایک گاؤں ہے قصبہ ہزارہ سے جو آب کوہک کے کنارے واقع ہے۔ اور وہاں سے شہر بخارا نو فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ مولانا عارف کا مزار مبارک گاؤں سے باہر ہزارہ کے راستے پر ہے۔ (رشحات)

مجھ سے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے وہ ہمارے سامنے عیاں ہے۔ بیان کی ضرورت نہیں۔ یہ سُن کر میرا حال دگرگوں ہوگیا۔ اور میرا میلان خاطر ان کی طرف زیادہ ہوگیا۔ ان کی صحبت میں عجیب حالات دیکھنے میں آتے تھے۔ اتفاقاً کچھ مدت کے بعد ان کو ماوراءالنہر کی بادشاہی مل گئی۔ ایک دفعہ ایام سلطنت میں ایک کام کے لئے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھے اپنی ملازمت و خدمت کی عزت بخشی۔ بادشاہت کے زمانے میں بھی ان سے بڑے بڑے حالات ظہور میں آتے اور میرا میلان خاطر ان کی طرف اور زیادہ ہوتا۔ وہ مجھ پر بڑی شفقت کرتے تھے۔ اور کبھی مہربانی سے اور کبھی غصہ سے مجھے آداب خدمت سکھاتے جس سے مجھے بہت سے فائدے پہنچتے۔ ان آداب کی تعلیم اس راہ کی سیر و سلوک میں مجھے بہت بکار آمد ہوئی۔ میں ان کے عہد سلطنت میں چھ سال اس طریق پر ان کی خدمت میں رہا کہ مجلس عام میں آداب سلطنت بجالاتا اور تنہائی میں ان کا محرم خاص تھا۔ اپنے خواص بارگاہ کے سامنے آپ اکثر یوں فرمایا کرتے کہ جو شخص رضائے حق تعالیٰ کے لئے میری خدمت کرے گا۔ وہ خلق میں بزرگ ہو جائے گا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ کا مقصود کون اور کیا ہے۔ اس سے آپ کا اشارہ اس امر کی طرف تھا کہ بادشاہوں کا اعزاز و اکرام ان کی ظاہری عظمت کی وجہ سے نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ اس واسطے کرنا چاہئے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ان کو اپنے جلال و بزرگی کا مظہر بنایا ہے۔ اِس مدت کے بعد جب اِن کی سلطنت کو زوال آیا۔ تو ایک دم میں وہ خدم و حشم و ملک اُڑتی خاک ہوگئے۔ یہ دیکھ کر دنیا کا تمام کام میرے دل پر سرد ہوگیا۔ میں بخارا میں آیا۔ اور زیورتوں میں جو دیہات بخارا سے ہے ساکن ہوگیا۔

سیر مقامات فرمایا کہ منازل و مقامات کے طے کرنے میں حضرت حسین بن منصور حلاج کی صفت دو مرتبہ میرے وجود میں ظاہر ہوئی۔ نزدیک تھا کہ وہ آواز جو ان سے ظہور میں آئی تھی مجھ سے بھی ظاہر ہو جائے۔ بخارا میں ایک سولی تھی۔ مگر دونوں دفعہ میں اپنے تئیں اس سولی کے نیچے لے گیا اور کہا کہ تیری جگہ یہی سولی ہے۔ عنایت الٰہی سے میں اس مقام سے عبور کرگیا۔

فرمایا کہ اویس قرنی کی روحانیت کا اثر علائق ظاہری و باطنی سے تجرد کلی اور انقطاع تمام ہے۔ اور امام محمد علی حکیم ترمذی کی روحانیت کا اثر بے صفتی محض ہے۔

فرمایا کہ میں نے سلطان بایزید اور شیخ جنید اور شیخ شبلی اور ابن منصور حلاج کے مقامات کی سیر کی۔ جہاں وہ پہنچے تھے میں بھی وہاں پہنچا یہانتک کہ صفات انبیاء کی سیر میں ایسی بارگاہ میں پہنچا کہ جس سے بڑی کوئی بارگاہ نہ تھی۔ میں نے جان لیا کہ یہ بارگاہ محمدی ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

سلطان العارفین جب اس بارگاہ تک پہنچے تھے۔ تو انہوں نے چاہا کہ سیر کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت کریں۔ اس لئے ان کی پیشانی پر دست ردّ مارا گیا۔ مگر میں نے ایسی گستاخی نہ کی۔ بلکہ سر نیاز و تعظیم آپ کے آستانہ عزت و احترام پر رکھا۔

حضرت خضر سے ملاقات | فرمایا کہ غلبات طلب میں ایک روز میں بخارا سے نسف کی طرف جا رہا تھا تاکہ حضرت سید میر کلال کی صحبت کا شرف حاصل کروں۔ جب میں رباط جغراتی میں پہنچا۔ مجھے ایک سوار ملا۔ وہ چرواہوں کی طرح ایک بڑی لکڑی ہاتھ میں لئے اور نمدہ پہنے میرے پاس آیا۔ اور اُس لکڑی سے مجھے مارا اور ترکی زبان میں کہا کہ کیا تو نے گھوڑے دیکھے ہیں۔ میں نے اس سے کوئی بات نہ کی۔ اُس نے کئی بار میرا راستہ روکا اور لکڑی ماری۔ میں نے اس سے کہا کہ میں آپ کو پہچانتا ہوں۔ وہ رباط قراول تک میرے پیچھے آئے اور مجھ سے کہا کہ آؤ کچھ دیر بات چیت کریں۔ مگر میں نے توجہ نہ کی۔ جب میں حضرت سید میر کلال کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے حضرت خضر کی طرف توجہ نہیں کی۔ میں نے عرض کی کہ ہاں۔ میں آپ کی طرف متوجہ تھا۔ اس لئے ان کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔

تربیت مریداں | حضرت علاء الحق والدین قدس سرہ فرماتے تھے کہ ہمارے مرشد حضرت خواجہ کی نظر عنایت کی برکت سے طالبوں کا یہ حال تھا کہ قدم اول میں سب سعادت مراقبہ سے مشرف ہو جاتے تھے۔ جب نظر عنایت زیادہ ہوتی۔ تو درجہ عدم کو پہنچ جاتے۔ جب اس سے بھی زیادہ نظر عنایت ہوتی۔ تو مقام فناء کو پہنچ جاتے اور فانی از خود اور باقی بحق ہو جاتے۔ اِس حال میں حضرت خواجہ یوں فرمایا کرتے کہ ہم تو دولت وصال کے واسطے ہیں۔ ہم سے منقطع ہو کر مقصود حقیقی کو ملنا چاہئے۔ اور ارباب تکمیل و ایصال کا طریقہ یہ ہے کہ اس رستے کے بچوں کو طریقت کے گہوارے میں لٹاتے ہیں اور تربیت کے پستان سے دودھ پلاتے ہیں یہانتک کہ حد فصال کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان سے دودھ چھڑاتے ہیں اور بارگاہ احدیت کا محرم بناتے ہیں۔ تاکہ حضرت عزت جل احسانہ سے بلا واسطہ فیض حاصل کر سکیں۔

زہد و معاشرت | حضرت خواجہ فقیر تھے اور ہمیشہ فقر کی تائید کیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہم نے جو کچھ پایا ہے محبت فقر سے پایا ہے۔ آپ کے دولتخانہ میں موسم سرما میں خاشاک مسجد ہوا کرتا اور گرما میں پرانا بوریا۔ ہر چیز بالخصوص طعام میں حلال کی رعایت اور شبہات سے اجتناب میں نہایت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔ اپنی مجلس میں ہمیشہ اس حدیث نبوی کو بیان فرمایا کرتے تھے۔

ان العبادة عشرة اجزاء تسعة منها طلب الحلال وجزء واحد منها سائر العبادات	عبادت دس جزء ہیں۔ جن میں سے نو طلب حلال ہیں۔ اور ان میں سے ایک باقی عبادات ہیں۔

باوجود کمال فقر کے آپ میں ایثار اعلیٰ درجہ کا تھا۔ جو شخص آپ کی خدمت میں ہدیہ لاتا۔ اتباع سنت کے طور پر آپ اُسی قدر یا زیادہ اُس کے ساتھ احسان کرتے۔ اگر کوئی دوست یا مہمان آپ کے در دولت پر آتا جب شام ہوتی۔ کھانا جس میں کچھ تکلف ہوتا لاتے اور اُس کے آگے رکھتے۔ اور ایک طرف چراغ رکھ دیتے۔ تاکہ وہ کھانا کھالے۔ اگر وہ سو جاتا اور ہوا سرد ہوتی۔ تو خواہ گھر میں فقط ایک کپڑا ہوتا اُس کو اس مہمان پر ڈال دیتے۔ آپ کا گذارہ زراعت سے تھا۔ ہر سال کچھ جَو اور کچھ ماش بوتے۔ بیج۔ زمین اور بیلوں سے کام لینے میں بڑی احتیاط کیا کرتے۔ اکابر و علماء جو حاضر خدمت ہوتے آپ کا طعام بطور تبرک کھایا کرتے۔ شہر میں آپ کا کوئی مکان ملکیتی نہ تھا۔ بطور عاریت رہا کرتے۔ آپ کے ہاں کوئی خادم یا خادمہ نہ تھی۔ جب وجہ دریافت کی گئی۔ تو فرمایا۔ بندگی با خواجگی راست نمے آید۔ آپ فرماتے تھے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالےٰ عنہن کے حجروں میں جَو کا آٹا چھلنی سے نہ چھانا جاتا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الاطعمہ)۔ اس لئے چند روز ہمارے گھر میں جَو کا آٹا بغیر چھانے پکتا۔ تمام متعلقین و فرزندان بیمار ہو گئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس کا باعث یہ تھا کہ اہلبیت رسالت کے ساتھ بے ادبی کی گئی۔ کیونکہ اس کھانے میں صورت مساوات کی تشبیہ پیدا ہو گئی۔ بے شک متابعت میں بہت کوشش کرنی چاہئے۔ مگر حقیقت میں اپنے تئیں ہر امر میں مقصر خیال کرنا چاہئے۔ بعد ازاں جَو کا آٹا نہ پکایا گیا۔ تمام تندرست ہو گئے۔ ؎

ہر کہ پے درپئے رسول نہاد از ہمہ رہرواں بہ پیش افتاد

حضرت خواجہ اکثر اوقات کھانا پکاتے اور دسترخوان کی خدمت خود کیا کرتے تھے۔ اور درویشوں کو بالخصوص طعام کھانے کے وقت وقوف وحضور کی رعایت کا حکم دیتے اور تاکید کرتے۔ اگرچہ دسترخوان پر بڑا اجتماع ہوتا مگر جب ان میں کوئی غفلت سے لقمہ کھاتا۔ تو آپ براہ شفقت و تربیت اُسے آگاہ فرماتے اور لقمہ کھانے نہ دیتے۔ اگر کھانا غصہ اور کراہت سے پکا ہوتا۔ آپ اُسے نہ کھاتے۔ اور درویشوں میں سے بھی کسی کو کھانے نہ دیتے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ غدیوت میں تشریف فرما تھے۔ ایک درویش آپ کی خدمت میں کھانا لایا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں یہ کھانا نہ چاہئے۔ کیونکہ غصہ کی حالت میں پکایا گیا ہے۔ آٹا چھاننے اور خمیر کرنے اور پکانے کے وقت کسی میں غصہ رہا ہے۔

اگر کوئی شخص کفگیر کو غصے یا کراہت کی حالت میں دیگ میں مارتا۔ آپ اُس کھانے کو نہ کھاتے اور فرماتے۔ جو کام غضب و غفلت یا کراہت و دشواری سے کیا جائے۔ اُس میں خیر و برکت نہیں۔

کیونکہ اُس میں نفس و شیطان کا دخل ہو جاتا ہے۔ اُس سے اچھا نتیجہ کب پیدا ہو سکتا ہے۔ اعمال صالحہ اور افعال حسنہ کے صدور کی بنا طعام حلال پر ہے جو توف و آگاہی سے کھایا جائے۔ تمام اوقات بالخصوص نماز میں حضور اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

کرامات (۱) حضرت خواجہ کے ایک مخلص کا بیان ہے۔ کہ جس زمانے میں دشت قبچاق کی طرف ایک لشکر نے بخارا پر حملہ کر کے بہت سی مخلوق کو ہلاک اور بہت سوں کو قید کر لیا۔ وہ میرے بھائی کو بھی قید کر کے لے گئے۔ میرے والد بیٹے کے غم میں بہت پریشان تھے۔ مجھے ہمیشہ کہا کرتے۔ کہ اگر تو میری رضامندی چاہتا ہے تو اپنے بھائی کی تلاش میں دشتِ قبچاق کی طرف جا۔ چونکہ مجھے حضرت خواجہ سے بڑی عقیدت تھی۔ میں مہمات میں ان ہی کی طرف رجوع کیا کرتا تھا۔ میں نے یہ قصہ بھی اُن سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ جلدی جا اور باپ کی رضامندی حاصل کر۔ میں نے ایک درہم بطور نذر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے آپ نے قبول کیا۔ مگر پھر مجھے واپس کر دیا اور فرمایا کہ اسے اپنے پاس رکھنا۔ اس میں بڑی برکتیں ہوں گی جس وقت سفر میں تم کو کوئی مہم پیش آئے۔ تو ہماری طرف متوجہ ہونا۔ میں حسب ارشاد روانہ ہو گیا۔ اس سفر میں تھوڑی سی تجارت سے مجھے بڑا نفع ہوا۔ اور بغیر کسی دشواری کے اپنے بھائی کو خوارزم میں پا لیا۔ قیدیوں کی جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر ہم بخارا کی طرف روانہ ہو گئے۔ کشتی میں لوگ بہت تھے۔ ناگاہ مخالف ہوا چلنے لگی اور کشتی کے غرق ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔ لوگوں نے فریاد شروع کی۔ اُس پریشانی کی حالت میں میرے کان میں کسی کی آواز آئی جو حضرت خواجہ کو یاد کر رہا تھا۔ اُسی وقت مجھے حضرت خواجہ کا وہ ارشاد یاد آیا۔ کہ جس وقت تم کو کوئی مہم پیش آئے۔ تو میری طرف متوجہ ہونا۔ میں نے حضرت خواجہ کی طرف توجہ کی اُسی وقت حضرت خواجہ مجھے دکھائی دئے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ ان کی برکت سے ایک لحہ میں ہوا ٹھہر گئی اور دریا کی لہر موقوف ہو گئی۔ تھوڑی مدت کے بعد ہم دونو بھائی بخارا میں حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔ کہ جس وقت کشتی میں تم نے ہمیں سلام کیا تھا۔ ہم نے سلام کا جواب دیا تھا۔ مگر تم نے نہ سنا تھا۔

(۲) حضرت خواجہ کے ایک درویش کا بیان ہے کہ میرے پچیس دینار عدلی گم ہو گئے۔ لوگوں نے حضرت خواجہ سے یہ قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان دیناروں کو اس گھر کی لونڈی لے گئی ہے آپ نے کنیزک کو حکم دیا کہ عدلی دے دو۔ اُس نے کہا۔ کہ میں نے فلاں جگہ زمین میں دفن کر دئے ہیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ جو زمین میں مدفون ہیں وہ صرف تین دینار ہیں۔ حاضرین متعجب ہوئے۔ جب دیکھا گیا تو

زمین میں تین ہی دینار رہتے تھے۔

(۳) ایک روز حضرت خواجہ ایک درویش کو کسی طرف روانہ کر رہے تھے۔ آپ نے حسب عادت اُس کو بغل میں لیا اور اُس پر نظرِ عنایت ڈالی۔ اتفاقاً اخی محمد دراہنی جو حضرت خواجہ کے بڑے درویشوں میں تھا اُس درویش کے آگے آگے جاتا تھا۔ ایک ساعت کے بعد وہ درویش گر پڑا۔ اور اُس کی روح قالب سے نکل گئی۔ جب اخی محمد نے یہ حال دیکھا۔ تو وہ جلدی حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچا اور ماجراعرض کیا۔ حضرت خواجہ اُس درویش کے پاس تشریف لے گئے اور اپنا قدم مبارک اُس کے سینے پر رکھا۔ وہ ہلنے لگا اور اُس کی روح قالب میں آگئی۔ بعدازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے اس کی روح چوتھے آسمان میں پائی اور وہاں سے واپس کرلی۔

(۴) ایک صحیح النسب سید نے جو حضرت خواجہ سے عقیدت و محبت رکھتا تھا یہ حکایت بیان کی۔ کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ جس روز حاجی قربانیاں دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم بھی قربانی دیتے ہیں۔ ہمارا ایک لڑکا ہے اُسی کو قربان کردیتے ہیں۔ جو درویش اُس سفر میں آپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے یہ بات لکھ لی۔ جب بخارا میں واپس آئے۔ تو معلوم ہوا کہ جس روز کعبہ میں حضرت خواجہ کی زبان مبارک پر وہ الفاظ جاری ہوئے تھے اُسی دن بخارا میں آپ کا وہ لڑکا فوت ہوا تھا۔

(۵) حضرت خواجہ علاء الدین عطار بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز حضرت خواجہ درویشوں کی جماعت کے ساتھ شہر بخارا میں دروازہ کلاباد میں ایک درویش کے مکان پر تشریف رکھتے تھے۔ اتفاقاً وہ درویش حضرت خواجہ کے لئے کلاہ نوروزی سی رہا تھا۔ ایسی کلاہ کو امراء و حکام ہی پہنا کرتے تھے۔ آپ اس وقت حالت بسط میں تھے۔ آپ کی حالت سے درویشوں میں بڑا ذوق پیدا ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں حضرت خواجہ اور درویشوں نے جو آپ کی خدمت میں تھے کلاہ نوروزی سر پر رکھی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ چونکہ ہم نے سلاطین کی ٹوپی سر پر رکھی ہے۔ چاہیئے کہ سلطنت میں تصرف کریں۔ بتاؤ سلاطین میں پہلے ہم کس پر زد کریں۔ ایک درویش پہلوان محمود نام نے حاکم ماوراء النہر کا نام لیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے اُسی پر زد کی۔ حاضرین مجلس نے وہ تاریخ لکھ لی۔ آپ نے اُسی وقت ایک امیر بخاری کی طرف خط لکھا۔ جو حاکم موصوف سے بھاگ کر کابل چلا آیا تھا۔ اور وہ خط ایک کابل جانے والے کے ہاتھ دے دیا۔ اُس خط کا مضمون یہ تھا۔ کہ ایسا واقعہ وقوع میں آگیا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ پانسو دینار نذرانہ بذریعہ حامل خط درویشوں کی خدمت میں روانہ کردو۔ چند روز کے بعد خبر آئی۔ کہ حاکم ماوراء النہر قتل ہوگیا۔ دریافت

کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اُسی تاریخ قتل ہوا تھا۔ یہ سُن کر سب تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ حق تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ایسے تصرفات عطا فرمائے ہیں۔ حضرت خواجہ فرماتے تھے۔ دوستو! جس وقت ہم سے ایسا امر ظہور میں آتا ہے ہم درمیان نہیں ہوتے۔ باوجود کمال قرب کے سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے بیچاروں کا کیا حال ہوگا۔ جو کچھ درویشوں سے صادر ہوتا ہے۔ اُس میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ طالبوں کی رہنمائی کے لئے ایسا ہوتا ہے۔

(۶) ایک درویش نے یہ قصہ بیان کیا۔ کہ ایک روز حضرت خواجہ ایک حوض کے کنارے پر کھڑے تھے۔ جو شہر بخارا سے قبلہ کی طرف ہے۔ اُس حال میں ایک درویش جو لوگوں میں ارشاد و تربیت میں مشہور تھا آپ سے ملنے آیا۔ حضرت خواجہ نے اُس سے فرمایا کہ میں نے سُنا ہے کہ تمہارا ارادہ خوارزم جانے کا ہے اُس نے عرض کی کہ ہاں۔ خواجہ نے فرمایا کہ ہم تمہیں خوارزم نہ جانے دیں گے۔ اُس نے کہا۔ ایسا نہ کہئے۔ آپ کو اس بات کی قدرت نہیں۔ اتفاقاً اُسی اثنا میں مولانا حمید الدین شاشی مع ایک جماعت کے خواجہ کی ملاقات کو آئے۔ حضرت خواجہ نے وہ قصہ مولانا سے ذکر کر کے فرمایا کہ آپ گواہ رہیں۔ ہم اس درویش کو خوارزم نہ جانے دیں گے۔ مولانا نے کہا کہ ہم بھی گواہ ہوئے۔ اس کے بعد وہ درویش خوارزم کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ اقشیہ میں پہنچا۔ جو نواح بخارا میں قافلہ کے اترنے کی جگہ ہے۔ بادشاہ وقت کے قاصد آپہنچے۔ اور انہوں نے خوارزم کا رستہ بند کر دیا۔ اس درویش نے اہل قافلہ کے ساتھ تدبیر کی۔ اور راستے سے برطرف ہو کر کچھ مسافت طے کر کے پھر خوارزم کی راہ ہو لئے۔ مگر وہ قاصد ان کے پیچھے آپہنچے۔ اور اُس درویش کو مع قافلہ کے گرفتار کر لیا اور بخارا کی طرف لے آئے اُس درویش نے شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہ کے نواسہ خواجہ داؤد سے التجا کی۔ اور کچھ مال دے کر قاصدوں سے رہائی پائی۔ جب یہ خبر مولانا حمید الدین کو پہنچی۔ تو انہوں نے بہت تعجب کیا اور فرمایا کہ خواص بندگانِ الٰہی نے اِس طرح تصرف کیا ہے۔

(۷) حکایت ہے کہ حضرت خواجہ غدیوت میں تھے۔ ایک جماعت کچھ انار آپ کی خدمت میں لائی۔ اُس جماعت میں درویش محمد زاہد بھی تھا۔ حضرت خواجہ نے انار تقسیم کر کے فرمایا کہ کھاؤ۔ محمد زاہد نے کہا کہ میرا غلام بھاگ گیا ہے۔ اس لئے مجھے بہت تشویش ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ وہ کسی طرف نہیں جاسکتا۔ دو دن اور دو رات ہمارے پاس ٹھیرو۔ تیسرے روز زیورتون کی طرف اپنے مکان میں چلے جانا۔ غلام کی خبر تم کو مل جائے گی۔ محمد زاہد نے ایسا ہی کیا۔ تیسرے روز جب وہ اپنے مکان میں پہنچا۔ تو پیشتر

اس سے کہ حضرت خواجہ کی بشارت اپنے اہل سے بیان کرے غلام دروازے سے داخل ہوا۔ محمد زاہد اور اس کے گھر والوں نے تعجب کیا۔ اور غلام سے کیفیت دریافت کی۔ اُس نے کہا۔ کہ جب میں بخارا سے نکلا۔ تو میں نے نسف کی طرف جانے کا قصد کیا۔ میں نے کچھ راستہ طے کیا تھا کہ میرے پاؤں میں ایک بیڑی ظاہر ہوئی۔ میں چل نہ سکتا تھا اور گھنٹی کی آواز آتی تھی۔ جس سے مجھے وہم پیدا ہوا کہ یہ آواز بخارا تک پہنچتی ہے۔ جب میں ریورتوں کی طرف لوٹتا۔ وہ بیڑی کھل جاتی اور گھنٹی کی آواز نہ آتی تین دن یہی حال رہا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کیفیت دوسری جگہ سے ہے۔ میں لوٹ کر آپ کی خدمت میں آگیا۔ مجھے معاف فرمائیے۔

(۸) ایک روز حضرت خواجہ قصر عارفاں میں تھے۔ اور شیخ شادی غدیوت سے آئے تھے۔ وہ ایک قصور کے سبب جوان سے سرزد ہوا تھا عذر خواہی کرتے تھے۔ خواجہ نے فرمایا کہ نذرانہ چاہئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک بیل لاتا ہوں۔ خواجہ نے فرمایا کہ نذرانہ میں بیل قبول نہیں۔ اڑتالیس دینار عدلی جو غدیوت میں تم نے مدت سے دیوار کے سوراخ میں چھپائے ہوئے ہیں اور دھوئیں نے وہ جگہ سیاہ کردی ہے نذرانہ میں لانے چاہئے۔ یہ سن کر شیخ شادی کا حال دگرگوں ہوگیا۔ اس لئے کہ سوراخ میں چھپانے کے وقت کسی کو اطلاع نہ تھی۔ وہ جلدی غدیوت میں گئے اور وہ دینار خدمت میں پیش کئے۔ حضرت خواجہ نے ان میں سے ایک دینار شیخ شادی کو واپس کردیا۔ اور فرمایا کہ یہ حرام ہے۔ تجھے یہ کہاں سے ملا۔ اُس وقت شیخ شادی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ان سینتالیس دیناروں سے ایک بیل خرید کر کھیتی کر اور بندگانِ خدا کی خدمت میں صرف کر۔ اس کے بعد شیخ شادی سے اُس ایک دینار کا حال دریافت کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت خواجہ کا مرید بننے سے پہلے میں ایک مدت تک قمار بازی کرتا رہا۔ وہ دینار قمار سے حاصل ہوا تھا۔

(۹) خواجہ علاء الدین عطار بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز حضرت خواجہ درویشوں کی جماعت کے ساتھ ایک درویش کے حجرے میں تھے۔ اس جماعت میں سے بعضے حضرت خواجہ کے اشارے سے دستر خوان کے سامان کے لئے نکلے۔ اور دو فریق ہوگئے۔ ایک فریق بازار صرافاں کی طرف روانہ ہوا۔ انہوں نے حضرت خواجہ کو بازار میں دیکھا اور خیال کیا کہ آپ حجرے سے نکل آئے ہیں۔ دوسرا فریق چوک کی طرف گیا اور انہوں نے حضرت خواجہ کو چوک میں دیکھا اور وہی خیال کیا جو فریق اوّل نے کیا تھا۔ بعد ازاں وہ اخی محمود آہنی سے بازار میں ملے اور اپنا قصہ اُس سے بیان کیا۔ اُس نے کہا کہ میں نے ابھی حضرت خواجہ کو فلاں جگہ دیکھا ہے کہ ایک طرف کو تشریف لے جارہے ہیں۔ یہ سن کر

درویش حیران ہوئے کہ حضرت خواجہ سے کہاں جا کر ملیں۔ اسی فکر میں تھے کہ ایک درویش آیا۔ اور اس نے کہا کہ حضرت خواجہ فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے اصحاب نے کس واسطے اتنی دیر لگائی۔ انہوں نے سارا قصہ اس درویش سے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ جس وقت سے تم حجرے سے نکلے ہو صاحب حجرہ اور میں حضرت خواجہ کی خدمت میں رہے ہیں۔ آپ حجرے سے نہیں نکلے۔ اس وقت آپ نے مجھے تمہارے پیچھے بھیجا ہے۔ اصحاب حیران ہوئے اور اسی حالت میں حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے کیفیت دریافت کی اور اپنا قصہ بیان کیا آپ نے تبسم فرمایا۔ اور صاحب حجرہ یہ سن کر بہت رویا۔ اسی وقت حضرت نے فرمایا کہ ایک دفعہ ماہ رمضان کی شام کو حضرت عزیزاں قدس سرہ کی تیرہ جگہ دعوت ہوئی۔ آپ نے قبول فرمائی۔ راوی کا بیان ہے کہ میں ان دعوتوں میں سے ایک میں حاضر تھا۔ میں نے دوسری جگہوں سے جو دریافت کیا۔ تو یہی سنا کہ حضرت عزیزاں تمام جگہوں میں حاضر تھے[1]۔

(۱۰) ایک درویش کا بیان ہے۔ کہ ایک روز حضرت خواجہ اور شیخ شمس الدین کلال خلیفۂ سید امیر کلال اس ندی کے کنارے بیٹھے تھے جو شیخ سیف الدین اور شیخ حسن بلغاری رحمہما اللہ کے مزار کے سامنے ہے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں مچھلی کے قصہ کا ذکر آیا جو ایک دفعہ شیخ سیف الدین اور شیخ حسن کے درمیان گزرا تھا۔ شیخ شمس الدین کلال نے کہا کہ بے شک اولیاء اللہ کے ایسے تصرفات ہوتے ہیں۔ کیا اس زمانے میں بھی کوئی ایسا بزرگ ہے جس سے ایسے حالات ظہور میں آتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ میں یہ نہیں چاہتا۔ بلکہ ایسے بزرگ بھی ہوتے ہیں۔ کہ اگر مثلاً اس ندی کی طرف اشارہ کر دیں کہ اُلٹی بہے۔ تو اُلٹی بہنے لگے۔ حضرت خواجہ یہ فرما ہی رہے تھے۔ کہ وہ ندی اُلٹی بہنے لگی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا۔ اس پر وہ ندی بدستور سابق بہنے لگی۔ بہت سے لوگوں نے اس کرامت کا مشاہدہ کیا۔ اور حضرت خواجہ کی کمال ولایت کا اعتراف کیا۔

(۱۱) خواجہ علاء الدین عطار نے یہ حکایت بیان کی۔ کہ ایک روز موسم سرما میں حضرت خواجہ نے

---

[1] اولیائے کرام کو اللہ تعالےٰ نے یہ قوت بخشی ہے کہ بعض دفعہ وہ ایک وقت میں متعدد جگہ حاضر ہوتے ہیں اور اُن سے اعمال مختلفہ صادر ہوتے ہیں۔ بقول حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس صورت میں وہ تو اپنی جگہ میں ہوتے ہیں۔ مگر ان کے لطائف مختلف اجساد سے متجسد اور مختلف اشکال سے متشکل ہو کر ایک ہی آن میں متعدد جگہوں میں اعمال عجیبہ وقوع میں لاتے ہیں بعض وقت اس تشکل کی ان کو خبر تک نہیں ہوتی یہ تجسد و تشکل کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم مثال میں پایا جاتا ہے۔ (مکتوبات احمدیہ۔ دفتر دوم مکتوب ۵۸)۔

درویش امیر حسین سے فرمایا۔ کہ ایندھن بہت سا جمع کر لینا چاہئے۔ جب حسب الارشاد بہت سا ایندھن جمع
ہوگیا۔ تو دوسرے دن برف گرنے لگی اور چالیس دن تک گرتی رہی۔ اسی حال میں حضرت خواجہ شیخ شادی
کو ساتھ لے کر خوارزم کی طرف روانہ ہوئے۔ جب حرام کام ندی کے کنارے پر پہنچے۔ تو آپ نے شیخ شادی
سے فرمایا کہ پانی پر قدم رکھ کر گزر جاؤ۔ شیخ نے توقف کیا۔ آپ نے دوبارہ ہیبت سے شیخ کی طرف نگاہ کی
شیخ بے خود ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے۔ تو قدم پانی پر رکھ کر روانہ ہوئے۔ حضرت خواجہ بھی ان کے
پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ جب پانی سے گزر گئے۔ تو خواجہ نے شیخ سے فرمایا۔ کہ اپنے موزہ کو دیکھ
اس کی کوئی جگہ بھیگی یا نہیں۔ شیخ شادی نے دیکھا کہ قدرت الٰہی سے موزہ کی کوئی جگہ نہ بھیگی تھی
اسی طرح ایک دفعہ حضرت خواجہ ایک طرف جا رہے تھے۔ شیخ امیر حسین اور چند درویش ساتھ تھے
ایک نالہ کے پل پر پہنچے۔ آپ نے شیخ سے فرمایا کہ پانی سے گزر جا۔ حسب اشارہ شیخ پانی میں کود پڑے
حضرت پل پر سے گزر گئے۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا۔ امیر حسین! پانی سے نکل آ۔ شیخ پانی سے نکل آئے اور
ان کے کپڑے خشک تھے۔ خواجہ نے پوچھا کہ جس وقت تم پانی میں کودے۔ تمہارا کیا حال تھا۔ عرض کی
میرا حال اچھا تھا۔ میں ایک نہایت صاف مکان میں تھا۔ کچھ دیر کے بعد ایک دروازہ ظاہر ہوا۔ آپ کی
آواز سن کر میں اُس دروازے سے نکل آیا۔

(۱۲) ایک درویش بیان کرتا ہے۔ کہ ایک روز حضرت خواجہ میرے غریب خانہ میں تشریف لائے مجھے
بڑی خوشی ہوئی۔ گھر میں آٹا نہ تھا۔ میں اُسی دن آٹے کی بوری لے آیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ اس
آٹے کو خرچ کرتے رہو۔ مگر اُس کی کمی بیشی کا حال کسی سے ذکر نہ کرنا۔ حضرت خواجہ دو مہینے غریب خانہ میں
رہے۔ ہر روز درویش اور دوست آپ کی زیارت کو آتے تھے۔ اُسی آٹے میں سے پکتا رہا۔ مگر وہ آٹا بدستور
رہا۔ جب حضرت تشریف لے گئے۔ مدتوں بعد اسی میں سے پکتا رہا۔ اور بحال خود اتنا ہی رہا۔ بعد ازاں
میں نے خلاف ارشاد حضرت خواجہ یہ قصہ اپنے اہل و عیال سے ذکر کر دیا۔ پھر وہ برکت نہ رہی۔

(۱۳) سید امیر کلال قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے امیر برہان الدین کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت
خواجہ سوخار میں ہمارے مکان میں تھے۔ میں نے عرض کی۔ کہ مجھے مولانا عارف کی زیارت کا اشتیاق ہے
وہ اس وقت نسف میں ہیں۔ آپ توجہ فرمائیں کہ وہ جلدی آجائیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ہم ان کو
جلدی بلا لیتے ہیں۔ بعد ازاں حضرت خواجہ امیر برہان الدین کے ساتھ خانقاہ کی چھت پر چڑھ گئے
اور تین دفعہ مولانا عارف کو آواز دی۔ پھر فرمایا کہ مولانا عارف نے ہماری آواز سن لی ہے۔ اور اس وقت
چل پڑے ہیں۔ جب مولانا عارف نسف سے بخارا اور بخارا سے سوخار میں آئے۔ تو ان سے حضرت

خواجہ کے بلانے کا قصہ دریافت کیا گیا۔ مولانا عارف نے بیاں کیا۔ کہ فلاں روز فلاں وقت ہم اپنے یاروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت خواجہ کی آواز میرے کان میں آئی کہ چلے آؤ۔ میں جلدی نسف سے بخارا کی طرف روانہ ہوگیا۔

(۱۴) خواجہ علاء الدین عطار ناقل ہیں۔ کہ ایک روز شام کے وقت حضرت خواجہ درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ درویش عطا کے بالاخانے میں تھے۔ پڑوس میں بخارا کے ایک امیر کا محل تھا۔ جس میں قوالوں کی ایک جماعت گا رہی تھی اور صوفیہ کا ایک گروہ رقص کر رہا تھا اور نہایت شور وشغب برپا تھا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے از قبیل ملاہی ہے اس کا سننا جائز نہیں۔ تدبیر یہ ہے کہ ہم کانوں میں روئی ٹھونس لیں۔ حضرت خواجہ کا یہ فرمانا تھا کہ سب کا حال متغیر ہوگیا اور وہ آوازیں کسی کو سنائی نہ دیں۔ صبح کو پڑوسیوں نے رات کے حالات درویشوں سے بیان کرکے دریافت کیا کہ آپ کی رات کیونکر گزری۔ درویشوں نے جواب دیا۔ کہ حضرت خواجہ کی عنایت سے وہ آوازیں ہمیں سنائی نہ دیں۔ یہ سن کر پڑوسیوں نے بہت تعجب کیا۔

(۱۵) خواجہ علاء الدین ناقل ہیں۔ کہ حضرت خواجہ کا ایک درویش ایک روز سیب لایا۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھہرو۔ اس سیب کو ابھی نہ کھاؤ۔ یہ تسبیح پڑھتا ہے۔ حضرت خواجہ کا ارشاد درست تھا۔ حاضرین میں سے بعضے اس سیب کی تسبیح صریحاً سن رہے تھے۔

(۱۶) ایک روز قصر عارفاں میں حضرت خواجہ کے حکم سے درویش مٹی کا چھکڑا کھینچ رہے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت خواجہ کا ایک مرید محمد خرکوتی زیورتون سے آیا۔ وہ حضرت کی زیارت کے لئے بیقرار ہو رہا تھا۔ اس نے درویشوں سے حضرت کا پتہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت دولتخانہ کو تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سن کر محمد خرکوتی فوراً خواجہ کے مکان کی طرف روانہ ہوا اور بیقراری میں پرندے کی طرح اُڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت کے مکان تک دو دفعہ اُڑا۔ درویشوں نے جب یہ حال دیکھا۔ تو اُس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب اُس کے پاس پہنچے۔ تو حضرت خواجہ مکان سے نکلے اور اُن سے یوں ارشاد فرمایا۔ کہ تم اس فقیر بے سروپا سے کیا چاہتے ہو۔ اس صفت سے کچھ حاصل نہیں۔ اس حالت پر کچھ اعتماد نہ چاہئے۔ بہت سے بیگانے ایسے ہوتے ہیں۔ جو پرندے کی طرح ہوا میں اُڑتے ہیں۔ حق طلبی اور ہی چیز ہے۔ درویش یہ سن کر بہت ڈرے۔ اُس حال میں حضرت خواجہ نے ان سے کہا۔ کہ چھکڑے میں مٹی بھر دو۔ پھر آپ نے چھکڑے کی طرف اشارہ کیا۔ چھکڑا خود بخود چلتا تھا۔ اور مٹی گرا کر واپس آجاتا تھا۔ حاضرین یہ دیکھ کر اپنے فعل سے پشیمان ہوئے۔

(۱۷) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ نسف میں تھے۔ جاڑے کا موسم تھا۔ حضرت کو بخارا جانے کا اتفاق ہوا۔ اُسی سفر میں خواجہ محمد پارسا جو مولانا حافظ الدین کبیر بخاری کے صاحبزادوں سے تھے آپ کے ہمراہ تھے۔ اُس روز ابر ہو رہا تھا۔ نسف کے درویشوں نے حضرت سے درخواست کی۔ کہ ٹھیر جائیے۔ مگر آپ نہ ٹھیرے۔ درویشوں کی ایک بڑی جماعت آپ کے ہمرکاب تھی۔ مینہ برسنے لگا۔ اور ہر لحظہ زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ حضرت نے خواجہ محمد پارسا کی طرف اشارہ کیا کہ مینہ سے کہہ دو۔ ٹھیر جا۔ خواجہ محمد نے حضرت کی موجودگی میں ایسی گستاخی نہ کی۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ یوں کہہ دے۔ اے مینہ! ٹھیر جا۔ پس محمد پارسا نے کہا۔ اے مینہ ٹھیر جا۔ اُسی وقت مینہ بند اور مطلع صاف ہو گیا اور سورج نکل آیا۔

(۱۸) ایک درویش کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ غدیوت میں درویش اسحاق کے مکان میں کھانا تیار کر رہے تھے۔ تنور میں آگ شعلہ زن تھی۔ اسی حالت میں آپ نے اپنا دست مبارک اس تنور میں ڈال دیا اور کچھ دیر تک رکھا۔ بعد ازاں نکال لیا۔ عنایت الٰہی سے دست مبارک کا بال تک نہ جلا۔ ؎

خلیل اللہ با آتش ہمے گفت　　اگر موئے زمن باقیست مے سوز

یہ دیکھ کر حاضرین خوش وقت ہوئے۔

(۱۹) ایک درویش ناقل ہے کہ میں اور ایک اور درویش اس باغ میں جہاں اب حضرت خواجہ کا مزار مبارک ہے آپ کی خدمت میں تھے۔ آپ تکیہ کئے بیٹھے تھے۔ ایک ساعت کے بعد آپ میں ایک ہیبت ناک حالت پیدا ہوئی۔ وہ درویش بیہوش ہو کر گر پڑا۔ حضرت اُٹھ کر حوض کے گرد پھرنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے ایک سیب کا درخت اپنی کولی میں لے لیا۔ ایک لحظہ میں آپ کا وجود مبارک اتنا بڑا ہو گیا کہ تمام باغ اس سے پُر ہو گیا۔ جہاں میری نگاہ پڑتی تھی۔ آپ کا وجود مبارک ہی دکھائی دیتا تھا۔ بعد ازاں میں نے پھر جو نظر اُٹھائی۔ تو آپ کا وجود چھوٹا ہونے لگا یہانتک کہ اُس کا نشان تک نہ رہا۔ میں نے پھر جو دیکھا۔ تو آپ کے وجود مبارک کا اثر ظاہر ہوا یہانتک کہ اصلی حالت پر آگیا اور آپ وہی سیب کا درخت اپنی کولی میں لئے نظر آئے۔ میں نہایت حیران ہوا کہ یہ کیا حالتیں ہیں۔ اُسی وقت حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ایسے احوال حضرت عزیزاں علیہ الرحمۃ کی نسبت بھی منقول ہیں۔

(۲۰) ایک روز حضرت خواجہ کا ایک درویش نیک روز نام سوخار سے آپ کی خدمت میں آیا۔ وہ بہت دلگیر تھا۔ حضرت نے سبب پوچھا۔ اُس نے عرض کی۔ کہ سوخار میں ایک شخص حسین نام نے مجھے بہت برا بھلا کہا۔ مگر اس سے مجھے رنج نہ ہوا۔ جب اُس نے آپ کی بے ادبی کی۔ تو مجھے نہایت رنج ہوا۔

آپ نے فرمایا۔ کہ وہ جلدی دنیا و آخرت میں رسوا ہوگا۔ نیک روز کا بیان ہے۔ کہ جب حضرت خواجہ نے یہ فرمایا۔ نماز دیگر کا وقت تھا۔ میں آپ کی خدمت سے رخصت ہوکر نماز شام کے وقت سوغار میں پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ حسین اپنے خادم کے لئے زراعت میں کھانا لے جا رہا ہے۔ جب خادم کھانا کھانے لگا۔ تو حسین اپنے خادم کا کام کرنے لگا۔ اسی وقت ایک بھیڑیا آیا۔ جس نے لپک کر حسین کی ناک اور ہونٹ نوچ لئے اور اس کی شکل نہایت بھونڈی ہوگئی وہ لوگوں میں رسوا ہوگیا۔ اس کا قصہ مشہور ہوگیا اور حسین گرگ گرفتہ اس کا لقب ہوا۔

حضرت خواجہ کی کرامات بہت ہیں۔ ہم نے نظر بر اختصار ہیں ہی پر اکتفا کیا ہے۔

وفات | خواجہ علاء الدین عطار کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ کے انتقال کے وقت ہم سورہ یٰسین پڑھ رہے تھے۔ جب سورت نصف ہوئی۔ تو انوار ظاہر ہونے لگے۔ ہم کلمہ پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ کا سانس منقطع ہوگیا۔ حضرت کی عمر شریف پورے تہتر سال کی تھی۔ اور چوہترویں سال میں، دوشنبہ کی رات ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک قصر عارفاں میں ہے۔

کلماتِ قدسیہ

(۱) اس راستے میں وجود کی نفی اور نیستی اور اپنے تئیں کم سمجھنا بڑا کام ہے۔ مقصد حقیقی کی دولت کا حاصل ہونا قبولیت پر موقوف ہے میں نے اس حالہ میں موجودات کے طبقوں میں سے ہر طبقہ کی سیر کی۔ اور اپنے آپ کا ذروں میں سے ہر ذرے کے ساتھ مقابلہ کیا۔ میں نے سب کو حقیقت میں اپنے آپ سے بہتر دیکھا۔ یہانتک کہ میں نے فضلات کے طبقہ کی بھی سیر کی۔ اور ان میں فائدہ دیکھا۔ مگر اپنے آپ میں کوئی فائدہ نہ پایا۔ کتے کے فضلہ تک پہنچا مجھے خیال ہوا کہ اس میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ایک مدت میں نے اپنے تئیں اس خیال پر برقرار رکھا۔ آخرکار معلوم ہوا کہ اس میں بھی کوئی فائدہ ہے۔ غرض مجھے تحقیق معلوم ہوگیا کہ مجھ میں کسی طرح کا کوئی فائدہ نہیں ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

از ہیچکسی خویشتن بے خبرم	میں اپنی ناقدری سے بے خبر ہوں۔
از ہیچ سگے بہ نیم الا بترم	میں کسی کتے سے اچھا نہیں مگر بدتر ہوں۔
ہر چند بحال خویش مے نگرم	میں ہر چند اپنے حال پر غور کرتا ہوں۔
یک جبہ نیرزد ز قدم تا بسرم	میرے سر سے قدم تک ایک جبہ قدر و قیمت نہیں رکھتا۔

(۲) ایک دن ایک لڑکا گھر سے نکلا قرآن شریف اس کے پاس تھا۔ اس نے حضرت خواجہ کو سلام کیا۔ جب آپ نے قرآن مجید کھولا۔ تو یہ آیت نکلی۔

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ	اور ان کا کتا اپنے دونو ہاتھ چوکھٹ پر پھیلا رہا ہے۔ (سورۂ کہف ع)

خواجہ نے فرمایا کہ امید ہے کہ ہم وہ ہوں گے۔

(۳) کبار اہل حقیقت کا قول ہے۔ کہ اس راستے کا سالک اگر اپنے نفس کو سو بار فرعون کے نفس سے بدتر نہیں جانتا وہ اس راستے میں نہیں ہے۔

(۴) جن دنوں میں حضرت خواجہ شہر سرخس میں تھے ملک حسین کے قاصد ہرات سے آئے اور انہوں نے بادشاہ کا فرمان دکھایا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ ہمیں درویشوں کی صحبت کا اشتیاق ہے۔ آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ اگرچہ حضرت خواجہ کو ملوک و سلاطین کی ملاقات کی عادت نہ تھی۔ لیکن اس سبب سے کہ اگر ملک حسین طوس یا سرخس کی طرف متوجہ ہوتا۔ تو اس ولایت کے باشندوں پر دشوار ہوتا۔ حضرت خواجہ بذات خود ہرات کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب بادشاہ کی مجلس میں پہنچے۔ وہاں بڑا ہجوم تھا۔ اور مملکت ہرات کے اعیان وارکان اور نوکر چاکروں کی ایک بڑی جماعت حاضر تھی۔ بادشاہ نے حضرت خواجہ سے سوال کیا کہ کیا آپ کی درویشی موروثی ہے۔ خواجہ نے جواب دیا کہ نہیں۔ بحکم جذبة[1] من جذبات الحق توازی عمل الثقلین ایک جذبہ پہنچا اور میں اس سعادت سے مشرف ہوگیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا آپ کے طریقہ میں ذکر جہر اور سماع و خلوت ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر تمہارا طریقہ کیا ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ خواجہ عبد الخالق غجدوانی کے خاندان کا قول ہے کہ خلوت در انجمن چاہئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ خلوت در انجمن کیا ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں حق کے ساتھ ہونا۔ ؎

از دروں شو آشنا و ز بروں بیگانہ وش اینچنیں زیبا روش کم مے بود در جہاں

بادشاہ نے کہا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی کتاب کریم میں فرماتا ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (سورۂ نور ع ۵)	وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے۔

کچھ دیر کے بعد بادشاہ نے سوال کیا کہ بعضے مشائخ نے کہا ہے کہ ولایت افضل ہے نبوت سے۔ وہ کونسی ولایت ہے جو نبوت سے افضل ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ اُسی نبی کی ولایت[2] افضل ہے اُس کی

[1] جذبات حق میں سے ایک جذبہ جن و انس کے عمل کے برابر ہے۔

[2] حضرت خواجہ نے بعضے مشائخ کے قول کی تاویل بیان فرمائی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بعضے رسائل میں ثابت کیا ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے خواہ اُسی نبی کی ولایت ہو اور حق بھی یہی ہے۔ جن مشائخ نے اس کے خلاف کہا ہے اُن کا قول مقام نبوت کے کمالات کی بے علمی کے سبب سے ہے۔ مکتوبات احمدیہ۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۵۱۔

اس طرف توجہ تھی اسی سبب سے جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے مہینہ کے دنوں کی تعداد بیان کرنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اُٹھا کر اشارہ فرمایا۔ کہ مہینہ ایسا ہوتا ہے۔ ایسا ہوتا ہے ایسا ہوتا ہے اور تیسری بار نو انگلیاں اُٹھائیں اور محسوس کرا دیا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے اور زبان مبارک سے نہ فرمایا۔

(۱۳) تیرا حجاب تیرا وجود ہے دع نفسك وتعال یعنی اپنے نفس کو دروازے پر چھوڑ اور اندر جا۔ سہ

از تو تا دوست رہ بسے نیست توئی در رہ تو خاشاک وخسے نیست توئی

صحیح حدیث میں جو اماطۃ الاذیٰ عن الطریق آیا ہے۔ اس سے وجود بشریت کی نفی کی طرف اشارہ ہے۔ اور حدیث قدسی میں جو وارد ہے کہ

نفسك مطیتك فارفق بها | یہ النفس تیری سواری ہے۔ تو اُس کے ساتھ نرمی کر۔

یہ نفس مطمئنہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو الّا مارحم ربی کی خلعت سے مشرف ہو گیا ہے۔

(۱۴) ولایت ایک نعمت ہے۔ ولی کو چاہئے کہ جانے کہ میں ولی ہوں تاکہ اس نعمت کا شکر ادا کرے۔ عنایت الٰہی ولی کے شامل حال ہوتی ہے۔ اُس کو کال خود نہیں چھوڑا جاتا بلکہ اُس کو بشریت کی آفتوں سے بچایا جاتا ہے۔ خوارق عادات اور احوال و کرامات کے ظہور کا کچھ اعتبار نہیں۔ افعال و اقوال میں استقامت درکار ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب حقائق التفسیر میں آیت فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ کی تفسیر میں ارباب حقیقت میں سے ایک سے نقل کیا ہے۔ کہ تو استقامت کا طالب بن اور کرامت کا

سہ صحیحین میں بروایت حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے ستر سے چند اوپر شعبے ہیں جن میں سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ادنٰے اماطۃ الاذیٰ عن الطریق ہے اس کے معنی ہیں راستے سے آزار دہ چیز کا دور کرنا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں بحقیقت ایں رمزے است بترک وجود و دعوی ہستی کہ مبدأ ہمہ شر و قبائح است سہ بردار خار وسنگ زرہ ایں چہ رمز بود۔ (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الایمان)۔

سہ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ۚ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (پارہ ۱۳ سورۃ ع ۱)

اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا۔ تحقیق نفس البتہ بُرائی کا حکم کرنے والا ہے مگر جو میرا رب رحم کرے۔ بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے

طالب نہ بن۔ کیونکہ تیرا رب تجھ سے استقامت طلب کرتا ہے اور تیرا نفس تجھ سے کرامت طلب کرتا ہے۔

صوفیہ کرام کے اقوال میں سے ہے۔ کہ اگر ولی باغ میں آئے اور درختوں کے ہر پتے سے یہ آواز آئے یا ولی اللہ۔ تو چاہیئے کہ ظاہر و باطن میں اُسے اس آواز کی طرف کچھ التفات نہ ہو۔ بلکہ بندگی و تضرع میں اُس کی کوشش ہر لحظہ زیادہ ہو۔ اس مقام کا کمال حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا کہ خدا کا احسان و اکرام و انعام آپ پر جس قدر زیادہ ہوتا اُسی قدر آپ کی بندگی اور نیازمندی اور مسکنت زیادہ ہوتی۔ اسی وجہ سے آپ فرماتے "کیا میں شکرگذار بندہ نہ بنوں"؟

(۱۵) گروہ صوفیہ کی تین قسمیں ہیں۔ مقلد۔ کامل۔ کامل مکمل۔ مقلد اس پر عمل کرتا ہے جو اپنے شیخ سے سُن لیتا ہے۔ کامل فیض رسانی میں اپنی ذات سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ دوسروں کی تربیت سوائے کامل مکمل کے نہیں کرتا اور نہیں کر سکتا

(۱۶) ہمارا طریقہ نوادر سے ہے اور محکم دست آویز ہے اور سنت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے دامن کو پکڑنا اور آپ کے صحابہ کرام کے آثار کی پیروی کرنا ہے۔ اس راہ میں ہمیں بفضل الٰہی لایا گیا ہے[۱] اول سے آخر تک ہم نے یہی فضل الٰہی مشاہدہ کیا ہے نہ کہ اپنا عمل۔ اس طریقہ میں تھوڑے سے عمل سے بہت فتوح حاصل ہوتی ہیں۔ مگر سنت کی متابعت کی رعایت بڑا کام ہے۔

(۱۷) ہمارا طریق صحبت[۲] ہے۔ کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے۔

(۱۸) خیریت جمعیت میں ہے اور جمعیت صحبت میں ہے بشرطیکہ ایک دوسرے میں نفی ہو جائیں۔

(۱۹) مرشد کو چاہیئے کہ طالب کے تینوں حال (ماضی۔ حال۔ مستقبل) سے باخبر ہو تاکہ اُس کی تربیت کر سکے۔ طالب کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے۔ کہ جس وقت خدا تعالیٰ کے دوستوں میں سے کسی دوست کی صحبت میں ہو اپنے حال سے واقف ہو اور صحبت کے زمانہ کا گذشتہ زمانہ سے مقابلہ کرے۔ پس اگر وہ نقصان سے کمال کی طرف کچھ تفاوت دیکھے۔ تو بحکم اصبتَ[۳] فالزم اُس بزرگ کی صحبت کو اپنے

---

[۱] یہ محض فضل الٰہی ہے کہ حضرت خواجہ کی درخواست پر اللہ تعالےٰ نے آپ کو ایسا طریقہ عطا کیا کہ دوسروں کی نہایت اس کی ہدایت میں مندرج ہے۔ اسی واسطے آپ فرمایا کرتے تھے۔ ما فضلیا نیم۔ مکتوبات احمدیہ۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۶ و ۳۰۲۔

[۲] صحبت سے مراد موافقان طریق کی صحبت ہے۔ نہ کہ مخالفان طریق کی۔ کیونکہ ایک دوسرے میں نفی ہونا صحبت کی شرط ہے۔ اور وہ نفی بغیر موافقت کے حاصل نہیں ہوتی۔ مکتوبات احمدیہ۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۶۵۔

[۳] تو نے پالیا۔ پس لازم پکڑ

اوپر فرض جانے

(۲۰) طریقہ سب ادب ہی ادب ہے۔ طلب راہ کی ایک شرط ادب ہے۔ ایک ادب حق سبحانہ کی نسبت ہے۔ اور ایک ادب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہے اور ایک ادب مشائخ طریقت کی نسبت ہے۔ حق تعالیٰ کی نسبت ادب یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں بشرط کمال بندگی اُس کے حکموں کو بجالائے اور ما سوا سے بالکل مُنہ پھیر لے۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ادب یہ ہے کہ اپنے تئیں ہمہ تن آپ کی اتباع و پیروی کے مقام میں رکھے۔ اور تمام حالات میں آپ کی واجب خدمت کو نگاہ رکھے۔ اور آپ کو تمام موجودات اور حق سبحانہ کے درمیان واسطہ سمجھے۔ جو کوئی ہے اور جو کچھ ہے سب کا سر آپ کے آستان عزت پر ہے۔ جو ادب مشائخ کی نسبت طالبوں پر لازم و واجب ہے وہ اِس جہت سے ہے کہ مشائخ سنتِ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے سبب سے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ لوگوں کو حق کی طرف بلائیں۔ پس درویش کو چاہئے کہ غیبت و حضور میں ان کا ادب ملحوظ رکھے۔

(۲۱) ذکر کی تعلیم کسی کامل مکمل سے ہونی چاہئے۔ تاکہ موثر ہو اور اُس کا نتیجہ ظہور میں آئے۔ تیر اوستاد کی ترکش سے لینا چاہئے تاکہ نشانہ یاں حمایت ہو۔

(۲۲) وقوف عددی علم لدنی[1] کا اول مرتبہ ہے

(۲۳) لا الٰہ نفی آلہۂ طبیعت ہے اور الا اللہ اثبات معبود حق۔ اور مقصود ذکر سے یہ ہے کہ ذاکر کلمۂ توحید کی حقیقت کو پہنچ جائے۔ بہت دفعہ کہنا شرط نہیں۔ اور کلمۂ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ اس کلمہ کے کہنے سے ماسوا بالکل نفی ہو جائے۔

(۲۴) وقوف زمانی جو سالک کا کارگزار ہے۔ یہ ہے کہ سالک اپنے احوال سے واقف رہے کہ ہر زمانہ میں اُس کا حال کیسا ہے۔ موجب شکر ہے یا موجب عذر خواہی۔

(۲۵) سالکین خواطر[2] شیطانی و نفسانی کے دور کرنے میں متفاوت ہیں۔ بعضے ایسے ہیں کہ پیشتر اس کے

---

[1] علم لدنی وہ علم ہے جو اہل قرب کو تعلیم الٰہی اور تفہیم ربانی سے معلوم و مفہوم ہوتا ہے نہ کہ دلائل عقلی و شواہد نقلی سے چنانچہ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کی نسبت آیا ہے۔ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ ترجمہ۔ اور ہم نے سکھایا تھا اُس کو اپنے پاس سے ایک علم۔ (سورہ کہف۔ ع)۔

[2] خواطر جمع ہے خاطر کی۔ خاطر وہ کلام و خطاب ہے جو دل پر وارد ہو یا وہ وارد ہے جس میں بندے کے قصد و عمل کو دخل نہ ہو۔ خاطر جو خطاب ہو اس کی چار قسمیں ہیں۔ اول ربانی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں القا ہو۔ دوم ملکی جو فرشتے کے القاء سے ہو۔ اُسے الہام کہتے ہیں۔ سوم۔ نفسانی جو نفس کی طرف سے ہو۔ اُسے ہاجس کہتے ہیں جس کی جمع ہواجس آتی ہے۔ چہارم شیطانی جو شیطان کے القاء سے ہو۔ اُسے وسواس کہتے ہیں۔ رسالہ قشیریہ وغیرہ۔

کہ نفس و شیطان سے کوئی خطرہ دل میں آئے اُسے دیکھ لیتے ہیں اور وہیں سے اُس کو دور کر دیتے ہیں۔
اور بعضے ایسے ہیں۔ کہ جب کوئی خطرہ دل میں آتا ہے۔ تو اُسے قرار پکڑنے سے پہلے دفع کر دیتے ہیں۔ اور
بعضے ایسے ہیں کہ خطرہ کو قرار پکڑنے کے بعد دفع کرتے ہیں۔ مگر یہ چنداں مفید نہیں۔ ہاں اگر اس کے
منشا اور اس کے انتقالات کے سبب کو معلوم کرلیں۔ تو فائدہ سے خالی نہیں۔

(۲۶) راہ کہ جس کے ذریعے عارف مقصود حقیقی کو پا لیتے ہیں اور دوسرے محروم رہجاتے ہیں تین
ہیں۔ مراقبہ۔ مشاہدہ۔ محاسبہ۔ خالق کی طرف دوام نظر اور مخلوق کی رویت کا نسیان مراقبہ کہلاتا ہے۔
یعنی سالک کو چاہئے کہ ہر وقت جناب احدیت کی طرف نظر رکھے اور تمام مخلوقات کی ہستی کی
پیشانی پر نیستی و فنا و نسیان کا خط کھینچ دے۔ مراقبہ کا دوام نادر چیز ہے۔ اس گروہ میں سے کم ہیں
جنہوں نے یہ بات حاصل کی ہے۔ ہم نے اُس کے حصول کا طریق معلوم کرلیا ہے اور وہ نفس کی مخالفت
ہے۔ مشاہدہ سے مراد ان واردات غیبیہ کا معائنہ ہے جو دل پر نازل ہوتے ہیں۔ چونکہ وارد جلدی گزرنے
والا ہے اور قرار نہیں پکڑتا تاہم اُس وارد کا ادراک نہیں کرسکتے۔ مگر صفت بسط و قبض سے جو ہم میں پیدا
ہوتی ہے اُسے معلوم کرلیتے ہیں۔ قبض میں صفت جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بسط میں صفت جمال کا۔
محاسبہ یہ ہے کہ ہر ساعت جو کچھ ہم پر گزرے اُس کا حساب کریں کہ اُس میں غفلت کیا اور حضور کیا ہے۔
اگر دیکھیں کہ سراسر نقصان ہے۔ تو بازگشت کریں اور عمل کو ازسرنو کریں۔ چونکہ راستہ ان تین میں
منحصر ہے اور دوسرے لوگ اُس کا غیر طلب کرتے ہیں۔ اس لئے محروم رہجاتے ہیں۔

(۲۷) جس شخص[1] نے اللہ کو پہچان لیا اس پر کوئی شے پوشیدہ نہیں رہتی۔ حضرت خواجہ علاءالدین

---

[1] شیخ ابراہیم خواص (متوفی ۲۹۱ھ) کا بیان ہے۔ کہ میں کوہ لکام واقع ملک شام میں تھا۔ ایک انار کا درخت
نظر آیا۔ میرے نفس میں خواہش پیدا ہوئی۔ میں نے ایک انار توڑ لیا۔ اس کو جو پھاڑا۔ تو ترش نکلا۔
پس میں نے بغرض تادیب نفس اُسے وہیں چھوڑا اور آگے چل دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص لیٹا ہوا ہے
اور اُس پر بھڑیں بیٹھی ہیں۔ میں نے اُسے کہا۔ السلام علیک۔ اُس نے جواب دیا وعلیک السلام یا ابراہیم۔ لیکن
میں نے اس سے پوچھا کہ تو نے مجھے کس طرح پہچان لیا۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔
اُس پر کوئی شے پوشیدہ نہیں رہتی۔" میں نے کہا۔ کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا ایک حال دیکھتا ہوں۔ کاش
تو اُس سے سوال کرتا کہ وہ تجھے ان بھڑوں کی اذیت سے بچاتا۔ یہ سن کر اُس نے مجھ سے کہا۔ میں اللہ
تعالیٰ کے ساتھ تیرا ایک حال دیکھتا ہوں۔ کاش تو اُس سے سوال کرتا کہ وہ تجھے انار کی شہوت و خواہش
سے بچاتا۔ کیونکہ انار کے ڈنک کی تکلیف انسان آخرت میں پائے گا۔ اور بھڑوں کے ڈنک کی تکلیف اس دنیا میں
پاتا ہے۔ پس میں اُسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھا۔ رسالہ قشیریہ۔

فرماتے تھے کہ اس کلمہ قدسیہ سے حضرت خواجہ کی مراد یہ ہے۔ کہ عارف پر اشیاء کا ظاہر ہونا اس کی توجہ پر موقوف ہے۔

(۲۸) مشائخ میں سے ہر ایک کے آئینہ کی دو جہت اور ہمارے آئینہ کی چھ جہت ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس کلمہ قدسیہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔ کہ آئینہ سے مراد عارف کا قلب ہے جو روح و نفس کے درمیان واسطہ ہے۔ اور دو جہت سے مراد جہت روح اور جہت نفس ہے۔ دوسرے طریقوں کے مشائخ جب مقام قلب پر پہنچتے ہیں۔ تو قلب کی دونوں جہت منکشف ہو جاتی ہیں اور دونوں مقاموں کے علوم و معارف جو مناسب قلب ہیں فائض ہوتے ہیں بخلاف حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے طریق کے کہ اس میں آئینہ قلب کے لئے چھ جہت پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کا بیان یوں ہے کہ اس طریقہ علیہ کے اکابر پر یہ بات منکشف ہو گئی ہے کہ لطائف ستہ (نفس۔ قلب۔ روح سر۔ خفی۔ اخفی) جو کلیۃً افراد انسانی میں ثابت ہیں وہ تنہا قلب میں بھی متحقق ہیں۔ چھ جہت سے حضرت خواجہ کی مراد لطائف ستہ قلب ہیں۔ پس باقی مشائخ کی سیر ظاہر قلب پر ہے۔ اور مشائخ نقشبندیہ کی سیر باطن قلب میں ہے اور وہ اس سیر سے قلب کے ابطن بطون میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور مقام قلب میں ان پر ان چھ لطیفوں کے علوم و معارف جو اس مقام کے مناسب ہیں منکشف ہو جاتے ہیں۔ رسالہ مبدا و معاد۔

(۲۹) چالیس سال سے ہم آئینہ داری کرتے ہیں۔ ہمارے آئینہ نے کبھی غلطی نہیں کی۔ اس سے حضرت خواجہ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اولیاء اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں نور فراست سے دیکھتے ہیں۔ جو حضرت لایزال نے ان کو عطا کیا ہے۔ جو کچھ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ بے شک صواب و درست ہوتا ہے۔

شیخ عبد القدوس جو قطب اولیاے عزلت تھے فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ قدس سرہ کی سیر آسمان و زمین کے تمام طبقات میں جاری تھی۔

(۳۰) حضرت عزیزاں علیہ رحمۃ الرحمٰن کا ارشاد ہے کہ زمین اس گروہ کی نظر میں دسترخوان کی طرح ہے اور ہم کہتے ہیں کہ روئے ناخن کی طرح ہے۔ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔ منقول ہے کہ ارشاد مذکور کے وقت حضرت عزیزاں دسترخوان پر تھے۔ اسی کے مناسب یہ فرما دیا۔ اور حضرت خواجہ نے صفت دائرہ ولایت کی نسبت سے فرمایا ہے۔ ورنہ عارف کے دل کی بزرگی کی شرح نہیں ہو سکتی۔

(۳۱) اگر درویش کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے۔ اسے پہچاننا چاہئے کہ یہ کہاں سے ہے۔

(۳۲) حدیث میں ہے الکاسب حبیب اللہ۔ یعنی کسب کرنے والا اللہ کا حبیب ہے۔ اِس حدیث میں کسب رضا کی طرف اشارہ ہے نہ کہ کسب دنیا کی طرف۔

(۳۳) جو شخص اپنے تئیں بکلیت خود حضرت حق تعالےٰ وتقدس کے سپرد کردے۔ اُس کا غیر حق جل وعلا سے التجا کرنا شرک ہے۔ یہ شرک عام لوگوں کے لئے معاف ہے۔ مگر خواص کے لئے معاف نہیں۔

(۳۴) متوکل کو چاہئے کہ اپنے تئیں متوکل خیال نہ کرے۔ اور اپنے توکل کو کسب میں چھپائے۔

(۳۵) حق تبارک وتعالیٰ نے مجھے دنیا کی خرابی کے لئے موجود کیا ہے اور لوگ مجھ سے دنیا کی عمارت طلب کرتے ہیں

(۳۶) اگر اس وجود سے خراب کوئی اور وجود ہوتا۔ تو فقر کے اِس خزانہ کو وہاں رکھتے۔ کیونکہ خزانہ ہمیشہ ویرانہ میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔

(۳۷) اہل اللہ بار خلق اِس لئے اُٹھاتے ہیں۔ کہ ان کے اخلاق کی اصلاح ہو جائے یا کسی ولی سے ملاقات ہو جائے۔ اِس لئے کہ کوئی ولی ایسا نہیں کہ حضرت حق کی نظر عنایت اُس کی طرف نہ ہو خواہ وہ ولی اس سے واقف ہو یا نہ ہو۔ پس جو شخص اُس ولی سے ملے گا۔ اُس نظر الٰہی سے اُس کو فیض پہونچیگا۔

؎ صد سفر و بد شمن کشد طالب مقصود　　باشد کہ یکے دوست بیاید بضیافت

(۳۸) تو شمع کی طرح بن۔ تو شمع کی طرح نہ بن۔ شمع کی طرح بن بدیں معنے کہ تو دوسرے کو روشنی پہنچائے۔ اور شمع کی طرح نہ بن بدیں معنے کہ تو اپنے تئیں تاریکی میں رکھے۔

(۳۹) جس شخص نے کسی، وزنہ ہمارا جوتا بھی سیدھا کیا ہے۔ ہم اُس کی شفاعت کریں گے۔

(۴۰) اِس راستے میں صاحب پندار وتکبر کا کام نہایت مشکل ہے۔

(۴۱) درویش کو چاہئے کہ جو کچھ کہے حال سے کہے۔ مشائخ طریقت کا قول ہے کہ جو شخص اپنے حال سے کلام کرتا ہے جو اُس میں نہیں۔ حق تعالےٰ کبھی اُس کو اُس حال کی سعادت نہ بخشے گا۔

(۴۲) یہ ضروری نہیں کہ جو دوڑے وہ گیند لے جائے۔ مگر ملتی اُسی کو ہے جو دوڑتا ہے۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اس راہ میں ہمیشہ کوشش کرتا رہے۔

(۴۳) حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے مسخ صورت اس امت سے مرتفع ہے مگر مسخ[۱] باطن باقی ہے۔ ؎ اندریں امت نباشد مسخ تن　-　لیک مسخ دل بود اے ذوالفطن

[۱] خواجہ عبیداللہ احرار فرماتے ہیں کہ مسخ باطن کی علامت یہ ہے کہ صاحب کبیرہ کا باطن کبیرہ گناہ کرنے سے دردمند ومتاثر نہ ہو۔ اور برائی اور گناہوں میں نہایت اصرار کے سبب سے اُس کا یہ حال ہو جائے کہ جب اُس سے کبیرہ گناہ صادر ہو۔ تو اُس کے بعد اُس کے باطن میں کوئی ندامت وملامت پیدا و واقع نہ ہو۔ اور اس کا دل ایسا سخت وسیاہ ہو کہ اگر اُسے تنبیہ کی جائے۔ تو وہ آگاہ ومتاثر نہ ہو۔ رشحات۔ صفحہ ۲۱۱۔

(۴۴) اولیاء کو اسرار پر آگاہی ہے اور آگاہی دی جاتی ہے۔ لیکن وہ بغیر اجازت کے اُن کو ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ جن کے پاس جو کچھ ہے وہ اُسے چھپاتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں وہ شور مچاتا ہے: "اسرار کا چھپانا ابرار کا کام ہے"

(۴۵) ہم سے جو کچھ خواطر اور اعمال و افعال خلق کے اظہار کی نسبت صادر ہوتا ہے اُس میں ہم درمیان نہیں۔ یا تو الہام سے ہمیں آگاہ کر دیتے ہیں یا کسی کے واسطہ سے ہم تک پہنچا دیتے ہیں۔

(۴۶) درویشی کیا ہے؟ باہر بے رنگ اور اندر بے جنگ۔ ؎

تا دیں خرقہ ایم از کس ہا ہم زنجیم و ہم زنجانیم

(۴۷) میں نے اکابر دین میں سے ایک سے پوچھا کہ درویشی کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ زبونی اور خواری۔

(۴۸) درویش کو تحمل و برداشت کے مقام میں ڈھول کی طرح رہنا چاہیئے کہ ہر چند طمانچہ کھائے مگر صدائے مخالف اس سے ظاہر نہ ہو۔

(۴۹) درویش اہل نقد ہیں۔ آئندہ پر نہیں چھوڑتے۔ ؎

امروز ببیں بدیدۂ باطن جمال دوست اے بیخبر حوالہ بفردا چہ مے کنی

الصوفی ابن الوقت اشارہ اسی صفت کی طرف ہے ؎

خردمند زانکس تبرا کند کہ او کار امروز فردا کند

(۵۰) حضرت خواجہ سے سوال کیا گیا۔ کہ کوئی علم منطق پڑھے۔ تو کس نیت سے پڑھے؟ فرمایا کہ حق و باطل میں امتیاز کی نیت سے۔

(۵۱) جس شخص کی قابلیت کا بیضہ مختلف صحبتوں کے سبب سے فاسد ہو گیا۔ اُس کا معاملہ دشوار ہے۔ سوائے اہل تدبیر (اولیاء اللہ) کی صحبت کے جو سرخ گندھک کی طرح کمیاب ہے درست نہیں ہو سکتا۔ ؎

جز صحبت عاشقان مستاں مپسند دل در ہوس قوم فرومایہ مبند

ہر طائفہ ات بجائے خویش کشند چغدت سوئے ویرانہ و طوطی سوئے قند

(۵۲) خواجہ مسافر خوارزمی کا بیان ہے کہ میں حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہ کی صحبت میں بہت رہا کرتا تھا۔ اور ان کی خدمت کیا کرتا تھا۔ مگر سماع (راگ) کی طرف میرا بہت میلان تھا۔ ایک روز میں نے آپ کے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ اتفاق کیا کہ قوال و دفاف کو حاضر کریں۔ اور حضرت

خواجہ کی مجلس میں سماع میں مشغول ہو جائیں۔ دیکھیں حضرت خواجہ کیا فرماتے ہیں۔ ہم نے ایسا ہی کیا اور گانے بجانے والوں کو لے آئے حضرت خواجہ اُس مجلس میں بیٹھے اور کسی طرح منع نہ فرمایا۔ اخیر میں آپ نے فرمایا کہ ہم[1] یہ کام نہیں کرتے اور انکار بھی نہیں کرتے۔

(۵۳) بندہ کے اختیار کے ثابت کرنے میں بہت سعادت ہے۔ تاکہ اگر کوئی عمل رضائے حق سبحانہ کے خلاف اُس سے سرزد ہو جائے اور وہ اپنا اختیار سمجھے۔ تو شرم کے مارے عذر و انابت میں مشغول ہو جائے۔ اور اگر رضائے حق تعالیٰ کے موافق اور اپنا اختیار سمجھے تو اس کی توفیق کا شکر کرے۔

(۵۴) مشائخ کا قول ہے۔

المجاز قنطرۃ الحقیقۃ | مجاز حقیقت کا پُل ہے۔

اس سے مراد[2] یہ ہے کہ تمام عبادات ظاہری قولی ہوں یا فعلی مجاز ہیں جب تک سالک اُن سے نہ گذرے گا۔ حقیقت کو نہ پہنچے گا۔

(۵۵) اگر طالب کو اپنے شیخ مقتدا کے معاملہ میں کوئی مشکل پیش آئے۔ تو چاہئے کہ حتی المقدور صبر کرے اور بے اعتقاد نہ ہو جائے کیونکہ ممکن ہے کہ اُس کی حکمت اُس پر ظاہر ہو جائے۔ اور اگر صبر کی طاقت نہیں اور مبتدی ہو۔ تو شیخ سے دریافت کرلے کیونکہ اُس کے لئے سوال جائز ہے۔ اور اگر طالب متوسط الحال ہو۔ تو سوال نہ کرے۔

(۵۶) ماوراء النہر کے بڑے بڑے اہل اللہ میں سے ایک نے حضرت خواجہ سے پوچھا کہ سیر و سلوک سے مقصود کیا ہے؟۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ مقصود معرفت تفصیلی ہے۔ اُس بزرگوار نے پھر دریافت کیا کہ معرفت تفصیلی کسے کہتے ہیں؟۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ معرفت تفصیلی سے مراد یہ ہے کہ حضرت مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بطریق اجمال قبول کیا گیا ہے اُسے بطریق تفصیل پہچانا جائے۔ اور دلیل و برہان کے مرتبہ سے کشف و عیاں کے مرتبہ تک رسائی ہو جائے۔

(۵۷) حضرت خواجہ قدس سرہٗ سے دریافت کیا گیا کہ بلا اور بلوے میں کیا فرق ہے؟۔ آپ نے

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام ہمارے طریق خاص کے منافی ہے اس لئے نہیں کرتے۔ اور چونکہ دیگر مشائخ نے کیا ہے۔ اِس لئے اس پر انکار بھی نہیں کرتے مکتوبات احمدیہ دفتر اول۔ مکتوب ۲۶۳۔

[2] زائد تشریح کے لئے دیکھو مکتوبات احمدیہ۔ دفتر سوم۔ مکتوب ۷۶۔

جواب دیا کہ بلا بہ نسبت ظاہر ہے اور بلوے بہ نسبت باطن۔

(۵۸) حضرت خواجہ قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ جس وقت حق تعالےٰ کسی درویش سے کوئی حال واپس کرلے۔ وہ کیا کرے۔ فرمایا کہ اگر اُس حال کا کچھ بقیہ باقی ہے۔ تو وہ اس امر کی دلیل ہے کہ اُس سے تضرع و نیاز مطلوب ہے۔ پس وہ حق تعالےٰ سے اُس کا سوال کرے۔ اور اگر کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ تو وہ اس امر کی دلیل ہے کہ اُس سے صبر و رضا مطلوب ہے۔

(۵۹) خدا طلبی بلا طلبی ہے۔ احادیث قدسیہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: "جس نے مجھے دوست رکھا میں نے اُسے ابتلاء میں ڈالا۔" یہ بات ظاہر ہے کہ وظیفۂ محبت کو لازم ہے کہ محب محبوب کا جویاں ہو۔ محبوب جس قدر زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اُس کی طلب کی راہ میں بلا زیادہ ہوتی ہے۔ اور احادیث[۱] میں وارد ہے کہ ایک شخص نے جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں آپ کو دوست رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو فقر کے لئے تیار رہ۔ ایک اور شخص نے عرض کیا کہ میں خدا کو دوست رکھتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ بلا کے لئے تیار رہ۔

(۶۰) حضرت خواجہ قدس سرہ سے سوال کیا گیا۔ کہ کرامات کے بارے میں درویش کیا کہتے ہیں؟۔ آپ نے فرمایا کہ کرامتوں کا کیا ذکر جو کچھ کہ ہے کلمہ توحید کی حقیقت کے مقابلہ میں نفی ہے۔ "اصحاب کرامت سب کے سب محجوب ہیں۔ اور عارف کرامت کی طرف نظر کرنے سے دور رکھے گئے ہیں۔"

(۶۱) حضرت خواجہ قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ اہل اللہ کو جو لوگوں کے خطرات و احوال و اعمال کی بصیرت و شناخت ہوتی ہے وہ کہاں سے ہے۔ فرمایا کہ اُس نور کی فراست[۲] سے ہوتی ہے جو حق تعالیٰ نے

---

[۱] ترمذی شریف میں حدیث عبد اللہ بن مغفل میں مذکور ہے۔ کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تین بار یوں کہا۔ خدا کی قسم! میں آپ کو دوست رکھتا ہوں۔" اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "پس تو فقر کے لئے برگستوان (پاکھر) تیار رکھ۔ البتہ فقر میرے محب کی طرف زیادہ جلدی پہنچنے والا ہے رَو کے پانی سے جو اپنے منتہا کو جلدی پہنچ جاتا ہے۔" مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محب کو محنت فقر اُٹھانی پڑتی ہے۔ جس کے لئے پاکھر کی ضرورت ہے۔ یہاں پاکھر کنایہ صبر سے ہے یعنی جس طرح پاکھر گھوڑے کو میدان جنگ میں ضرر سے بچاتی ہے۔ اسی طرح صبر انسان کو فقر و فاقہ کی آفت سے بچاتا ہے اور جزع و فزع کے ورطہ میں گرنے نہیں دیتا۔ (مشکوٰۃ شریف۔ باب فضل الفقراء)۔

[۲] فراست کے معنی لغت میں تثبت و نظر کے ہیں۔ اہل حقیقت کی اصطلاح میں اس سے مراد مکاشفۂ یقین اور معاینۂ غیب ہے کذا فی تعریفات الجرجانی۔

اُن کو عطا کیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے:۔ "تم مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔

(۶۲) لوگوں نے حضرت خواجہ قدس سرہ سے کرامت طلب کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری کرامت ظاہر ہے کہ باوجود اتنے گناہوں کے ہم روئے زمین پر چل سکتے ہیں۔

(۶۳) مرید سے احوال کا ظاہر ہونا شیخ کی کرامت ہے۔

(۶۴) حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ ہم آپ کے جنازہ کے آگے کونسی آیت پڑھیں۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ بیت پڑھنا ؎

چیست ازیں خوبتر در ہمہ آفاق کار　　　دوست رسد نزد دوست یار بنزدیک یار

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ پڑھنا بڑا کام ہے۔ تم ہمارے جنازہ کے آگے یہ بیت پڑھنا ؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو　　　شیئاً للہ از جمال روئے تو

(۶۵) حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کا بیان ہے۔ کہ حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ میں نے مکہ معظمہ میں زاد اللہ تعالیٰ شرفاً وکرامۃً دو شخصوں کو دیکھا۔ ایک نہایت بلند ہمت دوسرا نہایت پست ہمت وہ تھا۔ جسے میں نے طواف میں دیکھا کہ خانہ کعبہ کے دروازے کے حلقہ پر ہاتھ رکھا ہوا ہے اور ایسی شریف جگہ اور ایسے عزیز وقت میں حق سبحانہ کے سوا کچھ اور مانگ رہا ہے۔ بلند ہمت وہ جوان تھا جسے میں نے بازار منیٰ میں دیکھا کہ کم وبیش پچاس ہزار دینار کا سودا خرید و فروخت کیا اور اس عرصہ میں اُس کا دل ایک لحظہ حق سبحانہ سے غافل نہ ہوا۔

(۶۶) حضرت خواجہ قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ بعضے مشائخ کا ارشاد ہے کہ الصوفی غیر مخلوق (صوفی غیر مخلوق ہے) اس کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بعض اوقات صوفی کے لئے ایک صفت وحال ہوتا ہے کہ وہ نابود ہوتا ہے۔ مشائخ کا یہ قول اُسی وقت کی نسبت ہے۔ ورنہ صوفی مخلوق ہے۔

(۶۷) حضرت خواجہ قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ صوفیہ کرام کا قول ہے کہ فقیر اللہ کا محتاج نہیں۔ اِس قول سے کیا مراد ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سوال کرنے کی حاجت کی نفی ہے۔ حسبی[1] من سوالی علمہ بحالی

[1] نمرود علیہ اللعنۃ نے آگ روشن کی۔ اور حضرت ابراہیم صلوات اللہ علیہ کو منجنیق کے پلڑ میں رکھا جبرئیلؑ نے آکر عرض کیا۔ کیا تجھے کوئی حاجت ہے؟ حضرت نے فرمایا۔ تجھ سے کوئی حاجت نہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا۔ پس خدا تعالےٰ سے مانگئے۔ حضرت نے فرمایا۔ حسبی من سوالی علمہ بحالی (بجائے لسانِ قال کے لسان حال سے سوال کرنا میرے واسطے کافی ہے) یعنی میرا حال اللہ تعالیٰ میری نسبت بہتر جانتا ہے۔ اُسے خوب معلوم ہے کہ میری صلاح وبہبودی کس چیز میں ہے۔ پس مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ کشف المحجوب۔

اِسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

(۶۸) حضرت خواجہ قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ اذا تمّ[51] الفقر فھو اللہ کے کیا معنی ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ بندہ کی فنا ونیستی اور اُس کی صفات کے محو ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(۶۹) یہ جو مشائخ کا قول ہے کہ "عارف کی معرفت صحیح نہیں ہوتی جس وقت وہ خدا سے تضرع کرتا ہے" یہ بندہ کی ہستی اور اُس کی صفات کے باقی رہنے کی طرف اشارہ ہے۔

(۷۰) ایک شخص نے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص بیمار ہے۔ اور آپ کے دل مبارک کی توجہ کا طالب ہے۔ آپ نے فرمایا۔ پہلے[52] خستہ دل کی حاجت۔ اس کے بعد شکستہ دل کی توجہ۔

(۷۱) ہمارا روزہ ماسوا[53] کی نفی اور ہماری نماز مقام[54] مشاہدہ ہے۔ یہ رباعی آپ[55] کی ہے۔

تا روے تو دیدہ ام من اے شمع طراز　　نے کار کنم نہ روزہ دارم نہ نماز
در بے تو بوم نماز من جملہ مجاز　　چوں با تو بوم مجاز من جملہ نماز

---

[51] یعنی جب فقر کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ ہی باقی رہ جاتا ہے۔ انتہٰی۔ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ اِس عبارت سے صوفیہ کرام کی مراد یہ ہے کہ جب فقر کامل ہو جاتا ہے اور نیستی محض حاصل ہو جاتی ہے۔ تو باقی نہیں رہتا مگر اللہ تعالٰے۔ یہ مراد نہیں کہ وہ فقیر خدا کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اور خدا بن جاتا ہے کیونکہ یہ تو کفر و بےدینی ہے۔ مکتوبات شریف۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۶۶۔

[52] مطلب یہ کہ پہلے شکستہ دل اپنی حاجت کا اظہار کرتا ہے اس کے بعد اہل اللہ اُس کی حاجت برآری کی طرف توجہ فرماتے ہیں پس طالب کو مشائخ کی خدمت میں حالی جانا چاہئے تاکہ پُر ہو کر واپس آئے۔ اور اپنے افلاس کو ظاہر کرنا چاہئے تاکہ اُن کو اُس پر شفقت آئے اور فیض رسانی کریں۔ مکتوبات احمدیہ دفتر اول۔ مکتوب ۱۵۷۔

[53] حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں کہ نفی ماسوا سے حضرت خواجہ کی مراد ماسوا سے تعلق کی نفی اور ماسوا کی مقصودیت کی نفی ہے بلکہ ماسوا کے شعور و شہود کی نفی ہے جو فنا و توحید شہودی کا حاصل ہے۔ مکتوبات معصومیہ۔ دفتر اول۔ مکتوب ۱۵۲۔

[54] حدیث جبرئیلؑ میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام و ایمان کے بعد احسان کو بدیں الفاظ بیان فرمایا ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ یعنی حقیقت احسان یہ ہے کہ تو خدا کی عبادت کر اس طرح کہ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے اگر تو اس حال میں نہیں کہ گویا اُسے دیکھ رہا ہے۔ تو اُس کی عبادت کر اس طرح کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ انتہٰی۔ اس ارشاد میں پہلی حالت مقام مشاہدہ اور دوسری مراقبہ ہے۔

[55] اس رباعی کو نقل کر کے مولانا یعقوب چرخی فرماتے ہیں۔ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مقصود پر پہنچنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایسی طاعت نہیں کر سکتے جو خدا تعالٰے کے لائق ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ وما قدروا اللہ حق قدرہٖ۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالٰی کی تعظیم نہیں کی جیسا کہ حق تعظیم ہے۔ کذا فی الرسالۃ الانسیۃ۔

(۷۲) بیس سال سے بفضل خدا ہم مقام بے صفتی[۱] سے مشرف ہیں۔

(۷۳) حقیقت اخلاص فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ جب تک بشریت غالب ہوتی ہے حاصل نہیں ہوتی۔ سہ

ساقی قدحے کہ نیم مستیم — مخمور صباحی الستیم
مارا تو بما حماں کہ تا ما — باخویشتنیم بت پرستیم

(۷۴) ہم فضلی ہیں۔ ہم دو سو آدمی تھے۔ جنہوں نے طلب کے کوچہ میں قدم رکھا۔ مگر فضل الٰہی مجھ پر ہوا۔

(۷۵) جو کچھ دیکھا گیا اور سنا گیا اور سمجھا گیا وہ سب غیر ہے اور حجاب ہے۔ حقیقت کلمہ لا سے اُس کی نفی کرنی چاہئے۔

حضرت مجدد الف ثانی حضرت خواجہ کے اخیر کلمہ قدسیہ کو نقل کر کے یوں تحریر فرماتے ہیں: " پس کثرت میں وحدت کا شہود بھی شایانِ نفی ہوا۔ اور جو کچھ شایان نفی ہے وہ اُس جناب قدس سے منتفی ہے۔ حضرت خواجہ کے اس کلام نے مجھے اِس شہود سے نکالا ہے۔ اور مشاہدہ و معاینہ کی گرفتاریوں سے نجات بخشی ہے۔ اور لباس کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا ہے۔ جزاہ اللہ سبحانہ عنی خیر الجزاء۔ میں اِس ایک بات سے حضرت خواجہ کا مرید ہوں اور اُن کا غلام ہوں۔ حق یہ ہے کہ اولیاء میں سے کم کسی نے ایسی عبارت کے ساتھ کلام کیا ہے اور تمام مشاہدات و معاینات کو اس طریق پر نفی کیا ہے۔ اس مقام پر حضرت خواجہ کے اِس ارشاد (" خدا کی معرفت بہاء الدین پر حرام اگر اُس کی ابتداء بایزید کی انتہاء نہ ہو") کی حقیقت تلاش کرنی چاہئے۔ کیونکہ بایزید باوجود اُس بزرگی کے شہود و مشاہدہ سے آگے نہیں بڑھے۔ اور انہوں نے سبحانی کے کوچہ سے قدم باہر نہیں رکھا مگر حضرت خواجہ نے ایک کلمہ لا سے بایزید کے تمام مشاہدات کی نفی کر دی اور سب کو غیر حق جل سلطانہ قرار دیا۔ حضرت بایزید کی تنزیہ حضرت خواجہ کے نزدیک تشبیہ ہے اور ان کا بیچون حضرت خواجہ کے نزدیک چون اور ان کا کمال حضرت خواجہ کے نزدیک نقص ہے۔ اِس لئے حضرت بایزید کی انتہا جو تشبیہ سے آگے نہیں بڑھی ہے حضرت خواجہ کی ابتدا ہو گی۔ کیونکہ بدایت تشبیہ سے ہے اور انتہا

---

[۱] بے صفتی سے اشارہ کشف ذاتی کی طرف ہے جو بہت بلند مقام اور بہت شریف درجہ ہے۔ اس درجہ بے صفتی کا کمال حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اور مقام محمود اس مرتبہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔ دیگر انبیاء و اولیا بحسب مراتب آپ ہی کے خوشہ چین ہیں۔ مزید توضیح کے لئے رسالہ قدسیہ مولفہ محمد پارسا دیکھو۔

تنزیہ پر ہے شاید آخر حال میں حضرت بایزید کو اس نقص کی اطلاع دی گئی کہ وہ مرگ کے وقت فرماتے تھے۔

ما ذکرتك الاعن غفلة وما خدمتك الاعن فترة	میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر غفلت سے۔ اور میں نے تیری خدمت نہیں کی مگر سستی سے۔

وجہ یہ کہ انہوں نے حضور سابق کو غفلت جانا کیونکہ وہ خدا تعالےٰ کا حضور نہ تھا بلکہ ظلال میں سے ایک ظل کا اور ظہورات میں سے ایک ظہور کا حضور تھا۔ پس ناچار وہ حضرت جل سلطانہ سے غافل ٹھیرے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ وراء الوراء ہے۔ ظلال وظہورات تمام مبادی ومقدمات اور معارج و معدات سے ہیں۔ اور وہ جو حضرت خواجہ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں مطابق واقع ہے۔ کیونکہ ابتدا سے ان کی توجہ احدیت صرف کی طرف ہوتی ہے۔ اور اسم وصفت سے بجز ذات اُن کی مراد نہیں ہوتی۔ اس طریقہ عالیہ کے مبتدیوں کو یہ دولت بطریق انعکاس شیخ مقتدا سے جو اس کمال سے مشرف ہو حاصل ہوتی ہے خواہ وہ مبتدی جانیں یا نہ جانیں۔ پس ناچار دوسرے طریقوں کے کامل مشائخ کی نہایت ان بزرگوں کی بدایت میں مندرج ہوگی[۵]

(انیس الطالبین مؤلفہ خواجہ صالح بن مبارک بخاری خلیفہ مجاز حضرت خواجہ نقشبندؒ رشحات۔ نفحات)۔

۱۸۔خواجہ علاءالدین عطار قدس سرہٗ

آپ حضرت خواجہ نقشبندؒ کے خلیفہ اول اور نائب مطلق تھے۔ آپ کا نام مبارک محمد بن محمد بخاری ہے۔ دراصل خوارزم سے ہیں۔ جب آپ کے والد نے وفات پائی۔ تو آپ نے ان کے ترکہ سے کوئی چیز قبول نہ کی۔ اور حالت تجرید میں بخارا کے ایک مدرسہ میں تحصیل علوم میں مشغول ہوگئے۔ طالبعلمی ہی کی حالت میں آپ کا عقد حضرت خواجہ نقشبندؒ کی صاحبزادی سے ہوگیا۔ جب طریق حق کی طلب آپ کے دل میں پیدا ہوئی۔ تو علوم رسمی کا مطالعہ چھوڑ کر حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور طریقہ اخذ کیا۔ حضرت خواجہ کی آپ پر نظر خاص تھی مجالس میں آپ کو اپنے پاس بٹھاتے اور بار بار آپ کی طرف متوجہ ہوتے بعضے محرموں نے حضرت خواجہ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا کہ میں ان کو اپنے پاس

[۵] مکتوبات شریف۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۹۲۔

بٹھاتا ہوں تاکہ ان کو بھیڑیا نہ کھا جائے۔ ان کے نفس کا بھیڑیا گھات میں ہے۔ اِس لئے میں ہر لحظہ ان کا حال دریافت کرتا رہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت خواجہ بزرگ کی توجہات عالیہ سے آپ بہت جلد درجہ کمال کو پہنچ گئے۔ حضرت خواجہ اپنی حیات ہی میں بہت سے طالبوں کی تربیت آپ کے سپرد کردیتے تھے اور فرماتے تھے کہ علاء الدین نے ہمارا بوجھ بہت ہلکا کردیا ہے۔ آپ سے بہت سے انوار وآثار ولایت بروجہ اتم واکمل ظہور میں آئے۔ اور آپ کے حسن تربیت اور صحبت کی برکت سے بہت سے طالب دوری اور نقصان کے درجہ سے قرب وکمال کی پیشگاہ پر پہنچ گئے اور مرتبہ کمال وتکمیل پر فائز ہوئے۔ بعض بزرگوں سے سننے میں آیا ہے کہ قدوۃ المحققین سید شریف جرجانیؒ جو آپ کے اصحاب میں سے تھے بارہا فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میں شیخ زین الدین کی صحبت میں نہ پہنچا رفض سے رہائی نہ پائی اور جب تک خواجہ علاء الدین عطار کی صحبت سے مشرف نہ ہوا۔ میں نے خدا کو نہ پہچانا۔

حضرت خواجہ علاء الدین صاحب طریقہ خاص ہیں۔ ان کے طریقہ کو علائیہ کہتے ہیں۔ جس کا ذکر حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات (دفتر اول۔ مکتوب۔ ۲۹) میں بالتفصیل کیا ہے۔

کرامات (۱) بخارا میں علماء کی ایک جماعت کے درمیان رؤیت باریتعالے میں مباحثہ ہوا۔ انہوں نے بالاتفاق خواجہ علاء الدین کو ثالث تسلیم کیا۔ اور خدمت شریف میں حاضر ہوکر طالب فیصلہ ہوئے۔ آپ نے منکرین رؤیت سے جو مذہب معتزلہ کی طرف مائل تھے فرمایا۔ کہ تم تین دن چپ چاپ باوضو ہماری صحبت میں رہو۔ بعد ازاں ہم فیصلہ دیں گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تیسرے روز کے آخر میں اُن پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بیہوش ہوکر زمین پر لوٹنے لگے۔ جب ہوش میں آئے۔ تو نہایت نیازمندی سے عرض کرنے لگے کہ ہم رؤیت حق پر ایمان لائے۔ اِس کے بعد وہ کبھی حضرت خواجہ قدس سرہ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوئے۔

(۲) آپ مرض موت میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کو موجود دیکھتے اور ان سے باتیں کرتے اور ان کی باتوں کو سنتے تھے۔

(۳) حضرت خواجہ محمد پارسا نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ علاء الدین اپنی وفات سے سات سال پہلے اوائل شعبان ۷۹۵ھ میں چغانیاں سے حضرت خواجہ بزرگ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ اور اٹھارہ روز کے بعد بخارا میں پہنچے اور اوائل شوال میں واپس آئے۔ عید رمضان کی رات کو بخارا ہی میں تھے۔ اُس رات حضرت خواجہ بزرگ کے ایک درویش نے واقعہ میں دیکھا کہ ایک نہایت بڑی شاندار بارگاہ ہے۔ حضرت خواجہ علاء الدین حضرت خواجہ بزرگ کے ساتھ اُس بارگاہ کے

قریب ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ بارگاہ حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ زیارت کے لئے اُس بارگاہ میں داخل ہوئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے نہایت خوش و خرم نکلے۔ اور فرمایا کہ مجھے یہ کرامت عطا کی گئی ہے کہ جو شخص میری قبر کے گرد چاروں طرف سو سو فرسنگ کے اندر دفن ہوگا میں باذن الٰہی اُس کی شفاعت کروں گا۔ اور عطار کو اُن کی قبر سے ہر طرف چالیس فرسنگ تک شفاعت کا مرتبہ عطا ہوا ہے۔ اور میرے محبوں اور پیروی کرنے والوں کو ان کی قبروں سے ایک ایک فرسنگ تک شفاعت کرنے کا مرتبہ ملا ہے۔

وفات | بروز دوشنبہ ۲ ماہ رجب ۸۰۲ھ میں آپ بیمار ہوگئے۔ اور چارشنبہ کی رات ۱۸ رجب ۸۰۲ھ میں نماز عشاء کے بعد وصال فرمایا۔ مزار مبارک قصبہ چغانیاں[1] میں ہے۔

کلماتِ قدسیہ

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے وہ کلمات قدسیہ جمع کئے ہیں۔ جو حضرت خواجہ علاء الدین قدس سرہ نے مجالس صحبت میں ارشاد فرمائے ہیں۔ ان میں سے بعضے بہ نیت تیمن و تبرک ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) ریاضت سے مقصود تعلقات جسمانی کی پوری نفی اور عالم ارواح و عالم حقیقت کی طرف توجہ تام ہے۔ اور سلوک سے مقصود یہ ہے کہ بندہ اپنے اختیار و کسب سے ان تعلقات سے جو موانع راہ ہیں گزر جائے اور ان تعلقات میں سے ہر ایک کو اپنے اوپر پیش کرے۔ جس تعلق سے گزر جائے۔ وہ علامت ہے اس امر کی کہ وہ تعلق مانع نہیں اور غالب نہیں آیا۔ اور جس تعلق میں وہ ٹھیر جائے اور اُس سے اپنی دلبستگی پائے۔ تو جانے کہ وہ تعلق اُس کے راستے کا مانع ہوگیا ہے۔ اُس کے قطع کی تدبیر کرے۔ ہمارے حضرت خواجہ بزرگ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے۔ تو از روئے احتیاط فرما دیتے کہ یہ فلاں شخص کا ہے۔ اور بطور عاریت پہنتے۔

(۲) مرشد کے ساتھ تعلق اگرچہ حقیقت میں غیر ہے اور آخر میں اس کی بھی نفی کرنی چاہئے۔ مگر ابتدا میں یہ تعلق وصول کا سبب ہے۔ اور اس کے ماسوا کی نفی کرنا لوازم سلوک سے ہے۔ ہر طرح سے مرشد کی خوشنودی طلب کرنی چاہئے۔

(۳) بڑے بڑے مشائخ قدس اللہ تعالٰے ارواحہم کا ارشاد ہے۔ التوفیق مع السعی (توفیق کوشش کے ساتھ ہے)۔ اسی طرح مرشد کی روحانیت کی مدد طالب کے لئے بقدر کوشش طالب کے ہوتی ہے

[1] چغانیاں جسے عربی میں صغانیاں کہتے ہیں ماوراء النہر میں ایک وسیع علاقہ کا نام ہے۔ جس میں اسی نام کا قصبہ بھی ہے (معجم البلدان یاقوت حموی) واضح رہے کہ دریائے جیحوں سے مشرقی علاقہ کو ماوراء النہر اور مغربی کو خراسان کہتے ہیں۔

جو شیخ مقتدا کے امر سے ہو۔ بغیر اس کوشش کے مرشد کی مدد کو بقا نہیں۔ کیونکہ طالب کی طرف شیخ کی توجہ چند روز سے زیادہ باقی نہیں رہتی۔

(۴) جب ملک[1] و ملکوت طالب سے پوشیدہ و فراموش ہو جائے۔ تو یہ مرتبۂ فنا ہے۔ اور جب سالک کی ہستی بھی سالک سے پوشیدہ ہو جائے۔ تو یہ مرتبہ فناء فنا ہے۔

(۵) جباری کی صفت کے دیکھنے سے مقصود تضرع و زاری اور توبہ و انابت کی صفت کا ظہور ہے۔ اور اس دید کی صحت کی نشانی مناجات کی طرف مائل ہونا ہے۔ نہ کہ خرابات (بتخانہ) کی طرف۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا۔ (سورہ شمس)	پس جی میں ڈالی اس کے مکاری اس کی اور پرہیزگاری اس کی۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ جب رضا کا ارادہ و میلان دیکھے۔ تو شکر کرے اور اسی پر چلے۔ اور جب عدم رضا کا ارادہ و میلان دیکھے۔ تو تضرع کرے اور حق سبحانہ کی طرف رجوع کرے اور استغناء کی صفت سے ڈرے۔

(۶) خدا تعالیٰ کی سابقہ عنایت ازلی کا خیال کرنا چاہئے۔ اور اس عنایت بے علت کی امید واری سے اور اس عنایت کی طلب سے ایک لحظہ غافل نہ ہونا چاہئے۔ اور اپنے تئیں استغناء سے بچانا چاہئے۔ اور حق سبحانہ کی تھوڑی چیز کو بڑا سمجھنا چاہئے۔ اور استغنائے حقیقی کے ظہور سے ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہئے۔

(۷) ولایت جب ثابت ہوتی ہے کہ سالک کو اوصاف حیوانی کے ساتھ نہ چھوڑیں کہ اگر کوئی قصور سرزد ہو تو باز پرس ہو۔

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (یونس-ع)	آگاہ رہو کہ خدا کے دوستوں کے لئے کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو سابقہ اوصاف حیوانی کے ظہور کا خوف نہیں۔ کیونکہ مشائخ کا ارشاد ہے الفانی لا یرد الی اوصافہ یعنی صاحب فناء اپنے اوصاف کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔

(۸) مشائخ کبار قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کے مزارات سے زیارت کرنے والا اسی قدر فیض لے سکتا ہے جس قدر اس نے اس بزرگ کی صفت کو پہچانا ہے اور اس صفت کی طرف متوجہ اور اس میں مستغرق

---

[1] ملک سے مراد عالم شہادت اور ملکوت سے مراد عالم غیب ہے۔ اسی طرح جبروت سے عالم انوار قاہرہ اور لاہوت سے عالم ذات حق مراد ہے۔

ہوا ہے اگرچہ مزارات مقدسہ کی زیارت میں ظاہری قرب کا بہت اثر ہے۔ لیکن حقیقت میں ارواح مقدسہ کی طرف توجہ کے لئے ظاہری دوری مانع نہیں ہے۔ حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں جو وارد ہے کہ صلوا علی حیثما کنتم (تم مجھ پر درود بھیجو جہاں کہیں تم ہو) یہ اس امر کا بیان اور دلیل قاطع ہے۔ اور اس توجہ اور اس زیارت میں اہل قبور کی صفت کو پہچاننے کے مقابلہ میں اُن اہل قبور کی مثالی صورتوں کا مشاہدہ چنداں وقعت نہیں رکھتا۔ بایں ہمہ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ فرماتے تھے۔ کہ خالق سبحانہ کا مجاور ہونا مخلوق کی مجاورت سے احق واولے ہے۔ اور آپ اکثر یہ بیت پڑھا کرتے تھے۔ ؎

تو تاکے گور مرداں را پرستی   بگرد کار مرداں گرد ورستی

اکابر دین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزارات کی زیارت سے مقصود یہ ہونا چاہئے کہ توجہ حق سبحانہ کی طرف ہو اور اس برگزیدۂ حق کی روح کو خدا کی طرف کمال توجہ پیدا کرنے کا وسیلہ بنائے۔ مخلوق کے ساتھ تواضع کی حالت میں چاہئے کہ اگرچہ ظاہر میں تواضع مخلوق کے ساتھ ہو مگر حقیقت میں خالق عزوجل کے ساتھ ہو۔ کیونکہ مخلوق کے ساتھ تواضع اُس وقت پسندیدہ ہے کہ خالص خدائے عزوجل کے لئے ہو بدیں معنی کہ مخلوق کو خالق کی قدرت وحکمت کے آثار کا مظہر سمجھے ورنہ یہ تصنع ہے نہ کہ تواضع۔

(۹) مراقبہ کا طریق نفی واثبات کے طریق سے اعلیٰ اور اقرب بجذبہ الٰہیہ ہے۔ مراقبہ سے وزارت اور ملک وملکوت میں تصرف کے مرتبہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ خطرات سے آگاہی اور دوسرے پر بخشش کی نظر سے دیکھنا اور اُس کے باطن کو منور کرنا دوام مراقبہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور مراقبہ کے ملکہ سے جمعیت خاطر کا دوام اور دلوں میں قبولیت کا دوام حاصل ہوتا ہے۔ اس حالت کو جمع وقبول کہتے ہیں۔

(۱۰) خاموشی تین صفتوں سے خالی نہ ہونی چاہئے۔ خطرات کی نگہداشت یا دل کے ذکر کا مطالعہ جو گویا ہوگیا ہو یا ان حالات کا مشاہدہ جو دل پر گزرتے ہیں۔

(۱۱) خطرات مانع نہیں۔ ان سے بچنا دشوار ہے۔ خطرات کا روکنا بڑا کام ہے بعضوں کی رائے ہے کہ خطرات کا کچھ اعتبار نہیں۔ لیکن خطرہ کو متمکن نہ ہونے دینا چاہئے۔ کیونکہ اُس کے متمکن ہونے سے فیض کی انتڑیوں میں سدہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ باطن کے حالات کی جستجو چاہئے۔ اور حضور یا غیبت میں مرشد کے حکم سے سانس لے کر اپنے آپ کو خالی کرنا بظاہر اُن خطرات کی نفی کے لئے ہے جو باطن میں متمکن ہوگئے ہوں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہر معنی ایک صورت کے لباس میں ہوا کرتا ہے۔ اس لئے

ؔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالے نے اس ارشاد کو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ سے منسوب کیا ہے۔ دیکھو مکتوبات معصومیہ۔ دفتر ثانی۔ مکتوب ۱۱۳۔

ہر وقت اپنے تئیں ان خطرات و موانع سے جو متمکن ہو گئے ہوں سانس لے کر خالی کرنا چاہئے۔

(۱۲) اپنے آپ سے غیبت اور حق سبحانہ کے ساتھ حضور بقدر عشق کے ہوتا ہے اور افراط محبت کا نتیجہ ہوتا ہے بعشق جس قدر زیادہ ہوتا ہے۔ اُسی قدر عاشق کو اپنے آپ سے غیبت اور معشوق کے ساتھ حضور زیادہ ہوتا ہے۔

(۱۳) اِس زمانہ میں وجوہ معاش میں سے تجارت کی نسبت زراعت اور باغبانی حلیت (حلال ہونے) سے اقرب ہے۔

(۱۴) اہل اللہ کی صحبت میں ہمیشہ رہنا عقل معاد کی زیادتی کا ذریعہ ہے۔

(۱۵) صحبت سنت مؤکدہ ہے۔ ہر روز یا ہر دوسرے روز اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے اور اُن کے آداب کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اگر ظاہری دوری کا اتفاق ہو۔ تو ہر مہینے یا ہر دوسرے مہینے اپنے ظاہری و باطنی حالات کو خطوں کے ذریعہ سے عرض کرنا چاہئے۔ اور اپنے مکان میں اُن کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنا چاہئے تاکہ غیبت کلی واقع نہ ہو۔

(۱۶) مرض موت میں آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ رسم و عادت کو چھوڑ دو اور رسم خلق کے خلاف کرو اور ایک دوسرے سے اتفاق رکھو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت بشریت کی عادات و رسوم کے اُٹھا دینے کے لئے تھی۔ تم ایک دوسرے کی مدد و تائید کرو۔ اور تمام کاموں میں عزیمت پر عمل کرو۔ جہانتک ہو سکے عزیمت کو ہاتھ سے نہ دو۔ اہل اللہ کی صحبت سنت مؤکدہ ہے۔ اِس سنت پر خصوصاً و عموماً ہمیشگی کرو۔ اور صحبت کو ہرگز ترک نہ کرو۔ اگر تم امور مذکورہ پر استقامت اختیار کرو گے۔ تو اس استقامت سے تمہیں وہ حاصل ہوگا جو میری تمام عمر کا حاصل ہے۔ اور تمہارے حالات ترقی پر ہوں گے۔ اور اگر تم ان وصیتوں پر عمل نہ کرو گے۔ تو پریشان ہو جاؤ گے۔

(رشحات۔ نفحات)

۱۹۔ مولانا یعقوب بن عثمان چرخی قدس سرہٗ

آپ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کے بڑے اصحاب میں سے ہیں۔ چونکہ آپ کی تکمیل حضرت خواجہ علاء الدین عطار سے ہوئی۔ اِس سبب سے ان ہی کے خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ دراصل چرخ سے ہیں۔ جو ولایت غزنی میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ ابتدائے احوال میں کچھ مدت جامع ہرات میں

اور کچھ مدت دیار مصر میں تحصیل علوم میں مشغول رہے ہیں۔ علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو سلوک کا خیال آیا۔ تو حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس کا قصہ آپ خود یوں بیان فرماتے ہیں:

"جب اللہ تعالےٰ کی عنایت بےغایت سے طلب کی خواہش اس فقیر کے دل میں پیدا ہوئی۔ تو خدا تعالےٰ کا فضل قائد وعصاکش کی طرح مجھ کو کشاں کشاں حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں لے گیا۔ میں بخارا میں اُن کی صحبت میں حاضر ہوتا اور ان کے کرم عمیم سے توجہ پاتا۔ یہانتک کہ خدائے بے نیاز کی ہدایت سے مجھے یقین ہو گیا۔ کہ حضرت خواجہ خواص اولیاء اللہ سے ہیں اور کامل مکمل ہیں۔ غیبی اشارات اور بہت سے واقعات کے بعد میں نے کلام اللہ شریف سے فال لیا۔ تو یہ آیت نکلی:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (سورہ انعام۔ رکوع ۱۰)	یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ پس تو اُن کی ہدایت کی پیروی کر۔

میں شام کے وقت فتح آباد میں جو اس فقیر کا مسکن تھا شیخ عالم سیف الحق والدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۵۸ھ) کے مزار کی طرف متوجہ بیٹھا تھا۔ کہ اچانک خدا تعالےٰ کی قبولیت کا قاصد آپہنچا اور مجھ میں بیقراری پیدا ہوئی میں نے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد کیا۔ جب میں موضع کوشک ہندواں (قصر عارفاں) میں جو آپ کا قیامگاہ تھا پہنچا۔ تو حضرت خواجہ کو راستے میں منتظر پایا۔ آپ لطف واحسان سے پیش آئے۔ اور نماز شام کے بعد صحبت کا شرف بخشا۔ آپ کی ہیبت مجھ پر اس قدر غالب ہوئی کہ دیکھنے کی مجال نہ رہی۔ آپ نے فرمایا "علم دو ہیں۔ ایک قلب کا علم اور یہ نبیوں اور رسولوں کا علم ہے۔ دوسرا زبان کا علم۔ اور یہ علم بنی آدم پر حجت ہے۔ امید ہے کہ علم باطن سے تجھے حصہ ملے گا" پھر فرمایا کہ حدیث میں ہے۔

اذا جالستم اهل الصدق فجالسوهم بالصدق فانهم جواسيس القلوب يدخلون فى قلوبكم وينظرون الى همكم	جب تم اہل صدق کی صحبت میں بیٹھو تو ان کے پاس صدق سے بیٹھو۔ کیونکہ وہ دلوں کے جاسوس ہیں۔ تمہارے دلوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور تمہارے ارادوں کو دیکھ لیتے ہیں

ہم مامور ہیں۔ اپنے آپ کسی کو قبول نہیں کرتے۔ آج رات دیکھیں گے کہ تیرے بارے میں کیا اشارہ ہوتا ہے۔ تاکہ اُس پر عمل کیا جائے۔ وہ رات مجھ پر ایسی سخت گزری کہ عمر بھر کوئی رات ایسی نہ گزری تھی۔ میں ڈرتا تھا کہ مبادا ردّ کر دیں۔ جب میں نے صبح کی نماز آپ کے ساتھ پڑھی۔ تو فرمایا کہ قبولیت کا اشارہ ہوا ہے ہم کسی کو قبول نہیں کرتے۔ اگر کرتے ہیں تو دیر سے کرتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ کوئی کس نیت سے آتا ہے اور کس وقت آتا ہے۔ پھر آپ نے اپنے مشائخ کا سلسلہ خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے

تک بیان فرمایا۔ اور اِس فقیر کو وقوف عددی میں مشغول کیا۔ اور فرمایا کہ یہ علم لدنی کا پہلا سبق ہے۔ جو خاصان خدا میں سے ایک بزرگ نے جو بقول مشہور حضرت خضر علیہ السلام تھے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کو پڑھایا تھا۔ بعد ازاں میں ایک مدت تک حضرت خواجہ کی خدمت میں رہا۔ یہانتک کہ آپ نے اس فقیر کو بخارا سے سفر کی اجازت دے دی۔ اور فرمایا کہ جو کچھ تجھے ہم سے ملا ہے وہ بندگانِ خدا تک پہنچا دینا تاکہ اُن کی سعادت کا سبب ہو۔ اور رخصت کے وقت تین بار فرمایا۔ ترا بخدا سپردیم (ہم نے تجھے خدا کے سپرد کیا)۔ اِس سپرد کرنے سے بہت امید ہوگئی۔ کیونکہ حدیث میں ہے:۔

جب کوئی چیز حوالہ خدا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت کرتا ہے	انّ اللہ تعالیٰ اذا استودع شئ حفظہ

جب میں بخارا سے روانہ ہو کر شہر کش[1] میں پہنچا اور کچھ مدت وہاں رہا۔ تو حضرت خواجہ کی وفات کی خبر پہنچی۔ میرے دل پر رنج اور صدمہ ہوا اور بڑا خوف غالب ہو گیا کہ مبادا عالم طبیعت کی طرف پھر میلان ہو جائے اور طلب کی خواہش نہ رہے۔ میں نے حضرت خواجہ کی روحانیت کو دیکھا کہ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا تذکرہ کیا اور یہ آیت پڑھی:۔

اور محمد تو ایک رسول ہیں۔ اُن سے پہلے بہت رسول ہو چکے۔ پھر کیا اگر وہ مر گئے یا مارے گئے تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔	وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئْنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران۔ ع ۱۵)

چونکہ میں آپ کی صحبت سے محروم ہو گیا تھا۔ اِس لئے خیال ہوا کہ درویشوں کے کسی دوسرے گروہ سے جا ملوں اور ان کے طریقہ میں مشغول ہو جاؤں۔ میں نے پھر حضرت خواجہ کی روحانیت کو دیکھا کہ فرماتے ہیں۔

فرمایا زید بن حارثہ نے کہ دین ایک ہی ہے۔	قال زید بن الحارثۃ الدین واحد

اس سے میں سمجھ گیا کہ اجازت نہیں ہے۔ آپ نے صحابہ کرام میں سے حضرت زید بن حارثہ کی تخصیص اس لئے فرمائی۔ کہ حضرت زید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پسر خواندہ یعنی منہ بولے بیٹے تھے۔ ہمارے حضرات خواجگان قدس اللہ تعالےٰ ارواحہم طالبوں کو فرزندی میں قبول فرماتے ہیں پس ان کے اصحاب ان کے منہ بولے بیٹے ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ایک دفعہ اَور میں نے حضرت خواجہ کو دیکھا اور پوچھا کہ میں آپ کو قیامت میں کس عمل سے پاؤں۔ فرمایا۔ تشرع سے یعنی شریعت پر عمل کرنے سے۔ ان تین بشارتوں سے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہوا

---

[1] یہ موضع ولایات اصفہان میں سے ہے۔ بعضے ماوراء النہر میں بتاتے ہیں۔

جو آپ عالم حیات میں فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے جو کچھ پایا وہ بفضل الٰہی قرآن و حدیث پر عمل کرنے سے اور اس عمل سے نتیجہ طلب کرنے سے اور تقوٰے و حدود شرعیہ کی رعایت ملحوظ رکھنے سے اور عزیمت پر اور طریقہ اہل سنت و جماعت پر چلنے سے اور بدعت سے پرہیز کرنے سے پایا۔

جب حضرت خواجہ نے فقیر کو بخارا سے سفر کی اجازت دی۔ تو اشارۃً حضرت خواجہ علاء الدین کی متابعت کا حکم دیا تھا۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد میں موضع کش سے بدخشاں چلا گیا تھا۔ میں وہیں تھا کہ حضرت نے مجھے چغانیاں سے ایک خط لکھا اور اس اشارہ متابعت کو یاد دلایا۔ اس لئے میں چغانیاں میں چند سال آپ کی صحبت میں رہا۔ آپ سب پر بالخصوص اس فقیر پر بے حد لطف و کرم فرماتے تھے۔ جب آپ کا وصال ہو گیا۔ تو میں نے چاہا کہ میں حضرت خواجہ بزرگ کے اس ارشاد کی تعمیل کروں کہ تجھے جو کچھ ہم سے پہنچا ہے اُسے بندگان خدا تک پہنچا دینا اور مناسب حال حاضرین کو بطریق خطاب اور غائبین کو بذریعہ کتابت تبلیغ کرنا۔ فقیر اپنے تئیں اس خدمت کا اہل نہیں سمجھتا۔ مگر اعتقاد یہ ہے کہ حضرت خواجہ کا اشارہ حکمت سے خالی نہ ہوگا۔"

آپ کی کرامت حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے حالات میں بیان ہوگی انشاء اللہ تعالےٰ۔

وفات آپ کی وفات شریف ۵ صفر ۸۵۱ھ میں ہوئی مزار مبارک قریہ ہلفتو میں ہے۔ جو حصار واقع ماوراء النہر کے مضافات میں سے ہے

کلماتِ قدسیہ

(۱) حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کا بیان ہے کہ مولانا یعقوب چرخی شیخ زین الدین خوافی کے ساتھ ملک مصر میں مولانا شہاب الدین سیرامی کی خدمت میں ہم سبق رہے ہیں۔ ایک دن آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کہتے ہیں کہ شیخ زین الدین حل وقائع اور خوابوں کے تعبیر کا شغل رکھتے ہیں اور اس بارے میں اہتمام تمام رکھتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ ہاں۔ درست ہے۔ پھر آپ ایک ساعت بے خود ہو گئے آپ کا طریقہ یہ تھا کہ ساعت بساعت بیخود ہو جایا کرتے تھے۔ جب ہوش میں آئے۔ تو آپ نے یہ بیت پڑھی۔ ؎

چو غلام آفتابم ہم از آفتاب گویم　　نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

(۲) فرماتے تھے کہ شہر ہرات کے اوقاف میں سے تین جگہ کے سوا کوئی چیز نہیں کھا سکتے۔ یعنی خواجہ عبد اللہ انصاری قدس سرہ کی خانقاہ میں اور خانقاہ ملک میں اور مدرسہ غیاثیہ میں۔ ان تینوں کے سوا کوئی اور جگہ کہ جہاں وقف میں شک نہ ہو نہیں ہے۔ اسی واسطے ماوراء النہر کے اکابر قدس اللہ تعالےٰ

اروا حہم نے اپنے مریدوں کو ہرات کے سفر سے منع کیا ہے کیونکہ وہاں حلال کم ہے۔ جب سالک حرام میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو عالم طبیعت کی طرف رجعت قہقری کرتا ہے اور راہ مستقیم کے سلوک سے منحرف ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ صاحب تصانیف بھی ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کے اخیر دو پاروں کی تفسیر لکھی ہے۔ جس کے مطالعہ سے بڑا ذوق شوق پیدا ہوتا ہے۔ رسالہ انسیہ بھی آپ کی تصنیف ہے جس میں آپ نے حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ کے حالات درج کئے ہیں۔

(رسالہ انسیہ۔ نفحات۔ رشحات)

۲۰۔ خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار قدس سرہٗ

آپ کا نام مبارک عبید اللہ ہے۔ ناصر الدین لقب ہے کیونکہ آپ سے دین اسلام کو نصرت پہنچی۔ احرار بھی آپ کا لقب ہے جو اصل میں خواجہ احرار ہے۔ چونکہ آپ کے اسم گرامی کے معنے میں چھٹائی پائی جاتی ہے اس لئے اس کے تدارک کے لئے آپ کو خواجۂ احرار بالاضافت لقب دیا گیا۔ اس لقب میں آپ کی بڑی منقبت ہے۔ کیونکہ اہل اللہ کے نزدیک حرّ (واحد احرار) اُسے کہتے ہیں جو عبودیت کی حدود کو بروجہ کمال قائم کرے اور اغیار کی رقّیت (غلامی) سے نکل جائے۔ استعمال میں بعض وقت لفظ خواجہ کو حذف کر کے فقط احرار کہتے ہیں۔

آپ باغستان میں جو تاشکند واقع توران کے مضافات سے ہے ماہ رمضان ۸۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ تولد کے بعد چالیس دن تک کہ ایام نفاس ہیں آپ نے اپنی ماں کا دودھ نہ پیا۔ جب اُس نے نفاس سے پاک ہو کر غسل کیا۔ تو پینا شروع کیا۔ لڑکپن ہی سے رشد وسعادت کے آثار اور قبول وعنایت الٰہی کے انوار آپ کی پیشانی میں نمایاں تھے۔ تین چار سال کی عمر سے نسبت آگاہی بحق سبحانہ تعالےٰ حاصل تھی۔ طفولیت میں مکتب میں آمدورفت رکھتے۔ مگر دل پر وہی نسبت غالب تھی۔ بچپن میں مزارات مشائخ پر حاضر ہوتے۔ جب سن بلوغ کو پہنچے۔ تو تاشکند کے مزارات پر جو ایک دوسرے سے فاصلہ پر واقع ہیں پھرا کرتے۔ اور بعض دفعہ ایک ہی رات میں تمام مزارات کی گشت کر آتے۔

آپ کے ماموں خواجہ ابراہیم علیہ الرحمۃ کو آپ کی تعلیم کا بڑا خیال تھا۔ اِسی غرض سے وہ آپ کو بائیس سال کی عمر میں تاشکند سے سمرقند لے گئے۔ مگر شغل باطنی کا غلبہ علم ظاہری کی تحصیل سے

مانع رہا۔ خواجہ فضل اللہ ابو اللیثی جو سمرقند کے اکابر علماء سے تھے فرماتے تھے کہ ہم خواجہ عبید اللہ کے باطن کے کمال کو نہیں جانتے۔ مگر اتنا جانتے ہیں کہ انہوں نے بحسب ظاہر علوم رسمی سے بہت کم پڑھا ہے۔ اور ایسا دن کم ہوگا کہ وہ تفسیر قاضی بیضاوی میں ہمارے سامنے کوئی شبہ پیش کریں اور ہم سب اس کے حل سے عاجز نہ آئے ہوں۔ بائیس برس کی عمر سے انتیس برس کی عمر تک آپ سفر ہی میں رہے۔ اس عرصہ میں آپ کو بہت سے مشائخ زمانہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ چنانچہ سمرقند میں آپ اکثر مولانا نظام الدین خلیفۂ حضرت علاء الدین عطار قدس سرہٗ کی صحبت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ایک روز مولانا نے مراقبہ کے بعد نعرہ مارا۔ جب سبب دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا مشرق کی طرف سے ایک شخص نمودار ہوا جس کا نام خواجہ عبید اللہ ہے۔ اس نے تمام روئے زمین کو لے لیا۔ وہ عجیب بزرگ شخص ہے۔ سمرقند کے قیام میں ایک روز آپ مولانا کے ہاں سے جو نکلے۔ تو ایک بزرگ نے پوچھا کہ یہ جوان کون ہے۔ مولانا نے فرمایا: "وہ خواجہ عبید اللہ ہیں۔ عنقریب دنیا کے سلاطین ان میں مبتلا ہوں گے۔"

سمرقند ہی میں آپ حضرت سید قاسم تبریزی کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ وہاں سے بخارا کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک ہفتہ شیخ سراج الدین کلال پرسی[1] خلیفۂ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہما کی صحبت میں رہے۔ بخارا میں پہنچ کر مولانا حسام الدین شاشی کی زیارت کی جو سید امیر حمزہ بن سید امیر کلال کے خلیفۂ اول تھے۔ اور خواجہ بزرگ کے خلیفہ خواجہ علاء الدین غجدوانی کی خدمت میں بہت دفعہ حاضر ہوئے۔ بعد ازاں آپ نے خراسان کا سفر اختیار کیا اور مرو کے راستے ہرات میں آئے۔ ہرات میں آپ نے چار سال قیام کیا۔ اس عرصہ میں آپ اکثر سید قاسم تبریزی اور شیخ بہاء الدین عمر قدس سرہما کی صحبت میں رہے اور کبھی کبھی شیخ زین الدین خوافی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

ہرات میں آپ نے ایک سوداگر سے حضرت خواجہ یعقوب چرخی کے فضائل سنے۔ اس لئے وہاں سے ان کی صحبت کی نیت سے بلخ کے راستے حصار کی طرف متوجہ ہوئے۔ بلخ میں مولانا حسام الدین پارسا خلیفۂ خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہما کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور وہاں سے حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہٗ کے مزار کی زیارت کے لئے چغانیاں پہنچے۔ اور چغانیاں سے ہلفتو میں مولانا یعقوب چرخی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جس کا قصہ آپ خود یوں بیان فرماتے ہیں۔

[1] پرس قصبہ وابکنی کے دیہات میں سے ایک گاؤں کا نام ہے۔ وہاں سے بخارا چار شرعی فرسنگ ہے۔ رشحات۔

"جب میں ولایت چغانیاں میں پہنچا۔ تو بیمار ہوگیا۔ اور بیس روز تپ لرزہ آتا رہا۔ اِس عرصہ میں نواح چغانیاں کے بعضے لوگوں نے مولانا یعقوب چرخی کی بہت غیبت کی۔ بیماری کے دنوں میں ایسی پریشاں باتوں کے سننے سے مولانا کی ملاقات کے ارادے میں بڑا فتور واقع ہوا۔ آخر کار میں نے اپنے دل میں کہا کہ تو اِس قدر دور، فاصلہ سے آیا ہے۔ یہ اچھا نہیں کہ تو ان سے ملاقات نہ کرے۔ میں روانہ ہوگیا۔ اور ان کی خدمت میں پہنچا۔ وہ بڑی عنایت سے پیش آئے اور ہر طرح کی باتیں کیں۔ لیکن دوسرے روز جو میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو بہت غصہ ہوئے اور سختی و درشتی سے پیش آئے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ان کے غصہ کا سبب غیبت کا سننا اور تیرے ارادے میں فتور کا آنا ہوگا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ لطف سے پیش آئے اور بہت توجہ وعنایت فرمائی۔ اور حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ سے اپنی ملاقات کا حال بیان فرما کر اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا اور کہا کہ بیعت کر۔ چونکہ ان کی پیشانی مبارک پر کچھ سفیدی مشابہ برص تھی جو طبیعت کی نفرت کا موجب ہوتی ہے۔ اس لئے میری طبیعت ان کے ہاتھ پکڑنے کی طرف مائل نہ ہوئی وہ میری کراہت کو سمجھ گئے اور جلدی اپنا ہاتھ ہٹالیا۔ اور بطریق خلع ولبس اپنی صورت تبدیل کر کے ایسی صورت میں ظاہر ہوئے کہ میں بے اختیار ہوگیا۔ قریب تھا کہ بیخود ہو کر آپ سے لپٹ جاؤں۔ آپ نے دوسری دفعہ اپنا دست مبارک بڑھایا۔ اور فرمایا کہ حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہٗ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ تیرا ہاتھ ہمارا ہاتھ ہے جس نے تمہارا ہاتھ پکڑا اُس نے ہمارا ہاتھ پکڑا۔ خواجہ بہاء الدین کا ہاتھ پکڑ لو۔ مَیں نے بلا توقف مولانا یعقوب کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حسب طریقہ حضرات خواجگان مجھے شغل نفی واثبات جس کو وقوف عددی کہتے ہیں سکھایا اور فرمایا کہ جو کچھ ہم کو حضرت خواجہ بزرگ سے پہنچا ہے یہی ہے۔ اگر تم بطریق جذبہ طالبوں کی تربیت کرو۔ تو تمہیں اختیار ہے۔"

کہتے ہیں کہ مولانا کے بعض اصحاب نے آپ سے پوچھا کہ جس طالب کو آپ نے اِس وقت طریقہ کی تعلیم دی اُس کی نسبت کس طرح آپ نے فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے۔ چاہو بطریق جذبہ تربیت کرو۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ طالب کو مرشد کے پاس اِس طرح آنا چاہئے کہ سب چیزیں تیار ہوں۔ صرف اجازت کی دیر ہو۔ مولانا جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں۔ کہ مولانا یعقوب فرماتے تھے کہ جو طالب کسی بزرگ کی صحبت میں آنا چاہے۔ اُسے خواجہ عبید اللہ کی طرح آنا چاہئے کہ چراغ اور تیل بتّی سب تیار ہے صرف دیا سلائی دکھانے کی دیر ہے۔ خواجہ عبید اللہ احرار فرماتے تھے کہ جب میں نے مولانا یعقوب سے اجازت طلب کی۔ تو آپ نے مجھ سے حضرات خواجگان کے تمام طریقے بیان فرمائے۔ جب طریق رابطہ کی

نوبت پہنچی۔ تو فرمایا کہ اِس طریقہ کی تعلیم میں دہشت نہ کھانا اور استعداد والوں کو بتا دینا۔

حضرت خواجہ عبید اللہ مولانا یعقوب کی خدمت سے رخصت پاکر پھر ہرات میں آئے۔ اور کم وبیش ایک سال وہاں رہے۔ بعدازاں انتیس سال کی عمر میں وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی۔ اور تاشکند میں مقیم ہوکر زراعت کا کام ایک شخص کی شراکت میں شروع کیا۔ دونوں ایک جوڑی بیل سے کھیتی کا کام کرنے لگے۔ اس کے بعد اللہ تعالے نے آپ کی زراعت میں بڑی برکت دی۔ آپ کے مال ومنال اور ضیاع وعقار اور گلہ ومواشی اور اسباب واملاک اندازہ کی حد سے زائد تھے۔ مگر یہ سب اللہ والوں کے لئے تھے۔ چنانچہ مولانا جامی یوسف زلیخا میں آپ کے منقبت میں یوں لکھتے ہیں۔ ؎

ازاں دانہ کزو آدم بنا کام	جس دانہ سے حضرت آدمؑ ناچار باغ بہشت سے
زبستانِ بہشت آمد بدیں دام	اِس جال (دنیا) میں آئے۔
ہزارش مزرعہ در زیر کشت است	اُن کے ہزار کھیت زیر کاشت ہیں جو راہ بہشت
کہ زادِ رفتنِ راہِ بہشت است	میں چلنے کا توشہ ہیں۔
دریں مزرعہ فشاند تخم دانہ	وہ اِس کھیت (دنیا) میں بیج بو رہے ہیں۔ اور اُس
دراں عالم کند انبار خانہ	عالم میں ذخیرہ کر رہے ہیں۔

کرامات (۱) حضرت خواجہ احرار فرماتے ہیں۔ کہ ہمت سے مراد دل کا ایک امر پر اِس طرح جمع کرنا ہے کہ اُس کا خلاف دل میں نہ آئے۔ ایسی ہمت سے مراد متخلف نہیں ہوتی۔ فرماتے ہیں کہ اوائل جوانی میں جب کہ ہم مولانا سعد الدین کاشغری کے ساتھ ہرات میں تھے اور دونوں سیر کیا کرتے تھے۔ تو کبھی کشتی لڑنے والوں کے اکھاڑہ میں جا پہنچتے۔ اور اپنی قوت اور توجہات کا امتحان کرتے۔ دو پہلوانوں میں سے ایک کی طرف توجہ مبذول کرتے۔ تو وہ غالب آتا۔ پھر مغلوب کی طرف متوجہ ہوتے۔ تو وہ غالب ہو جاتا۔ اس طرح کئی بار اتفاق ہوا۔ مقصود یہ تھا کہ معلوم ہو جائے کہ ہمت کی تاثیر کس درجہ پر پہنچی ہے۔

(۲) مولانا ناصر الدین اترازی جو حضرت عبید اللہ احرار کے خادموں میں سے تھے بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت نے واقعہ میں دیکھا تھا کہ آپ کی مدد سے شریعت کو تقویت پہنچے گی۔ آپ کے مبارک دل میں آیا کہ یہ بات سلاطین کی مدد کے بغیر حاصل نہ ہوگی۔ اِس غرض سے آپ سمرقند کی طرف آئے۔ اُس وقت میرزا عبد اللہ بن میرزا ابراہیم بن میرزا شاہرخ بن امیر تیمور ولایت سمرقند کا حاکم تھا۔ میں اس سفر میں آپ کی خدمت میں تھا۔ جب آپ سمرقند میں پہنچے۔ تو میرزا عبد اللہ کا ایک امیر آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ یہاں آنے سے ہماری غرض تمہارے میرزا کی ملاقات ہے۔ اگر

تمہارے ذریعہ سے یہ کام ہو جائے۔ تو خوب ہے۔ اُس امیر نے بے ادبی سے جواب دیا کہ ہمارا میرزا بے پروا جوان ہے۔ اُس سے ملاقات مشکل ہے۔ درویشوں کو ایسی باتوں سے کیا مطلب۔ آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ ہم کو سلاطین کی ملاقات کا حکم ہوا ہے۔ ہم اپنے آپ نہیں آئے۔ اگر تمہارا میرزا پروا نہیں کرتا۔ تو دوسرا لایا جائے گا جو پروا کرے گا۔ جب وہ امیر چلا گیا۔ تو آپ نے اُس کا نام سیاہی سے اُس مکان کی دیوار پر لکھا اور اپنے لعاب دہن سے مٹا دیا اور فرمایا کہ ہمارا کام اِس بادشاہ اور اِس کے امیروں سے نہیں چل سکتا۔ اور اُسی روز تاشکند کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک ہفتہ کے بعد وہ امیر مرگیا اور ایک مہینے کے بعد سلطان ابو سعید میرزا ابن محمد میرزا ابن میرانشاہ بن امیر تیمور اطراف ترکستان سے ظاہر ہوا۔ اور اُس نے میرزا عبد اللہ پر حملہ کر کے اُسے (۸۵۵ھ میں) قتل کر ڈالا۔

(۳) میرزا بابر بن میرزا بایسنغر بن میرزا شاہرخ بن امیر تیمور ایک لاکھ سپاہ لے کر خراسان سے سمرقند کی طرف متوجہ ہوا۔ میرزا سلطان ابو سعید نے حضرت کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ مجھے اُس کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ کیا کروں۔ آپ نے اُسے تسلی دی۔ جب میرزا دریائے آمویہ سے گزرا۔ تو سلطان ابو سعید کے امیروں کی ایک جماعت نے اتفاق و مشورہ کیا کہ میرزا کو ترکستان میں لے جائیں۔ اور وہاں قلعہ نشین ہو جائیں۔ چنانچہ کل سامان اونٹوں پر لدوا دیا گیا۔ حضرت کو جو خبر لگی۔ تو شتربانوں پر خفا ہوئے اور سامان اتروا دیا۔ اور خود میرزا کے ہاں تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ کہاں جاتے ہو۔ جانے کی ضرورت نہیں۔ یہیں کام بن جائے گا۔ میں نے تمہاری مہم اپنے ذمہ لے لی ہے۔ امیر گھبرا گئے یہاں تک کہ بعضوں نے اپنی پگڑیاں زمین پر پھینک دیں اور کہنے لگے کہ حضرت خواجہ ہم کو مروا رہے ہیں۔ چونکہ میرزا کا اعتقاد صادق تھا۔ اُس نے کسی کی نہ سُنی اور سمرقند ہی میں قلعہ نشین ہو گیا۔

جب میرزا بابر سمرقند کے قلعہ کے گرد پہنچا۔ تو خلیل جو اُس کے مقدمہ لشکر پر تھا عیدگاہ سمرقند کے دروازے پر ٹھہر گیا۔ شہر سے تھوڑے سے آدمی نکل کر خلیل سے لڑے۔ خلیل گرفتار ہو گیا۔ میرزا بابر سمرقند کے برابر قلعہ میں اترا۔ اُس کے لشکری سامان معیشت کے لئے جس طرف جاتے اہل سمرقند اُن کو پکڑ کر ناک کان کاٹ دیتے۔ اِس طرح میرزا بابر کے لشکر کے بہت سے سپاہیوں نے اپنے ناک کان کٹوا لئے۔ میرزا بابر کا لشکر نہایت تنگ آگیا۔ اور چند روز کے بعد ان کے گھوڑوں میں وبا نمودار ہوئی جس سے بہت سے گھوڑے تلف ہو گئے۔ آخر کار میرزا بابر نے مولانا محمد معمائی کو حضرت کی خدمت میں بھیج کر صلح کی درخواست کی۔ مولانا محمد نے دوران گفتگو میں کہا کہ ہمارا میرزا نہایت غیور اور عالی ہمت بادشاہ ہے جس طرف متوجہ ہوتا ہے بغیر تسخیر کئے واپس نہیں آتا۔ حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا

کہ میں اُس کے دادا میرزا شاہرخ (متوفی ۸۵۰ھ) کے زمانہ میں ہرات میں تھا۔ مجھے اُس کے طفیل سے بڑی فراغت اور جمعیت حاصل تھی۔ اگر شاہرخ کے حقوق نہ ہوتے۔ تو معلوم ہو جاتا کہ میرزا بابر کا کیا حال ہوتا۔ آخر الامر حضرت کے خاص مرید مولانا قاسم کی وساطت سے صلح ہو گئی۔

(۴) جب میرزا سلطان ابو سعید بتاریخ ۲۵ رجب ۸۷۳ھ شہید ہو گیا۔ تو اُس وقت اُس کے گیارہ بیٹوں میں سے چار برسر حکومت تھے۔ چنانچہ میرزا الغ بیگ کابل میں۔ میرزا سلطان احمد سمرقند میں۔ میرزا عمر شیخ ولایت اندجان و فرغانہ میں اور میرزا سلطان محمود حصار و قندز و بدخشاں میں حکمران تھا۔ میرزا سلطان محمود نے سمرقند کے محاصرہ کا ارادہ کیا۔ جب حضرت خواجہ کو یہ خبر لگی۔ تو آپ نے بذریعہ رقعہ و پیام میرزا سلطان محمود کو اس حرکت سے منع فرمایا۔ مگر وہ روبراہ نہ ہوا۔ اور ولایت حصار سے سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ اُس کے ساتھ سامان و لشکر بے شمار تھا اور چغتائی لشکر کے علاوہ چار ہزار ترکمان ہمرکاب تھے۔ میرزا سلطان احمد میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے اُس نے بھاگنا چاہا اور حضرت خواجہ سے اجازت چاہی۔ حضرت شہر سمرقند کے مدرسہ میں مقیم تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم بھاگ جاؤ گے۔ تو سمرقند کے تمام باشندے قید ہو جائیں گے۔ تم گھبراؤ مت۔ میں تمہارے معاملہ کا ذمہ وار ہوں۔ اگر دشمن مغلوب نہ ہوا۔ تو تم مجھ سے مواخذہ کرنا۔ پھر آپ نے میرزا سلطان احمد کو مدرسہ کے ایک حجرے میں اتارا جس کا ایک ہی دروازہ تھا اور آپ اُس دروازے میں بیٹھ گئے خادموں نے آپ کے حکم سے ایک تیز رفتار اونٹنی لاکر اُس حجرے کے آگے بٹھا دی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میرزا سلطان محمود سمرقند پر قابض ہو جائے اور اُس دروازے سے کہ جہاں لڑائی ہو شہر میں داخل ہو جائے تو تم اِس اونٹنی پر سوار ہو کر دوسرے دروازے سے بھاگ جائیو۔ آپ نے اِس تدبیر سے میرزا سلطان احمد کو تسکین دی۔ بعد ازاں آپ نے مولانا سید حسین اور مولانا قاسم اور میر عبد الاول اور مولانا جعفر کو جو آپ کے اکابر اصحاب سے تھے طلب فرمایا اور حکم دیا کہ تم فوراً اُس دروازے کے برج میں جاکر مراقبہ کرو۔ چنانچہ وہ وہاں جاکر مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ مولانا قاسم کا بیان ہے کہ مراقبہ میں بیٹھتے ہی ہم نے دیکھا کہ ہم نیست ہیں۔ تمام حضرت ہی حضرت ہیں اور تمام عالم آپ کے وجود مبارک سے پُر ہے۔ لڑائی وقت چاشت تک جاری رہی۔ قریب تھا کہ دشمن غالب آجائے۔ شہر والے حیران و پریشان تھے کہ ناگاہ دشت قبچاق کی طرف سے ایک سخت آندھی اُٹھی۔ اور میرزا سلطان محمود کے لشکر و لشکر گاہ میں گرد و غبار کا وہ طوفان برپا ہوا کہ کسی کو آنکھ کھولنے کی مجال نہ رہی۔ ہوا پیادوں اور سواروں کو زمین پر گراتی۔ اور خیمہ و سراپردہ و خرگاہ کو اکھاڑ کر اوپر کی طرف اُڑاتی اور زمین پر پھینک دیتی۔ میرزا

سلطان محمود اپنے امیروں اور ترکمانوں کی جماعت کثیر کے ساتھ ایک تالاب کے کنارے دیوار کے پشتہ کے نیچے گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ کہ ناگاہ پشتہ کا ایک حصہ پھٹ گیا۔ جس کے ہولناک دھماکے سے قریبًا چار سو مرد اور گھوڑے جو اُس کے نیچے کھڑے تھے دب کر مر گئے۔ ترکمانوں کے گھوڑے بھاگنے لگے۔ سواروں نے ہر چند روکا مگر نہ رُکے۔ القصہ لشکر پراگندہ ہوگیا۔ میرزا سلطان محمود کو شکست ہوئی میرزا سلطان احمد کے لشکر اور شہر کے لوگوں نے قریبًا پانچ کوس تک ان کا تعاقب کیا۔ اور بہت سے سوار اور گھوڑے پکڑ لائے اور بہت کچھ سامان غنیمت ہاتھ آیا۔

(۵) مولانا شیخ ابو سعید مجلد جو میرزا شاہرخ کے زمانہ میں نہایت خوبصورت جوان تھے بیان کرتے ہیں کہ جوانی میں ایک بار ایک خوبصورت عورت سے اتفاقًا میری ملاقات ہوگئی۔ وہ میرے مکان میں آگئی۔ میں نے چاہا کہ خلوت میں اُس سے بات چیت کروں۔ اِس اثنا میں ناگاہ میں نے حضرت خواجہ کی آواز سُنی کہ فرماتے ہیں۔ ابو سعید! چہ کار مے کنی؟ یہ سن کر میری حالت بدل گئی اور میرے دل پر ہیبت طاری ہوگئی اور میرے اعضا میں رعشہ پیدا ہوگیا۔ میں نے اُٹھ کر فورًا اُس عورت کو اپنے مکان سے نکال دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت تشریف لائے۔ جب آپ کی نظر مجھ پر پڑی۔ تو فرمانے لگے۔ کہ اگر حق تعالےٰ کی توفیق تیری یاوری نہ کرتی۔ شیطان تجھ کو برباد کر دیتا۔

(۶) حضرت خواجہ کے مخلصوں میں سے ایک بزرگ نقل کرتے ہیں کہ سمرقند میں میرا ایک غلام غائب ہوگیا۔ اُس غلام کے سوا میرا مال و متاع اور کچھ نہ تھا۔ چار مہینے میں نے اُس کی تلاش کی۔ سمرقند کے نواح میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں میں کئی بار نہ گیا۔ پہاڑ اور صحرا میں بہت پھرا۔ مگر کہیں اُس کا نشان نہ پایا۔ اس پریشانی میں ناگاہ حضرت خواجہ مجھے صحرا میں ملے۔ آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب و خدام بھی تھے۔ میں نے حالت اضطراب میں حضرت کے گھوڑے کی باگ تھام لی۔ اور نیازمندی سے اپنا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو دہقانی آدمی ہیں۔ ایسی باتوں کو کیا جانیں۔ میں نے سنا ہوا تھا کہ اولیاء اللہ ایسا تصرف کیا کرتے ہیں کہ غائب کی خبر دے دیتے ہیں بلکہ غائب کو حاضر کر دیتے ہیں۔ اِس لئے میں نے اصرار کیا اور گھوڑے کی باگ نہ چھوڑی۔ جب آپ نے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ تو ایک لحظہ سکوت فرمایا اور پوچھا کہ یہ گاؤں جو نظر آرہا ہے کیا اس میں بھی تم نے اُسے تلاش کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو بارہا اس میں گیا ہوں مگر محروم واپس آیا ہوں۔ فرمایا پھر تلاش کرو۔ مل جائے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے گھوڑے کو تیز دوڑایا۔ جب میں اُس گاؤں کے نزدیک پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُس غلام نے پانی کا گھڑا بھرا ہوا آگے رکھا ہے اور خشک جگہ پر حیران کھڑا ہے۔ جب میری نظر اُس پر پڑی۔ میں نے بے اختیار

نعرہ مارا اور کہا۔ اے غلام! تو اس عرصہ میں کہاں رہا۔ اس نے جواب دیا کہ میں آپ کے گھر سے نکلا۔ تو ایک شخص مجھ کو بہکا کر خوارزم میں لے گیا۔ اور وہاں مجھ ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ میں اُس شخص کی خدمت میں تھا۔ آج اُس کے ہاں ایک مہمان آیا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ پانی کا گھڑا بھر لاؤ تاکہ کھانا تیار کریں۔ میں گھڑا اُٹھا کر پانی کے کنارے پر پہنچا اور پانی سے بھر لیا جب میں نے پانی سے نکالا۔ تو اپنے آپ کو یہاں حاضر پاتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں یہ معاملہ بیداری میں دیکھ رہا ہوں یا خواب میں۔ حضرت خواجہ کا یہ تصرف دیکھ کر میرا حال بدل گیا۔ میں نے غلام کو تو آزاد کر دیا۔ اور خود حضرت کا غلام بن گیا۔

(۷) مولانا زادہ فرکتی مولانا نظام الدین علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ وہ اپنے مرشد کی وفات کے بعد حضرت خواجہ کی خدمت میں بہت رہے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت خواجہ کے ہمراہ ایک گاؤں کو جا رہا تھا۔ جاڑے کا موسم تھا اور دن چھوٹے۔ ہم نے نماز عصر راستے میں پڑھی۔ شام ہونے آئی۔ آفتاب زرد ہو گیا۔ منزل تک پہنچنے میں دو شرعی (کوس) باقی تھے۔ اُس صحرا میں کوئی پناہ و آرامگاہ نہ تھی۔ میرے دل میں آیا کہ دن ختم ہو گیا۔ راستہ خطرناک ہوا سرد اور فاصلہ زیادہ ہے۔ کیا حال ہوگا۔ جب یہ خیال کئی بار میرے دل میں آیا۔ تو حضرت نے مُنہ پھیر کر فرمایا کہ ڈر مت۔ گھوڑے دوڑاؤ۔ ممکن ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے ہم منزل پر پہنچ جائیں۔ یہ کہہ کر آپ نے گھوڑے کو تیز دوڑایا۔ میں بھی آپ کے پیچھے تیز دوڑا رہا تھا۔ اور پلٹ پلٹ کر آفتاب کی ٹکیہ کو دیکھتا جاتا تھا۔ آفتاب اسی طرح اُفق پر ٹھیرا ہوا تھا۔ گویا کسی نے اُس میں میخ ٹھونک دی ہے جس سے وہ افق پر ٹھیرا ہوا ہے۔ جب ہم گاؤں میں پہنچے۔ تو یک بیک آفتاب ایسا غروب ہوا کہ شفق کی سرخی و سپیدی جو غروب کے بعد ہوا کرتی ہے اُس کا کوئی نشان نہ رہا۔ اور عالم میں ایسی تاریکی پھیل گئی کہ شکلوں اور رنگتوں کا نظر آنا ناممکن ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حیرت و ہیبت مجھ پر طاری ہوئی۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ حضرت خواجہ کا تصرف ہے۔ آخر کار بے اختیار ہو کر میں نے حضرت سے عرض کیا کہ خدا کے لئے فرمائیے۔ یہ کیا راز تھا جو میں نے دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ بھی طریقت کے شعبدوں میں سے ایک شعبدہ ہے۔

(۸) خواجہ کلاں فرماتے ہیں کہ حضرت کا ایک خادم سمرقند کو جا رہا تھا۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ ہمارے واسطے سمرقند سے چند ڈبے خالص شہد کے لانا۔ وہ سمرقند سے کئی ڈبے شہد سے بھر کر اور ان کے منہ پر مہر لگا کر روانہ ہوا۔ اتفاقاً بازار سمرقند میں کسی کام کے لئے ایک بزاز کی دکان پر ٹھیر گیا اور اُس نے شہد کے ڈبوں کو اپنے سامنے رکھ لیا۔ ناگاہ ایک خوبصورت مست عورت جو اُس بزاز کی آشنا تھی وہاں آئی اور

دکان کے ایک طرف بیٹھ کر بزاز سے باتیں کرنے لگی۔ اُس خادم نے دو تین بار نظر حرام سے اُس عورت کو دیکھا۔ پھر وہ ڈبوں کو اُٹھا کر تا شگند لے آیا جب وہ حضرت کے دولتخانہ میں پہنچا۔ تو آپ جنگل تشریف لے گئے تھے۔ اُس نے آپ کے پیچھے جانا چاہا۔ اتنے میں حضرتؒ تشریف لے آئے۔ اُس نے وہ ڈبے پیش کئے۔ جب حضرت کی نظر اُن ڈبوں پر پڑی۔ تو خفا ہو کر فرمایا کہ ان ڈبوں سے شراب کی بو آتی ہے۔ اے بدبخت! میں نے تجھ سے شہد لانے کو کہا تھا۔ تو میرے واسطے شراب لے آیا۔ خادم نے عرض کیا کہ میں تو شہد لایا ہوں تو آپ کے ارشاد سے جب کھول کر دیکھا گیا۔ تو ہر ڈبہ شراب سے بھرا ہوا پایا گیا۔

وفات | آپ کی تاریخ وفات شب شنبہ ۲۹ ربیع الاول ۹۵۰ھ ہے۔ شام و خفتن کے درمیان جب آپ کا نفس شریف منقطع ہونے لگا۔ تو مکان میں بہت سی شمعیں روشن کی گئیں جن سے وہ مکان نہایت روشن ہوگیا۔ اس حال میں اچانک دیکھا گیا کہ آپ کے دو ابروے مبارک کے درمیان سے ایک نور چمکتی بجلی کی طرح نمودار ہوا۔ جس کی شعاع نے شمعوں کے نور کو مات کر دیا۔ حاضرین نے اُس نور کا مشاہدہ کیا۔ بعد ازاں آپ کا وصال ہوگیا۔ اور محلہ خواجہ کفشیر میں محوطہ ملایاں میں دفن ہوئے۔ آپ کی اولاد بزرگوار نے آپ کے مرقد مبارک پر عالیشان عمارت تعمیر کر دی اور قبر مبارک کو نہایت عمدہ وضع پر بنایا۔

کلماتِ قدسیہ

(۱) پیر کون ہے؟ پیر وہ شخص ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ نہیں وہ اُس میں نہ رہا ہو اور جو کچھ آپ کا پسندیدہ ہے وہ اُس میں رہ گیا ہو بلکہ وہ اور اُس کی خواہش تمام اُس سے گم ہوگئی ہو۔ اور وہ آئینہ ہو گیا ہو کہ جس میں سوائے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اوصاف کے کچھ نہ ہو۔ اس مقام میں وہ صفات نبوی سے متصف ہونے کے سبب سے حق سبحانہ کے تصرف کا مظہر ہو جاتا ہے اور تصرف الٰہی سے اصحاب استعداد کے باطن میں تصرف کرتا ہے۔ ے

از بسکہ در کنار ہے گیر داں نگار ... بگرفت بوے یار و رہا کرد بوے طین

(۲) مرید وہ ہے کہ ارادت کی آگ کی تاثیر سے اُس کی خواہش جل گئی ہو اور اُس کی مرادوں میں سے کچھ نہ رہا ہو۔ اور اپنے دل کی بصیرت سے پیر کے آئینہ میں مراد کا جمال دیکھ کر اُس نے سب قبلوں سے منہ پھیر لیا ہو اور پیر کا جمال اُس کا قبلہ ہو گیا ہو۔ اور پیر کی بندگی میں آزادی سے فارغ ہو کر سوائے پیر کے آستانہ کے اپنے سر نیاز کو کہیں خم نہ کرتا ہو۔ اور سب سے منہ پھیر کر اپنی سعادت پیر کی قبولیت میں اور اپنی شقاوت پیر کے رد میں سمجھتا ہو۔ بلکہ نیستی کا خط وجود کی پیشانی پر کھینچ کر وجود غیر کے شعور کے تفرقہ سے رہائی پا گیا ہو۔ ے

آنرا کہ در سرائے نگاریست فارغ است ... از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

(۳) ہم درویشوں کی ایک جماعت تھی حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اس میں مسلمان اللہ تعالیٰ سے جو نیک کوئی مانگتا ہے وہ اُسے عطا کر دیتا ہے۔ اس ساعت کا تذکرہ ہوا کہ اگر وہ ساعت میسّر آئے۔ تو اُس میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہیئے۔ ہر ایک نے کچھ نہ کچھ کہا۔ جب میری باری آئی۔ تو میں نے کہا کہ ارباب[۵۱] جمعیت کی صحبت مانگنی چاہیئے کیونکہ اس کے ضمن میں تمام سعادتیں حاصل ہیں۔

(۴) اگر تجھ سے پوچھا جائے کہ توحید کیا ہے تو جواب دے کہ غیر حق سبحانہ کی آگاہی سے دل کا آزاد کرنا توحید ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ وحدت کیا ہے۔ تو جواب دے کہ غیر حق سبحانہ کے وجود کے علم و شعور سے دل کی خلاصی وحدت ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ اتحاد کیا ہے۔ تو جواب دے کہ حق سبحانہ و تعالےٰ کی ہستی میں استغراق اتحاد ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ سعادت کیا ہے۔ تو جواب دے کہ حق سبحانہ و تعالےٰ کی دید کے ساتھ خودی سے خلاصی سعادت ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ شقاوت کیا ہے۔ تو جواب دے کہ خودی میں رہنا اور حق سے باز رہنا شقاوت ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ وصل کیا ہے۔ تو جواب دے کہ وجود حق سبحانہ کے نور کے شہود کے ساتھ اپنے آپ کا نسیان وصل ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ فصل کیا ہے۔ تو جواب دے کہ دل کا غیر حق سبحانہ سے جدا کرنا فصل ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ شکر کیا ہے۔ تو جواب دے کہ ایسے حال کا دل پر ظاہر ہونا کہ دل اُس چیز کو پوشیدہ نہ رکھ سکے جس کا پوشیدہ رکھنا اُس حال سے پہلے واجب تھا۔

(۵) فرماتے تھے کہ اگر تمام احوال[۵۲] اور مواجید[۵۳] ہمیں عطا کئے جائیں اور ہمیں اہل سنت و جماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کیا جائے۔ تو ہم اسے بجز خرابی کچھ نہیں سمجھتے۔ اور اگر تمام خرابیاں ہم پر جمع کی جائیں اور اہل سنت و جماعت کے عقائد سے سرفراز فرما لیا جائے۔ تو ہمیں کچھ ڈر نہیں۔

(۶) ہماری زبان دل کا آئینہ ہے۔ اور دل روح کا آئینہ ہے۔ اور روح حقیقت انسانی کا آئینہ ہے۔

[۵۱] ارباب جمعیت سے مراد وہ سالکین ہیں جو تمام سے منہ پھیر کر مطلوب حقیقی کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں۔

[۵۲] احوال جمع ہے حال کی۔ حال وہ معنی ہے جو سالک کے دل پر بغیر تصنع و اجتلاب و اکتساب کے وارد ہوتا ہے مثلاً خوشی یا غم یا قبض یا بسط وغیرہ۔ حال جب دائم ہو اور ملکہ بن جائے۔ تو اسے مقام کہتے ہیں۔ پس احوال مواہب ہیں اور مقامات مکاسب۔ احوال عین جود سے آتے ہیں اور مقامات بذل مجہود سے حاصل ہوتے ہیں۔

[۵۳] مواجید جمع ہے وجد کی۔ وجد وہ ہے جو سالک کے دل پر آئے اور بغیر تکلف و تصنع کے وارد ہو۔ مواجید اوراد و وظائف پر بفضل الٰہی مترتب ہوتے ہیں۔ اکتساب کو ان میں دخل نہیں۔

اور حقیقت انسانی حق سبحانہ وتعالےٰ کا آئینہ ہے۔ حقائق غیبیہ غیب ذات سے دور دراز فاصلے طے کرکے زبان پر آتے ہیں۔ اور یہاں صورت لفظی قبول کرکے مستعدانِ حقائق کے کانوں میں پہنچتے ہیں۔

(۷) میں جو بعض اکابر کی خدمت میں رہا۔ تو انہوں نے مجھے دو چیزیں عطا فرمائیں۔ ایک یہ کہ میں جو کچھ لکھوں جدید ہوگا نہ کہ قدیم، دوسرے یہ کہ میں جو کچھ کہوں مقبول ہوگا۔

(۸) آیہ وکونوا مع الصّٰدقین کے معنی میں آپ فرماتے تھے۔ کہ کینونت مع الصادقین کے دو معنی ہیں۔ ایک کینونت بحسب صورت اور وہ یوں ہے کہ اہل صدق کے ساتھ مجالست ومصاحبت کو لازم پکڑے تاکہ ان کی صحبت کے دوام کے سبب سے اُس کا باطن ان کے صفات واخلاق کے انوار سے روشن ہوجائے۔ دوسرے کینونت بحسب معنی بدیں طور کہ باطن کی شاہراہ سے اُس گروہ کے ساتھ رابطہ کا طریق اختیار کرے جو واسطہ ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اور صحبت کو اِس امر میں حصر نہ کرے کہ ہمیشہ آنکھ کے ساتھ دیکھے بلکہ ایسا کرے کہ صحبت دائمی ہوجائے۔ اور صورت سے معنی کی طرف عبور کرے تاکہ واسطہ ہمیشہ نظر میں رہے۔ جب اس بات کو دوام کے طور پر ملحوظ رکھے گا۔ تو اس کے باطن کو اُن کے باطن کے ساتھ نسبت واتحاد پیدا ہوجائے گا۔ اور اس واسطے سے اُسے مقصود اصلی حاصل ہوجائے گا۔

(۹) حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ شیّبتنی سورہ ھود (سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کردیا) اُس کی وجہ یہ ہے کہ اِس سورت میں استقامت کا حکم آیا ہے۔ چنانچہ باریتعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ (پس تو استقامت کر جیساکہ تجھے حکم ہوا ہے)۔ اور استقامت نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ استقامت کے معنی ہیں قائم رہنا حد وسط میں تمام افعال واقوال اور اخلاق واحوال میں۔ بدیں طور کہ تمام افعال میں ضرورت سے تجاوز صادر نہ ہو اور افراط وتفریط سے محفوظ رہے۔ اِسی سبب سے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ضروری کام تو استقامت ہے۔ کرامات وخوارق عادات کے ظہور کا کچھ اعتبار نہیں۔

(۱۰) لوگوں کے اعمال واخلاق سے جمادات کا متاثر ہونا محققین کے نزدیک ایک ثابت امر ہے۔ حضرت شیخ محی الدین بن عربی قدس سرّہ نے اس بارے میں بہت تحقیقات کی ہے۔ یہ تاثر اِس درجہ تک ہے کہ اگر ایک شخص نماز کو جو افضل عبادات ہے ایسی جگہ میں ادا کرے جو ایک جماعت کے اعمال واخلاق ناپسندیدہ سے متاثر ہوگئی ہو۔ تو اس نماز کا جمال اور رونق اُس نماز کے برابر نہیں جو ایسی جگہ میں ادا کی جائے جو ارباب جمعیت کی برکت سے متاثر ہو۔ یہی سبب ہے کہ حرم مکّہ میں دو رکعت نماز غیر حرم میں بہت سی رکعتوں کے برابر ہے۔

(۱۱) ہمارے زمانہ میں توحید یہ ہوگئی ہے کہ لوگ بازاروں میں جاتے ہیں اور بے ریش لڑکوں کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو حق سبحانہ کے حسن وجمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایسے مشاہدہ سے خدا کی پناہ!
حضرت سید قاسم تبریزی قدس سرہ اس ولایت میں تشریف لائے تھے۔ اُن کے مریدوں کی ایک جماعت بازاروں میں پھرتی تھی اور بے ریش لڑکوں کا نظارہ کرتی اور ان سے تعلق پیدا کرتی تھی۔ اور کہتی تھی کہ صُورِ جمیلہ میں ہم حق سبحانہ کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرت سید بعض وقت فرماتے کہ ہمارے سور کہاں گئے ہیں؟۔ اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ وہ گروہ حضرت سید کی نظر بصیرت میں سور کی شکل میں دکھائی دیتا تھا۔

(۱۲) ایک روز آپ نے ایک شخص سے کہا۔ کہ اگر تمہیں حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہٗ کی صحبت میں ایک نسبت حاصل ہو جائے۔ اُس کے بعد تم کسی دوسرے بزرگ کی خدمت میں چلے جاؤ اور اُس کی صحبت میں بھی وہی نسبت پھر حاصل ہو جائے۔ تو تم کیا کرو گے۔ کیا خواجہ بہاء الدین کو چھوڑ دو گے۔ پھر آپ ہی فرمایا۔ کہ کسی دوسری جگہ سے اگر تمہیں وہی نسبت حاصل ہو۔ تمہیں چاہیئے کہ اُس کو حضرت خواجہ بہاء الدین سے سمجھو۔ اور یہ حکایت بیان کی۔ کہ قطب الدین حیدر کے مریدوں میں سے ایک مرید شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کی خانقاہ میں گیا۔ وہ نہایت بھوکا تھا۔ اُس نے اپنے پیر کے گاؤں کی طرف منہ کر کے کہا۔ شیئاً للہ قطب الدین حیدر۔ شیخ شہاب الدین کو جو اُس کا حال معلوم ہوا۔ تو اپنے خادم کو حکم دیا۔ وہ کھانا اُس کے پاس لے گیا۔ جب وہ درویش کھانا کھا کر فارغ ہوا۔ تو پھر اپنے پیر کے گاؤں کی طرف مُنہ کر کے کہا۔ شکراً للہ قطب الدین حیدر۔ کہ آپ نے ہم کو کسی جگہ نہیں چھوڑا۔ جب خادم حضرت شیخ کے پاس گیا۔ تو آپ نے پوچھا کہ تم نے اُس درویش کو کیسا پایا۔ خادم نے عرض کیا کہ وہ بھی شخص ہے۔ کھانا تو آپ کا کھاتا ہے مگر شکر قطب الدین حیدر کا کرتا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ مریدی اُس سے سیکھنی چاہیئے کہ ظاہری وباطنی فائدہ جس جگہ پائے اُسے اپنے پیر کی برکت سے سمجھے۔

(۱۳) ایک روز سادات کی توقیر وتعظیم کے بارے میں فرما رہے تھے۔ کہ جس بستی میں سادات رہتے ہوں میں اُس میں رہنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ان کی بزرگی اور شرف زیادہ ہے۔ میں ان کی تعظیم کا حق بجا نہیں لا سکتا۔

ایک روز امام اعظم رضی اللہ عنہ درس کی مجلس میں کئی بار اُٹھے کسی کو اس کا سبب معلوم نہ ہوا۔ آخر کار حضرت امام کے ایک شاگرد نے دریافت کیا۔ حضرت امام نے فرمایا کہ سادات علوی کا ایک لڑکا اُن

لڑکوں میں سے ہے جو مدرسہ کے صحن میں کھیل رہے ہیں۔ وہ لڑکا جب اس درس کے قریب آتا ہے اور اُس پر میری نظر پڑتی ہے۔ تو میں اُس کی تعظیم کے لئے اُٹھتا ہوں۔

(۱۴) کشف قبور یہ ہے کہ صاحب قبر کی روح مثالی صورتوں میں سے کسی مناسب صورت کے ساتھ متمثل ہوجاتی ہے۔ صاحب کشف اُس کو بصیرت کی آنکھ سے اُسی صورت میں مشاہدہ کرتا ہے۔ لیکن چونکہ شیطانوں کو مختلف صورتوں اور شکلوں کے ساتھ متمثل و متشکل ہو جانے کی قوت ہوتی ہے۔ اِس لئے ہمارے خواجگان قدس اللہ ارواحہم نے اِس کشف کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ اصحاب قبور کی زیارت میں اُن کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی بزرگ کی قبر پر پہنچتے ہیں۔ تو اپنے تئیں تمام کیفیتوں اور نسبتوں سے خالی کر کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں کہ کیا نسبت ظاہر ہو۔ اُس نسبت سے صاحب قبر کا حال معلوم کرلیتے ہیں۔ اور بیگانوں کی صحبت میں بھی اُن کا یہی طریقہ ہے۔ کہ جو شخص اُن کے پاس بیٹھے وہ اپنے باطن پر نظر ڈالتے ہیں۔ جو کچھ اس شخص کے آنے کے بعد ظاہر ہو وہ جان لیتے ہیں کہ یہ اُس کی نسبت ہے۔ اور ہمارا اس میں کچھ دخل نہیں۔ اس نسبت کے مطابق لطف یا قہر سے اُس سے پیش آتے ہیں۔

(۱۵) محققین کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ موت کے بعد اولیاء اللہ ترقی کرتے ہیں۔

(۱۶) اس سلسلہ کے خواجگان قدس اللہ ارواحہم ہر ریاکار و بازیگر کی طرف نسبت نہیں رکھتے۔ اُن کا کارخانہ بلند ہے۔

(۱۷) ہر زمانہ میں رجال غیب صالحین میں سے اُس شخص کی صحبت میں رہتے ہیں جو عزیمت[۵۱] پر عمل کرتا ہے۔ یہ گروہ رخصت سے بھاگتا ہے۔ رخصت پر عمل کرنا ضعیفوں کا کام ہے۔ ہمارے خواجگان قدس اللہ ارواحہم کا طریقہ عزیمت ہے۔

(۱۸) جس وقت آپ عزیمت و احتیاط کے طریق سے کوئی کام کرتے۔ تو فرماتے کہ لقمہ و طعام میں احتیاط کرنا ضروریات سے ہے۔ چاہئے کہ کھانا پکانے والا باوضو ہو۔ وہ شعور و آگاہی سے لکڑی چولھے میں رکھے اور آگ جلائے۔ جس پکانے میں غصہ یا پریشان باتیں ظہور میں آئیں حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہ اُس کھانے کو نہ کھاتے۔ اور فرماتے کہ اس کھانے میں ظلمت ہے۔ ہمیں اس کا کھانا جائز نہیں۔

(۱۹) چاہئے کہ مرید کی توجہ پیر کے دو ابرو کے درمیان ہو۔ اور پیر کو تمام اوقات و احوال میں آگاہ

---

[۵۱] عزیمت شریعت میں اصل مشروع کو کہتے ہیں۔ اور رخصت اُسے بولتے ہیں جو کسی عذر کے سبب سے مباح سمجھا گیا ہو حالانکہ اُس کی حرمت کی دلیل قائم ہو۔

وحاضر سمجھے تاکہ پیر کی بزرگی اور عظمت اُس میں تصرف کرے اور جو چیز پیر کے حضور میں نامناسب ہو وہ مرید کے باطن سے کوچ کر جائے۔ اور اِس امر کے کمال کے سبب سے یہ حال ہو جائے کہ پیر و مرید کے درمیان سے حجاب اُٹھ جائے اور پیر کی تمام مرادیں اور مقاصد بلکہ اُس کے احوال و مواجید مرید کے مشاہدہ و معائنہ میں آجائیں۔

(۲۰) ردی خطرات اور طبعی مقتضیات میں گرفتاری سے خلاصی کا طریق تین چیزوں میں سے ایک ہو سکتی ہے۔ اوّل یہ کہ اعمال خیر جو اس گروہ نے مقرر کئے ہیں اُن میں سے ہر ایک عمل اپنے اوپر لازم کرلے اور ریاضت کا طریق اختیار کرے۔ دوسرے یہ کہ اپنی قوت و طاقت کو درمیان سے اُٹھا دے اور جان لے کہ میں ایسا نہیں کہ خود بخود اس بلا سے خلاصی حاصل کرسکوں اور عاجزی و محتاجی کے طور پر ہمیشہ حق سبحانہٗ کی جناب میں تضرّع اور انکساری کرے تاکہ حق سبحانہٗ اُس کو اس بلا سے نجات دے۔ تیسرے یہ کہ اپنے پیر کی ہمت و باطن سے مدد طلب کرے اور اُس کو اپنی توجہ کا قبلہ بنائے۔ اس تقریر کے بعد آپ نے حاضرین سے پوچھا کہ ان تین طریقوں میں سے بہتر کونسا ہے۔ پھر آپ ہی فرمایا کہ پیر کی ہمت سے مدد مانگنا اور اُس کی طرف متوجہ ہونا بہتر ہے۔ کیونکہ طالب اِس صورت میں اپنے تئیں حق سبحانہٗ کی طرف توجہ سے عاجز سمجھ کر پیر کو اِس توجہ اور حق سبحانہٗ کی جناب میں وصول کا وسیلہ بناتا ہے۔ یہ امر حصولِ نتیجہ کے قریب تر ہے۔ جو کچھ طالب کا مقصود ہے اِس تقدیر پر زیادہ جلدی متفرع ہوگا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ پیر کی ہمت سے مدد طلب کرنے والا ہوگا۔

(۲۱) عبادت سے مراد یہ ہے کہ اوامر پر عمل کریں اور نواہی سے پرہیز کریں۔ عبودیت سے مراد حق سبحانہٗ کی جناب کی طرف ہمیشہ توجہ و اقبال ہے۔

(۲۲) شریعت طریقت حقیقت تین چیزیں ہیں۔ ظاہر پر احکام کا جاری کرنا شریعت ہے جمعیت باطن میں تعمل و تکلف طریقت ہے۔ اور اس جمعیت میں رسوخ حقیقت ہے۔

(۲۳) سیر دو طرح کی ہے۔ سیر مستطیل[1] اور سیر مستدیر۔ سیر مستطیل بُعد در بُعد ہے اور سیر مستدیر قُرب در قُرب ہے۔ سیر مستطیل سے مراد مقصود کو اپنے دائرے کے خارج سے طلب کرنا ہے اور سیر مستدیر اپنے دل کے گرد پھرنا اور مقصود کو اپنے سے ڈھونڈنا ہے۔

(۲۴) علم دو ہیں۔ علم وراثت اور علم لدنّی۔ علم وراثت وہ ہے جس سے پہلے کوئی عمل ہو۔ چنانچہ حضرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

[1] سیر مستطیل سے مراد سیر آفاقی اور سیر مستدیر سے مراد سیر انفسی ہے۔

لمن عمل بما علم ورثہ اللہ علم مالم یعلم	جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالےٰ اُس کو وارث بناتا ہے اُس علم کا جو اُسے معلوم نہیں۔

اور علم لدنی وہ علم ہے جس سے پہلے کوئی عمل نہ ہو۔ بلکہ بغیر کسی سابق عمل کے حق سبحانہ محض عنایت بے علت سے اپنے پاس سے بندے کو کسی خاص علم کے ساتھ مشرف کرے۔ چنانچہ حق سبحانہ کا ارشاد ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (سورۂ کہف ع۹)	اور سکھایا تھا ہم نے اُس کو اپنے پاس سے علم۔

آپ نے فرمایا کہ علم کی طرح اجر بھی دو قسم کا ہے۔ اجر ممنون اور اجر غیر ممنون۔ اجر ممنون وہ ہے جو کسی عمل کے مقابلہ میں نہ ہو بلکہ محض موہبت ہو۔ اور اجر غیر ممنون وہ ہے جو کسی عمل کے مقابلہ میں ہو

(۲۵) لوگوں نے خیال کیا ہے کہ شاید کمال تو انا الحق کہنے میں ہے نہیں بلکہ کمال اس میں ہے کہ انا کو دور کیا جائے اور کبھی اُسے یاد نہ کیا جائے۔

(۲۶) فنائے مطلق کے معنی یہ نہیں کہ صاحب فنا کو اپنے اوصاف و افعال کا شعور نہ ہو۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بطریق ذوق اپنے آپ سے اوصاف و افعال کے اسناد کی نفی کرے اور فاعل حقیقی جل ذکرہ کے لئے اسناد ثابت کرے۔ وہ جو صوفیہ قدس اللہ تعالےٰ ارواحہم نے فرمایا ہے کہ نفی اثبات کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتی اس کے یہی معنی ہیں۔ آپ نے مثال کے طور پر فرمایا کہ یہ کپڑا جو میں پہنے ہوئے ہوں عاریتی ہے اور مجھے اس کے عاریتی ہونے کا علم نہیں۔ اور اس سبب سے کہ اس کو میں اپنی ملک سمجھتا ہوں اس سے تعلق رکھتا ہوں۔ ناگاہ مجھے اس کپڑے کے عاریتی ہونے کا علم ہو گیا۔ اُسی وقت میرا تعلق اس سے منقطع ہو گیا حالانکہ میں بالفعل پہن رہا ہوں۔ اسی پر تمام صفات کو قیاس کرنا چاہئے کہ سب عاریتی ہیں۔ تاکہ غیر حق سبحانہ سے دل منقطع ہو جائے اور پاک و مطہر ہو جائے۔

(۲۷) وصل حقیقت میں یہ ہے کہ دل بطریق ذوق حق سبحانہ کے ساتھ جمع ہو جائے۔ جب یہ بات دائم ہو جائے۔ تو اسے دوام وصل بولتے ہیں۔ نہایت یہی ہے۔ وہ جو حضرت خواجہ بہاء الدین قدس اللہ تعالےٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت میں مدرج کرتے ہیں۔ اس سے مراد یہی نہایت ہے۔ اور وہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ ہم محض قبولیت کا واسطہ ہیں۔ ہم سے منقطع ہونا چاہئے اور مقصود سے ملنا چاہئے یہی وصل ہے۔

(۲۸) تجلی کے معنے کشف ہیں۔ اس امر کا ظہور دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک کشف عیانی جو دار جزا میں سر کی آنکھ کے ساتھ مقصود کے جمال کا مشاہدہ ہے۔ دوسرے یہ کہ غلبہ محبت کے ساتھ غائب کو کثرت سے حاضر کرنے کے ذریعہ سے وہ غائب شکل محسوس کے ہو جائے۔ کیونکہ خواص محبت میں سے ہے کہ وہ غائب کو شل

محسوس کے کر دیتی ہے۔ دنیا میں ارباب کمال کے قدم کی انتہا یہی ہے۔

(۲۹) اگر ہم شیخی کرتے۔ تو اس زمانہ میں کسی شیخ کو مرید نہ مل سکتا۔ لیکن ہمیں اور کام کا حکم ملا ہے کہ مسلمانوں کو ظالموں کے شر سے بچائیں۔ اس واسطے ہمیں بادشاہوں سے میل جول رکھنا اور ان کے نفوس کو مسخر کرنا اور اس عمل کے ذریعہ سے مسلمانوں کی مطلب برآری ضروری ہے۔

(۳۰) حق سبحانہ نے محض عنایت سے مجھے ایسی قوت عطا کی ہے۔ کہ اگر میں چاہوں۔ تو ایک رقعہ سے بادشاہ خطا کو جو الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے ایسا کر دوں کہ بادشاہت چھوڑ کر ننگے پاؤں خطا سے خار و خاشاک میں دوڑتا ہوا اپنے تئیں میری آستان پر پہنچا ئے۔ لیکن باوجود ایسی قوت کے ہم خدا کے حکم کے منتظر ہیں جس وقت وہ چاہے اور حکم دے وقوع میں آئے گا۔ اس مقام کے لئے ادب لازم ہے۔ اور ادب یہ ہے کہ بندہ اپنے تئیں حق سبحانہ کے ارادہ کا تابع بنائے نہ کہ حق تعالےٰ کو اپنے ارادہ کا تابع بنائے۔

(رشحات۔ نفحات)

۲۱-مولانا محمد زاہد وخشی قدس سرہ

آپ کا انتساب طریقہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ احرار سے ہے۔ بقول شیخ شرف الدین محمد کشمیری مجددی صاحب روضۃ السلام آپ خواجہ یعقوب چرخی کے رشتہ دار بلکہ نواسہ ہیں۔ آپ نے ذکر کی تلقین ان کے کسی خلیفہ سے حاصل کی تھی۔ جب خواجہ احرار کے ارشاد کا آوازہ آپ کے کان میں پہنچا۔ تو حصار سے سمرقند کی طرف روانہ ہوئے۔ اور سمرقند میں پہنچ کر محلہ وانسرا میں اترے۔ محلہ وانسرا سے حضرت خواجہ کا مسکن تین کوس پر تھا۔ حضرت کو بذریعہ کشف معلوم ہو گیا کہ مولانا زاہد ہماری ملاقات کے لئے آرہے ہیں۔ آپ کے دل میں آیا کہ مولانا کے استقبال کے لئے نکلیں۔ عین دوپہر کے وقت آپ نے فرمایا کہ سواری کا اونٹ لاؤ۔ آپ اس پر سوار ہو گئے۔ تمام مریدین ساتھ تھے۔ کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے اونٹ کو اس کے حال پہ چھوڑ دیا کہ جہاں چاہے چلا جائے۔ جب حضرت خواجہ مولانا کے قیامگاہ پر پہنچے۔ تو اونٹ خود بخود رک گیا۔ اور حضرت اتر پڑے۔ مولانا کو حضرت کی تشریف آوری کی خبر ہوئی۔ تو بے اختیار دوڑے آئے۔ اور حضرت کا استقبال کیا اور آپ کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ مولانا نے خلوت میں اپنے واردات و حالات و مقامات حضرت کے آگے پیش کئے اور بیعت کی خواہش کی حضرت نے آپ کو بیعت کر کے اسی مجلس میں درجہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اور خلافت عطا کر کے وہیں سے رخصت کر دیا

یہ دیکھ کر حضرت کے بعض اصحاب آتش غیرت میں جلنے لگے کہ مولانا محمد زاہد کو آپ نے جلدی ہی صحبت میں خلافت عطا فرمادی۔ حالانکہ ہم برسوں سے آپ کی خدمت کر رہے ہیں۔ مگر ہم پر یہ عنایت نہیں فرمائی۔ حضرت نے فرمایا کہ مولانا زاہد چراغ اور تیل بتی تیار کر کے ہمارے پاس آئے تھے۔ ہم نے اُن کو صرف روشن کر کے رخصت کر دیا۔ یہ معاملہ حضرت خواجہ کے تصرف عظیم اور مولانا کے کمال استعداد و قابلیت پر دلالت کرتا ہے۔

وفات | مولانا محمد زاہد قدس سرہٗ کا وصال موضع وخش[1] میں غرہ ربیع الاول ۹۳۶ھ میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ (حضرات القدس مصنفہ شیخ خواجہ بدر الدین سرہندی خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی رح و خزینۃ الاصفیا مصنفہ جناب مفتی غلام سرور لاہوری)۔

۲۲۔ مولانا درویش محمد قدس سرہٗ

مولانا درویش محمد کو اپنے ماموں مولانا محمد زاہد سے خلافت ہے۔ صاحب تذکرۃ الاصفیا لکھتے ہیں کہ خواجہ درویش محمد بیعت سے پندرہ سال پہلے زہد و ریاضت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اور تجرید و تفرید کی حالت میں بے خور و خواب ویرانوں میں اوقات بسر کرتے تھے۔ ایک روز بھوک کی شدت میں آسمان کی طرف منہ اُٹھایا۔ اُسی وقت حضرت خضر علیہ السلام حاضر ہوئے۔ فرمایا کہ اگر صبر و قناعت مطلوب ہے۔ تو خواجہ محمد زاہد کی خدمت میں جاؤ۔ وہ تم کو صبر و قناعت سکھا دیں گے۔ یہ سن کر حضرت مولانا خواجہ ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درجہ تکمیل کو پہنچے۔ اور ان کے انتقال کے بعد ان کے مستقل نائب ہو گئے۔ ورع و تقوے۔ عمل بعزیمت اور حفظ نسبت میں آپ شان عظیم رکھتے تھے۔ طریق گمنامی اور حالات کے چھپانے کا بڑا التزام تھا۔ اسی واسطے آپ بچوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ تاکہ کسی کو آپ کے حال و کمال سے آگاہی نہ ہونے پائے۔ ایک روز کسی ترک درویش کا آپ کے شہر میں گذر ہوا۔ اُس نے کہا کہ یہاں ایک مرد خدا کی بو آتی ہے اور مولانا درویش محمد کی طرف اشارہ کیا۔

سبب شہرت | آپ کے صاحبزادے مولانا خواجگی امکنگی سے روایت ہے۔ کہ میرے والد کی شہرت کی وجہ

---

[1] معجم البلدان یاقوت حموی میں ہے کہ وخش نواح بلخ میں ولایت ختلان کا ایک شہر ہے۔ ختل نے یہ شہر اس قدر متصل ہے کہ دونوں ایک بستی سمجھے جاتے ہیں۔ یہ بڑی بستی دریائے جیحون کے کنارے پر ہے۔ وہاں شاہی عمارتیں ہیں۔ حضرات القدس میں ہے کہ وخش ایک گاؤں کا نام ہے جو حصار کے متعلقات سے ہے۔

یہ ہوئی۔ کہ ایک روز ایک درویش نے شیخ نور الدین خوانی کے حالات کا تذکرہ کیا۔ والد ماجد نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ بیٹا! یہ شیخ بہت بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ جب اس طرف ان کے آنے کا اتفاق ہو گا میں بھی ان سے ملوں گا۔ اس ارشاد کے چند روز بعد شیخ ممدوح کا نواح امکنہ میں گزر ہوا۔ میرے والد نے جب ان کے آنے کی خبر سُنی۔ تو آپ اُن ہی کپڑوں میں جو آپ کے بدن مبارک پر تھے کچھ ہدیے کر شیخ کی ملاقات کے لئے روانہ ہوئے۔ میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے۔ تو انہوں نے میرے والد سے خوب معانقہ کیا اور دیر تک بغلگیر رہے۔ پھر شیخ دوزانو مراقب ہو کر بیٹھ گئے اور میرے والد بھی بیٹھے رہے۔ بعد ازاں والد ماجد نے رخصت کی اجازت چاہی۔ شیخ نے چند قدم مشایعت کر کے رخصت کیا۔ والد کے چلا آنے کے بعد شیخ نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ یہاں کے طالبان خدا اس بزرگ کے پاس بہت آمد و رفت رکھتے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو کوئی شیخ نہیں۔ بلکہ ایک ملا ہیں جو بچوں کو قرآن پڑھانے میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ سن کر شیخ نور الدین نے فرمایا کہ یہاں کے لوگ کیسے اندھے اور مردہ دل ہیں جو ایسے درویش کامل سے فائدہ و فیض حاصل نہیں کرتے۔ جب شیخ کا یہ کلام مشہور ہوا۔ تو ہر طرف سے طالبان طریقت آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ مگر آپ ہمیشہ گوشہ نشینی اور گمنامی کی لذت کو یاد کیا کرتے اور خلق خدا کی آمد و رفت کی کثرت سے دل تنگ ہوا کرتے تھے۔

کرامت | شیخ حسین خوارزمی کبروی قدس سرہ اپنے وقت کے مقتدر تھے۔ جہاں کہیں تشریف لے جاتے وہاں کے مشائخ کی ان کے تصرفات کے سامنے کوئی ہستی نہ رہتی۔ جو درویش آپ کی ملاقات کو آتا۔ آپ اُس کی نسبت سلب کر لیتے رفتہ رفتہ مولانا درویش محمد کے شہر میں بھی ان کا گزر ہوا۔ شہر کے مشائخ ان کی ملاقات کے لئے گئے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم کو بھی شیخ حسین کی ملاقات کے لئے جانا چاہئے۔ یہ فرما کر مولانا نے شیخ موصوف کی نسبت اپنے باطن میں اندر ہی اندر سلب کر لی۔ ادھر شیخ حسین اپنے آپ کو نسبت سے خالی پا کر حیران و پریشان ہوئے۔ جب حضرت مولانا ملاقات کے لئے سوار ہوئے۔ تو اُس وقت شیخ نے اپنے باطن میں نسبت کی بو پائی۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی بو پائی تھی جب وہ مصر سے روانہ ہوئے تھے۔ شیخ اونٹ پر سوار ہو کر نسبت کی بو کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ جس قدر شیخ حضرت مولانا سے قریب ہوتے جاتے تھے۔ اپنی گم شدہ نسبت کی بو زیادہ محسوس کرتے تھے۔ جب اثنائے راہ میں شیخ و مولانا میں باہم ملاقات ہوئی۔ تو وہ بو بھی وہیں منقطع ہو گئی۔ اُسی وقت شیخ نے جان لیا کہ میری نسبت حضرت مولانا نے اپنے تصرف سے سلب کر لی ہے۔ شیخ نے نہایت انکسار اور بے حد تواضع کی۔ اور نہایت عاجزی سے کہا کہ مجھ کو یہ علم نہ تھا کہ یہ اقلیم آپ کے زیر حکومت ہے

اب میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ حضرت مولانا کو شیخ پر رحم آیا اور سلب شدہ نسبت واپس دے دی۔ چنانچہ شیخ نے اسی وقت اپنے آپ کو نسبت سے معمور پایا۔ اور اسے غنیمت سمجھ کر اسی سواری پر واپس ہوئے اور اپنے قیامگاہ پر پہنچ کر وطن کو واپس ہو گئے۔

وفات | حضرت مولانا درویش محمد کی تاریخ وصال روز پنجشنبہ ۱۹ محرم الحرام [illegible] ہے۔ مزار شریف موضع اسقرار میں ہے جو شہر سبز واقع ماوراء النہر کا مشہور موضع ہے۔

(حضرات القدس، خزینۃ الاصفیاء)

۲۳۔ مولانا خواجگی اِمکنگی قدس سرہٗ

آپ کا اسم مبارک خواجگی ہے جس کے لفظی معنی منسوب بہ خواجہ ہیں۔ آپ موضع اِمکنہ میں رہا کرتے تھے جو بخارا کے دیہات میں سے ایک گاؤں ہے۔ اس گاؤں کی طرف منسوب کر کے آپ کو اِمکنگی بولتے ہیں۔ آپ کی تربیت ظاہری و باطنی اپنے والد بزرگوار خواجہ درویش محمد قدس سرہٗ سے ہے اور اُن ہی سے آپ کو خلافت ہے۔

آپ تیس برس تک مسند خلافت پر رونق افروز رہے۔ اگرچہ معمر و مسن ہو گئے تھے مگر آنے جانے والوں کی خدمت خود کیا کرتے تھے۔ مہمانوں کے لئے کھانا خود لاتے۔ بلکہ بسا اوقات مہمانوں کے خادموں اور سواریوں کی بھی خود خبر گیری کیا کرتے تھے۔

آپ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ کے اصل طریقہ کے پابند تھے۔ اور ذکر جہر وغیرہ محدثات طریقہ سے پرہیز کرتے تھے۔ عابد و زاہد اور صاحب کرامات و خوارق تھے۔ اپنے حالات کے اخفاء میں بہت کوشش کرتے تھے۔ اپنے وقت میں طالبان طریقت کے مرجع تھے۔ تصرف باطنی کا یہ عالم تھا کہ علماء و فضلاء اور امراء و فقراء استفاضہ کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے بلکہ ملوک و سلاطین آپ کے آستانہ علیہ کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے تھے۔

تصرفات وکرامات | (۱) عبد اللہ خان والیٔ توران نے خواب میں دیکھا کہ ایک عظیم الشان خیمہ کھڑا ہے۔ جس میں جناب رسالتمآب علیہ اوفی التحیۃ والصلوٰۃ تشریف رکھتے ہیں۔ ایک بزرگ بارگاہ کے دروازے پر عصا ہاتھ میں لئے عرض بیگی کی خدمت بجا لا رہے ہیں۔ اور خلائق کے معروضات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر کے جواب لا رہے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بزرگ کے

ہاتھ ایک تلوار مجھے ارسال فرمائی اور اُنہوں نے آکر میری کمر میں لٹکا دی۔ اس کے بعد عبداللہ خان کی آنکھ کھل گئی خان موصوف نے اُس بزرگ کا حلیہ بتا کر تلاش شروع کی۔ آخر کار اس کے ایک مصاحب نے عرض کیا کہ اس حلیہ کے بزرگ مولانا خواجگی ہیں۔ بادشاہ یہ سُن کر بہت خوش ہوا۔ اور بڑے شوق سے ہدایا و تحائف لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ کا حلیہ بعینہ وہی پایا جو خواب میں دیکھا تھا۔ نہایت تواضع اور بیاز مندی سے نذرانہ قبول کرنے کی التماس کی۔ مگر مولانا نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ فقر کی حلاوت ناامرادی اور قناعت میں ہے۔ بادشاہ نے آیہ شریفہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم پیش کی۔ تب آپنے مجبوراً قبول فرمایا اس کے بعد بادشاہ ہر روز صبح کے وقت نہایت انکساری کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔

(۲) سنا گیا ہے کہ پیر محمد خاں نے پچاس ہزار سوار ساتھ لے کر سمرقند پر چڑھائی کی۔ باقی محمد خاں حاکم سمرقند کے پاس صرف چودہ ہزار سوار و پیادہ تھے۔ وہ بغرض استمداد حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے بذات خود پیر محمد خاں کے پاس جا کر نصیحت کی۔ مگر وہ صلح پر راضی نہ ہوا۔ اس لئے آپ خفا ہو کر واپس آئے اور باقی محمد سے فرمایا کہ اگر تو دل سے تائب ہو جائے کہ آئندہ خلقِ خدا پر کبھی ظلم نہ کرے گا اور انصاف و عدل سے حکومت کرے گا۔ تو فتح پائے گا۔ باقی محمد نے عہد کیا کہ میں آئندہ ظلم و تعدی نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ حملہ کرو۔ ملک ماوراء النہر کی سلطنت تجھے مبارک ہو۔ یہ فرما کر دست شفقت اُس کی پیٹھ پر رکھا اور اپنی قرص مبارک اس کی کمر پر باندھ دی۔ القصہ باقی محمد رخصت ہوا۔ اُس کے پیچھے مولانا بھی درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور شہر کے کنارے ایک پرانی مسجد میں قبلہ رو مراقب ہو بیٹھے۔ اور بار بار سر اُٹھا کر پوچھتے تھے کہ کیا خبر ہے۔ اس اثنا میں یہ خبر آئی کہ باقی محمد خاں نے فتح پائی۔ اور پیر محمد مارا گیا اُس وقت مولانا مراقبہ سے اُٹھ کر اپنے قیامگاہ کو تشریف لائے۔

(۳) ایک درویش جو حضرت مولانا کا مرید تھا ناقل ہے کہ ایک رات حضرت کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ میں بھی دیگر خدام کے ساتھ ہمرکاب تھا۔ میرے پاؤں ننگے تھے۔ اتفاقاً ایک کانٹا چبھا جس سے میں بیقرار ہو گیا۔ مجھے خیال آیا کہ اگر حضرت مجھ کو پاپوش عنایت فرماتے۔ تو کیا اچھا ہوتا۔ حضرت نے اس خیال سے آگاہ ہو کر فرمایا۔ "جب تک پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا۔ پھول ہاتھ نہیں آتا۔"

(۴) حضرت مولانا کے بڑے بڑے مریدوں سے سنا گیا ہے کہ تین طالب علم مختلف ارادوں سے حضرت کی خدمت میں آئے۔ ایک نے نیت کی کہ اگر حضرت فلاں قسم کا کھانا کھلائیں۔ تو بے شک

صاحب کرامت ہیں۔ دوسرے نے دل میں کہا کہ اگر فلاں قسم کا میوہ مجھے عطا فرمائیں۔ تو ولی ہیں۔ تیسرے نے خیال کیا کہ اگر فلاں حسین لڑکے کو مجلس میں حاضر کردیں۔ تو صاحب خوارق ہیں۔ مولانا نے پہلے دو کو ان کے خیال کے مطابق کھانا اور میوہ عطا کیا۔ اور تیسرے سے فرمایا کہ درویشوں نے جو کمالات حاصل کئے ہیں وہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع سے کئے ہیں۔ لہٰذا ان سے کوئی کام خلاف شریعت صادر نہیں ہوتا۔ اس کے بعد تینوں سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ امر مباح کی نیت سے بھی ولیشوں کے پاس نہیں آنا چاہئے۔ کیونکہ بسا اوقات وہ ایسے کاموں کی طرف بھی متوجہ نہیں ہوتے۔ آنے والے بد اعتقاد ہوکر ان کی صحبت کی برکات سے محروم رہ جاتے ہیں۔ فقراء کے ہاں کرامتوں کا اعتبار نہیں۔ ان کے پاس خالصۃً لوجہ اللہ آنا چاہئے تاکہ فیض باطنی کا کچھ حصہ ملے۔

حضرت مولانا نے اپنی وفات سے چند روز پہلے اپنے خلیفہ خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ کو ایک خط میں دو شعر تحریر فرمائے۔ ؎

زماں تا زماں مرگ پیدا آیدم ندانم کنوں تا چہ پیش آیدم

جدائی مبادا مرا از خدا دگر ہر چہ پیش آیدم شایدم

اس خط کے پہنچتے ہی حضرت کی وفات کی خبر خواجہ ممدوح کو پہنچی۔ آپ کی عمر نوے سال کی تھی۔ تاریخ وصال سنہ ۱۰۰۸ھ ہے۔ آپ کا مولد و مرقد قریہ امکنہ ہے۔

(حضرات القدس۔ خزینۃ الاصفیاء)

۴۲۔ سراج الملۃ مؤید الدین الرضی خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ

حضرت خواجہ محمد باقی عرف باقی باللہ قدس سرہٗ کو مولانا خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت ہے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی قاضی عبدالسلام خلجی سمرقندی قریشی تھا۔ جو صاحب وجد و حال اور ارباب فضل و صفا سے تھے۔ اور ایک عرصے سے اپنے قبائل سمیت کابل میں سکونت پذیر تھے۔ کابل ہی میں آپ نے شادی کی اور یہیں حضرت خواجہ سنہ ۹۷۱ھ میں یا ایک سال بعد متولد ہوئے۔ لڑکپن ہی سے بزرگی و ہمت اور تجرید و تفرید کے آثار آپ کی پیشانی سے ظاہر تھے۔ ان ایام میں بعض وقت آپ تمام دن گوشہ تنہائی میں گزار دیتے۔ مولانا صادق حلوائی سے جو اس زمانہ میں علماء کبار سے تھے آپ نے علوم رسمی کی تعلیم شروع کی۔ اور مولانا کی رفاقت میں کابل سے ماوراء النہر چلے گئے۔ اور اپنی علو فطرت کے سبب

تھوڑے ہی عرصے میں اپنے ہمعصروں میں امتیاز حاصل کیا۔

ابتدائی حالات

علوم رسمی کا کچھ حصہ ابھی باقی تھا کہ آپ کو درویشی کا شوق دامنگیر ہوا۔ اس لئے آپ ماوراءالنہر کے شہروں میں جو ان دنوں میں مشائخ کبار کا معدن تھا اولیاء اللہ کی تلاش میں گشت لگاتے پھرے۔ بعضوں سے مستفید ہوئے اور بعضوں کے ہاتھ پر توبہ و انابت کی تجدید کی۔ چنانچہ آپ خود یوں بیان فرماتے ہیں۔

"پہلے پہل خواجہ عبید کی خدمت میں گناہوں سے توبہ کی گئی۔ لیکن رجوع کا خیال اور ترک کا عزم باطن میں تھا اور فاتحہ کی التماس ظاہر میں۔ خواجہ عبید مولانا لطف اللہ کے خلفاء سے تھے اور مولانا لطف اللہ مولانا خواجگی دہبیدی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے۔ مگر جب استقامت کی توفیق حاصل نہ ہوئی۔ تو دوسری بار حضرت بندگان افتخار شیخ کی خدمت میں توبہ کی گئی۔ جو سمرقند میں تشریف رکھتے تھے اور حضرت خواجہ احمد یسوی کے خاندان کے اکابر میں سے تھے۔ اگرچہ شیخ سمرقندی راضی نہ تھے اور فرماتے تھے کہ تم جوان ہو۔ لیکن چونکہ فقیر کا ارادہ مصمم تھا۔ ناچار آپ نے فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ خدا استقامت بخشے۔ ان بزرگوں کی فراست کے مطابق عزیمت درہم برہم ہو گئی۔ اور عجیب خرابی پیدا ہوئی۔ تیسری مرتبہ فقیر کے قصد و اختیار کے بغیر حضرت امیر عبداللہ بلخی مدظلہٗ کی خدمت میں از سرنو توبہ ظہور میں آئی۔ یہ فقیر حسب نعمت تھی۔ امید ہے کہ ان بخششوں کی برکتیں قیامت تک رہیں گی۔ القصہ کچھ مدت اور نگہداشت حدود کے مقام میں رہا۔ پھر اسم المعلل کی تاثیر نے اس دیوار کو توڑ دیا۔ آخر کار خدائے بے نیاز کی ہدایت سے خواب میں خواجہ بزرگ خواجہ بہاء الحق والدین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور ان کی خدمت میں صورت توبہ منعقد ہوئی۔ اور اہل اللہ کے طریقہ کی طرف میلان ظہور میں آیا۔ فقیر بموجب الغریق[1] یتشبث بکل حشیش ہر طرف ہاتھ مارتا تھا۔ انجام کار مخدوموں میں سے بعض نے فرمایا کہ ذکر وہی نتیجہ خیز ہے جو بطریق عنعنہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچے۔ میری تشنگی و بیقراری نے مجھے اس پر آمادہ کیا کہ اسی بزرگ سے ذکر و مراقبہ کا طریق حاصل کیا جائے۔ چنانچہ دو سال اسی مخدوم کے بتائے ہوئے ذکر و مراقبہ اور اوراد کی پابندی کی گئی۔ میرے سننے میں آیا تھا کہ سالک جب تک قریباً چالیس سال لا الٰہ کے میدان کو طے نہیں کرتا الا اللہ کی منزل پر نہیں پہنچتا۔ اس لئے سادہ لوحی یہ خیال دلاتی تھی کہ عمر ذکر میں گزرنے کو غنیمت سمجھ اور اسی طرح کی عبادت پر قناعت کر۔ اگرچہ اس اثنا میں دوسرے طریقہ کے سلوک کے لئے غیبی اشارے ظہور میں آتے تھے۔ مگر فقیر اپنے مضبوط قدم کو جگہ سے نہ اٹھاتا تھا۔ اور اسی طبقہ (نقشبندیہ) کے بزرگوں کی زمین کرم میں وفیہا[2] ما تشتھیہ الانفس کا بیج بوتا تھا بدیں امید کہ انشاءاللہ العزیز آخر کار کسی بزرگ کا دست کرم

[1] ڈوبنے والا ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ [2] اور اس میں وہ چیز ہے جسے جی چاہے۔

اس بیج کو مالا عین رأت ولا اذن سمعت کی نہر سے سیراب کرے گا۔ آخر کار فقیر کشمیر میں (سنہ ۹۹۹ھ میں) پہنچا اور حضرت شیخ بابا والی قدس اللہ سرہ العالی کی ملازمت میں حاضر ہونے کا اتفاق پڑا۔ اور ان کی نظر کی برکتوں سے بہرہ مند ہوا۔ اللہ تعالٰے کا شکر و احسان ہے کہ ان نظروں سے قبول کا دروازہ کھل گیا چونکہ حضرت شیخ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بھی اجازت حاصل تھی اور فقیر طالب کی استعداد اس بزرگوار کے آستانہ کی طرف متوجہ تھی اس لئے اسی خانوادہ کی کھڑکی سے فیضان الٰہی پہنچنا شروع ہوا۔ جب حضرت شیخ (۵ اصفر سنہ ۱۰۰۱ھ میں) بہشت کی طرف انتقال کر گئے۔ تو حضرت خواجگان نقشبندیہ کی غیبت معہودہ جلوہ گر ہوئی۔ اور ان کی پاک روحیں مبشرات میں نظر آنے اور طرح طرح کی تلقین کرنے لگیں۔ ان کی توجہ کی برکت سے اس نسبت میں قوت پیدا ہو گئی۔ اور غیبت کا دائرہ وسیع اور راستہ روشن ہو گیا۔ اور ایک قسم کی جمعیت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ ان کی عنایات کی کشش سے مخدومی حقائق پناہی ارشاد دستگاہی حضرت مولانا خواجگی امکنگی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں رسائی ہو گئی۔ اور خوشی و رغبت سے ان سے بیعت و مصافحہ کر کے خواجگان کا طریقہ حاصل کیا گیا۔ اور حضرت کی ملازمت اور خواجہ نقشبند اور ان کے خلفاء کی پاک روحوں کے طفیل سے اس راستہ کے چلنے والوں اور اس درگاہ کے نیازمندوں کے سلسلہ میں داخل ہو گیا۔ یا اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھنا اور مسکینی کی حالت میں موت دینا اور مسکینوں کے زمرہ میں اٹھانا۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ"۔

حضرت خواجہ کے بیان بالا سے پایا جاتا ہے کہ آپ اویسی تھے یعنی آپ نے حضرت خواجہ بزرگ بہاء الحق والدین اور آپ کے خلفاء بلکہ خود جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت مبارکہ سے تربیت پائی تھی۔ اور ان بزرگواروں کی نظر عنایات سے اس خدمت کو انجام پر پہنچایا تھا۔ آپ کی ابیات ذیل سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ ؎

شنیدم کاشف راز نہانی	ابوالقاسم چراغ گرگانی
کہ بودے درجہاں نامم اویسش	کہ باشد شربے از جام اویش

سلہ اولیاء اللہ کا ایک گروہ ہے جسے مشائخ طریقت وکبرائے حقیقت اویسی کہتے ہیں۔ ان کو ظاہر میں کسی پیر کی حاجت نہیں۔ کیونکہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بلا واسطہ غیرے اپنی عنایت کی گود میں اس طرح پالتے ہیں جس طرح آپ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالٰے عنہ کو پالا تھا۔ یہ بہت بڑا مقام ہے۔ طریقہ نقشبندیہ کے بہت سے مشائخ کی توجہ سلوک میں اسی مقام کی طرف تھی۔ چنانچہ شیخ بزرگوار شیخ ابوالقاسم گرگانی کا ابتدا میں یہی ذکر تھا کہ ہمیشہ کہا کرتے۔ اویس اویس۔ رسالہ قدسیہ۔ مصنفہ خواجہ محمد پارسا۔

کیم من کہیں سوس گیرد دماغم   نماید نور ایں سودا چراغم
زبام بیں تا حظیرۂ حد بداہت   سرم بجہاست صیدایں کمند است

گرچہ یہ کمال آپ کو پہلے ہی سے حاصل تھا۔ مگر چونکہ پیر ظاہر سے چارہ نہیں۔ اس لئے ماوراء النہر میں مولانا خواجگی سے اجازت حاصل کی

سفرِ ہندوستان | حضرت مولانا خواجگی قدس سرہ سے بیعت ہونے سے پیشتر آپ ہندوستان میں بھی تشریف لائے۔ یہاں آپ کے سفروں سے بعض لوگوں نے جو شاہی مناسب پر مامور تھے آپ کی مادی ترقی کی غرض سے چاہا کہ آپ بھی ارباب لشکر کے زمرہ میں داخل ہو کر دنیوی دولت و متاع سے تونگری حاصل کریں۔ لیکن چونکہ آپ کی قسمت میں دولت دین و متاع یقین کی تونگری مقدر تھی۔ اس لئے ان کی کوشش رائگاں گئی۔ ایک درویش جو آپ کے ہمراہ تھا بیان کرتا ہے کہ آپ نے سالکوں اور مجذوبوں کی تلاش میں اس قدر کوشش کی کہ اس سے بڑھ کر طاقت بشری سے متصور نہیں۔ شہر لاہور میں برسات کی موسم میں کیچڑ کی کثرت سے کوچوں میں گزرنا بہت دشوار تھا۔ مگر آپ باوجود نازک تنی کے بہت سی گزرگاہوں پہاڑوں ویرانوں قبرستانوں بیابانوں اور باغوں کو ارباب باطن کی ملاقات کے شوق میں کھوندتے پھرتے تھے۔ ایک روز میرے دل میں یہ ولولہ پیدا ہوا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔ آپ نے ہرچند منع فرمایا مگر میں باز نہ آیا۔ جب میں نے چند کوچے آپ کی رفاقت میں طے کئے۔ تو کیچڑ کی کثرت کے سبب سے میں تھک گیا اور میرے پاؤں میں درد ہونے لگا۔ بپاس ادب و حیا میں اپنا حال ظاہر نہ کر سکتا تھا۔ یہانتک کہ خود آپ نے میرے حال سے آگاہ ہو کر مجھے واپس کر دیا۔ اُس وقت میں نے جان لیا کہ آپ ظاہری قدموں سے نہیں بلکہ دوسرے قدموں سے یہ راہیں طے کر رہے ہیں ؎

قطع ایں راہ بجز پائے جنوں نتواں کرد

حضرت خواجہ کا ایک اور رفیق بیان کرتا ہے کہ اُن دنوں شہر لاہور کے ایک باغ و قبرستان کے قریب ایک عجیب مجذوب صاحب احوال تھا۔ آپ کو اس کے حال سے آگاہی ہوئی۔ تو اُس کے پیچھے پیچھے پھرا کرتے۔ وہ جس وقت آپ کو دیکھتا۔ سوائے گالیاں دینے کے کچھ نہ کہتا۔ کبھی آپ پر پتھر پھینکتا اور کبھی آپ سے متنفر ہو کر کسی اور جگہ بھاگ جاتا۔ لیکن حضرت خواجہ صدق طلب کے سبب سے اس کا پیچھا نہ چھوڑتے یہانتک کہ ایک روز اُس دیوانہ صورت فرزانہ سیرت کی مہربانی کی رگ حرکت میں آئی۔ آپ کو اپنے پاس بلا کر حصول مراد کے لئے توجہات اور دعائیں کیں۔ جن کی برکت سے آپ کو فوائد حاصل ہوئے۔

صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں۔ کہ ایک صادق القول صاحب دل ستے جو اُس وقت حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر تھا مجھ سے بیان کیا کہ حضرت ابھی ہندوستان سے ماوراء النہر تشریف نہ لے گئے تھے۔ کہ ایک روز لاہور کی ایک مسجد میں فرض نماز ادا کرنے کے لئے تشریف لائے۔ ناگاہ اثنائے نماز میں آپ کے سینہ سے ایک ہیبت ناک آواز ظاہر ہوئی جس سے تمام نمازی حیران ہوئے۔ امام کے سلام پھیرتے ہی حضرت خواجہ نہایت سرعت سے مسجد سے نکل گئے۔ اور اُس دن کے بعد اپنے دو تین ساتھیوں کو جمع کر کے اپنے مکان پر جماعت کر لیا کرتے تھے۔ ایک اور بزرگ کا بیان ہے۔ کہ جو لوگ حضرت خواجہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک میں بھی تھا۔ ایک روز میں نے اثنائے نماز میں دیکھا۔ کہ حضرت خواجہ کا رُخ مبارک قبلہ کی طرف ہے اور ہماری طرف بھی۔ اور ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر مجھ میں رعشہ پیدا ہوگیا۔ تھرتھراتے ہوئے بڑی دشواری سے میں نے نماز پوری کی۔ اور جو کچھ دیکھا تھا حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ مسکرا کر فرمایا کہ اس واقعہ کا کسی سے ذکر مت کرنا۔ یہ دو معاملے اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ حضرت خواجہ کو حضور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی کمال تبعیت و مناسبت حاصل تھی۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت یہ روایت ہے کہ نماز میں آپ کے سینہ انور سے ایک ایسا جوش اُٹھتا تھا۔ کہ جس کی آواز ایک میل تک پہنچتی تھی۔ اور یہ بھی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل سے ہے کہ آپ جس طرح سامنے دیکھتے تھے اُسی طرح پیچھے سے بھی آپ کو ہر چیز نظر پڑتی تھی۔ لیکن حضور سرور انبیاء کو یہ کیفیت ہر وقت حاصل تھی۔ پس حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے اس بزرگ کو اگر نماز میں جو معراج مومن ہے آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے غایت اتباع کے سبب سے کسی وقت یہ دولت حاصل ہو جائے تو محال نہیں۔ کیونکہ بزرگوں کا قول ہے کہ تابع کامل کو متبوع کے تمام کمالات سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملتا ہے۔

مولانا خواجگی سے بیعت اگرچہ حضرت خواجہ کو یہ حالات و کمالات حاصل تھے۔ اور طالبوں کا رجوع بھی آپ کے آستانہ کی طرف کثرت سے تھا۔ لیکن آپ کی عالی ہمت مشیخت اور تعلیم طریقت پر مائل نہ ہوئی۔ بلکہ ہندوستان سے ماوراء النہر اور بلخ و بدخشاں کی طرف کشاں کشاں لے گئی۔ تاکہ سلسلہ نقشبندیہ اور دیگر سلاسل کے بزرگوں کی صحبت میں پہنچ کر فوائد حاصل کریں۔ اور احوال حاصلہ کی تصحیح فرمائیں۔ اِس سفر میں آپ مولانا شیر غانی قدس سرہ کی صحبت میں حاضر ہوئے۔ وہاں سے سمرقند کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں سے ہندوستان کے بعض دوستوں کو آپ نے ایک خط لکھا جس کے شروع میں یہ شعر درج تھا ؎

من از محیطِ محبت نشاں ہمے دیدم — کہ استخوان عزیزاں بساحل افتاد است

اِسی سفر میں آپ ماوراالنہر کے ایک شہر کو جارہے تھے۔ کہ حضرت مولانا خواجگی واقعہ میں آپ پر نمودار ہوئے۔ اور فرمانے لگے۔ اے فرزند چشم ما برراہ شما است۔

حضرت خواجہ اس واقعہ سے بہت خوش وقت ہوئے۔ اور بے ساختہ یہ شعر آپ کی زبان پر جاری ہوا۔

می گزشتم زغم آسودہ کہ ناگہ زکمیں } میں غم سے آسودہ جارہا تھا کہ اچانک گھات میں سے ایک
عالم آشوب نگاہے سرِ راہم بگرفت } جہاں آشوب نگاہ نے مجھے راستے میں گھیر لیا۔

قصہ کوتاہ جب آپ مولانا موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو مولانا نے آپ پر نہایت عنایت ورعایات مبذول فرمائیں۔ اور آپ کے احوال حاصلہ سن کر آپ کو تین دن رات اپنی صحبت میں رکھا۔ اور بعض مزید فوائد کی اطلاع دے کر فرمایا۔ کہ تمہارا کام بعنایت الٰہی اس سلسلہ عالیہ کے اکابر کی روحانیت کی تربیت سے انجام کو پہنچا ہوا ہے اب تم پھر ہندوستان میں جاؤ۔ تاکہ تمہارے ذریعہ سے یہ سلسلہ عالیہ وہاں پوری رونق پائے۔ اور وہاں کے عالی قدر مستفید تمہاری تربیت کی برکت سے کامیابی حاصل کریں۔ آپ نے انکسار و دید قصور کے سبب سے بہت سے عذر پیش کئے۔ مگر حضرت مولانا اصرار سے باز نہ آئے۔ استخارہ کیا۔ تو اس سے بھی حضرت مولانا ہی کی تائید ہوئی۔ اس لئے ناچار آپ کو ہندوستان آنا پڑا۔

جب حضرت مولانا کے بعض قدیم الخدمت صاحب نسبت نے سنا کہ آپ نے حضرت خواجہ کو چند روزہ صحبت میں خلافت اور اجازت کاملہ عنایت فرما کر ہندوستان کی طرف جانے کا حکم دیا ہے۔ تو انہوں نے غیرت کے مارے شور مچایا جب یہ خبر حضرت مولانا کو پہنچی۔ تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ یہ جوان درجہ تکمیل کو پہنچا ہوا تھا۔ وہ ہمارے پاس صرف اپنے احوال حاصلہ کی تصحیح کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اور ضرور ہے کہ جو شخص جیسا آئے گا ویسا جائے گا۔ الغرض حضرت خواجہ بیابان ہندوستان کے تشنہ لبوں کے لئے ابرِ رحمت بن کر اس طرف روانہ ہوئے۔ اور زمانہ نے بزبانِ حال یہ شعر پڑھا ؎

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند — زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ مے رود

جب آپ ہندوستان میں پہنچے۔ تو ایک سال شہر لاہور میں رہے۔ وہاں کے بہت سے علماء و فضلاء آپ کی محبت کے گرویدہ ہو گئے۔ بعد ازاں شہر دہلی میں جو دارالاولیاء اور بیت الفقراء تھا تشریف لائے۔ اور قلعہ فیروزی میں سکونت اختیار کی۔ جو نہایت دلکشا اور ساحل دریا پر واقع تھا اور جس میں ایک عظیم الشان بابرکت و صفا مسجد تھی۔ زمانِ وفات تک آپ یہیں سکونت پذیر رہے۔

تواضع | نسبت انکسار آپ پر ایسی غالب تھی۔ کہ اگر کسی طالب سے کوئی خطا سرزد ہو جاتی۔ تو فرماتے۔ یہ بیچارے فقیر کیا کریں۔ یہ تو ہماری ہی بد صفتی کا اثر ہے جو ان پر منعکس ہو رہا ہے۔ آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی طالب آپ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوتا۔ تو بہت سے عذر کرتے۔ اور فرماتے کہ میں کس لائق ہوں۔ تم نے جو گمان کیا ہے۔ میں اُس کے شایاں نہیں۔ تم کسی اور جگہ جاؤ۔ اگر کوئی رہبر ملے۔ تو مجھے بھی اطلاع دینا۔ تاکہ ہم بھی اُس کی خدمت میں حاضر ہوں۔ مگر صادق العقیدہ طالب آپ کے آستانہ مبارک کو نہ چھوڑتے اور اپنے مقصود کو پہنچتے۔

کہتے ہیں کہ ایک خراسانی جوان حضرت خواجہ قطب الدین بختیار دہلی قدس سرہ کے مزار مبارک کا مجاور تھا۔ اور حضرت کی روحانیت سے ایک پیر کامل کا طالب تھا جو قید حیات میں ہو۔ جب حضرت باقی باللہ دہلی میں رونق افروز ہوئے۔ تو اُس جوان کو واقعہ میں دکھایا گیا کہ طریقہ نقشبندیہ کا ایک بزرگ اب شہر میں وارد ہوا ہے۔ تم اُس کی خدمت کو لازم پکڑو۔ چنانچہ وہ جوان حسب الامر آپ کی خدمت میں پہنچا۔ اور واقعہ عرض کر کے قبولیت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مسکین اپنے تئیں اس کے شایاں نہیں سمجھتا۔ وہ کوئی دوسرا ہوگا۔ جب آپ نے بطریق انکسار بہت سے عذر کئے۔ وہ جوان واپس چلا گیا۔ دوسری رات واقعہ میں اُس سے کہا گیا کہ پیر کامل وہی بزرگ ہیں۔ جن کی خدمت میں تم حاضر ہوئے اور ان کی انکساری دیکھی۔ دوسرے روز وہ آپ کے آستانہ پر ایسا آیا کہ پھر واپس نہ گیا۔ اور شرف قبولیت حاصل کیا۔ اور دیکھا جو دیکھا۔ اسی طرح حضرت خواجہ کے خلیفہ حسام الدین کا بیان ہے کہ میں حسب الارشاد پیر کامل کی تلاش میں آگرہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اُس شہر میں پہنچ کر حیران و پریشان تھا کہ کیا کیا جائے۔ اور دل میں کہتا تھا کہ آپ کے آستانہ پر حاضر ہو کر عرض کروں گا۔ کہ میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ مگر جیسا بزرگ آپ فرما رہے تھے مجھے نہیں ملا۔ اسی اثناء میں میں ایک راستہ میں گزر رہا تھا کہ ایک مکان سے راگ کی آواز آئی۔ کان لگا کر بغور جو سنا۔ تو قوال شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی یہ بیت گا رہے تھے۔ ؎

تو خواہی آستیں افشان وخواہی دامن اندر کش ۔۔۔ مگس ہرگز نخواہد رفت از دکانِ حلوائی

یہ بیت سُن کر مجھے مزید اشتیاق پیدا ہوا۔ اور حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ماجرا بیان کیا۔ اور پایا جو پایا۔

ایک روز لاہور کے ایک فقیر نے واقعہ میں دیکھا۔ کہ حضرت خواجہ ابلق گھوڑے پر سوار جا رہے ہیں اور بہت سے لوگ آپ کے پیچھے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہ قطب وقت ہے۔ بعد ازاں اُس درویش نے

حاضر خدمت ہو کر قبولیت کی درخواست کی۔ آپ نے حسب معمول عذر پیش کیا۔ وہ بیچارہ مسجد میں آکر
درویشوں کے بیچ میں بیٹھا ہوا کہنے لگا کہ یارو! کیا نازو گداز ہے۔ کہ اپنا جمال دکھا کر میرا دل لے لیا ہے۔
اب جو سادہ و نیازمند حاضر خدمت ہوا ہوں تو یوں جواب دیتے ہیں اور آستانہ سے نکالتے ہیں۔ کیا
کروں کہاں جاؤں۔ اُس نے اس ماجرا کو ایسے پیرایہ میں بیان کیا۔ کہ بہت سے حاضرین بیہوش ہو گئے
اور عجیب شور برپا ہوا یہانتک کہ حضرت خواجہ کے کان تک پہنچا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیسا شور ہے۔ عرض
کیا گیا۔ ؎

کز لب شیرین تو شوریست در ہر خانۂ

آپ نے تبسم فرمایا اور اُس درویش کو بلا کر تلقین سے سرفراز فرمایا۔ ؎

تا نگرید طفل کے جوشد لبن تا نگرید ابر کے خندد چمن

تحمل و بردباری | صاحب زبدۃ المقامات کا بیان ہے کہ ایک روز میں ایک مسجد کے گوشہ میں تنہا بیٹھا
ہوا تھا مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک فقیر دوسرے فقیر سے شیوۂ اولیاء اللہ کا تذکرہ کر رہا تھا۔ اِسی ضمن میں
اُس نے کہا۔ کہ میں نے عمر بھر میں ایک شخص کو دیکھا ہے جو بے نفسی اور بردباری میں اس زمانہ میں بے مثل
ہے۔ اور ہمارے محترم کا نام لیا۔ اور بیان کیا کہ میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار
شریف پر تھا کہ ناگاہ خبر پہنچی کہ حضرت خواجہ محمد باقی قدس اللہ سرہٗ تشریف لا رہے ہیں۔ خدام نے
مزار شریف کے قریب آپ کے لئے ایک تخت بچھایا۔ اور اُس پر فرش اور تکیہ لگایا۔ آپ کی تشریف آوری سے
پہلے ایک آزاد فقیر آیا۔ اُس کی نظر جو تخت و فرش پر پڑی۔ تو پوچھا کہ یہ کیا ہے اور کس کے لئے ہے۔ خدام
نے کہا کہ فلاں بزرگ کے لئے ہے۔ یہ سُن کر وہ حضرت خواجہ کو سخت سست کہنے لگا۔ اسی اثناء میں حضرت
خواجہ بھی آ پہنچے۔ آپ کو دیکھ کر وہ اَور برافروختہ ہوا۔ اور آپ کے سامنے ہرزہ گوئی کر کے کہنے لگا۔ کہ اے
شخص! تو ایسی کونسی لیاقت رکھتا ہے۔ کہ یہاں تیرے واسطے فرش بچھایا جائے۔ حضرت خواجہ کے ہمراہ
جو درویشوں کی بڑی جماعت تھی وہ یہ سُن کر بے آرام ہو گئی اور چاہتی تھی کہ اُس بے لگام فقیر کو تنبیہ کرے۔
مگر حضرت نے اپنی نگاہ خشم آلود سے سب کو اِس ارادے سے باز رکھا۔ اور خود اس بدزبان فقیر کے پاس
جاکر نہایت نرمی سے عذر کیا اور فرمایا کہ میں کسی لائق نہیں۔ آپ جو کچھ فرماتے ہیں درست ہے۔ یہ سارا
تکلف میرے اشارے اور علم کے بغیر ہوا ہے۔ آپ معاف کیجئے۔ اور مجھ بدنصیب کے پیچھے اپنا مغز خالی
نہ فرمائیے۔ آپ زبان مبارک سے یہ فرماتے جاتے تھے اور اپنی آستین مبارک کے ساتھ اُس کی پیشانی
کا پسینہ پونچھتے جاتے تھے۔ اور اظہار تواضع فرما رہے تھے۔ چند درہم خود اس نے مانگے تھے

دے رہے تھے۔ راوی کا قول ہے کہ میں نے کسی طرح کا تغیر و تذبذب حضرت خواجہ کے حال و قال میں نہ دیکھا۔ اُس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ نفس زکی جسے کہتے وہ اِس عالم میں موجود ہے۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مخلص امراء آپ کی خدمت میں سیم و زر اِس غرض سے بھیجتے تھے کہ آپ کے صوابدید اور رائے سے فقراء میں تقسیم کیا جائے۔ خلق اللہ پر شفقت کی وجہ سے وہ رقم خود مستحقین میں تقسیم فرماتے۔ اور اِس ضمن میں اپنے ہاں سے بھی کچھ دیتے۔ اس پر بھی بعضے محتاج بیفائدہ زبان طعن دراز کرتے۔ آپ کے اصحاب ان کو منع کرنا چاہتے۔ تو آپ ان کو نیستی اور دید قصور اور بردباری کی ہدایت کرتے۔ اور اس امر کو راہ عرفاں کی دلیل بتاتے۔ اگر آپ کے اصحاب سے اِس امر کے خلاف ظہور میں آتا۔ تو آپ اُن کو نہایت عتاب کے ساتھ نصیحت فرماتے۔

شفقت و ترحم حضرت خواجہ کی شفقت و ترحم کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک دفعہ لاہور میں قحط پڑا۔ آپ اسی شہر میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے کئی دن تک کھانا نہ کھایا۔ جس وقت کھانا آپ کے آگے رکھا جاتا۔ فرماتے کہ یہ انصاف سے بعید ہے کہ ایک تو کوچہ میں بھوک کے مارے جان دے رہا ہو اور ہم کھانا کھائیں۔ ماحضر کو بھوکوں کے لئے بھیج دیتے اور آپ قوت روحانی پر گزارہ کرتے۔

جب آپ لاہور سے دہلی کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو اکثر ایسا اتفاق پڑتا۔ کہ آپ ایک فرسنگ بلکہ ایک میل بھی طے نہ کرتے کہ کوئی عاجز پیادہ نظر پڑتا۔ یہ دیکھ کر آپ اُسے اپنے گھوڑے پر سوار کرتے اور خود اس پیادہ کے مکان تک پیدل چلتے اور سر پر چادر اوڑھ لیتے تاکہ کوئی آشنا آپ کے اس عمل خیر پر اطلاع نہ پالے۔ جب مکان کے نزدیک پہنچتے۔ تو بغرض اخفاء آپ پھر گھوڑے پر سوار ہو جاتے۔

آپ کی شفقت حیوانات کے بھی شامل حال تھی۔ چنانچہ ایک رات آپ تہجد کے لئے اٹھے۔ ایک بلی آکر آپ کے لحاف پر سو گئی۔ آپ نے بلی کو جگانا گوارا نہ کیا۔ اور خود دن چڑھے تک سردی کی تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔

زہد حضرت خواجہ کے زہد و استغناء کا یہ حال تھا۔ کہ آپ کی مجلس میں امور دنیا کا ذکر نہ ہوتا تھا۔ ہاں اگر کوئی حاجتمند حاضر ہوتا۔ تو اُس کی سفارش فرما دیتے۔ اور ان کاموں میں اپنے اور اپنے درویشوں کے لئے کبھی کوئی تدبیر نہ کرتے تھے۔ اور اپنے مریدوں کے لئے سوائے فقر و مسکنت و قناعت کے کچھ نہ چاہتے۔ اور فرماتے کہ جس کو ہم سے مالی امداد پہنچے۔ وہ یقین کرلے کہ اُس کے ساتھ ہمیں دینی محبت کم ہے۔ آپکے عقیدتمندوں میں بعضے متمول و مالدار التماس کرتے تھے کہ اگر حکم ہو۔ تو آستانہ شریف کے فقراء کے لئے کچھ روزینہ مقرر کر دیا جائے۔ مگر آپ اُن لوگوں کے بارے میں اجازت نہ دیتے تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ

نسبت معنوی درست کرلی تھی۔ ہاں اوروں کے لئے منظور فرماتے۔ آپ متاع دنیوی کے قبول کرنے سے اس قدر متنفر تھے۔ کہ جس وقت آپ نے سفر حجاز کا ارادہ کیا۔ تو مرزا عبدالرحیم خانخاناں نے جو فقراء سے عموماً اور حضرت خواجہ سے خصوصاً کمال عقیدت رکھتا تھا ایک لاکھ روپیہ نقد آپ کے اور آپ کے ہمراہیوں کے زاد و راحلہ کے لئے بھیجا۔ اور عرض کیا کہ اسے قبول فرما کر مجھے ممنون فرمائیں۔ حضرت خواجہ نے یہ سنا تو خفا ہوئے اور فرمایا کہ حج کرنا ہمارے لئے اس قدر ضروری نہیں کہ مسلمانوں کا اس قدر سیم و زر اپنے صرف میں لا کر ضائع کردیں۔ غرض وہ روپیہ آپ نے قبول نہ کیا اور واپس کردیا۔

علو ہمت | اگرچہ ابتداء سے انتہا تک بڑے بڑے عظیم الشان حالات آپ پر وارد ہوئے۔ مگر آپ کی بلند ہمت نے کسی ایک حال و کشف پر قناعت نہ کی۔ بلکہ باوجود کمال کے آپ ہمیشہ اپنی نایافت کا اظہار فرماتے تھے۔ اور عین بحرہ وصال میں خشک لب و تشنہ رہتے تھے جیسا کہ آپ کی اس رباعی سے پایا جاتا ہے ؎

در راہ خدا جملہ ادب باید بود تا جاں باقیست در طلب باید بود
دریا دریا اگر بکامت ریزند کم باید کرد و خشک لب باید بود

شیخ تاج الدین جو حضرت خواجہ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دن ہمارے خواجہ عجیب کیفیت کے ساتھ دریا کے ساحل کی طرف متوجہ ہوئے قبا کے بند کھلے۔ سینہ ننگا عمامہ پریشان۔ چہرہ مبارک سے شکستگی اور قلق و اندوہ کے آثار نمایاں۔ آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا۔ کچھ دیر کے بعد آپ کو میرا احساس ہوا۔ نہایت آہ و درد کے ساتھ فرمایا۔ کہ تاج الدین اس قدر واردات اور احوال اور فیوضات اور انوار و اسرار مجھ پر وارد ہو رہے ہیں۔ کہ اگر یہ دریا سیاہی ہو جائے۔ تو ان کے لکھنے کے لئے کافی نہ ہو مگر مجھے ان سے کیا کام۔ میرا مطلوب دید و دانش سے دور ہے ؎

طلب بے چون و مطلب ہیچ گونہ نہ آں را شبہ و نہ ایں را نمونہ

یہ بھی شیخ تاج الدین کا بیان ہے کہ ایک روز میں صف جماعت میں حضرت خواجہ کے پہلو میں تھا۔ نماز کے درمیاں آپ پر گریہ و اضمحلال کے غلبہ کے آثار محسوس ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ اسی حالت میں حجرے میں تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے آیا۔ اور آپ کو اسی حال میں پایا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے خلاف ادب گستاخانہ عرض کیا کہ اس بے اختیار رونے اور اندوہ و آشفتگی کا سبب کیا ہے۔ فرمایا۔ تو اس بات کو دریافت نہ کر۔ ہم کو اس درد و اندوہ میں رہنے دے۔ چونکہ خواجہ کی عنایت نے مجھے بہت دلیر کردیا تھا میں نے اصرار کیا۔ فرمایا عین نماز میں جو مومن کا معراج ہے میری روح نے مقصود ورا الوراء کی طلب میں عروج کیا۔ اور حتی المقدور اس کی جستجو میں کوشش کی۔ مگر جب کامیاب نہ ہوئی۔ تو ناچار

حیران وگریاں اپنے تئیں قفس قالب میں لاڈالا۔ اُس کا یہ گریہ واندوہ اسی حسرت کی وجہ سے تھا

تفرید | تفرید آپ پر اس قدر غالب تھی۔ کہ طالبوں کو اپنی صحبت میں رکھنے اور شفقت کا خیال تک نہ تھا۔ صرف دو تین سال درویشوں کی تربیت میں مشغول رہے۔ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ آپ کی عنایات سے درجہ کمال پر پہنچ گئے۔ تو آپ ارباب ارادت کی تعلیم وصحبت سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور یاروں کو ان کے حوالہ کر کے خود گوشہ نشینی اختیار کی۔ اور قطب آفاق بو علی دقاق قدس سرہ کی طرح درد واندوہ کے ساتھ سر مبارک گریبان نیستی میں لے گئے۔ اور بجز مسجد جامع کے۔ وہ بھی نماز جماعت کے لئے اور کہیں تشریف نہ لے جاتے۔ جو شخص آپ کو دیکھتا تھا۔ اُسے حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث یاد آجاتی تھی۔

من اراد ان ینظر الی میت یمشی علی وجہ الارض فلینظر الی ابن ابی قحافۃ ۰	جو شخص مردہ کو روئے زمیں پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ ابو قحافہ کے بیٹے (ابو بکر صدیق رض) کو دیکھ لے۔

شوکت وعظمت | باوجود حالت مذکورہ بالا کے آپ کی ہیبت ودہشت اس قدر تھی۔ کہ غافل وبے خبر لوگ بھی جب آپ کو دیکھتے۔ تو انہیں بمصداق حدیث اذا رؤا ذکر اللہ[۱] خدا یاد آجاتا۔ چنانچہ ایک روز آپ کا گزر ایک ہنود کی بستی پر ہوا۔ جہاں کے باشندے کھیتی باڑی کا کام کیا کرتے تھے۔ جونہی ان کی نظر آپ پر پڑی۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ کہ یہ عجیب شخص ہے۔ اس کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔

ایک معتبر فاضل کا بیان ہے۔ کہ ایک روز میں مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ دیکھا کہ صف جماعت کھڑی ہے۔ اور حضرت خواجہ بھی صف میں تشریف رکھتے ہیں۔ پہلی صف بھر گئی تھی۔ مگر خواجہ کے پہلو میں درویشوں نے بپاس ادب کچھ جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ چونکہ مجھے خواجہ سے چنداں عقیدت نہ تھی۔ اور میں نے آپ کو بچہ سا دیکھا تھا۔ اس لئے اپنی نسبت اُن کو کم عمر پاکر رعایت ادب کا خیال نہ آیا۔ اور اس خالی جگہ میں گھس کر نیت باندھ لی۔ کچھ عرصہ نہ گزرا تھا۔ کہ خواجہ کی عظمت وشکوہ نے مجھ پر اثر کیا۔ ہر چند میں نے بچنے کی کوشش کی۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ یہانتک کہ میں عین نماز میں پیچھے ہٹنے لگا۔ ہٹتے ہٹتے یہانتک نوبت پہنچی۔ کہ اگر ایک قدم اور پیچھے ہٹوں۔ تو چبوترے سے نیچے گر پڑوں۔ مگر میں خبردار ہو گیا۔ اور یہ معاملہ

---

[۱] عبد الرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خیار عباد اللہ الذین اذا رؤا ذکر اللہ الحدیث۔ یعنی خدا کے سب سے نیک بندے وہ ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الآداب۔ باب حفظ اللسان من الغیبۃ والشتم۔ فصل ثالث)

دیکھ کر خواجہ بزرگوار کے مخلصوں کے سلسلہ میں داخل ہوگیا۔

حضرت خواجہ کی عظمت وعلو رتبہ کی شہادت میں یہی ایک امر کافی ہے۔ کہ آپ صرف دو تین سال مسند مشیخت پر جلوہ افروز رہے مگر اس قلیل عرصہ میں کس قدر بندگان خدا آپ کے خوان دولت سے بہرہ ور ہوئے اور کیسی کیسی برکتیں آپ کی بدولت ہندوستان کے وسیع ملک میں پھیل گئیں۔ سلسلہ نقشبندیہ جو آپکے زمانہ تک اس ملک میں مسافرانہ حالت میں تھا آپ کے ذریعہ سے پورے طور پر رائج ہوگیا۔ اگرچہ اس سلسلہ عالیہ کے بہت سے مشائخ اس سرزمین میں جلوہ آرا ہوئے اور سالوں یہیں رہے۔ مگر خواجہ محترم کی دو تین سالوں کی برکات ان مشائخ کی سالہا سال کی کوششوں میں کہاں۔ شیخ محمد بن فضل اللہ رحمہما اللہ تعالیٰ جو فقر وعرفان میں بلند پایہ رکھتے ہیں فرماتے ہیں۔ کہ خواجہ محترم کی بزرگی کا یہی نشان کافی ہے کہ آپ تین چار سال سے زیادہ بندگان خدا کی ہدایت میں مشغول نہیں رہے۔ مگر آج تک آپ کے آثار وبرکات روز افزوں ہیں۔

دستور العمل | ستر احوال۔ دید قصور۔ عزلت نشینی وگمنامی آپ کا شیوہ تھا۔ سادات وعلماء کی تعظیم میں مبالغہ فرمایا کرتے تھے۔ اور جزوی وکلی معاملات میں نقبائے متورع کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

تمام امور میں آپ کا عمل عزیمت وادب پر تھا۔ سماع ورقص ووجد کو آپ کے ہاں دخل نہ تھا۔ یہانتک کہ ایک روز ایک درویش نے آپ کے حضور میں باآواز بلند پکار کر کہا اَللّٰہ۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اس سے کہدو کہ ساری مجلس کے آداب کو ملحوظ رکھ کر ہمارے پاس آیا کرے۔

بہت سی روایتوں میں آیا ہے۔ کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی جائے۔ اس لئے حضرت خواجہ چند روز امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے رہے۔ اس اثناء میں آپ نے امام الائمہ سراج الامۃ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واقعہ میں دیکھا۔ کہ اپنی مدح میں ایک قصیدہ پڑھ رہے ہیں جس سے یہ کھلا کہ میرے مذہب میں بکثرت اولیائے کرام ہوئے ہیں۔ جو امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا ترک کردیا۔

آپ کے کھانے پینے اور مسکن میں بے تقییدی اس درجہ تھی کہ اگر کئی روز تک آپ کے لئے ایسا کھانا لایا جاتا۔ جو آپ کو مرغوب ومطبوع نہ ہوتا۔ تو آپ ہرگز یہ نہ فرماتے۔ کہ اور طرح کا کھانا لاؤ۔ اسی طرح اگر بدن مبارک کے کپڑے میلے ہوجاتے۔ تو یہ نہ فرماتے کہ دوسرے سفید وصاف کپڑے لاؤ۔ علیٰ ہذا القیاس آپ تنگ وتاریک مکان میں رہتے۔ یہانتک کہ وہ شکستہ ہوجاتا یا کپڑے کرکٹ سے پٹ جاتا۔ مگر آپ تسلیم ورضا کے بحر میں ایسے غرق تھے کہ اس کی مرمت وصفائی اور روشنی کا ذکر تک آپ کی زبان مبارک پر

نہ آتا۔ باوجود ایسی تسلیم و رضا اور ضعف بدن کے جو دائمی تھا آپ کو ہر وقت باوضو رہنے اور کثرت سے
طاعت بجا لانے کا نہایت شوق تھا۔ نماز عشا پڑھ کر آپ حجرے میں تشریف لے جاتے۔ کچھ دیر مراقبہ میں
بیٹھتے جب اعضاء پر ضعف غلبہ کرتا۔ تو اُٹھ کر از سر نو وضو کر کے دو رکعت پڑھ کر مراقب ہو جاتے۔ پھر
جب اعضاء میں درد محسوس ہوتا۔ تو اُسی طرح کرتے۔ اکثر رات اسی طرح گزر جاتی۔

لقمہ میں احتیاط کا یہ حال تھا۔ کہ ہدیہ جو آتا۔ اگرچہ بحکم حدیث صحیح نحن[1] لا نرد الھدیۃ اُسے رد
نہ کرتے۔ مگر اُسے بجنسہ اپنے مصارف میں نہ لاتے۔ بلکہ کسی پاک محل سے قرض حسنہ لے کر اُس کے عوض
اُسے دے دیتے۔ کیونکہ بحکم فقہا، وہ حلت میں ایک اور درجہ پیدا کر دیتا ہے۔ آپ نہایت تاکید فرمایا کرتے۔
کہ کھانا پکانے والا وضو کے ساتھ بلکہ صاحب حضور و صفا ہو۔ اور پکاتے وقت دنیوی بات زبان پر
نہ لائے۔ اور فرماتے تھے کہ جو لقمہ بغیر حضور و احتیاط کے کھایا جائے۔ اُس سے ایک دھواں پیدا
ہوتا ہے۔ جو فیض کے راستوں کو بند کر دیتا ہے۔ اور ارواح طیبہ جو فیض کا وسیلہ ہیں ایسے قلب کے مقابل
نہیں ہوتیں۔ آپ تمام مریدوں کو اس احتیاط کی ترغیب دیتے تھے۔ جو لوگ اس احتیاط میں تساہل سے
کام لیتے آپ اپنی نسبت کی نزاکت و صفائی کی وجہ سے اس کا نقصان ان کے حالات میں معائنہ
فرماتے۔ چنانچہ ایک روز ایک صاحب حال و کشف درویش آپ کی خدمت میں آیا۔ اُس نے عرض کیا کہ
میں اپنے کام میں بستگی اور باطن میں کدورت پاتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے کیا تقصیر سرزد ہوئی
ہے۔ آپ نے متوجہ ہو کر فرمایا کہ لقمہ میں بے احتیاطی ہو گئی ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ لقمہ تو وہی ہے
جو میں ہر روز کھایا کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جا کر خوب دریافت کرو ہمیں تو بجز اس کے کچھ نظر نہیں آتا۔
لقمہ کے کسی جزو میں ضرور فتور آیا ہوگا۔ جب اُس درویش نے اچھی طرح تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ جن لکڑیوں
سے کھانا پکایا جاتا تھا ان میں سے دو تین لکڑیاں ایسی شامل کر دی گئی تھیں جن میں احتیاط سے کام نہ
لیا گیا تھا۔

لقمہ کی طرح آپ نماز میں بھی یہاں تک احتیاط کرتے کہ صف جماعت میں اپنی جانب اپنے خالص
اصحاب میں سے کسی کو کھڑا کرتے کیونکہ اگر بیگانہ ہوتا تو فوراً اُس کی غفلت و نقصان مع خطرات کے
آپ کے آئینہ قلب میں منعکس ہوتا۔ ایک روز ایک درویش نے جو لحاف کا محتاج تھا۔ آپ کے ساتھ
نماز پڑھی اُس کے دل میں لحاف مانگنے کا خطرہ گذرا۔ وہ خطرہ حضرت خواجہ پر ظاہر ہو گیا۔ ادائے نماز
کے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ جس کو لحاف کی ضرورت ہے اُسے لحاف دے دو۔ اُس درویش کا بیان ہے

[1] ہم ہدیہ رد نہیں کرتے۔

کہ میں اس ڈر سے ڈرتا رہا کہ مبادا کوئی خطرہ جو حضرت خواجہ کی ملالت کا باعث ہو میرے دل پر گزرے۔

تلقین و تصرف

حضرت خواجہ کا طریق تلقین یہ تھا کہ جس طالب کو اپنے سلسلہ میں داخل فرماتے تھے۔ پہلے اُس سے توبہ کراتے پھر اگر اپنی طرف اُس کا عشق و محبت زیادہ دیکھتے تو اُسے طریقۂ رابطہ و نگہداشت صورت کی تعلیم دیتے اس سے اس طالب کو بہت کشایش حاصل ہوتی۔ خواجگان دہلی میں سے خواجہ برہان نام جس نے اپنے اکابر سے بہت سی نسبتیں اور اجازتیں حاصل کی تھیں آپ کی خدمت میں بغرض استفادہ حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے اپنی صورت کی نگہداشت کی تلقین کی۔ وہ حیران ہوا اور اپنے دوستوں سے کہنے لگا کہ یہ شغل تو مبتدیوں کے حال کے مناسب ہے۔ مجھے تو حضرت خواجہ براہ کرم اِس سے اعلیٰ مراقبہ کا ارشاد فرمائیں۔ اُس کے دوستوں نے کہا کہ تعمیل ارشاد کرو۔ چونکہ اُس کا عقیدہ درست تھا اسی شغل میں مشغول ہوا۔ دو ہی روز گزرے تھے۔ کہ اس صورت نے اُس پر پرتو ڈالا۔ اور بڑی نسبت اُس پر غالب ہوئی۔ اور اُس کے سُکر کا غلبہ ایسا ہوا کہ باوجود تمکین اور کبر سن کے زمین سے دو دو ہاتھ اوپر اُچھلتا تھا اور دیواروں اور درختوں سے ٹکراتا تھا۔ یہانتک کہ کئی جوان اُسے سنبھال نہ سکتے تھے۔ لیکن زیادہ تر آپ طالبوں کو ذکر قلب جیسا کہ سلسلہ نقشبندیہ میں مقرر ہے تلقین فرماتے اور ایک جماعت کو ذکر نفی و اثبات اور بعضوں کو صرف اثبات یعنی ذکر ذات عز شانہ بتاتے۔

آپ کی تعلیم میں یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ آپ جس طالب کو ذکر کی تعلیم فرماتے۔ اُس تعلیم کے ساتھ اپنی ہمت و توجہ کو اُس کے شامل حال رکھتے اور اُس کی حقیقت جامعہ کے ادراک پر نقوش کونیہ کا رستہ بند کر دیتے گویا سرچشمۂ نقشبندیہ کو ظہور میں لاتے۔ اُسی وقت اُس کا دل ذاکر ہو جاتا۔ اور حضور و جذبہ اُس کو اپنی آغوش میں لے لیتا۔ بعضے مرغ بسمل کی طرح خاک پر لوٹتے اور بعضے بیخود ہو کر حیرت میں چلے جاتے۔ اور بعضوں کو اُسی حال میں عالم مثال یا عالم ارواح یا عالم معانی منکشف ہو جاتا۔ اور کئی دن یہی حال رہتا۔ پھر آپ کی توجہ سے ہوش میں آتے۔ اور الشیخ یحیی دیمیت[1] کا نظارہ دیکھنے میں آتا۔ آپ کی یہ عنایت عام طور پر تھی۔

حضرت خواجہ کی نسبت کا سریان اِس درجہ کا تھا۔ کہ بہت سے طالب آپ کو دیکھتے ہی مجذوب و مغلوب ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ خطیب منبر پر تھا۔ کہ اُس کی نظر آپ کے جمال پر پڑی۔ چلا کر منبر سے گر پڑا۔ ماہ رمضان کی ایک رات حضرت مجدد الف ثانی رحمہ نے ایک خادم کے ہاتھ آپ کے لئے فالودہ بھیجا۔

[1] پیر زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

خادم نے سادہ لوحی کے سبب سے دروازہ خاص جا کھٹکھٹایا۔ حضرت خواجہ نے کسی دوسرے کو نہ جگایا۔ اور بذات خود باہر نکلے۔ فالودہ کا برتن خادم کے ہاتھ سے لے کر پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میرا نام باما ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ تم ہمارے شیخ احمد کے خادم ہو۔ ہمارے ساتھ ہو۔ واپس ہوتے ہی اس خادم پر جذبہ سکر و نسبت غالب ہوا۔ وہ شور و فغاں کرتا ہوا گرتا پڑتا حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت نے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ وہ شوریدگی و مستی کی حالت میں کہتا تھا۔ کہ میں حجر و شجر اور زمین و آسمان میں ہر جگہ ایک نہایت بے رنگ نور دیکھتا ہوں کہ جسے بیان نہیں کر سکتا۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ یہ حضرت خواجہ کے سامنے گیا ہے اس آفتاب کے مقابلہ سے ایک پرتو اس ذرہ پر پڑ گیا ہے۔ دوسرے روز جو حضرت مجدد نے رات کا قصہ حضرت خواجہ سے عرض کیا۔ تو آپ مسکرا پڑے۔

ایک روز ایک فوجی افسر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ طہارت کے لئے مسجد سے باہر تشریف لے گئے اس افسر کا خادم گھوڑے کی باگ تھامے دروازے سے باہر کھڑا تھا۔ آپ کی نظر کیمیا اثر اس خادم پر پڑ گئی۔ جب آپ مسجد میں آئے۔ تو خبر آئی کہ وہ بیچارہ جذبہ و بیخودی سے زمین پر گر پڑا ہے۔ اور گھوڑوں کے درمیان گیند کی طرح ہر طرف لڑھکتا ہے۔ رات کا ایک حصہ گزرنے تک وہ اسی طرح بیقرار رہا اور حالت جنون میں بازار کی طرف روانہ ہوا۔ اور اسی حالت میں جنگل میں چلا گیا۔ بعد ازاں کسی کو پتہ نہ لگا کہ وہ کہاں پہنچا۔

حضرت میر محمد نعمان سلمہ اللہ الرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میری لڑکی کی ایک اتا تھی۔ لڑکی نے اسے کئی بار کہا کہ حضرت خواجہ کی مرید بن جاؤ۔ مگر اس نے انکار کیا۔ ایک روز ایک تقریب پر ہم نے لڑکی کو اتا سمیت حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے شیر خوار لڑکی کو بغل میں لے کر نہایت شفقت کی۔ لڑکی نے حضرت کی ڈاڑھی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ایک بال اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکی ہم سے یادگار لے رہی ہے۔ عجیب نظر دوربین تھی کہ ان ہی ایام میں حضرت نے انتقال فرمایا اور وہ موئے مبارک بطور تبرک و یادگار باقی رہ گیا۔ ؎

مرا از زلف تو موئے بسند ست ۔۔۔ فضولی مے کنم بوئے بسند است

جب وہ اتا گھر واپس ہوئی۔ تو تھوڑی دیر کے بعد اس پر مستی اور جذبات کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ وہ سنبھل نہ سکی۔ یہانتک کہ ایک چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ اس کے بائیں پہلو میں دل کی حرکت اس زور سے جاری ہو گئی کہ تمام حاضرین نے بچشم خود دیکھ لیا۔ کچھ مدت کے بعد وہ ہوش میں آئی۔ اس سے پوچھا گیا کہ تجھ پر کیا حالت گزری۔ اور تو نے کیا دیکھا۔ اس نے کہا کہ حضرت خواجہ ساعت بساعت عجیب عجیب شکلوں میں نمودار ہوتے تھے۔ یہانتک کہ میں بیہوش ہو گئی۔ اس کے سوا اور میں کچھ نہیں جانتی۔ ہاں

اتنا جانتی ہوں کہ میرا دل ذاکر ہوگیا ہے۔ حضرت میر محمد نعمان فرماتے تھے کہ ہم نے اس انا کا حال حضرت خواجہ سے عرض کیا۔ آپ نے تبسم فرمایا اور اس کو ذکر کی تعلیم کی۔ چنانچہ وہ فیروز آباد دہلی میں صاحب حال عورتوں میں سے ہوگئی۔

کرامات | حضرت خواجہ صاحب کرامات تھے۔ یہاں صرف تین خوارق بطور مثال درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) شہر دہلی کے ایک فاضل نے ایک باکرہ عورت سے نکاح کیا۔ کئی سال تک وہ اس پر قادر نہ ہوا۔ اس نے دعا و دوا بہت کی۔ کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ ایک روز حضرت خواجہ سوار ہو کر کسی جگہ کو جا رہے تھے۔ اس نے راستے میں آپ کے گھوڑے کی باگ تھام لی اور نہایت نیازمندی سے اپنا قصہ عرض کیا۔ حضرت کو اس پر رحم آیا۔ آپ نے گھوڑے سے اتر کر اس کو بغل میں لے کر خوب معانقہ کیا اور فرمایا۔ جاؤ۔ فتح ہے۔ فاضل موصوف نے اسی وقت اپنے جسم میں عجیب قوت محسوس کی اور نہایت آسانی سے اپنی عورت پر قادر ہوگیا۔

(۲) ایک ضعیفہ کا تین چار سال کا لڑکا حصار فیروز آباد کی دیوار پر سے گر پڑا۔ دیوار کے نیچے سنگین فرش تھا۔ گرتے ہی اس کے کانوں سے خون بہنے لگا۔ اور سانس بند ہوگیا۔ گریہ وزاری اور بیقراری کی حالت میں ماں کو سوائے اس کے کوئی چارہ نہ سوجھا کہ حضرت خواجہ کے قدم محترم میں سر رکھ کر اس کی زندگی کی التماس کی۔ حضرت کی عادت تھی کہ اپنی توجہ و تصرف کو بہت چھپایا کرتے۔ آپ نے طب کی ایک کتاب طلب کی اور فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا نہ مرے گا۔ حاضرین نے تعجب کیا کہ کونسی کتاب یہ بات بتا رہی ہے۔ آپ ایک لحظہ خاموش رہے۔ وہ قریب الموت لڑکا اپنی حالت پر آگیا۔ لوگ حیران رہ گئے۔

(۳) ایک دفعہ ایک فوجی افسر نے حضرت خواجہ کے ایک ہمسایہ پر ظلم کیا۔ آپ وہ ظلم دیکھ کر بے قرار ہوگئے اور اس افسر کو نصیحت کی مگر وہ بدبخت باز نہ آیا۔ حضرت کو اس مظلوم پر نہایت رحم آیا۔ آپ نے اس افسر سے فرمایا کہ ہمارے حضرات خواجگان بہت غیرتمند ہیں۔ یہ انہیں کے پڑوس میں رہتا ہے۔ خبردار رہنا۔ دو تین دن ہی گذرے تھے کہ وہ ایک چور کے خون کے مقدمہ میں گرفتار ہو کر قتل ہوا۔

وفات | جب آپ کی عمر شریف تقریباً چالیس سال کی ہوگئی۔ تو آپ نے اپنی نسبت واقعہ دیکھا جس کے اخیر میں یہ لکھا ہوا تھا۔ فبقیت وحیداً طریداً فریداً۔ ان ہی ایام میں آپ نے اپنی ایک بی بی صاحبہ سے فرمایا کہ جب میری عمر پورے چالیس سال کی ہوگی۔ تو مجھے ایک واقعہ عظیم پیش آئے گا۔ ان ہی دنوں کا ذکر ہے کہ آپ نے دست مبارک میں آئینہ لے کر اپنی ایک اہلیہ سے فرمایا کہ آؤ ہم تم دونوں آئینہ دیکھیں۔ بی بی صاحبہ کا بیان ہے کہ میں نے آئینہ میں ایک پیر سفید ریش دیکھا۔ میں ڈر گئی اور عرض کیا کہ آپ مجھے یہ کیسی صورت دکھا رہے ہیں کہ جس کے دیکھنے کی مجھ میں تاب و طاقت نہیں۔ آپ نے تبسم فرمایا اور اپنے تئیں

اصلی صورت میں آئینہ میں ظاہر کیا۔

آپ کی عادت شریف تھی کہ اپنے مکشوفات کو خواب سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ بعض خوابوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ عنقریب سلسلہ نقشبندیہ کا ایک بڑا شخص فوت ہوگا۔ یہ کہہ کر ارشاد فرمایا۔ کہ شہر دہلی کے نواح میں کوئی جگہ اختیار کرنی چاہیئے۔ جہاں میں تنہائی میں بسر اوقات کروں اور اختتام عمر بیدہیں مدفون ہو جاؤں۔ اس بارے میں آپ نے اپنے بعض مخلص اصحاب کو استخارہ کا حکم دیا۔ جب اجازت معلوم نہ ہوئی۔ تو اس ارادے کو ترک کر دیا۔ بعد ازاں ایک روز فرمایا کہ ایسا دیکھا گیا ہے کہ کہہ رہے ہیں کہ جس غرض کے لئے تجھے بلایا گیا تھا وہ پوری ہو گئی ہے۔ اب سفر کرنا چاہئے۔ انتقال سے کچھ پہلے یہ بھی فرمایا کہ کہہ رہے ہیں کہ قطب زمانہ فوت ہو گیا اور میں اُس وقت اپنے مرثیہ میں ایک قصیدہ غرا پڑھ رہا ہوں جس میں عالی اشارات وکنایات مندرج ہیں۔

غرض ماہ جمادی الاخرے ۱۰۱۲ھ میں امراض جسمانی سنے آپ پر غلبہ پایا۔ ان دنوں میں آپ نے فرمایا کہ میں سنے حضرت خواجہ احرار رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ پیراہن پہنو۔ یہ خواب بیان کر کے آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ کہ اگر ہم زندہ رہے۔ تو ایسا ہی کریں گے۔ ورنہ کفن بھی ایک طرح کا پیراہن ہے۔ قصہ کوتاہ جمادی الاخرے کی پچیسویں تاریخ ہفتہ کا دن تھا کہ احتضار کے آثار نمایاں ہوئے۔ اسی اثنا میں ایک درویش کی زبان سے کلمہ یا اللہ العالمین نکلا۔ آپ نے فوراً اُس کی طرف منہ پھیر کر دیکھا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت خواجہ کی یہ توجہ نام محبوب کے سننے کے شوق سے ہے۔ اس کلام سے چشم مبارک میں آنسو بھر لائے۔ جب تھوڑا دن باقی رہ گیا۔ تو آپ اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہو گئے اور اُسی روز اللہ اللہ کہتے وصال فرمایا۔ دوسرے روز آپ کے مخلص اصحاب کی قرارداد کے مطابق ایک جگہ قبر کھودی گئی۔ لیکن جب دلریش درویشوں نے جنازہ کو اُٹھایا۔ تو اُس دیوانگی کی وجہ سے جو حاملان جنازہ پر طاری تھی تابوت کو اس مقام پر نہیں اُتارا جہاں قبر تیار کی گئی تھی۔ بلکہ ایک اور زمین پر جا اُتارا۔ اُتارنے کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ یہ وہی زمین ہے۔ جہاں ایک روز حضرت خواجہ نے وضو کر کے دوگانہ ادا فرمایا تھا۔ اُٹھتے وقت وہاں کی کچھ خاک دامن مبارک پر لگ گئی تھی۔ اِس پر زبان مبارک سے فرمایا تھا کہ اِس جگہ کی خاک ہماری دامنگیر ہو گئی۔ اس لئے یاروں نے اُسی مکان میں جو جناب رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قدمگاہ کے جوار میں اور شاہراہ کے متصل ہے اِس شاہ اقلیم ارشاد کو سپرد خاک کیا۔

آپ کا مزار مبارک خواجہ حسام الدین کی کوشش سے بنہایت زینت سے تیار ہوا۔ آپ کی وصیت کے مطابق مرقد شریف پر گنبد نہیں بنایا گیا۔ صرف ایک بلند چبوترہ بنا دیا گیا۔ حضرت خواجہ کے تصرف کو

بیٹھئے کہ اس چبوترے پر سخت گرما میں بھی پاؤں کو تکلیف و حرارت محسوس نہیں ہوتی۔

بہت سے فاضلوں اور عارفوں نے آپ کے وصال کی تاریخ لکھی ہے جن میں سے دو یہاں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) خواجہ باقی آن امام اولیاء — عارف باللہ اسرار نہفت
نکہت بستان سرائے انبیاء — از بہار جعفری خوش گل شگفت
چونکہ شد مشرب فنا اندر بقا — محو حق گشتہ دُرِ اسرار سفت
سال تاریخ وصالش خسروے — فی البدیہ نقشبند وقت گفت

یہ تاریخ آپ کے مزار مبارک کے جنوبی دروازے پر نہایت خوشنما حرفوں میں کندہ تھی۔ نقشبند وقت مادہ تاریخ ہے۔

(۲) قبلۂ ارباب معنی کعبۂ اصحاب دیں — مظہر فیض الٰہی صاحب علم الیقیں
حامی دین نبی اکمل امام المتقیں — مورد فضل گرامی آں ختم المرسلیں
کاشف اسرار مطلق واقف عین الیقین — محو ذات اقدس و باللہ باقی بالیقیں
غوث اعظم عروۃ الوثقٰی زرب العالمیں — قطب ارشاد جہاں ہم معنی حق الیقیں
کامل عالی طریقہ ہدی راہ متیں — بحر عرفان الٰہی مقتداء العارفیں
راضی و مرضی حق برذات و شان او ببیں — ایں کرامت ہست از محبوب رب العالمین
نور بیچوں بر جبینش تافت از حق المبیں — شد ز مہتش روشن قلوب المومنیں
کے توانم گفت مدح آں خلاصہ واصلیں — ہست ذات خواجہ باقی رحمت للعالمیں
نعمت اللہ باقی بود باقی شد یقیں — مرجع انس و ملک از فضل رب العالمیں
حو بجگی اکنہ شد مرشد آں شاہ دیں — لیک بد مشرب اویس وہم بہا احرار دیں
چوں کمالش وصل دائم بود معنی دلنشیں — شد وصال غیب او آخر بعمر اربعیں
واں ز ہجرت بعد الف اثنا عشر بود ہ سنیں — از وفات قطب دوراں تکیہ گاہ مسلیں
ہر کہ آید بر مزارش از سر صدق و صفا — حاجتش گرد روا ہم مقصد دنیا و دیں
عاجز و عاصی بدرگاہش ہے سائد جبیں — تا بیابد نظر رحمت ہم نجات یوم دیں
باد نازل رحمت رضوان رب العالمیں — بر محمد خواجہ باقی زاولیائے متقیں

مزار مبارک کے سرہانے ایک لمبی سنگ مرمر کی لوح پر یہ اشعار دلربا حرفوں میں کندہ ہیں۔

کلمات قدسیہ

(۱) سورہ اخلاص کے معنی کے بیان میں فرمایا۔ کہ اِس کو سورہ اخلاص اِس لئے کہتے ہیں۔ کہ اس کے سننے سے بندہ کا اعتقاد اپنے پروردگار کی نسبت شرک جلی وخفی کے غبار سے خالص وپاک ہوجاتا ہے۔ اوراس کے عمل میں فی الجملہ اخلاص پیدا ہوجاتا ہے۔ اعتقاد کا شرک خفی سے پاک ہونا اس طرح ہے۔ کہ الوہیت میں ایسی ذات کا اعتقاد رکھے کہ عرصہ امکان میں کسی طرح کوئی اس کا مثل نہ ہو۔ ورنہ اُس کا معتقد ممکن ہوجائے گا۔ اسی وجہ سے اکابر نے فرمایا ہے۔ کہ توحید قدیم کو حادث سے الگ کرنے کا نام ہے۔

(۲) مراقبہ کی حقیقت انتظار کرنا ہے۔ اور انتظار کی صفائی مقصود کی طلب میں ہے ایسی حالت میں کہ طالب اپنی قوت وطاقت سے نکل جائے اور مقصود جل ذکرہ کے دیدار کا مشتاق اور اس کے عشق کے سمندر میں مستغرق ہوجائے۔ قوت وطاقت کی دید کوشش کا غبار ہے اور استانہ انتظار کشش ہے۔ اس قسم کا مراقبہ سوائے منتہی اور قریب الانتہاء کے دوسرے کو حاصل نہیں ہوتا۔ اسی واسطے ابوالجناب نجم الدین کبرٰے قدس سرہ نے ان دس اصلوں کے بیان میں کہ جن پر موت بالارادہ موقوف ہے۔ اس مراقبہ کو نویں اصل قرار دیا گیا ہے۔ لیکن مبتدی عاشق کو منتہی کی تقلید کرنی چاہئے۔ اور اپنے تئیں قوت و طاقت کی دید سے نکال کر انتظار محض کرنا چاہئے۔ باقی مراقبات جو مقصود کو شکل ومثال وعلم وخیال سے مقید کرکے عرصۂ تعقل میں لاتے ہیں اِس مراقبہ سے کم درجہ کے ہیں۔ ؎

ہرچہ پیش تو پیش ازاں رہ نیست	تیرے نزدیک وہ جس سے آگے راستہ نہیں ہے
غایت فہم تست اللہ نیست	وہ تیری سمجھ کی غایت ہے خدا نہیں ہے۔

(۳) سلوک کے دس مقاموں کی تحقیق کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص معصیت میں گرفتار ہے یا دنیا سے کچھ رغبت رکھتا ہے یا سبب پر نظر رکھتا ہے۔ یا بقدر ضرورت معاش پر اکتفا نہیں کرتا یا لوگوں سے میل جول رکھتا ہے یا اُس کے اوقات حق سبحانہ کے ذکر سے معمور نہیں یا خدا عز وجل سے غیر خدا طلب کرتا ہے یا نفس کے ساتھ مجاہدہ نہیں کرتا یا اپنی ذات اور اپنے احوال پر نظر رکھتا ہے اور اپنی قوت وطاقت پر بھروسہ کرتا ہے یا اپنے تئیں احکام ازلیہ کے حوالہ نہیں کرتا وہ طریق تحقیق کے سلوک میں ناقص ہے۔ مخفی نہ رہے کہ بعضے منتہی درویش جو اپنی خواہشات وضروریات سے نکل چکے ہیں ضروری معاش پہ اکتفا کرنے اور لوگوں سے میل جول نہ رکھنے اور نفس کے ساتھ مجاہدہ کرنے میں کسی خاص وجہ سے ثابت نہیں رہے ہیں: ہر ایک کے لئے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ منہ کرنے والا ہے:

(۴)، توکل یہ نہیں کہ ظاہری اسباب کو چھوڑ دیں اور بیٹھ رہیں۔ کیونکہ یہ تو بے ادبی ہے۔ بلکہ سبب مشروع مثلاً کتابت وغیرہ کو اختیار کرنا چاہئے اور نظر سبب ہی پر نہ رکھنی چاہئے۔ کیونکہ سبب مثل دروازے کے ہے جو حق سبحانہ نے مسبب پر پہنچنے کے لئے بنایا ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص دروازے کو بند کرنے کہ خدا اوپر سے پھینک دیگا تو یہ اس کی بے ادبی ہے۔ کیونکہ دروازہ خدا ہی کا بنایا ہوا ہے اور اس بات پر دلیل ہے کہ کھلا ہے کھلے ہوئے کو بند نہ کرنا چاہئے۔ بعدازاں اُسے اختیار ہے چاہے دروازے سے بھیجے یا اوپر سے پھینک دے۔

(۵) توحید حاصل کرنی چاہئے۔ محققین متکلمین کے نزدیک توحید یہ ہے "نہیں موثر وجود میں کوئی شے سوائے اللہ کے" یعنی اپنی ساری قدرت کو خدا سے منسوب کرنا اور اپنے تئیں قدرت سے خالی کرنا۔ اگرچہ متاخرین علماء میں سے بعضے قدرت موثرہ کو فی الجملہ بندہ میں بھی ثابت کرتے ہیں۔ اور ان کی توحید یہ ہے "نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے" لیکن زیادہ صحیح مذہب پہلا ہی ہے۔ اور صوفیہ کرام جس طرح فعل و قدرت کو حق سبحانہ سے منسوب کرتے ہیں سات صفات میں سے باقی علم و سمع و بصر و حیات و ارادہ و کلام کو بھی حق سبحانہ سے منسوب کرتے ہیں۔

(۶) مشائخ جو لوگوں کے ارشاد و تربیت میں مشغول ہوتے ہیں اس کا باعث ان تین چیزوں میں سے ایک ہوا کرتا ہے۔ حق سبحانہ کا الہام۔ یا پیر کا حکم و امر۔ یا بندگان خدا پر شفقت۔ یعنی جب وہ لوگوں کو گمراہی میں دیکھتے ہیں اور گمراہی کو ان کے عذاب و ضرر کا سبب جانتے ہیں۔ تو نہایت ترحم سے ان کے عذاب کا دفیعہ چاہتے ہیں۔ پس شفقت کا مقتضا یہ ہے کہ شریعت کے رواج دینے کو اپنے اوپر لازم کرکے لوگوں کو وعظ و نصیحت سے حفظ آداب اور اقامت شرائع کا حکم دیں۔ مثلاً فقہ و حدیث کا پڑھنا پڑھانا۔ اور اس کے مطابق عمل کرنا۔ مگر اُن کو واصل بحق کرنا شفقت کی شرط نہیں بلکہ وہ ایک زائد امر ہے پس محل پر حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ اس طریقہ تربیت کا ماحصل انجذاب ایمانی ہے جس کی دعوت تمام انبیاء و رُسل دیتے رہے ہیں۔

(۷) ذات حق سبحانہ سے بندہ کا نہایت قرب اور اتصال اس سے زیادہ نہیں کہ دوام آگاہی جو فنا کی طرف کھینچتی ہے اس کو حاصل ہو جائے۔ جب یہ نسبت حاصل ہوگئی۔ تو سالک اس نسبت کے حصول سے مرتبہ ولایت سے مشرف ہوگیا۔ اور وہ کمالات جو دوسرے طریقوں کے سالکوں کو حصول مقامات اور تجلیات اسماء و صفات میں بتفصیل حاصل ہوتے ہیں وہ اُور شے ہیں۔ ذات حق سبحانہ سے قرب و اتصال کی نسبت کا یہ حصول ولایت خاصہ کے مرتبہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اس طریقہ کے طالبوں کا

پہلا دائرہ سر حد فنا میں ہے۔ اور اندراج نہایت در ہدایت جس کی طرف ہمارے سلسلہ کے اکابر نے اشارہ کیا ہے یہی ہے۔

(۸) ترقی بعد الموت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ حضرت شیخ ابن عربی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ اگر کوئی شخص نیت صحیح اور اعتقاد درست کے ساتھ حق سبحانہ کی راہ میں آئے۔ اور شریعت غرا کے آداب بکما حقہ بجا لائے اور اُس کو عین حیات میں اِس گروہ کے اذواق و مواجید حاصل نہ ہوں۔ تو البتہ موت کے بعد اُس کو اِس گروہ کے احوال و اذواق عطا کئے جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ روح اللہ روحہ نے اس قول کو نقل کر کے تھوڑی دیر تامل کیا اور فرمایا بلکہ ایسے شخص کو اِسی جہان میں سکرات موت کے وقت اِس دولت سے مشرف کر دیتے ہیں۔ اِس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا۔ کہ اعتقاد درست اور احکام شریعت کی رعایت اور اخلاص اور حق سبحانہ کی جناب میں دائمی توجہ سب سے بڑی دولت ہے۔ کوئی ذوق و وجدان اِس بڑی نعمت کے برابر نہیں۔ ؎ ایں داشتہ باشد گو دگر ہیچ مباش۔

(۹) انجذاب اور محبت الٰہی کا طریقہ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ اور اس کا رُخ سوائے ذات حق سبحانہ کے اور کسی طرف کو نہیں ہے۔ بخلاف دوسرے طریقوں کے کہ اُن کا رُخ انوار کی طرف بھی ہے۔ ناچار بعضے ان ہی انوار میں رہ جاتے ہیں۔ یہ انجذاب و محبت تمام افراد انسانی میں ہے۔ مگر پوشیدہ ہے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ اِسی انجذاب کی تربیت کرتے ہیں۔

(۱۰) باریتعالےٰ کی رؤیت آنکھ کے ساتھ موت کے بعد ہوگی۔ کیونکہ رؤیت انکشاف تام کا نام ہے جب تک روح کا تعلق اِس بدن کے ساتھ ہے۔ انکشاف تام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ روح خواہ کتنی ہی بے تعلق ہو جائے۔ کم سے کم حیات کا علاقہ باقی رہے گا۔ اگرچہ صرافت اصلی پر رہے۔ خودی کا تعلق باقی ہے۔

(۱۱) سماع کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ صوفیہ صافیہ میں سے جو لوگ راگ سننے کے قائل ہیں۔ انہوں نے اس میں یہ حکمت دیکھی ہے۔ کہ راگ سننے کے بعد طبیعت ساکن و برقرار رہتی ہے۔ ناچار روح معانی کا ادراک زیادہ کرتی ہے۔ مجوزین سماع کا مقصود معانی ہے۔ وہ نغمہ کو اس کے زیور کی مثل سمجھتے ہیں۔ ورنہ وہ نفس نغمہ میں مبتلا نہیں۔ حاضرین میں سے ایک نے شیخ سعدیؒ کی یہ بیت پڑھی۔ کہ ؎

آواز خوش بہتر از روئے خوش | کہ آں حظ نفس است ایں قوت روح

حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ دونوں ایک ہی ہیں۔ یعنی اگر دیکھنے والا اور سننے والا اہل نفس سے ہیں۔ تو وہ دیکھا ہوا اور سنا ہوا دونوں نفسانی ہیں۔ اور اگر اصحاب روح سے ہیں۔ تو دونوں روحانی ہیں۔

اور فرمایا کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ راگ سننے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ سننے والے پر حق سبحانہ کی محبت غالب ہو۔ آپ کے مخلصوں میں سے ایک نے عرض کیا کہ حق سبحانہ کی محبت کی کیا علامت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پورا اتباع۔ پھر اس مخلص نے عرض کیا۔ کہ ممکن ہے کہ متبع کا مقصود بہشت ہو یا عذاب دوزخ سے نجات۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا شخص متبع تام وکامل نہیں اور اسے اہل اللہ میں شمار نہیں کرتے۔ اتباع ظاہری تو ظاہر ہے اتباع باطنی یہ ہے کہ اس کے باطن میں سوائے حق سبحانہ کے کوئی مطلب ومقصود نہ ہو۔

(۱۲) ولایت (واؤ کی زبر کے ساتھ) بندہ کے قُرب کو کہتے ہیں جو وہ حق سبحانہ سے رکھتا ہے! اور وِلایت (واؤ کی زیر کے ساتھ) اس چیز کو کہتے ہیں جو خلق میں مقبول ہونے کا سبب ہے۔ اور اہل عالم اس کی طرف گرویدہ ہوتے ہیں اور یہ کمال مخلوقات سے تعلق رکھتا ہے خوارق وتصرفات دوسری قسم میں داخل ہیں۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ جو برکتیں صاحبان استعداد کو پہنچتی ہیں۔ وہ کس قسم میں داخل ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ وہ وَلایت (واؤ کی زبر کے ساتھ) کا اثر ہیں۔ اس بیان کے اثنا میں آپ نے طالبوں کے استفادہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ جس وقت طالب کا آئینہ مرشد کے آئینہ کے مقابل ہوتا ہے۔ تو جو کچھ مرشد کے آئینہ میں ہوتا ہے وہ طالب کے آئینہ پر بقدر مناسبت اپنا پرتو ڈالتا ہے۔ اسی موقع پر آپ نے فرمایا۔ کہ بعض کو ولایت کی ان دونوں قسموں میں سے ایک حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض کو دونوں قسموں سے کافی حصہ ملتا ہے یا کسی کو دونوں میں سے ایک سے زیادہ اور دوسری سے کم حصہ ملتا ہے۔ مشائخ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالے میں ہمیشہ وَلایت (واؤ کی زبر کے ساتھ) وِلایت (واؤ کی زیر کے ساتھ) پر غالب رہی ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ جب کوئی مقتدا اس جہان سے انتقال کر جاتا ہے۔ تو وِلایت (بکسر واؤ) اپنے کسی مخلص کے حوالہ کر جاتا ہے۔ اور وَلایت (بفتح واؤ) اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ کبھی کسی لغزش کے باعث ولی کی وِلایت (بکسر واؤ) چھین لی جاتی ہے۔ چنانچہ ابن فارض رحمہ اللہ تعالے نے پیر بقال کے جنازہ کے امام کا واقعہ بیان کیا ہے جو نفحات میں مذکور ہے۔

(۱۳) ایک روز فقراء پر بعض منکرین کے اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اولیاء کبیرہ گناہوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ اگر اتفاقاً ان سے اس قسم کی کوئی حرکت سرزد ہو جائے۔ تو اس سبب سے ان کو ولایت سے خارج کر دینا جہالت ہے بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ ہمیشہ یا اکثر کونسی منزل میں رہتے ہیں۔ اس حال میں اگر کبھی بتقاضائے بشریت ان سے کوئی کبیرہ گناہ صادر ہو جائے۔ تو اس میں ان کو

معذور سمجھنا چاہئے۔

(۱۴) محبت ذات و محبت صفات کی تحقیق میں سلسلہ سخن شروع تھا۔ زبان مبارک سے فرمایا۔ کہ محبت صفات یہ ہے۔ کہ مثلاً ایک شخص کسی سے اس لئے محبت رکھتا ہے کہ وہ عالم ہے یا شجاع ہے۔ تو اُس وقت اُس کی محبت موقوف ہوگی صفت علم و شجاعت پر۔ اگر یہ اوصاف اُس سے دور ہو جائیں۔ تو اُس کی محبت بھی جاتی رہے۔ اور محبت ذاتی یہ ہے کہ کسی شخص کو بغیر لحاظ کسی صفت کے دوست رکھے۔ یہ نہیں کہ جب وہ کسی صفت کے ساتھ متصف ہو۔ تو اُس وقت محبت میں زیادتی ہو۔ اور جب کسی صفت کے ساتھ متصف نہ ہو۔ تو محبت میں نقصان آجائے۔

(۱۵) ہمارے طریقہ کا دارومدار تین باتوں پر ہے۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنا۔ دوام آگاہی اور عبادت۔ اگر کسی شخص کی ان تین چیزوں میں سے ایک میں خلل و فتور آجائے۔ تو وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے۔ ہم عزت کے بعد ذلت اور قبول کے بعد رد سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

(۱۶) پیر کے متعدد ہونے میں کلام شروع ہوا۔ زبان مبارک سے فرمایا۔ کہ پیر تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک پیر خرقہ۔ دوسرے پیر تعلیم۔ تیسرے پیر صحبت۔ واضح ہو کہ پیر خرقہ وہ ہے۔ جس سے خرقہ ارادت پہنا جائے جس بزرگ سے خرقہ تبرک و اجازت ملے۔ اُسے اہل تصوف کی اصطلاح میں پیر خرقہ کہتے ہیں پیر تعلیم ذکر کے معنے ظاہر ہیں۔ پیر صحبت وہ ہے۔ جس سے لوگ صحبت رکھیں اور اُس کی صحبت سے منافع و ترقیات حاصل کریں۔ اسی موقعہ پر فرمایا۔ کہ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ و کبرویہ میں دارومدار خرقہ پر ہے۔ ان سلسلوں کے اصحاب کی اصطلاح میں پیر مطلق پیر خرقہ کو کہتے ہیں۔ اسی واسطے ایک شخص کے لئے کئی پیروں کے ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور پیر تعلیم و پیر صحبت کو مرشد کہتے ہیں حضرت خواجہ نے اسی مطلب کے مطابق ایک بزرگ کا نام لیکر فرمایا۔ کہ انہوں نے اپنے رسالوں میں لکھا ہے کہ پیر خرقہ متعدد ہونا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح پیر تعلیم کا تعدد مکروہ ہے۔ لیکن پیر صحبت کئی ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ پہلا پیر اجازت دے دے یا اُس کی صحبت فوت ہو جائے۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا۔ کہ ہاں پیر خرقہ متعدد نہیں ہوتے۔ لیکن پیر تعلیم مثل پیر صحبت کے کئی ہو سکتے ہیں۔ اور یہی سالکوں کا معمول ہے۔

(۱۷) صوفیہ کرام کے سلسلوں میں لوگوں نے خرقہ کی سند حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بطریق عنعنہ بیان کی ہے۔ مگر ذکر کو بطریق عنعنہ بیان نہیں کیا۔ مگر سلسلہ نقشبندیہ و کبرویہ میں ذکر کی سند بطریق عنعنہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر آج کے دن تک درمیانی راویوں میں کسی طرح کا خلل نہیں پڑا۔ اِس موقع پر حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں طریق رابطہ حضرت صدیق اکبر سے اور طریقہ ذکر حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے پہنچا ہے کہاں تک درست ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ جو ذکر ہمارے سلسلہ میں ہے اور جسے وقوف عددی کہتے ہیں مقررہ طریقہ کے ساتھ مثلاً حبس دم اور اُس کے ساتھ محمد رسول اللہ ملانا وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہم تک بطریق تعنعنہ پہنچا ہے۔ اور طریق صحبت بھی آپ ہی سے پہنچا ہے۔ کیونکہ آپ سفر و حضر میں جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ اور بطریق صحبت فیض حاصل کرتے تھے۔ اصل اس کام میں صحبت ہے اور رابطہ اس کا ظل ہے۔ جب صحبت ظاہری مفقود ہو۔ تو اس طریقہ والوں نے رابطہ پر اکتفا کیا ہے۔ جو صحبت معنوی ہے۔

(۸۱) ایک روز نقل ذیل نظر مبارک میں آئی۔ کہ حضرت مخدومی جامی قدس اللہ سرہ السامی نقد نصوص میں لکھتے ہیں۔ کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حضور کی حالت میں بغیر اس کے کہ حِس سے غائب ہوں امور غیبیہ بعض حقائق اس گروہ پر کھل جاتے ہیں اور ایسی کو مکاشفہ کہتے ہیں۔ مکاشفہ کبھی جھوٹ نہیں ہوتا۔ کیونکہ مکاشفہ سے مراد ہے علائق بدن سے مجرد ہونے کی حالت میں روح کا مغیبات کے مطالعہ میں متفرد ہونا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ حضرت مخدومی نے یہ مضمون ترجمہ عوارف سے نقل کیا ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ بعضے مکاشفات جن میں خیال کو کچھ دخل ہے اُن میں خطا بھی ہو جاتی ہے لیکن علوم یقینی جو مدرکہ پر الہام کئے جاتے ہیں اُن میں خطا کو کچھ دخل نہیں۔ اس موقع پر ایک درویش نے عرض کیا۔ کہ بعض علوم یقینی ہیں بھی جو بطریق الہام معلوم ہوتے ہیں خطا پائی جاتی ہے اس کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ اُس کا سبب یہ ہے۔ کہ صاحب الہام اپنے مقدمات مسلمہ میں سے بعض کو جو اُس کے نزدیک یقینی ہیں ان علوم یقینی کے ساتھ ملا لیتا ہے۔ اسی وجہ سے اُن میں خطا آ جاتی ہے۔ ورنہ صرف علوم الہامیہ میں خطا کی گنجائش نہیں، علوم عقلیہ کے علماء جو قوانین منطق کی رعایت کرتے ہیں کبھی اُن کے فکر میں خطا داخل ہو جاتی ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ اپنے مقدمات مقررہ کو یقینی خیال کر کے اُس میں ملا لیتے ہیں۔ ورنہ منطق تو وہ علم ہے۔ کہ اس کی رعایت ذہن کو فکر میں خطا سے بچاتی ہے۔ اگر صرف منطق کا استعمال بغیر ملانے ایسے مقدمات کے ہو۔ تو ذہن کبھی خطا نہ کرے۔ اس موقع پر حضرت خواجہ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ جو لوگ خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کو کشف کی کچھ ضرورت نہیں۔ کیونکہ کشف دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک کشف دنیوی جو بالکل کسی کام نہیں آتا۔ دوسرا کشف اخروی جو کتاب و سنت میں بصراحت مذکور ہے۔

اور عمل کے لئے کافی ہے۔ کوئی کشف اس کے برابر نہیں۔

(۱۹) اہل اللہ کے بارے میں سلسلہ کلام شروع ہوا۔ فرمایا کہ اہل اللہ تین فرقے ہیں۔ عباد۔ صوفیہ۔ ملامتیہ۔ عباد وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے ظاہر عبادت پر اکتفا کیا ہے اور فرائض وسنن کے بعد نفلی عبادتوں اور خیرات پر قیام کرتے ہیں یہانتک کہ وہ چاہتے ہیں کہ خیرات میں سے کسی چیز کی فروگزاشت نہ ہو۔ اور صوفیہ کے اذواق ومواجید سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔ عباد میں سے جو شخص صوفیہ کے اذواق ومواجید سے بہرہ ور ہوگیا وہ گروہ صوفیہ میں داخل ہوگیا۔ اور اپنے مرتبہ سے نکل آیا۔ صوفیہ وہ فرقہ ہے۔ جو مواجید واذواق سے بہرہ ور ہیں۔ اور اپنے خوارق وکرامات کو مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رکھتے۔ تمام کاموں میں ان کی نظر خدا پر ہے۔ اور مخلوق کو مظاہر حق جانتے ہیں۔ اس فرقہ میں ایک طرح کی رعونت ونخوت رہ گئی ہے۔ ملامتیہ وہ لوگ ہیں۔ جو عام لوگوں کے لباس میں رہتے ہیں۔ اور عوام سے کچھ امتیاز نہیں رکھتے۔ اور ظاہر میں فرائض وسنن موکدہ پر اکتفا کرتے ہیں اور اخلاص کی رعایت میں کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے تئیں اپنے خوارق ظاہر کر کے مشہور وظاہر نہیں کرتے۔ اس امر میں انہوں نے حضرت حق سبحانہ کا اتباع کیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ عالم ظہور کا محل نہیں۔ خداتعالے نے اپنے تئیں عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا ہے۔ لہذا وہ بھی اپنے تئیں مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اسی واسطے اکثر لوگ ان کو اپنے جیسا خیال کرتے ہیں۔ یہ جماعت رعونت سے بالکل آزاد و پاک ہے۔ وہ مقام عبودیت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ ابن عربیؒ نے اس جماعت کے کئی سردار ٹھیرائے ہیں۔ سب سے بڑے سردار جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کو بتاتے ہیں۔ صحابہ کرام میں سے حضرت صدیق اکبر اور سلمان فارسی کو اور مشائخ میں سے بایزید بسطامی اور ابو سعید خراز اور ابو السعودؒ اپنے آپ کو بتاتے ہیں۔ ان کے سوا اوروں سے ساکت ہیں۔ مگر اُن کی نفی نہیں کرتے۔ شیخ کا طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ کسی خاص وقت میں کشف میں آگیا اسے لکھ دیتے ہیں۔ فرقہ ملامتیہ میں سے جو لوگ اپنے تئیں مخلوق پر بعنوان ملامت ظاہر کرتے ہیں اور بعض ایسی چیزوں کے مرتکب ہوتے ہیں جو باعتبار ظاہر ممنوع ہیں خلاً سفر میں ماہ رمضان میں دن کے وقت بازار میں کھاتے پھرتے ہیں تاکہ مخلوق کی نظروں سے اُن کا اعتبار اُٹھ جائے۔ ایسے لوگ رتبہ ومرتبہ میں صوفیہ سے کم درجہ کے ہیں۔ مخلوق ان کی نظروں سے ساقط نہیں ہوا ہے۔

(۲۰) (ایام وفات سے پہلے) فرماتے تھے۔ کہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ طریق توحید (وحدت وجود) کے سوا ایک اور وسیع راہ ہے۔ اور توحید کی راہ اُس شاہراہ کے مقابلہ میں محض ایک تنگ کوچہ ہے۔

۲۵۔ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ

آپ کا نسب شریف حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بدیں ترتیب ملتا ہے۔ شیخ احمد[۱] بن شیخ عبد الاحد[۲] بن شیخ زین العابدین[۳] بن شیخ عبد الحی[۴] بن شیخ محمد[۵] بن شیخ حبیب اللہ[۶] بن شیخ رفیع الدین[۷] بن شیخ نصیر الدین[۸] بن شیخ سلیمان[۹] بن شیخ یوسف[۱۰] بن شیخ اسحاق[۱۱] بن شیخ عبد اللہ[۱۲] بن شیخ شعیب[۱۳] بن شیخ احمد[۱۴] بن شیخ یوسف[۱۵] بن شیخ شہاب الدین[۱۶] علی الملقب بہ فرخ شاہ بن شیخ نصیر الدین[۱۷] بن شیخ محمود[۱۸] بن شیخ سلیمان۔ بن شیخ مسعود[۱۹] بن شیخ عبد اللہ[۲۰] الواعظ الاصغر بن شیخ عبد اللہ[۲۱] الواعظ الاکبر بن شیخ ابو الفتح[۲۲] بن شیخ اسحاق[۲۳] بن شیخ ابراہیم[۲۴] بن شیخ ناصر[۲۵] بن شیخ عبد اللہ[۲۶] بن امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

آپ کے اجداد میں سے پندرہویں جد شیخ شہاب الدین علی ملقب بہ فرخ شاہ ہیں۔ جو سلاطین کابل کے بڑے امراء و وزراء میں سے تھے شیخ ممدوح پہلے مسلمان امیر ہیں جنہوں نے غزنی و کابل سے ہندوستان میں آکر دین اسلام کو رواج دیا۔ حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج قدس سرہ کا نسب بھی شیخ موصوف سے ملتا ہے۔

حضرت مجدد کے چھٹے جد امجد امام رفیع الدین ہیں جو علم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ آپ کو خلافت سید جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں سے ہے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان میں سکونت اختیار کی شہر سرہند کی بنا آپ ہی سے ہوئی جس کی کیفیت اس طرح ہے۔ کہ اس شہر کی آبادی کی جگہ ایک دحشت ناک جنگل تھا جس میں درندے رہا کرتے تھے۔ اس جنگل کا نام ہندی میں سہرند (سہ بمعنی شیر۔ رند بمعنی جنگل) یعنی بیشۂ شیر تھا اس سرزمین کے نواح میں کوئی شہر نہ تھا۔ صرف ایک سامانہ شہر تھا جو یہاں سے ۲۴ میل پر تھا لوگ روپیہ خزانہ میں داخل کرنے کے لئے سامانہ جایا کرتے تھے اس لئے اس نواح کی رعایا بالخصوص رعایائے براس نے جو یہاں سے چھ سات کوس تھا اوچہ میں جاکر حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں جو سلطان فیروز شاہ کے مرشد تھے عرض کیا۔ کہ آپ دہلی تشریف لے جائیں۔ اور سلطان سے درخواست کریں کہ یہاں ایک شہر بنایا جائے۔ اس لئے مخدوم جہانیاں اپنے وطن مالوف سے دہلی آئے۔ سلطان نے آپ کا استقبال کیا۔ اور پہلی ہی ملاقات میں منظوری دے دی۔ کہ فلاں مقام پر شہر آباد کیا جائے۔ امام رفیع الدین کا بڑا بھائی خواجہ فتح اللہ جو بادشاہ کا

وزیر تھا اس کام کو انجام دینے کے لئے مقرر ہوا۔ خواجہ موصوف دو ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر وہاں آکر عمارت کے کام میں مشغول ہوئے۔ پہلے سنہ ۷۶۰ھ میں قلعہ کی بنا اُس ٹیلہ پر رکھی جہاں جنگل تھا۔ مگر ہر روز جتنی دیوار تیار ہوتی۔ دوسرے دن گری ہوئی نظر آتی۔ جب اس امر کی اطلاع بادشاہ کو ہوئی۔ تو اُس نے اس کا علاج سید مخدوم جہانیاں کے سپرد کیا۔ سید موصوف نے اپنے خلیفہ و امام نماز شیخ رفیع الدین کو جو سنام میں رہا کرتے تھے حکم دیا کہ تم اپنے ہاتھ سے قلعہ کی بنیاد رکھو اور اُس شہر میں سکونت اختیار کرو۔ کیونکہ وہاں کی ولایت تمہارے متعلق ہے۔ چنانچہ حضرت امام اس جگہ آئے اور مکاشفہ سے معلوم کیا کہ بادشاہی لوگ ایک خدا دوست شخص کو زبردستی مزدوروں میں شمار کر لیتے ہیں۔ اور وہ رات کو توجہ ڈال کر دیوار گرا دیتا ہے۔ آپ نے منع فرمایا۔ اور اپنے دست مبارک سے بنائے قلعہ کی اینٹ رکھی۔ اور قلعہ اور شہر کی تعمیر حضرت امام کے اہتمام میں انجام کو پہنچی۔ اختتام تعمیر پر حضرت امام نے یہاں کی سکونت اختیار کی۔ منقول ہے کہ حضرت امام کو معلوم ہوا کہ وہ خدا دوست شیخ شرف الدین بوعلی قلندر تھے۔ حضرت امام رفیع الدین قدس سرہ کا مزار مبارک قصبہ سرہند سے باہر قریب ہی اب تک موجود ہے۔ یہ شہر خوب آباد رہا۔ یہاں تک کہ سکھوں نے اسے ۱۱۷۷ھ میں تاخت و تاراج کیا۔ اور اب تک ویران پڑا ہے۔

حضرت مجدد کے والد شیخ عبدالاحد آغاز جوانی ہی میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے مرید بن گئے۔ اور ان کی خدمت میں حاضر رہنے کی اجازت طلب کی۔ مگر انہوں نے اجازت نہ دی۔ فرمایا کہ علوم دین و شریعت حاصل کر کے آجانا۔ کیونکہ علم کے بغیر درویشی بے لطف ہے۔ عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد آپ کی صحبت کو نہ پاؤں۔ فرمایا۔ اگر مجھے نہ پاؤ تو میرے فرزند رکن الدین سے حاصل کرنا جو چاہتے ہو۔ اتفاقاً تحصیل علم سے پہلے ہی حضرت شیخ قدس سرہ نے وصال فرمایا۔ پس حضرت مخدوم علوم دینیہ کی تحصیل اور بعض بلاد کی سیر و سیاحت کے بعد شیخ رکن الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے اشارے کے موافق حضرت مخدوم کی تربیت میں بہت کوشش کی۔ اور خاندان قادریہ و چشتیہ میں خرقہ خلافت آپ کو عطا کیا اور طالبان خدا کی تربیت و تعلیم کا حکم دیا اور تحریری اجازت نامہ عطا فرمایا جو زبدۃ المقامات میں منقول ہے۔

حضرت مجدد کا انتساب باطنی ہر چہار خاندان سے ہے۔ چنانچہ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ مرید و خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے ہیں جو مرید و خلیفہ مولانا خواجگی امکنگی قدس سرہ کے ہیں۔ اور طریقہ قادریہ میں آپ مرید و خلیفہ شاہ سکندر کیتھلی کے ہیں جو مرید و خلیفہ اپنے جد بزرگوار شاہ کمال کیتھلی

(متوفی ۱۹ جمادی الآخرے ۹۲۰ھ) کے ہیں۔ اور خاندان چشتیہ صابریہ وسہروردیہ میں اپنے والد بزرگوار مخدوم عبدالاحد کے ہیں جو مرید وخلیفہ شیخ المشائخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے ہیں۔ ان چار سلسلوں کے علاوہ آپ کو دیگر سلاسل مثل شطاریہ۔ مداریہ۔ کبرویہ وغیرہ کی تلقین کی اجازت بھی اپنے والد بزرگوار سے حاصل تھی۔

ولادت | آپ کی ولادت باسعادت شہر سرہند میں شب جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار کا بیان ہے کہ آپ کی ولادت سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ تمام جہان میں ظلمت پھیل گئی ہے۔ سور۔ بندر۔ اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اسی اثنا میں میرے سینے سے ایک نور نکلا اور اس میں ایک تخت ظاہر ہوا۔ اس تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے سامنے تمام ظالموں زندیقوں اور ملحدوں کو بکرے کی طرح ذبح کر رہے ہیں۔ کوئی شخص بآواز بلند کہتا ہے۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ اس خواب کی تعبیر حضرت مخدوم نے حضرت شاہ کمال کیتھلی سے دریافت کی۔ انہوں نے بعد توجہ فرمایا۔ کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے الحاد وبدعت کی تاریکی دور ہوگی۔ یہ تعبیر بالکل درست نکلی۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ ایام رضاعت میں آپ نہایت علیل ہو گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو شاہ کمال کیتھلی کی خدمت میں لے گئیں۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی زبان مبارک آپ کے منہ میں دے دی اور آپ اُسے دیر تک چوستے رہے شاہ صاحب نے فرمایا۔ خاطر جمع رکھو۔ یہ لڑکا بڑی عمر کا ہوگا۔ اور عالم عامل اور عارف کامل ہوگا اور میرے تیرے جیسے بہت سے اس سے پیدا ہوں گے۔

تحصیل علوم | جب آپ سن تعلیم کو پہنچے۔ تو آپ کو مکتب میں داخل کر دیا گیا۔ تھوڑی مدت میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ بعد ازاں اکثر علوم متداول آپ نے اپنے والد بزرگوار سے حاصل کئے۔ اس کے بعد آپ سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ اور وہاں معقولات کی بعض کتابیں عضدی وغیرہ فاضل محقق مولانا کمال کشمیری سے اور حدیث کی بعض کتابیں مولانا یعقوب کشمیری سے پڑھیں۔ مولانا یعقوب نے جو قطب مکرم شیخ حسین خوارزمی کبروی کے اکابر خلفاء میں سے تھے حرمین شریفین میں جا کر کبار محدثین سے تصحیح حدیث کی ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت مجدد نے تفسیر واحدی و دیگر مؤلفات واحدی اور تفسیر بیضاوی اور دیگر مصنفات بخاری ومشکوٰۃ المصابیح وشمائل ترمذی وجامع صغیر سیوطی اور قصیدہ بردہ وغیرہ کی اجازت عالم ربانی قاضی بہلول بدخشانی سے حاصل کی تھی۔ قاضی موصوف کو کتب مذکورہ کی اجازت شیخ عبدالرحمٰن بن فہد سے تھی جن کا گھر آبا واجداد سے بیت الحدیث چلا آتا تھا۔

الغرض آپ سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تحصیل کے سب مرحلے طے کرکے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر تدریس میں مشغول ہوئے۔ اور طلبہ علوم کو اپنی برکات سے بہرہ ور فرماتے رہے۔ اسی اثنا میں آپ نے عربی فارسی میں متعدد رسالے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ تحریر فرمائے چنانچہ رسالہ تہلیلیہ رسالہ اثبات نبوت اور رسالہ ردّ شیعہ ان ہی رسائل میں سے ہیں۔

تردید شیعہ رسالہ رد شیعہ کی تصنیف کا باعث یہ ہوا کہ عبد اللہ خاں اوزبک والئ سمرقند و بخارا نے جو ۹۹۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ خراسان پر حملہ کیا اور نو ماہ کے محاصرے کے بعد ہرات کو ۹۹۳ھ میں فتح کر لیا۔ جب خان مذکور نے خراسان کے مشہور شہر طوس یعنی مشہد مقدس کا محاصرہ کر رکھا تھا تو فقہائے مشہد میں سے ایک نے ایک عرضداشت عبد اللہ خاں کی خدمت میں بھیجی جس کا ماحصل یہ تھا کہ رعایائے مشہد تو اکثر حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت ہیں۔ آپ نے کس دلیل سے مشہد کا محاصرہ اور وہاں کے باشندوں کا قتل اور ان کے مال کا لوٹ لینا جائز رکھا ہے۔ عبد اللہ خاں نے وہ تحریر علمائے ماوراء النہر کی خدمت میں پیش کی جو اس محاصرہ میں ہمرکاب تھے۔ اس کے جواب میں علمائے مذکورین نے ایک رسالہ بدیں مضمون لکھا کہ شیعہ کافر ہیں۔ اور ان کا قتل کرنا اور ان کا مال لوٹ لینا مسلمانوں کے لئے مباح ہے۔ اس پر محمد بن فخر الدین علی رستمداری شیعی نے جو مشہد میں روضہ مقدس کی خدمت اور تدریس کا منصب رکھتا تھا اس تحریر کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جیسا کہ مجالس المومنین میں مذکور ہے۔ جب یہ رسالہ شیعہ حضرت مجدّد کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس کا نہایت مدلل و معقول جواب لکھا۔ اُن دنوں میں اہل تشیع ہندوستان میں ارباب حشمت و جاہ تھے۔ اور دربار شاہی میں تقرب تام رکھتے تھے اور بادشاہ وقت بھی دین اسلام اور ارباب دین سے نہایت دشمنی رکھتا تھا۔ ان حالات میں حضرت کا تردید شیعہ میں قلم اُٹھانا آپ کی حمیّت وغیرتِ اسلامی کی زبردست دلیل ہے۔

ابوالفضل و فیضی سے ملاقات آگرہ کے مشاہیر علماء کا شہرہ سُن کر آپ کے دل میں ان حضرات کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ اور کچھ عرصہ وہیں قیام کیا۔ اس عرصہ میں آپ کو کئی دفعہ ابوالفضل کی مجلس میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ وہ آپ کی خاص رعایت و تعریف کیا کرتا تھا۔ ایک دن اُس نے فلاسفہ اور ان کے علوم کی توصیف میں نہایت مبالغہ کیا۔ جس سے علمائے دین کی توہین لازم آتی تھی۔ آپ سے یہ کب برداشت ہو سکتا تھا۔ فرمایا کہ امام غزالی قدس اللہ سرہ العالی نے رسالہ منقذ من الضلال میں لکھا ہے۔ کہ وہ علوم جن کے واضع فلاسفہ اپنے تئیں بتاتے ہیں مثلاً ہیئت۔ نجوم و طب یہ کتب انبیائے سابقین سے سرقہ ہیں۔ اور ریاضی وغیرہ جو فلاسفہ کے طبعزاد ہیں

دن میں کس کام آتے ہیں۔ ابوالفضل یہ سن کر خفا ہوا۔ اور کہنے لگا کہ غزالی نے نامعقول کہا ہے۔ حضرت یہ سن کر ناراض ہو گئے اور مجلس سے اٹھ آئے۔ اٹھتے وقت فرمایا کہ اگر تو ہم سے اہل علم کی صحبت کا ذوق رکھتا ہے۔ تو ایسی دور از ادب باتوں سے زبان کو بند رکھ۔ آپ کئی روز اس کی مجلس میں تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ ایک شخص کو اس نے آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اور معافی مانگ کر بلایا۔ ایک روز آپ ابوالفضل کے بھائی فیضی کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ ان ایام میں اپنی تفسیر بے نقط (سواطع الالہام) لکھ رہا تھا۔ وہ آپ کو دیکھ کر خوش ہوا۔ اور کہنے لگا کہ خوب موقع پر آئے ہو۔ ایک مقام درپیش ہے۔ کہ جس کی تاویل و تفسیر حروف غیر معجمہ میں دشوار ہے۔ میں نے ہر چند دماغ سوزی کی ہے۔ مگر دلخواہ عبارت نہیں سوجھتی یہ سن کر آپ نے قلم برداشتہ اس صفحہ کے مطالب کثیرہ حروف بے نقط میں کمال بلاغت میں تحریر فرمائے کہ جس سے فیضی حیران رہ گیا۔ اس واقعہ سے آپ کی زبردست علمی قابلیت ظاہر ہے۔

فرزند دلبند کی دوری والد بزرگوار پر ناگوار گزری۔ اس لئے وہ شوق دیدار میں آگرہ پہنچے۔ اور آپ کو ہمراہ لے کر وطن مالوف کی طرف روانہ ہوئے راستے میں بمقام تھانیسر وہاں کے رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے آپ کا عقد نکاح ہو گیا۔ وطن میں پہنچ کر آپ نے سلوک طریقہ صوفیہ میں قدم رکھا۔ اور اپنے والد بزرگوار کی صحبت میں بہت سے فوائد باطنی حاصل کئے۔ چنانچہ آپ رسالہ مبدا و معاد میں لکھتے ہیں:۔

"اس درویش کو اصل نسبت فردیت کہ جس سے عروج اخیر مخصوص ہے اپنے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی تھی۔ اور والد بزرگوار کو ایک بزرگ (شاہ کمال کیتھلی رح) سے ہاتھ لگی تھی جو جذبہ قوی رکھتے تھے اور خوارق میں مشہور تھے۔ نیز اس درویش کو عبادات نافلہ بالخصوص ادائے نماز نافلہ کی توفیق اپنے والد بزرگوار کی مدد سے ہے۔ اور والد بزرگوار کو یہ سعادت اپنے شیخ (رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح) سے حاصل ہوئی تھی جو سلسلہ چشتیہ میں تھے"

ان ہی ایام میں ایک مرتبہ آپ بیمار ہو کر بہت کمزور ہو گئے۔ آپ کی حالت دیکھ کر آپ کی اہلیہ بیقرار ہو گئی۔ اور اس نے دوگانہ ادا کر کے رو کر آپ کی صحت کے لئے دعا کی۔ اسی حال میں اسے نیند آ گئی خواب میں دیکھتی ہے کہ ایک شخص کہہ رہا ہے۔ تسلی رکھو۔ ہمیں ان سے بڑے کام لینے ہیں جن میں سے ہزار میں سے ایک بھی ظہور میں نہیں آیا۔ چنانچہ آپ جلدی تندرست ہو گئے۔ اور اس معاملہ کے تھوڑی مدت بعد حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

پیر سے بیعت تعلیم و تلقین

حضرت شیخ کو حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ مقدسہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا شوق مدت سے دامنگیر تھا۔ مگر اپنے والد ماجد کی کبر سنی کے سبب سے اس

ارادے کو ملتوی رکھا ہوا تھا۔ آپ کے والد نے ۲۰ جمادی الآخرے ۱۰۰۷ھ میں اسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اس لئے انتقال کے دوسرے سال آپ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ راستے میں جب دہلی پہنچے۔ تو مولانا حسن کشمیری نے جو آپ کے دوستوں میں سے تھے حضرت خواجہ باقی باللہ کی بہت تعریف کی اور اُن سے ملنے کی ترغیب دی۔ چونکہ آپ کو نسبت نقشبندیہ عالیہ کا شوق پہلے سے تھا۔ اِس لئے آپ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ مہربانی سے پیش آئے۔ اور آپ کا ارادہ و قصد دریافت کیا۔ آپ نے اپنا عزم ظاہر کیا۔ حضرت خواجہ کا شیوہ یہ نہ تھا کہ کسی طالب کو بذات خود اپنے آپ اخذ طریقہ کا اشارہ کریں۔ یا ایسے سفر مبارک سے روک کر اپنی خانقاہ میں سکونت کے لئے ارشاد فرمائیں۔ مگر چونکہ اس شہباز بلند پرواز کی قابلیت و استعداد بلند پر نظر عالی تھی۔ اِس لئے اپنی عادت سے تجاوز کر کے فرمایا۔ کہ اگرچہ تم سفر مبارک کا ارادہ رکھتے ہو۔ لیکن کچھ مدت کم سے کم ایک ماہ یا ایک ہفتہ فقراء کی صحبت میں رہو۔ تو کیا حرج ہے۔ حسب الارشاد آپ نے ایک ہفتہ کا قیام اختیار فرمایا۔ ابھی دو روز بھی نہ گزرے تھے کہ حضرت خواجہ کے کشش و تصرّف سے آپ پر اخذ طریقہ نقشبندیہ کا شوق غالب ہوا۔ آپ نے حضرت خواجہ سے عرض کیا۔ حضرت خواجہ نے فی الفور بغیر استخارہ کے داخل طریق کر لیا۔ اور خلوت میں لے جا کر توجہ شروع کی۔ چنانچہ اُسی وقت آپ کا دل ذاکر ہو گیا۔ اور حلاوت و التذاذ پیدا ہوا۔ اور روز بروز ترقیات و عروجات ظاہر ہونے لگے۔

ان ایام میں ایک روز حضرت خواجہ نے آپ کے رشد و رشاد اور بلند استعداد کو دیکھ کر آپ کو خلوت میں طلب کیا۔ اور وہ وقائع بیان کئے جو اِس سے چند سال پیشتر آپ کے علو حال و کمال کی نسبت معائنہ کئے تھے۔ از آنجملہ ایک یہ تھا۔ کہ آپ نے فرمایا کہ جب میرے مخدوم مولانا خواجگی امکنگی قدس سرہ نے مجھے حکم دیا کہ تم ہندوستان میں جاؤ تاکہ یہ سلسلہ شریفہ تمہارے ذریعہ سے وہاں جاری ہو جائے۔ تو میں نے اپنے تئیں اس خدمت کے لائق نہ سمجھ کر عذر کیا۔ آپ نے استخارہ کے لئے فرمایا۔ میں نے استخارہ میں دیکھا۔ کہ گویا ایک طوطی شاخ پر بیٹھا ہے۔ میں نے اپنے دل میں نیت کی۔ کہ اگر وہ طوطی شاخ سے اُڑ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ جائے۔ تو میرے لئے اس سفر میں بہت سے فتوح ظاہر ہوں گے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ طوطی اُڑ کر میرے ہاتھ پر آبیٹھا۔ اور میں نے اپنا لعاب دہن اُس کے منہ میں ڈالا۔ اور اُس طوطی نے میرے منہ میں شکر ڈالی۔ دوسرے روز میں نے یہ واقعہ حضرت مولانا خواجگی کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ طوطی ہندوستان کا جانور ہے۔ ہندوستان میں تمہارے دامن برکت سے ایک بزرگ کا ظہور ہوگا۔ جس سے ایک جہان روشن ہو جائے گا۔ اور تم بھی اُس سے بہرہ ور ہو گے۔

یہ واقعہ بیان کرکے حضرت خواجہ نے آپ سے فرمایا کہ حضرت مولانا کا اشارہ تمہاری طرف تھا۔ دوسرا واقعہ یہ ہے۔ کہ آپ سے فرمایا کہ جب میں حضرت مولانا خواجگی قدس سرہ سے رخصت ہو کر ہندوستان میں آیا اور تمہارے شہر سرہند میں پہنچا۔ تو واقعہ میں مجھے بتایا گیا کہ تم قطب کے پڑوس میں اُترے ہو اور اس قطب کے حلیہ سے بھی اطلاع بخشی گئی۔ صبح کو اُٹھ کر میں شہر کے درویشوں اور گوشہ نشینوں کی ملاقات کے لئے گیا لیکن کسی کو اس حلیہ کے مطابق نہ پایا۔ اور نہ کسی میں قطبیت کے آثار نظر آئے۔ میں نے خیال کیا کہ شہر والوں میں سے کسی میں قطبیت کی قابلیت ہوگی۔ کہ جس کا ظہور بعد میں ہوگا۔ مگر جس روز میں نے تم کو دیکھا تمہارا حلیہ اس حلیہ کے مطابق پایا۔ اور اس قابلیت کا نشان بھی تم میں دیکھا گیا۔
حضرت خواجہ نے یہ بھی فرمایا کہ واقعہ میں دیکھا گیا کہ میں نے ایک بڑا چراغ جلایا ہے۔ جس کی روشنی ساعت بساعت بڑھتی جاتی ہے اور لوگوں نے اس چراغ سے بہت سے چراغ روشن کر لئے ہیں۔ میں جو سرہند کے نواح میں پہنچا تو وہاں کے جنگل و صحرا کو مشعلوں سے پُر پایا۔ اس بات کو بھی میں نے تمہارے معاملہ کی طرف اشارہ سمجھا۔ حاصل کلام یہ کہ خدا تعالیٰ کی عنایت اور حضرت خواجہ کی تربیت کی برکت سے جو کچھ حضرت شیخ نے دو تین ماہ میں حاصل کیا وہ بیان میں نہیں آسکتا۔ ایک طالب کی ترغیب کے لئے خود حضرت شیخ نے اس کا ذکر بطریق اجمال اپنے مکتوبات (دفتر اول۔ مکتوب ۲۹۰) میں کیا ہے۔ جسے ہم بخوف طوالت یہاں نقل نہیں کرتے۔

حضرت خواجہ نے کئی بار فرمایا ہے۔ کہ شیخ احمد کی سرعت سیر کا سبب یہ ہے۔ کہ وہ محبوب و مراد ہیں۔ حضرت شیخ کو حضرت خواجہ کی خدمت میں کچھ بہت دن نہ گزرے تھے۔ کہ حضرت خواجہ نے اپنے ایک مخلص کو خط میں یوں لکھا۔

"شیخ احمد نام ایک شخص سرہند کا رہنے والا کثیر العلم اور قوی العمل ہے۔ وہ چند روز فقیر کی صحبت میں رہا۔ اُس کے بہت سے عجیب حالات دیکھنے میں آئے۔ وہ ایسا نظر آتا ہے کہ ایک چراغ ہوگا جس سے جہان کے جہان روشن ہو جائیں گے۔ الحمد للہ اُس کے احوالِ کاملہ میرے نزدیک یقینی ہیں۔ اس شیخ مشار الیہ کے بھائی اور قریبی رشتہ دار ہیں جو سب نیک اور طبقہ علماء سے ہیں۔ جواہر عالیہ سے سمجھ کر کئی سے میں نے ملاقات کی۔ عجیب لیاقت رکھتے ہیں۔ اس شیخ کے بیٹے جو ابھی بچے ہیں اسرار الٰہی سے ہیں۔ حاصل کلام شجرہ طیبہ ہیں۔ اللہ اُسے اچھی طرح نشو و نما دے۔ اور فقراء باب الٰہی ہیں اور عجیب دل رکھتے ہیں۔" (زبدۃ المقامات)۔

غرض کہ حضرت خواجہ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ اُس نے ایسا بلند استعداد مسترشد آپ کی خدمت میں

بھیجا۔ جو آپ کی نظر تربیت کی برکت سے تھوڑے ہی عرصہ میں درجہ کمال و تکمیل کو پہنچ گیا۔ اور حضرت شیخ کو اجازت کاملہ کا خلعت پہنا کر وطن مالوف یعنی سرہند کو روانہ کر دیا۔ اور اپنے طالبوں کی ایک جماعت ان کی خدمت میں متعین کر دی۔

حضرت شیخ وطن میں پہنچ کر حسب الارشاد طالبوں کی تربیت میں مشغول ہوئے۔ اور تھوڑی مدت میں ایک بڑی جماعت کو اپنے فیوضات کے چشمہ سے شاداب کر دیا۔ اسی اثنا میں آپ کی بلند ہمت حاصل شدہ کمال کو قلیل خیال کر کے عروج کی خواہاں ہوئی۔ اور طالبوں کی تربیت سے کنارہ کشی کر کے عزلت کی طرف مائل ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وہ مطلب جسے آپ عزلت میں حاصل کرنا چاہتے تھے محض اپنے کرم سے عطا فرمایا۔ اور آپ پھر افاضۂ طلاب میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ آپ اپنے ایک مکتوب میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"جب حضرت خواجہ نے مجھے کامل مکمل سمجھ کر تعلیم طریقہ کی اجازت دے دی۔ اور طالبوں کی ایک جماعت میرے سپرد کر دی۔ اُس وقت مجھے اپنے کمال و تکمیل میں کچھ تردد تھا۔ فرمایا۔ یہ تردد کا محل نہیں۔ کیونکہ مشائخ عظام نے ان مقامات کو کمال و تکمیل کا مقام بتایا ہے۔ اگر اِس مقام میں کچھ تردد پیدا ہو جائے۔ تو اُن مشائخ کی کمالیت میں شک لازم آئے گا میں نے حسب الارشاد طریقت کی تعلیم شروع کر دی اور طالبوں کے کام میں توجہات مبذول کیں۔ مریدوں میں بڑے اثر محسوس ہوئے یہانتک کہ سالوں کا کام گھڑیوں پر آ گیا۔ کچھ مدت اس کام میں سرگرم رہا۔ آخر کار پھر اپنے ناقص ہونے کا علم پیدا ہوا۔ اور ظاہر کیا گیا کہ تجلی ذاتی برقی جس کو اکابر مشائخ نے نہایت بتایا ہے وہ اس راہ میں پیدا نہیں ہوئی۔ اور یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کیا ہے۔ لہٰذا اِس قسم کے کمالات کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اِس وقت اپنے ناقص ہونے کا علم دلائل قاطعہ سے ثابت ہو گیا۔ طالبان خدا جو میرے گرد تھے میں نے ان کو جمع کر کے اپنے ناقص ہونے کا حال بیان کیا اور سب سے رخصت چاہی۔ مگر طالبوں نے اِس بات کو تواضع پر محمول کیا اور استفاضہ سے باز نہ آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت حق سبحانہٗ نے احوال منتظرہ حاصل کرا دئے بطفیل اپنے حبیب پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات" (دفتر اول۔ مکتوب۔ ۲۹)۔

حضرت شیخ کچھ مدت کے بعد اپنے پیر بزرگوار کی زیارت کے لئے پھر دہلی تشریف لے گئے اور دیر تک ان کی صحبت میں رہ کر بہ نسبت سابق درجات و معاملات بلند حاصل کئے۔ مگر با ایں ہمہ اپنے پیر بزرگوار کا ادب اِس درجہ ملحوظ رکھتے تھے۔ کہ اس سے زیادہ متصور نہیں۔ چنانچہ صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں

کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مقبولین میں سے ایک نے مجھ سے بیان کیا کہ جن دنوں ہمارے
خواجہ کی تلیفہ عالی درجات یعنی تمہارے شیخ میاں احمد کی طرف نہایت التفات فرماتے تھے اور
ان کی تعظیم و توقیر میں مبالغہ کرتے تھے ایک روز کسی ضرورت کے لئے مجھے ان کے بلانے کو بھیجا۔
جب میں نے حاضر خدمت ہو کر کہا کہ حضرت پیر دستگیر نے تمہیں بلایا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ کے رخسار کا
رنگ ڈر کے مارے سفید ہو گیا اور غایت خوف سے اضطراب بلکہ رعشہ بدن میں پیدا ہو گیا۔ میں نے اپنے
جی میں کہا کہ سبحان اللہ سارے یقین کہ سے نزدیکاں رابیش بود حیرانی - آج بچشم خود دیکھ لیا۔
حضرت شیخ رسالہ مبدا و معاد میں یوں تحریر فرماتے ہیں -
ہم چار کس اپنے خواجہ کی خدمت میں لوگوں کے نزدیک تمام یاروں سے ممتاز تھے۔ حضرت خواجہ
کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا اعتقاد علیحدہ اور معاملہ جدا تھا۔ یہ فقیر یقینی طور پر جانتا تھا۔ کہ حضور سرور
کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے زمانے کے بعد ایسی صحبت واجتماع اور ایسی تربیت
وارشاد کبھی ظہور میں نہیں آیا۔ اور اس نعمت کا شکر بجالاتا تھا کہ اگرچہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ
والسلام کی صحبت کے شرف سے مشرف نہیں ہوا مگر اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا۔ حضرت
خواجہ ان تینوں کا حال یوں بیان فرماتے تھے۔ کہ فلاں مجھے صاحب تکمیل جانتا ہے لیکن صاحب ارشاد
نہیں سمجھتا اور اس کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل سے زیادہ ہے۔ اور فلاں ہم سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔
اور تیسرے کی نسبت فرماتے تھے کہ وہ ہمارا انکار کرتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اعتقاد کے موافق حصہ ملا۔
اس کے بعد جب حضرت شیخ سرہند واپس آئے۔ تو طالبوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ اپنے
حالات اور اپنے یاروں اور پیر بھائیوں کی ترقیوں کا حال بذریعہ عرائض اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں
عرض کرتے رہے جیسا کہ مکتوبات شریف دفتر اول کے ابتدائی مکتوبات سے ظاہر ہے۔ اسی طرح
حضرت خواجہ بھی اپنے اصحاب موجودین کی ترقیات و قابلیات کا حال غائبانہ حضرت شیخ سے دریافت
کیا کرتے تھے اور کبھی عزیز متوقف کے عنوان سے اپنے واسطے بھی حصول مقصد کے لئے دعا و توجہ
کی درخواست کرتے تھے۔

جب تیسری بار حضرت شیخ دہلی تشریف لے گئے۔ تو حضرت خواجہ نے حد سے زیادہ آپ کا احترام
و اکرام کیا۔ چنانچہ آپ کے استقبال کے لئے قلعہ فیروزی سے پیدل روانہ ہوئے۔ دروازہ کابلی پر آپ کا
استقبال کیا اور بڑے اعزاز سے آپ کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ اور اپنے سامنے آپ کو اپنے اصحاب کا
سر حلقہ اور صبح و شام کے حلقہ مراقبہ کا مقتدا بنایا۔ اور خود اس حلقہ میں اپنے مسترشدوں کی طرح داخل

ہوتے۔ جب حلقہ یا اس مجلس سے جس میں حضرت شیخ ہوتے اُٹھتے تو غایت ادب کی رعایت سے بطور رجعت قہقری اُلٹے پاؤں واپس ہوتے۔ اِسی طرح تحریر میں بھی نہائت نیاز مندی ظاہر کرتے۔ اور اپنے اصحاب کو بھی تاکید کرتے تھے۔ کہ حضرت شیخ کی خدمت میں ہماری تعظیم نہ کرو۔ بلکہ اپنی توجہ بھی ہماری طرف نہ رکھو۔ القصہ آپ نے اپنے تمام مریدوں کو حضرت شیخ کے حوالہ اور شیخت وارشاد کا معاملہ بالکلیہ ان کے سپرد کر دیا۔ فرمایا کہ ضعف بدن کے آثار بہت ظاہر ہوتے ہیں۔ اب زندگی کی امید بہت کم ہے۔ اور اپنے فرزندان گرامی خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ کو جو ابھی بچے تھے طلب فرما کر ان کے حق میں حضرت سے توجہ کی خواہش فرمائی بلکہ ان کی والدات کو بھی غائبانہ توجہ کرائی۔ میر محمد نعمان کا بیان ہے۔ کہ جب حضرت خواجہ نے اپنے تمام اصحاب کو حضرت شیخ کے حوالہ کر دیا۔ تو اُس وقت مجھ سے بھی فرمایا کہ حضرت شیخ کی صحبت کو سعادت سمجھ کر ان کی خدمت میں رہا کرو۔ چونکہ پیر بھائی ہونے کی وجہ سے نفس میں رعونت ممکن تھی۔ میں نے حضرت خواجہ سے عرض کیا کہ وہ ہر چند بزرگ ہیں۔ مگر میری توجہ کا قبلہ تو آپ کی درگاہ ہے۔ یہ سُن کر حضرت خواجہ نے خفا ہو کر فرمایا۔

"میاں شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں۔ کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اُن کے ضمن میں گم ہیں۔ کامل اولیائے متقدمین میں سے خال خال ان کی مثل ہوئے ہوں نگے" (زبدۃ المقامات)۔

اس کے بعد میں درست اعتقاد اور پوری نیاز مندی سے حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا۔ میر ممدوح ہی بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز حضرت شیخ اپنے حجرے میں چارپائی پر سوئے ہوئے تھے۔ کہ ناگاہ حضرت خواجہ اکیلے آپ کی ملاقات کے لئے حجرے کے دروازے پر پہنچے۔ خادم نے حضرت شیخ کو جگانا چاہا۔ حضرت خواجہ نے بتاکید تمام اُسے منع کیا۔ اور خود بڑی نیاز مندی اور ادب سے دروازے کے باہر انتظار کیا۔ ایک لمحہ گزرا تھا کہ حضرت نے بیدار ہو کر آواز دی کہ دروازے کے باہر کون ہے۔ حضرت خواجہ نے نہایت ادب سے کہا کہ فقیر محمد باقی ہے۔ یہ سن کر حضرت اپنی چارپائی سے اضطراب کی حالت میں اتر کر باہر آئے اور نہایت نیازمندی وانکسار سے حضرت خواجہ کی خدمت میں بیٹھ گئے غرضکہ وہ صحبت و معاملہ جو ان دونوں پیر و مرید کے درمیان ظہور میں آیا ہے موجب حیرت اور عجائب روزگار سے ہے۔ کسی نے دیکھا تو کیا ایسا سنا بھی کم ہوگا۔

حضرت خواجہ نے فقرات مدحیہ جو حضرت شیخ کی شان میں فرمائے ہیں۔ وہ تحریر میں نہیں آ سکتے۔ ایک روز فرمایا کہ آپ کامل مردوں اور محبوبوں میں سے ہیں۔ دوسرے موقع پر فرمایا۔ کہ آج آسمان کے نیچے صوفیہ کرام میں سے کوئی آپ جیسا نہیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ صحابہ اور کامل تابعین و مجتہدین کے بعد

اخص الخواص میں سے گنتی کے چند آپ جیسے نظر آتے ہیں حضرت خواجہ ہی کا ارشاد ہے۔ کہ ان تین چار سالوں میں ہم نے مشیخت نہیں کی بلکہ چند روز کھیل کھیلا ہے۔ سو الحمد للہ و المنتہ کہ ہمارا یہ کھیل اور یہ دوکانداری رائیگاں نہیں گئی۔ کہ جس سے ایسا شخص ظاہر ہو گیا۔ خود حضرت شیخ کی زبانی سنا گیا کہ طالبوں کی تربیت میں حضرت خواجہ قدس سرہ کی سرگرمی اُس وقت تک تھی کہ میرا معاملہ انتہا کو نہ پہنچا تھا۔ جب میرے کام سے فارغ ہو گئے۔ تو دیکھا گیا کہ آپ نے اپنے تئیں مشیخت کے کام سے ہٹا لیا اور طالبوں کو میرے حوالہ کر کے فرمایا۔ کہ ہم اِس بیج کو بخارا اور سمرقند سے لائے اور ہند کی برکت والی زمین میں بو دیا۔ حضرت خواجہ نے آخر کار یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں (حضرت شیخ احمد) کی صحبت کے اثر سے اخیر میں معلوم ہوا کہ توحید تنگ کوچہ ہے اور اس سے اوپر وسیع شاہراہ ہے۔

تیسری دفعہ جب حضرت شیخ وطن واپس تشریف لائے۔ تو اس کے بعد حضرت خواجہ سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔ سرہند میں آپ نے چند روز قیام کیا۔ پھر لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں کے اصاغر و اکابر نے آپ کی تشریف آوری کو غنیمت سمجھا۔ اور خواص و عوام میں سے بہت سے لوگ داخل طریقہ ہونے۔ اور بڑی سرگرمی سے ہر جگہ حلقہ و شغل و مراقبہ ہونے لگا۔

قیام لاہور کے اثناء میں ایک روز مولانا جمال تلوی رحمہ اللہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی ہیں مسئلہ وحدت وجود میں جو ظاہر شرع سے چنداں موافقت نہیں رکھتا اور بہت سے اولیائے کاملین کا مشرب ہے۔ آپ کیا فرماتے ہیں۔ اِس پر آپ نے مولانا کے کان میں چند کلمے کہے جن کو سن کر مولانا کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے اور ارباب حال کی طرح ان کے چہرے پر تغیر پیدا ہو گیا۔ اور مولانا آپ کے زانو پر ہاتھ لگا کر اسی حالت میں بانکسار تمام رخصت ہوئے۔ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ حضرت نے کیا ارشاد فرمایا اور مولانا نے کیا سنا۔ ؎

ندانم چہ گفتی چہ انگیختی   کہ گفتی واز دیدہ خوں ریختی

حضرت شیخ کے اصحاب میں سے ایک نے صاحب زبدۃ المقامات سے بیان کیا۔ کہ حضرت نے فرمایا۔ کہ اوائل میں جب نسبت احاطہ و سریان و معیت کا غلبہ تھا۔ ایک روز کسی نے میرے سامنے قلم پر قط لگایا تو میری انگلی کٹ گئی۔

قصہ کوتاہ جب لاہور میں ارباب فضل کے ساتھ صحبت گرم تھی۔ ناگاہ حضرت خواجہ بزرگوار کے انتقال کی خبر پہنچی۔ آپ بحالت اضطراب دہلی کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر روضہ مقدس کی زیارت اور صاحبزادگان اور پیر بھائیوں کی ماتم پرسی کی۔ حضرت خواجہ کے اصحاب آپ کے حلقہ میں بدستور سابق

حاضر ہوتے۔ حسب وصیت پیر بزرگوار آپ بھی ان کی طرف صدق دل سے متوجہ ہوتے۔ آپ کی توجہات سے وہی باطنی طراوت وتازگی نظر آنے لگی جو حضرت خواجہ کی حیات میں تھی۔ مگر بعضے اصحاب نے ازراہِ حسد آپ کی مخالفت شروع کی۔ حضرت شیخ نے ان کے شکوک وشبہات کے دفعیہ کے لئے بہت کچھ نصیحت فرمائی۔ مگر سودمند نہ ہوئی۔ آپ نے بعضوں کی نسبتیں بھی سلب فرمائیں۔ مگر وہ روبراہ نہ ہوئے۔ بلکہ سب جمع ہوکر حضرت خواجہ کے روضہ پر گئے اور توجہ والتجا بجالائے۔ ان میں سے ایک صاحب کشف بھی تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان درویشوں میں سے ہر ایک نے چراغ جلایا ہے۔ ایک چمکتی ہوئی بجلی آئی۔ اور اس نے سب کے چراغوں کو گل کردیا۔ وہ چراغ ان درویشوں کی دعا وتوجہ تھی اور چمکتی بجلی حضرت شیخ کی توجہ عالی تھی۔ با ایں ہمہ انہوں نے آپ کی طرف جیسا کہ استفاضہ کے لئے چاہئے رجوع نہ کیا۔ اور حضرتؒ وطن تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے متنبہ ہوکر آپ سے معافی مانگی۔ آپ نے براہ کرم معاف فرمایا۔ اس کے بعد حضرت شیخ ماہ جمادی الاخرے میں حضرت خواجہ قدس سرہ کے عرس پر دہلی حاضر ہوتے اور چند روز ٹھیر کر سرہند واپس آجاتے۔ دو تین مرتبہ آگرہ جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ باقی تمام وقت سرہند ہی میں قیام پذیر رہے۔ ہاں اخیر عمر میں کئی سال سلطان وقت کی مزاحمت کے سبب سے لشکر شاہی کے ساتھ بعضے شہروں میں جانا پڑا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

فضائل ومکاشفات

(۱) علامہ سیوطیؒ نے جمع الجوامع میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی امتی رجل یقال لہ صلۃ[1] یدخل الجنۃ بشفاعتہ کذا وکذا۔ یعنی فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں ایک شخص ہوگا جسے صلہ کہا جائے گا۔ اس کی شفاعت سے اتنے اتنے مسلمان بہشت میں داخل ہوں گے۔ یہ حدیث گویا حضرت شیخ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے وجود مسعود کی طرف اشارہ ہے۔ اور آپ خود یوں فرماتے ہیں۔

"میں اپنی پیدائش سے مقصود جو کچھ سمجھتا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ حاصل ہوگیا۔ اور سئول ہزار سالہ قبول ہوگیا۔ ہر حال میں اکمل حمد اس خدا کے لئے ہے جس نے مجھے دو سمندروں کو ملانے والا صلہ اور دو گروہوں میں صلح کرانے والا بنایا۔ اور درود وسلام ہو حضرت خیر الانام پر اور ان کے برادران کرام انبیاء وملائکہ عظام پر" (مکتوبات۔ دفتر دوم مکتوب ۶)۔

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں صلہ بن اشیم کے ترجمہ میں یوں لکھا ہے۔ روی ابو نعیم فی الحلیۃ من طریق ابن المبارک عن عبد الرحمن بن یزید بن جابر قال بلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون فی امتی رجل یقال لہ صلۃ یدخل الجنۃ بشفاعتہ کذا وکذا۔

حضرت شیخ کے ارشاد میں دو سمندروں سے مراد شریعت و طریقت اور دو گروہوں سے مراد علماء و صوفیہ کرام ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۔ صاحب حضرات القدس نے لکھا ہے کہ میں نے مقامات شیخ الاسلام شیخ احمد جام قدس سرہٗ میں لکھا دیکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے بعد سترہ آدمی میری مثل اور میرے ہمنام ظاہر ہوں گے۔ اور ان میں کا آخری شخص بعثت موسی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہزار سال کے بعد ظاہر ہوگا اور وہ ان میں سب سے بڑا بزرگ ہوگا۔ یہ پیشگوئی حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰے عنہ پر صادق آتی ہے۔ جو بشارات حضرت شیخ کی نسبت حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی زبان مبارک سے صادر ہوئیں وہ پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ ان کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

۳۔ حضرت شیخ جناب سرور کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات کی طینت (خمیر جسم اطہر) کے بقیہ سے پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ اس امر کی طرف آپ خود یوں اشارہ فرماتے ہیں۔

سنیئے سنیئے۔ اگرچہ اس دولت خاصہ محمدی (یعنی حضرت کی خلقت کا ظہور نفس اسم الٰہی ہونا) میں کسی دوسرے کو شرکت نہیں۔ مگر فقیر اس قدر معلوم کرتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دولت خاصہ سے آپ کی تخلیق و تکمیل کے بعد بقیہ رہ گیا تھا۔ کیونکہ سخیوں کی ضیافت کی دولت کے خوان میں زیادتیاں ضرور ہوا کرتی ہیں۔ جو بصورت اُلُش نوکروں کے نصیب ہوتی ہیں۔ وہ بقیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے دولتمندوں میں سے ایک کو بطور اُلُش عطا کیا گیا ہے۔ اور اس کو خمیر مایہ بنا کر اس امتی کی طینت میں گوندھا گیا ہے۔ اور اُسے تبعیت و وراثت کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت خاصہ میں شریک کیا گیا ہے۔ ؎ باکریماں کارہا دشوار نیست۔ یہ بقیہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طینت کے بقیہ کی مانند ہے۔ جو درخت خرما کی خلقت کے نصیب ہو گیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اکرموا عمتکم النخلۃ فانھا خلقت من طینۃ ادم۔[1] ہاں سخیوں کے پیالہ میں سے زمین کو حصہ ملا کرتا ہے۔ (مکتوبات۔ دفتر سوم مکتوب ۱۰۰)۔

ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

سے لے ترا۔ ترس پترت گر دہ اند   پنہاں زشام و روم بہ سرہند ہشتہ اند

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ بعضے اولیاء اللہ بعضے پیغمبروں کی طینت کے بقیہ سے پیدا ہوئے ہوں۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طینت کے بقیہ سے

---

[1] تم اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کرو کیونکہ وہ حضرت آدم ؑ کی طینت سے پیدا کی گئی ہے۔

بھی پیدا ہوئے ہوں۔ اس کے بعد بعنوان سوال لکھا ہے کہ یہ بات تو عقل میں نہیں آتی۔ کیونکہ ہر شخص اپنے والدین کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ کہ اکثر چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی عقل سے ثابت نہیں ہوتیں۔ مگر شریعت سے ثابت ہوتی ہیں یا کشف والہام سے مثلاً نفس ولایت جس سے مراد قرب الٰہی ہے۔ امام محی السنہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر معالم التنزیل میں آیہ کریمہ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى کی تفسیر میں عطاء خراسانی کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ نطفہ جو رحم میں قرار پکڑتا ہے۔ فرشتہ کچھ خاک اُس مکان سے لاتا ہے جس میں وہ دفن کیا جائے گا۔ اور اُس نطفہ میں ڈال دیتا ہے۔ پس آدمی خاک و نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور خطیب نے بروایت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مامن مولود الا فی سرتہ التربۃ التی یولد منھا فاذا رد الی ارذل عمرہ رد الی تربتہ التی خلق منھا و دفن فیھا وانی و ابابکر و عمر خلقنا من تربۃ واحدۃ وفیھا ندفن	نہیں کوئی مولود مگر یہ کہ اُس کی ناف میں وہ خاک ہے کہ جس سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جب وہ ارذل عمر یعنے موت کے وقت پر پہنچتا ہے۔ تو اُسی خاک میں لوٹایا جاتا ہے کہ جس سے پیدا ہوا تھا اور اُسی میں دفن ہوتا ہے۔ اور تحقیق میں اور ابوبکر و عمر ایک خاک سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے

میرزا محمد بدخشانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے شواہد ہیں بروایت ابن عمرو ابن عباس و ابو سعید و ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) جو ایک دوسرے کو قوت دیتے ہیں۔ شرح صحیح بخاری میں کتاب الجنائز میں ابن سیرین کا یہ قول مذکور ہے۔ کہ اگر میں قسم کھاؤں تو سچا ہوں اور مجھے شک نہیں اس میں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ ایک خاک سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے فرمایا کہ تو میری خاک سے پیدا ہوا ہے اور تیرا باپ فرشتوں کے ساتھ آسمان میں پرواز کرتا ہے۔ اور جائز ہے۔ کہ وہ خاک جو حق تعالےٰ نے کسی پیغمبر کے لئے مہیا کی ہو اور آغاز پیدائش سے اُس کی زمین کو انوار برکات و نزول رحمت سے پرورش کیا ہو اُس میں سے کچھ بقیہ رہ جائے جو اولیاء اللہ میں سے کسی شخص کا خمیر مایہ بنے۔ یہ امر از روے عقل محال نہیں۔ اور شرع سے مستفاد اور کشف سے ثابت ہے۔ اور اس کو اصطلاح میں اصالت کہتے ہیں۔ (ارشاد الطالبین)۔

(۴) حضرت شیخ مجدد الف ثانی تھے یعنی سنہ ہجرت کے حساب سے دوسرے ہزار سال کے مجدد تھے۔ چنانچہ آپ سیادت مآب میر محمد نعمان کو یوں تحریر فرماتے ہیں۔

عین الیقین اور حق الیقین کی نسبت کیا کہوں۔ اگر کہوں تو کون سمجھے گا۔ یہ معارف ولایت کے احاطے سے خارج ہیں۔ ارباب ولایت مثل علمائے ظواہر کے ان کے سمجھنے میں عاجز ہیں اور اُس کی دریافت میں قاصر ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے اقتباس کئے گئے ہیں (ارباب نبوت پر درود وسلام وتحیہ ہو) جو الف ثانی (دوسرے ہزار) کی تجدید کے بعد تبعیت اور وراثت سے تازہ ہوئے ہیں۔ اور تروتازگی کے ساتھ ظہور میں آئے ہیں۔ ان علوم ومعارف کا صاحب اس موجودہ الف کا مجدد ہے چنانچہ جو لوگ اُس کے اُن علوم ومعارف کو دیکھتے ہیں جو ذات وصفات وافعال اور احوال ومواجید و تجلیات وظہورات کے متعلق ہیں ان پر یہ امر پوشیدہ نہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ علوم ومعارف علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے پرے کے ہیں۔ بلکہ علماء و اولیاء کے علوم اِن علوم کی نسبت پوست ہیں اور یہ معارف اُس پوست کا مغز ہیں۔ اللہ پاک ہادی ہے۔ اور معلوم رہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد گزرا ہے لیکن صدی کا مجدد اور ہے۔ اور الف (ہزار) کا مجدد اور۔ سَو اور ہزار میں جتنا فرق ہے۔ اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے مجددوں میں بھی فرق ہے۔ مجدد وہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں جو فیوض امتیوں کو پہنچتے ہیں خواہ وہ اس وقت کے اقطاب و اوتاد اور بدلا و نجبا ہوں۔ اُسی کی وساطت سے پہنچتے ہیں۔ ؎

خاص کند بندۂ مصلحت عام را } خدا مصلحت عامہ کے لئے کسی بندے کو مخصوص کر دیتا ہے۔"

(مکتوبات۔ دفتر دوم۔ مکتوب ۴)۔

ایک اور مکتوب میں جو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کے نام لکھا ہے اپنی تجدید کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

اَے فرزند! اب وہ وقت ہے۔ کہ پہلی امتوں میں ایسے وقت میں جو تاریکی سے پُر ہے اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوا کرتا تھا۔ اور وہ نئی شریعت کو زندہ کیا کرتا تھا۔ اس امت میں جو خیر الامم ہے اور جس کے پیغمبر خاتم الرسل ہیں علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات علماء کو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا مرتبہ دیا گیا ہے۔ اور انبیاء کے وجود سے صرف علماء کے وجود پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس لئے ہر صدی کے سر پر اس امت کے علماء میں سے ایک مجدد متعین ہوتا ہے جو شریعت کو زندہ کرتا ہے بالخصوص ہزار سال کے گزرنے کے بعد جو پہلی امتوں میں اولوالعزم پیغمبر کے مبعوث ہونے کا وقت تھا اور اُس وقت ہر پیغمبر پر اکتفا نہ کیا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں ایک عالم عارف تام المعرفت درکار ہے۔ جو پہلی امتوں کے اولوالعزم پیغمبر کا قائم مقام ہو۔ ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید } اگر روح القدس کا فیض پھر مدد فرمائے۔
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد } تو دوسرے بھی وہ کرد کھائیں جو حضرت مسیح کیا کرتے تھے۔

سیادت مآب میر محمد نعمان کو ایک مکتوب میں یوں لکھتے ہیں:۔

"اِس امت کی آخریت کا آغاز جناب سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات شریف سے دوسرے ہزار سال کے شروع سے ہے۔ کیونکہ ہزار کے گزرنے کو تغییر امور میں بڑی خاصیت اور تبدیل اشیاء میں زبردست تاثیر ہے۔ چونکہ اِس امت میں نسخ وتبدیل نہیں۔ اِس لئے سابقین کی نسبت اُسی تروتازگی سے متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے۔ اور شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید دوسرے ہزار میں کی گئی ہے۔ اس بات کے سچے گواہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ہیں۔ ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد

بھائی جان! یہ بات آج اکثر لوگوں پر ناگوار اور ان کی سمجھ سے دور ہے۔ لیکن اگر وہ انصاف سے کام لیں۔ اور ایک دوسرے کے علوم ومعارف کا مقابلہ کریں۔ اور احوال کے صحت وسقم کو علوم شرعیہ کی کسوٹی سے پرکھیں۔ اور دیکھیں کہ شریعت اور نبوت کی تعظیم وتوقیر کس میں زیادہ ہے۔ تو شاید اس بات کو بعید سمجھنے سے باز آجائیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے۔ کہ کمالات ولایت کو کمالات نبوت سے کوئی نسبت نہیں۔ کاش دریائے محیط سے ایک قطرہ کی نسبت رکھیں۔ اس طرح کی باتیں بہت لکھی ہیں خصوصاً اُس مکتوب (دفتر اول۔ مکتوب ۲۶۰) میں جو میں نے اپنے فرزند محمد صادق کے نام لکھا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اس گفتگو سے مقصود حضرت حق سبحانہ کی نعمت کا اظہار اور اِس طریقت کے طالبوں کی ترغیب ہے۔ نہ کہ دوسروں پر اپنے آپ کو فضیلت دینا۔ خدا جل وعلا کی معرفت اُس شخص پر حرام ہے۔ جو اپنے تئیں کافر فرنگ سے بہتر سمجھے۔ چہ جائیکہ اکابر دین سے اپنے تئیں اچھا سمجھے۔ ؎

ولے چوں شہ مرا بر داشت از خاک سزد گر بگزرانم سر ز افلاک
من آں خاکم کہ ابر نو بہاری کند از لطف برمن قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم چو سوسن شکر لطفش کے توانم"

(مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۶۱)۔

طبقہ علماء میں سے مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی جن کا تبحر علمی مشہور ہے پہلے عالم ہیں۔ جنہوں نے

حضرت شیخ کو مجدد الف ثانی لکھا۔ اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ دلائل التجدید تصنیف فرمایا۔
واضح رہے کہ جمعہ کا دن ربیع الاول کی دسویں تاریخ ۱۰۱۰ھ تھا کہ حضرت شیخ کو تجدید کا خلعت زیب تن ہوا۔

(۵) حضرت شیخ کو اللہ تعالےٰ نے منصب قیومیت عطا فرمایا۔ چنانچہ روضہ قیومیہ میں ہے۔ کہ ایک روز آپ نماز ظہر کے بعد مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ ناگاہ آپ نے اپنے اوپر ایک خلعت عالی نورانی پایا۔ ایسا معلوم ہوا کہ یہ خلعت تمام ممکنات کی قیومیت کا ہے جو بوراثت وتبعیت ختم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم عطا ہوا ہے۔ اتنے میں حضرت سید المرسلین ورحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور اپنے دست مبارک سے آپ کے سر پر دستار باندھی اور منصب قیومیت کی مبارکباد دی۔ قیومیت کی کیفیت حضرت کے مکتوبات (دفتر ثالث، مکتوب ۷۹ و ۸۰) میں درج ہے۔ بباعث طوالت یہاں نقل نہیں کی گئی۔

واضح رہے کہ دوشنبہ کا دن ۲۷ رمضان ۱۰۱۰ھ تھا کہ حضرت شیخ کو خلعت قیومیت عطا ہوا۔

(۶) قیومیت کے دوسرے سال شاہ سکندر قادری جو شاہ کمال کیتھلی کے پوتے اور خلیفہ تھے کیتھل سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور خرقہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو ان کے سلسلہ میں بطور امانت چلا آتا تھا آپ کے کندھے پر رکھ دیا۔ آپ اُس وقت یاروں کے ساتھ مراقبہ میں تھے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی۔ تو شاہ صاحب کو دیکھ کر تواضع سے معانقہ کیا۔ شاہ صاحب نے بیان کیا۔ کہ مجھے معاملہ میں کئی دفعہ میرے دادا شاہ کمال نے حکم دیا کہ میرا خرقہ فلاں یعنی آپ کو پہنچا دو۔ اگرچہ ایسے متبرک خرقہ کو گھر سے نکال کر کسی کو دینا میرے لئے مشکل تھا۔ لیکن جب مجھے تاکیدی حکم ملا۔ میں نے ناچار تعمیل کی۔ حضرت شیخ اِس خرقہ کو پہن کر حرم سرا میں تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد جو نکلے تو اپنے بعض محرمان اسرار سے کہا۔ کہ اِس خرقہ کے پہننے کے بعد عجیب معاملہ پیش آیا۔ جب میں نے اسے پہنا تو حضرت شیخ الجن والانس سید عبد القادر جیلانی اور ان کے تمام خلفاء حضرت شیخ کمال تک حاضر ہوئے۔ حضرت غوث ربانی نے میرے دل کو اپنے تصرف میں کر لیا۔ اور خاص نسبتوں کے انوار واسرار سے منور کر دیا۔ ان انوار کے غلبہ میں میرے دل میں یہ بات آئی۔ کہ تو اکابر نقشبندیہ کا تربیت یافتہ ہے۔ اب یہ صورت پیش آئی ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ مشائخ سلسلہ نقشبندیہ خواجہ عبد الخالق سے لے کر خواجہ باقی باللہ تک آ حاضر ہوئے۔ اور مشائخ ہر دو سلسلہ کے درمیان میری نسبت مباحثہ ہوا۔ اکابر نقشبندیہ نے کہا۔ کہ یہ ہمارا تربیت یافتہ ہے۔ اور ہماری تربیت

ذوق وصال وکمال کو پہنچا ہے۔ اکابر قادریہ نے کہا کہ بچپن سے ہماری نظر اس پر ہے اور ہمارے خوان نعمت سے بہرہ ور ہے۔ اور اب بھی ہمارا خرقہ پہنے ہوئے ہے۔ دونوں فریق اسی مباحثہ میں تھے کہ مشائخ کبرویہ وچشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت نے دونوں میں صلح کرادی یعنی تمام اکابر نے آپ کو اپنا مقبول بنانے میں اتفاق کیا۔ اور ہر ایک نے اپنی نسبت سے سرفراز فرمایا۔

(۷) حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے علماء راسخین سے بنایا اور آپ پر اسرار متشابہات قرآنی اور رموز مقطعات فرقانی ظاہر فرمائے۔ چنانچہ آپ میاں شیخ بدیع الدین کو یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بھائی جان! حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو دو قسم بنایا۔ محکمات و متشابہات پہلی قسم ماخذ ہے علم شرائع واحکام کا۔ اور دوسری قسم مخزن ہے حقائق واسرار کا۔ الفاظ ید۔ وجہ۔ قدم ساق۔ اصابع اور انامل جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں سب قسم متشابہات سے ہیں۔ اسی طرح حروف مقطعات جو قرآن کی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں وہ بھی قسم متشابہات سے ہیں۔ کہ جن کی تاویل پر علمائے راسخین کے سوا کسی کو آگاہی نہیں دی گئی۔ آپ یہ خیال نہ کریں۔ کہ تاویل سے مراد قدرت ہے جو لفظ ید سے تعبیر کی گئی ہے یا ذات ہے جو لفظ وجہ سے تعبیر ہوئی ہے۔ بلکہ ان کی تاویل پوشیدہ اسرار سے ہے جو اخص الخواص کو بتائی گئی ہے۔ حروف مقطعات قرآنی کی بابت کیا لکھوں۔ کہ ان میں سے ہر ایک حرف عاشق ومعشوق کے پوشیدہ اسرار کا ایک موج زن سمندر ہے اور محب ومحبوب کی باریک رمزوں میں سے ایک پوشیدہ رمز ہے۔ محکمات اگرچہ قرآن کے اصول ہیں۔ لیکن ان کے نتائج وثمرات جو متشابہات ہیں کتاب کے مقاصد سے ہیں (یہاں تک کہ فرمایا) مدتوں تک یہ فقیر متشابہات کی تاویل کو حوالہ بعلم حضرت حق سبحانہ کرتا رہا۔ اور متشابہات پر ایمان کے سوا علمائے راسخین کا حصہ نہ سمجھتا تھا۔ اور جو تاویلیں کہ علمائے صوفیہ نے بیان کی ہیں اُن کو ان متشابہات کی شان کے لائق نہ جانتا تھا اور ان تاویلوں کو اُن اسرار سے تصور نہ کرتا تھا جو پوشیدگی کے قابل ہوں۔ چنانچہ عین القضاۃ نے بعضے متشابہات مثلاً الٓمّٓ کی تاویل میں کہا ہے کہ اس سے مراد الم درد ہے جو عشق ومحبت کو لازم ہے۔ اور اسی طرح کی کئی اور تاویلیں بتائی ہیں۔ آخرکار جب حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل سے متشابہات کی تاویلات کا ایک شمہ اس فقیر پر ظاہر کیا۔ اور اس دریائے محیط سے ایک نہر اس مسکین کی استعداد کی زمین میں نکال دی تو معلوم ہوا کہ متشابہات کی تاویلات سے علمائے راسخین کو بھی حظ وافر حاصل ہے۔" (مکتوبات دفتر اول۔ مکتوب ۲۷۶)۔

(۸) حضرت شیخ محدَّث (بفتح دال) تھے چنانچہ آپ خواجہ محمد صدیق کو تحریر فرماتے ہیں۔

"بھائی صدیق، جان لے کہ اللہ سبحانہ کا کلام انسان کے ساتھ کبھی روبرو ہوتا ہے۔ اور اس طرح کا کلام آحاد انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے ہے۔ اور ایسا کلام کبھی آحاد انبیاء کے کامل تابعین کے لئے بھی بطور تبعیت و وراثت ہوتا ہے۔ جب اس قسم کا کلام کامل تابعین میں سے کسی شخص کے ساتھ کثرت سے ہوتا ہے تو اس شخص کو محدَّث کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے۔ اور اس قسم کا کلام جدا ہے الہام سے اور القاء قلبی سے اور اس کلام سے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کلام کے ساتھ انسان کامل ہی بعد طے امر و خلق و روح و نفس و عقل و خیال کے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اللہ اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ تکلم بالمشافہ سے لازم نہیں آتا کہ متکلم دکھائی دے سامع کو۔ کیونکہ جائز ہے کہ سامع کمزور بینائی والا ہو جو متکلم کے انوار کی چمک کو برداشت نہ کرسکتا ہو۔ جیسا کہ جب آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے شب معراج میں رؤیت باریتعالیٰ کی نسبت سوال کیا گیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ وہ نور ہے۔ میں اُسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ اور نیز تکلم بالمشافہ میں حجب شہودی کا خرق ہے نہ کہ حجب وجودی کا پس تو سمجھ لے۔ کیونکہ یہ معرفت شریف وہ ہے۔ کہ بہت کم کسی نے اس کے ساتھ لب کشائی کی ہو والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔" (مکتوبات۔ دفتر دوم۔ مکتوب ۵۱)۔

صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ اسی کی طرف اشارہ ہے وہ جو مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ نے اپنی بیاض خاص میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ کو آپ کے جد مکرم فاروق اعظم کی وراثت سے محدَّث بنایا گیا۔

(۹) حضرت شیخ بطور تبعیت زمرہ سابقین سے تھے چنانچہ آپ سید عبدالباقی سارنگپوری کو یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"جان لے خدا تجھے نیک راستے چلائے۔ کہ بائیں ہاتھ والے ظلمانی پردوں والے ہیں اور دائیں ہاتھ والے نورانی پردوں والے۔ سابقین وہ ہیں جو ظلمانی پردوں اور نورانی پردوں سے نکل آئے ہیں اور ایک قدم بائیں ہاتھ پر اور دوسرا دائیں پر رکھ کر سبقت کی گیند اصل کے میدان میں لے گئے ہیں۔ اور ظلال امکان اور ظلال وجوبی سے اوپر چلے گئے ہیں۔ اور اسم و صفت سے اور شان و اعتبار سے ان کا مقصود سوائے ذات خدا تعالےٰ و تقدس کے نہیں۔ بائیں ہاتھ والے کفر و بدبختی والے ہیں اور دائیں ہاتھ والے اہل اسلام و ولایت ہیں۔ سابقین

بطریق اصالت انبیاء میں علیہم الصلوات والتسلیمات اور ان کی تبعیت سے جن کو یہ شرف بخشا پائے یہ دولت بطریق تبعیت زیادہ تر انبیاء کے اکابر اصحاب میں ہے علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات اور بر سبیل قلت وندرت غیر اصحاب میں موجود ہے۔ حقیقت میں یہ شخص (یعنی غیر اصحاب جو اس دولت سے مشرف ہے) بھی زمرۂ اصحاب سے ہے اور کمالات انبیاء سے ملحق ہے علیہم الصلوات والبرکات۔ شاید آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے ہی شخص کے حق میں فرمایا ہے لا یدری اوّلہا خیر ام آخرہا[1]۔ وہ جو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ کہ خیر القرون قرنی۔ وہ باعتبار قرون کے فرمایا اور یہ باعتبار اشخاص کے واللہ سبحانہ اعلم" (مکتوبات دفتر دوم۔ مکتوب ۳۹)۔

(۱۰) حضرت شیخ کو اللہ تعالےٰ نے محض اپنے لطف سے خزینہ رحمت بنایا۔ جیسا کہ مکتوبات شریف کی جلد اول کے مکتوب ۱۱۳ سے ظاہر ہے۔

(۱۱) یہ درویش ایک روز (تجدید کے بارہویں سال) اپنے یاروں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اپنی خرابیوں پر نظر تھی۔ اور یہ نظر یہاں تک غالب تھی۔ کہ اپنے تئیں اِس طریق سے بالکل بے مناسبت پاتا تھا۔ اِس اثنا میں بحکم حدیث من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ[2] اِس دور افتادہ کو مذلت کی خاک سے اُٹھایا گیا اور یہ ندا اس کے باطن میں کی گئی کہ میں نے بخش دیا تجھ کو اور اُن کو جو بالواسطہ یا بلاواسطہ قیامت تک میری طرف تیرا واسطہ پکڑیں گے۔ بار بار یہ بشارت دی گئی۔ یہانتک کہ شک کی گنجائش نہ رہی۔ والحمد للّٰہ سبحانہ علیٰ ذٰلک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ وکما یحب ربنا ویرضی والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدنا محمد والہٖ کما یحریٰ۔ بعد ازاں اِس واقعہ کے اظہار کا حکم دیا گیا۔ ؎

اگر پادشہ بر در پیر زن ۔۔۔ بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

ان ربک واسع المغفرۃ" (رسالہ مبدا و معاد)۔

(۱۲) حضرت شیخ کو بشارت دی گئی کہ تم مجتہدین علم کلام سے ہو۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔
" اس فقیر کو توسط احوال میں حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے واقعہ میں فرمایا ہے

---

[1] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل امتی کمثل المطر لا یدری اوّلہا خیر ام آخرہا۔ (ترمذی)۔ — رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا حال بارش کے حال کا سا ہے معلوم نہیں اس کا اوّل بہتر ہے یا آخر

[2] جس نے اللہ کے لئے تواضع کی۔ خدا نے اُس کو بلند کر دیا۔

کہ تو علم کلام کے مجتہدوں سے ہے۔ اس وقت سے مسائل کلامیہ میں سے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی خاص رائے اور مخصوص علم ہے۔ وہ مسائل جن میں ماتریدیہ واشاعرہ اختلاف رکھتے ہیں ان میں سے اکثر میں سرسری نظر سے حقیقت اشاعرہ کی طرف سمجھ میں آتی ہے مگر جب فراست کے نور سے تیز نظر سے دیکھا جاتا ہے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی طرف ہے۔ علم کلام کے تمام مسائل اختلافیہ میں اس فقیر کی رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے۔" (مبدأ ومعاد)۔

(۱۳) حضرت شیخ پر حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا غلبہ اس قدر تھا۔ کہ ایک روز درویشوں کی جماعت میں فرمایا۔

محبت آنسرور بہ نہجے مستولی شدہ است کہ حق سبحانہ وتعالیٰ را بواسطہ آں دوست مے دارم کہ رب محمدؐ است۔	آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اس طرح غالب آگئی ہے۔ کہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ کو اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمدؐ کا رب ہے۔ (رسالہ مبدأ ومعاد)۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے حضرت شیخ کی دنیا کو آخرت کر دیا تھا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ اس بشارت کی شرح میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"ہمارے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بشارت دی گئی تھی۔ کہ میں نے تیری دنیا کو آخرت کر دیا۔ اس عبارت عالی کی شرح اور اس مکاشفہ غیبی کے حل میں چند سطریں لکھی جاتی ہیں۔ گوش ہوش سے سنئے۔ معلوم رہے کہ جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں۔ کیونکہ دنیا ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کے ظہور کی تاب نہیں رکھتی۔ اور اصل کے ظہور کا مقام آخرت ہے۔ جب حضرت کی دنیا آخرت کے حکم میں ہوگئی۔ تو ناچار آخرت کا موعود اس دنیا میں جلوہ گر ہوگیا۔ اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کا نصیب حاصل ہوگیا۔ اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس فانی دنیا کے بعضے تمتعات (منافع) جو آخرت کے درجوں کی کمی کا باعث ہیں وہ حضرت کے حق میں ایسے نہ ہوں بلکہ درجات کی ترقی کا باعث ہوں جیسا کہ آخرت کی نعمت جس سے بہرہ ور ہونا ترقی کا باعث ہے۔ اس کا بیان یوں ہے۔ کہ بہشت کے درخت اور نہریں اور اسی طرح وہاں کی حور وغلمان حضرت حق سبحانہ کے معانی تنزیہی وتحمیدی کے مظاہر ہیں۔ وہی معانی اس دنیا میں کلمات کی صورتوں اور حرفوں کے لباس میں ظاہر ہو گئے ہیں مثلاً سبحان اللہ اور الحمد للہ۔ جس طرح ان کلمات کا ورد اس دنیا میں ترقی کا باعث ہے۔ اسی طرح بہشت میں ان میوہ جات سے حظ اٹھانا اور ان لذتوں اور نعمتوں سے بہرہ ور ہونا درجات کے بلند ہونے اور مقامات کی ترقی کا باعث ہے۔

جب خدا تعالیٰ عم احسانہ کے کرم سے حضرت شیخ کی دنیا آخرت ہو گئی تو ناچار دنیا کی نعمت سے لذت اُٹھانا آخرت کی لذتوں سے حظ اُٹھانے کی مثل ٹھیرا۔ حضرت خواجہ نے اور احتمالات بھی بیان کئے ہیں۔ (دیکھو مکتوبات معصومیہ۔ جلد اول۔ مکتوب ۱۸۹)۔

(۱۵) حضرت شیخ کو اللہ تعالےٰ نے حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت کے سبب اس مقام سے مشرف فرمایا جو مقام رضا سے اوپر ہے اور جسے مقام ذات بحت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا ذکر مکتوبات کی جلد ثانی کے مکتوب ۷، و ۴۳ میں ہے۔ حضرت شیخ نے مرض موت میں اس مقام کی توضیح و تصریح فرمائی۔ چنانچہ خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ یوں تحریر فرماتے ہیں:-

"حاصل کلام حضرت شیخ نے فرمایا کہ وصال لایزال کے داعی نے میرے باطن میں آواز دی۔ کہ تجھے بادشاہ بلاتا ہے۔ میری ہمت کا بلند پرواز مرغ آشیان قدس کی طرف متوجہ ہوا۔ یہانتک کہ پہنچا جہاں پہنچا۔ اُس بارگاہ عالی جاہ سے یہ آواز سنی کہ بادشاہ گھر میں نہیں۔ اِس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حقیقت کعبہ ربانی کا مقام ہے۔ میں اس سے پرے کی طرف چلا اور چڑھتا گیا۔ یہانتک کہ صفات حقیقت کے مقام پر پہنچا۔ جو وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ مقام صفات صور علمیہ صفات سے پرے ہے جو تعین علمی کے مرتبہ میں موجود ہیں اور صور صفات سے پرے ہے جو تعین وجودی اور تعین حسی کے مرتبہ میں ہیں۔ میں اس مقام سے بھی اوپر کی طرف متوجہ ہوا۔ یہانتک کہ میں ان صفات سے مول سے جو شیون ذاتیہ اور ذات عزشانہ میں محض اعتبارات ہیں داخل ہو گیا۔ اور تم دونوں بھائی ہر مقام میں میرے ساتھ ہو۔ وہاں سے مجھے اوپر لے گئے۔ اور ذات بحت تک جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ہے پہنچا دیا (چند سطر بعد) اور اُسی مرض موت میں اُسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں فرمایا۔ کہ اس درجہ کمال کا حصول اور اس رتبہ عالی پر وصول کلام مجید سبحانی کے تعلق پر موقوف ہے۔ قرآن کے طفیل و توسط سے میں اس مرتبہ کے ساتھ ممتاز ہوا ہوں۔ حروف قرآنی میں سے ہر حرف کو میں ایک دریا پاتا ہوں جو کعبہ مقصود تک پہنچانے والا ہے" (مکتوبات معصومیہ۔ جلد اول۔ مکتوب ۱۹۳)

(۱۶) حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میں اوائل حال میں دیکھتا ہوں کہ ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں۔ اور ایک اور جماعت بھی اسی طواف میں میرے ساتھ شامل ہے۔ لیکن اُس جماعت کی رفتار اس قدر سست ہے کہ جتنی دیر میں میں طواف کا ایک دور پورا کر لیتا ہوں وہ دو تین قدم فاصلہ طے کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ مکان عرش کے اوپر ہے۔ اور طواف کرنے والی جماعت بزرگ فرشتے ہیں

علی نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات۔ اللہ اپنی رحمت سے مختص کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے (رسالہ مبدأ ومعاد)

(۱۷) حضرت شیخ نسبت خاصہ مجددیہ کی فوقیت کا اظہار کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"میں خیال کرتا ہوں۔ کہ حضرت مہدی موعود جن کے لئے اکملیت ولایت کا عہد کیا گیا ہے وہ بھی اسی نسبت پر ہوں گے۔ اور اسی سلسلہ عالیہ کی تتمیم وتکمیل کریں گے۔ کیونکہ ساری ولایتوں کی نسبت اِس نسبت علیہ سے کم ہے۔ وجہ یہ کہ باقی ولایتوں کو مرتبہ نبوت کے کمالات کا کم حصہ ملا ہے۔ اور یہ ولایت حضرت صدیق اکبر کی طرف منسوب ہونے کے سبب سے اُن کمالات سے حظ وافر رکھتی ہے جیسا کہ ابھی گذرا۔ ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا! (مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۵۱)۔

رسالہ مبدا ومعاد میں لکھتے ہیں۔ واین نسبت باین خصوصیت فرد اور حضرت مہدی ظہور خواہد یافت انشاء اللہ تعالےٰ۔

(۱۸) حضرت شیخ کو بشارت دی گئی۔ کہ جس جنازے پر آپ حاضر ہوں گے وہ میت بخشی جائے گی۔

(۱۹) حضرت شیخ کی دعا سے سرہند شریف کے قبرستان سے عذاب اُٹھالیا گیا۔ چنانچہ روضہ قیومیہ میں لکھا ہے۔ کہ تجدید کے تیرھویں سال ایک روز حضرت قیوم اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے چھٹے دادا سرہند کے بانی امام رفیع الدین قدس سرہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ فاتحہ کے بعد امام صاحب کے مزار پر قبرستان کی مغفرت کے لئے جناب الٰہی میں عاجزی والتجا کی۔ الہام ہوا کہ ہم نے ایک ہفتہ کے لئے اِس قبرستان پر سے عذاب اُٹھالیا۔ پھر التماس کی۔ کہ اے پروردگار تیری رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ مغفرت اور زیادہ کر۔ پھر الہام ہوا کہ ایک مہینے کے لئے اس قبرستان سے عذاب اُٹھالیا۔ حضرت نے پھر التجا کی۔ تو الہام ہوا کہ اچھا ایک سال کے لئے اِس قبرستان پر سے ہم نے عذاب اُٹھالیا۔ پھر التماس کی۔ تو جناب باری سے بفضل وکرم حکم ہوا کہ ہم نے اپنے فضل سے تمہاری خاطر اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اُٹھالیا۔

اسی سال ایک روز حضرت قیوم اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے والد بزرگوار مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ کے مزار پر زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ اُس وقت آنجناب کے دل میں اِس حدیث شریف کے مضمون کا خیال آیا۔ کہ جب کسی عالم کا گزر قبر پر سے ہوتا ہے۔ تو چالیس روز تک صاحب قبر کو عذاب نہیں ہوتا۔ یہ خیال آتے ہی الہام ہوا کہ آپ کی تشریف آوری کے سبب ہم نے اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اُٹھالیا۔ آیندہ بھی جو شخص اس قبرستان میں دفن کیا جائے گا ہم اپنے فضل وکرم سے بخش دیں گے۔

شہر سرہند کا تمام قبرستان اسی مقام پر ہے۔ جس کی بابت آنحضرت کو خوشخبری ملی تھی۔ اِس قبرستان کے مرکز میں حضرت کے والد بزرگوار کا مزار مبارک ہے۔ انتہیٰ

(۲۰) حضرت شیخ کا ارشاد ہے کہ زن و مرد جو بالواسطہ یا بلا واسطہ ہمارے طریقہ میں داخل ہوئے ہیں یا قیامت تک ہوں گے وہ سب ہمیں دکھائے گئے ہیں۔ اور ہر ایک کا نام ونسب اور مولد ومسکن ہمیں بتایا گیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ایک ایک کو بیان کر دیں۔

(۲۱) حضرت شیخ کو مبادی سلوک میں علوم لدنی حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت سے حاصل ہوئے جیسا کہ رسالہ مبدأ ومعاد میں ہے۔

(۲۲) حضرت شیخ پر ظاہر کیا گیا۔ کہ ہندوستان میں بھی پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"پہلی امتوں میں جو فقیر ملاحظہ کرتا ہے۔ تو ایسی جگہ کم پاتا ہے کہ جہاں کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو۔ یہاں تک کہ ہند کی زمین میں بھی جو اس معاملہ سے دور معلوم ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند میں سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔ جنہوں نے خدا جل شانہٗ کی دعوت دی ہے۔ اور ہند کے بعض شہروں میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے انوار شرک کی تاریکیوں میں مشعلوں کی مثل روشن ہیں۔ فقیر اگر چاہے۔ تو ہند کے ان شہروں کا پتہ بتا سکتا ہے۔ اور دیکھتا ہے کہ ان پیغمبروں میں کوئی ایسا ہے کہ اُس پر کوئی ایمان نہیں لایا۔ اور اُس کی دعوت کو کسی نے قبول نہیں کیا۔ اور کوئی ایسا ہے کہ اُس پر ایک شخص ایمان لایا ہے۔ اور کسی پر دو اور کسی پر تین شخص ایمان لائے ہیں۔ یہ نظر نہیں آیا کہ ہند میں تین آدمیوں سے زیادہ کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں۔ تاکہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوں"۔ (مکتوبات دفتر اول۔ مکتوب ۲۵۹)۔

(۲۳) ایک روز شیخ کے حلقہ میں حضرت الیاس وخضر علی نبینا وعلیہما الصلوات والتسلیمات حضرت شیخ کی خدمت میں بصورت روحانیاں حاضر ہوئے حضرت خضر علیہ السلام نے تبلیغ روحانی فرمایا۔ کہ ہم عالم ارواح سے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے ہماری روحوں کو یہ قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے۔ کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر کام کرتی ہیں۔ جو جسموں سے وقوع میں آیا کرتے ہیں۔ مثلاً حرکات وسکنات جسمانی اور طاعات وعبادات بدنی۔ اُس وقت دل میں آیا کہ ان دو بزرگواروں سے کچھ مانگوں۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ عنایت ایزدی جس شخص کے شامل حال ہو ہمیں اُس میں کیا دخل ہے۔ حضرت الیاس علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اِس گفتگو میں خاموش رہے۔ (مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۸۳)۔

(۲۴) خدا تعالےٰ کے محض کرم سے حضرت شیخ کے سینہ بے کینہ سے خناس وسواس دور کیا گیا۔

(۲۵) حضرت شیخ نے خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے ایک اجازت نامہ لکھا ہے۔ جیسا کہ مشائخ اپنے خلیفوں کو لکھ دیا کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں ظاہر ہوا۔ کہ اس اجازت نامہ کے اجرا میں کچھ تاخیر ہے۔ خادم اُس اجازت نامہ کو گویا دوسری بار حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا ہے۔ اور حضور انور نے اس اجازت نامہ کی پشت پر ایک اور اجازت نامہ لکھا ہے یا لکھوایا ہے۔ اور اُسے اپنی مُہر سے مزین فرمایا ہے۔ اس دوسرے اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ دنیا کے اجازت نامہ کے عوض میں آخرت کا اجازت نامہ دیا ہے اور مقام شفاعت سے منصب عطا فرمایا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو مکتوبات۔ دفتر ثالث۔ مکتوب ۱۰۶)۔

(۲۶) اللہ تعالےٰ نے حضرت شیخ کو طریقہ جدیدہ عطا فرمایا۔ آپ سے پہلے سالکین کی سیر صرف ولایت صغرےٰ یعنی قلب میں منحصر تھی۔ اور شاذ و نادر کسی کو ولایت کبرےٰ میں ہوا کرتی تھی۔ مگر خدا تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت شیخ پر ولایت کبرےٰ۔ ولایت ملأ اعلیٰ۔ کمالات نبوت و رسالت و اولوالعزم۔ حقیقت ابراہیمی۔ حقیقت موسوی۔ حقیقت محمدی و احمدی۔ حب صرفہ و لاتعین اور نیز حقیقت کعبہ حقیقت قرآن حقیقت صلوٰۃ و معبودیت مطلقہ سب منکشف فرمائے۔ اور آپ نے ان کمالات کی سیر بالتفصیل اپنے صاحبزادوں خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کو کرائی۔ اور بفضلہ تعالےٰ آپ کے خاندان میں آج تک جاری ہے اور انشاءاللہ تعالےٰ قیامت تک جاری رہے گی۔

(۲۷) ایک روز حضرت شیخ حلقہ ذکر سے اُٹھے۔ اور فرمایا کہ اِس حلقہ میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ حاضرین میں سے ایک یار مرتد ہو جائے گا۔ میں نے اُس کی پیشانی پر لفظ شقی لکھا ہوا دیکھا ہے۔ یہ سُن کر تمام یاروں پر ہیبت طاری ہو گئی اور ہر ایک خوف کے مارے کانپنے لگا۔ وہ یار شیخ طاہر لاہوری تھا۔ جو صاحبزادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کا استاد تھا۔ چند روز کے بعد ویسا ہی وقوع میں آیا۔ شیخ طاہر ایک کافرہ عورت پر عاشق ہو کر مرتد ہو گیا۔ صاحبزادوں نے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کی کہ شیخ طاہر کے لئے دعا کیجئے تاکہ وہ پھر مسلمان ہو جائے۔ آپ نے بڑے عجز و نیاز سے دعا کی۔ اور وہ قبول ہو گئی شیخ طاہر عشق مجازی کو چھوڑ کر آپ کی خدمت میں آیا اور مشرف باسلام ہو کر آپ کی صحبت میں تھوڑے ہی عرصہ میں مراتب عالیہ پر پہنچا۔ آپ نے شیخ طاہر کے اجازت نامہ میں اِس قصّے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور مکتوب ۲۱۷ جلد اول میں بھی اسے ذکر کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ جب میں اس بلا کے دفعیہ کے لئے متوجہ ہوا۔ تو میں نے لوح محفوظ میں اس کے دفعیہ کو کسی امر پر معلق نہ دیکھا اور اُسے مُبرم سمجھا۔ مجھے حیرت ہوئی۔ کیونکہ آثار و اخبار و اجماع امّت سے مجھے معلوم تھا۔ کہ قضائے مُبرم میں تغیر نہیں ہو سکتا۔

اسی اثنا میں مجھے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کا قول یاد آگیا۔ کہ میرے سوا کسی کو قضائے مُبرم میں تصرف حاصل نہیں۔ میں نے عرض کی۔ کہ الٰہی! جب تیرے اولیاء میں سے ایک کو یہ دولت حاصل ہے۔ میں بھی امیدوار ہوں۔ میں نے بہت عجز و نیاز ظاہر کیا میری دعا قبول ہوگئی۔ اور اس راز کی معرفت بھی مجھے عطا کی گئی۔ اور بتا دیا گیا کہ قضائے معلق دو قسم کی ہے۔ ایک معلق تو وہ ہے۔ جس کی تعلیق لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ اور ایک معلق ایسی ہے کہ اُس کی تعلیق علم خدا میں ہے۔ شیخ ظاہر کا قضیہ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا قول دوسری قسم میں داخل ہے۔ جس میں پہلی قسم کی مانند تبدیلی کا احتمال ہے۔ چونکہ یہ قسم ثانی لوح محفوظ میں صورت قضائے مُبرم رکھتی ہے۔ اس لئے حضرت غوث اعظم نے اسے مبرم سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۲۸) جان محمد جالندہری کا بیان ہے۔ کہ ایک بزرگ درویش نے جسے میں حسب ارشاد حضرت شیخ باغ حافظ رخنہ سے لایا تھا حضرت سے میرے حالات دریافت کرنے کے بعد پوچھا۔ کہ آپ نے اس کو کس سلسلہ میں مرید کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ سلسلہ قادریہ میں۔ اس نے کہا کہ میں سفارش کرتا ہوں۔ کہ جان محمد کو حضرت غوث الثقلین سید محی الدین عبدالقادر جیلانی کی زیارت کرا دیں۔ اِس پر حضرت نے میرا ہاتھ پکڑ کر قطب ستارہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ کہ اسے خوب دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ گدڑی والے بزرگ اس میں سے نکلے۔ اور شیر کی طرح ایک لمحہ میں اس مقام پر آگئے حضرت نے فرمایا کہ حضرت غوث الثقلین یہی ہیں۔ ان کی قدمبوسی کرو۔ چنانچہ میں نے قدمبوسی کی۔ بعد ازاں حضرت غوث الثقلین رخصت ہوئے۔ اور ستارہ قطب کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اس میں غائب ہو گئے۔

(۲۹) جب حضرت شیخ کے مکتوبات کی جلد اول تیار ہوگئی۔ اور جلد ثانی کے شروع کرنے کی اجازت طلب کی گئی تو آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ میں اس فکر و حیرت میں ہوں۔ کہ تمام علوم جو تحریر میں آچکے ہیں خدا تعالےٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ بھی ہیں یا نہیں۔ دوسرے روز فرمایا:۔

"کل رات آواز آئی اور ظاہر کیا گیا۔ کہ یہ تمام علوم جو تو نے لکھے ہیں بلکہ جو کچھ تیری گفتگو میں آگیا ہے سب مقبول و پسندیدہ ہے۔ اور میری تحریرات کی طرف اشارہ کرکے بتایا گیا۔ کہ یہ سب ہمارا قول اور ہمارا بیان ہے۔ اُس وقت اُن تمام علوم کو میری نظر میں لایا گیا۔ میں ایک ایک کو بطریق اجمال و تفصیل دیکھ رہا تھا۔ خصوصاً اُن علوم کو کہ جن میں ایک وقت مجھے کچھ تردد تھا۔ سب کو میں نے اُسی حکم میں داخل پایا۔ الحمد للہ علی الاحسان۔" (دیباچہ دفتر سوم مکتوبات)۔

اس کے بعد آپ نے جلد ثانی کے مکتوبات کو لکھنا شروع کیا۔

مکتوبات شریف کی جلد اول مکتوب ۳۱۳ کے خاتمہ پر فرماتے ہیں۔

"اے فرزند! یہ معارف جو لکھے گئے ہیں امید ہے کہ الہامات رحمانی سے ہوں۔ کہ جن میں وساوس شیطانی کی آمیزش کی بالکل مجال نہیں اس امر کی دلیل فقیر کے پاس یہ ہے۔ کہ جب میں ان علوم کے لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ جل شانہ کی بارگاہ قدس میں ملتجی ہوا۔ تو میں نے دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام اُس مقام کے اطراف سے شیطان کو دور کر رہے ہیں۔ اور اُسے اُس مکان کے گرد رہنے نہیں دیتے۔ واللہ سبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ چونکہ بڑی نعمتوں کا ظاہر کرنا اعظم محامد سے ہے اس لئے ان بڑی نعمتوں کے اظہار کی جرأت کی گئی امید ہے کہ خود بینی کے مظنہ سے خالی ہوگی خود بینی کی گنجائش کس طرح ہو سکتی ہے جبکہ اللہ سبحانہ کی عنایت سے اپنا نقص وشرارت ذاتی ہر وقت نصب العین ہے اور کمالات سب کے سب اللہ تعالٰے سے منسوب ہیں "

(۳۰) ایک روز حضرت شیخ نے فرمایا۔ کہ ہم پر ایسا ظاہر کیا گیا ہے کہ ہماری تمام تحریرات حضرت مہدی آخر الزمان علیہ الرحمۃ والرضوان کی نظر سے گزریں گی۔ اور آپ کے نزدیک مقبول ہوں گی۔

(۳۱) حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ تعالٰے وجہہ تشریف لائے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ میں تجھ کو علم افلاک سکھلانے آیا ہوں۔

(۳۲) حضرت شیخ نے ایام وصال کے قریب فرمایا کہ سوائے نبوت کے جو کمالات نوع انسان میں ممکن ہیں وہ اللہ تعالٰے نے مجھ کو جناب سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت اور وراثت سے عطا فرمائے ہیں۔

(۳۳) روضہ قیومیہ میں سال اول تجدید الف ثانی کے تحت میں لکھا ہے۔ کہ حضرت قیوم اول رضی اللہ تعالٰے عنہ کو ہمیشہ کعبہ کی زیارت کا شوق رہا۔ لیکن بعض موانع کی وجہ سے زیارت کعبہ میسر نہ ہو سکی۔ اس سال وہ شوق بہت زیادہ ہو گیا چنانچہ آنجناب اسی شوق سے بے قرار رہنے لگے۔ ایک روز اسی بیقراری کی حالت میں بیٹھے تھے۔ کہ کیا دیکھتے ہیں کہ انسان فرشتے جن وغیرہ تمام مخلوقات نماز ادا کر رہی ہے۔ اور آنجناب کی طرف رخ کر کے سجدہ کر رہی ہے۔ جب آنجناب نے توجہ کی۔ تو معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ خود آنجناب کی ملاقات کے لئے آیا ہے اور آپ کو گھیر لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے۔ وہ آپ کو ہی کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں الہام ہوا کہ تم ہمیشہ کعبہ کے مشتاق تھے۔ ہم نے کعبہ کو تمہاری زیارت کے لئے بھیجا ہے۔ تمہاری خانقاہ کی زمین بھی

کعبہ کا حکم رکھتی ہے۔ جو نور کعبہ میں تھا۔ وہی نور ہم نے تمہاری خانقاہ کی زمین میں رکھ دیا ہے۔ بعد ازاں کعبہ نے آنحضرت کی خانقاہ میں حلول کیا اور خانقاہ کی زمین کعبہ کی زمین سے مل گئی۔ اور اس مسجد کو بیت اللہ کی زمین سے پوری پوری فنا و بقا حاصل ہوئی۔ اور آنجناب کی خانقاہ کی زمین میں تمام حقائق کعبہ متحقق ہو گئے۔ فرشتہ غیب نے آواز دی۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ مسجد تمام مسجدوں سے افضل ہے۔ جو ثواب ان تمام مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے ہوتا ہے وہ اس ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت قیوم ثانی معصوم زمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں اس مسجد کو وسیع کیا گیا۔ اور اس متبرک زمین کو جہاں پر کعبہ نے حلول کیا تھا تبرک کے طور پر حوض مسجد کے مشرقی کنارے کی طرف باقی زمین سے اونچا رکھا گیا۔ آج کل وہ صفہ خاص و عام کی زیارتگاہ ہے۔ انتہیٰ۔

(۴۴) حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ مقام اقطاب پر پہنچنے کے بعد جناب سرور کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات نے مجھے قطب ارشاد کی خلعت سے سرفراز فرمایا۔ بعد ازاں بعنایت خداوندی جل شانہ ترقی کرتے کرتے اصل الاصل تک پہنچا۔ اس اخیر عروج میں حضرت غوث اعظم محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ الاشرف کی روحانیت سے مدد پہنچی۔ (رسالہ مبدأ و معاد)۔

غرض کہاں تک لکھا جائے۔ ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

خوارق و کرامات حضرت شیخ کے خوارق بکثرت ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے صرف بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) حضرت شیخ کی سب سے بڑی کرامت آپ کے مکتوبات و دیگر تصانیف ہیں۔ جن میں وہ نادر علوم و معارف الہامیہ درج ہیں۔ جو سنت و شریعت کے عین موافق ہیں۔ چنانچہ آپ اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کو لکھتے ہیں:۔

"اے فرزند! یہ علوم و معارف کہ جن پر اہل اللہ میں سے کسی نے نہ صراحۃً نہ اشارۃً لب کشائی کی ہو اشرف معارف اور اکمل علوم میں سے ہیں۔ جو ہزار سال کے بعد منصۂ ظہور پر آئے ہیں۔ اور واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت اور ممکنات کے حقائق کو جیسا کہ ممکن و لائق ہے بیان کرتے ہیں۔ نہ کتاب و سنت کے مخالف ہیں اور نہ اہل حق کے اقوال سے مخالفت رکھتے ہیں۔ حضرت نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا اللھم ارنا حقائق الاشیاء کما ھی (یا اللہ حقائق اشیا ہم کو دکھا جیسا کہ وہ ہیں) سے جو آپ نے گویا امت کی تعلیم کے لئے فرمائی ہے شاید یہی حقائق مراد ہیں۔ جو ان علوم کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں۔

اور مقام عبودیت کے مناسب ہیں اور بعض ذلت و انکسار پر دلالت کرتے ہیں جو حال بندگی کے موافق ہے۔ عاجز بندہ جو اپنے تئیں اپنے مولائے قادر کا عین سمجھے۔ اس میں کونسی لطافت ہے۔ بلکہ اس سے تو اس کی کمال بے ادبی ظاہر ہوتی ہے۔" (مکتوبات۔ دفتر اول مکتوب ۲۳۴)۔

اسی طرح آپ شیخ محمد چتری کو لکھتے ہیں۔

"بھائی جان! سنئے خوارق کی دو قسمیں ہیں قسم اول علوم و معارف الٰہیہ ہیں۔ جو ذات و صفات و افعال واجب تعالےٰ سے متعلق ہیں۔ اور نظر عقلی کے طریقہ سے الگ اور عرف و عادت جاریہ کے خلاف ہیں۔ اس قسم سے اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص بندوں کو ممتاز کیا ہے۔ قسم دوم کشف صُوَرِ مخلوقات اور اشیائے غائبہ کی خبر دینا ہے جو عالم کون سے متعلق ہے۔ پہلی قسم اہل حق و ارباب معرفت کے لئے مخصوص ہے اور دوسری قسم اصحاب حق و اصحاب باطل میں مشترک ہے۔ کیونکہ یہ قسم اہل استدراج کو بھی حاصل ہے۔ پہلی قسم خدا کے نزدیک شریف و معتبر ہے۔ کیونکہ اس نے اسے اپنے اولیاء کے لئے مخصوص کیا ہے اور اپنے دشمنوں کو اس میں شریک نہیں فرمایا۔ اور دوسری قسم عوام کے نزدیک معتبر اور ان کی نظروں میں معزز و محترم ہے۔ اگر اہل استدراج سے یہ قسم ظہور میں آئے۔ تو قریب ہے کہ عوام نادانی کے سبب سے اس کی پوجا کرنے لگ جائیں اور ہر رطب و یابس میں جو وہ ان کو بتائے اس کے تابع و فرماں بردار ہو جائیں بلکہ یہ محجوب (عوام) پہلی قسم کو خوارق و کرامات میں شمار نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک خوارق دوسری قسم میں منحصر ہیں اور ان کے گمان میں کرامات صرف صُوَرِ مخلوقات کے کشف اور مغیبات کی خبر دینے کا نام ہے یہ لوگ کیسے بے عقل ہیں۔ وہ علم جو مخلوقات حاضر یا غائب کے حالات سے تعلق رکھتا ہے اس میں کونسی شرافت و کرامت پائی جاتی ہے۔ بلکہ یہ علم تو اس لائق ہے کہ جہل سے مبدل ہو جائے تاکہ مخلوقات اور اس کے احوال سے نسیان حاصل ہو۔ واجب تعالےٰ کی معرفت ہی وہ شے ہے۔ جو سزاوار شرافت و کرامت اور شایان اعزاز و اکرام ہے۔ ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز　　　بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است"

(مکتوبات دفتر اول۔ مکتوب ۲۹۳)۔

(۲) ایک صاحب دل سید رحمت اللہ نام جو حضرت شیخ کے مریدوں میں سے تھا بیان کرتا ہے کہ میں اور دو تین درویش اطراف ملک دکن میں ایک صحرا میں جا رہے تھے کہ ایک بتخانہ نظر آیا۔ میں نے حضرت سے سنا ہوا تھا۔ کہ مسلمان سے بتوں اور بت پرستوں کی توہین جس قدر ہو سکے۔ اس میں

کوتاہی نکرنی چاہئے۔ کیونکہ اس سے غازی فی سبیل اللہ کا ثواب ملتا ہے۔ میں نے حضرت کی نصیحت پر کاربند ہوکر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کہ اِس صحرا میں کوئی اس بتخانہ کا نگہبان نظر نہیں آتا۔ آؤ۔ اس بتخانہ کو جہانتک ہوسکے ویران کردیں۔ چنانچہ ہم نے ایک بُت توڑ دیا۔ اور بعض دیواروں کے گرانے کے لئے کمربستہ ہوئے۔ اس اثنا میں ہندو کاشتکاروں میں سے ایک شخص نے دُور سے اس صحرا میں بتخانہ کا یہ حال دیکھ لیا۔ وہ دوڑکر گاؤں والوں کے پاس گیا۔ جو اُس بتخانہ میں بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اور ان سے یہ ماجرا کہہ سُنایا۔ ہم ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ قریبًا ایک ہزار بُت پرست لاٹھیاں پتھر اور ہتھیار لئے بڑے غیظ و غضب کی حالت میں ہماری طرف آرہے ہیں۔ مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر حیرت و وحشت نے غلبہ کیا۔ بھاگ جانا بھی دشوار تھا۔ ہم نے شہید ہونے کی ٹھان لی۔ اس حال میں میں حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کی۔

"اے دین کے بزرگ! ہم نے آپ کی نصیحت پر کاربند ہوکر یہ کام کیا تھا۔ ہمیں کافروں کے ہاتھ سے چھڑائیے" اس تضرع و نیاز میں میرے کان میں حضرت شیخ کی یہ آواز آئی۔

"اطمینان رکھو۔ تمہاری حفاظت کے لئے ابھی اسلام کا لشکر بھیج رہا ہوں" میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ عجیب معاملہ ہے۔ حضرت کی یہ آواز تو میرے کان میں آگئی۔ مگر لشکر کب آئے گا۔ کفار تو آپہنچے۔ ایک تیر کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ اچانک ٹیلہ پر سے تیس چالیس سوار ہماری طرف گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے نظر آئے۔ جب کافروں نے سواروں کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے۔ سواروں نے ان میں سے بعضوں کو تازیانے لگائے اور بعضوں کو ڈانٹ بتائی۔ اور ہم کو اپنی حمایت میں ہمراہ لے لیا۔ معلوم ہوا کہ وہ سوار مسلمان تھے۔ جو اس نواح کے ایک گاؤں میں کسی تقریب پر آئے ہوئے تھے۔ جب وہ کفار قتل کے ارادے سے آئے تھے۔ تو ان کے گاؤں کے ایک مسلمان نے اُس گاؤں میں جہاں سوار تھے خبر کردی تھی۔ لہذا وہ فورًا موقع پر پہنچ گئے اور ہم کو چھڑا لیا۔ اِس میں شک نہیں کہ حضرت شیخ ہی کا تصرف تھا۔

(۳) سید جمال جو حضرت شیخ کے مقبولین سے تھا بیان کرتا ہے۔ کہ ایک جنگل میں اچانک ایک شیر میرے آگے آیا۔ تنہائی کی وحشت اور اُس درندے کی ہیبت سے میں سخت ہراساں ہوا۔ بھاگ جانا بھی ممکن نہ تھا۔ ناچار میں نے حضرت شیخ کی طرف توجہ کی کہ بچائیے۔ میں نے اُسی وقت معاملہ میں دیکھا۔ کہ حضرت عصا ہاتھ میں لئے دوڑے آرہے ہیں۔ آپ نے آتے ہی نہایت زور سے عصا اُس شیر کے منہ پر مارا۔ جب اِس معاملہ سے میری آنکھ کھلی۔ تو میں نے نہ حضرت کو دیکھا اور نہ جنگل میں شیر کا

کوئی نشان پایا۔

(۴) محمد صادق کابلی جو حضرت شیخ کے بڑے مخلصوں میں سے تھا مرض جذام میں مبتلا ہو گیا۔ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے میں یار اس کی مشارکت سے پرہیز کرنے لگے۔ یہانتک کہ ایک مجلس میں اس کے ایک خاص یار نے اس کے ساتھ کھانا کھانے سے علانیہ انکار کیا۔ وہ بیچارہ نہایت شرمندہ وغمگین ہوا۔ اور حضرت سے توجہ کی درخواست کی آپ مرض کے دفعیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور آپ نے مرض کو اپنے اوپر لے لیا چنانچہ اس کا اثر مریض کے بدن سے آپ کے پاؤں مبارک پر منتقل ہو گیا۔ اس سے اگرچہ مخلصوں کی عقیدت میں زیادتی ہو گئی مگر حضرت پر مرض کے منتقل ہونے سے سب غمگین و بے چین ہو گئے جب حضرت نے صاحبزادوں اور یاروں کی بے چینی دیکھی۔ تو دعا کی کہ یہ مرض آپ سے بھی دور ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ بیماری آپ سے بھی جاتی رہی اور سب خدا کا شکر بجا لائے۔

(۵) حضرت شیخ کے عادل اصحاب سے سنا گیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت بیابان و جنگل کی سیر کو نکلے۔ اثنائے راہ میں دھوپ کی شدت اور گرد و غبار کی کثرت سے بڑے صاحبزادے اور دوسروں پر جو پیادہ ہمرکاب تھے پیاس نے غلبہ کیا۔ مگر بپاس ادب حضرت کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس اثنا میں خود حضرت نے مولانا محمد یوسف سمرقندی، سے جو آپ کے مرید اور پیر بھائی بھی تھے ارشاد فرمایا۔ کہ دھوپ کی شدت اور غبار کی کثرت سے یاروں کو تکلیف ہو رہی ہے۔ مولانا نے کہا۔ کہ حضرت کو معلوم ہے۔ یاروں کے عرض کرنے کی حاجت نہیں۔ اس پر حضرت نے مسکرا کر آسمان کی طرف آنکھ اٹھائی اور زیر لب کچھ کہا۔ چند قدم بھی آگے نہ بڑھے تھے کہ بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا۔ جس نے حضرت اور آپ کے یاروں پر سایہ ڈالا۔ اور ترشح ہوا مگر اسی قدر کہ غبار دب گیا اور کیچڑ نہ ہوا۔ اور معتدل ہوا چلنے لگی حالانکہ وہ بارش کا موسم نہ تھا۔

(۶) ایک سید طالب علم کا بیان ہے کہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے لڑے۔ مجھے ان سے بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نفرت اور بدظنی تھی۔ ایک روز میں مکتوبات احمدیہ کا مطالعہ کر رہا تھا کہ ان میں یہ لکھا دیکھا۔ کہ امام مالک حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شتم کرنے والے پر حد لگاتے تھے۔ وہی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شتم کرنے والے پر جاری کرتے تھے میں نے یہ نقل دیکھ کر غصہ کی حالت میں کہا۔ کہ یہ کیسی بے مزہ نقل ہے جو اس مرد (حضرت شیخ) نے یہاں ذکر کی ہے۔ یہ کہہ کر میں نے مکتوبات کو زمین پر پھینک دیا۔ اور سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ غصہ کی حالت میں آئے اور اپنے ہاتھوں سے میرے دونوں کان پکڑ کر فرمانے لگے۔

اے طفل نادان! تو بھی ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور اُسے زمین پر پھینکتا ہے۔ اگر تو میرے قول کو معتبر نہیں سمجھتا۔ تو آ تجھے حضرت علی مرتضیٰ ہی کے پاس لے چلوں۔ جن کی خاطر تو ان کے بھائیوں یعنی صحابہ کرام کو بُرا کہتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ مجھے کشاں کشاں ایک باغ میں لے گئے۔ اور مجھے اُس باغ کے کنارے ٹھیرا کر خود ایک محل کی طرف جو اُس باغ میں نظر آرہا تھا چلے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں ایک نہایت نورانی شکل بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ نے بڑی تواضع سے ان کو سلام کہا۔ وہ بھی بڑی خوشی سے آپ کو ملے۔ اس کے بعد حضرت شیخ اُس بزرگ کے آگے دو زانو بیٹھ گئے اور کچھ عرض کیا۔ شیخ و بزرگ دونوں دور سے میری طرف دیکھتے اور اشارہ کرتے تھے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میری نسبت کچھ کہہ رہے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ نے اُٹھ کر مجھے نزدیک بلایا۔ اور فرمایا کہ یہ بزرگ جو بیٹھے ہوئے ہیں حضرت امیر کرم اللہ تعالےٰ وجہہ ہیں۔ سُنو کیا فرماتے ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ حضرت امیر نے زبان گوہر فشاں سے فرمایا۔ کہ خبردار! حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے کوئی کدورت دل میں نہ رکھو اور ان کی ملامت زبان پر نہ لاؤ۔ ہم جانتے ہیں اور ہمارے بھائی کہ کن نیک نیتوں سے ہمارے اور ان کے درمیان جھگڑا ہوا تھا۔ اور حضرت شیخ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کی تحریر سے ہرگز سر نہ پھیرنا۔ باوجود اس نصیحت کے میں نے اپنے دل کی طرف جو رجوع کیا تو اصحاب کرام کی دشمنی و نفرت بدستور پائی۔ حضرت امیر یہ معلوم کر کے ناراض ہوئے اور حضرت شیخ سے فرمایا۔ کہ اس کا دل ابھی صاف نہیں ہوا۔ اور تھپڑ مارنے کے لئے اشارہ کیا۔ چنانچہ حضرت شیخ نے اپنی ساری قوت سے ایک تھپڑ میری گُدّی پر مارا۔ اس وقت میں نے اپنے دل کو کدورت سے صاف پایا۔ اِس اثنا میں میری آنکھ کھل گئی۔ اب میں اسی طرح سینہ کو کینہ سے پاک پاتا ہوں۔ اور حضرت شیخ کے کلام کی نسبت میرا حسن اعتقاد سَو گنا زیادہ ہو گیا ہے۔

(۷) حضرت شیخ کے اصحاب بلکہ آپ کے صاحبزادے بھی حکایت کرتے ہیں۔ کہ ایک سوداگر کی نیل کی بوری چوری ہو گئی۔ صاحب مال نے حضرت کے رشتہ داروں میں سے ایک جوان کو چوری سے متہم کیا۔ وہ جوان اہانت و تکلیف کے ڈر سے بھاگ گیا۔ سرہند کے کوتوال نے جب یہ سُنا۔ تو حضرت کو طلب کیا۔ آپ نے اُن یاروں کو جن کی نسبت آپ کو علم تھا کہ وہ آپ کا اس طرح جانا گوارا نہ کر سکیں گے ہر طرف کسی نہ کسی کام پر روانہ کر دیا۔ اور خود ایک خادم کے ساتھ پیادہ تشریف لے گئے۔ وہ بے ادب کوتوال سخت باتیں زبان پر لاتا تھا۔ اور آپ بڑی نرمی سے جواب دیتے تھے۔ اس اثنا میں مولانا طاہر بدخشی آپہنچے اور اُس کوتوال پر ناراض ہو کر کہنے لگے۔ ارے ایسے تیسے! تجھے معلوم بھی ہے کہ تو نے

کیسے قدم کو طلب کی ہے۔ حضرت نے مولانا کو اس گفتگو سے روکا۔ کوتوال نے آپ کو رخصت کر دیا۔
اس بے ادبی پر زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ اس کوتوال اور اس علاقے کے کروری کے درمیان بڑی
ٹھانی ہوئی کوتوال مع چند متعلقوں اور رشتہ داروں سمیت ایک بالاخانہ پر چڑھ گیا جو بارود سے
بھرا ہوا تھا۔ اسی بارود میں کہیں سے آگ لگ گئی جس نے کوتوال کو ساتھیوں سمیت جلا کر ان کا
نشان تک نہ چھوڑا۔ ع

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد   بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(۹) ایک امیر زادہ کو سلطان وقت نے کسی تقصیر کے سبب سے لاہور سے طلب کیا۔ غضب
سلطانی کے مشاہدے سے عام یقین تھا۔ کہ اس امیرزادے کو آتے ہی ہاتھی کے پاؤں میں ڈال
دیا جائے گا۔ جب وہ سرہند میں پہنچا۔ تو حضرت شیخ کی خدمت میں جان بخشی کے لئے التماس کی۔
حضرت نے فرمایا۔ کہ خاطر جمع رکھو انشاء اللہ تعالےٰ تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ بلکہ سلطان تم پر
مہربانیاں کرے گا۔ اس نے نہایت اضطراب میں عرض کیا کہ آپ جو کچھ زبان مبارک سے فرما رہے
ہیں وہ مجھے لکھ کر دے دیجئے تاکہ میرا پورا اطمینان ہو جائے۔ حضرت نے اس کے اصرار پر یہ لکھ کر
دے دیا۔ کہ چونکہ فلاں امیرزادے نے غضب سلطانی کے خوف سے جو غضب الٰہی کا نمونہ ہے فقراء
کی طرف رجوع کیا ہے اس لئے فقراء نے اُسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ اس مہلکہ سے اُسے رہائی دے دی
کئی دن کے بعد اچانک خبر آئی کہ اس کو سلطان نے اذیت دے کر قید خانہ میں بھیج دیا ہے۔ جب حضرت
نے یہ سُنا۔ تو مسکرا کر فرمایا کہ فقیر کی نظر میں صبح کی روشنی کی طرح واضح ہے کہ وہ سلطان کی طرف سے
شفقت و عنایت ہی دیکھے گا۔ اور یہ خبر جو آئی ہے غلط ہے۔ دو تین روز کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان
اس امیرزادے کو دیکھتے ہی ہنس پڑا۔ اور نصیحت کے طور پر چند کلمے زبان پر لایا۔ پھر بڑی عنایت
سے خلعت دے کر رخصت کیا۔

(۹) مولانا محمد امین جو خواجہ دیوانہ سوری کے مریدوں سے تھے مرض شدید میں مبتلا ہو گئے۔ اور
مدت تک بیمار رہے نہ دوا سے بیماری میں تخفیف ہوتی تھی نہ دعا سے۔ حضرت شیخ کی شہرت سُن کر
انہوں نے ایک عریضہ خدمت شریف میں ارسال کیا اور دعائے صحت اور جامۂ تبرک کے لئے التماس
کی۔ حضرت نے ترس کھا کر ایک عنایت نامہ مع پیراہن تبرک بھیجا۔ اس عنایت نامہ میں مرض قلبی کے
ازالہ کی تاکید فرما کر آپ نے یوں تحریر فرمایا۔
"دیگر آنکہ آپ ظاہر کے ضعف کے سبب سے اندیشہ نہ کریں۔ انشاء اللہ تعالےٰ یہ ضعف صحت و

عافیت سے بدل جائے گا۔ فقیر کا دل اِس طرف سے مطمئن ہے۔ آپ نے فقیروں کا جامہ طلب کیا تھا۔ پیراہن بھیج دیا گیا۔ آپ اسے پہن کر نتائج و ثمرات کے منتظر رہیں۔ کیونکہ یہ بڑی برکت والا ہے۔ ؎

ہرکس افسانہ بخواند افسانہ است — وآنکہ دیدش نقد خود مردانہ است "

(مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۱۹۶)۔

چنانچہ مولانا نے وہ پیراہن پہن لیا اور سالوں کی بیماری سے صحت پائی۔ اور حاضر خدمت ہو کر حضرت شیخ کے مریدوں کے زمرہ میں داخل ہوئے۔

(۱۰) علاقہ سرہند کے ایک فاضل مخلص کا بیان ہے۔ کہ حضرت شیخ سے میری ارادت کا باعث یہ ہوا۔ کہ میرا ایک رشتہ دار تھا۔ جس سے مجھے بڑی محبت تھی وہ ایک مرض شدید میں مبتلا ہوگیا۔ اور دعا دوا کے لئے فقراء و اطباء کی خدمت میں بہت پھرا۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایک شخص نے مجھ سے حضرت شیخ کی تعریف کی۔ میں نے حاضر خدمت ہو کر توجہ کی التماس کی۔ آپ نے فاتحہ پڑھی اور حجرے میں داخل ہوئے۔ ایک لمحہ کے بعد حجرے سے نکل کر آواز دی۔ کہ فلاں شخص جس نے اپنے مریض کے لئے فاتحہ شفا کی درخواست کی تھی کہاں ہے۔ میں حاضر ہوا۔ تو فرمایا کہ ہم فاتحہ مغفرت پڑھتے ہیں۔ میں حیران و غمگین ہو کر اپنے مکان کی طرف جو سرہند سے چند فرسنگ کے فاصلہ پر تھا روانہ ہوا۔ میں نے راستے میں اپنے دل میں کہا۔ کہ حضرت کی یہ دوسری فاتحہ موت کی صریح خبر ہے۔ جب میں گھر پہنچا۔ تو اُس مریض کو دفن کر چکے تھے۔ میں نے جو حساب لگایا۔ تو ظاہر ہوا کہ جس وقت حضرت نے مجھے بلا کر فاتحہ مغفرت پڑھی تھی وہ اُسی وقت فوت ہوا تھا۔ یہ کرامت دیکھ کر میں آپ کا مرید ہوگیا۔

(۱۱) نواب خانخاناں صوبہ دار دکن جو محب الفقراء اور حضرت شیخ کا معتقد تھا اس امر پر مامور تھا کہ ممالک دکن کو تصرف میں لائے۔ ایک مدت درازیوں ہی گزر گئی۔ معتمدان سلطنت نے سلطان سے عرض کیا کہ خانخاناں نے پوشیدہ دشمن سے صلح کر لی ہے اور بظاہر جنگ میں مشغول ہے۔ بادشاہ نے فوراً خانخاناں کو معزول کر دیا۔ اور اس بات کا خطرہ ہوا کہ کہیں اسے قتل کرائے۔ سیادت مآب میر محمد نعمان نے جو خانخاناں کے آشنا تھے یہ معاملہ حضرت شیخ کی خدمت میں لکھا اور توجہ کے لئے التماس کی۔ حضرت نے میر موصوف کے عریضہ کو پڑھ کر لکھا کہ آپ کے خط کے مطالعہ کے وقت خان موصوف بہت عالیشان نظر آئے۔ آپ اُس کے معاملہ میں مطمئن رہیں۔ جب یہ جواب سید صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ تو سید صاحب نے بجنسہ خانخاناں کے پاس بھیج دیا۔ اُس نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ بزرگوں کی توجہ سے ایسا ہو جانا تعجب کی بات نہیں۔ مگر بظاہر بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ سلطان وقت میرے حق میں نہایت

بدگمان ہوگیا ہے اور حاسد لوگ ہر طرف سے ضرر پہنچانے کی فکر میں ہیں۔ حضرت شیخ کے مکتوب کو دس بارہ روز بھی نہ ہونے تھے کہ بادشاہ کا دل خانخاناں کی طرف سے صاف ہوگیا اور ملک دکن کی صوبہ داری پر بحال کر دیا۔

(۱۲) ایک سجادہ نشین شیخ بڑی محبت و اشتیاق سے فاصلہ دراز سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر آپ نے خلاف عادت اُس پر چنداں عنایت نہ فرمائی۔ آپ کے بعضے مخلصوں نے عرض کیا۔ کہ یہ شخص مشاہیر مشائخ سے ہے اور بڑے اخلاص سے فاصلہ دراز سے حاضر خدمت ہوا ہے۔ آپ اس کے حق میں کرم فرمائیں حضرت نے فرمایا ہاں میں ایسا ہی گمان کرتا تھا۔ مگر میں اِس کی پیشانی پر خط جلی میں لفظ انکار لکھا ہوا دیکھتا ہوں۔ کیا کیا جائے۔ یہ سن کر یاروں کو تعجب ہوا۔ کچھ مدت کے بعد حضرت کی فراست کے آثار ظہور میں آئے۔ اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔

(۱۳) شیخ محمد مسعود جو حضرت شیخ کے چھوٹے بھائی اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے مقبول مریدوں سے تھے تجارت کے لئے قندھار گئے ہوئے تھے۔ اِس اثنا میں ایک روز صبح کے وقت حضرت نے اپنے ایک خادم سے فرمایا کہ عجیب معاملہ ہے۔ میں ہر چند محمد مسعود کے احوال کی طرف متوجہ ہوا۔ اور چشم مکاشفہ سے اُس کو تلاش کیا۔ مگر روئے زمین پر کہیں اُس کو نہ پایا۔ بعد ازاں جب میں بغور متوجہ ہوا۔ تو اُس کی قبر نظر آئی کہ ابھی فوت ہوا ہے سامعین نے تاریخ اور دن لکھ لیا۔ چند روز کے بعد اُس کے ساتھی واپس آگئے اور انہوں نے اُس کے مرنے کی تاریخ اور دن وہی بتایا جو حضرت شیخ نے بیان کیا تھا۔

(۱۴) جن دنوں میں حضرت شیخ اجمیر شریف تشریف رکھتے تھے رمضان کا مہینہ مین برسات میں آیا۔ حضرت حسب عادت ختمات قرآنی میں مشغول ہوگئے۔ پہلی رات نماز تراویح میں بیس یاروں نے ایک مسجد میں جو نہایت تنگ تھی نماز ادا کی۔ تعفن سے حضرت کو اور درویشوں کو تکلیف پہنچی۔ نماز ادا کرنے کے بعد حضرت کی زبان مبارک سے نکلا۔ کہ جو ختمات ہم نے قرار دئیے ہیں ان کے اختتام تک اگر بفضل الٰہی راتوں کو بارش نہ ہو تاکہ مسجد کے باہر تراویح پڑھی جائیں۔ تو یہ بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ستائیسویں رات تک چار ختم ہوگئے اور کسی رات بارش نہ ہوئی۔ اور اٹھائیسویں تاریخ سے رات کو پانی برسنا شروع ہوا۔

(۱۵) وہی مسجد جس کا اوپر ذکر ہوا اُس کی ایک بنیاد کی دیوار کمزور ہوگئی تھی۔ اور وہ ایک طرف کو اِس قدر جھک گئی تھی کہ اکثر نمازی اور آنے جانے والے خیال کرتے تھے کہ آج نہیں تو کل گر جائیگی۔ ۔۔۔ حضرت شیخ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا کہ جب تک فقراء یہاں ہیں۔ ان کی خاطر سے

نہ گرے گی۔ بقول اکابر کہ ھذا لنا جدٌ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ جس روز حضرت نے وہاں سے کوچ کیا۔ آپ کا اس مسجد کے محاذات سے اوجھل ہونا تھا۔ کہ وہ دیوار یکبارگی گر پڑی۔

(۱۶) ایک امیر نے حضرت شیخ سے عرض کیا۔ کہ میں جوانی سے گزر کر بڑھاپے کو پہنچ گیا۔ مگر کوئی فرزند پیدا نہ ہوا۔ جو میرے بعد صفحہ روزگار پر میری یادگار رہتا۔ اس بارے میں آپ توجہ فرمائیں۔ حضرت کچھ دیر تک مراقب رہے۔ پھر فرمایا کہ لوح محفوظ میں اِس موجودہ بیوی سے تمہاری قسمت میں کوئی اولاد نہیں ہے۔ اگر دوسری شادی کرو۔ تو اولاد ہوگی۔ اور تمہارے بعد تمہاری یادگار رہے گی۔ اتفاقاً اُس کی بیوی نے وفات پائی۔ اور دوسری بیوی سے اُس کی شادی ہوگئی جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اور یہ دونوں اُس کے بعد یادگار رہے۔

(۱۷) شیخ نور محمد اناری جو حضرت شیخ کے قدیم مرید اور صاحب اجازت تھے اور آٹھ بار حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے بیان کرتے ہیں۔ کہ میرے بھائی کے گھر میں جن رہتا تھا جو ہمیشہ اُس سے دشمنی کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اُس کی اذیت سے میرے بھائی نے انتقال کیا۔ میں بھی اُسی گھر میں رہتا تھا۔ بھائی کے انتقال کے بعد مہیب ناک صورتیں میرے سامنے آنے لگیں۔ اور پھولوں کی خوشبو مہکتی محسوس ہونے لگی۔ میرے بھائی کی بھی ابتدائی حالت یہی ہوئی تھی۔ میرے اقرباء یہ سُن کر میری زندگی سے ناامید ہو گئے۔ ایک رات میں اپنی بیوی سے ہمبستر تھا۔ اور ابھی فارغ نہ ہوا تھا۔ کہ وہ جن آگیا۔ اور ہم دونوں کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اور ہمیں ایسا دبایا کہ ہم ہاتھ اٹھانے سے عاجز آگئے۔ لحاف کو بھی اپنے اوپر سے نہ اُٹھا سکے۔ ہم اسی بیقراری میں تھے۔ کہ حضرت شیخ نمودار ہوئے۔ اور آواز دی کہ نور محمد! کچھ خوف نہ کر۔ یہ جن ابھی بھاگ جائے گا۔ کیونکہ شیطان کا مکر کمزور ہوتا ہے۔ جن نے حضرت کی آواز سُنتے ہی ہم کو چھوڑ دیا۔ میں اُٹھا اور حضرت غائب ہو گئے۔ اِس کے بعد میرے گھر میں کسی کو جن کا آسیب نہ ہوا۔ اور جنات وہاں سے جلاوطن ہو گئے۔ میں دیکھتا تھا کہ وہ اپنے ساز و سامان کو لے کر میرے گھر سے جا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت نے ہم کو جلاوطن کر دیا۔ اب ہم موضع شادیوال میں جا کر ٹھیریں گے۔

(۱۸) جب حضرت شیخ کی عمر گرامی پچاس کے قریب ہوگئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی عمر کے پچاس اور ساٹھ کے درمیانی زمانہ میں اپنے اوپر ایک حادثہ عظیم پاتا ہوں۔ اور اُس وقت میں میری وفات کی نسبت قضائے معلق مشہود ہوتی ہے۔ مگر ساٹھ سال کے بعد جس میں اب بارہ برس باقی ہیں میرے انتقال کی نسبت قضائے مبرم وقطعی محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ کیونکہ پچاس اور ساٹھ

سال کی درمیانی زمانہ میں سلطان وقت نے آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا اور وصال بھی ساٹھ سال کے بعد ہوا

(۱۹) ایک روز آپ نے اپنے خالص احباب سے فرمایا۔ کہ مجھے دکھا دیا گیا ہے کہ میری عمر کے بارے میں قضائے مبرم تریسٹھ سال ہے ماہ ذی الحجہ ۱۰۳۳ھ کے پہلے عشرہ میں آپ نے اجمیر سے اپنے صاحبزادوں کو سرہند میں لکھا کہ اس دنیا سے انتقال کے قرب کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ چنانچہ اس کے ایک سال تین ماہ اور چند روز بعد حضرت کا انتقال وقوع میں آیا۔

(۲۰) حضرت شیخ نے ماہ شعبان ۱۰۳۳ھ میں شب برات کو خلوتخانہ میں شب بیداری کی۔ ناگاہ آدھی رات گزرنے کے بعد آپ گھر میں آئے۔ مخدوم زادوں کی والدہ کی زبان عصمت پناہ سے یہ بات نکلی کہ آج آجال و ارزاق کے تقدیر کی رات ہے۔ خدا جانے کس کا نام ورق ہستی سے محو کیا گیا اور کس کا ثابت لکھا گیا یہ سن کر حضرت شیخ نے فرمایا۔ کہ آپ تو بطور شک و تردد کے کہہ رہی ہیں۔ اس شخص کا کیا حال ہو گا۔ جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ اس کا نام اس دنیا کی زندگانی کے صحیفہ سے محو کر دیا گیا۔ اور اشارہ اپنی طرف فرمایا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ اس بات کے قریباً ساڑھے چھ ماہ بعد آپ نے وفات پائی۔

ہم نے حضرت شیخ کے خوارق ذکر کرنے میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔ اور جو بیان کئے ہیں۔ وہ بھی بطور مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ وجہ یہ کہ کثرت خوارق سے کسی ولی کی شان نہیں بڑھتی۔ نہ قلت سے کم شان ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ خود یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"خوارق کا کثرت سے ظاہر ہونا افضلیت پر دلالت نہیں کرتا۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ولی جس سے کوئی خارق ظہور میں نہ آئے دوسرے ولی سے افضل ہو جس سے خوارق و کرامات ظہور میں آئے ہوں" (مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۹۴)۔

اسی طرح آپ میر محمد نعمان رحمہ اللہ تعالیٰ کو لکھتے ہیں۔

"آپ کو معلوم رہے کہ خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا ولی ہونے کی شرط نہیں جس طرح علماء خوارق و کرامات کے حصول کے ساتھ مکلف نہیں۔ اولیاء بھی خوارق کے ظہور کے ساتھ مکلف نہیں۔ کیونکہ ولایت سے مراد قرب الٰہی ہے جل سلطانہ جو خدا تعالیٰ اپنے ماسوا کے نسیان کے بعد اپنے اولیاء کو عطا فرماتا ہے۔ ایک شخص کو یہ قرب عطا کیا جاتا ہے اور اُسے مخلوقات کے مغیبات پر کچھ اطلاع نہیں دی جاتی۔ ایک دوسرا شخص ہے جس کو قرب بھی دیا جاتا ہے اور مغیبات پر مطلع بھی کیا جاتا ہے۔ ایک تیسرے شخص کو

قرب سے کچھ نہیں دیا جاتا مگر مغیبات پر مطلع کیا جاتا ہے۔ یہ تیسرا شخص اہل استدراج سے ہے۔ نفس کی صفائی نے اس کو مغیبات کے کشف میں مبتلا کیا ہے اور گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔ آیہ کریمہ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (سورہ مجادلہ)[۱] ایسے ہی لوگوں کے حال میں وارد ہیں۔ پہلا اور دوسرا شخص جو دولت قرب سے مشرف ہیں اولیاء اللہ سے ہیں۔ نہ کشف مغیبات ان کی ولایت میں زیادتی کرتا ہے اور نہ عدم کشف ان کی ولایت میں نقصان پیدا کرتا ہے۔ ان کا فرق باعتبار درجات قرب کے ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص جسے صور غیبی کا کشف حاصل نہ ہو قرب الٰہی کی زیادتی کے سبب سے اس شخص سے افضل و پیش قدم ہوتا ہے جسے کشف صور حاصل ہو۔ (مکتوبات۔ دفتر دوم۔ مکتوب ۹۲)۔

تبلیغ و اشاعت پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ نے سترہ برس کی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہو کر درس و تدریس اور تصنیف رسائل کے ذریعہ سے تبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا۔ بعد ازاں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے اجازت ارشاد پاکر تلقین طلاب میں مشغول ہو گئے تھے۔ اور حسب اشارہ پیر بزرگوار لاہور میں اشاعت طریقہ فرما رہے تھے۔ کہ حضرت خواجہ نے وفات پائی۔ ان کے وصال کے بعد ان کے مسترشدین نے آپ سے تجدید بیعت کر کے استفادہ باطنی جاری رکھا۔ آپ کے کمالات عالیہ کی برکت اور انوار صحبت کے فیض سے سلسلہ نقشبندیہ تھوڑے عرصہ میں ہندوستان میں دور دور شائع ہو گیا۔ اس کے بعد سلسلہ عالیہ مجددیہ ہندوستان سے باہر دیگر ممالک میں بھی پھیلنے لگا۔ چنانچہ تجدید قیومیت کے چھٹے سال شیخ طاہر بدخشی۔ شیخ احمد برکی۔ خواجہ یوسف برکی۔ شیخ حسن برکی۔ مولانا یار محمد قدیم طالقانی۔ مولانا صالح کولابی۔ شیخ عبدالحق شادمانی اپنے اپنے شہروں سے دور دراز سفر طے کر کے سرہند شریف میں حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ مجددیہ میں داخل ہوئے۔ یہ سب خلافت سے سرفراز ہو کر ذریعہ اشاعت طریقہ بنے۔ تجدید کے بارھویں سال بہت سے جن بھی حضرت کے سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ چنانچہ جنوں کا بادشاہ مع لشکر آپ کا مرید ہو گیا۔

تجدید کے چودھویں سال حضرت شیخ نے اپنے خلیفے بغرض ہدایت خلق دنیا کے اطراف میں روانہ کئے۔ چنانچہ سترا اہل ارادت بسرکردگی مولانا یار محمد قدیم طالقانی ملک ترکستان و قبچاق کو بھیجے۔ اور

---

[۱] اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں۔ سردار ہو۔ تحقیق وہی ہیں جھوٹے۔ غالب آیا ہے ان پر شیطان۔ پس بھلا دی ان کو یاد خدا کی۔ یہ لوگ گروہ شیطان ہیں۔ خبردار ہو گروہ شیطان زیان پانے والے ہیں۔

مجالس ارادت میں شام وروم کی طرف بسرکردگی مولانا فرخ حسین روانہ فرمائے۔ اور اپنے دس معتبر
یار مولانا صادق کابلی کے تحت میں کاشغر کی طرف روانہ کئے۔ اور تین بڑے بڑے خلیفوں کو بسرکردگی
مولانا شیخ احمد برکی توران بدخشان اور خراسان کی طرف رخصت کیا۔ ان خلفاء کی ہر جگہ بڑی عزت
ہوئی اور ان ملکوں کے چھوٹے بڑے امیر وزیر بادشاہ تک حضرت کے خلفاء کے مرید بن گئے خراسان
بدخشان اور توران میں تو طریقہ عالیہ احمدیہ کا اس قدر رواج ہوا کہ وہاں کا کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا
جہاں اس سلسلہ کے خلفاء نہ ہوں۔ یہاں تک کہ عبداللہ خان ازبک جو وہاں کا بادشاہ تھا حضرت کا ایسا
معتقد ہوگیا کہ کوئی کام آپ کے خلفاء کے مشورے بغیر نہ کرتا۔

خلفاء کے علاوہ حضرت کے مکتوبات کے ذریعہ سے بھی تبلیغ واشاعت ظہور میں آئی۔ مکتوبات کی
پہلی جلد ۱۰۲۵ھ میں تمام ہوئی جسے حضرت کے خلیفہ خاص شیخ یار محمد جدید طالقانی نے جمع کیا تھا۔
لوگوں نے اس کی نقلیں حاصل کیں اور ایران توران بدخشان ماوراءالنہر میں شائع ہوئی۔ اور اس کا بہت
اچھا اثر پڑا۔ چنانچہ تجدید کے بائیسویں سال ایک درویش بلخ سے ہندوستان آیا۔ اس کی وساطت سے
وہاں کے اکابر نے مثلاً مشائخ میں سے سیادت پناہ سید میرک شاہ اور شیخ المشائخ کبروی میر محمد
اور میر مومن بھی نے اور علماء میں سے مولانا ربانی حسن قبادیانی اور مولانا نولک نے درخواستیں
بھیج کر غائبانہ بیعت کی۔

اس مقام پر یہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی نے تجدید و
قیومیت کے پندرھویں سال اپنے خلیفہ شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو سلطان ہند جہانگیر کے
لشکر کی خلافت دے کر بغرض اشاعت طریقہ آگرہ میں بھیجا جہاں اس سلسلہ عالیہ کا کوئی خلیفہ نہ تھا
اور اُسے تاکید کر دی کہ مستقل مزاج رہنا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے نہ آنا۔ چنانچہ شیخ صاحب
لشکر سلطانی میں تشریف لے گئے۔ اور وہاں ان کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔ ارکان سلطنت
میں سے خانخاناں۔ اعظم خاں۔ خانجہاں لودھی۔ سکندر خاں۔ سید صدر جہاں۔ اسلام خاں اور
مہابت خاں وغیرہ داخل سلسلہ ہوگئے اور مجلس حلقہ گرم ہونے لگی۔

حضرت شیخ نے رد روافض میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اپنی دیگر
تحریرات میں بھی روافض کے عقائد باطلہ کی تردید فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے شیعہ آپ کے جانی
دشمن ہوگئے تھے۔ جہانگیر کا وزیر آصف جاہ شیعی تھا۔ اس نے جب خلیفہ بدیع الدین کے ارشاد
کا حال سنا تو بہت پیچ وتاب کھایا اور بادشاہ سے کہہ دیا۔ کہ آج کل شہر سرہند میں ایک سیاسی

شخص شیخ احمد نام ہے جس کے بہت سے مرید ہیں۔ غیر ممالک کے بادشاہ تک اُس کے نیاز مند و مرید ہیں۔ اُس کا ایک خلیفہ یہاں لشکر میں بھی آیا ہوا ہے۔ آپ کے لشکر کے اراکین اُس کے مرید ہو گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ شیخ سرہندی آپ کی سلطنت پر ہاتھ ڈالے۔ شاہ اسماعیل صفوی نے مریدوں ہی کے ذریعہ سلطنت ایران پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس اثنا میں شیخ صاحب بغرض اصلاحِ بعضے امور وطن چلے آئے۔ حضرت شیخ کو جو خبر لگی۔ تو خفا ہوئے کہ ہماری اجازت کے بغیر کیوں آئے۔ انہوں نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی کہ میں پھر بغرض ارشاد آگرہ چلا جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ وقت وہی تھا۔ اگر اب تم جاتے ہو۔ تو تم جانو۔ تمہارا اختیار ہے۔ غرض شیخ صاحب پھر آگرہ پہنچے۔ اور وہاں مخالفین کی ایک جماعت کو خشونت آمیز نصیحتیں کیں۔ اور اپنے بلند احوال گوش گزار کئے۔ بلکہ بعض ایسے وقائع و کشوف ذکر کئے۔ کہ جن کا ظاہر کرنا موجب فتنہ تھا۔ اب مخالفین نے بادشاہ کو یہ پٹی پڑھائی۔ کہ شیخ بدیع الدین کا سرہند جانا اور پھر آنا خالی از علت نہیں۔ اور حضرت مجدد کے خلاف بہت کچھ کہا جن میں سے ایک امر یہ بھی تھا کہ حضرت شیخ اپنے تئیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے افضل جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا مقام ان کے مقام سے اوپر ہے۔ اور انہوں نے اپنے زعم فاسد میں اس کے ثبوت میں حضرت کا مکتوب ۱۱ جلد اول پیش کیا جس میں آپ نے اپنا حال اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں یوں تحریر فرمایا ہے:-

"جب مقام سابق سے اوپر کے مقام تک رسائی ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت ذو النورین کا ہے۔ اور دوسرے خلفاء کا بھی اِس مقام میں عبور واقع ہوا ہے۔ اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے۔ اِسی طرح اوپر کے دو اور مقام بھی جن کا ذکر آتا ہے مقام تکمیل و ارشاد ہیں۔ مقام ذو النورین سے اوپر ایک اور مقام نظر آیا۔ جب اُس مقام تک رسائی ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت فاروق کا ہے۔ اور دوسرے خلفاء کا بھی وہاں عبور ہوا ہے۔ اور اُس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر کا مقام ظاہر ہوا رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔ اُس مقام پر بھی رسائی ہوئی۔ اور اپنے مشائخ میں سے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ الاقدس کو ہر مقام میں اپنے ساتھ پاتا تھا۔ خلفائے دیگر کا بھی اُس مقام میں عبور واقع ہوا ہے۔ فرق صرف عبور و اقامت اور مرور و ثبات کا ہے۔ اور اُس مقام سے اوپر کوئی مقام مفہوم نہیں ہوتا سوائے مقام حضرت خاتم المرسلین کے علیہ من الصلوات اتمہا و من التحیات اکملہا۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مقام کے مقابل ایک اور بہت عجیب نورانی مقام ظاہر ہوا۔ کہ ایسا کبھی نظر نہ آیا تھا۔ یہ مقام حضرت صدیق اکبر کے مقام سے ذرا اونچا تھا جیسا کہ چبوترے کو روئے زمین سے اونچا کر لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت کا ہے اور وہ رنگین و منقش تھا۔ میں نے اپنے تئیں اس مقام کے عکس سے رنگین و منقش پایا۔"

القصہ بادشاہ جو سیر و سلوک صوفیہ کرام سے بالکل بے خبر تھا مخالفین کے دام فریب میں آگیا۔ اس نے یہ حکم امتناعی نافذ کر دیا کہ لشکریوں میں سے کوئی خلیفہ کے پاس نہ جائے۔ اور عقیدتمند ارکین کو مختلف جگہ پر تبدیل کر دیا۔ چنانچہ خانخاناں کو ملک دکن مہابت خاں کو کابل سید صدر جہاں کو بنگال۔ خانجہاں لودھی کو ملک مالوہ اور خان اعظم کو گجرات بھیج دیا۔ بعد ازاں حاکم سرہند کو لکھا کہ شیخ مجدد کو خود لے کر حاضر ہو۔ اس طرح جب آپ بارگاہ سلطانی میں پہنچے۔ تو آپ نے بادشاہ کو سجدہ تحیہ نہ کیا۔ وزیر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ بادشاہ نے خلاف عادت حضرت پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ یہ وہی شخص ہے جو اپنے تئیں حضرت صدیق اکبر سے افضل سمجھتا ہے۔ حضرت شیخ نے اس کا نہایت معقول و مدلل جواب دیا پھر آپ سے سجدہ تحیہ کو کہا گیا۔ اور ہرچند کوشش کی گئی کہ آپ ذرا سا ہی جھکا لیں۔ مگر آپ نے ہرگز نہ مانا الغرض بادشاہ نے وزیر کی تحریک پر آپ کے لئے قید کا حکم دیا۔ اور آپ قلعہ گوالیار میں بھیج دئے گئے۔ بادشاہ نے اس واقعہ کو توزک جہانگیری میں یوں لکھا ہے۔

دریں ایام (جمادی الاولی ۱۰۲۸ھ) بعرض رسید کہ شیخ احمد نام شیادے در سرہند دام زرق و سالوس فرو چیدہ بسیارے از ظاہر پرستان بے معنی را صید خود کردہ۔ و بہ ہر شہرے و دیارے یکے از مریدان خود را کہ آئین دکان آرائی و معرفت فروشی و مردم فریبی را از دیگراں پختہ تر داند خلیفہ نام نہادہ فرستادہ۔ و از مزخرفاتے کہ بمریدان و معتقدان خود نوشتہ کتابے فراہم آوردہ مکتوبات نام کردہ۔ و دراں جنگ جہلات بسا مقدمات لاطائل مرقوم گشتہ کہ بکفر و زندقہ منجر مے شود۔ از انجملہ در مکتوبے نوشتہ۔ کہ در اثنائے سلوک گزرم بمقام ذوالنورین افتاد مقامے دیدم بغایت عالی و خوش بصفا از آنجا درگزشتم۔ بمقام فاروق پیوستم۔ و از مقام فاروق بمقام صدیق عبور کردم و ہر کدام را بتعریفے در خور آں نوشتہ و از آنجا بمقام محبوبیت واصل شدہ مقامے مشاہدہ افتاد بغایت منور و ملون۔ خود را بانواع انوار و الوان منعکس یافتم یعنی استغفر اللہ زمقام خلفاء درگزشتہ بعالی مرتبت رجوع نمودم و دیگر گستاخیہا کردہ کہ نوشتن آں طولے دارد و از ادب دوراست بنابریں حکم فرمودم کہ بدرگاہ عدالت آئیں حاضر سازند حسب الحکم بملازمت پیوست۔ و از ہرچہ پرسیدم جواب معقول نتوانست سامان نمود و با عدم خرد و دانش بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شد صلاح حال او منحصر دریں دیدم کہ روزے چند در زندان ادب محبوس باشد تاکہ شوریدگی مزاج و آشفتگی دماغش قدرے تسکین پذیرد۔ و شورش عوام نیز فرونشیند۔ لاجرم بانے رائے سنگدلن حوالہ شد کہ در قلعہ گوالیار مقید دارد۔"

اس عبارت فارسی سے ظاہر ہے۔ کہ بادشاہ نے جو حضرت شیخ اور آپ کے مکتوبات اور آپ کے

خلفاء کی نسبت دریدہ دہنی کی ہے وہ کسی دوسرے کے کہنے سے کی گئی ہے مکتوب ۱۱ جلد اول کا جو حوالہ دیا ہے۔ اگر ہم بنظر انصاف غور کریں۔ تو اُس سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مقام سے اعلیٰ ہے۔ کیونکہ کسی مقام پر وصول و رسائی اور بات ہے اور اس مقام کا حصول و یافت اور۔ سلاطین اپنے ادنے خادم کو خدمت کے لئے اپنے پاس بلا لیتے ہیں۔ اور وہ امراء کے مقام سے گزر کر بیٹھی میں حاضر ہوتا ہے۔ پھر اپنے مقام پر واپس جا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس نوکر کا مرتبہ امراء کے مرتبہ سے زیادہ ہے۔ دیگر یہ کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے تئیں اُس مقام کے عکس سے رنگین و منقش پایا۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں اُس مقام پر پہنچ گیا۔ دیکھئے سورج چوتھے آسمان پر ہے۔ اور اُس کا عکس زمین پر روشن ہے۔ مگر اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ زمین مقام آفتاب پر پہنچ گئی۔ خود حضرت شیخ کے ارادتمندوں نے آپ سے عبارت زیر بحث کا حل دریافت کیا ہے اور آپ نے ان کو کافی جواب دئے ہیں۔ (دیکھو مکتوبات۔ جلد اول مکتوب ۱۹۲ و ۲۰۲ و ۲۰۸ اور جلد ثانی مکتوب ۹۹)۔ بادشاہ کا یہ لکھنا کہ حضرت شیخ معقول جواب نہ دے سکے۔ بالکل غلط ہے۔

حضرت شیخ کی قید کی خبر سن کر اراکین سلطنت میں سخت بےچینی پیدا ہوئی۔ چنانچہ خانخاناں۔ خان اعظم۔ سید صدر جہاں۔ اسلام خاں۔ مہابت خاں۔ مرتضےٰ خاں۔ تربیت خاں خانجہاں لودھی۔ سکندر خاں۔ حیات خاں اور دریا خاں وغیرہ جو حضرت کے مرید تھے باہم خط و کتابت کر کے بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ بالآخر حضرت نے ان سب کو تسلی و تشفی کے خط لکھ کر بغاوت کرنے سے روک دیا۔ آپ ایام حبس میں بھی تبلیغ فرماتے رہے۔ چنانچہ بہت سے کفار آپ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔ اور سینکڑوں کو داخل طریقہ فرما کر آپ نے درجہ ولایت تک پہنچا دیا۔ ایام قید میں آپ نے کبھی بادشاہ کے لئے بد دعا نہ کی۔ بلکہ فرماتے تھے۔ کہ اگر بادشاہ مجھے نظر بند نہ کرتا تو اتنے آدمی جو فوائد دینی سے مستفید ہوئے محروم رہ جاتے۔ اور ہماری ترقی مقامات جو نزول بلا پر موقوف تھی وقوع میں نہ آتی جیسا کہ ان مکتوبات سے ظاہر ہے جو آپ نے اُن ایام میں صاحبزادگان اور دیگر ارادتمندوں کو لکھے ہیں۔ دو سال کے بعد بادشاہ اپنے کئے پر نادم ہوا۔ اور حضرت شیخ کو اعزاز و اکرام سے اپنے پاس بلا کر معذرت کی۔ اور آپ کا ایسا محب بن گیا کہ آپ کو لشکر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اور شہزادہ خرم کو جو ملقب بہ شاہجہاں ہوا آپ کے مریدین کے زمرہ میں داخل کر دیا۔ بعد ازاں عالمگیر اورنگ زیب بھی اسی سلسلہ میں داخل ہوا اور امرا و وزراء کثرت سے سلسلہ مجددیہ میں منسلک ہوئے۔ القصہ حضرت شیخ لشکری زندگی میں بھی اپنی بے اختیاری کا خوب ذوق و لطف اُٹھاتے رہے اور بدستور تبلیغ میں مشغول رہے ۱۰۳۲ھ میں آپ اجمیر شریف میں

تشریف رکھتے تھے کہ آپ کو قرب موت کے آثار محسوس ہوئے۔ آپ کو لشکر سے رخصت مل گئی۔ وطن میں آکر آپ نے گوشہ اختیار فرمایا۔ اور ارشاد کا کام اپنے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کے سپرد کر دیا۔

صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس کے بعد بادشاہ اس امر سے نادم و پشیمان ہوا۔ اور اس نے بہت سے عذر کئے۔ مگر یہ بے ادبی اس کے لئے نامبارک ہوئی۔ اس کی سلطنت میں بہت شور و فتور پیدا ہوا۔ اس کے بعض بڑے علاقوں کو ایرانیوں نے غلبہ پاکر اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور وہ خود مہلک کمزوریوں میں مبتلا ہو گیا۔ یہانتک کہ اسی حال میں اس دنیا سے چل دیا۔

اخلاق و عادات | صبر و شکیب۔ رضا و تسلیم۔ حسب حال ہر ایک کی تعظیم۔ لوگوں پر شفقت۔ صلہ رحم۔ ارباب حقوق کی رعایت۔ مریضوں کی عیادت۔ سلام میں سبقت۔ کلام میں نرمی آپ کا شیوہ حسنہ تھا۔ آپ کا طریقہ عمل برعزیمت تھا۔ عبادات و عادات میں نہایت احتیاط اور سنت کا کمال اتباع ملحوظ تھا۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ آپ معارف کے لکھنے میں مشغول تھے۔ بول کے واسطے جو جلدی سے اُٹھے۔ تو بیت الخلا میں داخل ہولے۔ پھر جلدی سے باہر نکل آئے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ کیوں اتنی جلدی چلے آئے نکلتے ہی آپ نے پانی منگا کر انگوٹھے کو دھویا۔ اور پھر بیت الخلا میں گئے۔ جب وہاں سے نکلے تو فرمایا۔ کہ جب میں بیت الخلا میں داخل ہوا۔ تو دیکھا کہ میرے انگوٹھے پر سیاہی کا داغ ہے۔ جو حروف قرآنی کی کتابت کا سامان ہے۔ اس واسطے مناسب نہ سمجھا کہ سیاہی سمیت وہاں بیٹھوں۔ گو بول کی اشد ضرورت تھی۔ لیکن ترک ادب کے مقابلہ میں آپ نے اُسے روک رکھا اسی طرح ایک روز جو بیت الخلا میں داخل ہوئے تو غلطی سے پہلے دایاں پاؤں اندر رکھ دیا۔ اُس روز احوال بند رہے۔

ایک دفعہ مولانا صالح ختلانی علیہ الرحمۃ کو فرمایا۔ کہ تھیلی میں سے چند ایک لونگ نکال لاؤ۔ وہ چھ دانے نکال لائے۔ آپ نے جھڑک کر فرمایا۔ کہ دیکھو یہ بھی صوفی ہیں۔ اس نے اتنا بھی نہیں سُنا کہ اللہ وتر یحب الوتر۔ عدد طاق کی رعایت مستحب ہے۔ اگر اللہ تعالے کے پسندیدہ عمل کے عوض تمام دنیا و آخرت بھی دے دیں۔ تو بھی سمجھو کہ کچھ نہیں دیا۔

ایک روز آپ اپنے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ کہ جھٹ پٹ نیچے اترے۔ اور فرمایا کہ مجھے تخت تلے ایک کاغذ دکھائی دیا ہے۔ معلوم نہیں اس میں کچھ لکھا ہے یا نہیں۔ آپ نے اتنی دیر بھی تخت پر بیٹھنا جائز نہ سمجھا کہ کسی کو حکم دیں کہ تخت تلے سے کاغذ نکالے۔ گویا آپ نے ایسی صورت میں تخت پر بیٹھنا بے ادبی سمجھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک حافظ جس کے تلے فرش تھا قرآن شریف پڑھنے میں مشغول ہوا۔ جب

حضرت شیخ نے نگاہ کی۔ تو دیکھا کہ جہاں پر خود تشریف رکھتے ہیں۔ وہاں فرش زیادہ ہے۔ جھٹ اپنے تلے سے نکال دیا۔ تاکہ اس حافظ سے اونچے نہ بیٹھیں۔

حضرت شیخ کے دن رات کے احوال کو مع وردو وظائف حضرت خواجہ محمد معصوم اور دیگر خلفاء نے شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔ جس کے ایراد کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔

وفات حضرت شیخ ایام مرض میں تنہائی بہت پسند کرتے تھے۔ ایک روز حرم سرا کی دہلیز میں لیٹے ہوئے تھے۔ فرمایا کہ اِس سرا میں جو دو مہینے کے بعد آئے گی ہم اس گھر میں نہ سوئیں گے۔ حاضرین نے عرض کیا۔ کہ آپ شاید خلوتخانہ میں آرام فرمائیں گے۔ فرمایا کہ وہاں بھی نہیں اور نہ ان گھروں میں سے کسی میں عرض کیا کہ پھر کس جگہ۔ فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں جو ہونے والا ہے۔ ماہ ذی الحجہ ۱۰۳۳ھ کے وسط میں عارضہ ضیق النفس نے غلبہ پایا۔ ان دنوں میں لقاے حق سبحانہ کے شوق میں آپ رو پڑتے تھے۔ چند روز صحت بھی رہی۔ اسی اثناء میں خیرات وصدقات بکثرت وقوع میں آئے۔ بتاریخ ۱۲ محرم الحرام ۱۰۳۴ھ فرمایا کہ ابھی مجھے بتایا گیا کہ چالیس پچاس دن کے درمیان تجھے اس جہان سے اُس جہان میں جانا پڑے گا۔ اور میری قبر مجھے دکھائی گئی۔ بتاریخ ۲۳ صفر روز پنجشنبہ آپ نے درویشوں میں کپڑے تقسیم کئے۔

اگرچہ آپ پر ضعف غالب آگیا تھا۔ لیکن عبادات ووظائف کے اوقات میں سرِ مُو فرق نہ آیا۔ بدستور ذکر شغل مراقبہ دن رات کے اوراد نماز باجماعت ادا کرتے رہے اور شریعت وطریقت کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ روز وصال کی شب کو آپ نے ان خادموں کو جو راتوں آپ کی خدمت کرتے رہے فرمایا۔ تم نے بہت محنت کی۔ صرف آج کی رات اور محنت ہے کل تمہاری خلاصی ہوجائے گی۔ اِس رات آپ بار بار یہ ہندی مصرعہ پڑھتے تھے۔

اج ملاوا کنت سوں سکھی سب جگ دیتواں وار | اے محرم! آج وصالِ دوست ہے۔ میں تمام جہان نثار کرتا ہوں

اسی رات آپ نے وہ تمام دعائیں پڑھیں جن کا ذکر صحیحین میں ہے۔ رات کے آخری تیسرے حصّہ میں اُٹھ کر وضو کیا۔ تہجد کی نماز کھڑے ہو کر ادا کی اور فرمایا کہ یہ ہماری آخری نماز تہجد ہے۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ جب صبح ہوئی تو فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ حسب عادت مراقبہ کیا۔ بعد ازاں اشراق بڑی دلجمعی سے ادا کی اور اُس وقت کی ادعیہ ماثورہ پڑھیں۔ اِس کے بعد فرمایا کہ بول کے واسطے تھال لاؤ۔ خادم نے تھال حاضر کیا لیکن اُس میں ریت نہ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تھال میں ریت نہیں احتمال ہے کہ پیشاب کے قطرے لباس پر گریں۔ اس وقت بھی آپ نے بڑی احتیاط سے کام لیا۔ جب تھال میں ریت ڈال کر حاضر کیا تو فرمایا اب اتنی فرصت نہیں کہ بول کروں اور تازہ وضو کروں۔ اب تو میں وضو سے ہوں۔ اس تھال کو

نے حاذ ان مجھے فرش پر لٹا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب آپ بستر پر سنت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق لیٹے یعنی سر شمال کی طرف رخ مبارک قبلہ کی طرف اور دایاں ہاتھ رخسار مبارک کے تلے تھا۔ اس حالت میں ذکر حق میں مشغول ہوئے۔ جب حضرت خازن الرحمت رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دیکھا کہ سانس جلدی آرہا ہے۔ تو پوچھا کہ مزاج مبارک فرمایا۔ اچھا ہے۔ دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھی وہ کافی ہے۔ آخری الفاظ تھے جو آپ نے فرمائے۔ اس کے بعد پھر کسی سے بات نہیں کی۔ صرف ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ القصہ آپ نے بروز سہ شنبہ وقت چاشت ایک پہر دن چڑھے ۲۸ ماہ صفر ۱۰۳۴ھ میں تریسٹھ سال کی عمر میں تریسٹھ دن بیمار رہ کر اس جہان فانی سے اللہ اللہ کہتے وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اس قبہ منورہ میں جو خود آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق رحمہ اللہ کے مرقد پر تعمیر فرمایا تھا دفن ہوئے۔

اس روضہ مقدسہ کی نسبت حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"مخفی نہ رہے کہ ہمارے حضرت مجدد الف ثانی کو بھی حضور سرور دنیا و دین کے کمال اتباع کے سبب سے یہ بشارت دی گئی تھی۔ کہ روضہ متبرکہ جس میں حضرت کی قبر ہے اور اس روضہ مقدسہ کا صحن قدیم ریاض جنت میں سے ایک روضہ ہے۔ فرماتے تھے کہ مجھے بشارت دی گئی ہے۔ کہ اگر اس روضہ مبترکہ کی خاک کی ایک مٹھی کسی شخص کی قبر میں ڈال دی جائے تو بڑی امیدواریاں ہیں۔ پس اس شخص کا کیا حال جو اس روضہ میں مدفون ہو۔" (مکتوبات معصومیہ۔ دفتر ثانی۔ مکتوب ۷)۔

اسی روضہ مقدسہ کی نسبت حضرت شاہ ابو سعید مجددیؒ کے صاجزادے شاہ عبد الغنی صاحب مہاجر دہلویؒ (متوفی محرم الحرام ۱۲۹۶ھ) نے یہ چند ابیات نہایت پُر لطف لکھی ہیں۔ ؎

اے خاک پاک روضہ عبیری و عنبری ۔۔۔ کہ اہل جہاں ز بوئے تو مدہوش گشتہ اند

ساقی فشاند بر تو خوش آبے کہ اہل دہر ۔۔۔ عاقل بہ پیشت آمدہ مخمور رفتہ اند

سرِّ بے خاک خود تو داری کہ اہل امر ۔۔۔ یک نفحہ از تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند

نے سے ترا زرحمت یثرب گرفتہ اند ۔۔۔ پنہاں ز روم و شام بسرہند ہشتہ اند

ایں خاک احمدی است بذات احد نگر ۔۔۔ نے یک کہ صد ہزار ازیں خاک جستہ اند

ہلّا دم حسد بے روا ز تو بسے ۔۔۔ اعمال بُعد بر رخ اعدات بستہ اند

یارب بکن خلاص ازیں خاک درمرا ۔۔۔ بدحال آنکساں کہ ازیں خاک رستہ اند

تیرے بجواب ما زپہلوے دوستیں ۔۔۔ یارب چہ رازہاست کہ اینجا نہفتہ اند

تنہا غنی نہ نغمہ مدح تو ساز کرد   کرّوبیانِ عرش ہم اینگونہ گفتہ اند

اس روضہ مقدسہ کو حاجی سیٹھ ولی محمد و حاجی ہاشم خلف حاجی دادا ساکن دوراجی ملک کاٹھیاواڑ نے دوبارہ بنوایا ہے۔ قبہ قدیمہ کو بحال خود رکھ کر اس کے اوپر سنگ مرمر کا نہایت عالیشان خوبصورت گنبد ایسا بناہے کہ دل کو سرور اور آنکھوں کو نور بخشتا ہے۔ اس جدید عمارت پر ایک لاکھ پچیس ہزار روپے صرف ہوئے ہیں اور پانچ سال میں تیار ہوئی ہے۔ جنوبی دروازے پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ

مزار پُرانوار حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی

نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

این روضہ منورہ بتاریخ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء

تعمیر یافت

شاعر عالی ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم نے اس روضہ کی نسبت یوں لکھا ہے۔ ؎

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر   وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے   اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے   جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں   اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار (بالِ جبریل)

حضرت شیخ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ نے آپ کو واقعہ میں دیکھا۔ پوچھا کہ منکر نکیر کا سوال کس طرح گزرا۔ فرمایا کہ حق سبحانہ نے کمال رحمت سے مجھے الہام کیا کہ اگر تم اجازت دو۔ تو منکر نکیر تمہارے پاس آئیں۔ میں نے عرض کیا کہ بندۂ مسکین کے پاس نہ آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نہایت رحمت و رافت سے میرے پاس نہ بھیجے۔ پھر میں نے ضغطہ قبر کی نسبت پوچھا۔ فرمایا کہ ہوا۔ مگر اقل قلیل۔ خواب ہی میں معلوم ہوا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ آپ اقل قلیل بطور تواضع فرما رہے ہیں۔ ورنہ اتنا بھی نہیں ہوا۔

حلیہ و لباس آپ کا حلیہ مبارک یہ ہے۔ دراز قد۔ نازک بدن۔ گندم گوں۔ کشادہ پیشانی۔ پیشانی اور رخسارے پر نور و درخشاں۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ ناک بلند و باریک۔ دہن مبارک نہ دراز نہ کوتاہ۔ دندان مبارک ایک دوسرے سے متصل اور درخشاں مثل لعل بدخشاں۔ ریش مبارک خوب گھنی اور دراز و مربع۔ ہاتھ مبارک بڑے بڑے۔

انگلیاں باریک۔ پاؤں نہایت لطیف۔

طریقہ کی طرح آپ کا لباس بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا سا تھا۔ ایک بڑا عمامہ سر پر۔ مسواک دستار کی کور میں۔ شملہ دونوں کندھوں کے بیچ تک۔ قمیص کے گریبان کا شگاف دونوں کندھوں پر۔ پاجامہ شرعی ٹخنوں سے اوپر تک بلکہ نصف پنڈلی تک۔ کفش مبارک پاؤں میں۔ عصا ہاتھ میں۔ سجادہ کندھے پر۔ سجدے کا نشان پیشانی پر۔

کلماتِ قدسیہ

حضرت شیخ کی تصانیف مکتوبات کی تین جلدیں اور چند رسائل ہیں۔ جلد اول ۱۰۲۵ھ میں اور دوسری جلد ۱۰۲۸ھ میں اور تیسری جلد ۱۰۳۱ھ میں اختتام کو پہنچی۔ ذیل میں ہم ان تصانیف میں سے چند مقامات بطور تبرک نقل کرتے ہیں:-

(۱) قرب بخشنے والے اعمال فرائض ہیں یا نوافل۔ فرائض کے مقابل نوافل کا کچھ اعتبار نہیں۔ فرائض میں سے ایک فرض کا ایک وقت میں ادا کرنا ہزار سال کے نوافل کے ادا کرنے سے بہتر ہے اگرچہ خالص نیت سے ادا ہوں اور خواہ کوئی نفل ہوں نماز و زکوٰۃ و روزہ و ذکر و فکر اور مثل ان کے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ فرائض کے ادا کرنے کے وقت سنتوں میں سے ایک سنت اور آداب میں سے ایک ادب کی رعایت بھی حکم رکھتی ہے۔ (یعنی ادائے نوافل سے بدرجہا بہتر ہے)۔

[illegible]ل ہے کہ ایک دن امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے لوگوں کی طرف نگاہ کی۔ اُس وقت اپنے اصحاب میں سے ایک کو نہ پایا۔ فرمایا کہ فلاں صاحب جماعت میں حاضر نہیں ہوا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ وہ اکثر شب جاگتا رہتا ہے۔ احتمال ہے کہ وہ اِس وقت سو گیا ہو۔ فرمایا کہ اگر وہ تمام رات سوتا رہتا اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا۔ تو یہ بہتر تھا۔ پس ایک ادب کی رعایت کرنی اور ایک مکروہ سے خواہ مکروہ تنزیہی ہو تحریمی کا تو کیا ذکر پرہیز کرنا ذکر و فکر و مراقبہ و توجہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ ہاں اگر کوئی ان امور کو رعایت آداب اور مکروہات سے اجتناب کے ساتھ جمع کرے۔ تو وہ بڑا کامیاب ہے۔ اور بغیر اس رعایت و اجتناب کے کانٹے دار درخت پر ہاتھ ملنا ہے۔ مثلاً جس طرح زکوٰۃ کے حساب میں ایک دانگ کا صدقہ کرنا سونے کے بڑے بڑے پہاڑ بطور نفل صدقہ دینے سے بدرجہا بہتر ہے۔ اسی طرح اس دانگ کا صدقہ دینے میں آداب میں سے ایک ادب کی رعایت کرنا مثلاً اپنے رشتہ دار فقیر کو دینا اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ پس نماز عشا کو رات کے نصف اخیر میں ادا کرنا اور اِس تاخیر کو نماز تہجد کی تاکید کا وسیلہ بنانا بہت بڑا ہے۔ کیونکہ حضرات حنفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے

نزدیک اُس وقت نمازِ عشا پڑھنا مکروہ ہے۔ (مکتوبات۔ جلد اول۔ مکتوب ۲۹)۔

(۲) جاننا چاہئے کہ اِس دنیا میں جو کہ آزمایش و امتحان کا مقام ہے دشمن دوست کو ملا دیا گیا ہے اور دونوں کو رحمت میں شامل کیا گیا ہے۔ آیہ کریمہ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے) اسی بات کو ظاہر کرتی ہے۔ قیامت کے دن دشمن کو دوست سے جدا کر دیں گے جیسا کہ آیت کریمہ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ (جدا ہو جاؤ آج اے گنہگارو) سے ظاہر ہے۔ اُس وقت رحمت کا قرعہ دوستوں کے نام پر پھینکیں گے۔ اور دشمنوں کو محروم مطلق اور ملعون ثابت کریں گے۔ اور آیت کریمہ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ اس بات پر شاہد ہے۔ یعنی تحقیق ہم ثابت کریں گے اُس رحمت کو اُس جماعت کے واسطے جو کفر و گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالٰے نے کرم و رحمت کو آخرت میں نیکوں اور نیک کردار مسلمانوں کے لئے مخصوص کیا۔ ہاں مطلق اہلِ اسلام کے لئے خاتمہ بالخیر ہونے کی صورت میں رحمت سے حصہ ہے اگرچہ دراز زمانوں کے بعد وہ عذاب دوزخ سے نجات پائیں۔ لیکن گناہوں کی تاریکیاں اور آسمان سے نازل کئے ہوئے احکام کی بے پروائی ایسا کب ہونے دیتی ہے کہ نورِ ایمان کو سلامت لے جائے۔ عالموں نے فرمایا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے۔ العیاذ باللہ سبحانہ۔ (جلد اول۔ مکتوب ۹۶)۔

(۳) بعضے مشائخ نے سُکر کی حالت میں کہا ہے۔ کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ اور بعض اوروں نے اِس ولایت سے مراد نبی کی ولایت لی ہے۔ تاکہ نبی پر ولی کی افضلیت کا وہم دور ہو جائے۔ لیکن حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ نبی کی نبوت اُس کی ولایت سے افضل ہے۔ ولایت میں تنگی سینہ کے سبب سے خلق کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ اور نبوت میں سینہ کی کمال کشادگی کے سبب سے نہ حق سبحانہ کی توجہ خلق کی توجہ کے مانع ہے اور نہ خلق کی توجہ حق تعالٰے کی توجہ کے مانع ہے۔ نبوت میں تنہا توجہ خلق کی طرف نہیں تاکہ ولایت کو جس میں توجہ حق کی طرف ہوتی ہے اس پر ترجیح دیں العیاذ باللہ سبحانہ تنہا خلق کی طرف توجہ جو پائیں جیسے عوام کا مرتبہ ہے۔ شانِ نبوت اس سے برتر ہے سُکر والوں کو اس بات کا سمجھنا دشوار ہے۔ صحو والے اکابر اِس معرفت کے ساتھ ممتاز ہیں۔ مصرعہ۔ نعمتوں والوں کے لئے جنت کی نعمتیں خوشگوار ہوں۔ (جلد اول۔ مکتوب ۱۰۸)۔

(۴) مکلفین کے لئے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ وہ اپنے عقیدوں کو علمائے اہلسنت و جماعت (شکر اللہ تعالٰے سعیہم) کی رایوں کے موافق درست کریں۔ کیونکہ نجات اخروی ان بزرگواروں کی صواب نمارایوں کی پیروی سے وابستہ ہے اور فرقہ ناجیہ یہی بزرگوار اور ان کے پیرو ہیں۔ اور یہی حضور سرورِ کائنات اور آپ کے

اصحاب (صلوات اللہ وتسلیماتہ علیہ وعلیہم اجمعین) کے طریق پر ہیں۔ وہ علوم جو کتاب وسنت سے مستفاد ہیں اُن میں سے وہی معتبر ہیں جو ان بزرگواروں نے کتاب وسنت سے اخذ کئے اور سمجھے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک بدعتی وگمراہ اپنے عقائد فاسدہ کو اپنے زعم فاسد میں کتاب وسنت ہی سے اخذ کرتا ہے۔ پس کتاب وسنت کے معانی مفہومہ میں سے ہر ایک معنی معتبر نہیں ہوتا۔ (جلد اول۔ مکتوب ۱۹۳)۔

(۵) موت کے آنے سے پہلے اپنا کام کرنا چاہئے۔ اور یا شوق کہتے ہوئے مرنا چاہئے۔ اول اعتقاد کی درستی سے چارہ نہیں۔ اور جو کچھ بطریق ضرورت وتواتر دین سے معلوم ہے اُس کی تصدیق ضروری ہے۔ دوم جاننا اور عمل کرنا اس پر جو علم فقہ سے متعلق ہے نیز ضروری ہے۔ سوم سلوک طریق صوفیہ بھی درکار ہے۔ نہ اس غرض کے لئے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ کریں اور انوار اور رنگوں کو دیکھیں۔ یہ خود لہو ولعب میں داخل ہے۔ صور وانوار حسی میں کیا نقصان ہے۔ کہ کوئی ان کو چھوڑ کر ریاضات ومجاہدات سے صور وانوار غیبی کا لالچ کرے۔ صور وانوار غیبی اور حسی دونوں حق سبحانہ کی مخلوق ہیں اور اُس کے صانع ہونے پر دلالت کرنے والی نشانیوں سے ہیں۔ سورج اور چاند کا نور جو عالم شہادت سے ہے کئی طرح اُن انوار پر فضیلت رکھتا ہے جو عالم مثال میں دیکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ دید دائمی ہے اور خواص وعوام اس میں شریک ہیں۔ اس لئے نظر اعتبار سے ساقط کر کے انوار غیبی کا لالچ کرتے ہیں۔ ہاں مصرعہ۔ جو پانی تیرے دروازے کے آگے جاری ہے وہ گدلا معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ طریق صوفیہ کے سلوک سے مقصود اعتقادیات شرعیہ میں یقین کی زیادتی حاصل کرنا ہے تاکہ استدلال کی تنگ جگہ سے کشف کی فراخ زمین میں آجائیں اور اجمال سے تفصیل کی طرف آجائیں۔ مثلاً اللہ تعالےٰ کا وجود اور اُس کی وحدت پہلے استدلال کے طریق یا تقلید سے معلوم ہوئی تھی اور اُس کے موافق یقین حاصل ہوا تھا۔ جب طریق صوفیہ کا سلوک حاصل ہوجاتا ہے۔ وہ استدلال وتقلید کشف وشہود سے بدل جاتا ہے۔ اور یقین اکمل حاصل ہوجاتا ہے۔ باقی اعتقادیات کا یہی حال ہے۔ اور نیز سلوک سے مقصود احکام فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی کا حاصل کرنا اور اُس دشواری کا دور کرنا ہے جو نفس کی سرکشی سے پیدا ہوتی ہے۔ فقیر کا یقین ہے کہ طریق صوفیہ حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ہے۔ نہ کہ شریعت کے خلاف کوئی امر۔ فقیر نے اس مضمون کو اپنی کتابوں اور رسالوں میں تحقیق کیا ہے۔ اور اس غرض کے حصول کے لئے صوفیہ کے تمام طریقوں میں سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا اولے اور انسب ہے کیونکہ ان بزرگوں نے سنت کی پیروی کا التزام رکھا ہے اور بدعت سے پرہیز کیا ہے۔ (جلد اول۔ مکتوب ۲۱۰)۔

(۶) جاننا چاہئے۔ کہ صوفیوں کے استعدادات آخر کار کسی منازل سلوک کے پورا ہونے اور ولایت کے

درجوں کی نہایت کو پہنچنے کے بعد وہی ہیں جو علمائے اہل حق کے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ علماء کو نقل یا استدلال سے حاصل ہوئے ہیں اور صوفیوں کو کشف یا الہام سے۔ اگرچہ صوفیہ میں سے بعض کو اثنائے راہ میں سُکر و غلبہ حال کے سبب سے ان اعتقادات کے خلاف امور ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر اُس کو ان مقامات سے گزار کر نہایت کار کو پہنچا دیں۔ تو وہ امور نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ ورنہ وہ اسی مخالفت پر باقی رہتے ہیں۔ لیکن امید ہے کہ اُس کو اس مخالفت پر گرفت نہیں کرتے۔ اُس کا معاملہ خطا کرنے والے مجتہد کا سا ہے۔ کہ جس نے استخراج احکام میں خطا کی اور اُس صوفی نے کشف میں خطا کی (یہاں تک کہ فرمایا) پس سالک کو چاہئے۔ کہ حقیقت کار پر پہنچنے سے پہلے باوجود اپنے کشف و الہام کی مخالفت کے علماء اہل حق کی تقلید کو لازم جانے۔ اور علماء کو حق بجانب اور اپنے تئیں خطا کرنے والا خیال کرے۔ کیونکہ علماء کی دلیل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید ہے۔ جو قطعی وحی کے ساتھ موید اور خطا اور غلط سے معصوم ہیں۔ اور سالک کا کشف و الہام جو وحی کے ساتھ ثابت شدہ احکام کا مخالف ہو خطا اور غلط ہے۔ پس اپنے کشف کو علماء کے قول پر مقدم رکھنا حقیقت میں احکام قطعیہ منزلہ پر مقدم رکھنا ہے۔ اور یہ عین گمراہی اور محض خسارہ ہے۔ اور نیز جس طرح کتاب و سنت کے بموجب اعتقاد ضروری ہے۔ اسی طرح ان کے مقتضا پر عمل کرنا اُس طریق پر کہ مجتہدین نے کتاب و سنت سے استنباط کیا ہے اور اُن سے احکام نکالے ہیں یعنی حلال و حرام و فرض و واجب و سنت و مستحب و مکروہ و مشتبہ اور ان احکام کا جاننا بھی ضروری ہے۔ مقلد کے لئے جائز نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب و سنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے۔ اُسے چاہئے کہ عمل میں اس مجتہد کے مذہب سے کہ جس کا یہ مقلد ہے قول مختار کو اختیار کرے۔ اور رخصت سے بچ کر عزیمت پر عمل کرے اور جہاں تک ہو سکے مجتہدین کے اقوال کے جمع کرنے میں بہت کوشش کرے۔ تاکہ متفق علیہ قول پر عمل واقع ہو۔ مثلاً امام شافعی وضو میں نیت کو فرض کہتے ہیں۔ پس وہ بغیر نیت کے وضو نہ کرے۔ اسی طرح امام موصوف اعضاء کے دھونے میں ترتیب کو اور وِلا یعنی پے درپے دھونے کو بھی لازم جانتے ہیں۔ پس ترتیب و وِلا کو ملحوظ رکھے۔ امام مالک اعضاء کے دھونے میں ملنے کو فرض کہتے ہیں۔ پس اعضاء کو ضرور مل کر دھوئے۔ اسی طرح عورتوں سے مس کو اور آلہ مخصوص کے مس کو وضو کا توڑنے والا کہا گیا ہے۔ پس ایسی صورت میں وضو از سرِ نو کرے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اِن دو اعتقادی و عملی بازوؤں کے حصول کے بعد سالک کو قربِ الٰہی جل شانہ کے مدارج پر عروج کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اور منازل ظلمانی اور مسالک نورانی کے طے کرنے کا طالب ہونا چاہئے۔ لیکن اُسے معلوم رہے کہ یہ قطع منازل اور عروج مدارج شیخ کامل مکمل راہ داں راہ بیں رہنما

کی توجہ و تصرف پر موقوف ہے۔ کیونکہ اُس کی نظر قلب کی بیماریوں سے شفا دینے والی اور اُس کی توجہ ردی ناپسندیدہ اخلاق کے دفع کرنے والی ہے پس پہلے شیخ کو تلاش کرے۔ اگر محض فضل خدا جل شانہ سے اُسے شیخ معلوم کرادیں۔ تو شیخ کی پہچان کو بہت بڑی نعمت تصور کر کے اپنے تئیں اُس کی صحبت میں حاضر رکھے۔ اور بالکل اُس کے تصرفات کا مطیع ہو جائے۔ (جلد اول۔ مکتوب ۲۸۹)۔

(۷) جب کوئی طالب کسی شیخ کے پاس آئے تو چاہئے کہ شیخ پہلے اُس کو استخارہ کا حکم دے تین استخارہ سے سات استخارہ تک تکرار کرائے۔ استخاروں کے بعد اگر طالب میں شیخ کی نسبت کوئی تردد پیدا نہ ہو تو شیخ اُس طالب کے کام کو شروع کرے۔ پہلے اُس کو طریق توبہ کی تعلیم دے۔ اور دو رکعت نماز توبہ پڑھنے کا حکم دے۔ کیونکہ بغیر توبہ کے اِس راہ میں قدم رکھنا مفید نہیں۔ لیکن چاہئے کہ توبہ کے حصول میں اجمال پر کفایت کرے۔ اور تفصیل کو بہت دنوں کے گزرنے پر چھوڑ دے۔ کیونکہ اِس زمانہ میں ہمتیں بہت کوتاہ ہیں۔ اگر پہلے توبہ کی تفصیل حاصل کرنے کی تکلیف دی جائے گی۔ تو ناچار حصول توبہ کے لئے ایک مدت درکار ہوگی۔ شاید اس مدت میں طالب کی طلب میں سستی ظاہر ہو جائے اور وہ طلب سے باز رہے۔ بلکہ توبہ کو بھی سرانجام نہ دے۔ حصول توبہ کے بعد طالب کو اُس طریق کی تعلیم دے۔ جو اُس کی استعداد کے مناسب ہو۔ اور وہ ذکر تلقین کرے جو اُس کی قابلیت کے مناسب ہو۔ اور اُس کے معاملہ میں توجہ کو کام فرمائے اور اُس کے حال پر التفات کو ملحوظ رکھے۔ اور راہ سلوک کے آداب و شرائط اُس سے بیان کرے۔ اور اُسے ترغیب دے کہ قرآن و حدیث و آثار سلف صالحین کی متابعت کرے۔ اور اُسے معلوم کرادے کہ اِس متابعت کے بغیر مطلوب تک پہنچنا محال ہے۔ فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کی آراء کے موافق اپنے عقائد کو درست کرے۔ اور تاکید کرے کہ ضروری احکام فقہ سیکھے اور اُن کے بموجب عمل کرے۔ کیونکہ اس راہ میں اعتقاد و عمل کے ان دو بازوؤں کے بغیر اُڑنا حاصل نہیں ہوتا۔ اور تاکید کرے کہ حرام و مشتبہ لقمہ میں احتیاط کی بہت رعایت کرے۔ اور یہ نہ کرے کہ جو کچھ مل جائے کھا جائے۔ اور جس جگہ سے ملے تناول نہ کرے جب تک کہ اس بارے میں شریعت غرا کا فتوے حاصل نہ کرے۔ حاصل کلام تمام امور میں آیہ کریمہ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (اور جو کچھ رسول تم کو دیں اُسے لے لو اور جس چیز سے تم کو روکیں رُک جاؤ) کو مدنظر رکھیں۔

طالبوں کا حال دو امر سے خالی نہیں۔ یا اہل کشف و معرفت سے ہیں یا اصحاب جہل و حیرت سے ہیں۔ لیکن منازل کے طے کرنے اور پردوں کے دور کرنے کے بعد دونوں گروہ واصل ہیں۔ نفس وصول میں ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں جیسا کہ دو شخص لمبی منزلیں طے کرنے کے بعد کعبہ میں

پہنچتے ہیں۔ ایک تو راستے کی منزلوں کو شوق سے دیکھتا گیا اور ہر منزل کی تفصیل کو اپنی لیاقت کے موافق سمجھتا گیا اور دوسرا راستے کی منزلوں سے آنکھ بند کرکے اور تفصیل پر مطلع نہ ہو کر کعبہ میں پہنچا۔ دونوں نفس وصول میں برابر ہیں۔ اور اس وصول میں ایک کو دوسرے پر کوئی زیادتی نہیں۔ اگرچہ منازل کی معرفت میں دونوں میں تفاوت ہے اور مطلوب پر پہنچنے کے بعد دونوں کو جہل لازم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کی ذات میں معرفت جہل اور عجز از معرفت ہے۔

جاننا چاہئے کہ منازل سلوک کے قطع کرنے سے مراد مقامات عشرہ کا طے کرنا ہے۔ اور مقامات عشرہ کا طے کرنا تجلیات ثلاثہ سے وابستہ ہے۔ یعنی تجلی افعال اور تجلی صفات اور تجلی ذات۔ اور ان مقامات میں سے سوائے مقام رضا کے سب تجلی افعال و تجلی صفات سے وابستہ ہیں۔ اور مقام رضا وابستہ ہے تجلی ذات تعالےٰ و تقدس سے اور محبت ذاتیہ سے جو محب کے نزدیک محبوب کے ایلام و انعام کی مساوات کو مستلزم ہے۔ پس ناچار رضا ثابت ہوگی اور کراہت جاتی رہے گی۔ اسی طرح ان تمام مقامات پر بحد کمال پہنچنا تجلی ذاتی کے حصول کے وقت ہے کہ جس سے فنائے اتم وابستہ ہے۔ لیکن نفس مقامات تسعہ کا حصول تجلی افعال و تجلی صفات میں ہے۔ مثلاً سالک جس وقت خدائے پاک کی قدرت کو اپنے اوپر اور تمام اشیا پر مشاہدہ کرتا ہے بے اختیار توبہ و انابت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور خائف و ہراساں ہوتا ہے اور تقویٰ کو اپنی عادت بناتا ہے۔ اور خدا کی تقدیروں میں صبر اختیار کرتا ہے اور بیطاقتی کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور جب نعمتوں کا آنا اسی کو جانتا ہے اور عطا کرنا اور روکنا اسی کی طرف سے پہچانتا ہے۔ ناچار شکر اختیار کرتا ہے اور توکل میں مضبوط قدم رکھتا ہے۔ اور جب عطوفت و مہربانی جلوہ گر ہوتی ہے۔ تو امید کے مقام میں آجاتا ہے۔ اور جب اس کی عظمت و کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور دنیاے دنی اس کی نظروں میں خوار و بے اعتبار ہو جاتی ہے۔ ناچار دنیا سے بے رغبتی حاصل ہو جاتی ہے اور فقر اختیار کرتا ہے۔ اور زہد کو اپنا طریق بناتا ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ ان مقامات کا تفصیل و ترتیب مخصوص سے حصول سالک مجذوب کے ساتھ مختص ہے۔ اور مجذوب سالک کے لئے ان مقامات کا طے کرنا بطریق اجمال ہے۔ کیونکہ اس کو عنایت ازلی نے محبت میں گرفتار کر لیا ہے کہ جس کے سبب سے وہ ان مقامات کی تفصیل میں مشغول نہیں ہو سکتا۔ اس محبت کے ضمن میں ان مقامات اور ان منازل کا خلاصہ بروجہ اتم اس کو حاصل ہے جو صاحب تفصیل کو حاصل نہیں ہوا۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدےٰ۔ (رسالہ مبدأ و معاد)

(۸) جاننا چاہئے۔ کہ پیر کے حقوق تمام حقوق والوں کے حقوق سے زیادہ ہیں۔ بلکہ پیر کے حقوق حق سبحانہ کے انعامات اور اس کے رسول علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات کے احسانات کے بعد

دوسروں کے حقوق سے نسبت نہیں رکھتے۔ بلکہ سب کے پیر حقیقی رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اگرچہ ظاہری ولادت والدین سے ہے۔ مگر ولادت معنوی پیر کے ساتھ مخصوص ہے۔ ظاہری ولادت کی زندگی چند روزہ ہے اور ولادت معنوی کی زندگی ابدی ہے۔ پیر ہے جو مرید کی نجاسات معنویہ کو اپنے قلب وروح سے صاف کرتا ہے۔ ور اُس کے معدہ کو پاک کرتا ہے۔ اُن توجہات میں جو بعضے طالبوں کی نسبت وقوع میں آتی ہیں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی باطنی نجاستوں کے پاک کرنے میں صاحب توجہ کو بھی کچھ آلودگی پہنچتی ہے اور کچھ دیر تک مکدّر رکھتی ہے۔ پیر ہے کہ جس کے وسیلے سے خدائے عزوجل تک پہنچتے ہیں جو دنیا وآخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔ پیر ہے کہ جس کے وسیلہ سے نفس امّارہ جو بذات خود خبیث ہے پاک ہو جاتا ہے اور امّارگی سے اطمینان تک پہنچتا ہے۔ اور کفر ذاتی سے اسلام حقیقی میں آجاتا ہے۔ مصرعہ۔ گر بگویم شرح ایں بیحد شود۔ پس اپنی سعادت کو پیر کے قبول کرنے میں جاننا چاہئے اور اپنی بدبختی کو پیر کے ردّ کرنے میں۔ العیاذ باللہ۔ حق سبحانہ کی رضا کو پیر کی رضا کے پردے کے پیچھے رکھا ہے۔ جب تک مرید اپنے تئیں اپنے پیر کی پسندیدہ چیزوں میں گم نہ کرے حق سبحانہ کی مرضیات میں نہیں پہنچتا۔ مرید کی آفت پیر کی ایذا میں ہے۔ اِس کے سوا جو لغزش ہو اُس کا علاج ممکن ہے لیکن ایذائے پیر کا علاج کسی چیز سے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مرید کے لئے آزار پیر بدبختی کی جڑ ہے۔ العیاذ باللہ۔ اعتقادات اسلامیہ میں خلل اور احکام شرعیہ کی بجاآوری میں سستی آزار پیر کے نتائج وثمرات میں سے ہے۔ احوال ومواجید کہ جن کا تعلق باطن سے ہے اُن میں جس قدر خلل اور سستی واقع ہوتی ہے اُسے کیا ذکر کروں۔ اگر باوجود آزار پیر کے احوال میں کچھ اثر باقی رہے تو اُسے استدراج سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ انجام خراب ہوگا۔ اور سوائے ضرر کے اور نتیجہ نہ ہوگا۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ[۴]

(۹) جان لے کہ اس راستے کے سالک دو حال سے خالی نہیں۔ مرید ہیں یا مراد۔ اگر مراد ہیں۔ تو خوبی ہے ان کے لئے کشش ومحبت کے طریق سے ان کو کھینچ کھینچ کر لے جائیں گے اور اعلیٰ مطلب تک پہنچا دیں گے۔ اور جو ادب کہ درکار ہوگا۔ بوساطت یا بلاوساطت ان کو سکھا دیا جائے گا۔ اگر کوئی لغزش واقع ہوگی۔ تو ان کو آگاہ کر دیں گے اور اُس پر گرفت نہ کریں گے۔ اور اگر پیر ظاہر کی حاجت ہوگی۔ تو ان کی کوشش کے بغیر اُس دولت کی طرف رہنمائی کریں گے۔ حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالےٰ جل شانہ کی عنایت ازلی ان بزرگواروں کے حال کی کفیل ہے۔ بذریعہ سبب یا بے سبب ان کے کام کو پورا کر دیں گے۔ "اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جسے چاہتا ہے"۔ اور اگر مرید ہیں۔ تو ان کا کام بغیر واسطہ پیر کامل مکمل کے دشوار ہے۔ اُن کے لئے ایسا پیر چاہئے۔ جو جذبہ وسلوک کی دولت سے مشرف ہوا ہو۔ اور فنا وبقا کی سعادت سے بہرہ ور ہو۔ اور سیر الی اللہ۔ سیر فی اللہ۔ سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیا

۴ (رسالہ مبدأ ومعاد)

باللہ کو تمام کیا ہو۔ اور اگر اُس کا جذبہ اُس کے سلوک پر مقدم ہو اور مرادوں کی تربیت سے پرورش پائی ہو۔ تو کبریت احمر یعنی اکسیر ہے۔ اُس کا کلام دوا اور اُس کی نظر شفا ہے۔ مردہ دل اُس کی توجہ شریف سے اور پژمردہ جانوں کی تازگی اُس کی التفات لطیف سے وابستہ ہے۔ اگر اس طرح کا صاحب دولت پیرنہ ملے۔ تو سالک مجذوب بھی غنیمت ہے۔ ناقصوں کی تربیت اِس سے بھی ہوتی ہے اور اس کی وساطت سے فناء بقا کی دولت کو پہنچ جاتے ہیں۔ ؎

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود　　　ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

اور اگر خدا جل شانہ کی عنایت سے کسی طالب کو اِس طرح کے پیر کامل کی طرف رہنمائی کردیں۔ تو چاہئے کہ اس کے وجود شریف کو غنیمت سمجھے اور اپنے تئیں بالکلیہ اُس کے حوالہ کرے۔ اور اپنی سعادت کو اُس کی مرضیات میں جانے اور اپنی بدبختی کو اُس کی مرضیات کے خلاف میں سمجھے۔ حاصل کلام یہ کہ اپنی نفسانی خواہش کو اُس کی رضا کے تابع کرے۔ حدیث نبوی علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات میں ہے کہ تم میں سے کوئی ایمان نہیں لاتا یہاں تک کہ اُس کی نفسانی خواہش میرے دین وشریعت کے تابع ہو۔ اور جان لے کہ آداب صحبت کی رعایت اِس راہ کی ضروریات سے ہے تاکہ فائدہ اُٹھانے اور فائدہ پہنچنے کا راستہ کھل جائے۔ اور بغیر ان کے صحبت کا کوئی نتیجہ نہیں اور نہ مجلس کا کوئی ثمرہ ہے۔ آداب وشرائط سے بعضے بیان کئے جاتے ہیں۔ گوش ہوش سے سننے چاہئے۔

جان لے کہ طالب کو چاہئے کہ اپنے دل کی توجہ تمام طرفوں سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف کرلے۔ اور باوجود پیر کے اُس کی اجازت کے بغیر نوافل واذکار میں مشغول نہ ہووے۔ اور اُس کے حضور میں سوائے نماز فرض وسنت کے نہ پڑھے۔ سلطان وقت کی نسبت نقل کرتے ہیں۔ کہ اُس کا وزیر اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ اتفاقاً اس اثنا میں اُس کی نظر اپنے جامہ پر پڑی اور وہ اپنے ہاتھ سے اُس کا بند درست کرنے لگا۔ اِسی حال میں سلطان کی نظر اُس وزیر پر پڑی اور دیکھا کہ غیر کی طرف متوجہ ہے۔ زبان عتاب سے فرمایا۔ کہ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ تو میرا وزیر ہو اور میرے سامنے جامہ کے بند کی طرف توجہ کرے۔ سوچنا چاہئے کہ جب ناچیز دنیا کے وسائل کے لئے آداب دقیقہ ضروری ہیں۔ تو وصول الی اللہ کے وسائل کے لئے ان آداب کی رعایت بروجہ اتم واکمل لازم ہے۔ اور جہانتک ہوسکے مرید ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اُس کا سایہ پیر کے کپڑے یا پیر کے سایہ پر پڑے۔ اور پیر کے مصلا پر پاؤں نہ رکھے اور اُس کے وضو کی جگہ میں وضو نہ کرے۔ اور اُس کے برتنوں کو استعمال نہ کرے۔ اور اُس کے سامنے پانی نہ پئے اور کھانا نہ کھائے۔ اور کسی کے ساتھ بات نہ کرے۔ بلکہ کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے۔ اور پیر کی غیر حاضری میں

جس طرف کہ وہ ہو اُس طرف پاؤں دراز نہ کرے۔ اور لعاب دہن اُس جگہ نہ پھینکے۔ اور جو کچھ پیر سے صادر ہوا سے درست سمجھے خواہ ظاہر میں درست معلوم نہ دے۔ پیر جو کچھ کرتا ہے۔ الہام سے کرتا ہے اور باذن الٰہی کرتا ہے۔ اس صورت میں اعتراض کی گنجایش نہیں۔ اگر بعض صورتوں میں اُس کے الہام میں خطا واقع ہو جائے۔ تو یہ الہامی خطا مثل خطا اجتہادی کے ہے۔ اس پر ملامت و اعتراض کرنا جائز نہیں۔ اور نیز چونکہ مرید کو پیر سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ محب کی نظر میں محبوب سے جو کچھ صادر ہوتا ہے محبوب معلوم ہوتا ہے۔ پس اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اور کلی و جزئی امور کھانے پینے اور سونے اور طاعت کرنے میں پیر کی پیروی کرے۔ پیر کی طرز پر نماز کو ادا کرنا چاہئے۔ اور فقہ کو اُس کے عمل سے سیکھنا چاہئے۔ ؎

آنزا کہ در سرا ئے نگاریست فارغ است ازباغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

اور پیر کی حرکات و سکنات میں کسی اعتراض کو دخل نہ دے۔ خواہ وہ اعتراض رائی کے دانے کی مقدار ہو۔ کیونکہ اعتراض کا نتیجہ سوائے محرومی کے نہیں ہے۔ اور تمام مخلوقات میں سب سے بدبخت اس طائفہ عالیہ کا عیب بین ہے۔ حق سبحانہ ہم کو اس بڑی بلا سے نجات دے۔ اور اپنے پیر سے خوارق و کرامات طلب نہ کرے اگرچہ وہ طلب بطریق خطرہ و وسوسہ دل میں آئے۔ کیا تو نے کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہو۔ کفار و منکر ہی معجزے کے طالب ہوا کرتے ہیں۔ ؎

معجزات از بہر قہر دشمن است بوئے جنسیت پئے دل بردن است

موجب ایماں نباشد معجزات بوئے جنسیت کند جذب صفات

اگر دل میں شبہ پیدا ہو۔ تو بغیر توقف کے عرض کرے۔ اگر حل نہ ہو۔ تو اپنا قصور سمجھے اور کوئی نقصان پیر کی طرف عاید نہ کرے۔ اور جو واقعہ پیش آئے۔ پیر سے پوشیدہ نہ رکھے۔ اور واقعات کی تعبیر اسی سے طلب کرے۔ اور جو تعبیر کہ طالب پر ظاہر ہو اُسے بھی عرض کر دے اور صواب و خطا کو اُس سے دریافت کرے۔ اور اپنے مکاشفات پر ہرگز اعتماد نہ کرے۔ کیونکہ اس دنیا میں حق و باطل اور صواب و خطا ملے جلے ہیں۔ اور بغیر ضرورت اور اذن کے پیر سے جدا نہ ہووے۔ کیونکہ غیر کو اس پر اختیار کرنا ارادت کے خلاف ہے۔ اور اپنی آواز کو اُس کی آواز پر بلند نہ کرے۔ اور بلند آواز سے اُس سے بات نہ کرے۔ کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔ اور جو فیوض و فتوحات حاصل ہوں۔ اُن کو پیر کی وساطت سے تصور کرے۔ اور اگر واقعہ میں دیکھے کہ کوئی فیض دوسرے مشائخ سے پہنچا ہے۔ تو اُس کو بھی پیر ہی سے سمجھے۔ اور جانے کہ چونکہ پیر کمالات و فیوض کا جامع ہے۔ وہ خاص فیض پیر سے مرید کی خاص استعداد کے مناسب

مشائخ میں سے ایک شیخ کے کمال کے موافق کہ جس سے ظاہراً افاضہ ظہور میں آیا ہے مرید کو پہنچا ہے اور پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ جو اُس فیض سے مناسبت رکھتا ہے اُس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ لیکن مرید نے بسبب ابتلاء کے اُس لطیفہ کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض کو اُس کی طرف سے سمجھا ہے۔ یہ بڑی غلطی کھانے کی جگہ ہے۔ حق سبحانہ قدم کی لغزش سے بچائے اور پیر کے اعتقاد و محبت پر قائم رکھے بحرمت سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیماتُ۔ حاصل کلام الطریق کلہ ادب مثل مشہور ہے۔ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچتا۔ اور اگر مرید آداب میں سے بعض کی رعایت میں اپنے تئیں کوتاہ جانے اور اُسے کما حقہ ادا نہ کرے۔ اگر کوشش سے بھی اُسے پورا نہ کر سکے۔ تو معاف ہے لیکن کوتاہی کا اقرار ضروری ہے۔ اگر پناہ بخدا آداب کی رعایت نہ کرے اور اپنے تئیں کوتاہ بھی نہ جانے۔ تو ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم ہے۔ ؎

ہر کرا روے بہ بہبود نبود ۔۔۔ دیدن روے نبی سود نبود

ہاں وہ مرید جو کہ پیر کی توجہ کی برکت سے فنا و بقا کے مرتبہ پر پہنچ جائے اور الہام کا راستہ اور فراست کا طریق اُس پر ظاہر ہو جائے اور پیر اُس کو تسلیم کرے اور اس کے کمال کی گواہی دے۔ اُس مرید کے لئے جائز ہے کہ بعضے الہامی امور میں پیر کے خلاف کرے۔ اور اپنے الہام کے موافق عمل کرے اگرچہ پیر کے نزدیک اُس الہام کا خلاف ثابت ہو۔ کیونکہ اُس وقت وہ مرید تقلید کے حلقہ سے نکل گیا ہے۔ اور تقلید اس کے حق میں خطا ہے۔

جان لے کہ مشائخ کا قول ہے۔ کہ پیر زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ زندہ کرنا اور مارنا مقام شیخی کے لوازم سے ہے۔ زندہ کرنے سے مراد روح کا زندہ کرنا ہے نہ کہ جسم کا۔ اسی طرح مارنے سے مراد روح کا مارنا ہے نہ کہ جسم کا۔ اور حیات و موت سے مراد فنا و بقا ہے جو مقام ولایت و کمال پر پہنچا دیتی ہے۔ شیخ مقتدا باذن الٰہی ان دو باتوں کا کفیل ہے۔ پس شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بقا و فنا کے مرتبہ پر پہنچاتا ہے۔ جسم کے زندہ کرنے اور مارنے کو منصب شیخی سے کچھ سروکار نہیں۔ (جلد اول۔ مکتوب ۲۹۲)۔

(۱۰) مولانا حاجی محمد نے ظاہر کیا تھا۔ کہ قریباً دو مہینے ہوئے کہ اشتغال میں سستی ہو گئی ہے۔ اور وہ ذوق اور حلاوت جو پہلے تھی نہیں رہی۔ یارا! غم نہیں اگر دو چیزوں میں خرابی نہ ہوئی ہو۔ ان دو چیزوں میں سے ایک صاحب شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی متابعت ہے۔ دوسرے اپنے شیخ کی محبت اور اخلاص۔ ان دو چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزار ہا تاریکیاں اور تیرگیاں طاری

ہو جائیں تو کچھ خوف نہیں آخر اُس کو ضائع نہ چھوڑا جائے گا۔ اگر العیاذ باللہ ان دو میں سے ایک میں نقصان آ گیا۔ تو خرابی پر خرابی ہے۔ اگرچہ حضور و جمعیت حاصل ہو۔ کیونکہ یہ استدراج ہے۔ کہ جس کا انجام خراب ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ سے تضرع و زاری کے ساتھ ان دو چیزوں کا ثبات طلب کریں اور ان دونوں پر استقامت کی دعا کریں۔ کیونکہ یہی دونوں کار دین کا مدار اور نجات اُخروی کا مدار ہیں۔" (مکتوبات جلد ثانی۔ مکتوب ۳۰)۔

(۱۱) جاننا چاہیئے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے جس طرح کہ ہو سکے۔ نہ یہ کہ ذکر کلمہ نفی واثبات کے تکرار یا اسم ذات کے تکرار میں منحصر ہے۔ جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے پس اوامر شرعیہ کی بجا آوری اور نواہی شرعیہ سے باز رہنا سب ذکر میں داخل ہے۔ خرید و فروخت حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ اسی طرح نکاح و طلاق اُسی رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ کیونکہ رعایت مذکورہ کے ساتھ ان کاموں کے کرنے کے وقت امر کرنے والا اور منع کرنے والا (اللہ جل شانہ) اِن کے کرنے والے کے مدنظر ہوتا ہے۔ پس غفلت کی گنجائش نہیں۔ لیکن وہ ذکر جو مذکور (یعنی حق سبحانہ) کے اسم و صفت کے ساتھ واقع ہو جلدی اثر کرنے والا اور مذکور کی محبت بخشنے والا اور مذکور تک جلدی پہنچانے والا ہے بخلاف اُس ذکر کے جو اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے باز رہنے کے ساتھ واقع ہو۔ وہ ان اوصاف سے چنداں بہرہ ور نہیں اگرچہ بعضے افراد میں کہ جن کا ذکر اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے باز رہنے کے ساتھ ہوتا ہے یاد داشت کمی کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت مولانا تابیادی قدس سرہ علم کی راہ سے خدا تعالیٰ تک پہنچے ہیں۔ اور نیز وہ ذکر جو اسم اور صفت کے ساتھ واقع ہو وسیلہ ہے اُس ذکر کا جو حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حاصل ہو۔ کیونکہ سب کاموں میں احکام شرعیہ کی رعایت کرنی ناصب شرع کی کامل محبت کے بغیر میسر نہیں۔ اور یہ کامل محبت اللہ تعالیٰ کے اسم و صفات کے ذکر سے وابستہ ہے۔ لیکن پہلے وہ ذکر چاہیئے تاکہ اِس ذکر کی دولت سے مشرف ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایت کا معاملہ تو اور ہی ہے۔ وہاں نہ کوئی شرط ہے اور نہ کوئی وسیلہ۔ اللہ اپنی طرف چُن لیتا ہے جسے چاہتا ہے۔" (جلد ثانی۔ مکتوب ۴۶)۔

(۱۲) نور محمد انبالوی کو تحریر فرماتے ہیں۔ کہ آپ نے جو دریافت کیا ہے۔ کہ اگر کوئی طالب اپنے پیر کی زندگی میں دوسرے شیخ کے پاس جائے اور طلب خدا کرے۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں۔ سو معلوم رہے کہ مقصود حق سبحانہ ہے اور پیر وصول الی اللہ کا وسیلہ ہے۔ اگر طالب اپنا رُشد دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اُس کی صحبت میں خدا تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے۔ تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں

بغیر اجازت کے اُس شیخ کے پاس جائے اور اُس سے طلب رُشد کرے۔ لیکن اُسے چاہئے کہ پہلے پیر سے انکار نہ کرے اور اُسے بجز نیکی یاد نہ کرے۔ خصوصاً آج کل کی پیری مریدی جو صرف رسم وعادت رہ گئی ہے۔ اگر اس وقت کے پیر جو اپنے آپ سے بے خبر ہیں اور ایمان وکفر میں تمیز نہیں کر سکتے۔ وہ خدا جل شانہ کی کیا خبر دیں گے اور مرید کو کونسا راہ دکھائیں گے۔ ؎

آنکہ از خویشتن چو نیست جنیں   کے خبر دارد از چناں و چنیں

افسوس اُس مرید پر ہے جو اس طرح کے پیر پر اعتقاد کرکے بیٹھ رہے اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور خدا جل شانہ کا رستہ معلوم نہ کرے یہ خطرات شیطانی ہیں جو پیر ناقص کی حیات کے سبب سے طالب کو حق سبحانہ سے روکتے ہیں۔ اُسے چاہئے کہ جس جگہ رُشد وجمعیت دل پائے۔ بغیر توقف کے رجوع کرے۔ اور وساوس شیطانی سے پناہ ڈھونڈے۔ (جلد ثانی۔ مکتوب ۱۹۳)۔

(۱۳) جب خوارق کا ظاہر ہونا ولایت میں شرط نہیں۔ ولی اور غیر ولی میں امتیاز کس طرح ہوگا۔ اور محق مبطل سے کس طرح جدا ہوگا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ گو تمیز نہ ہوا ور گو حق بجانب اور مبطل ملا جلا رہے۔ حق وباطل کا ملا جلا رہنا اس دنیا میں لازم ہے۔ اور ولی کی ولایت کا علم کچھ ضروری نہیں۔ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ اُن کو خود اپنی ولایت کا علم نہیں۔ پس دوسرے کو ان کی ولایت کا علم کس طرح ضروری ہو سکتا ہے۔ نبی میں خوارق کا ظہور ضروری ہے تاکہ نبی اور غیر نبی میں امتیاز ہو جائے۔ کیونکہ نبی کی نبوت کا علم واجب ہے۔ اور ولی چونکہ لوگوں کو اپنے نبی کی شریعت کی دعوت دیتا ہے۔ نبی کا معجزہ اُس کے لئے کافی ہے۔ اگر ولی اپنے نبی کی شریعت کے سوا کی دعوت دیتا۔ تو اُس کے لئے خارق کا ہونا ضروری تھا۔ چونکہ اُس کی دعوت اپنے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے خارق کی کچھ ضرورت نہیں۔ علماء ظاہر شریعت کی دعوت دیتے ہیں اور اولیاء ظاہر شریعت کی دعوت دیتے ہیں اور باطن شریعت کی بھی۔ وہ پہلے مریدوں اور طالبان خدا کو توبہ وانابت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اور احکام شریعت کی بجا آوری کی ترغیب دیتے ہیں۔ پھر ذکر حق سبحانہ کی راہ دکھاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ اپنے تمام اوقات کو ذکر حق سبحانہ سے ایسا معمور رکھے کہ ذکر غلبہ پائے اور مذکور کے سوا کسی چیز کو دل میں نہ رہنے دے یہانتک کہ مذکور کے سوا تمام سے ایسی فراموشی حاصل ہو جائے۔ کہ اگر تکلف سے اشیا کو یاد کرے۔ تو یاد نہ آئیں۔ یقینی امر ہے کہ ولی کے لئے اس دعوت کے واسطے کہ جس کا تعلق ظاہر شریعت اور باطن شریعت سے ہے خوارق کی ضرورت نہیں۔ پیری ومریدی سے مراد یہی دعوت ہے جو خارق سے سروکار اور کرامت سے تعلق نہیں رکھتی۔ باوجود اس کے ہم کہتے ہیں۔ کہ مرید رشید اور طالب مستعد سلوک کے طریق میں

ہر گھڑی اپنے پیر کے خوارق و کرامات کا احساس کرتا ہے اور معاملہ غیبی میں ہر وقت اُس سے مدد مانگتا اور پاتا ہے۔ اور دوسروں کے لئے ظہور خوارق ضروری نہیں۔ مگر مریدوں کے لئے خوارق پر خوارق اور کرامات پر کرامات ہیں۔ مرید اپنے پیر کے خوارق کا احساس کس طرح نہ کرے کہ پیر نے مرید کے مردہ دل کو زندہ کیا ہے اور مشاہدہ و مکاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک ایک مردہ جسم کا زندہ کرنا بڑی بات ہے۔ اور خواص کے نزدیک قلب و روح کا زندہ کرنا بڑی قاطع دلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ رسالہ قدسیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ مردہ جسم کا زندہ کرنا اکثر لوگوں کے نزدیک بڑا اچھا کام سمجھا جاتا تھا۔ اہل اللہ ایسے زندہ کرنے سے منہ پھیر کر روح کے زندہ کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں اور طالب کے مردہ دل کو زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ حقیقت میں مردہ جسم کا زندہ کرنا قلب کے زندہ کرنے کے مقابلے میں اُس چیز کی مثل ہے جو راستے میں پھینک دی گئی ہو۔ کیونکہ جسم کا زندہ کرنا چند روزہ زندگی کا سبب ہے۔ اور قلب کا زندہ کرنا ہمیشہ کی زندگی کا وسیلہ ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ اہل اللہ کا وجود حقیقت میں کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔ اور لوگوں کو حق سبحانہ کی طرف اُن کی دعوت حق تعالےٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔ اور مردہ دلوں کا زندہ کرنا بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اہل اللہ زمین والوں کے لئے امان اور زمانہ کے لئے غنیمت ہیں۔ ان کی شان میں ہے کہ "اُن کے طفیل سے لوگوں کے لئے بارش ہوتی ہے اور ان ہی کے طفیل سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔" ان کا کلام دوا ہے۔ اور ان کا دیدار شفا ہے۔ "وہ اللہ کے ہمنشین ہیں اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہمنشین بدبخت نہیں رہتا اور ان کا محب زیاں کار نہیں ہوتا۔" وہ علامت کہ جس سے اس گروہ کا محق مبطل سے ممتاز ہو جائے یہ ہے کہ اگر ایسا شخص ہو جو شریعت پر ثابت قدم ہو اور اُس کی صحبت میں دل کو حق سبحانہ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہوتی ہو اور ماسوائے حق سے بے توجہی مفہوم ہوتی ہو۔ وہ شخص حق بجانب ہے۔ اور حسب تفاوت درجات اولیاء کے شمار میں ہے۔ یہ علامت امتیاز بھی مناسبت والوں کے لئے ہے۔ جو شخص محض بے مناسبت ہو۔ وہ بالکل محروم ہے۔ ؎

ہر کہ او روئے بہ بہبود نداشت   دیدن روئے نبی سود نداشت   (جلد ثانی مکتوب ۹۲)۔

(۱۴) شریعت میں جس طرح کفر و اسلام ہے۔ طریقت میں بھی کفر و اسلام ثابت ہے۔ اور جس طرح شریعت میں کفر شرارت اور نقص ہے اور اسلام کمال ہے۔ طریقت میں بھی کفر طریقت نقص ہے۔ اور اسلام طریقت کمال ہے۔ کفر طریقت سے مراد مقام جمع ہے جو پوشیدہ رہنے کا محل ہے۔ اِس مقام میں حق و باطل میں تمیز مفقود ہے۔ کیونکہ اس مقام میں سالک کا مشہود اچھے اور بُرے آئینوں میں محبوب کی

وحدت کا جمال ہے پس وہ خیر و شر اور کمال و نقص کو اُس وحدت کے مظاہر و ظلال کے سوا نہیں پاتا۔ اس لئے انکار کی نظر جو تمیز سے پیدا ہوتی ہے اُس کے حق میں معدوم ہے۔ ناچار وہ سب سے مقام صلح میں ہے اور سب کو راہ راست پر پاتا ہے۔ اور اس آیہ کریمہ کو گاتا ہے۔ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورۂ ھود)۔ اور کبھی مظہر کو ظاہر کا عین سمجھ کر مخلوق کو خالق کا عین خیال کرتا ہے اور مربوب کو رب کا عین جانتا ہے۔ یہ سب پھول ہیں جو مرتبہ جمع کے سبب سے کھلتے ہیں۔ منصور اسی مقام میں فرماتے ہیں ؎

کفرت بدین الله والکفر واجب	میں کافر ہوگیا اللہ کے دین سے اور کفر واجب ہے۔
لدیّ وعند المسلمین قبیح	میرے نزدیک اور مسلمانوں کے نزدیک بُرا ہے۔

یہ کفر طریقت کفر شریعت سے پوری مناسبت رکھتا ہے۔ اگرچہ کافر شریعت مردود اور عذاب کا مستحق ہے۔ اور کافر طریقت مقبول اور درجات کا مستحق ہے۔ کیونکہ یہ کفر اور پردہ میں پوشیدہ ہونا محبوب حقیقی کی محبت کے غلبہ سے پیدا ہوا ہے اور محبوب کے سوا سب کو فراموش کر دیا ہے۔ اِس لئے مقبول ہے۔ اور وہ کفر نادانی اور سرکشی کے غلبہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے مردود ہے۔ اور اسلام طریقت سے مراد مقام فرق ہے بعد جمع کے۔ جو محل تمیز ہے۔ اور یہاں حق باطل سے اور نیکی برائی سے متمیز ہے۔ اِس اسلام طریقت کو اسلام شریعت سے پوری مناسبت ہے۔ بلکہ جب اسلام شریعت کمال کو پہنچتا ہے۔ تو اِس اسلام کے ساتھ اتحاد پیدا کرتا ہے بلکہ دونوں اسلام اسلام شریعت ہیں۔ ان میں فرق ظاہر شریعت و باطن شریعت اور صورت شریعت و حقیقت شریعت کا ہے۔ کفر طریقت کا مرتبہ اسلام صورت شریعت سے اونچا ہے اگرچہ اسلام حقیقت شریعت سے پست و کمتر ہے۔ ؎

آسماں نسبت بعرش آمد فرود　　ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے جس بزرگ نے شطحیات زبان سے نکالی ہیں اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کہی ہیں وہ سب کفر طریقت کے مقام میں ہوا ہے۔ جو مستی و بے تمیزی کا مقام ہے۔ جو بزرگ کہ اسلام حقیقت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں وہ اِس قسم کی باتوں سے پاک و بری ہیں۔ اور ظاہر و باطن میں پیغمبروں کا اقتدا کرتے ہیں اور ان کے تابع ہیں علیہم الصلوات والتسلیمات پس جو شخص شطحیات بولتا ہے اور سب سے مقام صلح میں ہے اور سب کو راہ راست پر سمجھتا ہے اور خالق و مخلوق میں تمیز ثابت نہیں کرتا اور دوئی کے وجود کا قائل نہیں۔ اگر ایسا شخص مقام جمع میں پہنچا ہوا ہے اور کفر طریقت سے متصف ہوگیا ہے اور ماسوا کو بھول گیا ہے۔ تو مقبول ہے اور اُس کی باتیں مستی سے پیدا ہوئی ہیں

اور ظاہر معنی سے مصروف ہیں۔ اور اگر اس حال کے حاصل ہونے کے بغیر اور درجہ اولے پر پہنچنے کے بغیر ایسی شطحیات زبان پر لاتا ہے اور سب کو حق پر اور راہ راست پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا۔ تو وہ بے دین وملحدوں سے ہے۔ جس کا مقصود شریعت کا ابطال ہے اور اس کا مطلوب دعوت انبیاء کا اُٹھا دینا ہے جو جہانوں کے لئے رحمت ہے علیہم الصلوات والتحیات۔ پس یہ کلمات محق سے بھی صادر ہوتے ہیں اور مبطل سے بھی۔ محق کے لئے آبحیات ہیں اور مبطل کے لئے زہر قاتل۔ مثل آب نیل کے جو بنی اسرائیل کے لئے خوشگوار اور قبطی کے لئے خون ناگوار تھا۔ یہ قدموں کے لغزش کی جگہ ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کثیرہ اکابر ارباب سکر کی باتوں کی تقلید سے سیدھے راستے سے منحرف ہو کر گمراہی اور ریاں کاری کے کوچوں کے پیچھے گری ہوئی ہے اور اپنے دین کو برباد کرتی ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ ایسی باتوں کا قبول کرنا شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ جو ارباب سکر میں موجود اور ان میں مفقود ہیں۔ ان شرطوں میں سے بڑی شرط ما سوائے حق سبحانہ کی فراموشی ہے جو اس قبول کی دہلیز ہے۔ اور محق ومبطل میں امتیاز کی علامت شریعت پر استقامت اور عدم استقامت ہے۔ جو محق ہے وہ باوجود مستی اور بے تمیزی کے بال برابر خلاف شریعت کا مرتکب نہ ہوگا۔ منصور باوجود انا الحق کہنے کے ہر رات قید خانہ میں بھاری زنجیر کے ساتھ پانسو رکعت نماز ادا کرتا تھا۔ اور ظالموں کے ہاتھ سے جو کھانا اُسے ملتا تھا اگرچہ وجہ حلال سے تھا۔ مگر وہ نہ کھاتا تھا۔ اور جو شخص مبطل ہے۔ احکام شرعیہ کی بجاآوری اس پر کوہ قاف کی طرح گراں ہے آیہ کریمہ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ (دشوار ہے مشرکوں پر وہ کہ جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے) ان کے حال پر صادق آتی ہے۔ ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ (جلد ثانی۔ مکتوب ۹۵)۔

(۱۵) بنام ملا بدر الدین در تحقیق عالم ارواح وعالم مثال وعالم اجساد۔ الحمد للہ والسلام علےٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ آپ نے لکھا تھا کہ بدن سے تعلق سے پہلے روح عالم مثال میں تھی۔ بدن سے جدائی کے بعد پھر عالم مثال میں چلی جائے گی۔ پس عذاب قبر عالم مثال میں ہوگا مثل اُس درد والم کے جو خواب میں عالم مثال میں محسوس کرتے ہیں۔ اور آپ نے لکھا تھا کہ اس بات کی بہت سی شاخیں ہیں۔ اگر جناب قبول کریں۔ تو بہت سے فروع اس بات پر متفرع کروں گا۔ آپ کو معلوم رہے کہ اس قسم کے خیالات صدق و راستی سے بعید ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو غیر معروف راستے کی طرف لے جائیں۔ اس لئے باوجود موانع کے یہ چند کلمے بضرورت اِس مبحث کی تحقیق میں لکھے گئے۔ واللہ سبحانہ الہادی الے سبیل الرشاد۔ بھائی جان! صوفیہ کرام نے عالم ممکنات کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ عالم ارواح وعالم مثال

وعالم اجساد۔ اور عالم مثال کو عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان برزخ کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ عالم مثال ان دو عالموں کے معانی وحقائق کے لئے مثل آئینہ کے ہے۔ اجساد وارواح کے معانی وحقائق عالم مثال میں عجیب صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ کیونکہ عالم مثال میں ہر معنی وحقیقت کے مناسب اور شکل وہیئت ہوتی ہے۔ وہ عالم بذات خود صورتوں اور شکلوں کا متضمن نہیں۔ بلکہ صورتیں اور شکلیں اس میں دوسرے عالموں سے منعکس ہو کر ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ مثل آئینہ کے ہے جو بذات خود کسی صورت کا متضمن نہیں۔ اگر اس میں صورت موجود ہے۔ تو وہ خارج سے آئی ہے۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی تو جان لیجئے کہ روح بدن کے ساتھ تعلق سے پہلے اپنے عالم میں رہتی ہے جو عالم مثال سے اوپر ہے۔ اور بدن کے ساتھ تعلق کے بعد اگر عالم اجساد میں نازل ہوئی ہے تو علاقہ حب کے ساتھ اتر آئی ہے۔ تعلق سے پہلے اور پیچھے اس کو عالم مثال سے سروکار نہیں۔ ہاں اتنا ہے کہ بعض اوقات اللہ سبحانہ کی توفیق سے اپنے بعض حالات کو اس عالم کے آئینہ میں دیکھتی ہے اور حالات کی خوبی وبرائی کو وہاں سے معلوم کرتی ہے۔ چنانچہ مکاشفات اور خوابوں میں یہ بات واضح اور ظاہر ہے۔ اور بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ سالک حس سے غائب ہونے کے بغیر یہ بات محسوس کرتا ہے۔ اور بدن سے جدائی کے بعد اگر روح علوی ہے۔ تو فوق کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور اگر سفلی ہے۔ تو سفل میں مبتلا ہے۔ مگر عالم مثال سے کچھ سروکار نہیں رکھتی۔ عالم مثال دیکھنے کے واسطے ہے۔ رہنے کے واسطے نہیں۔ رہنے کی جگہ عالم ارواح ہے یا عالم اجساد۔ اور عالم مثال ان دونوں عالموں کا صرف آئینہ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور جو تکلیف کہ خواب میں عالم مثال میں محسوس ہوتی ہے وہ اس تکلیف کی صورت وشکل ہے کہ دیکھنے والا اس کا مستحق ہوا ہے اور اس کی آگاہی کے لئے یہ بات اس پر ظاہر کر دی گئی ہے۔ قبر کا عذاب اس قسم کا نہیں۔ کیونکہ یہ تو حقیقت عذاب ہے نہ کہ صورت وشکل عذاب۔ اور نیز وہ تکلیف جو خواب میں محسوس ہوتی ہے اگر بالفرض کچھ حقیقت بھی رکھتی ہو۔ تو وہ دنیا کی تکلیفوں کی قسم سے ہوگی۔ اور عذاب قبر عذاب اخروی کی قسم سے ہے۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ کیونکہ دنیوی عذاب آخرت کے عذاب کی نسبت (خدا پاک ہم کو پناہ دے) کچھ قدر واعتبار نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ اگر دوزخ کی آگ کی چنگاری دنیا میں گر پڑے تو سب بالکل جلا دے اور ناچیز کر دے۔ عذاب قبر کو مثل خواب کے جاننا صورت عذاب وحقیقت عذاب سے بے علمی کے سبب سے ہے۔ اور نیز اس شبہ کا باعث یہ وہم کرنا ہے کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت ایک ہی جنس سے ہیں۔ اور یہ صاف باطل ہے۔

(جلد ثالث۔ مکتوب ۳۱)

حضرت شیخ کے مقامات و معارف پر اعتراضات

مخفی نہ رہے۔ کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض معارف پر لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں۔ خود حضرت نے ان کے کافی و وافی جوابات تحریر فرمائے ہیں۔ اور حضرت کے خلیفہ شیخ بدر الدین سرہندی نے بھی حضرات القدس میں چند شبہات کو بیان کر کے ان کے مفصل جوابات لکھے ہیں۔ جن کے ایراد کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ حضرت میرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معارف کتاب و سنت کے موافق ہیں۔ جن مقامات پر معترضین نے اعتراضات کئے ہیں۔ خود حضرت نے ان کے جوابات تحریر فرمائے ہیں۔ وہ اہل انصاف کے نزدیک کافی ہیں۔ بہت سے کلمات جن پر ارباب ظاہر نے اعتراض کئے ہیں اولیائے کرام سے صادر ہوئے ہیں۔ اور وہ بغیر تاویل کے درست نہیں۔ پس جو تاویل (یعنی غلبۂ احوال یا معانی مقصودہ کے ساتھ الفاظ کی عدم مساعدت یا امر آخر ان کے اظہار کا) کہ ان کلمات میں کی جاتی ہے وہ حضرت کے کلام میں بھی جاری ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اوائل حال میں حضرت کے بعض معارف پر اعتراض لکھے ہیں مگر آخر میں اُن سے رجوع کیا۔ اور خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ خواجہ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہما کی خدمت میں یوں تحریر فرمایا۔

"ان دنوں میں میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی نسبت فقیر کی صفائی حد سے متجاوز ہے۔ اور بشریت و طبیعت کا پردہ بالکل درمیان نہیں رہا ہے۔ رعایت طریقہ و انصاف اور حکم عقل یہ ہے کہ ایسے بزرگوں سے بگاڑنی نہ چاہئے۔ قطع نظر اس سے میرے باطن میں بطریق ذوق و وجدان و غلبہ ایسی بات آئی ہے کہ زبان اس کے بیان سے گنگ ہے۔ پاک ہے اللہ جو دلوں کو پھیرنے والا اور حالات کو بدلنے والا ہے۔ شاید ظاہر بین لوگ بعید سمجھیں۔ میں نہیں جانتا کہ حال کیا ہے اور کس طرح پر ہے"۔

بادشاہ سے آپ کو تکلیف کا پہنچنا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کو انبیائے کرام علیہم السلام کی کمال متابعت حاصل ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں معتکف تھے۔ اور حضور سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ نے محصب میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔

حضرت مجدد کے مخلصوں نے اعتراضات و شبہات کی تردید میں رسالے لکھے ہیں۔ اور رد شبہات میں سب سے اچھا رسالہ میرزا محمد بیگ بدخشی کا ہے جو آپ نے مکہ شریف میں تحریر فرمایا۔ اور چاروں مذہبوں کے مفتیوں نے اس پر اپنی مہریں ثبت کیں۔

ں الٰہی کی مدنہیں۔ اولیاء میں سے ہر ایک کی استعداد کے موافق ظہور میں آیا ہے۔ اللہ تعالٰے
رین کو حسب اقتضائے حکمت بالغہ ایسے کمالات عنایت کئے کہ متقدمین سے وہ تمام علوم و فیوض
یں۔ انبیاء علیہم السلام میں ایک کی فضیلت دوسرے پر ثابت ہے۔ اور اولیاء میں بھی ایسا ہی سمجھے
ت کہ جن سے حضرت مجدد ممتاز ہیں۔ آپ کے طریقے کے مستفید کثرت سے اُن درجات و حالات
یں۔ اور ان علوم و کیفیات کا اقرار کرتے ہیں۔ پس ان مقامات میں کوئی شبہ نہیں رہا کیونکہ
صدق و یقین کا افادہ کرتی ہے۔ جو شخص ان مقامات پر نہیں پہنچا اور ان کو بعید خیال کرتا ہے
ہالت کے سبب سے معذور ہے۔

ن عادات کا ظاہر ہونا علو کمالات کی شرط نہیں ہے۔ اصحاب کرام رضی اللہ تعالٰے عنہم سے
لو درجات کے کہ جن تک کوئی نہیں پہنچ سکتا کثرت خوارق عادات اور نسبتہائے شوق و ذوق
ستغراق صادر نہیں ہوئے۔ حضرت سید نور محمد بدایونی کے پیر حضرت حافظ محمد محسن حضرت خواجہ
دم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں استفادہ کے لئے گئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ تمہارے بزرگ
بزرگوں کا انکار کرتے تھے۔ تم انکار کے ساتھ آئے ہو یا اقرار کے ساتھ۔ حضرت حافظ نے جواب
ا سے عذر کرنے کے لئے آیا ہوں۔ پس وہ حضرت خواجہ کی صحبت میں درجہ کمال و تکمیل پر پہنچ گئے۔"
ت حضرت میرزا جان جاناں قدس سرہ مطبوعہ مجتبائی دہلی)۔

رت شہید رضی اللہ تعالٰے عنہ دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔
رخوردار! جو شبہات کہ بے عقلوں کے گمان میں قیوم ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالٰے عنہ کے
کرامت آیات پر وارد ہوتے ہیں آپ نے ان کے جوابات پوچھے ہیں۔ آپ کو معلوم رہے کہ ان
ت کی بنا جہالت پر ہے یا حسد پر۔ اور یہ انکار کی رسم معمول قدیم ہے۔ اہل تعصب نے شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ
یگر اکابر کی تکفیر میں رسالے لکھے ہیں۔ اور حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں ان تمام شبہات
ہ بطریق دفع دخل متعدد تحریر کئے ہیں۔ اور حضرت کی اولاد امجاد میں سے حضرت شاہ یحیٰی رحمۃ اللہ
اس باب میں ایک مفصل رسالہ لکھا ہے۔ اور حضرت مولوی فرخ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بطریق
لک رسالہ موسومہ بہ کشف الغطاء عن وجہ الخطا تحریر کیا ہے۔ اور آنجناب کے مخلصوں میں سے
میگ ترکی ثم مکی نے محمد برزنجی تلمیذ شیخ ابراہیم کردی ثم مدنی کے رسالہ کی تردید میں ایک رسالہ
بہ عطیۃ الوہاب الفاصل بین الخطاء والصواب بطریق سوال و جواب لکھا ہے اور ملک عرب کے
مذاہب اربعہ کی مُہروں سے مزین کیا ہے۔

نسہ کا مادہ حضرت مجدد سے معارف غیر متعارف کا ظاہر ہونا ہے۔ جو قرون اولٰے میں شائع تھے اور قرون ثلاثہ مشہود بالخیر کے بعد پوشیدگی کے پردے میں چلے گئے تھے۔ اور آنجناب کی طینت مطہرہ کی خصوصیت کے سبب سے جو کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کی طینت مقدسہ کا بقیہ تھی ظاہر ہوگئے ہیں انصاف یہ ہے کہ پہلے ان مقامات کے قائل کی شان میں نظر کریں۔ اگر وہ کتاب وسنّت کا متبع ہے اور اُس کے اکثر اعمال واقوال میزان شریعت میں موزوں ہیں۔ تو اُس کے کلام کے متشابہات کو اس کے کلام کے محکمات کے موافق تاویل کریں یا خدائے عالم السّر والعلانیہ پر چھوڑ دیں اور اُس کو معذور سمجھیں۔ کیونکہ اِس قوم کو بہت سے عذر عارض ہوتے ہیں۔ کبھی غلبہ حال میں اُن کی عبارتیں ان کے مرادات کے ساتھ مساعدت نہیں کرتیں۔ اور کبھی معلومات کشفی میں وہم وخیال کے خلط کے سبب سے خطا واقع ہوتی ہے اور وہ اِس خطا میں مثل خطائے اجتہادی کے معذور ہیں اور کبھی ان کی اصطلاح پر آگاہی حاصل نہیں ہوتی پس ان امور کی رعایت سے اعتراض کا ترک لازم ہے۔ بالخصوص حضرت مجدد کے کلام کرامت نظام پر اعتراض کرنا فضول ہے۔ کیونکہ ان کے طریقہ کی بنا سنت کے اتباع پر ہے۔ اور ان کی تصنیفات اسی نصیحت وموعظت سے بھری پڑی ہیں۔ اور اس فتنہ کے برپا ہونے کا سبب زیادہ تر توحید وجودی کا انکار اور توحید شہودی کا اثبات ہے۔ کیونکہ چار سو سال سے یعنی شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے عہد سے حضرت مجدد کے عہد مبارک تک لوگوں کے کان اور ذہن مسئلہ وحدت وجود سے پُر تھے۔ حضرت مجدد کا توحید وجودی سے انکار مثل انکار علمائے ظاہر کے نہیں۔ بلکہ جس مقام سے کہ وجودیہ تکلم کرتے ہیں حضرت مجدّد اُس کی تصدیق اور تسلیم کرتے ہیں۔ اتنا ہے کہ حضرت مجدد مقصود اصلی کو اُس مقام سے اوپر فرماتے ہیں۔ اور خالق ومخلوق میں فی الجملہ غیریت ایسے طور سے ثابت کرتے ہیں کہ وحدت وجود حقیقی میں مخل نہیں جو خارج حقیقی میں متحقق ہے بخلاف وجودیہ کے جو خالق ومخلوق میں عینیت ثابت کرتے ہیں“ (مکتوبات حضرت میرزا مظہر قدس سرہ مطبوعہ مجتبائی دہلی۔ مکتوب پنجم)۔

حضرت میرزا شہید قدس سرہ ایک اور جگہ یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

”ایک دفعہ میں جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہوا۔ گویا میں آنحضرت ؐ کے پہلو میں برابر لیٹا ہوا ہوں اور نفس مبارک کی راحت مجھے پہنچ رہی ہے۔ اسی اثنا میں مجھے پیاس لگی۔ سرہند کے پیرزادے واں حاضر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک کو پانی لانے کا حکم دیا۔ بندہ نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ میرے پیرزادے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ وہ ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ پس ان میں سے ایک بزرگ پانی لایا اور میں نے سیر ہو کر پیا۔ میں نے

عرض کی۔ یارسول اللہ! آپ حضرت مجدد الف ثانی کے حق میں کیا فرماتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کی مثل میری امت میں دوسرا کون ہے؟ میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ! ان کے مکتوبات آپ کی نظر مبارک میں گزرے ہیں؟ فرمایا۔ اگر تجھے کچھ یاد ہے۔ تو پڑھو۔ بندہ نے آپ کے کسی مکتوب کی یہ عبارت پڑھی۔ انہ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء۔ حضور نے بہت پسند فرمائی اور محظوظ ہوئے۔ فرمایا کہ پھر پڑھو۔ میں نے پھر یہی عبارت عرض کی۔ حضور نے اور زیادہ تعریف کی۔ اور یہ حالت دیر تک رہی۔ صبح کے وقت ایک بزرگ نے علی الصبح آ کر کہا۔ کہ میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے کہ تم نے ایک اچھا خواب دیکھا ہے۔ وہ خواب کیا ہے۔ فقیر نے یہ خواب اُس سے بیان کر دیا۔ وہ بہت متعجب ہوئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نفس مبارک اور صحبت سے میں نے اپنے تئیں سراپا نور و حضور پایا۔ اور اس خواب کے کیفیتوں سے جو امر بیداری سے بہتر ہے کئی دن تک مجھے کچھ بھوک اور پیاس نہ تھی"

(ملفوظات حضرت میرزا رحمہ اللہ تعالےٰ)۔

حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ اعتراضات کے اخیر میں لکھا ہے:۔

"فقیر درباره شما بعالم غیب متوجہ بود۔ کہ تحریر ایں ہمہ معارف و مقامات شما از چہ راہ است۔ اصلے از حق دارد یا محض سخن سازی است۔ ایں آیہ شریفہ وَاِنْ يَّكُ[1] كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ در باطن القا کردند"

ظاہر ہے کہ اس آیت کا نزول فرعون و فرعونیوں کے اشتباہ کے دور کرنے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقیت ثابت کرنے کے لئے ہے۔ پس حضرت شیخ رحمہ اللہ کا انکار سے باز آنا اور آپ کے باطن شریف پر اس آیت کا القا ہونا رفع اعتراضات کے لئے دو دلیلیں ہیں۔

حضرت شیخ محمد فرخ جو عالم کثیر العمل اور حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پوتوں میں سے تھے حج کے لئے تشریف لے گئے۔ سید محمد برزنجی جو حضرت مجددؒ کے انکار میں تشدد رکھتا تھا اُس نے چاہا کہ شیخ کے الزام کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ مشرفہ میں آئے۔ شیخ نے دعا کی۔ کہ الٰہی! میں عجمی ہوں اور وہ عربی ہے۔ حرم مبارک میں مجادلہ مناسب نہیں۔ تو مجھے اُس کے شر سے بچا۔ وہ سخت بیمار ہو گیا۔ شیخ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس کی زیارت سے مشرف ہو کر ہندوستان کا رُخ کیا اور کشتی پر سوار ہو گئے۔ اُس نے صحت و قوت پا کر ان کا تعاقب کیا اور ایک کشتی میں سوار ہوا تاکہ جہاز میں

[1] اور اگر ہے یہ جھوٹا۔ پس اوپر اُس کے ہے جھوٹ اُس کا۔ (مؤمن۔ ع۳)۔

حضرت مجدد کے معارف میں اُن سے بحث کرے۔ شیخ نے یوں دعا کی:۔

اللھم اکفنیہ بما شئت | یا اللہ! تو مجھے اس کے شر سے بچا جس چیز کے ساتھ تو چاہے۔

وہ کشتی دریا میں غرق ہوگئی اور منکر اولیاء کو سزا مل گئی۔ (مقامات مظہری)۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی اولاد امجاد

صاحب حضرات القدس لکھتے ہیں:۔

"حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی دو بڑی کرامتیں صفحہ روزگار پر باقی ہیں۔ ایک آپ کا کلام کہ مشائخ وقت اس کے مماثل لکھنے سے عاجز رہے۔ دوسرے آپ کے فرزندان گرامی کہ اُن کو آپ نے اپنے تصرف سے علم وعمل اور کمالات باطنیہ عطا فرمائے۔ روئے زمین پر کسی شیخ نے اپنے فرزندوں کو تصرف و توجہ سے اپنا مثل نہیں بنایا۔"

اس لئے آپ کے کلام کا نمونہ پیش کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے فرزندان گرامی کا مختصر حال ذیل میں درج کیا جائے۔

واضح ہو کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی اولاد تعداد میں دس ہے۔ یعنی سات بیٹے اور تین بیٹیاں جن کی تفصیل:۔

خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شیخ کے فرزند اکبر ہیں۔ جو ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں اپنے جد بزرگوار کے دامن تربیت میں رہے۔ جب ۱۰۰۸ھ میں حضرت شیخ دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ بھی ہمراہ تھے۔ اُس وقت آپ نے اپنے والد بزرگوار کی طرح حضرت خواجہ سے اخذ طریقہ کیا۔ اور معاملات عظیمہ آپ پر وارد ہوئے۔ یہاں تک کہ کبھی وفور مستی اور غلبہ جذبہ میں ننگے سر ننگے پاؤں جدھر جی چاہتا نکل جاتے۔ اور سبق کی کتابیں بالائے طاق رکھی رہ جاتیں۔ ایک روز ایک درویش حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس نے کسی بزرگ کی خدمت میں سلوک تمام کر کے خلافت حاصل کی تھی۔ وہ وطن کو جاتے ہوئے یہاں ٹھیر گیا۔ اُس نے اپنے حالاتِ بلند حضرت خواجہ سے ذکر کئے۔ اُس کی مراد یہ تھی کہ ایسے حالات کہیں حاصل ہیں۔ اگر یہاں کچھ زیادہ ہے تو استفادہ کروں۔ حضرت خواجہ نے محمد صادق کو طلب کر کے فرمایا۔ بابا! اپنے احوال بیان کر تا کہ مہمان درویش سُن لے۔ آپ نے وہی درویش والے احوال اور کچھ زاید بیان کئے۔ جب اُس درویش نے دیکھا کہ اس آستان کا ایک طفل ہشت سالہ جسے داخل طریق ہوئے دو تین ماہ ہوئے ہیں وہ حالات بیان کرتا ہے جو اُسے پچاس سال

میں حاصل ہوئے۔ تو اپنے اعمال کی دید کا غرور اُس کے دماغ سے نکل گیا۔

لڑکپن ہی سے آپ کشف کون اور کشف قبور میں نظر صائب رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ آپ کے کشف و فراست پر اعتماد کر کے آپ سے امور غیبیہ دریافت فرمایا کرتے تھے۔ اور قبرستان میں لے جا کر مردوں کے حالات پوچھا کرتے تھے۔ اور آپ جیسا نظر پڑتا عرض کر دیا کرتے تھے ایک دفعہ آپ کا چچا شیخ محمد مسعود بغرض تجارت خراسان کو جانے لگا۔ آپ بطریق مشایعت اُس کے ساتھ اپنے جد بزرگوار مخدوم عبد الاحد قدس سرہ کے مزار تک تشریف لے گئے۔ اور ایک لمحہ مزار مبارک پر مراقب رہے۔ مراقبہ سے سر اُٹھا کر فرمانے لگے۔ کہ میرے دادا جان چچا صاحب کو اِس سفر سے منع کرتے ہیں۔ چونکہ آپ اُس وقت کم سن تھے۔ اِس لئے شیخ صاحب نے خیال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ مسعود اِسی سفر میں ہلاک ہوئے۔

آپ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔ اکثر علوم آپ نے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاصل فرمائے۔ کچھ مولانا طاہر لاہوری اور کچھ مولانا معصوم کی خدمت میں حاصل کئے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر تدریس میں مشغول ہوئے۔ معقول و منقول میں آپ کو اِس قدر مہارت تھی۔ کہ ایک روز آپ کو شیراز کے ایک فاضل کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ جو ہندوستان میں آیا تھا اور معقولات میں بے نظیر تھا۔ آپ نے ہیئت و حکمت کے چند دقائق طبعزاد اُس سے ذکر کئے۔ فاضل موصوف کہنے لگا کہ جب تک میں نے اِس جوان کو نہ دیکھا تھا۔ مجھے یقین نہ تھا کہ طلبہ ہندوستان میں سے کوئی طالب علم علوم عقلیہ کے مسائل دقیقہ کی قوت ادراک کما حقہ رکھتا ہوگا۔

مہارت علمی کے ساتھ آپ نے سلوک کو بھی درجۂ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔ چنانچہ اکیس برس کی عمر میں آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت شیخ نے مکتوبات میں آپ کی شان میں کئی جگہ کلمات مدحیہ درج فرمائے ہیں۔ چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ میرا بیٹا میری معارف کا مجموعہ اور مقامات جذبہ و سلوک کا نسخہ ہے۔ وہ محرم اسرار اور خطا و غلط سے مصئون و محفوظ ہے۔ جب آپ کی عمر چوبیس سال کی ہوئی۔ تو سرہند میں وبائے طاعون شدت سے نمودار ہوئی۔ ہر روز کثرت سے ہلاک ہونے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ وبا ترلقمہ چاہتی ہے۔ جب تک ہم نہ جائیں گے تسکین نہ ہوگی چنانچہ آپ کو بخار ہوگیا۔ اور طاعون کی گلٹی آپ کی ران میں ظاہر ہوئی۔ اور دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو وصال فرمایا۔ اور الفاظ "دوشنبہ نہم ربیع الاول" سے ہی آپ کی تاریخ نکلتی ہے۔ آپ سے ایک دو دن پہلے آپ کے بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسےٰ رحمہما اللہ تعالےٰ نے اور آپ کی بہن ام کلثوم نے اِسی مرض

میں انتقال فرمایا اور یہ تینوں اپنے جد بزرگوار حضرت مخدوم قدس سرہ کے مزار میں دفن ہوئے۔
خواجہ محمد صادق کے وصال کے بعد وبا ان کے قبیلہ میں نہ رہی۔ جو بیمار تھے وہ صحت یاب ہوگئے۔ ان مریضوں نے شدت مرض میں دیکھا تھا کہ حضرت مخدومزادہ ان کو اس جماعت کے ہاتھ سے چھڑا رہے ہیں جو اس وبا پر موکل تھے اور ان سے فرما رہے ہیں کہ اب جو ہم نے اس بلا کو اپنے اوپر لے لیا تمہیں لوگوں سے الجھنا جائز نہیں۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ جو شخص حضرت مخدومزادہ کا نام لکھ کر اپنے پاس رکھے گا اس وبا سے رہائی پائے گا۔ چند لوگوں نے اس کا تجربہ کیا اور نام مبارک میں عجیب اثر دیکھا۔
آپ کے انتقال کے بعد رشتہ داروں کی رائے تھی کہ آپ کو آپ کے جد بزرگوار کے مقبرہ میں دفن کیا جائے۔ حضرت مجدد رضی اللہ تعالے عنہ نے مراقبہ کیا۔ تو اس جگہ کا حکم ہوا جہاں اب آپ کا مزار مبارک ہے۔ اس جگہ کا شرف حضرت نے یوں تحریر فرمایا ہے۔
"شہر سرہند گویا میرے زندہ کرنے کی زمین ہے۔ کہ میرے واسطے تاریک گہرے گڑھے کو بھر کر ایک بلند چبوترہ بنایا گیا ہے۔ اور اکثر شہروں اور جگہوں پر اس کو رفعت دی گئی ہے۔ اور اس زمین میں ایک نور ودیعت رکھا گیا ہے جو نور بے صفتی اور بے کیفی سے اقتباس کیا گیا ہے مانند اس نور کے جو بیت اللہ کی پاک زمین سے بلند و روشن ہے۔ میرے بڑے بیٹے مرحوم کی رحلت سے چند ماہ پہلے یہ نور اس درویش پر ظاہر کیا گیا تھا اور فقیر کی سکونت کی زمین کے گوشہ میں بتایا گیا تھا۔ ایسا بلند نور دکھایا گیا کہ صفت و شان کا کوئی غبار اس میں دخل نہ رکھتا تھا اور کیفیات سے منزہ و مبرا تھا۔ یہ آرزو ہوئی کہ یہ زمین میرا مدفن ہو اور وہ نور میری قبر پر روشن ہو۔ میں نے اپنے بڑے بیٹے سے جو میرا رازدار تھا یہ بات ظاہر کی اور اس نور اور اس آرزو سے اسے آگاہ کر دیا۔ اتفاقاً فرزند مرحوم اس دولت کی طرف سبقت لے گیا۔ اور زیر خاک اس نور کے دریا میں مستغرق ہوگیا۔

هنيئاً لارباب النعيم نعيمها	نعمت والوں کو ان کی نعمت مبارک ہو۔
وللعاشق المسكين ما يتجرع	اور عاشق مسکین کے لئے وہ درد والم ہے جو وہ گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے۔

اس شہر بزرگ کی شرافت سے ہے کہ میرے فرزند اعظم جیسا جو اکابر اولیاء اللہ سے ہے وہاں آسودہ ہے۔ ایک مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ ودیعت رکھا ہوا نور اس فقیر کے نور قلبی کا ایک لمعہ ہے جو یہاں سے اقتباس کر کے اس زمین میں روشن کیا گیا ہے جیسا کہ مشعل سے ایک چراغ روشن کرتے ہیں۔" (مکتوبات جلد ثانی۔ مکتوب ۱۲۲)۔
حضرت مجدد رضی اللہ تعالے عنہ کو اپنے فرزند اعظم اور ان کے دو بھائیوں کے انتقال کا سخت رنج ہوا۔

چنانچہ آپ مولانا صالح کو یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

" بھائی ملا صالح نے اہل سرہند کے واقعات سُنے ہوں گے۔ میرے بیٹے رضی اللہ تعالے عنہ نے بھی اپنے دو چھوٹے بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسے سمیت آخرت کا سفر اختیار کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الحمد للہ سبحانہ کہ اولاً انہوں نے باقیماندگان کو قوت صبر عطا فرمائی۔ اور ثانیاً اس وبا کا خاتمہ کر دیا۔ کسی نے اچھا کہا ہے۔ ؎

من از تو روے نہ پیچم گرم بیازاری
کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل و خواری

میرا فرزند حق جل وعلا کی آیتوں میں سے ایک آیت اور رب العالمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ چوبیس سال کی عمر میں اُس نے وہ حاصل کیا کہ کم کسی نے کیا۔ اُس نے مولویت کے پایہ اور علوم عقلیہ ونقلیہ کی تدریس کو ایسی حد کمال تک پہنچا دیا تھا۔ کہ اُس کے شاگرد تفسیر بیضاوی اور شرح مواقف اور ان کی مثل اور کتابوں کو پوری قدرت سے پڑھاتے ہیں۔ اس کی معرفت وعرفان کی حکایتیں اور شہود وکشوف کے قصے محتاج بیان نہیں۔

تمہیں معلوم رہے کہ وہ آٹھ سال کی عمر میں ایسے مغلوب الحال ہو گئے تھے۔ کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ ان کے حال کی تسکین کا علاج بازاری کھانوں سے کیا کرتے تھے جو مشکوک ومشتبہ ہوتے ہیں۔ اور خواجہ ممدوح فرمایا کرتے تھے کہ جو محبت مجھے صادق سے ہے وہ کسی سے نہیں۔ اور اسی طرح جو محبت اُسے ہمارے ساتھ ہے وہ کسی کے ساتھ نہیں۔ حضرت خواجہ کے اس ارشاد سے ان کی بزرگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ فرزند موصوف نے ولایت موسوی کو نقطہ آخر تک پہنچایا ہوا تھا۔ اور اس ولایت علیہ کے عجائب وغرائب بیان فرمایا کرتا تھا۔ اور ہمیشہ فروتن متواضع ملتجی متضرع اور متذلل ومنکسر رہا کرتا اور فرمایا کرتا کہ اولیاء میں سے ہر ایک نے حضرت حق سبحانہ وتعالے سے ایک چیز مانگی ہے۔ میں نے التجا وتضرع مانگی ہے!

محمد فرخ کی نسبت کیا لکھوں۔ گیارہ سال کی عمر میں کافیہ پڑھتا تھا اور سبق سمجھ کر پڑھتا تھا۔ اور ہمیشہ عذاب آخرت سے ہراساں ولرزاں رہتا۔ اور دعا کرتا کہ طفولیت میں دنیائے دنی سے رخصت ہو جائے تا کہ آخرت کے عذاب سے خلاصی پائے۔ مرض موت میں جن یاروں نے اُس کی بیمارداری کی اُس سے عجائب وغرائب مشاہدہ کئے۔ محمد عیسیٰ کی آٹھ سال کی عمر تک کی کرامات وخوارق جو لوگوں نے مشاہدے کئے وہ میں کیا لکھوں۔

حاصل کلام یہ کہ میرے تینوں فرزند جواہر نفیسہ تھے۔ جو بطور ودیعت ہمارے سپرد کئے گئے تھے۔

الحمدللہ والمنۃ کہ ہم نے بغیر کسی ناخوشی واکراہ کے امانتیں اہلِ امانات کے حوالہ کردیں۔ اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم بحرمۃ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔

مکتوبات۔ جلد اوّل۔ مکتوب ۳۰۹)۔

حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہ کی قبر پہلے کچی تھی۔ پھر کچھ مدت کے بعد آپ کے والد بزرگوار نے اس پر ایک گنبد تعمیر فرمایا۔ قبر مبارک اس قبہ کے مرکز بلکہ مرکز سے ذرا مغرب کی طرف تھی۔ جب حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا۔ تو ان کو بھی اسی قبہ میں دفن کیا گیا۔ مگر جب ان کا جنازہ اندر لے گئے۔ تو حضرت خواجہ محمد صادق کی قبر ازراہ ادب تقریباً ایک ہاتھ مشرق کو سرک گئی۔ اور طاق وسط گنبد بین القبرین ہوگیا۔

آپ کی اولاد میں صرف ایک فرزند نرینہ تھا۔ جس سے سلسلہ آگے چلا۔

خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شیخ کے دوسرے فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ماہ شعبان ۱۰۰۵ھ میں بمقام سرہند ہوئی۔ بچپن ہی سے آثار ہدایت وولایت آپ کے پیشانی سے ہویدا تھے۔ چنانچہ آپ کے والد بزرگوار فرماتے ہیں۔ کہ محمد سعید چار پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہوگئے۔ غلبہ مرض میں ان سے پوچھا گیا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا کہ میں حضرت خواجہ کو چاہتا ہوں۔ میں نے ان کی یہ بات حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے عرض کی۔ فرمایا تمہارے محمد سعید نے رندی وحریفی کی اور غائبانہ ہم سے نسبت لے گیا۔

جب آپ سن تمیز کو پہنچے۔ تو علوم ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ کچھ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق سے اور کچھ شیخ طاہر لاہوری سے اور باقی اپنے والد بزرگوار سے پڑھا۔ سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوکر تدریس میں مشغول ہوئے۔ اور کئی تصانیف لطیفہ تحریر فرمائیں۔ چنانچہ مشکوۃ المصابیح پر تعلیقات لکھیں۔ جن میں مذہب حنفی کی تائید کی۔ حاشیہ خیالی پر ایک حاشیہ متین لکھا اور اس میں اپنے دقائق خلاصہ تحریر فرمائے۔ ایک رسالہ رفع سبابہ کی ممانعت میں تحریر فرمایا۔ مناظرہ میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ مخالف کو ساکت کردیا کرتے تھے۔ جب کبھی کسی تقریب سے محفل سلطانی میں جاتے۔ تو بادشاہ آپ ہی سے مسائل دریافت کیا کرتا حالانکہ علماء وفضلاء موجود ہوتے۔ آپ کی تصانیف میں سے ایک جلد مکتوبات کی ہے۔ جس میں آپ نے بڑے بلند حقائق اور ذات وصفات کے متعلق دقائق بیان کئے ہیں۔

آپ نے کمالات باطنی مثل علوم ظاہری کے کامل طور سے اپنے والد بزرگوار کی صحبت میں حاصل کئے۔ اور ولایت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اخیر عمر میں تعلیم طریقہ اور خدمت ارشاد آپ کے اور خواجہ محمد معصوم کے سپرد کر دی تھی۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ ہر قطب کے واسطے دو امام درکار ہیں۔ محمد سعید اور محمد معصوم دونوں میرے امام ہیں۔

حضرت شیخ نے آپ کی نسبت بہت سی بشارتیں دی ہیں۔ چنانچہ آپ کو خلعت غلّت کی بشارت دی۔ ایک روز فرمایا کہ ہمارے محمد سعید علماء راسخین سے ہیں۔ اور ایک روز فرمایا کہ محمد سعید زمرہ سابقین میں سے ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مجھ پر میدان قیامت اور میرے مریدوں کا پل صراط سے گزرنا مکشوف ہوا۔ محمد سعید ہم سب میں آگے آگے چل رہے تھے اور کتاب اعمال سیدھے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ پس ہم سب بہشت میں داخل ہو گئے۔ نیز فرمایا کہ محمد سعید خازن رحمت الٰہی ہے۔ قیامت کے دن تقسیم خزائن رحمت اس کے سپرد ہوگی۔ فرمایا کہ محمد سعید! تم نے دائرہ ظلی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قطع کر لیا اور اب اس بات میں میرے شریک ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ عروج و نزول کے ہر مقام میں تم میرے ہمراہ رہے ہو۔ ایک روز فرمایا کہ محمد سعید! تم میرے ضمنی ہو۔ اور تم اس بات سے تنگدل نہ ہونا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ضمنی تھے۔

آپ کے بھائی حضرت خواجہ محمد معصوم آپ کے مناقب یوں تحریر فرماتے ہیں:

"چھوٹی عمر سے قبول و کرامت کے آثار ان سے ظاہر تھے۔ اور بچپن کے زمانہ سے ولایت و نجابت کے اطوار نمایاں تھے۔ حضرت قطب الولایہ خواجہ محمد باقی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حیات کے زمانہ میں یہ خُرد سال تھے۔ اور حضرت خواجہ کی ظاہری ملازمت میں نہیں پہنچے۔ لیکن حضرت خواجہ نے ان کے حق میں فرمایا تھا۔ کہ محمد سعید حریف ہے۔ ہم سے غائبانہ نسبت لے گیا ہے۔

وہ گہوارے میں اپنی قسمت کی سعادت ظاہر کر رہا ہے۔	فی المھد ینطق عن سعادۃ جدہ

انہوں نے کمالات ظاہری و باطنی اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاصل کئے ہیں۔ اور سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری معقول و منقول کو کمال کے درجہ پر پہنچایا ہے اور اپنے والد بزرگوار کی طرح کمال تشرع و تقوےٰ سے آراستہ اور متابعت سنت و عمل بر عزیمت سے پیراستہ تھے۔ کلام کی نرمی۔ کمال تواضع۔ مہمانوں کی دلجوئی میں اہتمام۔ موجود کو خرچ کر دینا اور اپنی ہستی کی نفی ان کا طریقہ حسنہ ہے مسند عالی کے ساتھ قرآن مجید کی تجوید فرمائی۔ حدیث نبوی علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام میں سند جید اور رتبہ اعلیٰ رکھتے ہیں۔ اور فقاہت میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ ہمارے حضرت (مجددؒ) کو اکثر اوقات

جو مسئلہ فقہیہ کی تحقیق کی ضرورت پڑتی ہے۔ توان سے دریافت کر لیتے ہیں۔ بعض وقت یہ جو مشکلات مسائل کو حل کرتے تھے اور بعض مضایق سے خلاصی کی راہ بتایا کرتے تھے۔ تو حضرت بہت خوشوقت ہوا کرتے تھے۔ اور ان کے حق میں دعا کیا کرتے تھے۔ اور حضرت کے حضور میں مراتب کمال و تکمیل کو پہنچے تھے اور خلافت سے مشرف تھے۔ اُس وقت بھی تعلیم طریقہ اور ارشاد طلبہ فرمایا کرتے تھے۔ اور معاد (آخرت) کی کمال عقل کے باوجود عقل معاش میں بھی درجہ کامل رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اکثر امور میں ان سے صلاح و مشورہ کیا کرتے تھے۔ اور ان کی رائے کو پسند فرماتے تھے۔ اور امور باطن میں بھی یہ حضرت کے رازداں تھے اور حضرت ان سے وہ راز بیان کر دیا کرتے تھے کہ جن میں کم کوئی شریک ہوتا۔ اور یہ حضرت کے پوشیدہ اسرار اور معاملات خاصہ کے ساتھ مبشر و متحقق ہیں۔ ظاہری امراض والے ان کی توجہ سے شفا کے طالب ہیں۔ اور باطنی امراض والے ان کے تصرف سے جمعیت کے ساتھ سلوک طے کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ قطب المحققین وارث المرسلین حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے اِس قول کے مصداق ہیں کہ ہم فضلی ہیں۔ ان کی بزرگی میں یہ نقل کافی ہے کہ یہ معاملہ میں دیکھتے ہیں کہ اصحاب کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جمع ہیں۔ اور یہ (محمد سعید) بھی ہمارے حضرت (مجددؒ) کے چند یاروں کے ساتھ اُس مجلس میں حاضر ہیں۔ اس اثنا میں اصحاب کرام ایک کاغذ طلب کرتے ہیں تاکہ آنسرور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرضداشت لکھیں۔ چنانچہ کاغذ حاضر کیا گیا۔ اور انہوں نے اِس مضمون کی عرضداشت لکھی کہ یہ (محمد سعید وغیرہ) اور ہم عنایت الٰہی جل سلطانہ میں برابر ہیں حالانکہ ہم نے یہ سب تکالیف اور ریاضات شاقہ اُٹھائی ہیں اور انہوں نے نہیں اُٹھائیں۔ اِس کی وجہ کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے جواب میں یہ آیت قرآنی تحریر فرمائی۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم۔ اور معارف و حقائق کے بیان کرنے اور اسرار و دقائق کی شرح میں زبان عالی و بیان شافی رکھتے ہیں۔ اور چونکہ اہل باطن کے نزدیک سب سے بڑا کمال اور سب سے ظاہر کرامت دقائق ذات اور حقائق صفات تعالت و تقدست میں کلام ہے جو ان سے جوش ذوق اور خروش شوق میں صادر ہوا ہے۔ ناچار میں ان کے کمالات کی شرح اور کرامات کی تفصیل سے زبان کو بند کر کے ان کے ملفوظات و مکتوبات کا حوالہ دیتا ہوں تاکہ ان سے اُس تنگ سراغ لگائیں اور معنی سے صورت کی طرف رغبت کریں۔ کسی نے اچھا کہا ہے ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا (مکتوبات معصومیہ۔ جلد ثالث۔ مکتوب ۳)۔

آپ حرم شریف کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے ہیں۔ وہاں کے حالات وواردات کو آپ کے فرزند پنجم حضرت شیخ عبد الاحد نے ایک رسالہ میں ذکر کیا ہے۔ نقل ہے کہ ایک روز آپ حرم نبوی میں تحیۃ المسجد پڑھ رہے تھے۔ کہ روضہ مقدسہ سے آواز آئی :-

العجل العجل انا الیک مشتاق | جلدی کیجئے جلدی کیجئے۔ میں تمہارا مشتاق ہوں۔

کہتے ہیں کہ آپ نے حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو آٹھ مرتبہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہے۔ آپ صاحب کرامات ہیں۔ آپ کی کرامات وکلمات قدسیہ کے ایراد کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔

آخری عمر میں آپ کو عالمگیر اورنگ زیب نے بڑی منت سماجت سے دہلی بلایا۔ اور آپ بھی اُس کے اخلاص کو مدنظر رکھ کر تشریف لے گئے۔ ابھی وہیں تھے کہ بیماری شروع ہوئی اور روز بروز ترقی پر تھی بہتیرا علاج معالجہ کیا۔ مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ آخر کار جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ وقت قریب ہے۔ تو بادشاہ سے رخصت لے کر وطن کی طرف روانہ ہوئے۔ جب دہلی سے ۳۶ میل کے فاصلہ پر سنبھالکہ میں پہنچے۔ تو ۲۷ جمادی الاخری ۱۰۸۰ھ میں وہیں وصال فرمایا۔ تجہیز وتکفین کے بعد پالکی میں سرہند لائے گئے۔ خواجہ محمد معصوم نے حکم دیا کہ آپ کو بھی حضرت مجدد الف ثانی کے قبہ مبارک میں دفن کیا جائے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ قبہ مبارک میں اور قبر کی گنجائش نہیں۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ نے اصرار کیا۔ لوگوں نے حسب الارشاد کدال زمین پر مارا۔ تو قبہ کی دیوار چاروں طرف سے ہٹ گئی اور فرش غائب ہو گیا۔ اور آپ دفن کئے گئے۔

آپ کی اولاد آٹھ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔ آپ کے تیسرے بیٹے مولوی فرخ شاہ تھے جو بڑے جید عالم تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی کی اکثر اولاد ان ہی کی شاگرد ہے۔ مخالفوں نے جو کلام حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کئے ان کے جواب میں آپ نے رسالہ کشف الغطا لکھا جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ آپ نے ۴ شوال ۱۱۱۱ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت مجددؒ کے روضہ سے جانب مغرب قبہ میں دفن ہوئے۔ حضرت خازن الرحمتؒ کے پانچویں فرزند شیخ عبد الاحد مشتہر بہ شاہ گل اپنے زمانہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ اور صاحب تصانیف تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ وحدت تخلص تھا۔ چنانچہ آپ کا ایک دیوان اور مثنوی چارچمن مشہور ومعروف ہیں۔ ان کے علاوہ شواہد التجدید۔ لطائف مدینہ اور جنود اللہ وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔ رخساروں کی شگفتگی کی وجہ سے ان کو گل کہا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن ۲۷ ذی الحجہ ۱۱۲۶ھ کو دہلی میں وفات پائی۔ جب قیوم رابع کو شیخ صاحب کی وفات کی اطلاع ہوئی۔ تو فرمایا کہ گل بجنت رسید۔ پھر نماز جنازہ ادا کر کے نعش کو سرہند بھیج دیا۔ اور وہاں حضرت مجددؓ کی خانقاہ میں حوض کے اوپر صفہ متبرک کے جنوب کی طرف دفن کئے گئے۔ شیخ خلیل اللہ حضرت

خارن رحمت کے چھٹے فرزند ہیں۔ آپ علم حلم ورع وتقوےٰ سے آراستہ اور شریعت وطریقت کے پابند تھے ۱۱۳۱ھ میں وصال فرمایا حضرت مجددؒ کے روضہ منورہ میں قبہ کے محاذی مغرب کی طرف مدفون ہونے جئے کہ حضرت مجدد اور آپ کی قبر میں صرف ایک دیوار کا فرق ہے۔

خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰے عنہ کے تیسرے فرزند ہیں۔ آپ کے حالات آگے بیان ہوں گے۔

خواجہ محمد فرخ رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مجددؒ کے چوتھے فرزند ہیں۔ آپ نے گیارہ برس کی عمر میں مرض طاعون میں وصال فرمایا جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

خواجہ محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مجدد رض کے پانچویں فرزند ہیں۔ آپ نے آٹھ سال کی عمر میں مرض طاعون میں انتقال فرمایا۔ جب آپ اپنی والدہ ماجدہ کے رحم مبارک میں تھے۔ تو حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے والد بزرگوار پر ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ تمہارے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کا نام ہمارے نام پر رکھنا۔ اس لئے آپ کا نام محمد عیسےٰ رکھا گیا۔ آپ کا سنہ وفات وہی ہے جو خواجہ محمد فرخ کا ہے۔

خواجہ محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مجددؒ کے چھٹے فرزند ہیں۔ دو سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔

شیخ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ مشہور بہ شاہ جیو

آپ حضرت مجددؒ کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں۔ اور ۱۰۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد بزرگوار پر اس آیت قرآنی کا الہام ہوا۔ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيٰى۔ حضرت نے اس اشارے کے موجب ان کا نام محمد یحییٰ رکھا۔ آپ کو شاہ جیو اس واسطے کہتے ہیں کہ ایک روز شاہ کمال کے پوتے شاہ سکندر کیتھلی نے حضرت سے التماس کی کہ اپنا ایک بیٹا مجھے عنایت فرمایئے۔ اتفاقاً اُس وقت محمد یحییٰ موجود تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ اسی کو لے لو۔ شاہ سکندر رنے ان کو گود میں لے کر اپنی نسبت کا القا کیا اور فرمایا کہ ان کو شاہ کے نام سے پکارا کرو۔ اُس روز سے ان کو شاہ جیو کہنے لگے۔ حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ آپ پر بڑے مہربان تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ ان کی استعداد بہت بلند ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے والد بزرگوار کی تربیت کی برکت سے آٹھ نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد علوم ظاہری و باطنی اپنے بھائیوں خواجہ محمد سعید و خواجہ

محمد معصوم سے حاصل کئے۔ پندرہ برس کی عمر میں مطول پڑھی۔ حدیث کی سند شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہٗ سے حاصل کی۔ صاحب تصانیف شریعت و طریقت کے پابند اور سنت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم پر کاربند تھے۔ وہ دو دفعہ حج کو گئے۔ عالمگیر اورنگ زیب نے مدد معاش کے طور پر ان کو بہت کچھ دیا ہوا تھا۔ انہوں نے حضرت مجددؓ کے روضہ منورہ سے شمال کی طرف تقریباً تین تیر پرتاب کے فاصلہ پر ایک عالی شان مسجد بنوائی جس کے تین گنبد اور دو چھوٹے مینار تھے۔ اس مسجد کے مقابل حوض حمام اور مدرسہ بھی تعمیر کرایا تھا
آپ نے ۲۷ جمادی الاخری ۱۰۹۶ھ میں وصال فرمایا اور حضرت مجددؓ کے قبہ کے محاذی مغرب کی طرف مدفون ہوئے۔ آپ کے مرقد پر ایک عالیشان قبہ بنایا گیا۔ آپ کی اولاد میں سے تین لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔

حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تین لڑکیاں تھیں۔ ایک رقیہ جو حالت شیرخوارگی میں فوت ہوگئیں دوسری ام کلثوم جو چودہ سال کی عمر میں مرض طاعون میں فوت ہوئیں۔ تیسری خدیجہ زماں۔ واقعی آپ اپنے وقت کی خدیجہ تھیں۔ آپ نے سلوک باطنی اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آپ کو ولایت و کمالات نبوت کے انتہائی درجہ کے حصول کی بشارت دی تھی۔

غرضیکہ وہ جو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے حضرت شیخ مجددؓ کی نسبت فرمایا تھا "فرزندان آن شیخ کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند بالجملہ شجرہ طیبہ اند انبتہ اللہ نباتاً حسناً و فقرائے باب اللہ ہائے عجب دارند" بالکل درست ثابت ہوا۔

شیخ محمد یحییٰ کی اولاد اب تک کابل و قندھار۔ اور خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ کی اولاد مدینہ منورہ و جلال آباد۔ رامپور۔ دہلی۔ حیدرآباد دکن و جالندھر وغیرہ میں موجود ہے۔

(مکتوبات احمدیہ۔ زبدۃ المقامات۔ روضہ قیومیہ وغیرہ)۔

۲۶۔ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ

آپ حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلیفہ و فرزند سوم تھے۔ آپ کی ولادت ۱۱ شوال ۱۰۰۷ ہجری میں ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ محمد معصوم کی آمد ہمارے واسطے بہت مبارک ہوئی۔ کیونکہ ان کی پیدائش کے چند ماہ بعد ہم حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی ملازمت سے مشرف ہوئے۔ اور اُن کی خدمت میں دیکھا جو کچھ دیکھا۔

ایام طفولیت | لڑکپن ہی میں آپ کے والد بزرگوار آپ کی بلند استعداد کی تعریف کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لڑکا محمدی المشرب ہے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔ از فرزندی محمد معصوم چہ نویسد کہ وے بالذات قابل ایں دولت است یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ محمد معصوم کی بلند استعداد کی وجہ تھی کہ تین سال کی عمر میں حرف توحید آپ کی زبان سے نکلا۔ اور یوں کہنے لگے۔ کہ میں آسمان ہوں۔ میں زمین ہوں۔ میں یہ ہوں میں وہ ہوں۔ دیوار حق ہے۔ حضرت شیخ نے اُس وقت فرمایا کہ اِس طریق میں پیر و جوان برابر ہیں۔ اور انوار فیوض کے وصول میں عورتیں اور بچے مساوی ہیں۔

تحصیل علم ظاہر و باطن | حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آثار رشد کو دیکھ کر آپ پر نظر عنایت رکھتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ چونکہ علم مبدأ حال ہے۔ اس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے حضرت نے آپ کو علوم معقول و منقول کی تحصیل کی ہدایت کی۔ اکثر علوم آپ نے اپنے والد بزرگوار سے اور کچھ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھے۔

چودہ سال کی عمر میں آپ نے واقعہ میں دیکھا۔ کہ میرے بدن سے ایک نور نکلتا ہے کہ اُس سے تمام عالم منور ہے۔ اور وہ نور عالم کے ہر ذرہ میں ساری ہے مثل آفتاب کے کہ اگر وہ غروب ہو جائے تو عالم تاریک ہے آپ نے یہ واقعہ اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کیا، تو حضرت نے آپ کو بدیں الفاظ بشارت دی۔ تو قطب وقت خویش مے شوی وایں سخن از من یاد دار (مکتوبات معصومیہ۔ جلد اول۔ مکتوب ۸۹)

چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ کہ ایک جہان آپ کے انوار و برکات سے معمور ہو گیا۔ حضرت مجدد رض فرمایا کرتے تھے۔ کہ بابا! تحصیل علوم سے جلدی فارغ ہو جاؤ۔ کیونکہ ہم کو تم سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔ غرض حضرت کی توجہ سے آپ سولہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ بعد ازاں بہمہ تن متوجہ باطن ہوئے اور عنایت الٰہی سے اپنے والد بزرگوار کے احوال و اسرار خاصہ سے حظ وافر حاصل کیا۔

صاحب زبدۃ المقامات نے لکھا ہے۔ کہ ایک روز میں نے خود حضرت مجدد رض سے سُنا کہ فرماتے تھے۔ کہ محمد معصوم کا حال روز بروز میری نسبتوں کے حاصل کرنے میں صاحب شرح وقایہ (صدر الشریعہ عبید اللہ) کا سا ہے۔ جو شرح وقایہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ کہ میرے دادا (تاج الشریعہ محمود) ہر روز بمقدار سبق تصنیف کرتے تھے۔ میں اُسی قدر حفظ کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ جس روز وقایہ کی تصنیف ختم ہوئی اسی روز میرا حفظ کرنا ختم ہوا۔ چنانچہ حضرت شیخ عبد الاحد وحدت نے اِسی مضمون کو اپنی نظم میں بکمال لطافت و نزاکت ادا کیا ہے۔ ؎

مجدد بتوصیف اولیب [illegible] ستاد — فرمود کاے پور عرفاں نژاد

زعرفاں نوشتم [illegible] — [illegible] من سبق درسبق

تویک نقطہ زیں لوح نگزاشتی — ہر آنچہ [illegible] تو برداشتی

تو آخر چوں من قطب دوراں [illegible] — [illegible] ایں بشارت بیاد آوری

فضائل ومناقب (۱) آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو خلعت قیومیت کی بشارت دی۔ چنانچہ ایک مکتوب میں آپ کو اور خواجہ محمد سعید رحمہما اللہ تعالےٰ کو یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"کل نماز فجر کے بعد میں خاموش بیٹھا تھا۔ کہ ظاہر ہوا کہ جو خلعت مجھ پر تھی وہ مجھ سے جدا ہوگئی۔ اور اس خلعت کے بجائے مجھے دوسری خلعت ملی۔ دل میں آیا کہ خلعت زائد کسی کو دی جائے گی یا نہ۔ اور یہ آرزو ہوئی کہ اگر وہ دی جائے۔ تو میرے فرزند ارشد محمد معصوم کو دی جائے۔ ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ میرے بیٹے کو عطا کی گئی اور اُسے پوری پوری پہنادی گئی۔ اِس خلعت زائد سے مراد معاملہ قیومیت تھا۔ جس کا تعلق تربیت وارشاد سے تھا۔ اور اس مجمع گاہ سے تعلق کا سبب یہی معاملہ قیومیت تھا۔ اور اِس نئی خلعت کا معاملہ جب انجام کو پہنچے گا اور اتارنے کے لائق ہوجائے گی۔ تو امید ہے کہ کمال کرم سے وہ میرے فرزند عزیز محمد سعید کو عطا کی جائے گی۔ یہ فقیر ہمیشہ تضرع سے یہ دعا کرتا ہے اور قبولیت کا اثر دیکھتا ہے اور اپنے فرزند محمد سعید کو اِس دولت کا مستحق پاتا ہے۔ مصرع۔ باکریماں کارہا دشوار نیست

اگر استعداد ہے تو وہ بھی خدا تعالےٰ کی داد ہے۔ ع

نیاوردم از خانہ چیزے نخست — تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

(مکتوبات احمدیہ۔ جلد ثالث۔ مکتوب ۱۰۴)

جب یہ مکتوب صاحبزادگان کو ملا۔ تو اسے پڑھ کر دونوں صاحبزادے بہت جلدی اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں اجمیر میں پہنچے۔ حضرت نے ان پر بڑی مہربانی کی۔ اور خواجہ محمد معصوم کو خلوت میں بلاکر خلعت قیومیت عنایت فرمائی۔ چنانچہ حضرت عروۃ الوثقیٰ اپنے خلیفہ مولانا محمد حنیف کابلی کو یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"جس وقت کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سبحانہ سرہ الاقدس نے اپنے مخلصوں میں سے ایک درویش کو خلعت قیومیت سے مشرف فرمایا۔ اور اس بڑے رتبہ سے اُس کو سرفراز فرمایا۔ تو اس درویش کو خلوت میں بلاکر فرمایا۔ کہ اِس مجمع گاہ سے تعلق کا سبب یہی معاملہ قیومیت تھا جو تجھے عطا کیا گیا۔ اور مخلوقات وموجودات بڑے شوق سے تیری طرف متوجہ ہوئی۔ اب میں اس جہان فانی

میں اپنے رہنے کا سبب نہیں پاتا۔ اِس جہان سے میری رحلت کا وقت قریب آگیا۔" (مکتوبات معصومیہ جلد اول۔ مکتوب ۸۶)

اس عبارت کے بعد مذکور ہے کہ آپ باوجود اِس بشارت کے جگر کباب ہوئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ حضرت مجدد رضؓ نے آپ کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا۔ کہ سنت الٰہی اس طرح جاری ہے۔ کہ ایک کو بلا لیتے ہیں۔ دوسرے کو اُس کی جگہ بٹھا دیتے ہیں۔ اِس کے بعد آپ یوں لکھتے ہیں:۔

"چونکہ اس درویش نے اپنے آپ میں کسی طرح قیومیت کی لیاقت نہ پائی۔ اور نیز رنج و الم اُس کے دل میں مرکوز تھا۔ ہاں یا نہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اور جن امور کی وضاحت ضروری تھی نہ پوچھ سکا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت نے فرمایا کہ اشیاء میری قیومیت کی نسبت تیری قیومیت پر زیادہ راضی اور زیادہ خوش ہیں میں اس کا سبب دریافت نہ کر سکا۔ کسی نے اچھا کہا ہے۔ ؎

وحشی گزشت باز نہ کردی حکایتے اے خانماں خراب زبان تو بستہ بود

جب حضرت نے اس درویش کا غم پہلے سے زیادہ دیکھا۔ تو فرمایا۔ کہ میری رحلت میں کچھ مدت باقی ہے۔ لیکن دیکھتا ہوں کہ کیا علاقہ درمیان ہے۔ متوجہ ہو کر ایک لمحہ کے بعد فرمایا۔ کہ میرے ایام وصال تک تیرا قیام مجھ سے اور افرادِ عالم کا قیام تجھ سے ہوگا۔ اس ارشاد سے اِس مسکین کے غمگین دل کو ایک گونہ تسلی ہو گئی اس واقعہ کے ایک سال اور چند دن کم تین ماہ بعد حضرت کا وصال ہو گیا۔ کیونکہ یہ واقعہ ذی الحجہ سنہ ۱۰۳۲ھ کے پہلے عشرہ کا ہے۔ اور اس ہادیٔ کمال کا وصال ۲۸ صفر سنہ ۱۰۳۴ھ کو ہوا"

(۲) آپ کو اصالت اور محبوبیت ذاتی عطا ہوئی۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"جاننا چاہئے کہ جب تک کوئی شخص اصالت سے بہرہ ور نہ ہو۔ اُسے قیومیت کی نسبت حاصل نہیں ہو سکتی عالی حضرت متعالی منقبت نے جس درویش کو نسبت قیومیت کے حصول کی خوشخبری دی تھی اُسے حصول اصالت کی بشارت سے بھی سرفراز فرمایا اور نیز فرمایا کہ اصالت کا جس قدر حصہ تجھے حاصل ہے۔ اُس کے موافق تیری خلقت میں محبوبیت ودیعت رکھی گئی ہے۔ یعنی آپ نے اُس کے حق میں محبوبیت ذاتی اور کمال انفعالی کا نشان دیا۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز" (مکتوبات معصومیہ۔ جلد اول مکتوب ۸۶)۔

(۳) آپ کا وجود مبارک حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خمیر طینت کے بقیہ سے بنا۔ چنانچہ آپ خود یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہمارے حضرت رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے تھے۔ کہ بقیہ جو حضور سرور دین و دنیا علیہ وعلی آلہ الصلوات

والبرکات العلیٰ کی خلقت سے رہ گیا تھا۔ اُسے بطور اکش حضور کی امت کے دولتمندوں میں سے ایک کو عطا کیا ہے۔ اور اُس فرد کی طینت کا خمیر اُس سے کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے اُس فرد کو اصالت سے بہرہ ور کیا ہے۔ اس فرد کی طینت کی خمیر کے بعد بھی تھوڑا سا بقیہ رہ گیا تھا۔ وہ بقیہ اس فرد کے مریدوں میں سے ایک کے نصیب ہوا ہے۔ اور اُس کی طینت کا خمیر اُس سے کیا گیا ہے۔ اور اُس کے اندازے کے موافق اُسے اصالت کا حصہ ملا ہے۔ اِنَّ ربك واسع المغفرة۔" (مکتوبات معصومیہ۔ جلد اول۔ مکتوب ۱۹۲)۔

(۴) آپ زمرہ سابقین میں داخل ہیں۔ اور اسرار مقطعات سے بھی آپ کو نصیب ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت پیر دستگیر نے ایک دن فرمایا کہ میں ایک روز زمرہ سابقین میں نظر ڈال رہا تھا۔ کہ جن کی شان میں حق سبحانہ نے فرمایا ہے۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ۔ میں نے اپنے آپ کو اس زمرہ میں داخل پایا۔ اور اپنے مریدوں میں سے بھی ایک کو وہاں اپنے ساتھ پایا۔ اِسی طرح متشابہات کے اسرار کی بابت بھی آپ نے لکھا ہے کہ متشابہات اشارہ معاملات کی طرف ہے جائز ہے کہ ایک شخص کو معاملہ حاصل ہو۔ اور اُسے اُس معاملہ کا علم نہ ہو۔ اس بات کو آپ نے اپنے مریدوں میں سے ایک فرد میں مشاہدہ فرمایا ہے۔ دیکھئے دوسروں کو کیا ملے۔ ؎

سعادتہا ست اندر پردۂ غیب — نگہ کن تا کرا ریزند در جیب"

(مکتوبات معصومیہ۔ جلد اول۔ مکتوب ۲۳۷)۔

(۵) حق تعالےٰ نے آپ کو عروۃ الوثقیٰ کا خطاب دیا۔ چنانچہ ۱۰۳۵ھ میں ایک روز آپ نے فرمایا۔ کہ آج میں صبح کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ جناب سرور کائنات خلاصہ موجودات صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہو کر مجھ سے بغلگیر ہوئے اور فرمایا کہ حق تعالےٰ نے آپ کو عروۃ الوثقیٰ کا خطاب دیا ہے۔ اس نعمت عظمیٰ کا شکر بجالاؤ۔ اِسی اثنا میں کیا دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے تمام مقرب فرشتوں اور انبیا و اولیائے آکر میرے گرد حلقہ بنایا اور کہتے ہیں۔ السلام علیکم یا محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ۔ پھر ہر ایک نے مجھ سے معانقہ کیا۔ میں نے سنہری خط سے عرش مجید کے گرد محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ لکھا ہوا دیکھا۔ (روضۃ قیومیہ)۔

(۶) حضرت مروج الشریعت رضی اللہ تعالےٰ عنہ یاقوت احمر میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک روز حضرت قیوم ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ آج فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے سے پہلے میں مراقبہ میں

بیٹھا تھا۔ کہ مجھ پر ظاہر ہوا۔ کہ تمام جہان اہل جہان آدم وغیرہ ساری مخلوقات مجھے سجدہ کر رہے ہیں میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ آخر یہ بھید کھلا کہ کعبہ میری ملاقات کو آیا جس نے مجھے گھیر لیا۔ اس واسطے جو شخص کعبہ کو سجدہ کرتا تھا۔ مجھے ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھے سجدہ کر رہا ہے۔ ان کے علاوہ اور فضائل ہیں جن میں سے بعضے آئندہ مذکور ہوں گے:

حالات حرمین شریفین | آپ اپنی قیومیت کے چونتیسویں سال حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں کے بعض معاملات آپ کے فرزند ثانی مروج الشریعت خواجہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ میں لکھے ہیں۔ جس کا نام یاقوت احمر ہے۔ اس میں سے چند واقعات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت قیوم ثانی فرماتے ہیں کہ جب ہم ایام تشریق میں منیٰ سے شہر میں آئے۔ تو طواف سے فارغ ہونے پر ظاہر ہوا کہ فرشتہ نے محض ادائے ارکان حج کی قبولیت اور اجر کا مہر شدہ کاغذ ہمیں عطا کیا۔ ایام قیام مکہ میں آپ اکثر طواف میں مشغول رہا کرتے۔ اُس وقت اس عبادت کو بہترین عبادات جانتے تھے۔ اور فرماتے کہ عجیب وغریب باتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ اکثر اوقات دیکھتا ہوں کہ کعبہ ہم سے گلے ملتا ہے اور بڑے اشتیاق سے چومتا ہے۔ اُنہیں دنوں میں ایک روز ظاہر ہوا کہ مجھ سے انوار وبرکات اس کثرت سے نکلتے ہیں کہ انہوں نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے اور جنگل وبیابان اُن سے پُر ہو گیا ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں تمام دیگر انوار چھپ گئے ہیں۔ جب میں اُس کی حقیقت کے دریافت کے واسطے متوجہ ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ مجھ سے میری حقیقت دور کر کے کعبہ کی حقیقت سے مشرف فرمایا گیا ہے۔

محرم کی تیسری تاریخ کو آپ اہل معلیٰ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی قبر پر توقف کے بعد فرمایا کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے انوار موجزن ہیں پھر حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے روضہ مبارک پر طویل مراقبہ کے بعد فرمایا۔ کہ مائی صاحبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اِس قدر عنایات فرمائیں کہ جن کا بیان نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ سراوقات حجاب سے نکل کر فرمانے لگیں کہ فلاں شخص کو یہ انعام دو۔ فرمایا کہ جب ہم فاتحہ سے فارغ ہوئے۔ تو سراوقات میں تشریف لے گئیں۔ بعد ازاں حضرات فضیل بن عیاض سفیان ثوری وغیرہ کے مزارات پر فاتحہ پڑھی اور ان کے حق میں تعریفی کلمات فرمائے۔

ایک رات آپ وتر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ فرمایا۔ رکن یمانی کے نزدیک بہت سے فرشتے موجود ہیں۔ چنانچہ حدیث میں بھی وارد ہے کہ ستر ہزار فرشتے رکن یمانی کے نزدیک رہتے ہیں۔ دیکھنے میں آیا کہ وہ اپنی جگہ سے سرک کر میرے گرداگرد جمع ہو گئے۔ اور ان کے ہاتھوں میں قلم دوات ہے۔ میری

حقیقت لکھ کر چلے گئے۔ فرمایا کہ ایک روز بعد نماز فجر حلقہ میں دیکھا کہ مجھ کو ایک خلعت عالی عطا ہوا ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ یہ خلعت عبودیت ہے۔ ایک روز آپ حلقہ ذکر میں بیٹھے تھے۔ مراقبہ کے بعد فرمایا کہ آج مجلس سکوت میں ارشاد کی نہایت عالی شان خلعت عنایت ہوئی۔ اسی مجلس میں فرمایا کہ مجھے قلم دوات عنایت ہوئی۔ گویا مجھے منصب وزارت عطا ہوا ہے۔ اور جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے مجھے تمام مخلوقات پر وزیر اعظم بنایا گیا ہے۔

جب حرم شریف سے رخصت ہونے کے دن قریب آئے۔ تو الطاف عظیمہ اور انعامات جلیلہ مرحمت ہوئے۔ اور معلوم ہوا کہ ایک خلعت عالی سبز رنگ مکلل بجواہر عنایت ہوا جو خلعت وداع تھا۔ اور بعض صاحبزادگان جو رفیق سفر تھے اُن کو بھی عنایت ہوا۔

مکہ مشرفہ سے روانہ ہو کر آپ مدینہ منورہ میں پہنچے۔ اور روضہ منورہ پر حاضر ہو کر آداب زیارت بجا لائے۔ روضہ مطہرہ سے کمال عنایات ظاہر ہوئیں۔ تین چار روز کے بعد اہل مدینہ نے داخل طریق ہونے کی درخواست کی۔ آپ نے بپاس ادب اس معاملہ میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ اور مواجہہ شریفہ میں کھڑے ہو کر مراقبہ کیا۔ چنانچہ کمال رضا اس معاملہ میں معلوم ہوئی۔ اور خلعت ارشاد عنایت ہوا۔ اور انوار و عنایات حضرات شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما ظاہر ہوئے۔

فرمایا کہ اگرچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا مزار بقیع میں ہے۔ مگر حجرہ شریفہ ان کا گھر ہے۔ اکثر اوقات ام المومنین کو حجرہ شریفہ میں حضرت نبوی کے پاس پاتا ہوں اور مسجد شریف کو ان کے انوار سے پُر دیکھتا ہوں۔

آپ کو مسجد نبوی میں دو روز کے اعتکاف کی اجازت ہوئی۔ رات کے وقت جب سب کو وہاں سے حسب معمول علیحدہ کر دیا گیا۔ تو آپ مواجہہ شریف میں جا کر مراقب ہوئے۔ فرمایا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ خاص سے باہر تشریف لائے اور میرے پاس نزول فرمایا۔ اسی طرح تہجد کے وقت محسوس ہوا کہ حضرت مقصورہ سے باہر تشریف لائے اور بکمال عنایت مجھ سے بغلگیر ہوئے۔ اُس وقت مجھ کو الحاق خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت سے حاصل ہوا۔

فرمایا کہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مقدس مرکز جمیع عالمیان ہے۔ عرش سے فرش تک تمام مخلوقات آپ کی محتاج ہے۔ اور آپ سے فیض یاب ہے۔ اگرچہ وہاب مطلق اللہ تعالےٰ ہے۔ لیکن افاضہ آپ کے توسل شریف سے ہوتا ہے اور مہمات ملک و ملکوت آپ کے اہتمام سے سرانجام پاتی ہیں۔ شب و روز کافہ مخلوقات پر روضہ مطہرہ سے انعام فائض ہوتا رہتا ہے

اور کیوں نہ ہو کہ آپ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین کے مصداق ہیں۔ باوجود اِس عموم رحمت کے استغنا، جو مقام محبوبیت کو لازم ہے بوجہ اتم و اکمل پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کے حضور میں عرض حاجت کے واسطے توسّل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بلا توسل مشکل معلوم ہوتی ہے۔

ایک روز فرمایا کہ کل سے ظہور اسرار و تلاطم امواج انوار معلوم ہوتا تھا اور آج ایک ایسا معاملہ منکشف کیا گیا ہے کہ اشارہ سے بھی ظاہر نہیں کر سکتا۔ اور اگر ظاہر ہو۔ قطع البلعوم و ذبح الحلقوم کا سزاوار ہوں۔ مگر بعض مقامات رمز سے کہتا ہوں۔ اور وہ معاملہ کمون و بروز ہے۔ جب شیخ کامل یہ چاہتا ہے کہ اپنے جمیع کمالات کسی مرید صادق میں افاضہ کرے۔ تو اپنے سے غائب ہو کر نفس مرید میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اُس وقت وہ مرید بتمامہ مرشد کے رنگ میں ہو جاتا ہے اور اُس کے جملہ حقائق و لطائف سے متحقق ہو جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اِس معاملہ کو اپنی نسبت حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت کیا کرتے تھے۔ اب اس قسم کا معاملہ فقیر کی نسبت جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پاتا ہے۔ اِس سبب سے بعض معاملات ایسے درمیان میں آتے ہیں کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت اور اسی وجہ سے رات جو اشعار نعت و قصائد مدحیہ حسب رسم قدیم پڑھے گئے سب کو اپنی طرف منسوب پاتا تھا۔ اسی اثنا میں آپ کے صاحبزادہ ثانی نے عرض کیا۔ کہ کمون و بروز بھی فناء و بقا متعارفۂ قوم ہے یا کوئی علیحدہ معاملہ ہے۔ فرمایا کہ نہیں۔ یہ غیر فنا و بقا ہے۔ اور اُس سے بدرجہا ممتاز ہے۔

ایک روز آپ بقیع میں گئے۔ واپسی پر فرمایا کہ جس قبر پر میں جاتا تھا صاحب قبر جس طرح بعنایت پیش آتا تھا۔ اُسی طرح دوسرے اہل قبور کہ جن کی قبروں پر جانے کا ارادہ ہوتا تھا منتظر رہتے تھے۔ اور میری ملاقات کے لئے اِس طرح جمع ہوتے تھے جیسا کہ کسی نہایت عزیز مہمان کے واسطے ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیٰ ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ پر پہنچا۔ میری طرف آ کر مجھ سے ملحق ہو گئے۔ کبھی میری گود میں لپٹتے تھے اور کبھی گلے سے لپٹتے تھے۔ بالکل نور ہی نور تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اِس جگر گوشہ کے حق میں فرمایا تھا۔ لو عاش لکان نبیًّا۔

فرمایا کہ بقعات مبارکہ اور مزارات متبرکہ میں میری نسبت نے ظہور عجیب و انجلائے غریب پیدا کیا۔ اور میں نے اپنا قرب و منزلت بجناب اقدس او تعالےٰ مشاہدہ کیا۔ محسوس ہوا کہ تمام عالم اس نسبت کے انوار سے بھر گیا ہے اور موجودات عالم صف باندھے ہوئے میرے گرد ہیں۔ اور میں اُن میں امام معلوم ہوتا ہوں اور کافہ مخلوقات کو جو فیوض و برکات گوناگوں پہنچتی ہیں۔ اس درویش کے توسط سے

پہنچتی ہیں۔ اور تمام مخلوقات کیا اولیا کیا غیر اولیا اس فقیر سے حصول برکات وترقیات کے منتظر ہیں۔ اور اکثر اوقات قلم دوات اپنے پاس تصحیح مہمات ملک کے لئے حاضر پاتا ہوں جیساکہ وزیر اعظم کو بارگاہ سلطان میں نسبت وقدرت ہوتی ہے وہی حالت مجھ کو اپنی نسبت سمجھ میں آتی ہے۔ فرمایا کہ بقیع میں یوں تو سب بعنایت پیش آتے ہیں۔ مگر امیر المومنین سیدنا عثمان اور حضرت عائشہ صدیقہ اور سیدنا ابراہیم وعبدالرحمن بن عوف وعبداللہ بن مسعود وامام اسماعیل بن امام جعفر صادق رضی اللہ تعالے عنہم اجمعین اوروں سے زیادہ مہربان ہیں۔

فرمایا کہ جس وقت میں مدینہ منورہ سے روانہ ہونے لگا۔ مسجد شریف میں رخصت کے واسطے حاضر ہوا۔ جدائی کے غم والم کے سبب سے بے اختیار بار بار رونے لگا۔ اسی حالت میں حضرت رسالت خاتمیت کمال عظمت سے روضہ مطہرہ سے ظاہر ہوئے اور بہایت کرم سے اخلعت تاج سلاطین بکمال علو ورفعت کہ ہرگز ایسا نہیں دیکھا گیا تھا احقر کو پہنایا اور محسوس ہوا کہ اس تاج پر ایک شہپر کا طرّہ لگا ہوا ہے۔ اور اس پہ ایک لعل جڑا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوا کہ یہ خلعت خاص جسم اطہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اترا ہوا ہے اور دیگر خلعتوں کی طرح نہیں۔ اور فرمایا کہ خلعت عطا کرنے سے نظر کشفی میں نسبت خاصہ رحمت فرمانا مراد ہوتی ہے۔ اس کے بعد آپ جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے وطن کو واپس ہوئے۔

تصرفات وکرامات آپ کے تصرفات وکرامات بہت ہیں جن میں سے صرف چند بطور اختصار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

ایک جوگی جادو سے آگ باندھ دیتا تھا۔ اور لوگوں کو اس شعبدہ سے فریفتہ کرتا تھا۔ یہ سن کر آپ کو غیرت آئی۔ اور بہت سی آگ روشن کر کے ینار کونی بردا وسلاما علی ابراہیم پڑھ کر دم کیا۔ اور ایک شخص کو فرمایا کہ اس میں بیٹھ کر ذکر کر۔ چنانچہ وہ آگ میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہوا اور آگ اس پر گلزار ہو گئی۔

(۲) ایک روز آپ وضو فرما رہے تھے۔ کہ ناگاہ خادم سے لوٹا لے کر دیوار پر مارا اور وہ لوٹا ٹوٹ گیا۔ آپ نے دوسرے لوٹے سے وضو فرمایا۔ حاضرین نے اس امر کو ذہن میں رکھا۔ مدت کے بعد ایک سوداگر آیا۔ اس نے بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ میں بنگالہ کی طرف ایک صحرا میں تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شیر میری طرف غراتا چلا آتا ہے۔ میں بہایت خوف زدہ ہوا۔ اچانک حضرت کو دیکھا کہ لوٹا لئے آتے ہیں۔ آپ نے وہ لوٹا اس شیر کی طرف بڑے زور سے پھینکا۔ اس کے خوف سے شیر بھاگ گیا اور میں محفوظ رہا۔

(۳) ایک شخص اپنے بیٹے کو آپ کی خدمت میں لایا۔ اور عرض کی کہ یہ کسی عورت پر عاشق ہوگیا ہے۔ نہ دنیا کا کام کرتا ہے نہ عاقبت کا۔ آپ اُس کو سمجھانے لگے۔ اُس نے کہا ؎

درکوئے نیکنامی ما را گزر ندادند   گر تو نمے پسندی تبدیل کن قضا را

یہ سُن کر آپ نے فرمایا۔ ہم نے تیری قضا تبدیل کردی۔ چنانچہ وہ فوراً تائب ہوا اور خیال عشق جاتا رہا۔

(۴) آپ کے ایک عزیز مخلص کا بیان ہے۔ کہ ایک دفعہ میری آنکھ میں درد ہوا۔ ہر قسم کا علاج کیا۔ لیکن فائدہ نہ ہوا۔ ایک شخص نے اُس سے اپنی مجرب دوا کی تعریف کی۔ بیچارے نے اُس کا بھی استعمال کیا۔ مگر لگاتے ہی اُس کی بصارت بالکل جاتی رہی۔ اسی اثنا میں حضرت حج سے واپس تشریف لائے۔ یہ بھی کسی کا ہاتھ پکڑ کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اُس کو دیکھ کر بہت افسوس کیا۔ اور اپنا لعاب دہن اُس کی آنکھوں میں ڈال کر فرمایا کہ اسی طرح گھر چلا جا۔ وہاں جا کر آنکھیں کھولنا۔ چنانچہ اُس شخص نے ایسا ہی کیا۔ گھر جا کر آنکھیں جو کھولیں۔ تو بینائی موجود پائی۔

(۵) حضرت کے ایک داماد نے پوشیدہ طور پر کسی اور عورت کی طرف رجوع کیا۔ صاحبزادیوں نے آپ سے اس امر کی شکایت کی۔ آپ کی زبان سے نکلا کہ مرجائے گا۔ صاحبزادیوں نے عرض کیا کہ جیتا رہے۔ فرمایا کہ بس اب جو ہونا تھا ہوگیا۔ اب ایمان کی دعا کرو۔ چنانچہ تین چار روز کے بعد اُس کا انتقال ہوگیا۔

(۶) حضرت کے ایک مرید نے بیان کیا۔ کہ مجھے افلاس نے تنگ کیا۔ تو میں نے گھبرا کر حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ افلاس کے ہاتھوں سخت لاچار ہوں۔ حضرت نے مجھے روپیوں کا بدرہ دیا اور فرمایا کہ اسے گننا مت جس قدر چاہو۔ خرچ کئے جاؤ میں حسب ضرورت اُس میں سے وقتاً فوقتاً خرچ کرتا رہا۔ حتیٰ کہ میں ایک لاکھ روپیہ اُس میں سے خرچ کرچکا۔ لیکن وہ اُتنے کا اتنا ہی تھا۔ ایک روز میری بیوی نے وہ روپیہ گنا۔ تو سات سو نکلا۔ اس کے بعد جب ہم نے خرچ کیا۔ تو ختم ہوگیا۔

(۷) ایک روز آپ خانقاہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ناگاہ آپ کا دست مبارک اور آستین پانی سے تر ہوگئے۔ حاضرین تعجب کرنے لگے۔ اور آپ سے سبب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ایک سوداگر مرید کا جہاز غرق ہونے لگا تھا۔ اُس نے ہماری طرف توجہ کی۔ اور اپنی نجات کے لئے مدد مانگی۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اُس کو غرقاب سے نکال کر ساحل نجات پر پہنچادیا۔ ایک مدت کے بعد وہ سوداگر حاضر خدمت ہوا اور ایک رقم کثیر بطور نذر لایا۔ اور جہاز کے غرق ہونے اور نجات پانے کا قصہ

بیان کیا۔

(۸) آپ کے خلیفہ خواجہ محمد صدیق پیشاوری بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک بار میں حضرت سے اجازت لے کر اپنے وطن کو روانہ ہوا۔ راستے میں سلطانپور کی ندی کے پل کے نیچے کپڑے پاک کر رہا تھا۔ کہ میرا پاؤں پھسلا اور پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ میں تیرنا نہ جانتا تھا۔ پانی مجھ کو کبھی اوپر لاتا تھا کبھی نیچے۔ زندگی کی امید باقی نہ رہی تھی۔ یکایک حضرت نمودار ہوئے اور ہاتھ ڈال کر مجھ کو نکال لیا اور نظر سے غائب ہو گئے۔

(۹) خواجہ محمد صدیق پیشاوری کا بیان ہے کہ میرا ایک مخلص نوروز بیگ نامی جو حضرت کے دیدار فیض آثار سے مشرف ہوا ہے بیان کرتا تھا۔ کہ میں جلانے کی لکڑیاں بیل پر لاد کر لا رہا تھا کہ لکڑیوں کا گٹھا بیل پر سے زمین پر گر پڑا۔ کوئی شخص وہاں نہ تھا جو لدوانے میں میری امداد کرے۔ میں حیران و پریشان کھڑا تھا۔ اتنے میں میں نے حضرت کو دیکھا کہ آئے اور بیل پر گٹھا لدوا کر میرے حوالہ کر دیا۔ اور پھر نظر سے غائب ہو گئے۔

(۱۰) آپ کے ایک مخلص حاجی نورالدین بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں حرمین کی زیارت کو روانہ ہوا اور جہاز پر سوار ہو گیا۔ ہوا کی شدت اور طغیانی کے سبب سے جہاز ڈوبنے لگا۔ اکثر لوگوں نے اپنا سامان دریا میں ڈال دیا۔ تاکہ جہاز ہلکا ہو جائے اور ڈوبنے سے بچ رہے۔ میں اس حال میں حضرات مخدومزادگان کی طرف متوجہ ہوا اور نہایت عاجزی سے التجا کی کہ یا حضرت وقت امداد ہے۔ متوجہ ہوتے ہی دونوں مخدومزادے تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ مطمئن رہو۔ ہم تمہاری مدد کے لئے آپہنچے ہیں۔ اب جہاز نہیں ڈوبے گا۔ میں نے یہ بشارت سن کر لوگوں سے کہا کہ کوئی شخص اپنا سامان دریا میں نہ پھینکے۔ انشاءاللہ اب جہاز نہیں ڈوبے گا۔ کیونکہ بزرگان دین نے مجھے بشارت دی ہے۔ چونکہ لوگوں کے خیال میں جہاز کا بچنا دشوار تھا۔ کسی نے میرا قول باور نہ کیا۔ مگر فوراً لہریں بند ہو گئیں۔ اور جہاز ٹھیر گیا۔ یہ دیکھ کر سب لوگ حضرت کے معتقد اور اس فقیر کے مخلص ہو گئے۔ اور ہم بخیریت روانہ ہوئے۔ اور حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔

(۱۱) جب آپ نماز کے وقت قرأت پڑھتے۔ تو آپ کے پیچھے بعض اوقات سو سو صف بھی ہوتی لیکن آواز اس قسم کی تھی کہ جتنی اونچی آواز پہلی صف والوں کو سنائی دیتی۔ اتنی ہی آخری صف والوں کو سنائی دیتی تھی۔

(۱۲) ایک شخص نے آپ کے حضور میں ایک رافضی کا ذکر کیا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو برا بھلا کہتا ہے۔ آپ سخت ناراض ہوئے۔ خربوزہ کھا رہے تھے۔ آپ نے چھری ہاتھ میں لے کر خربوزہ پر

رکھ کر فرمایا۔ کہ لو ہم رافضی کا سر کاٹتے ہیں۔ خربوزہ کو دو ٹکڑے کر دیا۔ اُسی روز رافضی مرگ مفاجات سے مرگیا۔

(۱۳) ناصر علی شاہ کا بیان ہے۔ کہ مجھے شعر کہنے کا از حد شوق تھا۔ لیکن کہنا نہیں آتا تھا۔ ایک روز میں حضرت قیوم ثانی رضی اللہ تعالٰے عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس وقت آنجناب وضو کر رہے تھے۔ ازراہ عنایت فرمایا کہ علی! جو چاہو مانگو۔ میں نے عرض کیا۔ زبان چاہتا ہوں فرمایا۔ ارے کم ہمت۔ اچھا یہ لو میرے وضو کا پانی پی لو۔ کافی ہوگا۔ میں نے حسب الارشاد وضو کا پانی پیا۔ پیتے ہی میرا سینہ معرفت الٰہی سے منور اور میرا دل مظہر فیض الٰہی ہوگیا۔ میری زبان سے اس قدر شعر نکلنے لگے کہ جن سے بڑھ کر وہم و قیاس میں بھی نہ آسکتے تھے۔ چنانچہ اُسی کا یہ شعر ہے۔ ؎

باایں شوخی غزل گفتن علی از کس نے آید بایاراں مے فرستم تا کسے گوید جوابش را

(۱۴) حضرت کے ایک مرید کا بیٹا بیمار ہوگیا۔ بہتیرا علاج کیا۔ لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا۔ مرض دن بدن ترقی پر تھا۔ ماں باپ ناامید ہو کر لڑکے کو حضرت کی خدمت میں لائے۔ لڑکا مرگیا۔ اور باپ بھی بیقراری کی وجہ سے زمین پر گر پڑا اور قریب الموت ہوگیا۔ جب حضرت نے لڑکے کو مرا ہوا اور باپ کو بھی مردوں کی طرح پڑا ہوا دیکھا۔ تو اُس کے حال پر رحم آیا۔ اس لڑکے پر توجہ فرمائی۔ اور دیر تک کھڑے رہ کر اُس پر مراقبہ کیا۔ دیر بعد تھوڑا سا پانی لے کر کچھ آیتیں پڑھ کر دم کیا اور وہ پانی لڑکے پر چھڑکا۔ چھڑکتے ہی لڑکا اُٹھ بیٹھا۔ گویا مرض کا نام و نشان تک نہ تھا۔ حاضرین یہ حال دیکھ حیران رہے۔ اور پہلے کی نسبت ان کا اعتقاد زیادہ ہوگیا۔

اشاعت طریقہ حضرت قیوم ثانی یکم ربیع الاول ۱۰۳۴ھ کو مسند ارشاد و قیومیت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اُس روز پچاس ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی۔ جن میں سے دو ہزار حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰے عنہ کے خلفاء تھے۔ باقی خلفاء جو مختلف ممالک میں تھے وہ بھی مختلف اوقات میں سرہند میں حاضر خدمت ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ ماوراء النہر۔ خراسان و بدخشان وغیرہ ممالک کے بادشاہوں نے اپنے وکیل مع تحائف بھیج کر غائبانہ آپ سے دوبارہ بیعت کی۔ قیومیت کے تیسرے سال جب شاہجہان تخت پر بیٹھا۔ تو سرہند میں حاضر خدمت ہو کر دوبارہ بیعت سے مشرف ہوا اور ترویج اسلام میں غایت درجہ کوشش کی گئی۔ چوتھے سال خواجہ محمد حنیف کابلی حاضر خدمت ہو کر آپ سے بیعت ہوئے۔ آپ نے انہیں خلافت دے کر کابل بھیج دیا۔ خواجہ صاحب کو وہاں بڑی قبولیت نصیب ہوئی اور ہزارہا لوگ ان کے مرید ہو کر صاحب حال ہوئے۔ پانچویں سال خواجہ محمد صدیق پشاوری اور شیخ ابوالمظفر برہانپوری حاضر خدمت

ہوکر بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے خواجہ صاحب کو خلافت دے کر پشاور بھیجا۔ جہاں اُن کو بڑی کامیابی ہوئی۔ اور شیخ صاحب کو کچھ مدت کے بعد خلیفہ بنا کر دکن روانہ کیا۔ جہاں بہت سے لوگ ان کے مرید ہوئے۔ چھٹے سال اخون موسے ننگرہاری اور خواجہ عبدالصمد کابلی شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور خلافت پاکر اپنے اپنے وطن میں اشاعت طریقہ میں مشغول ہوئے۔ ساتویں سال شیخ بدرالدین سلطانپوری اور شیخ انور نور سرائی بیعت ہوئے اور خلافت دے کر بغرض اشاعت سلطانپور اور نور محل میں بھیج دئے گئے۔ آٹھویں سال ملک شام کے سات سو علما و مشائخ اور وہاں کے دیگر ہزارہا آدمی سرہند میں آکر بیعت سے مشرف ہوئے۔ نویں سال خنکار روم نے اپنے وکیل کے ہاتھ تحائف و ہدایا بھیجے اور غائبانہ بیعت کی۔ تیرہویں سال عبدالعزیز شاہ توران غائبانہ بیعت سے مشرف ہوا۔ چودھویں سال شہزادہ محمد اورنگزیب عالمگیر بیعت سے مشرف ہوئے۔ پندرھویں سال اورنگزیب کی بہن روشن آرا نے اور سولہویں سال روشن آرا کی بہن گوہر آرا نے آپ سے بیعت کی۔ انیسویں سال سلطان عبدالرحمن شاہ خراسان اور اُس کی بیگم بیعت سے مشرف ہوئے۔ اکیسویں سال ترکستان و دشت قپچاق کے تمام خان اور سلطان اپنے اپنے لشکر سمیت غائبانہ مرید ہوئے۔ بائیسویں سال شاہ سلیمان بادشاہ ایران رفض سے تائب ہوکر غائبانہ مرید ہوا۔ اور اُس کے ساتھ ہزارہا شیعہ تائب ہوکر مرید ہوئے۔ تیئسویں سال بادشاہ کاشغر غائبانہ مرید ہوا۔ چوبیسویں سال امام یمن غائبانہ مرید ہوا۔ پچیسویں سال شیخ حبیب اللہ بخاری کو جو دسویں سال مرید ہوا تھا خلافت دے کر بخارا میں بھیجا۔ وہاں ان کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔ چھوٹے بڑے وضیع و شریف خوانین و سلاطین اور رعایا مرید ہوئی۔ اور چار سو نے درجہ تکمیل پر پہنچ کر اُن سے خلافت پائی۔ ان کے ذریعہ سلسلہ عالیہ خراسان و ماوراء النہر میں بہت پھیلا۔ ستائیسویں سال حضرت نے اپنے خلیفہ خواجہ ارغون کو خطا و چین میں بھیجا۔ اور اُس کے ہاتھ پر وہاں کا بادشاہ ملقب بہ قاآن مسلمان ہوگیا۔ اٹھائیسویں سال آپ نے شیخ مراد کو خلافت دے کر بغرض اشاعت ملک شام میں بھیجا۔ وہاں آپ دمشق میں مقیم ہوئے۔ اور والئ شام اور تمام امرا اور دیگر لوگ بکثرت ان کے حلقہ ارادت میں آئے۔ اور سلسلہ عالیہ اُس ولایت میں پورے طور پر رائج ہوا۔ چونتیسویں سال بہت سے ارادتمندوں کے ساتھ آپ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ چھتیسویں سال واپس آئے جب بندرگاہ سورت میں پہنچے۔ تو ہر روز ہزارہا آدمی مرید ہونے لگے۔ صبح شام قریباً تیس ہزار آدمی حلقہ میں شامل ہوتے۔ ہجوم خلق کی یہ کیفیت ہوئی کہ امراء سلاطین کو آپ کی زیارت بوقت نصیب ہوتی۔

قصہ کوتاہ حضرت قیوم ثانی کی کثرت ارشاد و مشیخت بیان سے باہر ہے۔ جناب پیغمبر خدا

صلے اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے زمانے کے بعد کسی ولی اللہ کو اس قدر ارشاد و مشیخت نصیب نہیں ہوئی۔ چنانچہ تاریخ مرأت العالم و جہاں نما میں جو عالمگیر کے حکم سے لکھی گئی ہیں یوں لکھا ہے کہ مشیخت کی مسند پر کوئی ایسا شیخ نہیں بیٹھا جیسا کہ شیخ محمد معصوم رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ جہان کے تمام اطراف و جوانب کے بادشاہ علماء مشائخ چھوٹے بڑے وضیع و شریف مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک کے آنحضرت کے مرید تھے۔ لا انتہا خاص و عام بندگان خدا صبح و شام پروانوں کی طرح آنجناب پر جان فدا کرتے۔ ہندوستان۔ توران۔ ترکستان۔ بدخشان۔ دشت قبچاق۔ کاشغر خطا۔ روم۔ شام اور یمن کے بادشاہ آنجناب کے مرید ہوئے۔ اور اُس وقت کے بڑے بڑے شیخ اور علماء گردا گرد اپنی اپنی مشیخت ترک کر کے آنجناب کے مرید ہوئے۔ روئے زمین کے مختلف حصوں کے لوگ آنحضرت کو خواب میں دیکھ کر اور انبیاء و اولیا سے خوشخبری پاکر حاضر خدمت ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوتے۔ مختلف ملکوں میں آنجناب کے خلفا کی خدمت میں ہزارہا آدمیوں کا مجمع رہتا۔ ہر روز سینکڑوں نئے مرید حاضر خدمت ہوتے اور فنا و بقا اور پروردگار کا پورا پورا قرب حاصل کرتے۔ حضرت کی مجلس کا رعب اور دبدبہ اس قدر تھا کہ مجلس اقدس میں بڑے بڑے بادشاہ آپس میں گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ بغیر اجازت بات نہ کرتے۔ اگر بڑا ضروری کام ہوتا۔ تو کاغذ پر لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ عالمگیر بادشاہ پر اگرچہ آپ بدرجہ غایت مہربان تھے۔ لیکن پھر بھی بسبب غایت ادب اُس نے آنجناب کے حضور میں کسی سے کبھی گفتگو نہ کی اور بغیر اذن نہ بیٹھا۔

چالیسویں سال خصوصیت سے تمام روئے زمین کے خلفاء مع اپنے مریدوں کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ اور امیر اپنی اپنی سلطنت اور امیری چھوڑ کر آپ کی زیارت کو آئے۔ چنانچہ خانان توران و ترکستان والیان دشت قبچاق و بدخشاں فرمانروایان خطا و خراسان۔ تخت نشینان کاشغر و طبرستان۔ حاکمان قہستان و گرجستان سب کے سب حضرت کے دیدار فائض الانوار کے واسطے شہر سرہند میں حاضر ہوئے۔ شہر کے گردا گرد ایک ایک میل تک لشکر پڑا تھا۔ اِس سے پہلے کبھی ایسا مجمع نہیں ہوا اور بعد میں بھی ایسا کبھی نہیں ہوا۔ نماز کے وقت اِس قدر ہجوم ہوتا کہ ایک دوسرے کی پیٹھ پر سجدہ کرتے۔ بلکہ کھڑا ہونے کو بھی کافی جگہ نہ ملتی۔

چوالیسویں سال حضرت قیوم ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے مریدوں اور خلفاء کو حسب ذیل طور پر اپنے فرزندوں کے سپرد کیا۔ حضرت محمد صبغۃ اللہ کو کابل اور اُس کے گرد نواح کے تمام پٹھان اور مغل مرید دئے۔ بدخشان ترکستان دشت قبچاق کاشغر خطا روم شام کے تمام مرید اور ہند کے بعض

آدمی حضرت خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ کے سپرد کئے۔ حسب ذیل خلفا بھی ان کے سپرد ہوئے۔ خواجہ محمد حنیف کابلی۔ خواجہ محمد صدیق پیشاوری۔ خواجہ عبد الصمد اخون۔ موسیٰ ننگرہاروی۔ شیخ مراد شامی۔ خواجہ ارغون خطائی وغیرہ۔ شہزادہ اورنگ زیب بھی آنجناب کے سپرد ہوا۔ جب حضرت حجۃ اللہ کابل گئے۔ تو کابل کے تمام آدمیوں نے آپ سے رجوع کیا۔ حضرت خواجہ محمد عبید اللہ مروج الشریعت کو خراسان۔ ماوراء النہر۔ توران۔ دارگنج۔ غور سند۔ اندراب۔ قہستان۔ طبرستان اور سجستان کے علاقے سپرد کئے۔ اور حسب ذیل خلفاء آپ کے ماتحت کئے۔ شیخ ابوالمظفر برہانپوری۔ شیخ حبیب اللہ بخاری۔ صوفی پائندہ ملا شیخ ابوالقاسم بلخی وغیرہ۔ اور ہند کے اکثر امراء اور شہزادہ معظم شاہ بھی آپ کے سپرد ہوئے آخر انہوں نے بھی حضرت حجۃ اللہ سے رجوع کیا۔ دکن اور پنجاب کے اکثر مرید اور خلفاء کو خواجہ محمد اشرف کے حوالہ کیا۔ سلطان اورنگ زیب۔ اعظم شاہ۔ جعفر خاں۔ وزیر شایستہ خان کرم خان محتشم خان اور سلطان عبد الرحمٰن حضرت شیخ محمد سیف الدین کے سپرد کئے۔ اور حسب ذیل خلفاء ان کے حوالہ کئے۔ اخون میر محمد محسن سیالکوٹی صوفی پائندہ ملاس۔ شیخ ابوالقاسم بھکری وغیرہ۔ سلطان ہند نے آخر حجۃ اللہ سے رجوع کیا۔ حضرت محمد صدیق کو عرب بحرین اور مشرقی ہند کے اکثر شہر سپرد کئے۔

بعد ازاں حضرت قیوم ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے تمام خلفاء کو جہان کے مختلف حصوں میں بھیجا۔ ایک ہزار سات سو خلفاء ترکستان اور دشت قپچاق میں بھیجے۔ ان کا سردار خواجہ محمد امین اور خواجہ عبد الرحمٰن کو بنایا۔ پانچ سو خلیفے کاشغر اور خطا کی طرف بھیجے۔ ان کا سردار خواجہ ارغون کو مقرر فرمایا۔ چار سو خلفاء شام اور روم کی طرف بھیج کر ان کا سردار شیخ مراد کو بنایا۔ سات سو خلفاء خراسان بدخشان اور توران میں شیخ حبیب اللہؒ کے ماتحت کر کے بھیجے۔ ایک سو خلفاء کابل میں اور ایک سو خلفاء نواح پیشاور میں بھیجے۔ بیس خلفاء ننگرہار میں بھیجے۔ ان سب کا سردار خواجہ محمد حنیف خواجہ محمد صدیق اور اخون موسےٰ کو مقرر فرمایا۔ باقی خلفاء کو ہندوستان کے مختلف شہروں میں بھیجا۔

کہتے ہیں کہ خلفاء اور فرزندوں کی وساطت کے بغیر براہ راست نو لاکھ آدمی حضرت قیوم ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مرید ہوئے۔ آپ کے خلفاء کی تعداد سات ہزار تھی جو سب کے سب صاحب کمالات تھے۔

وفات آپ کو وجع مفاصل کا مرض تھا۔ آخر عمر میں اِس مرض نے بہت غلبہ پایا۔ وفات سے دو تین روز پیشتر آپ نے قرب وجوار کے بزرگوں کو ایک رقعہ بدیں مضمون لکھا کہ وقت رحلت آپہنچا ہے۔ دعا فرمائیں کہ خاتمہ بالخیر ہو۔ وفات سے ایک روز پیشتر جمعہ کے دن آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ امید نہیں کہ کل اِس وقت تک دنیا میں رہوں۔ اور سب کو پند و نصائح فرما کر خلوت میں تشریف لے گئے۔

صبح کو آپ نے نماز فجر کمال تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کی۔ مراقبہ معمولہ کے بعد اشراق پڑھی۔ بعد ازاں سکرات موت آپ پر شروع ہو گئے۔ اُس وقت آپ کی زبان مبارک جلد جلد چلتی تھی۔ صاحبزادوں نے کان لگا کر سنا۔ تو معلوم ہوا کہ آپ یٰسین شریف پڑھتے تھے۔ غرض کہ شنبہ کے دن دوپہر کے وقت ۹ ربیع الاول سنہ ۱۰۷۹ھ کو آپ نے وصال فرمایا۔

جہاں پر اب حضرت قیوم ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا روضہ مبارک ہے۔ وہ جگہ حضرت مروج الشریعت کی ملکیت تھی۔ جب حضرت قیوم ثانی کا وصال ہوا۔ تو حضرت مروج الشریعت نے ان کو اپنی جگہ میں دفن کیا۔ اور شاہجہان کی صاحبزادی روشن آرا نے اُس پر عالیشان روضہ تعمیر کرایا۔ اس کی تعمیر کے لئے شہزادی نے ایران سے نہایت اعلیٰ درجہ کے استاد معمار طلب کئے تھے۔ اور روضہ شریف پر سنہرا کام کیا گیا تھا جو آئینہ کی طرح چمکتا تھا اور آفتاب نکلنے پر جگمگا اُٹھتا تھا۔ دروازوں کے پردے شامیانے اور مزارپوش زرنگار کے تھے انقلاب زمانہ سے وہ نقش و نگار مٹ گئے۔ روضہ منورہ کے شمال کی جانب مسجد عالی واقع ہے جو آپ کے صاحبزادے حضرت مروج الشریعت خواجہ عبید اللہ نے سنہ [illegible]ھ میں تعمیر کرائی تھی۔ کہتے ہیں کہ روضہ شریف کی عمارت اور سامان فرش فروش پر ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ خرچ ہوا۔ پانچ ہزار اشرفی گنبدوں پر صرف ہوئی۔ چالیس ہزار روپیہ مسجد پر خرچ ہوا۔ اب اِس روضہ کے اندر آٹھ قبریں ہیں بدیں تفصیل۔

(۱) مرکز میں حضرت عروۃ الوثقیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ (۲) مرکز سے ملحق جانب مشرق حضرت مروج الشریعت خواجہ عبید اللہ فرزند سوم حضرت عروۃ الوثقیٰ۔ (۳) مرقد خواجہ عبید اللہ سے ملحق جانب مشرق حضرت ابو العلیٰ فرزند اکبر حضرت قیوم ثالث حجۃ اللہ محمد نقشبندؒ (۴) مرکز سے ملحق جانب غرب خواجہ محمد اشرف فرزند چہارم حضرت عروۃ الوثقیٰ۔ (۵) مرقد خواجہ محمد اشرف سے جانب غرب خواجہ صبغۃ اللہ فرزند اکبر حضرت عروۃ الوثقیٰ۔ ان پانچ قبروں کی پائنتی کی طرف (۶) شیخ محمد ہادی فرزند سوم حضرت مروج الشریعت خواجہ عبید اللہؒ۔ (۷) حضرت محمد شیخ الاسلام فرزند حضرت محمد پارسا فرزند چہارم حضرت مروج الشریعت خواجہ عبید اللہ۔ (۸) حضرت نور معصوم فرزند اکبر میر محمد نعمان حق رسا فرزند چہارم حضرت خواجہ محمد پارسا۔

حلیہ مبارک آپ کا قد خاصا تھا۔ بدن مبارک پُر گوشت۔ رنگ گندمی۔ ابرو کشادہ۔ ناک اونچی۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ ڈاڑھی سفید اور تمام اعضا نہایت متناسب اور خوش شکل تھے۔ آپ کا لباس نہایت لطیف بلکہ الطف ہوتا۔ عمامہ سر پر ہوتا۔ کبھی ہندی لباس زیب تن فرماتے۔

کلماتِ قدسیہ

مکتوبات احمدیہ کی طرح حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے مکتوبات کی بھی تین جلدیں ہیں۔ جلد اول کو آپ کے فرزند سوم خواجہ محمد عبید اللہ مروج الشریعہ نے جمع کیا۔ اور جلد دوم کو شرف الدین حسین حسینی ہروی نے حسب اشارہ حضرت خواجہ سیف الدین رحمہ اللہ تعالیٰ اور جلد سوم کو حاجی محمد عاشور بخاری حسینی نے حسب اشارہ حضرت خواجہ محمد نقشبند قیوم ثالث جمع کیا۔ بطور تبرک چند مقامات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے۔ کہ قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ قبر کے باغ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ پردہ و مسافت جو زمین قبر اور بہشت کے درمیان ہوتا ہے اٹھ جاتا ہے۔ اور دونوں جگہوں کے درمیان کوئی پردہ اور مانع نہیں رہتا۔ گویا زمین قبر کو جنت کے ساتھ فنا اور بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ فافہم۔ اور یہی معنی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے کہ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ جاننا چاہئے کہ اس قسم کا روضہ اخص خواص کے لئے ہے۔ ہر مومن کو حاصل نہیں۔ غایت مافی الباب جب مومنوں کی قبریں صفائی اور نورانیت پیدا کرتی ہیں۔ تو اس امر کی استعداد حاصل ہو جاتی ہے کہ جنت کا پرتو ان قبروں پر منعکس ہوتا ہے۔ اور صاف کردہ شیشہ کی مثل ہو جاتی ہیں۔ (مکتوبات۔ جلد اول۔ مکتوب ۱۰)۔

(۲) ہمارے طریقہ میں درجہ کمال پر پہنچنے کا مدار شیخ مقتدا کے ساتھ رابطہ محبت پر موقوف ہے۔ طالب صادق اس محبت کے ذریعے جو شیخ سے رکھتا ہے اس کے باطن سے فیوض و برکات حاصل کرتا ہے۔ اور باطنی مناسبت سے ساعت بساعت اُس کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے۔ کہ فنا فی الشیخ فنائے حقیقی کا پیش خیمہ ہے۔ اکیلا ذکر بغیر رابطہ مذکورہ اور بغیر فنا فی الشیخ کے درجہ کمال پر پہنچانے والا نہیں۔ ذکر اگرچہ اسباب وصول سے ہے۔ لیکن اکثر رابطہ محبت و فنا فی الشیخ کے ساتھ مشروط ہے۔ ہاں اکیلا رابطہ آداب صحبت کی رعایت اور شیخ کی توجہ اور التفات کے ساتھ بغیر التزام طریق ذکر کے درجہ کمال پر پہنچانے والا ہے۔ اور سلوک و تسلیک اختیاری میں جو دوسرے طریقوں سے وابستہ ہے کام کا مدار وظائف اور اوراد و اذکار پر ہے۔ اور معاملہ کی بنیاد اربعینوں کی ریاضتوں پر ہے۔ اور پیر طریقت کی طرف اِس قدر رجوع نہیں ہے اور طریق نقشبندیہ میں جو صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طریق ہے افادہ و استفادہ انعکاسی ہے۔ شیخ مقتدا کی صحبت رعایت آداب کے ساتھ کافی ہے۔ اور وظائف اذکار و طاعات بھی اشیائے ممد و معاون میں سے ہیں۔ حضرت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات الزاکیات

والتسلیمات والتحیات النامیات کی صحبت کمالات کے حصول میں بشرط ایمان وتسلیم وفرمانبرداری کافی تھی۔ اس واسطے اس طریق میں وصول کی راہ اور طریقوں سے زیادہ قریب تر ہے۔ اور شیخ کامل مکمل سے فیوض وبرکات حاصل کرنے میں جوان اور لڑکے اور بوڑھے اور زندے اور مرے برابر ہیں۔ اس طریقہ عالیہ میں جو اندراج نہایت در بدایت پر متضمن ہے ریاضت سنت سنیہ کا اتباع اور بدعت ناپسندیدہ سے اجتناب ہے۔ اس طریقہ کے بزرگوں کا قول ہے۔ مصرعہ۔ سایۂ رہبر بہ از ذکر حق۔ سایہ رہبر سے اشارہ طریقہ رابطہ کی طرف ہے جس سے مراد شیخ کی صورت کا نگاہ رکھنا ہے۔ جیساکہ اس طریق میں مقرر ہے۔ یعنی مبتدی طالب کے لئے طریقہ رابطہ ذکر سے زیادہ مفید ہے۔ اگرچہ ذکر بذات خود شرافت وفضیلت رکھتا ہے۔ اس کا بیان یوں ہے کہ بیچارہ مرید چونکہ عالم سفلی میں گرفتار ہے اس سبب سے عالم علوی سے مناسبت نہیں رکھتا تاکہ حضرت باریتعالےٰ سے بغیر واسطہ کے فیوض وبرکات اخذ کرے۔ ایک واسطہ دو جہت والا درکار ہے جو عالم علوی سے بہرہ ور ہو کر مخلوق کی دعوت وارشاد کے لئے عالم سفلی کی طرف متوجہ ہوا ہو۔ اور بوجہ مناسبت اولی کے عالم غیب سے فیوض اخذ کرکے بوجہ مناسبت ثانیہ کے جو عالم سفلی سے رکھتا ہے ان فیوض کو لائق مریدوں تک پہنچائے۔ اس لئے طالب رشید شیخ کے ساتھ مناسبت کا وجود جس قدر زیادہ رکھتا ہو اس کے باطن سے اسی قدر اخذ فیوض زیادہ کرے گا۔ ؎

زاں روے کہ چشم تست احول ۔۔۔ معبود تو پیر تست اول

اور جو چیزیں کہ شیخ کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے والی ہیں وہ یہ ہیں۔ ظاہر وباطن میں شیخ کی محبت اور اس کی خدمت اور آداب کی رعایت۔ آپ نے سنا ہوگا کہ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچتا۔ اور عبادات وعادات میں اس کی پیروی۔ اور اپنی مرادوں کو اس کی مرادوں کے تابع کرنا اور تمام امور میں اپنے تئیں اس کے حوالہ کرنا جیساکہ مردہ غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ طریقہ رابطہ ان امور میں سب سے بڑا ہے اور شیخ کے ساتھ اشد مناسبت پیدا کرتا ہے اور امور مذکورہ کو آسان کرنے والا ہے جو مناسبت کے بہت پیدا کرنے والے ہیں۔ جب نسبت رابطہ کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو طالب اپنے تئیں شیخ کا عین دیکھتا ہے اور اپنے تئیں اس کے لباس وصفت سے متصف پاتا ہے۔

؎ از بس بتاں ہمہ در چشم من تو مے آئی ۔۔۔ بہر کہ مے نگرم صورت تو مے بینم

(جلد اول۔ مکتوب ۸۷)۔

(۳) آپ نے لکھا تھا کہ پیر کا مریدوں کے حالات کو نہ جاننا باعث نقص ہے یا نہیں۔ آپ کو معلوم رہے

کہ سلوک و تسلیک اختیاری میں پیر کو مرید کے احوال کا علم اور اسی طرح مرید کو اپنے احوال کا علم ضروری ہے۔ اور ہمارے طریقہ میں جو اصحاب کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے ایسا علم نہ پیر کے لئے درکار ہے اور نہ مرید کے لئے۔ کیونکہ اس طریق میں افادہ و استفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے۔ مرید اپنے شیخ کامل کی صحبت میں محبت و فنافی الشیخ کے مطابق ہر ساعت اس کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس صورت میں افادہ میں اور استفادہ میں اسے علم کی کیا حاجت ہے۔ خربزہ جو آفتاب کی حرارت سے پکتا ہے کیا ضرورت ہے کہ سورج کو یا خربزہ کو پکانے یا پکنے کا علم ہو۔ اس طریق میں مرید اپنے شیخ کے ساتھ وجوہ مناسبت جس قدر زیادہ پیدا کرتا ہے اتنی قدر اس کے حق میں انصباغ زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ (جلد اول۔ مکتوب ۱۴۲)۔

(۴) قیوم اس عالم میں خدا جل وعلا کا خلیفہ اور اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اقطاب اور ابدال اس کے ظلال کے دائرہ میں مندرج ہیں۔ اور افراد و اوتاد اس کے کمال کے محیط میں داخل ہیں۔ عالم کے سب افراد اس طرف متوجہ ہیں۔ وہ جہان والوں کی توجہ کا قبلہ ہے جانیں نہ جانیں۔ بلکہ جہان والوں کا قیام اس کی ذات سے ہے۔ اس لئے کہ عالم کے افراد چونکہ اسماء و صفات کے مظاہر ہیں کوئی ذات ان کے درمیان نہیں پائی جاتی۔ وہ سب کے سب اعراض و اوصاف ہیں۔ اور اعراض و اوصاف کے لئے ذات اور جوہر کا ہونا ضروری ہے تاکہ ان کا قیام اس کے ساتھ ہو عادت اللہ یوں جاری ہے کہ ازمنۂ دراز کے بعد ایک عارف کو ذات سے ایک نصیب عطا کیا جاتا ہے اور اس کو ایک ذات دی جاتی ہے تاکہ وہ نیابت و خلافت کے طور پر اشیا کا قیوم ہو جائے اور اشیاء اس کے ساتھ قائم ہوں۔ (جلد اول۔ مکتوب ۸۶)۔

(۵) اس دار فانی میں بڑا مطلب حق جل وعلا کی معرفت کا حاصل کرنا ہے۔ اور معرفت دو قسم کی ہے۔ قسم اول وہ معرفت ہے۔ جسے بڑے بڑے عالموں نے بیان کیا ہے۔ قسم دوم وہ معرفت ہے کہ جس کے ساتھ صوفیہ کرام ممتاز ہیں۔ قسم اول نظر و استدلال سے وابستہ ہے اور قسم دوم کشف و شہود سے۔ قسم اول دائرہ علم میں داخل ہے جو تصور و تعقل کی جنس سے ہے۔ اور قسم دوم دائرہ حال میں داخل ہے اور جنس تحقق سے ہے۔ قسم اول عارف کے وجود کے فانی کرنے والی نہیں۔ اور قسم دوم سالک کے وجود کے فانی کرنے والی ہے۔ کیونکہ اس طریق میں معرفت سے مراد معروف میں فنا ہے۔ ؎

قرب حق از قید ہستی رستن است　　قرب نے بالا و پستی رفتن است

قسم اول علم حصولی کی قسم سے ہے اور ادراک مرکب ہے۔ اور قسم دوم علم حضوری کی جنس سے ہے

اور وہ ناک بسیط ہے۔ کیونکہ حاضر اس محل میں بجائے نفس سالک کے جو فانی ہو گیا ہے۔ حق سبحانہ ہے۔ قسم اول معرفت کا حاصل ہوتا ہے باوجود نفس کی منازعت و انکار کے۔ کیونکہ نفس اس جگہ میں صفاتِ رذیلہ پر ہے اور امارگی اور سرکشی سے جو اس کی طبیعت میں ہے نہیں نکلا ہے۔ اور نافرمانی اور سرکشی سے جو جبلی و پیدائشی ہے باز نہیں آیا ہے۔ اس محل میں اگر ایمان ہے تو صورت ایمان ہے اور اگر اعمال صالح ہیں صورت اعمال ہیں۔ کیونکہ نفس اب تک اپنے کفر پر ہے اور اپنے مولا سے عداوت کرنے پر قائم ہے۔ حدیث قدسی میں ہے: "تو اپنے نفس سے عداوت کر کیونکہ وہ مجھ سے عداوت کرنے پر قائم ہے۔" اس واسطے اس ایمان کو ایمان مجازی کہتے ہیں۔ یہ ایمان زوال و خلل سے محفوظ نہیں ہے۔ المجاز ینفی مشہور ہے۔ اور معرفت کی قسم دوم چونکہ سالک کے وجود کے فانی کرنے والی ہے اور نفس کے مطیع ہونے کا نتیجہ دینے والی ہے۔ اس لئے اس محل کا ایمان زوال و خلل سے محفوظ ہے۔ اس جگہ میں حقیقت ایمان ہے۔ اور اعمال صالح کی حقیقت اس محل میں ثابت ہے۔ حقیقت نیست نہیں ہوا کرتی۔ بقا اس کو لازم ہے گویا اس حدیث نفیس اللهم انی اسئلك ایمانا لیس بعدہ کفر۔ اور آیہ کریمہ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ میں اسی ایمان کی طرف اشارہ ہے۔ امام احمد بن حنبل اسی معرفت کے طالب تھے۔ کہ باوجود علم و اجتہاد کے بشر حافی رح کی رکاب میں چلتے تھے۔ لوگوں نے ان سے سبب پوچھا۔ فرمایا کہ اس کو خدا کی پہچان مجھ سے بہتر ہے۔ امام اعظم کوفی قدس سرہ اپنی عمر کے اخیر دو سال میں کہ اجتہاد و استنباط کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے تھے چنانچہ خواب میں فرمایا: "اگر دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔" اسی معرفت کی تحصیل و تتمیم میں تھے اور اسی ایمان کی تکمیل میں تھے جو اس معرفت کا ثمرہ ہے۔ ورنہ وہ اعمال میں بڑا پایہ رکھتے تھے۔ کونسا عمل ہے جو اجتہاد و استنباط کے درجہ کو پہنچا ہے۔ اور کونسی طاعت ہے جو درس و تدریس کی ہم پایہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ کامل طور پر اعمال کی قبولیت کمال ایمان کے اندازہ کے موافق ہے۔ اور اعمال کی نورانیت کمال اخلاص سے ہے۔ ایمان و اخلاص جس قدر زیادہ ہوں گے۔ اعمال کی نورانیت و قبولیت و کمال اسی قدر زیادہ ہو گا۔ اور ایمان و اخلاص کا کمال معرفت پر موقوف ہے۔ چونکہ یہ معرفت و ایمان حقیقی فنا اور موت قبل الموت سے وابستہ ہے۔ اس لئے جس کا قدم فنا میں زیادہ محکم ہو گا۔ وہ ایمان میں زیادہ کامل ہو گا۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رض کا ایمان امت کے ایمان پر راجح نکلا۔ حدیث میں ہے: "اگر ابو بکر کا ایمان میری امت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے۔ تو ابو بکر کے ایمان کا پلڑا بھاری ہو گا۔" کیونکہ حضرت صدیق رض فنا میں فرد کامل تھے۔ یہ حدیث "جو شخص مردہ کو روئے زمین پر چلتا ہوا

دیکھنا چاہے وہ ابوقحافہ کے بیٹے کو دیکھ لے" اسی مطلب کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ فنا اگرچہ تمام صحابہ کرام کو حاصل تھی مگر باوجود اس کے حصول فنا کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کی تخصیص اس امر کی دلیل ہے کہ یہ خوبی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں بدرجہ کمال تھی۔

اِس طوالت کلام سے مقصود یہ ہے کہ ہوشمندوں اور داناؤں پر لازم وضروری ہے کہ اپنی حالت پر بخوبی غور کریں جس شخص کو معرفت مذکورہ بالا حاصل ہے اُس کے لئے خوشی وبشارت ہے۔ کیونکہ اُس کی پیدائش سے جو مقصود تھا وہ بجالایا۔ اور اُس نے بمقتضا اِس آیت کے زندگانی کی۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ لیعبدون سے مراد لیعرفون ہے۔ کیونکہ کمال عبادت معرفت سے وابستہ ہے۔ اور جس شخص کو یہ معرفت حاصل نہیں اُسے چاہئے کہ اس کی طلب میں جان سے کوشش کرے اور جہاں مطلوب کی کچھ بو پائے اس کے پیچھے ہولے۔ افسوس ہے کہ اِس دار فانی میں جو کچھ انسان سے مطلوب ہے وہ بجانہ لائے اور دوسرے کاموں میں مشغول ہو جائے۔ اور جس چیز کی تخریب کے لئے مامور ہے اُسے تعمیر کرے کل کو کس منہ سے اور کونسے عذر کے ساتھ لب کشائی کرے گا۔ ؎

ترسم کہ یار با ما ناآشنا بماند تا دامن قیامت ایں غم بما بماند

(جلد ثانی۔ مکتوب ۶۱)۔

(۹) موجود حقیقی ایک سے زیادہ نہیں جو بزرگ وپاک ہے۔ اور ماسوا جسے عالم کہا جاتا ہے معدوم ہے موجود نما۔ یعنی افراد عالم کے حقائق اعدام ہیں۔ وہ اعدام اپنے آئینوں میں کمالات وجودی کے انعکاس کے سبب سے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ موجود ہیں۔ وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ۔ اور مقرر وثابت ہے کہ وجود ہر خوبی وکمال کا مبدأ ہے۔ اور عدم ہر بُرائی اور نقص کا منشاء ہے۔ پس خوبی وکمال سب حق سبحانہ وتعالےٰ کی طرف عائد ہے۔ اور بُرائی اور نقص سب ممکن کی طرف راجع ہے۔ آیہ کریمہ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔ سنئے جب حقائق ممکنات کی حقیقت اعدام ہیں جو کمالات وجود کے انعکاس سے وجود نما ہو گئے ہیں۔ تو عالم کا وجود ایسے مرتبہ میں ہے جو مرتبہ وہم کے مشابہ ہے۔ اور اُس کا وجود واجب تعالےٰ کے وجود کے سامنے موہومات وتخیلات میں داخل ہے۔ آیہ کریمہ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اس کی دلیل ہے۔ اور وہ جو میں نے مرتبہ وہم کے مشابہ کہا۔ اُس کی وجہ یہ کہ وہ وہم کے ارتفاع سے مرتفع نہیں ہوتا اور معاملہ ابدی اور عذاب وثواب دائمی اس سے وابستہ ہے۔ پس عالم کی نسبت واجب جل وعلا کے ساتھ ایسی ہے جیساکہ موہوم کو موجود کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور معلوم ہے کہ موہوم کو

موجود کے ساتھ کوئی تدافع نہیں اور موجود کے لئے موہوم سے کوئی حد و نہایت نہیں۔ کیونکہ موجود ایسے وقت میں ہے کہ اُس مرتبہ میں موہوم کا کوئی نام و نشان نہیں۔ ۔

خوشتر آں باشد کہ سرّ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

(جلد ثانی۔ مکتوب ۱۰۸)۔

(۷) اے بھائی! ناجنس اور مخالفِ طریقہ کی صحبت سے پرہیز کر۔ اور بدعتی کی مجلسوں سے بھاگ۔ حضرت یحییٰ معاذ رازی فرماتے ہیں۔ تو تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کر۔ غافل علماء۔ مداہنت کرنے والے قاری۔ جاہل صوفی۔" جو شخص کہ شیخی کی مسند پر بیٹھا ہے۔ اور اُس کا عمل جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت کے موافق نہیں اور وہ زیورِ شریعت سے آراستہ نہیں۔ پناہ ہزار پناہ اُس سے دور رہ بلکہ اُس شہر میں نہ رہ جہاں وہ رہتا ہے۔ مبادا کہ زمانہ گزرنے پر تیرے دل میں اُس کی طرف میلان پیدا ہو جلے اور وہ تیرے کارخانہ میں خلل ڈال دے۔ کیونکہ وہ مقتدا بننے کے لائق نہیں۔ وہ پوشیدہ چور ہے اور شیطان کا جال ہے اگرچہ تو اُس سے طرح طرح کے خوارق دیکھے اور بظاہر دنیا سے بے تعلق پائے۔ تو اُس کی صحبت سے اِس سے بھی زیادہ بھاگ کہ شیر سے بھاگتا ہے۔ (جلد ثانی۔ مکتوب ۱۱۰)۔

(۸) اِس وقت کے اکثر خام صوفی اور ملحد کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے سے نہیں ڈرتے۔ اور کہتے ہیں کہ فقیری کا راستہ کسی کے ساتھ بگاڑ پیدا کرنا نہیں ہے سبحان اللہ حضور سرورِ انبیاء و رئیس فقراء و اولیاء علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو کہ جن کا قول ہے الفقر فخری حکم ہوتا ہے۔ کہ "اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر" اور حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ پسندیدہ بھی کافروں سے درشتی و جنگ کرنا تھا۔ یہ عجب فقراء ہیں کہ جناب پیغمبرِ خدا اور اپنے پیشوا کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں اور حضرت کے طریقۂ پسندیدہ کے خلاف کرتے ہیں جس سے ضلالت و گمراہی کی زیادتی ہی ہوگی۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ۔ کفار بے شک خدا کے دشمن ہیں جیسا کہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ یہ دوستی کا عجب دعویٰ ہے کہ اُس کے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہیں اور بیزاری ظاہر نہیں کرتے اگر کافر و فاسق لوگ خدا کے مبغوض و دشمن نہ ہوتے۔ بغض فی اللہ دین کے واجبات سے نہ ہوتا۔ اور افضل مقربات اور کمل ایمان نہ ہوتا۔ اور حصولِ ولایت و رضا و قربِ حق سبحانہ کا سبب نہ ہوتا۔ (جلد ثالث۔ مکتوب ۵۵)۔

(۹) صوفیہ علیہ کے مسلک پر وحدت وجود یہ ہے کہ سالک ممکن کے وجود کو واجب تعالےٰ کے وجود کے ساتھ متحد دیکھے اور اطلاق و تقیید کا فرق کرے۔ ۔

چیزیکہ مقید بود از رو ئے جہاں   واللہ کہ ہماں زِ رُوئے اطلاق حق است

پس اِس صورت میں ممکن و واجب تعالےٰ کے درمیان اتحاد ذاتی ہوگا۔ اگر مغایرت ہے تو اعتباری ہے۔ اور ہمارے مسلک پر وحدت وجود اِس معنی میں ہے کہ وجود اور کمالات تابع وجود حضرت رب معبود کا خاصہ ہے۔ اور ممکن کی ذات عدم ہے جو آئینۂ عدم میں کمالات وجودی کے منعکس ہونے کی سبب سے موجود نما ہوگئی ہے۔ پس ممکن اور واجب جل وعلاکے درمیان اتحاد ثابت نہ ہوا۔ اس مقام کی تفصیل حضرت مجدد رضؓ کے مکتوبات ورسائل سے واضح وظاہر ہے۔ (جلد ثالث۔ مکتوب ۴۳)۔

(۱۰) آپ نے قرآن کے حروف مقطعات اور آیات متشابہات کی نسبت سوال کیا تھا۔ اور اُس کا حل طلب کیا تھا۔ مخدوما! متشابہات میں طریق اسلم یہ ہے کہ ہم ان پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا علم حق سبحانہ کے حوالہ کرتے ہیں۔ یہ حق سبحانہ کے اسرار ہیں۔ جو اُس نے اپنے اخص خواص بندوں کو بتائے ہیں۔ اور رمز واشارہ سے کلام کیا ہے اور نامحرموں سے پوشیدہ رکھا ہے جس شخص پر اس معما کا راز کھل گیا ہے۔ اُس نے ظاہر کرنے کی جرأت نہیں کی۔ اور ان اسرار کے لکھنے اور بتانے کی دلیری نہیں کی۔ اس کا حل تفسیر بیضاوی اور تفسیر مدارک سے کس طرح ہوسکتا ہے۔ اور یہ عقدہ اِس نادان مسکین سے کیسے کھل سکتا ہے۔ معذور رکھئے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ (جلد ثالث۔ مکتوب ۱۸۳)۔

حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرّہ کی اولاد امجاد

حضرت عروۃ الوثقیٰ کی اولاد چھ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں بدیں تفصیل:۔

شیخ محمد صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ

آپ حضرت قیوم ثانی کے سب سے بڑے فرزند ہیں۔ ۱۰۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت قیوم اول نے حضرت قیوم ثانی سے فرمایا۔ کہ محمد معصوم! اِس فرزند میں اصلی نور دکھائی دیتا ہے۔ اس کا نام صبغۃ اللہ رکھو۔

آپ نے علوم معقول ومنقول انتہائی درجہ تک حاصل کئے۔ بعدازاں اپنے والد امجد کی خدمت میں علم باطن حاصل کیا۔ آپ حضرت قیوم اول کے کمالات کے جامع اور صاحب کرامات تھے۔ والد بزرگوار نے آپ کو ولایت کابل وغور کی خلافت دے کر رخصت فرمایا۔ وہاں آپ سے فیض جاری ہوا۔ ہر صبح وشام ہزارہا آدمی حلقہ میں شامل ہوتے۔ ۹ ربیع الثانی ۱۱۲۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اور اپنے والد امجد کے قبہ میں دفن کئے گئے۔

حضرت قیوم ثالث خواجہ محمد نقشبند رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ حضرت عروۃ الوثقیٰ کے دوسرے فرزند ہیں بروز جمعہ، رمضان مبارک ۱۰۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مرض موت میں حضرت عروۃ الوثقیٰ سے فرمایا تھا۔ کہ اس سال میرے وصال کے بعد تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جو قرب الٰہی کے کمالات میں میرے برابر ہوگا۔

آپ نے علم ظاہری و باطنی اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاصل کیا۔ بوجہ علو استعداد تھوڑے عرصہ میں آپ پر وہ اسرار منکشف ہوئے جن کی نسبت حضرت عروۃ الوثقیٰ فرماتے تھے۔ کہ یہ حیطہ درک عقل و تصور خیال سے باہر ہیں۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ نے اپنی قیومیت کے اکتالیسویں سال ۱۰۷۵ھ میں آپ کو قطب الاقطابی اور قیومیت کی بشارت دی۔ چنانچہ آپ خود بیان فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جب بعض علوم و معارف اور اسرار حضرت قیوم ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں بیان کئے۔ تو فرمایا کہ یہ علوم و معارف جو تم بیان کرتے ہو مقطعات قرآنی کے اسرار ہیں جو حضرت مجدد الف ثانی نے مجھ سے خلوت میں فرمائے تھے۔ بعد ازاں دوسرے روز مجھے خلوت میں بلا کر منصب قیومیت کی بشارت دی اور فرمایا کہ جو تاج مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے وقت جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے عنایت فرمایا تھا اب وہی تاج تمہیں عنایت ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تاج طینت اصالت قیومیت اور محبوبیت ذاتی پر مشتمل تھا۔ فرمایا۔ بعینہ وہی تاج ہے جو مجھے عنایت ہوا تھا۔ اب وہی تمہیں دیا گیا ہے۔

آپ نے ۱۱ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو مسند ارشاد پر جلوس فرمایا۔ آپ کی کثرت ارشاد کا یہ عالم تھا کہ آپ کی قیومیت کے پچیسویں سال ہر روز چار پانچ سو آدمی بلکہ اس سے زیادہ حاضر خدمت ہو کر مرید ہوتے بڑے بڑے مشائخ اور علماء اپنی اپنی مشیخت اور درس و تدریس کو چھوڑ کر آپ کے مرید ہوئے۔ روئے زمین کے مختلف حصوں سے لوگ ٹڈی دل کی طرح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ توران ترکستان اور بدخشاں کے بادشاہ اپنی اپنی حدود تک استقبال کے لئے آئے۔ اور اپنے اپنے ایلچی مع ہدایا آپ کی خدمت میں بھیجے۔ غرض اس قدر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ کابل میں گنجائش نہ رہی مجلس اقدس میں آپ کا دبدبہ اس طرح کا تھا کہ بادشاہ اور امراء کو جرأت نہ تھی کہ بات کریں۔ آپ نے چھتیس سال مسند قیومیت و ارشاد پر رونق افروز رہ کر بروز شب جمعہ ۲۹ محرم الحرام ۱۱۱۴ھ میں سرہند میں وصال فرمایا۔ آپ کو اس مکان میں جو قدیم سے آپ کی ملکیت تھا حضرت عروۃ الوثقیٰ کے روضہ مبارک سے شمال کی طرف تین تیر پرتاب کے فاصلہ پر فتح باغ کے قریب دفن کیا گیا۔ اور مرقد مبارک پر نہایت

عالی شان خوبصورت قبہ بنوایا گیا۔ آپ کے مقبرہ میں چار قبریں ہیں۔ ایک آپ کی۔ دوسری آپ کے فرزند محمد عمر کی تیسری آپ کی بیٹی کی چوتھی آپ کی زوجہ کی۔

حضرت حجۃ اللہ قیوم ثالث نے اپنی قیومیت کے اخیر سال حضرت عروۃ الوثقیٰ کے روضہ منورہ سے شمال کی طرف تین تیر پرتاب کے فاصلہ پر ایک عالی شان خوبصورت مسجد بنوائی تھی۔ اس کے تین گنبد اور دو برج تھے۔ صحن میں وضو کے لئے ایک حوض بنوایا تھا۔ اور مسجد کے مقابل ایک محل اور چند حجرے سالکوں کو توجہ دینے اور مراقبہ کے لئے بنوائے تھے۔ آج ان سب کے کھنڈرات نظر آتے ہیں۔

آپ کی اولاد چھ لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ آپ کے فرزند اکبر حضرت ابوالعلی ۱۰۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔ ۱۰۸۸ھ میں وفات پائی۔ اور حضرت عروۃ الوثقیٰ کے قبہ میں دفن ہوئے۔ حضرت ابوالعلی کے بڑے بیٹے قیوم رابع خواجہ محمد زبیر قدس سرہ بروز دوشنبہ ۵ ذیقعدہ ۱۰۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت حجۃ اللہ نے ان کو قیومیت کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ حضرت حجۃ اللہ کے وصال کے بعد انہوں نے یوم شنبہ یکم صفر ۱۱۱۴ھ میں مسند قیومیت و ارشاد پر جلوس فرمایا۔ اور اڑتیس سال اس مسند پر رونق افروز رہ کر ۴ ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ میں دہلی میں وصال فرمایا۔ آپ کی نعش مبارک کو سرہند لے آئے۔ اور جمعرات کے دن ۱۱ ذیقعدہ کو شیخ سعدالدین کی حویلی میں جسے انہوں نے شیخ موصوف کے فرزند سے چار ہزار روپیہ دے کر خریدا تھا دفن کئے گئے۔ ۱۱۵۳ھ میں آپ کے مرقد مبارک پر ایک عالی شان روضہ بنایا گیا۔ جو زنگا رنگ کے نقش و نگار سے آراستہ تھا اور جس میں چین اور فرنگ کی گلکاری کی ہوئی تھی۔

خواجہ محمد عبید اللہ رحمۃ اللہ

آپ حضرت عروۃ الوثقیٰ کے تیسرے فرزند ہیں۔ ۲۱ شعبان ۱۰۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کو ان سے بڑی محبت تھی۔ اور کثرت محبت کے سبب سے ان کو حضرت جیو صاحب کہا کرتے تھے۔ حضرت قیوم ثانی فرماتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تیرے فرزند میری طرح ہوں گے۔ ان فرزندوں سے مراد محمد نقشبند اور محمد عبید اللہ ہیں۔ حضرت قیوم ثانی نے آپ کو طینت و اصالت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری دی تھی۔

آپ نے ۱۱ ربیع الاول ۱۰۶۸ھ کو مسند ارشاد پر جلوس فرمایا۔ اور خلفائے معصومی کو از سر نو خلافت دی۔ اور باقی مریدوں کو اپنی طرف سے خلافت دے کر روئے زمین کے مختلف حصوں میں بھیج دیا۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ کی خانقاہ کی رونق آپ سے بدستور قائم رہی۔ اسی سال ایک روز نماز فجر کے بعد آپ مراقبہ میں تھے

کو الہام ہوا کہ تمہیں مروج الشریعت کا خطاب دیا گیا ہے۔

آپ کو تپ دق کا مرض ہوگیا۔ ارشاد کے چوتھے سال عالمگیر بادشاہ نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ اس مرض کے لئے سیر بہت مفید ہے۔ آپ شاہجہان آباد تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے آپ سے بیعت کی، اور مرض کے علاج کے لئے دوسری ولایتوں سے اطباء طلب کئے۔ مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ بلکہ مرض کا غلبہ ہوگیا۔ اس لئے آپ نے بادشاہ سے رخصت لی اور سرہند کو روانہ ہوگئے۔ جب سنبھالکہ میں پہنچے تو جمعہ کے روز اشراق کے وقت ۹ ربیع الاول سنہ ۱۰۸۳ھ میں انتقال فرمایا۔ وہاں سے آپ کی نعش کو سرہند میں لائے اور حضرت عروۃ الوثقیٰ کے قبہ میں دفن کردیا۔ آپ صاحب کشف وکرامات وتصانیف تھے۔

آپ کی اولاد میں پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ بیٹوں میں عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم تو بچپن میں فوت ہوگئے تھے۔ آپ کے بڑے بیٹے محمد ہادی صاحب کشف وکرامات وتصانیف تھے۔ انہوں نے ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱۲۱ھ میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت عروۃ الوثقیٰ کے روضہ کے اندر جنوب کی طرف مدفون ہوئے۔ رنے خواجہ محمد پارسا حضرت مروج الشریعت کے دوسرے فرزند تھے جن کو حضرت قیوم ثالث نے حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے کمالات کی بشارتیں دیں۔ آپ بروز دوشنبہ ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۱۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا جنازہ آپ کی وصیت کے مطابق حضرت عروۃ الوثقیٰ کے روضہ کے گرد پھرایا گیا اور چبوترے کے جنوب مغربی کونہ میں جہاں آپ نے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور فرمایا تھا کہ یہاں میری قبر بنانا دفن کئے گئے۔ اور مرقد مبارک پر ایک گنبد بنایا گیا۔

خواجہ محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت عروۃ الوثقیٰ کے چوتھے فرزند ہیں۔ سنہ ۱۰۸۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے مقامات سلوک اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں طے کئے۔ علوم معقول ومنقول میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ ۲۷ صفر سنہ ۱۱۱۷ھ میں فوت ہوئے۔ اور حضرت قیوم ثانی کے مرقد کے مغرب کی طرف مدفون ہوئے۔ آپ نزع کے وقت حسبی اللہ ونعم الوکیل بار بار پڑھتے تھے۔ آپ کی اولاد چار لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ جب کفار سرہند پر چڑھ آئے۔ تو آپ کے بڑے بیٹے شیخ محمد جعفران سے فی سبیل اللہ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور حضرت قیوم ثانی کے روضہ میں (بیرون قبہ) مدفون ہوئے۔ آپ کے چوتھے بیٹے شیخ محمد شافی الحال جامع علوم ظاہر وباطن تھے۔ حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مکتوبات پر مخالفوں نے جو شبہات کئے ہیں آپ نے ان کا رد خوب لکھا ہے۔ آپ نے سنہ ۱۱۵۰ھ میں رحلت فرمائی۔ اور حضرت قیوم ثانی کے روضہ مبارک میں (بیرون قبہ) مدفون ہوئے۔

شیخ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت عروۃ الوثقیٰ کے چھوٹے فرزند ہیں۔ ۱۰۵۷ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت قیوم ثانی کے چند سال بعد حج کو تشریف لے گئے۔ اور واپس آکر شاہجہان آباد میں سکونت اختیار کی۔ اور آخری دم تک وہیں رہے۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ حضرت مروج الشریعت فرماتے ہیں کہ مجھ پر لوح محفوظ کا انکشاف ہوا۔ وہاں پر میں نے لکھا دیکھا۔ محمد معصوم اور اس کے تلے صدیق ولی۔ فرمایا۔ صدیق ولی سے مراد میرے بھائی محمد صدیق ہیں۔ صاحب کشف و کرامات اور علم و فضل تھے۔ آپ نے ۱۱۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی نعش مبارک سرہند لائی گئی۔ حضرت قیوم ثانی کے روضہ مبارک کے شمال کی طرف خانقاہ کے محاذ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے مرقد پر ایک عالی شان گنبد بنایا گیا۔

(زبدۃ المقامات۔ مکتوبات معصومیہ۔ روضہ قیومیہ وغیرہ)۔

۲۷۔ حضرت خواجہ سیف الدین قدس سرہٗ

آپ حضرت عروۃ الوثقیٰ کے پانچویں فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت بقولے ۱۰۴۹ھ میں اور بقول مصنف روضہ قیومیہ ۱۰۵۵ھ میں بمقام سرہند ہوئی۔ آپ علوم ظاہری و باطنی اور کمالات صوری و معنوی اور زہد و تقویٰ و اتباع سنت کے جامع تھے۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ آپ کی علو استعداد دیکھ کر ہر دم آپ پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے عین ایام شباب میں اپنے والد بزرگوار سے تمام کمالات مجددیہ کے حصول کی بشارت پائی۔

امر معروف و نہی منکر سلطان وقت اورنگ زیب عالمگیر نے حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ سے التجا کی کہ اپنا کوئی خلیفہ میری ہدایت و توجہ کے لئے روانہ فرمائیں۔ اس پر حضرت نے اپنی قیومیت کے پینتالیسویں سال اسی صاحبزادے کو دہلی میں بھیج دیا۔ جب حضرت شیخ وہاں پہنچے۔ تو سلطان نے ان کا استقبال کیا۔ اور بڑے اعزاز و اکرام سے ان کو شہر میں لایا اور قلعہ میں لے گیا۔ جب آپ قلعہ کے دروازے پر پہنچے۔ تو دو ہاتھیوں کی مورتیں دیکھیں جن پر فیلبان سوار تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں قلعہ میں تب داخل ہوں گا کہ یہ مورتیں توڑ دی جائیں۔ چنانچہ وہ ہاتھی اور فیلبان بالکل توڑ دئے گئے۔ اور آپ قلعہ میں داخل ہوئے۔ دوسرے روز آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمام گویوں گانے اور بے ریش ناچنے والے لڑکوں اور تمام اہل بدعت کو ہندوستان کے ممالک محروسہ سے نکال دیا جائے۔

بادشاہ نے اس ارشاد کی بھی تعمیل کی۔ ایک روز بادشاہ نے حضرت شیخ کو حیات بخش باغ کی سیر کی تکلیف دی۔ وہاں سونے کی مچھلیاں تھیں، کہ جن کی آنکھوں میں جواہرات جڑے ہوئے تھے حضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ جب تک یہ مچھلیاں نہ توڑی جائیں۔ میں اس جگہ نہ بیٹھوں گا۔ باغ کے محافظوں نے نقصان شاہی کے خیال سے ان کے توڑنے میں تامل کیا۔ لیکن بادشاہ نے فوراً تڑوا دیں اور کہا کہ ارشاد شیخ کی تعمیل میں زیادہ نفع ہے۔

ایک روز بادشاہ شکار کے لئے نکلا۔ تو جنگل میں تمام مطربوں اور گویوں نے مل کر یہ شعر گایا۔ ؎

درکوئے نیکنامی مارا گزر ندادند　　گرتو نمے پسندی تغییر کن قضا را

بادشاہ نے کہا کہ حضرت شیخ سے جاکر کہو۔ انہوں نے جب حضرت کا نام سنا۔ تو ناامید ہو کر چلے آئے۔ ہزار ہا ڈھولک طنبور چنگ رباب وغیرہ ساز بدعت لاکر توڑے گئے۔ جب مطربوں اور گویوں کو کامل یقین ہو گیا کہ اب بادشاہ بدعت کا کوئی کام نہیں کرتا۔ تو ایک جنازہ بنا بادشاہ کی سواری کے آگے نکالا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ کس کا جنازہ ہے۔ کہا سرود و نغمہ مر گیا ہے۔ اُسے دفن کرنے جاتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ ایسا دفن کرنا کہ قیامت تک نہ نکلے۔

بادشاہ اس امر معروف و نہی منکر سے بہت خوش ہوا۔ چنانچہ اُس نے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی شکر گزاری میں ایک خط لکھا۔ جس کا جواب حضرت عروۃ الوثقیٰ نے یوں دیا:-

"سب ستائش واحسان اللہ کو سزاوار ہے۔ کہ فقیر زادہ نظر قبول میں منظور ہو گیا۔ اور اُس کی صحبت کا اثر حاصل ہو گیا۔ اور امر معروف و نہی منکر سے جو فقیر زادہ کا شیوہ ہے آپ نے شکر اور رضامندی ظاہر کی ہے فقیر اس عطیہ پر اللہ جل شانہ کا شکر بجالایا اور زیادہ دعا گوئی کا سبب ہوا۔ یہ کیسی بڑی نعمت ہے کہ باوجود اس تمام شاہی شان و شوکت اور دبدبہ سلطنت کے کلمہ حق سن کر قبول کیا جائے۔ اور ایک مسکین کی بات مؤثر ہو جائے۔ فَبَشِّرْ عِبَادِ[1] الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وبارک وسلم۔ (مکتوبات معصومیہ۔ جلد ثالث۔ مکتوب ۲۲۱)۔

حضرت شیخ خود بھی سلطان وقت کے حالات اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں لکھتے رہے۔ جن کے مطالعہ سے حضرت عروۃ الوثقیٰ بہت خوش ہوا کرتے۔ (دیکھو جلد ثالث۔ مکتوب ۲۲ و ۲۴۲)۔

---

[1] پس خوشخبری دے میرے بندوں کو جو سنتے ہیں بات۔ پھر چلتے ہیں اُس کے نیک پر۔ وہی ہیں جن کو ہدایت دی اللہ نے اور وہی ہیں عقل والے۔ (زمر ع ۲)۔

الغرض حضرت شیخ نے امر معروف و نہی منکر اس طرح کیا کہ ان سے پیشتر اس قسم کا احتساب کسی نے نہیں کیا۔ چنانچہ آپ کی سواری میں لوگوں کے احتساب کے لئے ہر روز سات سو لوہے کی لاٹھیاں ہوتیں۔ اِسی وجہ سے آپ کے والد بزرگوار آپ کو محتسبِ امت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی مشیخت و ارشاد اور رجوع خلق اِس قسم کا تھا کہ شاہی بارگاہ کے درمیان ایک کرسی مرصع بجواہر بچھائی جاتی۔ اور شیخ اُس پر جلوس فرماتے۔ اور گرد امراء ملوک و خوانین بڑے ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے۔ ایک بزرگ ناقل ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ یہ درویش ہیں اور اِس قدر تکبر کرتے ہیں۔ بمجرد اِس خطرہ کے شیخ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تکبرما از کبریائی اوست۔ اِس طرح آپ کی برکت سے بادشاہ و شہزادہ و بیگمات و جملہ امیر و وزیر داخل سلسلہ مجددیہ ہوئے۔ بعد ازاں آپ سرہند واپس آگئے۔ اور اپنے والد بزرگوار سے اقتباس انوار و برکات فرماتے رہے۔ اور اُن کے وصال کے بعد ان کی جانشینی کے اطوار و احوال پورے پورے بجا لاتے رہے۔

تواضع | آپ اکثر اخیر نصف شب مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ مبارک پر حاضر ہوتے۔ اور گرد پھر کر یہ شعر پڑھا کرتے۔ ؎

من کیستم کہ باتو دم دوستی زنم ۔۔۔ چندیں سگان کوئے تو یک کمتریں منم

توجہ و ارشاد | آپ کی خانقاہ میں ہر روز چار سو درویش استفادہ کے لئے جمع ہوتے تھے۔ اور حسب فرمائش ایک کھانے پکائے جاتے تھے۔ مگر باوجود اِس تنعم کے سالک بلند مقامات پر پہنچتے تھے۔ کیونکہ اِس طریقہ کا مدار مرشد کی ہمت و توجہ پر ہے۔

تصرفات و خوارق | آپ کے تصرفات و خوارق بہت ہیں جن میں سے صرف چند ذیل میں بیان ہوتے ہیں۔

(۱) آپ کا ایک مرید صوفی پائندہ محمد نام کابل سے عراق کی طرف جا رہا تھا۔ کہ اثنائے راہ میں ایک رافضی سے ملا۔ رافضی نے حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دیں۔ صوفی نے طیش میں آکر اُسے قتل کر دیا۔ لیکن بعد میں وہ ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس کے ہمراہی آکر مجھے تنگ کریں۔ ابھی اِسی خیال میں تھا کہ اچانک ایک برقعہ پوش سوار نمودار ہوا۔ اور اُس نے عصا سے اُس رافضی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ کسی قسم کا اندیشہ نہ کر۔ کیونکہ میں نے اُس کو گدھے کی صورت میں تبدیل کر دیا ہے۔ صوفی نے جب رافضی کو دیکھا تو گدھے کی شکل میں پایا۔ پھر صوفی نے سوار سے دیدار کی التماس کی۔ جب سوار نے برقعہ اُٹھایا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ آپ حضرت شیخ سیف الدین ہیں۔ جب اُس رافضی کے ہمراہی آئے۔ تو انہوں نے گھوڑے کو خالی پا کر جوش و خروش کیا۔ لیکن جب اُس کی لاش کو گدھے کی

صورت میں دیکھا۔ تو شرمندہ ہوکر اُسے دفن کردیا اور کچھ نہ کہا۔

(۲) ایک ثقہ شخص روایت کرتا ہے کہ ایک روز میں نے دل میں قرار دیا کہ آیندہ کبھی شیخ سیف الدین کی خدمت میں حاضر نہ ہوں گا۔ کیونکہ وہ تکبر بہت کرتے ہیں۔ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوتوال مجھے پکڑے لیے گیا ہے۔ اور ڈنڈے مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو وہ ہے جس نے شیخ سیف الدین کے حق میں خیال بد کیا ہے۔ وہ تو محبوب پروردگار ہیں۔ آنکھ کھلی تو میں نے توبہ کی۔ اور حاضر خدمت ہوکر آپ کا مرید ہوگیا۔

(۳) ایک شخص کا بیان ہے کہ مجھے مرض جذام ہوگیا۔ میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر دعا کی درخواست کی۔ آپ نے کچھ پڑھ کر دم کیا۔ اسی وقت شفا ہوگئی۔

(۴) ایک دفعہ حضرت قیوم رابع خواجہ محمد زبیر قدس سرہ کو بچپن میں سخت مرض لاحق ہوا حضرت شیخ ان کی عیادت کو آئے خواجہ محمد زبیر کی خالہ نے آپ سے دعائے شفا کی درخواست کی۔ آپ نے متوجہ ہوکر فرمایا۔ کہ حق تعالےٰ اِس لڑکے کا حافظ ومعین ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ لڑکا بڑا شیخ ہوگیا ہے اور لاکھوں آدمی ان کے حلقہ میں بیٹھے ہیں۔ پروردگار کو ان سے بہت سے کام لینے ہیں جن میں سے ابتک ایک بھی ظہور میں نہیں آیا۔ حضرت کا یہ کشف صحیح نکلا۔

وفات آپ کا معمول تھا کہ ظہر وعصر کے درمیان مستورات کو جمع کرکے حدیث سنایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ خلاف معمول وعظ جلدی ختم کردیا۔ مستورات نے عرض کیا کہ ابھی بہت وقت ہے۔ کچھ اور پڑھئے۔ فرمایا کہ اور تو محمد اعظم سے پڑھوانا۔ محمد اعظم آپ کے بڑے صاحبزادے کا نام تھا۔ بعد ازاں آپ بیمار ہوگئے۔ اور پھر حدیث سنانے کا اتفاق نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ اخیر وقت میں ایک طبیب لایا گیا جس کے عقاید خلاف اہل سنت وجماعت تھے۔ آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا۔ ایں کدام وقت است کہ مخالف شرع را پیش من مے آید۔ دور کنید ایں را۔ چنانچہ وہ طبیب اُسی وقت نکال دیا گیا۔ آپ نے ۱۹ جمادی الاولےٰ ۱۰۹۶ھ میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت قیوم اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے روضہ مبارک سے جنوب کی طرف ایک تیر پرتاب کے فاصلہ پر دفن کئے گئے۔ اور مرقد مبارک پر ایک عالی شان گنبد بنایا گیا۔ اور گرداگرد باغ لگایا گیا۔

آپ کی اولاد آٹھ لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں۔ سب سے بڑے صاحبزادے شیخ محمد اعظم جامع علوم ظاہری وباطنی اور صاحب ارشاد وتصانیف تھے۔

کلماتِ قدسیہ

(۱) حضرت شیخ سیف الدین قدس اللہ سرہ ایک روز تخت پر تہجد کے لئے وضو کر رہے تھے۔ اچانک وجد و سماع کے ذوق سے جو پڑوس میں ہو رہا تھا آپ پر بیخودی کی حالت طاری ہوئی۔ یکبار زمین پر گر پڑے۔ آپ کے دست مبارک پر سخت چوٹ آئی۔ جب صبح کو ہوش میں آئے اور لوگ عیادت کے لئے جمع ہو گئے۔ تو فرمایا کہ ارباب سماع ہم کو بے درد جانتے ہیں حالانکہ سماع سے یکبارگی میرا یہ حال ہو گیا تھا کہ عنقریب میری زندگی کا رشتہ منقطع ہو جائے اور میری روح کا مرغ قالب عنصری سے اڑ جائے۔ جو لوگ کثرت سے سماع کی رغبت رکھتے ہیں وہ کس طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ پس انصاف کرنا چاہئے کہ ہم بے درد ہیں یا وہ۔ لیکن وہ معذور ہیں۔ کیونکہ اُن کو ہمارے اندرونی درد کی خبر نہیں اگرچہ ہم ظاہر میں راکھ کی طرح سکون رکھتے ہیں۔ لیکن ہمارے باطن کا آتشکدہ درد و غم کے سوز سے شعلہ زن ہے۔ ؎

با ہمہ کس درمیاں وز ہمہ کس برکراں   سوختن و ساختن دین فقیر است و بس

اِس لئے ہم وجد و سماع کی طرف میلان نہیں رکھتے۔ اور پردہ نشینان درد و غم کو بالوں سے گھسیٹتے ہوئے خاص و عام کو نہیں دکھاتے۔ کیونکہ ہمارا طریقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے منسوب ہے۔ جو ظاہر میں کمال تمکنت و وقار سے آراستہ اور نہایت سکون و استقرار سے پیراستہ تھے۔ اس لئے وہ اکثر اوقات اپنے[۱] منہ میں کنکریاں رکھا کرتے تھے۔ سوائے محرمان راز کے اُن کے احوال باطنی کی کسی دوسرے کو خبر نہ تھی۔ مگر وفات کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُن کے گھر میں تشریف لے گئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ گھر کی چھت جا بجا جلی ہوئی اور سیاہ ہے۔ آپ نے سبب پوچھا۔ تو محرمان راز نے جواب دیا۔ کہ آپ کبھی کبھی درد مندول سے آہ نکالا کرتے تھے۔ جس کی حرارت و گرمی اور دھوئیں کے اثر سے یہ گھر جل گیا ہے اور سیاہ ہو گیا ہے۔ ؎

از دروں شو آشنا وز بروں بیگانہ باش   اینچنیں زیبا روش کم مے بود در جہاں

(۲) اپنے والد بزرگوار کو اپنے معاملہ باطنی کی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

عرضداشت۔ کمترین درویشاں محمد سیف الدین اپنے احوال پراگندہ کے عرض کرنے کی جرأت

---

[۱] امام غزالی فرماتے ہیں کہ اخبار میں حضرت صدیق اکبر کی نسبت وارد ہے۔ کہ آپ اپنے تئیں کلام سے روکنے کے لئے اپنے منہ میں سنگریزے رکھا کرتے تھے۔ اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے کہ اس نے مجھے ہلاکت کی جگہوں میں ڈال دیا ہے۔ مرقات شرح مشکوٰۃ۔ جزء رابع۔ صفحہ ۲۴۳۔

کرکے گستاخی کرتاہے۔ اور معافی کی امید پر حد سے تجاوز کرکے کلام کو طوالت دیتاہے۔ قبلہ گاہا! ہر چند فقیر نے چاہا اور چاہتا ہے کہ مباحات کے دائرہ سے قدم باہر نہ رکھے۔ لیکن بن نہیں آتا۔ عمل بعزیمت تو اس کے حق میں عنقائے مغرب ہے۔ اور اولے و احوط پر عمل کرنے سے بہت بعید ہے۔ بحمد اللہ کہ باوجود اس خرابی اور تباہ کاری کے اس درگاہ کے کتوں کی محبت میں مضبوط قدم رکھتا ہے۔ اور اس آستانہ عالیہ کی جاں نثاری کے اعتقاد میں ممتاز ہے۔ اپنے سرمایہ میں کوئی پونجی اس سے بہتر نہیں رکھتا۔ اور اسی کو مدنظر رکھ کر اپنے بعضے حالات سابقہ و لاحقہ کو عرض کرتاہے۔ ؎

توم‌راد دل دہ و دلبری بیں ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ رو بہ خویش خوان و شیری بیں

حضرت سلامت! اس سے چند سال پہلے آپ نے نہایت ذرہ پروری سے اس ناچیز کو حقیقت الحقائق سے الحاق اور نسبت ملاحت سے بہرہ ور ہونے کی سعادت سے مشرف فرمایا تھا۔ یہ ضعیف بھی دولت عظمیٰ سے جو کچھ پاتا تھا۔ اُسے عرض کرکے آپ کو تکلیف دیتا تھا۔ بعض وقت یہ نسبت عالیہ اس قدر زیر بار کرتی تھی کہ اتحاد جسدی بلکہ کمون و بروز کا معاملہ خیال میں آتا تھا۔ اور اپنے بدن میں کچھ بوجھ محسوس کرتا تھا۔ اور اب بھی اس تعجب انگیز حقیقت کے اسرار کے سمندروں میں غوطہ لگاتا ہے۔ اور ہر چند دور دور جاتاہے۔ گویا کچھ نہیں گیاہے۔ اور انواع مختلفہ میں ظاہر ہوتاہے اور ہر بار نئی فنا و بقا خیال میں آتی ہے۔ ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں ‌‌‌‌‌‌‌‌‌ بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

اپنا ما وا و مسکن تعین حبی معلوم کرتاہے۔ اور اپنے تئیں اس تعین سے کہ جس سے اوپر کوئی تعین نہیں گھرا ہوا پاتاہے۔ اور اسی تعین کے سبب سے اپنے آپ میں عجیب و غریب چیزیں سمجھتاہے۔ انوار و برکات ابر نیساں کی طرح برساتے ہیں۔ اور ایسے اسرار اس سے بیان کرتے ہیں۔ جن کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے۔ اور بعض اوقات ایسا خیال میں آیا ہے۔ کہ مروارید وزیور اس فقیر پر نثار ہوتے ہیں اور یہ فقیر اس نسبت سے اس قدر گھرا ہوا ہے کہ دوسری نسبتیں گویا چھپ گئی ہیں۔ اور نیز اس درویش کو آپ نے کئی بار بغیر حیلولت بشری کے مرتبہ مقدسہ سے اخذ فیوض و برکات کے واسطہ کے مرتفع ہونے کی بشارت دی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کے ساتھ کمال اتحاد اسی واسطہ کا اٹھ جانا ہے۔ اور اس قسم کا اتحاد اقل قلیل کے نصیب ہے جیساکہ مکتوبات قدسی آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اس قسم کے شخص کے حق میں اصالت کا نصیب لازم ہے یا نہیں۔ امید ہے کہ اس کے جواب سے یہ درویش سرفراز ہوگا۔ (روضہ قیومیہ۔ ملفوظات حضرت مرزا مظہر جانجاناں وغیرہ)۔

۲۸۔ حضرت سید نور محمد بدایونی قدس سرہٗ

سید السادات حضرت سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ عالم ظاہر و باطن اور فقیہ کامل تھے آپ نے کسب مقامات سلوک حضرت شیخ محمد سیف الدین قدس سرہ سے کیا۔ اور کئی سال حضرت حافظ محمد محسن کی خدمت میں بھی رہے جو حضرت عروۃ الوثقیٰ کے خلیفہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد سے تھے۔ اور حالات عالیہ اور مقامات ارجمند سے مشرف ہوئے۔ آپ کو استغراق بہت تھا پندرہ سال وقت نماز کے سوا کسی وقت آپ کو افاقہ نہ ہوتا تھا۔ نماز کے بعد پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے۔ آخر میں افاقہ ہو گیا تھا۔ کثرت مراقبہ سے آپ کی پشت مبارک خم ہو گئی تھی۔

احتیاط و تقوٰے آپ کمال تقویٰ اور اتباع سنت میں ممتاز تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب و عادات کا نہایت التزام و اہتمام تھا۔ کتب سیر و اخلاق نبوی پیش نظر رہتی تھیں۔ ان کے موافق عمل کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ بیت الخلا میں پہلے دایاں پاؤں رکھا۔ تین دن تک احوال باطنی میں قبض رہی۔ بہت تضرع کے بعد حالت بسط پیدا ہوئی۔

آپ لقمہ میں نہایت احتیاط کرتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے کئی دن کا کھانا پکا لیا کرتے۔ اور بھوک کی شدت کے وقت اُسی میں سے کچھ کھا لیا کرتے۔ فرماتے تھے کہ تین سال سے طبیعت کا تعلق کیفیت غذا سے نہیں رہا۔ ضرورت کے وقت جو مل جاتا ہے کھا لیتے ہیں۔ کمال اتباع سنت کے سبب سے آپ دو سالن کے اجتماع کو بدعت سمجھ کر ایک صاحبزادے کو گھی اور دوسرے کو شکر دیا کرتے۔ امیروں کے گھر کا کھانا کبھی نہ کھاتے تھے۔ کیونکہ وہ اکثر شبہ کی ظلمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ کسی دنیادار کے گھر سے کھانا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں ظلمت معلوم ہوتی ہے۔ اور براہ نوازش اپنے خلیفہ مرزا مظہر جانجاناں سے فرمایا۔ کہ تم بھی اس کھانے میں غور کرو۔ مرزا ممدوح نے متوجہ ہو کر عرض کیا۔ کہ کھانا وجہ حلال سے ہے۔ مگر ریا کی نیت کے سبب سے اس میں کچھ عفونت پیدا ہو گئی ہے۔ نواب مکرم خان جو حضرت شاہ نقشبند کی اولاد سے تھے اور حضرت عروۃ الوثقیٰ کے مرید تھے ان کے کھانے میں بہت تکلفات ہوا کرتے اور حد اسراف تک پہنچ جاتے۔ مگر حضرت سید باوجود احتیاط و کمال تقوٰے کے اُن کا کھانا کبھی کبھی بطور تبرک کھا لیا کرتے اور فرماتے کہ ان کے کھانے کے برکتوں سے اس قدر نور باطنی زیادہ ہوتا ہے کہ گویا ہم نے کھایا نہیں دو رکعت نماز پڑھی ہے۔ اپنے پیر کی محبت کے غلبہ اور انوار نسبت کے ظہور کے سبب سے نواب موصوف کی تمام چیزیں نور ہو گئی تھیں۔

اگر آپ دنیاداروں کے گھر سے کوئی کتاب بطور عاریت منگواتے تھے۔ تو تین روز تک اُس کا مطالعہ نہ کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ اُن کی صحبت کی ظلمت مثل غلاف کے اُس پر لپٹی ہوئی ہے۔ جب آپ کی صحبت مبارک کی برکت سے وہ ظلمت زائل ہوجاتی۔ تو مطالعہ فرماتے۔

مکاشفات وکرامات (۱) آپ کے مکشوفات بہت صحیح ومطابق واقع ہوا کرتے تھے۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو چشم سر سے ویسا محسوس نہیں ہوتا جیسا کہ آپ کو چشم دل سے نظر آتا تھا۔ چنانچہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید ناقل ہیں۔ کہ ایک دن میں اپنے مرشد حضرت سید السادات سید نور محمد بدایونی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت خوش بیٹھے ہیں۔ میں نے سبب دریافت کیا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ آج میں نے بہت سے پنکھے فقیروں میں تقسیم کئے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اِس عمل کی قبولیت کے سبب سے جناب الٰہی سے بکثرت فیوض وبرکات مثل بارش کے برس رہے ہیں۔

(۲) آپ کا تصرف قوی تھا اپنے مخلصوں کی حاجت برآری کے لئے توجہ فرمایا کرتے تھے۔ ایسا کم ہوتا کہ توجہ سے مراد پوری نہ ہوتی۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک عورت نے عرض کیا کہ میری لڑکی کو جن اُٹھا لے گئے ہیں۔ ہر چند عمل دعوات پڑھے گئے۔ کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ آپ توجہ فرمائیں۔ آپ نے دیر تک مراقبہ کرکے فرمایا۔ کہ فلاں وقت تیری لڑکی آجائے گی چنانچہ ویسا ہی وقوع میں آیا۔ لڑکی سے ماجرا دریافت کیا گیا۔ تو اُس نے کہا کہ میں ایک صحرا میں تھی۔ ایک بزرگ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے یہاں لے آیا۔ کسی شخص نے آپ سے مراقبہ کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ مراقبہ میں میں نے جناب الٰہی میں عرض کی تھی کہ اگر میری دعا وتوجہ میں اثر ہو تو کرلیں۔ جب الہام الٰہی سے مجھے معلوم ہوگیا کہ فقیر کی ہمت اِس امر میں اثر رکھتی ہے۔ تو میں نے کہہ دیا کہ لڑکی آجائے گی۔

(۳) آپ کا ہر عمل رضائے خدا کے موافق تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ دو رافضی عورتیں مرید ہونے کے لئے حاضر خدمت ہوئیں۔ آپ نے نور فراست سے اُن کا حال معلوم کرکے فرمایا۔ کہ تم پہلے عقیدہ بد سے توبہ کرو۔ اُن میں سے ایک آپ کے کمال کی قائل ہوکر داخل طریق ہوگئی۔ اور دوسری کو توفیق نہ ہوئی۔

(۴) آپ کا ایک مخلص ہوائے نفسانی سے چاہتا تھا کہ مرتکب زنا ہو۔ اِسی اثنا میں آپ کی صورت مثالی حاضر ہوکر درمیان میں حائل ہوگئی۔ عورت تو دہشت سے ایک گوشہ میں جا چھپی اور وہ مخلص تائب ہوگیا۔ اور مارے ندامت کے مدت تک حاضر خدمت نہ ہوا۔

(۵) ایک دفعہ آپ کے قیامگاہ کے قریب ایک بھنگ فروش نے دکان کھولی۔ آپ نے فرمایا کہ بھنگ کی ظلمت نے ہماری نسبتِ باطن کو مکدر کردیا۔ یہ سن کر آپ کے ارادتمندوں نے اُس پر سختی کی اور دکان

خراب کردی۔ آپ نے فرمایا کہ نسبت باطنی اب پہلے سے زیادہ مکدر ہوگئی۔ کیونکہ خلاف شرع اعتصابٌ وقوع میں آیا ہے۔ پہلے نرمی سے اُسے توبہ کرانی چاہیئے تھی۔ اگر وہ تائب نہ ہوتا۔ تو سختی سے منع کرتے۔ پس آپ نے اُسے تلاش کرکے بلوایا۔ اور مریدوں کی جرأت کی معافی مانگی۔ اور بڑی نرمی سے فرمایا کہ خلاف شرع پیشہ اچھا نہیں۔ کوئی مباح پیشہ اختیار کرنا چاہیئے۔ وہ یہ دیکھ کر تائب ہوگیا اور داخل طریق ہوگیا۔

(۶) آپ اپنے مریدوں کو ان کی لغزشوں پر تنبیہ فرمادیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز ایک مرید حضرت سید کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے چلا۔ راستے میں ایک نامحرم پر نظر پڑگئی۔ دیکھتے ہی فرمایا کہ تم میں ظلمت زنا معلوم ہوتی ہے۔ شاید کسی نامحرم پر تمہاری نظر پڑگئی۔ پھر براہ کرم توجہ فرماکر ازالۂ ظلمت فرمایا۔ اِسی طرح ایک روز ایک خادم کو راستے میں شرابی مل گیا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوا۔ تو فرمایا۔ کہ آج تمہارے باطن میں شراب کی ظلمت معلوم ہوتی ہے۔ شاید کسی شراب خوار سے تمہاری ملاقات ہوئی ہے۔ فرمایا کہ فاسقوں کی ملاقات سے نسبت مکدر ہوجاتی ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں تہلیل کرکے جاتا تھا تو فرما دیتے تھے کہ آج تم ذکر تہلیل کرکے آئے ہو۔ اور اگر کوئی درود شریف پڑھ کر جاتا۔ تو اُس سے فرمادیتے کہ تم درود شریف پڑھ کر آئے ہو۔

(۷) آپ فرماتے تھے کہ ایک روز ہم اپنے پیر حضرت حافظ محمد محسن کے مزار کی زیارت کے لئے گئے ہم نے واقعہ میں دیکھا۔ کہ بدن شریف اور کفن درست ہے۔ مگر پاؤں کے تلوے کے چمڑے اور کفن کے اُس حصہ میں خاک نے اثر کیا ہوا ہے۔ وجہ دریافت کی گئی۔ تو حضرت حافظ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہوگا۔ کہ ہم نے کسی غیر شخص کا پتھر بغیر اجازت کے وضو کی جگہ رکھ لیا تھا اور ارادہ یہ تھا کہ مالک جب آئے گا۔ اُس کے حوالہ کردیں گے۔ ہم نے ایک بار اُس پتھر پر اپنا قدم رکھا تھا۔ اس عمل کی نحوست سے مٹی نے اثر کیا ہے۔ بے شک جس کا قدم تقوٰے میں آگے ہے۔ اُس کا قرب و ولایت بھی اتنا ہی زیادہ ہے۔

وفات آپ کی وفات شریف ۱۱ ذیقعدہ سنہ ۱۱۳۵ھ میں ہوئی۔ اور دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار مبارک کے قریب نواب مکرم خاں کے باغ میں مدفون ہوئے۔

راقم الحروف ۱۶ رجب سنہ ۱۳۵۱ھ میں آپ کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا۔ مزار مبارک حضرت سلطان المشائخ کے روضہ مقدسہ سے جانب جنوب نالے کے پار پتھروں کی چاردیواری میں ہے جس میں دو نیم کے درخت ہیں۔ درخت جنوبی کے نیچے کچا مزار آپ ہی کا ہے۔ سرہانے پتھر کی لوح پر دو سطروں میں یہ عبارت لکھی ہے:۔

سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

بتاریخ ۱۱ ذی تعدہ ۱۱۳۵ھ ہجری انتقال فرمود

عام لوگ حضرت سید کو سید بھوڑے کہتے ہیں۔ وجہ یہ کہ وہ زمین جہاں مزار مبارک ہے زمین کی نہایت ناقص قسم ہے جسے بھوڑ کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ اورنگ زیب بادشاہ نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنے سال کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس قدر اپنے مرشد کی خدمت میں بسر ہوئی ہے۔ عمر وہی ہے۔ باقی تمام کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ ؎

اوقات ہماں بود کہ با یار بسر رفت　　باقی ہمہ بیحاصلی و بےخبری بود

حضرت مرزا صاحب مظہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہزار سے زیادہ شاغل ذکر اور صاحب حضوری و آگاہی آنجناب سے ہوئے ہیں اور بعض حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی نسبتہائے عالیہ سے مشرف ہوئے ہیں جیسے حضرت سید حشمت اور حضرت محمد باقی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

(مقامات مظہری مولفہ حضرت غلام علی شاہ قدس سرہ۔ جواہر علویہ مولفہ شاہ رؤف احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ)

۲۹۔ میرزا مظہر جانجاناں قدس سرہٗ

حضرت میرزا سادات علوی سے ہیں۔ آپ کا نسب نامہ یوں ہے میرزا جانجاناں بن میرزا جان بن میرزا عبد السبحان بن میرزا محمد امان بن شاہ بابا سلطان بن بابا خان بن امیر غلام محمد بن امیر محمد بن خواجہ رستم شاہ بن امیر کمال الدین　امیر کمال الدین کا نسب اُنیس واسطہ سے حضرت محمد بن حنفیہ کی وساطت سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تک پہنچتا ہے۔

نسب و ولادت امیر کمال الدین ۹۰۰ھ میں کسی ضرورت کے سبب سے شہر طائف سے ملک ترکستان میں آئے۔ اور ان حدود کے ایک حاکم کی لڑکی سے نکاح کر لیا۔ حاکم مذکور کے ہاں اولاد نرینہ نہ تھی۔ اس لئے اس علاقہ کی حکومت امیر موصوف سے متعلق ہوئی جس وقت ہمایوں بادشاہ نے ملک ہندوستان کو خاندان سور کے　افغانوں سے چھڑایا۔ وہ اس خاندان میں سے دو بھائیوں محبوب خان اور بابا خان کو اپنے ساتھ لے آیا۔ حضرت میرزا کے جد بزرگوار میرزا عبد السبحان جو دو واسطہ سے اکبر بادشاہ کے نواسے تھے باوجود جاہ و شوکت ظاہری کے خاندان چشتیہ میں مرید کیا کرتے تھے۔ آپ کی جدہ بزرگوار جو اسد خاں وزیر کی دختر تھیں آپ کے جد بزرگوار کی صحبت کی برکت سے مذہب اہل سنت و جماعت سے

مشرف ہوگئی تھیں۔ اُن کے باطن کی صفائی کا یہ عالم تھا کہ جمادات کی تسبیح سن لیا کرتی تھیں۔ اور مستورات کو مثنوی مولانا روم کا درس دیا کرتی تھیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ عفیفہ و خداترس اور پارسا تھیں۔ اور جود و سخا میں بے نظیر تھیں۔ بیجاپور کے رئیس شیخ زادوں کے خاندان عالی سے تھیں۔ آپ کے والد میرزا جان سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے ہاں صاحب منصب تھے۔ اور سلسلہ قادریہ میں حضرت شاہ عبدالرحمٰن قادری کے مرید تھے جس وقت سلطان موصوف ممالک دکن کے انتظام میں مشغول تھا۔ میرزا جان منصب و روزگار کو چھوڑ کر دارالخلافہ اکبر آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں مقام کالاباغ میں جو حدود مالوہ میں واقع ہے جمعہ کے دن فجر کے وقت ۱۱ ماہ رمضان ۱۱۱۰ھ یا ۱۱۱۳ھ میں یہ آفتاب دین مطلع سعادت سے نمودار ہوا۔ جب یہ خبر عالمگیر کو پہنچی۔ تو فرمایا کہ بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے۔ چونکہ باپ کا نام میرزا جان ہے۔ ہم نے اُن کے بیٹے کا نام جانِ جان رکھا لیکن عوام میں جانجاناں کر کے مشہور اور تخلص بہ مظہر اور ملقب بہ شمس الدین حبیب اللہ ہیں۔ حضرت میرزا فرماتے تھے۔ کہ ہمارے والد ماجد کہا کرتے تھے۔ کہ ہمارے واسطے تمہاری آمد مبارک ہوئی۔ کیونکہ تمہاری ولادت کے سال میں ہم نے دنیا کے تعلقات سے ہاتھ اٹھا لیا اور فقر و قناعت کی دولت اختیار کی۔

تعلیم و تربیت | حضرت میرزا کے والد بزرگوار نے آپ کی تعلیم و تربیت کے لئے نہایت اہتمام فرمایا۔ اور تمام اوقات منضبط فرما دئے۔ اور تاکید کردی کہ وقت عزیز اور عمر شریف ضائع نہ ہو جائے۔ رسائل محاورہ فارسی تو آپ نے اپنے والد ماجد سے پڑھے۔ اور کلام اللہ شریف مع تجوید و قراءت قاری عبدالرسول شاگردِ شیخ القراء شیخ عبدالخالق شوقی سے پڑھا۔ اور مختصرات علم معقول و منقول علمائے وقت سے پڑھے۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد علوم کی کتب مبسوط اور علم حدیث و تفسیر حاجی محمد افضل سیالکوٹی شاگردِ شیخ المحدثین شیخ عبداللہ بن سالم مکی سے حاصل کئے۔

علوم مذکورہ کے علاوہ حضرت میرزا کو دیگر فنون میں بھی مہارت کامل حاصل تھی۔ چنانچہ تقطیع سراویل آپ کو بچاس طرح سے آتی تھی۔ اور فن سپاہگری میں آپ کو اس قدر مہارت تھی کہ فرماتے تھے۔ کہ اگر بیس آدمی تلواریں کھینچ کر مجھ پر حملہ کریں اور میرے ہاتھ میں صرف ایک لاٹھی ہو۔ ایک آدمی بھی مجھے زخم نہیں پہنچا سکتا۔ ایک دفعہ نماز مغرب میں سلام پھیرنے کے وقت ایک شخص نے بادل کی تاریکی میں مجھ پر خنجر مارا۔ بجلی کی چمک میں میں نے خنجر اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور پھر اُسی کو دے دیا۔ اُس نے دوبارہ حملہ کیا۔ میں نے دوسری بار چھین کر پھر دے دیا۔ اسی طرح اُس نے سات بار کیا۔ آخر اُس نے معذرت کی اور پاؤں پر گر پڑا۔ نیز فرماتے ہیں کہ ایک بار مست ہاتھی راہ میں آرہا تھا۔ میں گھوڑے پر سوار سامنے سے

آگیا۔ فیلبان نے شور مچایا کہ ہٹ جاؤ۔ دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک بے جگر حیوان کے مقابلہ سے ہٹ جاؤں۔
چنانچہ ہاتھی نے بہایت غضب کی حالت میں مجھے سونڈ میں پیٹ لیا۔ میں نے خنجر نکال کر اُس کی سونڈ میں
مارا۔ اُس نے چیخ مار کر مجھے دور پھینک دیا۔ اور میں بفضل الٰہی سلامت رہا۔ ایک دفعہ جہاد با شرائط
پیش آیا۔ میں اور ایک سردار دونوں ہاتھی پر سوار تھے عین شدت حرب میں میرے ردیف کو میری
نسبت گمان ہوا کہ یہ ڈر گیا ہے۔ اُسی وقت میں نے ایک تازہ غزل موزون کی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔

آثار رشد و ہدایت

حضرت میرزا فرماتے تھے۔ کہ شور عشق و محبت اور رغبت اتباع سنت میری طینت
کے خمیوں میں تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میری عمر چھ مہینے کی تھی۔ کہ ایک خوبصورت عورت نے مجھے دایہ کی گود سے
اپنی گود میں لے لیا۔ اُس کے جمال کے جلوہ نے میرے دل کو بیقرار کر دیا۔ اور مجھے اُس کے ساتھ اُنس
پیدا ہوگیا۔ اُس کے دیدار کے بغیر آرام نہ آتا تھا۔ اور میں اُس کے فراق میں رویا کرتا تھا۔ میں پانچ سال
کا تھا کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ لڑکا عاشق مزاج ہے۔ یہ جاذبہ محبت طریق سلوک میں بہت
مفید ثابت ہوا۔ میں نو سال کا تھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں
دیکھا کہ بکمال عنایت پیش آئے۔ ان ہی ایام میں جب کبھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ذکر
آتا تھا۔ تو ان کی صورت مبارک میرے سامنے آجاتی۔ میں نے بارہا ان کو چشم ظاہر سے دیکھا اور اپنے
حال پر بہت مہربان پایا۔

ایک روز ایک شخص نے میرے والد ماجد کے سامنے ذکر کیا کہ قدمائے صوفیہ وحدت وجود کے قائل
ہیں۔ اور حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُن کے خلاف وحدت شہود کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی اثنا میں
میں نے دیکھا کہ ایک نور آفتاب کی طرح چمکا۔ اس میں حضرت مجدد صاحب ظاہر ہوئے اور میری طرف
اشارہ کرکے فرمایا کہ یہاں سے اُٹھ جاؤ۔ میں نے یہ واقعہ اپنے والد بزرگوار سے ذکر کیا۔ تو انہوں نے
فرمایا کہ غالب گمان یہ ہے کہ تم کو ان کے طریقہ سے فیض حاصل ہوگا۔ ایک روز خردسالی میں میرے
والد مجھ کو اپنے پیر حضرت شاہ عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کی خدمت میں لے گئے۔ شاہ صاحب سے کرامتیں ظاہر
ہوتی تھیں۔ مگر نماز میں تساہل فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے مجھے ڈر تھا کہ مبادا میرے والد مجھے ان سے
بیعت کرا دیں۔ کیونکہ تارک سنت قابل اقتدا نہیں۔ ایک دن میں نے پوچھا کہ حضرت عبدالرحمٰن نماز
میں تساہل کس واسطے کرتے ہیں۔ والد ماجد نے فرمایا کہ اُن پر سُکر غالب ہے وہ معذور ہیں۔ میں نے
عرض کیا کہ ادائے نماز میں سُکر غالب ہو جاتا ہے۔ مگر دوسرے امور میں ہشیار رہتے ہیں۔ اس سے میرے
والد خفا ہوگئے۔ اور فرمایا کہ کیا خدا تعالےٰ نے تم کو فہم و ذکا اس واسطے دیا ہے کہ میرے پیر پر اعتراض کرو۔

یہ سُن کر میرے دل سے بیعت کرانے کا کھٹکا نکل گیا۔

مجاہدہ وبیعت — حضرت میرزا فرماتے ہیں کہ جب میری عمر سولہ سال کی ہوئی۔ تو میرے والد بزرگوار نے اس جہان سے انتقال کیا۔ اور مرتے وقت وصیّت کی کہ کسب کمالات کے لئے اوقات کو بدستور منضبط رکھنا اور عمر کو لاطائل اشغال میں صرف نہ کرنا۔ چنانچہ حسب وصیّت میں نے اوقات کو علم و عمل اور صحبت احباب پر تقسیم کیا ہوا ہے۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد ایک روز میرے احباب، منصب موروثی شاہی کے حصول کے لئے مجھے فرخ سیر بادشاہ کی ملاقات کو لے گئے۔ اتفاقاً بادشاہ کو عارضہ زکام تھا۔ وہ دربار میں نہ آیا۔ اُسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک درویش نے اپنے مزار سے نکل کر اپنی کلاہ میرے سر پر رکھ دی۔ شاید وہ بزرگ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی تھے۔ اس خواب سے منصب وجاہ کی رغبت دل میں بالکل نہ رہی۔ اور درویشوں کی زیارت کا شوق غالب ہوا۔ جہاں کہیں میں کسی صاحب کمال کا نام سنتا۔ اُس کی زیارت کو جاتا۔ چنانچہ شیخ کلیم اللہ چشتی اور شاہ مظفر قادری اور شاہ غلام محمد موحد اور میر ہاشم جالیسری وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر موردِ عطایات ہوا۔

فرماتے ہیں کہ میں اٹھارہ سال کا تھا۔ کہ ایک روز غریب خانہ میں احباب کا مجمع تھا۔ کسی نے مجھ سے حضرت سید نور محمد بدایونی قدس سرّہ کے کمالات کا ذکر کیا۔ ان کے اوصاف حمیدہ سنتے ہی میرا دل بے اختیار ان کی قدمبوسی کا مشتاق ہو گیا۔ اور حاضرین مجلس کی ممانعت کے باوجود زیارت سے مشرف ہوا۔ مگر احباب کے انتظار کے خیال سے جلدی اُٹھنے کا قصد کیا۔ اور عرض کیا کہ پھر حاضر خدمت ہوں گا۔ اگرچہ حضرت سید کی عادت تھی کہ بغیر استخارہ مسنونہ کے کسی کو تلقین طریقہ نہ فرماتے تھے۔ مگر اُس وقت بغیر درخواست کے مجھ سے فرمایا کہ آنکھ بند کر کے قلب کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اور ایک ہی توجہ میں میرے لطائف خمسہ کو ذاکر بنا کر رخصت کر دیا۔ آپ کی توجہ کی تاثیر نے باطن کو ایسا متاثر کر دیا کہ دوسرے روز صبح کو جوش میں نے حضرت سید کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد کیا۔ اور حسب عادت آتے وقت آئینہ میں اپنی صورت دیکھی۔ تو بعینہ حضرت سید کی صورت پائی۔ اس سے محبت وعقیدت اور زیادہ ہو گئی۔ بالجملہ چار سال میں آپ نے معاملہ کو ولایت علیا تک پہنچا دیا۔ اور مجھے اجازت مع خرقہ عطا فرمائی۔ اور وصیت فرمائی کہ عقیدہ اہل سنت وجماعت پر قائم رہنا اور سنت پر عمل اور بدعت سے پرہیز کرنا۔ اس کے بعد حضرت میرزا چھ سال تک حضرت سید کے مزار پر جاتے رہے۔ اور تجلیات مسمیٰ باسم الباطن تک ترقی کر گئے۔ لیکن حضرت سید نے آپ کو بار بار واقعہ میں فرمایا۔ کہ کمالات الٰہی بے نہایت ہیں۔ اپنی

عمر متناہی کو طلب میں صرف کرنا چاہئے قبور سے استفادہ حصول نہیں۔ کسی زندہ بزرگ سے مقامات قرب کی تحصیل کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل میں حضرت میرزا نے بزرگان وقت کی خدمت کی طرف رجوع کیا۔ پہلے شاہ گلشن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو شیخ محمد عبدالاحد وحدت کے خلیفہ تھے۔ شاہ موصوف نے فرمایا کہ تمہیں شیخ زمانہ بننا ہے۔ فقیر آداب طریقہ کا چنداں پابند نہیں۔ کبھی کبھی سماع بھی سنتا ہے اور کبھی نماز بے جماعت پڑھتا ہے۔ تم کسی اور جگہ جاؤ۔ اس لئے آپ حضرت خواجہ محمد زبیر قیوم رابع کی خدمت میں پہنچے۔ خواجہ موصوف نے آپ کے حال پر بہت توجہ فرمائی۔ اور اپنے لڑکے سے فرمایا کہ ایسے بزرگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہئے جو آداب ظاہر و انوار باطن سے آراستہ ہیں۔ حضرت میرزا ان سے قدمبوس ہوئے۔ تو فرمایا کہ تم ہمارے ہی ہو۔ اس طریقہ میں صحبت شرط ہے۔ تمہارا مکان دور ہے۔ تم ہر روز حاضر نہیں ہو سکتے۔ جو نسبت تم کو حضرت سید سے پہنچی ہے اصیل ہے۔ اس کی بہت حفاظت کرنی چاہئے اور یہی کافی ہے۔ بعد ازاں آپ حضرت حاجی محمد افضل کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جنہوں نے اخذ طریقہ حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند سے کیا تھا۔ حضرت حاجی نے فرمایا کہ تم نے سلوک بر سبیل بصیرت کیا ہے۔ اور تمہیں کشف مقامات بھی ہے ہمیں چنداں کشف و علم مقامات نہیں۔ اس لئے استفادہ بوجہ احسن نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ حضرت میرزا نے بطریق توجہ ان سے استفادہ نہیں کیا۔ مگر سبق حدیث کے ضمن میں ان کے باطن سے فیوض پہنچتے تھے۔ بعد ازاں آپ حضرت حافظ سعد اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو حضرت محمد صدیق بن خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ کلاں تھے۔ حضرت حافظ نے آپ کو استخارہ کا حکم دیا۔ استخارہ میں اجازت معلوم ہوئی۔ آپ بارہ سال ان کی خدمت میں رہے اور بہت سے فوائد حاصل کئے۔ اس کے بعد آپ نے شیخ الشیوخ شیخ محمد عابد سنامی خلیفہ حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی کی طرف رجوع کیا۔ حضرت شیخ کی توجہات سے آپ نے کمالات ثلاثہ و حقائق سبعہ وغیرہ سات سال میں ختم کئے۔ بعد ازاں حضرت شیخ نے ایک سال میں دوبارہ ابتدا سے انتہا تک بطریق سیر مرادی تمام مقامات پر عبور کرایا جس سے ہر مقام کی کیفیات و حالات میں زائد قوت بہم پہنچی۔ حضرت میرزا فرماتے ہیں۔ کہ ولایات میں واردات توحید کے ظہور سے جو ذوق و شوق اور احوال و مواجید تھے۔ ان مقامات میں وہ سب زائل ہو گئے۔ اور عشق و محبت کا جوش و خروش جو تجلیات صفات کے سبب سے تقاضہ تجلیات ذاتی کے غلبہ میں مضمحل ہو گیا۔ اور نسبت عینیت و اتحاد مسلوب ہو گئی۔ اور بغیر نسبت عبودیت کے کچھ نہ رہا۔ اس مقام کے معارف و حقائق اسلام کے عقائد حقہ اور شرائع و احکام اور برد یقین[1]

[1] برد یقین ایک مقام ہے جو کمالات نبوت میں حاصل ہوتا ہے۔ برد کے معنی خنکی کے ہیں۔ یعنی یقین کی خنکی و راحت ۱۲

اور اتصال بے کیف اور احوال بے رنگ اور لطافت نسبت میں سان مقامات میں ہر مرتبہ میں
بے کیفی و بے رنگی حاصل ہوئی۔ اور فیض جو مقامات سافلہ میں مثل بڑے بڑے قطرے والی بارش
کے تھا یہاں لطیف ہوگیا اور آخر میں مثل شبنم کے رہ گیا۔ نہایت بیرنگی کے سبب سے حضرت شیخ
کی توجہات کی برکتیں کم محسوس ہوتی تھیں۔ بلکہ آخر کار ان کی صحبت شریف میں ایک طرح کی صفائی حال
ہوتی تھی۔ اور کوئی ذوق و کیفیت نہ رہی۔ میں نے حضرت شیخ سے شکایت کی۔ فرمایا۔ کچھ اندیشہ
نہ کرنا چاہئے۔ فیضان الٰہی برابر پہنچتا ہے۔ اگرچہ نہایت بیرنگی کی وجہ سے ادراک میں نہیں آتا۔ جو
حوض کہ پرنالہ سے پُر ہوتا ہے۔ جب تک وہ خالی ہوتا ہے۔ پانی کے گرنے کی آواز معلوم ہوتی رہتی
ہے۔ مگر جب لبریز ہو جاتا ہے۔ اُس میں پانی آتا رہتا ہے۔ لیکن آواز پیدا نہیں ہوتی۔ حضرت میرزا کا
قول ہے کہ حضرت شیخ کی توجہات سے میری نسبت باطنی میں ایسا طول و عرض پیدا ہو گیا کہ نظر کشفی
اُس سے قاصر ہے۔ اور تسلیک مقامات طریقہ میں وہ قوت حاصل ہوئی کہ جس کا اظہار باعث خود پسندی
و فخر ہے حضرت شیخ نے اپنے بعض اصحاب کی تربیت فقیر کے حوالہ کی۔ فقیر ان کو مقامات طریقہ کی
نہایات تک پہنچا کر آپ کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے ہر مقام کے حالات و کیفیات
جو تم سے حاصل کئے ہیں صحیح ہیں۔ ایک روز آپ نے بیان کیا کہ کل رات اللہ تعالےٰ نے مجھے وہ کمالات
جدیدہ اور فیوض تازہ عطا فرمائے کہ کمالات سابقہ ان کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں رکھتے۔ فقیر
نے عرض کیا کہ اُس عطیہ کے وقت اِس قدر رات باقی تھی۔ اُس وقت بندہ نے بھی آپ کی محبت کی
برکت سے اپنے باطن میں احوال عجیبہ محسوس کئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ تم کو ہمارا ضمنی بنایا
ہے۔ فیوض و برکات جو ہمیں عطا ہوتے ہیں اُن میں سے تم کو بھی حصہ ملتا ہے۔ ایک روز بندہ نے
خاندان قادری کی اجازت کے لئے آپ سے عرض کیا۔ فرمایا کہ یہ اجازت ہم تم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے لے دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔
آپ کے حکم سے بندہ نے بھی مراقبہ کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم مع اصحاب عظام
و اولیائے کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم ایک بارگاہ عالی میں رونق افروز ہیں۔ اور حضرت غوث الثقلین
حضور پر نور میں کھڑے ہیں۔ حضرت شیخ نے عرض کیا کہ میرزا جانجاناں خاندان قادریہ کی اجازت کے
امیدوار ہیں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِس معاملہ میں سید عبد القادر سے عرض کرو۔
چنانچہ اُن سے عرض کیا گیا۔ انہوں نے حضرت شیخ کی عرض قبول فرما کر بندہ کو اجازت مع خرقہ عطا فرمائی
اور بندہ نے اپنے باطن میں نسبت قادریہ کی برکات محسوس کیں۔ اور میرا سینہ اس نسبت کے انوار سے

لبریز ہوگیا۔ نسبت نقشبندیہ میں اضمحلال و ربودگی زیادہ ہے اور نسبت قادریہ میں لمعان انوار زیادہ ہے۔
حضرت میرزا کو حضرت شیخ سے طریقہ چشتیہ و سہروردیہ کی بھی اجازت تھی۔

شواہد علوشان

حضرت میرزا فرماتے تھے۔ کہ فقیر ابراہیمی المشرب تھا۔ حضرت شیخ نے تصرف باطنی سے محمدی المشرب بنادیا۔ جن دنوں میں آپ نے فقیر کو حقیقت محمدی کی بشارت دی۔ اور اس مقام کے انوار میں فنا حاصل ہوئی۔ تو میں نے دیکھا کہ حضور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم فقیر کے سامنے بیٹھے ہیں۔ پھر دیکھا کہ حضور انور بندہ کی جگہ پر تشریف رکھتے ہیں اور بندہ ان کی جگہ پر بیٹھا ہے۔ پھر دیکھا کہ دونوں جگہ حضرت محبوب رب العالمین تشریف رکھتے ہیں۔ پھر دیکھا کہ دونوں جگہ میں بیٹھا ہوں۔ اس سے حضرت میرزا کی علوشان ظاہر ہے۔

فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ کہ فقیر کے بارے میں فرمایا کہ دو آفتاب ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے ہیں۔ مگر انوار کی غایت درجہ کی روشنی کے سبب سے ایک دوسرے سے متمیز نہیں ہوسکتا۔ اگر طالبان خدا کی تربیت کی طرف متوجہ ہوں گے۔ تو ایک عالم کو منور کردیں گے۔ اسی طرح ایک روز نہایت تواضع سے فقیر کے زانو کو بوسہ دے کر فرمایا کہ تمہاری مثل میرے مریدوں میں کوئی نہیں۔ ایک روز فرمایا کہ تمہیں خدا و رسول کے ساتھ نہایت محبت ہے۔ تمہاری توجہات سے ہمارا طریقہ رائج ہوگا۔ جناب الٰہی سے تمہارا لقب شمس الدین حبیب اللہ عطا ہوا ہے ایک روز حضرت سید نے بندہ کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھیں اور فرمایا کہ تمہیں درگاہ الٰہی میں قبولیت تمام حاصل ہے۔ حضرت حاجی محمد افضل بندہ کی تعظیم کے لئے سیدھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں تمہاری نسبت کے کمالات کی تعظیم کرتا ہوں اور بار بار فرماتے۔ کثر اللہ امثالکم (اللہ تم سے بزرگ بکثرت کردے)۔ حضرت حافظ سعد اللہ بندہ کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ تم میرے قبلہ گاہ کی جگہ ہو۔ ایک دفعہ بندہ نے صاحبزادوں میں سے ایک کی زبانی جو سرہند شریف کو جا رہا تھا حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جناب میں سلام کہلا بھیجا۔ اُس صاحبزادے کا بیان ہے کہ جب میں نے تمہارا سلام مزار مبارک پر عرض کیا۔ تو حضرت مجددؒ نے اپنا سر مبارک سینہ تک مزار سے نکالا اور کمال اشتیاق سے دریافت کیا کہ کونسا میرزا؟ ہمارا دیوانہ و شیفتہ؟ علیک و علیہ السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا کشف صحیح عطا کیا ہے کہ روئے زمین کے تمام حالات ہم سے پوشیدہ نہیں۔ اور ہتھیلی کے خطوط کی مانند عیاں ہیں۔ اس وقت میں حضرت میرزا جانجاناں کا مثل کسی اقلیم و شہر میں نہیں۔ جس شخص کو سلوک مقامات کی آرزو ہو۔ وہ ان کی

خدمت میں جائے۔ چنانچہ شاہ صاحب کے اصحاب نے حسب الامر حضرت میرزا کی خدمت میں استفادہ کے لئے رجوع کیا۔

ارشاد و تلقین

حضرت میرزا پورے گیارہ سال حضرت شیخ محمد عابد قدس سرہ کی خدمت میں رہے۔ حضرت شیخ (متوفی ۱۸ رمضان ۱۱۶۰ھ) کے بعد آپ نے مسند خلافت کو زینت بخشی۔ طالبان خدا نے ہر طرف سے آپ کی طرف رجوع کیا۔ حضرت شیخ کے بڑے بڑے اصحاب اور مشائخ وقت کے ارادتمندوں نے آپ سے استفادہ برکات کیا۔ علماء و صلحاء کسب فیوض کے لئے آپ کی خانقاہ میں جمع ہو گئے۔ اور آپ کے کمالات کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی۔ اوائل حال میں آپ کی توجہ کی تاثیر سے لوگوں میں بیتابی پیدا ہو جاتی۔ اور کمال استغراق کے سبب سے بیخود ہو جایا کرتے۔ اور جاذبہ محبت سے قطع مقامات کیا کرتے۔ آخر میں جب آپ کے باطن میں لطافت و بیرنگی زیادہ ہو گئی۔ تو طلاب اپنے باطن میں جمعیت و اطمینان پاکر درجات قرب پر پہنچ جاتے۔ اور اسرار طریقت پر آگاہ ہو جاتے۔ طالبوں کی تہذیب نفوس جیسا کہ آپ کی خدمت میں ہوتی تھی۔ بزرگان سلف ہی کے وقت میں کبھی ہوتی ہوگی۔ مشائخ کرام آپ کی نسبت فرماتے تھے کہ جو فیض طالب خدا کو فقط آپ کی صحبت سے پہنچتا ہے وہ دوسروں کی ہمت و توجہ سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے گیا۔ حضرت خواجہ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ کہ تم شاید حضرت میرزا کے مرید ہو گئے ہو۔ کیونکہ تمہارا باطن نسبت مجددیہ کے انوار سے معمور ہے۔ اُس نے عرض کیا۔ کہ نہیں۔ میں تو صرف ان کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا۔ ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد ۔۔۔ فی الفور بصورت طلا شد

اللہ تعالیٰ نے حضرت میرزا کو ارشاد و القائے نسبت میں وہ قوت عطا فرمائی تھی۔ کہ آپ کی غائبانہ توجہات سے لوگ دور دراز شہروں میں گھر بیٹھے ترقیات حاصل کرتے تھے۔ جو حالات حاضرین خدمت پر وارد ہوتے۔ اُن کو مسافت بعیدہ پر حاصل ہو جاتے۔ چنانچہ شاہ بھیک نبیرۂ شیخ عبد الاحد کابل میں تھے۔ آپ نے دہلی سے غائبانہ توجہ فرما کر اُن کو مقامات عالیہ پر پہنچا دیا۔ اِسی طرح حضرت مولوی احمد اللہ فرزند حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو دہلی سے پانی پت میں غائبانہ توجہ فرمایا کرتے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں اُن کو یوں لکھتے ہیں۔ ہر روز در حلقہ صبح اول توجہ بشما مے شود۔ دور کمالات نبوت دخول ظاہر مے گردد۔ از خوبی استعداد شماست۔

بمقتضائے عموم الطاف آپ کی عادت تھی کہ سالک ابھی ایک مقام کو پورے طور پر طے نہ کرنے پاتا

تھا۔ کہ بطریق طفرہ اُس سے اعلیٰ مقام پر واصل فرماکراوانے التفات سے وہاں کے حالات وکیفیات اُس پر القا فرما دیتے۔ تاکہ ہر مقام سے مناسبت پیدا کرکے بطور خود کثرت ذکر ومراقبہ سے کام کو انجام تک پہنچائے۔ اور مقامات عالیہ کے انوار وبرکات سے بہرہ ور ہوجائے۔ چنانچہ آپ کے خلیفہ حضرت محمد احسان مقام جذبہ کی شورش وبیتابی سے ارباب حلقہ کی جمیعت وطمانیت میں خلل انداز ہوا کرتے۔ آپ نے ان کو برسبیل طفرہ اُس سے اعلیٰ مقام میں پہنچادیا کہ جس کا مقتضا اطمینان وتسکین باطن ہے۔ پس وہ اضطراب وشورش نہ رہی اور ان کی باطنی نسبت پر دوسرے طرز سے حالات وارد ہونے لگے۔

آپ کی ہمت عالی اِس پر مصروف تھی کہ طریقہ احمدیہ عالم میں مروّج ہوجائے۔ اور طریقہ مجددیہ کی نسبتوں سے جہان منور ہوجائے۔ چنانچہ ہزارہا آدمی آپ سے بیعت ہوکر دوام ذکر خدا میں مشغول ہوگئے۔ اور قریب دوسو آدمیوں کے اجازت تعلیم طریقہ پاکر ہدایت خلق میں مشغول ہوئے۔ اور ان میں سے پچاس مقامات احمدیہ کی نہایت کو پہنچ کر ارباب طریقہ کے مقتدا بن گئے۔ غرضیکہ حضرت میرزا تیس سال اپنے مشائخ کی خدمت میں کسب انوار وبرکات کرکے غایت کمال وتکمیل کے مرتبہ پر پہنچ گئے۔ اور ۳۵ سال طالبان خدا کی تلقین میں مشغول رہ کر نیک آثار صفحہ روزگار پر چھوڑ گئے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

اخلاق وعادات حضرت میرزا کمال زہد وتوکل سے متصف تھے۔ اور دنیا واہل دنیا کی کچھ پروا نہ کرتے تھے۔ اور دنیاداروں کے ہدیے قبول نہ فرماتے۔

ایک دفعہ محمد شاہ بادشاہ نے اپنے وزیر قمرالدین کی زبانی کہلا بھیجا کہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو ملک عطا فرمایا ہے جس قدر دل مبارک میں آئے بطور ہدیہ قبول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ارشاد باری تعالیٰ یوں ہے۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ۔ اللہ تعالےٰ نے ہفت اقلیم کی متاع کو قلیل فرمایا ہے۔ تمہارے پاس اِس قلیل کا ساتواں حصہ یعنی ایک اقلیم ہندوستان ہے۔ اِس میں سے کیا قبول کروں۔

ایک امیر نے ایک حویلی اور خانقاہ تیار کرکے اور فقراء کی وجہ معاش مقرر کرکے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے قبول نہ فرمایا اور جواب دیا کہ چھوڑنے کے لئے اپنا اور بیگانہ مکان برابر ہیں۔ اور ہر شخص کی روزی جو علم الٰہی میں مقدر ہے وقت پر اُس کو ضرور مل جاتی ہے۔ فقیروں کا خزانہ صبر وقناعت کافی ہے۔

ایک دن سخت جاڑے میں آپ ایک پرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ نواب خاں فیروز جنگ حاضر تھا۔ یہ حال دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس نے ہیز ایک مصاحب سے کہا۔ کہ ہم گنہگاروں کی

یہ کیسی بدبختی ہے۔ کہ وہ بزرگ جن کی خدمت میں ہمیں ارادت و بندگی ہے ہماری نیاز قبول نہیں کرتے۔
حضرت نے فرمایا۔ ؎

بزار حیف کہ گل کرد بینوائی ما   بچشم آبلہ آمد برہنہ پائی ما

فقیر نے روزہ رکھا ہوا ہے کہ امیروں کی نیاز قبول نہ کروں گا۔ اب کہ آفتاب غروب کے قریب پہنچ گیا ہے۔ اگر میں اپنا روزہ توڑ دوں۔ تو مجھے دس لاکھ روپیہ چاہئے کہ ہمسایہ عورتوں کی دیگ گرم ہو جائے۔

نواب نظام الملک نے تیس ہزار روپیہ بطور نیاز پیش کیا۔ آپ نے قبول نہ فرمایا۔ نواب نے عرض کیا کہ آپ راہ خدا میں تقسیم فرمادیں۔ فرمایا کہ میں تمہارا خانساماں نہیں۔ یہاں سے تقسیم کرنا شروع کرو تو گھر تک ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک افغان سردار نے تین سو اشرفیاں بھیجیں۔ آپ نے واپس کردیں۔ فرماتے تھے کہ اگرچہ ہدیہ کے رد کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ لیکن اُس کے قبول کرنے کو واجب بھی نہیں بتایا گیا۔ جو مال کہ یقینی طور پر حلال ہو۔ اُس کے لینے میں برکت ہے۔ فقیر اپنے اصحاب کے ہدیے جو اخلاص سے لاتے ہیں قبول کرلیتا ہے امیروں کا مال اکثر مشتبہ ہوتا ہے۔ اور لوگوں کے حقوق اُس سے متعلق ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن اُس کا حساب دینا دشوار ہوگا۔ ترمذی شریف میں یہ حدیث ہے۔
لا تزول قدما ابن آدم یوم القیامۃ حتی یسأل عن خمس عن عمرہ فیما افناہ و عن شبابہ فیما ابلاہ و عن مالہ من این اکتسبہ و فیما انفقہ و ما ذا عمل فیما علم۔[۱] اس لئے ہدایا کے قبول کرنے میں تامل ضروری ہے۔

ایک دفعہ ایک امیر نے آموں کا ہدیہ آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے واپس کردیا۔ اُس نے بڑی منت سماجت کے ساتھ دوبارہ بھیجے۔ آپ نے دو آم رکھ لئے اور باقی واپس کردئے۔ اور فرمایا کہ فقیر کا دل اِس ہدیہ کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اُسی وقت ایک باغبان آپ کی خدمت میں شکایت لایا۔ کہ فلاں امیر نے میرے آم ظلم سے لے لئے۔ اُن میں سے کچھ آپ کی خدمت میں بھیجے ہیں میری مدد کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ سبحان اللہ! یہ ناعاقبت اندیش لوگ مغصوبہ ہدیوں سے فقیر کا باطن سیاہ کرنا چاہتے ہیں۔

آپ امیروں کے گھر کا کھانا بھی نہ کھایا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ان لوگوں کے کھانے کی ظلمت باطنی نسبت کو مکدر کردیتی ہے۔ اِسی وجہ سے کہا گیا ہے۔ کہ شر الطعام طعام الاغنیاء (سب سے بُرا

۱؎ اِس حدیث کا اردو ترجمہ اِس کتاب کے اخیر میں اربعین صوفیہ میں دیکھو۔

کھانا امیروں کا کھانا ہے)۔ بلکہ غریبوں کی ضیافت قبول کرنے میں بھی تامل کیا کرتے تھے بدیں خیال کہ لوگ بوجہ بے سامانی سودی قرضہ لے کر ضیافت کرتے ہیں۔ ایک دفعہ روزہ افطار کرنے کے وقت آپ نے کسی امیر کے گھر کی ایک روٹی یاروں میں تقسیم فرمائی۔ اور خود بھی اس کا ایک ٹکڑا تناول فرمایا۔ نماز تراویح کے بعد یاروں سے فرمایا۔ کہ تم اپنے باطن کا حال دیکھ کر بتاؤ کہ اُن ٹکڑوں نے باطنی نسبت میں کیا اثر کیا ہے۔ آپ کے ایک خادم نے عرض کیا کہ آپ نے بھی تناول فرمایا ہے۔ پہلے آپ ہی فرمائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ فقیر کا باطن تو سیاہ ہو گیا تھا۔ مگر نماز پڑھنے اور قرآن شریف سننے سے بحال ہو گیا۔ خادم نے عرض کیا کہ جب مشتبہ لقمہ کی کدورت نے آپ کے باطن مبارک اور دریائے انوار میں تغیر پیدا کر دیا۔ تو ہم سے تنگ باطنوں کے حال کی خرابی کا کیا ذکر ہے۔ فرمایا کہ لقمہ ہی سے توفیق رفیق ہوتی ہے اور نور طاعت زیادہ ہوتا ہے۔

آپ نے غنا پر فقر کو اختیار کیا تھا۔ اور صبر و قناعت پسند کر کے تسلیم و رضا کو اپنا شیوہ بنایا ہوا تھا۔ اپنے اصحاب کے لئے بھی یہی دعا فرمایا کرتے کہ یہ اس قدر امیر نہ ہوں کہ اسراف میں مبتلا ہو جائیں اور نہ اس قدر غریب ہوں کہ قرض لینے کی نوبت پہنچے۔ فرماتے کہ میں نے اپنے اوقات و اعمال حدیث و فقہ کے مطابق درست کر لئے ہیں۔ جو شخص ہمارا کوئی عمل خلاف شرع دیکھے۔ ہمیں آگاہ کر دے۔

آپ لوگوں کو سنت کے موافق سلام کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ اور جھک کر سلام کرنے اور ہاتھ سر پر رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ اپنے مشائخ خصوصاً حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی محبت میں سرشار تھے۔ اور فرماتے تھے کہ فقیر کو جو کچھ ملا ہے۔ اپنے پیروں کی محبت سے ملا ہے۔ بندہ کے اعمال کیا ہیں کہ بارگاہ الٰہی کے قرب کا باعث ہوں۔ مقبولان و مقربان خدا کی محبت سب سے قوی ذریعہ قبولیت خدا کا ہے۔

آپ ہر ایک سے تواضع اور کشادہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ اور بزرگوں اور پرہیز گاروں کی تعظیم حسب مراتب کیا کرتے تھے۔ آپ عمر بھر کسی کافر امیر یا غریب کی تعظیم کے لئے نہیں اُٹھے۔ ایک بار آپ نے سُنا کہ سردار مرہٹہ آپ کی زیارت کے لئے آتا ہے۔ آپ مجلس سے اُٹھ کر کسی کام کے لئے حجرے میں چلے گئے۔ جب وہ آکر بیٹھ گیا۔ تو نکل آئے۔ اور جب دیکھا کہ اُٹھنے کو ہے۔ تو حجرے میں تشریف لے گئے۔ کیونکہ اگر اُس کی تعظیم نہ کرتے۔ تو وہ ناراض ہوتا۔ اور اگر کرتے۔ تو دین کا نقصان تھا۔

ایک دفعہ ایک بزرگ آپ کو اجازت اعمال حب و بغض و طی ارض و دست غیب و تسخیر سلاطین بشرط ادائے زکوٰۃ اور ایک سیر اکسیر زر خالص دیتا تھا۔ آپ نے قبول نہ کیا۔ کیونکہ احتمال تھا کہ

نسبت باطن ریا سے ملوث ہو جاتی اور اسباب دنیا کے ساتھ نسبت بھی تھی۔ طالبوں میں سے جس کا میلان ایسے اعمال وکیمیا کی طرف دیکھتے اُس سے ناخوش ہوتے۔ اور فرماتے کہ ان کو کیا مصیبت آئی ہے کہ توکل واستغنا کو چھوڑ کر مزخرفات فانیہ کی طرف مائل ہیں۔

فرمایا کہ ایک دفعہ ایک رافضی نے جناب امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شان میں گستاخی کا کلمہ منہ سے نکالا۔ بوجہ محبت دینی واحترام اصحاب سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم مجھے غصہ آگیا۔ میں نے اُس بے ادب کی سزا کے لئے خنجر نکالا۔ وہ گھبرا کر کہنے لگا کہ واسطے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا۔ مجھے معاف کیجئے۔ حضرت امام کا نام سنتے ہی میرا غصہ جاتا رہا۔ اور میں نے درگزر کیا۔

مکاشفات وکرامات | (۱) حضرت میرزا اپنے وقت میں دیگر مشائخ خاندان سے اس امر میں ممتاز تھے کہ آپ کا کشف مقامات الٰہیہ صحیح ومطابق نفس الامر ہوتا تھا۔ اور طالبوں کو طریقہ مجددیہ کے مقامات کی غایت تک سلوک طے کراتے تھے۔ آپ اپنے مریدوں کو مقامات عالیہ کی بشارتیں دیا کرتے تھے۔ ان کو بعض افغانوں نے دل میں انکار کیا۔ آپ نے نور فراست سے دریافت کر کے فرمایا۔ کہ اگر تم کو اعتبار نہیں ہے۔ تو گزشتہ اکابر دین میں سے کسی کو مقرر کر لو۔ تاکہ اُس کی روح ظاہر ہو کر ان بشارتوں کے صحیح ہونے کی شہادت دے۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ اگر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم تصدیق فرمائیں۔ تو یہ تصدیق مقبول ہے۔ آپ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی روح پر فاتحہ پڑھ کر مع اصحاب جناب مقدس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ اور اُس توجہ میں سب کو غیبت حاصل ہوئی۔ حضور سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات والتسلیمات نے ظاہر ہو کر منکرین کو سرزنش کی۔ اور فرمایا کہ میرزا صاحب کی بشارتیں سب صحیح ہیں۔

(۲) محمد قاسم کے بھائی نے حضرت میرزا سے عرض کیا۔ کہ محمد قاسم عظیم آباد میں قید ہو گیا ہے۔ اُن کی رہائی کے لئے توجہ فرمائیں۔ آپ تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ وہ قید نہیں ہوا۔ دلالوں کے ساتھ کچھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ خیریت گزری۔ اُس نے ایک خط اپنے گھر بھیجا ہے۔ کل یا پرسوں پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۳) حضرت کے خلیفہ غلام مصطفےٰ خاں کی زوجہ غائبانہ آپ کی توجہ میں بیٹھا کرتی تھی۔ اور ہر روز ایک شخص کو اطلاع کے لئے آپ کی خدمت شریف میں بھیج دیتی۔ ایک روز اُس شخص نے بلا اجازت آ کر عرض کیا کہ بی بی صاحبہ توجہ کی منتظر بیٹھی ہیں۔ آپ نے کچھ دیر خاموش رہ کر فرمایا کہ جھوٹ مقبول۔ تو بلا اجازت آیا ہے۔ وہ ابھی سو رہی ہے۔ اُس شخص نے اپنے قصور کا اعتراف کیا۔

(۴) ایک روز خلیفہ شیخ غلام حسن کو آپ نے توجہ کے بعد فرمایا۔ کہ شاید تو نے کسی بت پرست کا طعام کھایا ہے۔ کہ تیرے باطن سے کفر کی ظلمت معلوم ہوتی ہے۔ اس نے عرض کیا۔ کہ میں نے ہندو کے ہاتھ سے کچھ کھا لیا۔ یہ میری باطنی کدورت اسی سبب سے ہے۔

(۵) آپ نے اپنے خلیفہ مولوی غلام محی الدین کو رخصت کے وقت فرمایا۔ کہ تمہارے آگے ایک دیوار نظر آتی ہے۔ شاید راستے ہی سے واپس آجاؤ۔ چنانچہ چند ماہ کے بعد راستے میں سے واپس آگئے۔

(۶) حضرت میرزا فرماتے تھے کہ میں یاروں کے دلوں کے خطرات کو خود یاروں کی نسبت زیادہ جانتا ہوں۔ ایک خادم نے عرض کیا۔ کہ آپ بتاتے کیوں نہیں دیتے۔ فرمایا کہ یہ بات پردہ داری سے جو ستاری کے وصف کا ظل ہے بعید معلوم ہوتی ہے۔ خلیفہ محمد احسان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت سے اپنے بیٹے کے نام رکھنے کے لئے عرض کیا۔ اور میرے دل میں تھا کہ اگر آپ محمد حسن نام تجویز فرمائیں تو مجھے پسند ہے۔ اس خطرہ کے آتے ہی آپ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لڑکے کا نام محمد حسن رکھ دیا۔ اسی طرح غلام عسکری خان کا بیان ہے کہ حضرت نے میرے دل کے خطرہ پر آگاہ ہو کر میرے بیٹے کا نام غلام قادر رکھا۔

(۷) ایک روز حضرت ایک فاحشہ عورت کی قبر پر مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ فرمایا کہ اس کی قبر میں دوزخ کی آگ شعلہ زن ہے۔ اور وہ عورت شعلوں کے ساتھ اوپر جاتی ہے اور نیچے آتی ہے۔ اس کے ایمان میں مجھے شک ہے۔ مگر کلمہ طیب کا ختم اس کی روح کو بخشتا ہوں۔ اگر ایمان کے ساتھ مری۔ تو بخشی جائے گی۔ چنانچہ کلمہ طیب کے ختم کا ثواب پہنچا کر فرمایا کہ الحمد للہ ایمان کے ساتھ مری تھی۔ اس کلمہ کی برکت سے عذاب سے نجات پا گئی۔

(۸) ایک بے ادب شخص نے حضرت کے کشوفات سے انکار کر کے بطور امتحان عرض کیا کہ یہ میرے ایک یار کی قبر ہے۔ اس کا حال دریافت کیجئے۔ آپ نے سکوت کے بعد فرمایا۔ کہ جھوٹ نہ بول یہ تو ایک عورت کی قبر ہے۔ تمہارے یار کی قبر نہیں۔

(۹) میر علی اصغر کی ماں بیمار تھی۔ جب حضرت اس کے مرض کے سلب کرنے میں متوجہ ہوئے۔ تو الہام ہوا کہ ابھی شفا کا وقت نہیں آیا۔ آپ چند روز اپنے دولتخانہ میں رہے۔ مریضہ بڑے فاصلہ پر تھی۔ آپ نے الہام سے فرمایا کہ اس کی صحت کا وقت آگیا ہے۔ اور غائبانہ اس کی صحت کے لئے توجہ کی۔ وہ فوراً تندرست ہو گئی۔

(۱۰) حضرت کا ایک پڑوسی شدت مرض سے جاں بلب تھا۔ آپ نے دعا کی کہ الٰہی اس کی موت کے

غم کی تاب نہیں۔ اُسے شفا عطا فرما۔ یہ دعا قبول ہو گئی۔ اور وہ پڑوسی دو تین روز میں تندرست ہو گیا۔

(۱۱) ایک روز جب حضرت مراقبہ سے فارغ ہوئے۔ تو غلام عسکری خاں کی والدہ نے آپ کا دامن پکڑ لیا۔ اور عرض کیا کہ جب تک آپ میری لڑکی کے بارے میں لڑکے کی بشارت نہ دیں گے۔ آپ کا دامن نہ چھوڑوں گی۔ حضرت نے کچھ سکوت کے بعد فرمایا کہ خاطر جمع رکھو۔ اللہ تعالٰے تمہاری لڑکی کو لڑکا عطا کرے گا۔ بعنایت الٰہی ایسا ہی وقوع میں آیا۔

(۱۲) فرماتے تھے کہ ایک روز ہم بغیر زاد و راحلہ کے سفر کر رہے تھے۔ اللہ تعالٰے ہر منزل میں بیگانوں کے ہاتھ سے سامان ضروری مہیا کر دیتا تھا۔ اچانک راستے میں سخت بارش اتری۔ ہوا سرد تھی۔ ساتھیوں کو تکلیف ہوئی۔ میں نے دعا کی۔ یاالٰہی ہمارے گردا گرد برسے۔ اور ہم مع ساتھیوں کے منزل پر خشک پہنچ جائیں۔ چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔

حضرت میرزا کے کشف و کرامات بہت ہیں۔ ہم نے یہاں صرف چند ایک کے نقل کر دینے پر اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ عمدہ کرامت حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر استقامت اور طالبوں کو قرب خدا کے مراتب پر پہنچاتا ہے۔ اور حضرت سے اس طرح کی کرامتوں کا ظہور اظہر من الشمس ہے۔

وفات جب حضرت میرزا کی عمر مبارک اسّی سے متجاوز ہو گئی۔ تو آپ پر رفیق اعلٰی کا شوق غالب ہوا۔ آپ نے اپنے خلیفہ ملا نسیم کو اُس کے وطن کی طرف رخصت کرتے وقت فرمایا کہ اس کے بعد ہماری تمہاری ملاقات معلوم نہیں ہوتی۔ یہ سُن کر آپ کے خدام بہت روئے۔ ایک روز اللہ تعالٰے کی نعمتوں کے اظہار میں فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے فقیر کے دل میں کوئی ایسی آرزو نہیں چھوڑی جو حاصل نہ ہوئی ہو۔ اُس قادر مطلق نے فقیر کو اسلام حقیقی سے مشرف کیا۔ علم سے حصہ وافر دیا۔ نیک عمل پر استقامت بخشی۔ لوازم طریقہ یعنے کشف و تصرف و کرامت عنایت کئے۔ طالبین کو کسب فیوض کے لئے بندہ کے پاس بھیجا اور ان کو مقامات طریقہ پر پہنچا کر اپنے رستے کی ہدایت کے لئے مقرر کیا۔ دنیا اور اہل دنیا سے علیحدہ رکھا۔ اور دل میں ماسوا کی گنجائش نہ چھوڑی۔ اب سوائے شہادت ظاہری کے کوئی آرزو باقی نہیں۔ فقیر کے اکثر بزرگ شہید ہوئے ہیں۔ مگر فقیر نہایت کمزور وضعیف ہے۔ اور قوت جہاد نہیں رکھتا۔ بظاہر اس مرتبہ کا حصول مشکل ہے۔ اُس شخص سے تعجب ہے جو موت کو دوست نہیں رکھتا۔ موت ہی لقائے الٰہی کا باعث ہے۔ موت ہی جناب رسالتمآب علیہ افضل الصلوات والتحیات کی زیارت کا سبب ہے۔ موت ہی اولیائے کرام کا دیدار کرا دیتی ہے۔ موت ہی

عزیزوں سے ملا دیتی ہے۔ فقیر اکابر دین کی ارواح طیبہ کی زیارت کا مشتاق ہے۔ اور نہایت آرزو مند ہے کہ دیدار حضور مصطفےٰ و خلیل خدا علیہما الصلوات والتسلیمات سے مشرف ہو جائے۔ اور امیر المومنین صدیق اکبر و امام حسن مجتبےٰ و سید الطائفہ حضرت جنید و حضرت خواجہ نقشبند و حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی زیارت سے فیضیاب ہو جائے۔ فقیر کو ان اکابر سے خاص محبت ہے رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کی یہ آرزو بھی پوری کر دی اور درجہ شہادت پر پہنچا دیا۔ آپ اس ظاہری شہادت کو باطنی شہادت یعنی مرتبہ فنا فی اللہ کے ساتھ جمع کر کے درجات قرب الٰہی میں اعلیٰ علیین پر پہنچ گئے۔

قصہ شہادت کی کیفیت یوں ہے کہ چار شنبہ کی رات بتاریخ ۷ محرم ۱۱۹۵ھ میں رات کا کچھ حصہ گزرا تھا۔ کہ چند آدمیوں نے حضرت کے دروازے پر دستک دی۔ خادم نے عرض کیا کہ کچھ آدمی آپ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ فرمایا کہ آنے دو۔ تین آدمی اندر آئے جن میں سے ایک ولایت زادہ مغل تھا۔ حضرت خوابگاہ سے نکل کر ان کے برابر کھڑے ہو گئے۔ مغل نے پوچھا کہ میرزا جانجاناں تم ہو۔ فرمایا کہ ہاں۔ دوسرے دو نے کہا کہ میرزا جانجاناں یہی ہیں۔ بس اُس بدبخت نے طپانچہ کی گولی ماری۔ جو آپ کے بائیں پہلو پر دل کے قریب لگی۔ اور آپ بوجہ ناتوانی زمین پر گر پڑے۔ لوگوں کو خبر ہو گئی۔ جراح آگیا۔ صبح کو نواب نجف خاں نے کہ وزیر شاہی تھا ایک فرنگی جراح بھیجا اور کہا کہ قاتل معلوم نہیں۔ اگر معلوم ہو گیا۔ تو قصاص جاری کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ارادہ الٰہی میں شفا ہے۔ تو بہر صورت ہو جائے گی۔ دوسرے جراح کی ضرورت نہیں۔ اگر قاتل معلوم ہو جائے۔ ہم نے معاف کر دیا ہے۔ تم بھی معاف کر دینا۔ آپ تین دن زندہ رہے۔ اس حالت میں اپنا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

غرضیکہ دسویں شب محرم کو کہ جسے شہادت کی رات بولتے ہیں آپ نے تین بار زور سے سانس لیا اور واصل بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لوگوں نے آپ کے وفات کی تاریخیں بہت کہی ہیں۔ جن میں سے دو یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ ایک آیہ شریف اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ۔ دوسری الفاظ حدیث شریف۔ عاش حمیدًا مات شہیدًا۔

شاید آپ کو اپنا واقعہ معلوم ہو گیا تھا کہ اپنے دیوان میں یوں فرماتے ہیں۔ ؎

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریرے ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ کہ ایں مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

کلماتِ قدسیہ

حضرت میرزا قدس سرہ کے مکتوبات و ملفوظات میں سے بطور تبرک صرف چند اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) مخدوما! اس دفعہ آپ نے دو شبہ لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرات سرہند کے خلیفے کمالات و مقامات بلند کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ اور اس کے آثار مثل اولیائے متقدمین کے اُن سے ظہور میں نہیں آتے۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنے مریدوں کو بلند بشارتیں دیتے ہیں۔ اور ان کے حالات ان بشارتوں پر دلالت نہیں کرتے۔ اور نیز اکابر سابقین کے ساتھ ان درویشوں کی برابری بلکہ ان پر فضیلت لازم آتی ہے اور یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے۔

پہلے شبہ کا جواب۔ آپ کو معلوم رہے کہ اولیاے متقدمین نے بھی باوجود حصول فنا کے کمالات علیا کا دعوے کیا ہے اور کتب صوفیہ ان مقالات سے بھری پڑی ہیں۔ غایہ مافی الباب اُس گروہ کی ایک جماعت ان امور کے ظاہر کرنے کے لئے مامور تھی۔ اور ایک فرقہ بسبب غلبہ سکر معذور تھا۔ پس ان کے شان میں بھی ہر دو احتمال میں سے ایک کو تجویز کر سکتے ہیں۔ اور سوائے نبوت کے کوئی کمال بالاصالت ختم نہیں ہوا۔ اور مبدا فیاض میں بخل و دریغ ممکن نہیں ہے۔ پس ان بزرگوں کے حق میں حسن ظن سے کونسی چیز روکنے والی ہے۔ آخر نیک مسلمانوں میں سے ہیں۔ اور آثار کمال کے ظہور سے مراد اگر استقامت ہے جو کرامت سے بڑھ کر ہے۔ تو یہ خوبی طریقہ مجددیہ کے زبردست بزرگوں سے قوت کے ساتھ ظہور میں آتی ہے اور کمزوروں کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور اگر آثار سے مقصود خرق عادات اور مکاشفات کا صادر ہونا ہے جو منظور عوام ہے۔ تو یہ امور باجماع صوفیہ ولایت کی شرائط سے نہیں۔ اور نہ اُس کے لوازم سے ہیں۔ پوشیدہ نہیں۔ کہ صحابہ کرام جو امت مرحومہ کے تمام افراد سے افضل ہیں اُن سے ایسے امور بہت کم صادر ہوئے ہیں۔ چونکہ اس طریقہ مجددیہ کے مجاہدات و ریاضات بطور صحابہ کرام و تابعین کے کتاب و سنت کے اتباع کے ساتھ ہیں۔ اس لئے اس طریقہ والوں کے اذواق و مواجید بھی اُسی جماعت کے اذواق کے مشابہ ہیں۔ فلا تکن من الممترین۔

دوسرے شبہ کا جواب۔ اہل کمال کے باطنی آثار کا معلوم کر لینا آسان نہیں۔ خصوصاً اس طریقہ کی نسبت بے کیف کا ادراک ہر عمرو زید کا کام نہیں۔ لیکن یہ نسبت صحیح فراست والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور آثار ظاہری ہیں جو کثرت طاعت و ریاضت اور افراط ذوق و شوق اور تجرد و انقطاع ہیں اہل اخلاص و ریا اور ارباب حق و باطل شریک ہیں۔ اور سوائے معصومین کے کبھی کبھی گناہوں کے

صادر ہونے سے کوئی شخص محفوظ نہیں۔ اور حق یہ ہے کہ زمانہ نبوت کی دوری اور قیامت کی نزدیکی کے سبب سے امور ظاہر و باطن میں بنہایت ضعف آگیا ہے۔ لیکن یہ بشارتیں بے حقیقی نہیں۔ اور ان مشائخ کا مقصود بشارت سے یہ ہے کہ مرید نے اس مقام سے ایک حصہ پایا ہے نہ کہ مثل اولیائے مشہور کے اُس مقام میں قوت و رفعت بہم پہنچائی ہے تاکہ اُن کے ساتھ مساوات لازم آئے۔ اور اگر ابھی لیاقت والا طالب اِس کام میں عمر بھر جد و جہد سے کام لے اور اُن بزرگوں کے دولت کا شریک ہو جائے۔ تو محال نہیں۔ ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید　　　دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

معلوم رہے کہ حضرات نقشبندیہ کی نسبت انعکاسی ہے جیسا کہ نور آفتاب شیشہ میں منعکس ہو جاتا ہے۔ اور بڑا عرصہ درکار ہے کہ پیر کے باطن کے انوار مرید کے شیشہ کے لازم بن جائیں۔ اور بجائے انعکاس کے تحقق و ثبوت پیدا ہو جائے اور مرید مرتبہ کمال و تکمیل پر پہنچ جائے۔ بعض وقت پیر کے مقام کا عکس مرید کے باطن کے آئینہ میں پڑتا ہے۔ اور ابھی وہ مقام تحقق و ثبوت کو نہیں پہنچتا کہ پیر کشف دقیق و نظر تحقیق سے کام نہ لے کر اُس مرید کو اُسی مقام کی بشارت دے دیتا ہے۔ اور پیر کے جدا ہونے کے بعد وہ نسبت جو بشرط سامنے ہونے کے ظاہر ہو گئی تھی غائب ہو جاتی ہے۔ پس اُس کے آثار اگر ظاہر نہوں۔ تو بجا ہے۔ اور یہ غلطیاں اِس زمانہ میں بہت رواج پا گئی ہیں۔ کیونکہ پیروں میں نسبت کشفی کمیاب ہے۔ اور مرید ہمت کی کمزوری کے باعث بے قرار ہو کر بشارت مقام اور اجازت ارشاد کی التماس کرنے لگتے ہیں۔ والسلام۔

(۲) سماع رقت پیدا کرتا ہے اور رقت رحمت کا باعث ہے۔ پس جو چیز رحمت الٰہی کا باعث ہو وہ کس طرح حرام ہو سکتی ہے۔ اور مزامیر کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔ مگر دف کو شادیوں میں مباح کہا گیا ہے اور نے کو مکروہ۔ ایک دن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایک راستے میں جا رہے تھے۔ نے کی آواز آپ کے کان مبارک میں آئی۔ آپ نے اپنے کان مبارک بند کر لئے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر جو ہمراہ تھے اُن کو سننے سے نہ روکا۔ پس معلوم ہوا کہ کمال تقویٰ ایسی آواز سے پرہیز کرنے میں ہے۔ بزرگان نقشبندیہ جن کا معمول عزیمت پر عمل کرنا اور رخصت سے پرہیز کرنا ہے۔ سماع سے پرہیز کرتے ہیں۔ کیونکہ سماع کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور مختلف فیہ کا ترک کرنا اولےٰ ہے۔ اسی طرح ان بزرگوں نے کمال تقوےٰ کے سبب سے ذکر خفی اختیار کیا ہے۔ اور ذکر جہر کو موقوف کر دیا ہے۔

(۳) تمام اولیاء اللہ کی تعظیم اور عام مشائخ کی محبت رحمۃ اللہ علیہم لازم ہے۔ اگر اپنے پیر کے حق میں

بلحاظ نفع وفائدہ اُٹھانے کے افضلیت کا عقیدہ رکھے۔ تو غلبہ محبت سے بعید نہیں۔ حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نیا طریقہ بیان کیا ہے اور اپنے طریقہ کے مقامات وکمالات بہت تحریر فرمائے ہیں اور اس طریقہ کے برگزیدہ اصحاب جوان مقامات وواردات پر پہنچ گئے ہیں ہزاروں سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں اور ان مقامات میں کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ ہزاروں علماء وعقلاء کے اقرار سے حد تواتر کو پہنچ گئے ہیں۔ بایں ہمہ یہ عقیدہ نہ رکھنا چاہیئے کہ حضرت مجدد اولیاء متقدمین کے برابر یا ان اکابر سے افضل ہیں۔ کیونکہ وہ اکابر دین حضرت کے مشائخ میں سے ہیں۔

عزیمت پر عمل کرنا اور تقوٰے اختیار کرنا اس وقت میں سخت متعذر ہے۔ کیونکہ معاملات بگڑ چکے ہیں۔ اور شرع کے موافق عمل گویا موقوف ہو گیا ہے۔ اور اگر روایت فقہ اور ظاہر فتوے پر عمل کیا جائے۔ اور نئے پیدا ہوئے امور اور بدعت سے پرہیز کیا جائے۔ تو بہت غنیمت ہے۔

(۴) کھانے پینے اور سونے جاگنے اور اعمال وعبادات میں میانہ روی اور حد اعتدال بہت مشکل کام ہے۔ کوشش کرنی چاہیئے کہ اوقات حضرت خیر البشر صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے موافق منضبط ہو جائیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا اتباع ہر امر میں حد اعتدال کے حاصل کرنے کے لئے ہے اس بارے میں لیقوم الناس بالقسط نص قاطع ہے۔

(۵) کثرت درود ہزار بار اور استغفار سالکین کے لئے لازم ہے۔ مکتوبات حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو جامع مسائل شریعت واسرار طریقت ومعارف حقیقت ونکات سلوک ودقائق تصوف وانوار نسبت مع اللہ ہیں۔ ان کا درس ہمیشہ عصر کے بعد ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس امر میں ابواب سعادت کی کشائش ہے۔ اور دعائے حزب البحر صبح وشام اور ختم حضرات خواجگان قدس اللہ اسرارہم ہر روز حل مشکلات کے لئے پڑھنا چاہیئے۔ نماز تہجد دس یا بارہ رکعت جس قدر کہ آسان ہو سورہ اخلاص یا سورہ یٰسٓ کی قرأت کے ساتھ اور نماز اشراق چار رکعت اور نماز چاشت چار یا چھ رکعت اور فی الاوابین چار رکعت ایک سلام سے اور چھ یا بیس رکعت بعد سنت مغرب کے اور چار رکعت بعد سنت عشا کے اور سنت عصر اور تحیۃ وضو ان سب کو لازم قرار دینا چاہیئے۔ قرآن مجید کی تلاوت ایک یا دو پارے اور کلمہ توحید وکلمہ تمجید سو سو بار اور سبحان اللہ وبحمدہ صبح کے وقت اور سونے کے وقت سو سو بار اور دیگر اوقات کی دعائیں جو حدیث صحیح سے ثابت ہیں معین کرنی چاہئیں۔ لیکن ان اعمال میں حضور قلبی ضروری ہے۔

(۶) مراقبہ کی ہمیشگی سے نسبت باطن میں قوت اور ملک وملکوت سے آگاہی . . .

اور نظر موہبت سے دلوں کو بامراد کرنا حاصل ہوتا ہے۔ اور ذکر تہلیل کی کثرت سے صفات بشریت کی فنا اور کثرت درود سے نیک واقعات اور کثرت نوافل سے انکسار و شکست دلی اور کثرت تلاوت سے نور و صفائی حاصل ہوتی ہے۔ اور ذکر تہلیل بلحاظ معنے طریقہ میں مفید ہے۔ اور صرف لفظ کا تکرار ثواب آخرت کا سرمایہ اور گناہوں کا کفارہ ہے۔ ذکر نفی و اثبات حبس دم کے ساتھ تین سو بار سے کم فائدہ نہیں دیتا۔ زیادہ جس قدر ہو سکے زیادہ مفید ہے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ حبس دم کو اس ذکر کی شرط قرار نہ دیتے تھے۔ البتہ مفید بتاتے تھے۔ لیکن آپ نے وقوف قلبی کے ساتھ دوام ذکر اور مبدأ فیض کی طرف توجہ کو اپنے طریقہ کا رکن فرمایا ہے۔ ہوش در دم پہلے ذکر کے ساتھ ضروری ہے۔ جب ذکر قوت پکڑ جائے۔ اور اسم ذات کی آواز خیال کے کان میں پہنچ جائے۔ تو ہر سانس میں ذات الٰہی سے آگاہی اور توجہ رکھنی چاہئے۔ اور باطن کو خطرات سے بچانا چاہئے۔ اور جب کوئی خطرہ دل میں آئے۔ اسی وقت اس کو پکڑ لینا چاہئے تاکہ وسوسے اور حدیث نفس ہنگامہ برپا نہ کریں۔ خطروں کا ہجوم فیض کے آنے کا مانع ہے۔ اسم ذات کی کثرت سے جذبہ الٰہی کی نسبت پیدا ہوتی ہے۔ اور نفی و اثبات سلوک اور مسافت راہ کے طے کرنے کے لئے مفید ہے۔ حالات باطنی کی کیفیات کا ادراک مرتبہ ولایت میں محظوظ کرتا ہے۔ اور کمالات نبوت میں سوائے نکارت و جہالت کے اور کوئی یافت باطن کا وصف نہیں ہوتا۔ مگر معاملات فوق میں اگرچہ لطافت و بیرنگی لازم ہے نی الجملہ ادراک ہوتا ہے۔ نسبت مجددیہ کی لطافت و بیرنگی لوگوں کے انکار کا سبب ہوتی ہے۔ اس لئے جب سالک کی سیر کمالات پر پہنچ جاتی ہے۔ تو میرے دل میں تردد پیدا ہوتا ہے کہ مبادا طریقہ کو ترک کردے۔ انشاءاللہ تعالےٰ اگر میری عمر نے وفا کی۔ تو میں سالکوں کو مقامات سافلہ سے مقامات عالیہ پر پہنچاؤں گا۔ مقصود خدا کا ہو رہنا اور سنت کا اتباع ہے۔ اور یہ ہر مقام میں حاصل ہے۔ بردیقین و طمانینت جو مقامات عالیہ مجددیہ میں حاصل ہوتی ہے اس سے مقصود کے ساتھ اتصال بے کیف پیدا ہو جاتا ہے۔ ۵

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس

اور کوئی ذوق و شوق و حضور اس کو نہیں پہنچ سکتا۔

(۷) کمالات پر پہنچنے کا راستہ قریب ہے کہ بند ہو جائے۔ اور ولایات کا طریق جاری رہے۔ اس آخری زمانہ میں مقامات کے سلوک سے لیاقتیں کوتاہ ہیں۔ اور ان کا مقصود پر پہنچنا متعذر ہو گیا ہے اس سے پہلے قریب تیس سال کے گزرے ہوں گے کہ طالبوں کی سیر سرعت سے تھی۔ اور وہ کشف

وہ جوان اچھار کہتے تھے۔ فی الحال فقیر کے مریدوں میں سے اگر کوئی طالب صادق اخلاص وقدم سے اِس طریقہ کو کسب کرے۔ تو مدت دراز کے بعد ولایت علیا یا اُس کے فوق پہنچتا ہے۔ اور مقامات عالیہ مجددیہ پر پہنچنا سخت متعذر ہے۔ کشف صحیح کہ جس سے سالکین کی سیر مقامات مطابق واقع معلوم ہوجائے بہت نایاب ہے۔ بشارتیں دینے سے خدا پر بہتان لگانا اور سالک کو مغرور کرنا نہ چاہیئے۔ تغیر حالات اور ورود واردات اور دوام توجہ الی اللہ اور جمعیت خاطر اور وظائف جلیلہ سے اوقات کو معمور رکھنا عمدہ نعمت الٰہی ہے۔

(۸) درگاہ الٰہی میں وسیلہ پکڑنے کے لئے مشائخ طریقہ میں سے ہر ایک حبل متین ہے۔ جو مراتب قرب پر پہنچا دیتا ہے۔ مستفید نے اگر فیض حاصل کیا تو زہے سعادت اور وہ مشائخ میں سے ایک بن گیا۔ حضرت غوث الثقلین کی توجہ اپنے طریقہ علیہ کے متوسلوں کے حال کی طرف زیادہ معلوم ہوئی۔ بہا طریقہ والوں میں سے کسی ایسے کے ساتھ ملاقات نہیں ہوئی۔ کہ حضرت غوث پاک کی توجہ مبارک اُس کے حال پر مبذول نہ ہو۔ اسی طرح حضرت خواجہ نقشبند کی عنایت اپنے معتقدین کے حال پر معروف ہے۔ مثل صحراؤں یا سونے کے وقت اپنا اسباب اور گھوڑے حضرت خواجہ کی حمایت کے حوالہ کر دیتے ہیں اور تائیدات غیبی اِن کے شامل حال ہوتی ہیں۔ اِس بارے میں بہت سی حکایتیں ہیں جن کے لکھنے سے کلام طویل ہوجائے گا۔ سلطان المشائخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ اپنے مزار کے زیارت کرنے والوں پر بہت عنایت فرماتے ہیں۔ اِسی طرح شیخ جلال پانی پتی بڑی عنایات ظاہر کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین اپنے مشہود میں بہت مستغرق رہتے ہیں۔ حضرت خواجہ شمس الدین کو ماسوا کی طرف التفات نہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم۔

(۹) اولیائے خدمت کو ہم پہچانتے ہیں۔ اور اُن سے ملاقات ہوتی ہے۔ لیکن ان کا ظاہر کرنا مرضی الٰہی نہیں۔ نادر شاہ کے لشکر کے قطب سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایک معاملہ میں لاہور کے قاضی کی مُہر درکار تھی۔ میں نے اُس سے کہہ دیا۔ وہ دن کے چوتھائی حصہ میں کاغذ کو وہاں کے قاضی کی مُہر سے مزین کرکے لے آیا۔ اور کہنے لگا کہ قاضی صاحب کو کچھ کام تھا۔ اِس لئے دیر سے آیا ہوں۔ ورنہ میرا آنا جانا ایک ساعت میں ہوتا ہے۔

ایک دفعہ کچھ روپے ایک فقیر کی لڑکی کے نکاح کے لئے درکار تھے۔ وہ قلعہ میں گیا۔ اور محمد شاہ کے سرہانے سے ہزار روپے کی تھیلی جو وہ برات گوشہ نشین مساکین کے خرچ کے واسطے اپنے سر کے نیچے رکھا کرتا تھا اٹھا لی۔ بادشاہ کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے خیال کیا کہ شاید چور ہے۔ قطب نے کہا کہ میں اِن کو

جس کے واسطے سے تمہاری جان بچی ہوئی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں اور روپیہ منگوا دیتا ہوں۔ فرمایا اتنا ہی کافی ہے۔

(۱۰) نفس کی مخالفت جس قدر ہو سکے اچھی ہے۔ لیکن نہ اس قدر کہ تنگ آجائے اور طاعت میں خوشی اور شوق نہ رہے۔ کبھی کبھی اس کے ساتھ غمخواری بھی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ مومن کے نفس کی رضا باعث ثواب ہوتی ہے۔ ایک دفعہ فقیر کے نفس نے متمثل ہو کر آرزو کی۔ کہ جو شخص مجھے اس طرح کا کھانا کھلائے۔ جو مقصود کہ اس کا ہو پورا ہو جائے۔ اتفاقاً اُس وقت کوئی موجود نہ تھا کہ اُس سے کہہ دیا جائے پھر ایک مدت کے بعد اُس نے متمثل ہو کر ایک قسم کے کھانے کی التجا کی۔ اُس وقت ایک شخص حاضر تھا۔ اُس نے فقیر کے حکم سے وہ کھانا تیار کیا۔ اُس کی ایک مشکل تھی جو کسی تدبیر سے حل نہ ہوتی تھی اس امر سے حل ہو گئی۔

(۱۱) بے مزہ طعام کو شکر کے حصول کے لئے اگر مصالح سے بامزہ بنا لیں۔ تو مضائقہ نہیں بلکہ احسن معلوم ہوتا ہے۔ جو لوگ مزہ دار اور لذیذ طعام کو پانی ملا کر بے مزہ بنا لیتے ہیں۔ یہ عجب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بے مزہ طعام سے شکر دل سے ادا نہ ہوگا۔ مگر ظاہر زبان سے جو صورت شکر ہے نہ کہ حقیقت شکر۔ بلکہ حقیقت میں وہ شکر صبر کی قسم سے ہے کہ جس کے معنی نفس کو روکنا ہے۔ پس یہ امر خلاف شکر کا مستلزم اور اتباع سنت کا منافی ہے۔ جو (یعنی اتباع سنت) نفس کی مخالفت کے لئے سب سے سخت چیز ہے۔ اور اُس طعام بامزہ کی تجلی خاص کی حق تلفی اس کے علاوہ ہے۔

(۱۲) پیر کے سامنے غیر کی طرف متوجہ نہ ہونا چاہیئے اور کسی کی طرف التفات نہ کرنی چاہیئے خواہ وہ التفات کسی کے خطاب کے جواب میں ہو۔ چنانچہ نقل ہے کہ ایک شخص نے حضرت محمد صدیق قدس سرہٗ کے سامنے آپ کے ایک مرید خاص سے خطاب کیا۔ اُس مرید نے بالکل اُس کا جواب نہ دیا اور اُس کی طرف التفات نہ کی۔ جب اُس شخص نے خطاب میں بہت مبالغہ کیا۔ تو حضرت محمد صدیق نے اپنے مرید سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ تم اُس کے جواب میں یہ بیت کہہ دو ؎

من گم شدہ ام مرا مجوئید   از گم شدگاں سخن مگوئید

(۱۳) اولیائے کرام کے مزارات کی زیارت سے جمعیت کا فیض طلب کرو۔ اور مشائخ کرام کی ارواح طیبہ کو فاتحہ اور درود کے ثواب کا تحفہ پہنچا کر بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بناؤ کیونکہ ظاہر و باطن کی سعادت اس سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر مبتدیوں کے لئے بغیر تصفیہ قلبی کے اولیا کی قبروں سے فیض حاصل ہونا مشکل ہے۔ اسی واسطے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ہے۔ کہ حق سبحانہٗ کا

مجاور ہونا قبروں کے مجاور ہونے سے بہتر ہے۔

حضرت میرزا قدس سرہ کی طبیعت نہایت موزون تھی اور شعر بھی کہا کرتے تھے۔ نظر بر اختصار و مقصود آپ کی نظم کا نمونہ یہاں پیش نہیں کیا گیا۔

(مقامات مظہری مؤلفہ حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ۔ کلمات طیبات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)۔

۳۰۔ حضرت شاہ عبداللہ معروف بہ شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ

حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ قصبہ بٹالہ علاقہ پنجاب میں ۱۱۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسب شریف حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار شاہ عبداللطیف بڑے مرتاض و مجاہد تھے۔ کریلے جوش دے کر کھایا کرتے اور جنگل میں جاکر ذکر جہر کیا کرتے۔ اور شاہ ناصر الدین قادری سے بیعت تھے۔ نسبت چشتیہ و شطاریہ بھی رکھتے تھے۔ چالیس دن متواتر نہ سوتے تھے۔ اکثر اولیائے کبار کی ارواح کا مشاہدہ کیا کرتے تھے۔

آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اپنے لڑکے کا نام علی رکھنا۔ چنانچہ تولد کے بعد آپ کا نام علی ہی رکھا لیکن جب آپ سن تمیز کو پہنچے۔ تو بپاس ادب آپ نے اپنا نام غلام علی مشہور کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے کسی بزرگ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اس لڑکے کا نام عبدالقادر رکھنا۔ یہ بزرگ شاید حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے۔ آپ کے چچا نے جنہوں نے ایک مہینہ میں قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ آپ کا نام بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ رکھا۔

بیعت آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو اپنے پیر سے جو حضرت خضر علیہ السلام کے صحبت دار تھے بیعت کرانے کے لئے بٹالہ سے دہلی بلایا۔ مگر جس رات آپ دہلی پہنچے۔ وہ بزرگ قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے۔ آپ کے والد نے فرمایا کہ میں نے تم کو اپنے پیر سے بیعت کرانے کے لئے بلایا تھا۔ لیکن تقدیر میں نہ تھا اب تم جہاں اطمینان ہو۔ بیعت ہو جاؤ۔ لہٰذا آپ دہلی کے کئی بزرگوں سے ملے۔ اور ۱۱۷۸ھ میں جبکہ آپ کی عمر بائیس سال کی تھی حضرت میرزا جانجاناں قدس سرہ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرت شہید نے فرمایا کہ جہاں ذوق و شوق ہو۔ وہاں بیعت ہو جاؤ۔ یہاں تو سنگ بے نمک لیسیدن کا مضمون ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ مجھے یہی منظور ہے۔ فرمایا کہ مبارک ہے۔

پس آپ کو بیعت کر لیا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے اپنے حالات میں یوں لکھا ہے۔

علم حدیث و تفسیر کے ساتھ مناسبت حاصل ہونے کے بعد میں نے خاندان قادریہ میں حضرت شہید کے دست مبارک پر بیعت کی حضرت نے مجھ کو طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں تلقین فرمائی۔ میں نے پندرہ سال تک آپ کے حلقہ ذکر و مراقبہ میں حاضر رہنے کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد حضرت نے اس کمینہ کو اجازت مطلقہ سے سرفراز فرمایا۔ مرید ہوتے ہی مجھے تردد ہوا کہ میں جو طریقہ نقشبندیہ میں شغل رکھتا ہوں اس سے حضرت غوث اعظم راضی ہیں یا ناراض۔ میں نے دیکھا کہ حضرت غوث ثقلین ایک مکان میں تشریف رکھتے ہیں۔ اس مکان کے مقابل ایک اور مکان ہے جہاں حضرت خواجہ نقشبند تشریف رکھتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ حضرت نقشبند کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ حضرت غوث پاک نے فرمایا کہ مقصود خدا ہے جاؤ مضائقہ نہیں۔ اوائل حال میں مجھے معاش کی بہت تنگی پہنچی۔ کچھ معاش جو تھا۔ میں نے اسے چھوڑ کر توکل کو اپنا شعار بنلیا۔ پرانے بوریا کا بستر اور ایک اینٹ سر کے نیچے رکھا کرتا تھا۔ شدت ضعف سے ایک دفعہ میں نے حجرے کا دروازہ بند کر دیا کہ یہی میری قبر ہے۔ حق سبحانہ نے کسی کے ہاتھ کچھ فتوح بھیجا۔ پچاس سال سے گوشہ قناعت میں بیٹھا ہوا ہوں :

اشاعت طریقہ | جب چند روزہ تنگدستی کے بعد فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ تو حق سبحانہ نے ان کا مصرف بھی موجود کر دیا۔ طالبان خدا دور و دراز ملکوں سے آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ بعضے بحکم سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم حاضر خدمت ہوئے مثلاً مولانا خالد رومی اور شیخ احمد کردی اور سید اسماعیل مدنی۔ بعضوں نے حسب ہدایات بزرگان بیعت کی مثلاً مولانا محمد جان۔ اور بعضے حضرت شاہ صاحب کو خواب میں دیکھ کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ قریباً دو سو آدمی خانقاہ شریف میں رہا کرتے تھے جن کا کفاف بوجہ احسن مہیا ہوتا تھا۔ طلاب کے علاوہ فقراء میں بھی فتوح تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی زندگی میں اس قدر فیض آپ سے جاری ہوا کہ مشائخ میں سے کم کسی سے جاری ہوا ہو۔ ہندوستان کی حدود سے باہر بہت سے ملکوں میں آپ کے خلفاء پہنچ گئے۔ اور ان سے اشاعت طریقہ ہوئی۔ چنانچہ مولانا خالد کردی آٹھ نو مہینے میں حضرت کی اجازت و خلافت سے مشرف ہو کر اپنے وطن کردستان واقع ملک روم کو واپس چلے گئے۔ مولانا موصوف نے شاہ ابوسعید مجددی کو ایک خط فارسی میں اس مضمون کا لکھا۔

" غریب دیجور خالد کردی شہرزوری عرض کرتا ہے۔ کہ یک قلم تمام ممالک روم و عربستان اور دیار حجاز و عراق اور عجم کے بعض ملک اور سارا کردستان طریقہ عالیہ مجددیہ کے جذبات و تاثرات سے سرشار ہے۔ اور حضرت امام ربانی مجدد و منور الف ثانی قدس اللہ سرہ السامی کا ذکر اور ان کے محاورات دن

محفلوں اور مجلسوں اور مسجدوں اور مدرسوں میں ادنیٰ و اعلیٰ کے اِس طرح زباں زد ہیں۔ کہ کبھی کسی قرن اور کسی اقلیم میں گمان نہیں کہ گویا زمانہ نے اس زمزمہ کی نظیر سنی یا دیکھی ہو۔ اور گردش کرنے والے آسمان نے ایسی رغبت اور ایسا اجتماع دیکھا ہو"

علامہ محمد بن سلیمان حنفی بغدادی نے الحدیقۃ الندیہ میں مولانا خالد کے ترجمہ میں عربی میں یہ لکھا ہے:-

" حاصل کلام یہ کہ حضرت مولانا خالد سے کردوں اور اردبیل و کرکوک و موصل و عمادیہ و جزیرہ و عنتاب و حلب و شام و روم و مدینہ منورہ و مکہ معظمہ و بصرہ و بغداد کے اکثر باشندوں نے فائدہ اُٹھایا"

حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے۔ کہ ایک روز عصر کے بعد میں حاضر خدمت تھا۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارا فیض دور دور پہنچ گیا ہے۔ حضرت مکہ معظمہ میں ہمارا حلقہ بیٹھتا ہے۔ حضرت مدینہ منورہ میں ہمارا حلقہ ہوتا ہے۔ بغداد شریف اور روم و مغرب میں ہمارا حلقہ جاری ہے۔ اور بطور خوش طبعی فرمایا کہ بخارا تو ہمارے باپ کا گھر ہی ہے۔

اخلاق و عادات | باوجود کمال کے آپ میں انکسار اِس درجہ کا تھا کہ ایک دن فرمایا کہ کتا جو میرے گھر میں آتا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ الٰہی! میں کون ہوں کہ تیرے دوستوں کو وسیلہ بناؤں۔ اس مخلوق کے واسطے تو مجھ پر رحم فرما۔ اِسی طرح جو طالب آتا ہے۔ میں اُس کے واسطے سے قرب الٰہی طلب کرتا ہوں۔

اکثر آپ کا عمل حدیث شریف پر تھا۔ آپ نے حدیث کی سند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے صاحبزادوں اور اپنے پیر سے حاصل کی تھی۔ اور کلام اللہ شریف حفظ تھا۔ لیکن لوگوں کو معلوم نہ تھا۔ آپ سوتے کم تھے۔ تہجد کے وقت اگر لوگ خواب میں ہوتے۔ تو آپ جگا دیتے۔ اور نماز تہجد پڑھ کر آپ مراقبہ اور تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو جاتے اور ہر روز دس پارے پڑھتے۔ مگر کمزوری کی حالت میں اِس سے کم پڑھتے تھے۔ اِس کے بعد طالبوں کو حدیث و تفسیر کا درس دیتے۔ جو شخص آپ سے ملنے آتا۔ اُسے تھوڑی دیر کے بعد رخصت کر دیتے اور یہ عذر کرتے کہ فقیر قبر کی فکر میں ہے۔ اور رخصت کے وقت شیرینی یا تحفہ بھی دیا کرتے۔ نواب امیر خان حضرت غوث اعظم کی اولاد سے اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے نواسہ تھے۔ آپ بوجہ بزرگ زادگی ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ آکر کچھ دیر بیٹھے۔ حضرت نے حسب معمول ان کو رخصت دی۔ لیکن ان کے دل نے بوجہ غلبہ محبت اُٹھنا نہ چاہا۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ مکان کے قبالجات لا کر نواب صاحب کی نذر کر دیں۔ یہ تو نہیں اُٹھتے ہم ہی مکان نذر کر کے چلے جاتے ہیں۔ یہ سن کر وہ فوراً اُٹھ کر چلے گئے۔

زوال کے قریب آپ تھوڑا سا کھانا کھایا کرتے۔ امیر لوگ جو پُر تکلف کھانا تیار کر کے آپ کے لئے بھیجتے۔ وہ اکثر خود نہ کھاتے۔ بلکہ طالبوں کے لئے بھی مکروہ سمجھتے۔ اور ہمسایوں اور حاضرین اہل شہر میں تقسیم فرما دیتے۔ اور کبھی دیگوں کو اُسی طرح چھوڑ دیتے۔ جو چاہتا۔ لے جاتا۔ اور اگر کوئی نقدی بھیجتا اور اُس میں شبہ نہ ہوتا۔ تو پہلے اُس میں سے چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکال دیتے۔ بعد ازاں پیران عظام بالخصوص حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز کے لئے حلوا وغیرہ تیار کر کے فقیروں میں تقسیم کر دیتے۔ اور فقراء و خانقاہ کے لئے جو قرض لیا ہوتا اُس میں دے دیتے اور اہل حاجت جو سامنے آتا اُسے بھی دیتے۔ اور بعض وقت کوئی بے اطلاع ہی لے جاتا۔ آپ دانستہ اُس کی جانب سے منہ پھیر لیتے۔ لوگ آپ کی کتابیں لے جاتے۔ اور وہی بیچنے کے لئے لاتے آپ قیمت دے کر خرید لیتے۔ اگر کوئی عرض کرتا کہ حضرت! یہ تو آپ کے کتبخانہ کی کتابیں ہیں اور نشانی موجود ہے۔ تو آپ سختی سے منع کرتے اور فرماتے۔ کیا ایک کاتب چند نسخے نہیں لکھ سکتا؟

کھانا کھانے کے بعد آپ تھوڑا سا قیلولہ کر کے کتب دینیہ مثلاً نفحات و آداب المریدین وغیرہ کے مطالعہ اور تحریرات ضروریہ میں مشغول ہو جاتے۔ پھر نماز ظہر ادا کر کے کچھ حدیث و تفسیر کا درس فرماتے۔ بعد ازاں عصر پڑھ کر کتب حدیث و تصوف مثلاً مکتوبات حضرت امام ربانی و عوارف و رسالہ قشیریہ کا وعظ فرما کر شام تک حلقۂ ذکر و توجہ میں مشغول رہتے۔ نماز مغرب کے بعد خاص خاص مریدوں کو توجہ دے کر کھانا کھاتے اور نماز عشا پڑھتے۔ اور اکثر رات بیٹھ کر ذکر و مراقبہ میں گزار دیتے اور اگر نیند بہت غلبہ کرتی۔ تو تھوڑے سے مصلا پر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے۔ چارپائی پر شاید کبھی سوئے ہوں گے۔ لیکن معلوم نہیں کہ کبھی پاؤں پھیلائے ہوں۔ اکثر بطور احتباء[1] بیٹھتے تھے جو مراقبہ کا طریقہ ہے۔ اور یہ ہیئت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اور اولیائے کرام مثل غوث اعظم سے بھی ثابت ہے۔ اور نہایت حیا کے سبب سے پاؤں بہت کم پھیلاتے۔ یہاں تک کہ وفات شریف بھی اسی طرح پر واقع ہوئی۔

آپ لباس موٹا پہنا کرتے۔ اگر کوئی شخص نفیس کپڑا بھیجتا۔ تو اُسے بیچ کر کئی کپڑے خرید کر فی سبیل اللہ تقسیم کر دیتے اور فرماتے کہ یہ بہتر ہے کہ بجائے ایک آدمی کے کئی آدمی پہن لیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک بھی اکثر یہی تھی۔ کہ موٹے کپڑے پہنا کرتے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے منقول ہے کہ آپ نے موٹی چادر اور تہ بند نکال کر

[1] احتباء کے معنی ہیں پشت و سر و ساق کو کپڑے وغیرہ سے باہم باندھ کر بیٹھنا۔

فرمایا۔ کہ ان ہی کپڑوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض ہوئی۔
آپ نہایت سخی تھے۔ اور اخفاء کی رعایت بہت کرتے تھے۔ چنانچہ حلقہ کے وقت لوگوں کو عطا فرمایا کرتے۔ اور حیا آپ پر ایسا غالب تھا۔ کہ لوگوں کی شکل کا تو کیا ذکر اپنی شکل بھی آئینہ میں نہ دیکھتے تھے۔ مومنوں پر شفقت کا یہ عالم تھا۔ کہ اکثر رات کو اُن کے واسطے دعا کیا کرتے تھے۔ آپ کا پڑوسی حکیم قدرت اللہ خاں جس کا اکثر وقت حضرت کی غیبت کرنے میں گزرتا تھا ایک دفعہ کسی سبب سے قید ہو گیا۔ آپ نے اُس کی رہائی کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ آپ کی مجلس میں دنیا کا ذکر نہ ہوتا تھا اگر کوئی کسی کی غیبت کرتا۔ تو اُسے منع کرتے اور فرماتے۔ کہ غیبت کے زیادہ لائق تو مَیں ہوں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کے سامنے شاہ عالم بادشاہ کی غیبت کی۔ آپ نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ فرمایا کہ افسوس روزہ جاتا رہا۔ کسی نے عرض کیا۔ کہ حضرت! آپ نے تو کسی کی غیبت نہیں کی۔ فرمایا۔ نہیں کی تو سُنی تو ہے۔ غیبت میں ذاکر و سامع دونوں برابر ہیں۔
امر معروف و نہی منکر آپ کا شیوہ حسنہ تھا۔ سید اسماعیل مدنی جو رسول اللہ علیہ وسلم کے اولاد سے نسبت مجددیہ کے حاصل کرنے کے لئے آئے تھے ایک روز آپ کے حکم سے جامع مسجد دہلی میں آثار نبویہ کی زیارت کے لئے گئے۔ اُنہوں نے آکر عرض کیا۔ کہ اگرچہ وہاں برکات جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم محسوس ہوتی ہیں۔ مگر ظلمت کفر بھی معلوم ہوتی ہے۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ بعض اکابر دین کی تصویریں بھی وہاں رکھی ہیں۔ آپ نے اُسی وقت بادشاہ اکبر شاہ کو ایک نہایت پر زور خط لکھا۔ اور وہ تصویریں وہاں سے نکلوا دی گئیں۔ نواب شمشیر بہادر رئیس ملک بندیلکھنڈ ایک دفعہ انگریزی ٹوپی پہن کر حاضر خدمت ہوا۔ حضرت نے غصہ میں آکر اُسے منع کیا۔ اُس نے عرض کیا کہ اگر ایسا ہی احتساب ہے۔ تو میں پھر نہ آؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تم کو ہمارے گھر میں نہ لائے۔ نواب موصوف مغلوب الغضب ہو کر اُٹھا۔ اور دالان کے چبوترے کے زینہ پر پہنچ کر وہ ٹوپی خدمت گار کو دے دی۔ اور پھر حاضر خدمت ہو کر بیعت ہوا۔ آپ بعضوں کو نرمی سے منع فرماتے تھے۔ کیونکہ احتساب میں پہلے نرمی چاہئیے۔ چنانچہ میر اکبر علی کا بیان ہے۔ کہ میرے چچا ڈاڑھی نہ رکھا کرتے تھے۔ ایک روز جو حاضر خدمت ہوئے۔ تو حضرت نے نرمی سے فرمایا کہ ہمارے میر صاحب ڈاڑھی نہیں رکھتے۔ اس کے بعد کشادہ پیشانی سے پیش آئے۔ اور فرمایا کہ آپ ہی کے خاندان کا صدقہ۔ ہم تو آپ کے گماشتہ ہیں۔ الغرض وہ میر صاحب چلے گئے اور پھر کبھی ڈاڑھی نہ منڈوائی۔
ترک و تجرید کا یہ عالم تھا۔ کہ بادشاہ وقت اور امراء بار بار خواہش کرتے تھے کہ خانقاہ کے خرچ کے لئے

کچھ مقرر کردیں۔ مگر منظور نہ فرمایا۔ آپ اکثر یہ قطعہ پڑھا کرتے تھے۔ ؎

خاک نشینی است سلیمانیم　　　ننگ بود افسر سلطانیم
ہست چہل سال کہ مے پوشمش　　　کہنہ نہ شد چادر عُریانیم

نواب امیر خان والی ٹونک و سرونج نے بھی یہی آرزو کی کہ خرچ خانقاہ کے لئے کچھ قبول فرمائیں۔ مگر آپ نے شاہ رؤف احمد صاحب سے فرمایا کہ جواب میں یہ لکھ دو۔ ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمے بریم　　　با میر خاں بگو کہ روزی مقدر است

اکثر فرمایا کرتے کہ ہماری جاگیر مواعید الٰہی ہیں۔ وفی السماء رزقکم وما توعدون۔ فرماتے تھے کہ اس طریق میں چار چیزیں ضروری ہیں دست شکستہ۔ پا شکستہ۔ دین درست یقین درست۔
جناب رسالتمآب علیہ الوف التحیۃ والصلوٰۃ کا عشق آپ کو اس قدر تھا۔ کہ حضور انور کا نام مبارک سنتے ہی بیتاب ہو جایا کرتے، ور آہ آہ کہہ کر ہاتھ اُٹھاتے۔ اور کبھی ہاتھ پھیلا کر سمیٹ لیتے۔ گویا کسی کو بغل میں لیتے ہیں اور مولانا روم کا یہ شعر پڑھتے۔ ؎

موسیا آداب داناں دیگراند　　　سوختہ جان و رواناں دیگر اند

ایک بار قدم شریف کا خادم پانی کا تبرک لایا۔ اور کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ آپ پر ہے۔ یہ کلام سنتے ہی آپ بیتاب ہو گئے۔ اور اُس خادم کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور فرمایا کہ میری کیا ہستی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ مجھ پر ہو۔ اور اُس کی مدارات کی۔ مرض موت میں ترمذی شریف آپ کے سینہ پر تھی۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل حدیث میں نکل آتا۔ اُس پر عمل کرتے۔ بکری کے شانہ کا گوشت پکوا کر کھایا کرتے کہ مسنون ہے قرآن مجید کا نہایت شوق تھا۔ نماز اوابین میں حضرت شاہ ابو سعید مجددی سے جو آپ کے خلیفہ اور خوش الحان تھے سنا کرتے تھے۔ اور کبھی غلبہ شوق میں زیادہ سن لیتے۔ تو بے تاب ہو کر فرماتے۔ بس کرو زیادہ سننے کی طاقت نہیں۔ اکثر اشعار پُر درد سنا کرتے اور وجد کی نوبت پہنچتی۔ لیکن چونکہ کوہ استقامت تھے۔ ضبط فرماتے تھے۔
طبیعت شریف میں نفاست اِس قدر تھی۔ کہ اگر کوئی نسوار سونگھتا۔ تو ناراض ہوتے۔ اور لوبان وغیرہ سُلگواتے۔ فرماتے تھے کہ افغانوں نے ہماری مسجد کو ہلاس دانی بنا دیا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ بعض وقت آپ کے مکان سے خود بخود خوشبو آنے لگتی تھی۔ اُس وقت آپ لوگوں کو وہاں سے علیحدہ کر دیتے تھے۔ شاید جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم اور پیران عظام کی ارواح کا ظہور ہوتا تھا۔ فرماتے تھے کہ میں حضرت خواجہ نقشبندؒ اور حضرت مجددؒ کی شکل کو ظاہر میں دیکھتا ہوں۔ ایک دفعہ میرا پہلو

شل ہوگیا۔ میں نے حضرت مجددؒ کی روح سے استمداد کی۔ فوراً اُن کی روح کو ہوا میں معلق دیکھا۔ اور آپ نے میرا مرض سلب کرلیا۔

مکاشفات و الہامات فرمایا کہ ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے شوق میں رو رہا تھا۔ یہانتک کہ خاکپاشی کی نوبت پہنچی۔ اور اِس عمل سے جو بظاہر سنت ممنوع ہے میرے قلب پر ظلمت بھی آگئی۔ مجھے نیند آگئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میر روح اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شہیدؒ کے یاروں سے تھے تشریف لائے اور کہنے لگے کہ جناب محبوب رب العالمین صلے اللہ علیہ وسلم تمہارے منتظر بیٹھے ہیں۔ میں نہایت شوق سے خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے معانقہ کیا۔ معانقہ کے وقت تک حضور انور اپنے شکل پر تھے۔ بعد ازاں سید میر کلال رحمۃ اللہ علیہ کی شکل پر ہوگئے۔

ایک روز میں عشا سے پہلے سوگیا۔ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھے اِس عمل سے منع فرمایا۔ بلکہ اِس عمل کے عامل پر وعید بیان فرمایا۔ ایک دفعہ خواب میں میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یارسول اللہ من رأنی فقد رأ الحق آپ کی حدیث ہے؟ فرمایا کہ ہاں۔

میں ہر روز تسبیح و تحمید پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس کو ایصال ثواب کیا کرتا تھا۔ ایک روز یہ عمل ترک ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسی شکل میں تشریف لائے جو ترمذی شریف میں مذکور ہے اور شکایت کی۔

ایک دفعہ آتش دوزخ کے خوف نے مجھ پر بہت غلبہ کیا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ جو شخص ہم سے محبت رکھتا ہے وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تیرا نام عبداللہ اور عبدالمہیمن ہے۔

ایک دفعہ حضرت مجدد رضی اللہ تعالے عنہ تشریف لائے اور فرمایا کہ تو میرا خلیفہ ہے۔ ایک بار حضرت خواجہ نقشبندؒ تشریف لائے اور میرے پیراہن میں داخل ہوئے۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔ میں نے نام پوچھا۔ تو کہا۔ بہاءالدین۔ ایک بار ایک شخص خلعت لایا۔ اور کہا کہ حضرت غوث اعظمؒ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ مولانا خالد نے عرض کیا کہ خلعت قطبیت ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ تواضع کے سبب سے میں اِس مقام کا نام نہیں لیتا۔

ایک روز میں نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار پر عرض توجہ کی۔ حضرت نے مزار سے نکل کر توجہ دی۔ اُس کی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی۔ عین دوپہر کا وقت تھا۔ میں جلدی اُٹھ آیا۔ مگر مجھے حسرت ہے

کہ جلدی کیوں چلا آیا۔ ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر میں نے کہا شیئاً للہ شیئاً للہ۔ میں نے دیکھا کہ ایک حوض پانی سے بھرا ہوا ہے کہ جس کے کناروں سے پانی چھلکتا ہے۔ القا ہوا کہ تیرا سینہ نسبت مجددیہ سے بھرا ہوا ہے۔ اور نسبت کی گنجائش نہیں رکھتا۔ ایک دن میں نے حضرت سلطان المشائخ کے مزار پر عرض توجہ کی۔ فرمایا کہ کمالات احمدی تم کو حاصل ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اپنی نسبت بھی عطا فرمائیے۔ آپ نے توجہ فرمائی۔ میں نے دیکھا کہ اُن کا چہرہ مثل میرے چہرے کے ہوگیا اور میرا چہرہ مثل ان کے چہرے کے ہوگیا۔ میں نہایت محظوظ ہوا۔

ایک بار میں حضرت خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں حاضر ہوا۔ وہ تشریف لائے اور فرمایا کہ کثرت سے عبادت کرو۔ اِس راہ میں تعبد درکار ہے تاکہ تصرف کا دروازہ کھل جائے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کا مرتبہ کس طرح حاصل ہوا؟ فرمایا۔ کثرت تعبد سے۔ ایک بار میرا مکان معطر ہوگیا۔ میں نے اوپر کی طرف نگاہ جو اُٹھائی۔ تو دیکھا کہ میرے سر پر معطر منور روح جلوہ نما ہے جس کے گرد آفتاب کی روشنی کی مانند روشنی ہے۔ میں حیران ہوگیا کہ یہ کون ہیں۔ بعد ازاں دل میں آیا کہ شاید اِس شان وشوکت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح یا حضرت غوث اعظم کی روح ہے۔ ایک روز اہل خانقاہ کے درمیان نزاع لفظی پیش آیا۔ حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص جھگڑا کرے اُسے خانقاہ سے نکال دو۔ ایک روز میں نے مشتبہ کھانا کھالیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت شہیدؒ قے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہر جگہ کا کھانا نہ کھانا چاہئے۔

فرمایا کہ ایک بار الہام ہوا کہ مجھے قیومیت کا منصب عطا ہوگیا۔ ایک دن الہام ہوا کہ تجھ سے نیا طریقہ نکلا ہے۔ ایک دن میں نے وسعت مکان کے لئے عرض کیا۔ الہام ہوا کہ تیرا اہل وعیال نہیں توسیع کی کیا ضرورت ہے۔ ایک دن میں نے ہمسایہ کا مکان طلب کیا۔ الہام ہوا کہ تو ہمسایہ کو کس واسطے تکلیف دیتا ہے اور نکالتا ہے۔ ایک دن میں حرمین شریفین کی زیارت کے ارادہ سے نیم قد اُٹھا الہام ہوا کہ تیرے واسطے یہیں رہنا بہتر ہے۔ ایک دن میں نے کہا۔ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ۔[1] الہام ہوا کہ یوں کہہ۔ یا ارحم الراحمین شیئاً للہ۔ ایک دن الہام ہوا کہ حضرت سلطان المشائخ نے دکن میں اپنے خلیفے بھیجے۔ تم کابل وبخارا میں بھیجو۔

[1] اِس سے یہ مراد نہیں کہ یا شیخ عبد القادر کہنا ناجائز ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اب تم کو وسیلہ کی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ براہ راست ہم سے طلب کرو۔ کیونکہ وسیلہ کی ضرورت ابتدا میں ہوتی ہے انتہا میں نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوب ۲۴۹ جلد اول میں تحریر فرمایا ہے۔

فرمایا۔ کہ کلام ربانی جو صوت و لحن سے مبرا ہے میں نے تین بار سنا ہے۔ ایک بار مدرسہ میں۔ اور دو بار خانقاہ شریف میں۔ ایک رات میں نے پکارا یا رسول اللہ۔ آواز آئی۔ لبیک۔ اور میرا نام عبدالصالح فرمایا۔

کرامات (۱) ایک دن ایک خوبصورت ہندو بچہ برہمن زادہ مجلس شریف میں آگیا۔ سب اہل مجلس اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت کی نظر عنایت جو اس پر پڑی۔ فوراً زنار توڑ کر مشرف با سلام ہوا۔

(۲) ایک روز آپ کے خادم کرامت اللہ کو شدت کا درد جنب ہوا۔ آپ نے دست مبارک مقام درد پر رکھ کر توجہ فرمائی۔ اُسی وقت جاتا رہا۔

(۳) ایک روز آپ نے چلتی کشتی پر توجہ فرمائی۔ فوراً ٹھیر گئی۔

(۴) میاں احمد یار جو آپ کے اصحاب کبار سے تھا بیان کرتا ہے۔ کہ میں تجارت کے لئے قافلہ کے ہمراہ جا رہا تھا۔ میں نے اثنائے راہ میں صحرا میں دیکھا۔ کہ حضرت تشریف لائے۔ اور میری بہلی کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا۔ کہ بہلی کو دوڑا کر قافلہ سے آگے لے جاؤ۔ کیونکہ اِس قافلہ کو ڈاکو لوٹیں گے یہ کہہ کر آپ نظر سے غائب ہو گئے۔ میں بہلی کو دوڑا کر آگے نکل گیا۔ ڈاکوؤں نے قافلہ کو لوٹ لیا اور میں بخیریت منزل پر پہنچ گیا۔

(۵) میاں زلف خاں جو آپ کے مخلصین سے تھا بیان کرتا ہے کہ اوائل حال میں بیعت ہونے کو میں دہلی آرہا تھا جنگل میں راستہ بھول گیا۔ اچانک ایک بزرگ نمودار ہوا جس نے مجھے راہ راست پر ڈال دیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ فرمایا کہ میں وہی ہوں۔ جس سے بیعت ہونے کو جا رہے ہو۔

(۶) میاں احمد یار ناقل ہے۔ کہ آپ کے ارادتمندوں میں ایک ضعیفہ صالحہ کی عمر رسیدہ لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ بغرض تعزیت میں حضرت کے ہمراہ گیا۔ آپ نے اس ضعیفہ سے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تجھے فرزند نعم البدل عطا فرمائے۔ اُس نے عرض کی۔ حضرت! میں بوڑھی ہو گئی ہوں اور میرا شوہر بھی بوڑھا ہے۔ بظاہر اب اولاد کا ہونا خلاف عقل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ قادر ہے۔ بعد ازاں آپ نے اُس مسجد میں جو اُس بڑھیا کے دروازے کے متصل تھی وضو کر کے دوگانہ ادا کیا اور دعا فرمائی پھر مجھ سے فرمایا کہ ہم نے جناب الٰہی میں بڑھیا کے حق میں دعا کی تھی۔ اُس کی قبولیت کا اثر ظاہر ہوا۔ انشاء اللہ تعالےٰ لڑکا پیدا ہو گا۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق لڑکا پیدا ہوا اور جوان ہوا۔

(۷) میر اکبر علی نے ایک بیمار عورت کی شفا کے لئے مکرر عرض کی۔ فرمایا۔ کہ پندرہ دن سے زیادہ اُس کی زندگی معلوم نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ پندرہ دن کے بعد مر گئی۔

(۸) ایک دفعہ آپ کے کئی خلیفے راہ دور سے خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آ رہے تھے۔ اثنائے راہ میں کہنے لگے کہ حضرت کا معمول ہے کہ قدمبوسی کے وقت تبرک عنایت فرمایا کرتے ہیں۔ ایک نے کہا کہ اس دفعہ مجھے مصلاکی خواہش ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میں ٹوپی چاہتا ہوں۔ تیسرے نے کچھ اور کہا۔ جب وہ خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے ہر ایک کو اُس کی تمنا کے موافق عنایت فرمایا۔ ایسا واقعہ آپ سے کئی بار ظہور میں آیا ہے۔

(۹) ایک تاجر کابل سے ہندوستان کو آ رہا تھا۔ دریائے اٹک کو عبور کرتے وقت اُس کا اونٹ مع سامان تجارت دریا میں ڈوب گیا۔ اُس نے کہا کہ میں ایک روپیہ حضرت کی نیاز دوں گا۔ اگر میرا اونٹ مع اسباب زندہ نکل آئے۔ بحکم الٰہی زندہ نکل آیا۔ جب وہ تاجر حاضر خدمت ہوا۔ تو اُس نے یہ واقعہ بیان کیا۔ حضرت نے پوچھا کہ تو نے نیاز دے دی؟ اُس نے عرض کیا کہ دے دی۔

(۱۰) میاں احمد یار کے چچا کو بادشاہ نے روپیہ لینے کے لئے نظر بند کر دیا۔ میاں احمد یار روتا ہوا حضرت کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کئی شخص جمع ہو کر چھڑا لاؤ۔ میاں موصوف نے عرض کی کہ قلعہ کے دروازے پر پہرہ اور پلٹن کے سپاہی نگہبانی کے لئے متعین ہیں آپ نے فرمایا کہ تم کو اس سے کیا مطلب۔ تم میرے کہنے سے جا کر لے آؤ۔ چنانچہ یہ قلعہ میں گئے اور قیدخانہ سے زندہ لے آئے۔ دروازہ کے نگہبانوں اور پلٹن کے سپاہیوں میں سے کسی نے نہ دیکھا کہ یہ کون ہیں اور کہاں جاتے ہیں۔

(۱۱) مولوی فضل امام کا صاحبزادہ بہت بیمار تھا۔ اُس نے خواب میں دیکھا کہ حضرت تشریف لائے ہیں اور کوئی چیز پلائی ہے۔ جب صبح ہوئی۔ تو اُس نے شفا پائی۔ اور آنجناب کے حضور میں کچھ روپے نیاز لایا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ہماری رات کی عنایت کا شکرانہ ہے۔

(۱۲) ایک شخص نے عرض کیا۔ کہ میرا بیٹا دو مہینے سے گم ہے۔ توجہ فرمائیے کہ آجائے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا بیٹا تیرے گھر میں ہے۔ وہ اپنے دل میں حیران ہوا۔ کہ ابھی تو میں اپنے گھر سے آ رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ گھر میں ہے۔ غرضیکہ آپ کے ارشاد کے موافق وہ گھر میں گیا۔ تو دیکھا کہ بیٹھا ہے۔

(۱۳) ایک عورت اپنے لڑکے کو حضرت کی خدمت میں لائی۔ اور عرض کیا کہ یہ فوج میں نوکر تھا۔ نوکری چھوڑ کر ملنگ فقیروں میں داخل ہو گیا ہے۔ شریعت سے منحرف ہے۔ اور بھنگ پیتا ہے۔ آپ نے اُس عورت سے فرمایا کہ بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گئی۔ آپ نے اُس کی طرف توجہ کی۔ تو اُس کے تمام لطائف ذکر سے جاری ہو گئے۔ پھر آپ نے اس لڑکے کی طرف توجہ کی۔ اور وہ راہ راست پر آگیا۔

مندرجہ بالا کرامتیں بطور مشتے نمونہ از خروارے لکھی گئیں۔

وفات آپ کو ہمیشہ شہادت کی آرزو رہی۔ لیکن فرماتے تھے۔ کہ حضرت میرزا قدس سرہ کی شہادت کے باعث لوگوں کو بہت سی تکلیفیں پہنچیں۔ تین سال سخت قحط رہا جس میں ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ اور قتل و قتال ایسا وقوع میں آیا جو خارج از تحریر ہے۔ اس لئے میں اپنی شہادت سے ڈرتا ہوں۔ غرضیکہ آخر مرض موت شروع ہوا۔ اور اس میں بواسیر اور خارش نے غلبہ کیا۔ فرمایا کہ میرا جنازہ آثار شریفہ نبویہ میں جو جامع مسجد میں رکھے ہوئے ہیں لیجائیں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض شفاعت کریں۔ اور فرمایا کہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ میرے جنازے کے آگے فاتحہ و کلمہ طیبہ و آیات کا پڑھنا بے ادبی ہے۔ یہ دو بیت پڑھیں ؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو — شیئاً للہ از جمالِ روئے تو

دست بکشا جانب زنبیل ما — آفریں بر دست و بر بازوئے تو

پس میرے جنازے کے آگے بھی یہی شعر پڑھنا۔ بلکہ یہ دو شعر عربی بھی پڑھنا۔ ؎

وَفَدْتُ عَلَى الْكَرِيْمِ بِغَيْرِ زَادٍ[1] — مِنَ الْحَسَنَاتِ وَالْقَلْبِ السَّلِيْمِ

فَحَمْلُ الزَّادِ اَقْبَحُ كُلِّ شَيْءٍ — اِذَا كَانَ الْوُفُوْدُ عَلَى الْكَرِيْمِ

بتاریخ ۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ نماز جنازہ جامع مسجد میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ بعد ازاں حسب وصیت جنازہ کو آثار شریفہ میں لے گئے۔ اور وہاں سے لاکر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کلماتِ قدسیہ

آپ کے ملفوظات میں سے اقتباساتِ ذیل بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) اکابر چشتیہ جو سرستان ذوق محبت ہیں اُن کا گزک سماع و سرود ہے۔ جو دل میں رنگا رنگ شوق پیدا کرتا ہے اور یار کے چہرے سے پردہ اُٹھا دیتا ہے۔ اور ہم خادمان سلسلہ نقشبندیہ جو شراب محبت کا پیالہ پینے والے ہیں ہمارا گزک حدیث و درود ہے۔ جو قلب کو گوناگوں ذوق بخشتا ہے۔ ؎

آں ایشاں نند من چنینم یا رب

(۲) فقیر میں فا فاقہ کی اور قاف قناعت کا اور یا یاد الٰہی کی اور را ریاضت کی ہے۔ جو

[1] میں کریم کے آگے بغیر توشہ حسنات و قلب سلیم گیا۔ کیونکہ جب جانا کریم کے پاس ہو۔ تو توشہ کا لے جانا سب سے بُری چیز ہے۔

شخص ان کو بجا لایا۔ اُس نے فا فضل کی قاف قرب مولے کا یا یاری کی اور را رحمت کی پائی۔ ورنہ فا فضیحت کی قاف قہر کا یا یاس کی اور را رسوائی کی حاصل ہوئی۔

(۳) ذوق وشوق اور کشف وکرامات کا طالب بھی اللہ جل شانہ کا طالب نہیں۔ طالب کو چاہئے کہ ذات بحت طلب کرے۔ اور جو کچھ راستے میں آئے اُس کو نفی کرے۔ اور سمجھے کہ سوائے ذات پاک کے کچھ مقصود نہیں۔ حضرت پیرو مرشد قلبی وروحی فداہ سے ابتدائے حال میں کسی نے کہہ دیا۔ کہ فلاں شخص ذوق وشوق اور کشف وکرامت کا طالب ہے۔ فرمایا کہ جو شخص ان شعبدوں کا طالب ہے اُس سے کہہ دو کہ میری خانقاہ سے چلے جاؤ اور میرے پاس نہ آؤ۔ یہ خبر مجھے پہنچی۔ میں حضور پر نور میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ حضور نے ایسا فرمایا ہے یا نہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہاں۔ میں نے کہا ہے۔ میں نے عرض کی کہ پھر حضور کی مرضی کیا ہے۔ فرمایا کہ اس جگہ سنگ بے نمک لیسیدن کا مضمون ہے۔ اگر کوئی طالب اِس بے مزگی کا خواہاں ہو۔ وہ میرے پاس آئے ورنہ نہ آئے۔ میں نے عرض کی کہ مجھے یہی منظور ہے۔ فرمایا کہ خوب۔ آئیے ؎

ما برائے استقامت آمدیم   نے پئے کشف وکرامت آمدیم

(۴) کمالات میں وصل عریانی حاصل ہوتا ہے۔ اور اس سے مراد تجلی ذاتی ہے جو تعینات کے اعتبارات سے خالی ہے۔ اور صفات کے اطلاق سے وراء الوراء ہے۔ وہاں سوائے ذات بحت کے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور اُس مقام میں سالک کا نصیب سوائے یاس، وناامیدی ومحرومی کے نہیں ہے۔ اگرچہ وصول ہے حصول نہیں ہے۔ نہ ذوق ہے نہ شوق۔ نہ آہ ہے نہ نعرہ۔ نہ وجد ہے نہ تواجد۔ د استغراق ہے نہ بیخودی۔ یہ تمام احوال ولایت قلبی میں حاصل ہوتے ہیں جو اس خاندان کی ابتدا ہے۔ اور وہ (وصل عریانی) انتہا میں ہے۔ اور اس جگہ اپنی نسبت بھی سالک کے ادراک میں نہیں آتی۔

(۵) طالب کو چاہئے کہ ہر وقت عبادت سے الگ الگ کیفیات معلوم کرے۔ اور آگاہ رہے کہ نماز سے کیا کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ تلاوت قرآن مجید سے کیا نسبت ظاہر ہوتی ہے۔ درس حدیث سے اور تہلیل زبانی کے شغل سے کیا ذوق حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح معلوم کرے کہ لقمہ شک سے کیسے ظلمت زیادہ ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے گناہوں سے کیا کیا ظلمتیں زیادہ ہوتی ہیں۔

(۶) ولایت میں خطرات مضر ہیں اور کمالات نبوت میں مضر نہیں۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے۔ کہ "میں سامان لشکر تیار کرتا ہوں حالانکہ نماز میں ہوتا ہوں" مشاہدہ آفتاب کے لئے داخلی خطرات مانع نہیں۔

(۷) کھانے میں ایک تو رضائے نفس ہے اور دوسرے حق نفس۔ رضائے نفس غذا کا زیادہ اور لطیف ہونا ہے۔ اور حق نفس غذا کا فرائض وسنن کی طاقت کے مقدار ہونا۔

(۸) طریقہ نقشبندیہ سے مراد چار چیزیں ہیں۔ بیخطرگی۔ دوام حضور۔ جذبات۔ واردات۔

(۹) جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم تمام کمالات کے جامع تھے۔ لیکن ہر وقت میں اس زمانے کی قابلیت کے مناسب افراد امت میں کمال ظاہر ہوتا ہے۔ جو کمال کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ کے بدن لیعنی تحزن سے ناشی ہے اور وہ بھوکا رہنا۔ جہاد کرنا اور عبادت کرنا ہے۔ وہ صحابہ کرام میں جلوہ گر ہوا۔ اور جو کمال کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب سے ناشی ہے یعنی استغراق و بیخودی اور ذوق و شوق اور آہ و نعرہ اور اسرار توحید وجودی۔ وہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے اولیائے امت میں ظاہر ہوا۔ اور جو کمال کہ آنجناب صلے اللہ علیہ وسلم کے لطیفہ نفس سے ناشی ہے جس سے مراد نسبت باطن میں اضمحلال و استہلاک ہے۔ وہ حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے وقت سے اکابر نقشبندیہ میں ظاہر ہوا۔ اور جو کمال کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم شریف سے ناشی ہے وہ حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے مکشوف ہوا۔

(۱۰) بھوکا رہنے کی رات درویشوں کی شب معراج ہے۔

(۱۱) صوفی دنیا و آخرت کو پس پشت ڈال کر مولےٰ کی طرف متوجہ ہے۔ ؎

ملت عاشق ز ملتہا جدا است   عاشقاں را مذہب و ملت جدا است

(۱۲) دعا کے وقت انوار وارد ہوتے ہیں۔ دعا کے انوار اور دعا کی قبولیت کے اثر کے انوار میں فرق کرنا مشکل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر دونوں ہاتھوں میں ثقالت حاصل ہو۔ تو یہ قبولیت کی نشانی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر انشراح صدر حاصل ہو۔ تو یہ قبولیت کی نشانی ہے۔

(۱۳) بیعت تین قسم کی ہے۔ اول پیران کبار سے توسل کے لئے دوم گناہوں سے توبہ کے لئے۔ سوم کسب نسبت کے لئے۔

(۱۴) آدمی چار قسم کے ہیں۔ نامرد۔ مرد۔ جوانمرد۔ فرد۔ دنیا کا طالب نامرد ہے۔ عقبےٰ کا طالب مرد۔ عقبےٰ اور مولےٰ کا طالب جوانمرد۔ اور مولےٰ کا طالب فرد ہے۔

(۱۵) خطرہ کی چار قسمیں ہیں۔ شیطانی و نفسانی و ملکی و حقانی۔ خطرہ شیطانی بائیں طرف سے آتا ہے۔ نفسانی فوق یعنی دماغ سے۔ اور ملکی دائیں طرف سے اور حقانی فوق الفوق سے آتا ہے۔

(۱۶) جو کمالات کہ انسان میں ممکن ہیں سوائے نبوت کے سب حضرت مجدد میں ظاہر ہوئے۔

رباعی

ہر لطافت کہ نہاں بود پسِ پردۂ غیب　　ہمہ در صورت خوب تو عیاں ساختہ اند

ہر چہ بر صفحہ اندیشہ کشد کلک خیال　　شکل مطبوع تو زیبا تر ازاں ساختہ اند

(۱۷) جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اویسی ہونا چاہے۔ وہ نماز عشا کے بعد خیال میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر یوں کہے۔ یارسول اللہ بایعتك علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ واقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان وحج البیت ان استطعت الیہ سبیلاً۔ اور کسی بزرگ کا اویسی ہونا چاہے۔ تو خلوت میں بیٹھ کر دو رکعت اُس کی روح کے لئے پڑھ کر اُس بزرگ کی روح کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے۔

(۱۸) حق سبحانہ نے مجھے ایسا ادراک عطا کیا ہے۔ کہ میرا بدن مثل قلب کے ہو گیا ہے۔ چاروں طرف سے جو شخص آتا ہے۔ میں اُس کی نسبت معلوم کر لیتا ہوں۔

(۱۹) تین کتابیں بے نظیر ہیں۔ قرآن شریف۔ صحیح بخاری۔ مثنوی مولانا روم۔

(۲۰) اولیاء کی تین قسمیں ہیں ارباب کشف۔ ارباب ادراک۔ ارباب جہل۔

(۲۱) اولیاء میں سے حضرت مجددؒ کا کمال کسی نے کم پایا ہوگا۔ اگر آپ تمام اولیاء وجودیہ کو توجہ دیں۔ تو شاہراہ شہود پر لے آئیں

(۲۲) سعدی شیرازی طریقہ سہروردیہ میں سمجھدار آدمی تھے۔ انہوں نے دو بیتوں میں تصوف کو تمام کر دیا ہے۔ ؎

مرا پیر دانائے مرشد شہاب　　دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش　　دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

(۲۳) جو شخص ہم سے ملاقات رکھتا ہے وہ ہمارا لباس پہنے اور ہمارا طریقہ اختیار کرے۔

رباعی

یا مرد بایار ازرق پیرہن　　یا بکش بر خانماں انگشت نیل

یا مکن با پیلباناں دوستی　　یا بنا کن خانہ در خورد پیل

(۲۴) بعضے مومنوں کی روح ملک الموت قبض کرتا ہے۔ اور اخص الخواص کی روحوں میں فرشتے کو بھی دخل نہیں۔ ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند　　کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

(۲۵) درویشوں کی معاش وہی ہونی چاہئے جو شیخ ابن یمین کبروی نے ان ابیات میں نظم کی ہے۔ ؎

نان جوین و خرقۂ پشمین و آب شور
سیپارۂ کلام و حدیث پیمبری

ہم نسخہ دو چار ز علمے کہ نافع است
در دیں نہ لغو بوعلی و ژاژ عنصری

تاریک کلبۂ کہ پئے روشنئ آں
بیہودہ منتے نہ برد شمع خاوری

بیک دو آشنا کہ نیرزد بہ نیم جو
در پیش چشم ہمت شاں ملک سنجری

ایں آں سعادتے است کہ حسرت برد بر آں
جو یائے تخت قیصر و ملک سکندری

اور آپ مولانا جمالی کی یہ اشعار بھی پڑھا کرتے تھے۔ ؎

لنگکے زیر لنگکے بالا
نے غم دزد نے غم کالا

گزک بوریا و پوستکے
دلکے پر ز درد دوستکے

ایں قدر بس بود جمالی را
عاشق رند لا اُبالی را

(۲۶) عقل دو قسم کی ہے۔ ایک نورانی دوسری ظلمانی۔ عقل نورانی وہ ہے کہ بغیر واسطہ کے مقصود (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) پر دلالت کرے۔ اور ظلمانی وہ ہے کہ مرشد کی ہدایت کے چراغ سے راہ پر لائے۔

(۲۷) دنیا کی محبت ہر گناہ کا سر ہے۔ اور گناہوں کا سر کفر ہے۔

اہل دنیا کافران مطلق اند
روز و شب در بق بق و در زق زق اند

(۲۸) زوال عین یہ ہے کہ اپنے اوپر لفظ انا کا اطلاق متعذر رہ جائے۔ یوں نہ کہہ سکے کہ میں ہوں۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ انا الحق کہنا آسان ہے اور انا کو دور کرنا مشکل ہے۔ زوال اثر کے معنی یہ ہیں کہ اپنی صفتوں میں سے کسی صفت کو نہ دیکھے۔

(۲۹) طریقہ مجددیہ میں چار دریا فیض کے ہیں۔ نسبت نقشبندی و قادری و چشتی و سہروردی۔ لیکن پہلی نسبت غالب ہے۔

(۳۰) کفر طریقت یہ ہے کہ حق و باطل میں امتیاز اُٹھ جائے۔ اور سوائے ذات حق کے کچھ نظر میں نہ آئے۔

(۳۱) جو شخص مخدوم ہونا چاہے۔ وہ اپنے مرشد کی خدمت کرے۔ مصرعہ۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

(۳۲) میں اب کمزور ہو گیا ہوں۔ اس سے پہلے میں شاہجہان آباد کی مسجد میں حوض کا کڑوا پانی پیتا تھا۔ ہر روز دس پارے قرآن مجید کے پڑھتا تھا۔ اور دس ہزار بار نفی و اثبات کرتا تھا۔ میری باطنی نسبت ایسی قوی تھی۔ کہ تمام مسجد انوار سے بھر جاتی۔ اسی طرح جس کوچہ میں گزرتا۔ وہ انوار سے بھر جاتا۔ اگر کسی بزرگ کے مزار پر جاتا۔ تو اُس کی نسبت پست ہو جاتی۔ مگر میں از روئے تواضع اپنے تئیں پست کرتا۔

(۳۳) حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حضرت ابن عربی اور حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کلام میں تطبیق دی ہے۔ اور توحید وجودی و شہودی میں نزاع لفظی قرار دیا ہے۔ شاہ صاحب بڑے بزرگ تھے۔ انہوں نے نیا طریقہ بیان کیا ہے۔ لیکن اس مقام میں غلطی کھائی ہے۔ حال کو قال میں ڈال کر معارف کشفیہ کو علمی گفتگو میں لاکر تطبیق دی ہے۔ مگر ہر دو مقام میں ظاہر فرق ہے۔ جس شخص کو حضرت مجددؒ کے معارف سے نصیب ملا ہے۔ اُس نے ظاہر دیکھ لیا ہے کہ توحید وجودی ابتدائے احوال میں یعنی لطیفہ قلب کی سیر میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور توحید شہودی لطیفہ نفس کی سیر میں نمایاں ہوتی ہے۔ اور حضرت مجددؒ کے معارف ان دونوں مقاموں سے آگے ہیں۔ ابن عربی کے معارف ایک قطرہ ہیں۔ اور حضرت مجدد کے معارف بحر محیط ہیں۔ ؎

چہ نسبت است بکوہ آسمان عالی را

(۳۴) راہ ولایت کے کھلنے کا واسطہ جناب امیر المومنین علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کا وجود باجود ہے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اس توسط میں شریک ہیں۔ اِس کے بعد بارہ امام اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین ولایت کی اِس امانت کا بوجھ اُٹھانے والے ہیں۔ لیکن اس دوسرے ہزار میں حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالےٰ باسرارہ السامی بھی اِس امر میں شریک ہیں۔ یہ بات ثابت ہے کہ اِس دوسرے ہزار میں جو شخص درجہ ولایت کو پہنچتا ہے خواہ وہ کسی خاندان میں مرید ہو اُس کے لئے اس راستے کا کھلنا بغیر ان کی وساطت کے ناممکن ہے۔ وہ ان کی توجہ و امداد سے اِن مرحلوں کو طے کرتا ہے۔ اگرچہ قطب و ابدال و اوتاد و غوث ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ سالکین حضرت مجددؒ کی توجہ اور مدد کی خبر و آگاہی بھی رکھتے ہوں۔

(۳۵) اندراج نہایت در بدایت کے معنی یہ ہیں۔ کہ سالک کو بیخطرگی و کم خطرگی حاصل ہو گئی۔ اور اللہ کی طرف توجہ پیدا ہو گئی۔ اور جمعیت ظاہر ہوئی۔ وہ اِس خاندان عالی شان کا مبتدی ہو گیا۔ یہی حضور و جمعیت دوسروں کی انتہا میں ہے۔ پس ان کی بدایت دوسروں کی نہایت میں مدرج ہے۔

(۳۶) جس وقت بروز کی حالت عارف پر وارد ہوتی ہے۔ وہ ایسا بڑا ہو جاتا ہے کہ نہایت وسعت

کے سبب سے زمین و آسمان میں نہیں سماتا۔ بلکہ زمین و آسمان اور عرش و مافیہا اس کے دل کے گوشہ میں سما جاتے ہیں۔ پس سلیمانؑ اور اُن کی سپاہ اُس کے دل میں کیا حقیقت رکھتی ہے۔ اور جس وقت کمون کی حالت عارف پر آتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ذرہ سے بھی چھوٹا پاتا ہے۔ بلکہ کچھ بھی نہیں پاتا۔

(۳۷) مدارا کے معنی ہیں۔ دنیا کو دین کے واسطے صرف کرنا اور مداہنت کے معنی دین کو دنیا کے لئے برباد کرنا۔ اللہ ہم کو اس سے پناہ میں رکھے۔

(۳۸) صوفیہ وجودیہ اس بیت کے معنی غلط سمجھے۔ ؎

ہر چہ پیش تو پیش ازیں رہ نیست　　غایت فہم تست اللہ نیست

وہ یہ معنی بتاتے ہیں کہ جو کچھ تیرے آگے ہے اور دانش کی آنکھ میں آتا ہے وہی مقصود حقیقی ہے۔ اور اس سے آگے کوئی راستہ نہیں۔ اور جو کچھ اس کے سوا تیری سمجھ میں ہے کہ مقصود ہے وہ اللہ نہیں۔ اس بیت کے صحیح معنے یہ ہیں کہ جو کچھ تو سمجھا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں وہ تیری سمجھ کی غایت ہے یہ اللہ نہیں ہے۔ بلکہ حق سبحانہ تیری سمجھ اور دانش سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔

(۳۹) خرقہ تین قسم کا ہے۔ ایک خرقہ بیعت جو مرید کرنے کے وقت شیخ اپنے مرید کو عنایت کرتا ہے۔ یہ خرقہ دوسری جگہ سے جائز نہیں۔ دوسرا خرقہ تبرک۔ یہ خرقہ کئی جگہوں سے لینا جائز ہے۔ تیسرے خرقہ اجازت۔ یہ بھی کئی شیوخ سے لینا جائز ہے۔

(۴۰) یہ راستہ مجاہدات کا ہے۔ زہد بہت درکار ہے۔ اور نہایت کوشش کرنی چاہئے۔ حضرت ناصر الدین عبید اللہ احرار قدس سرہ نے تیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ پس ایسے مرتبہ پر پہنچے کہ جہان کے مقتدا بن گئے۔ بغیر جانبازیوں کے ولایت کا حاصل کرنا محال ہے۔ حضرت خواجہ ناصر الدین معرض عن سوائے اللہ محمد باقی باللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ذکر و شغل میں رات جاگتے رہتے۔ اور فرماتے کہ خدایا! رات کو کیا ہو گیا کہ ایسی جلدی گزر گئی۔ آہ! اس نے تو کچھ دیر نہ لگائی اور کچھ توقف نہ کیا۔

(ضمیمہ مقامات مظہری مولفہ شاہ عبد الغنی مجددی۔ در المعارف مولفہ شاہ رؤف احمد)

۱۳۔ حضرت شاہ ابو سعید قدس سرہٗ

آپ کا سلسلہ نسب حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بدیں طور ملتا ہے۔ شاہ ابو سعید بن حضرت صفی القدر بن حضرت عزیز القدر بن حضرت محمد عیسےٰ بن حضرت سیف الدین بن حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔

آپ شہر مصطفےٰ آباد عرف رامپور میں بتاریخ ۲ ذیقعدۃ الحرام ۱۱۹۶؁ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتداء عمر ہی سے آثار صلاح آپ میں پائے جاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ مجھے اوائل عمر میں میاں ضیاء اٰلہی صاحب کی بیعت میں جو میرے اقارب میں سے تھے شہر لکھنؤ جانے کا اتفاق ہوا۔ ہم ایک مکان میں اُترے۔ راستے میں ایک درویش ستر برہنہ بیٹھا ہوتا۔ مگر جب وہ مجھے دیکھتا۔ تو ستر عورت کر لیتا۔ کسی نے اُس سے سبب دریافت کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ ان کو ایسا منصب حاصل ہوگا کہ اپنے اقارب کے مرجع ہوں گے چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

تحصیل علوم و بیعت تقریباً دس سال کی عمر میں آپ نے قرآن شریف حفظ کر لیا۔ بعد ازاں قاری نسیم علیہ الرحمۃ سے علم تجوید حاصل کیا۔ آپ قرآن مجید ایسی ترتیل سے پڑھا کرتے تھے۔ کہ سننے والے محو ہو جایا کرتے۔ حتیٰ کہ جب آپ حرم مکہ معظمہ میں وارد ہوئے۔ تو اہل عرب نے آپ کی قراءت سُن کر تعریف و تحسین کی۔ حفظ قرآن کے بعد علوم عقلیہ و نقلیہ مفتی شرف الدین اور مولانا رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ سے حاصل کئے۔ حدیث کی سند اپنے مرشد سے اور حضرت شاہ سراج احمد بن حضرت محمد مرشد مجددی اور شاہ عبد العزیز سے حاصل کی۔ عین تحصیل علم میں خدا طلبی کا شوق پیدا ہوا پہلے اپنے والد بزرگوار سے ارادت کی۔ جو اپنے آبائے کرام کے طریقہ پر مستقیم اور تارک دنیا اور ہر وقت اوراد و اشغال میں مشغول رہتے تھے۔ پھر اُن کی اجازت سے حضرت شاہ درگاہی کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کا سلسلہ دو واسطہ سے حضرت خواجہ محمد زبیر قدس سرہ سے ملتا ہے۔ حضرت شاہ درگاہی کو استغراق اِس قدر رہتا تھا کہ نماز کے وقت مرید آپ کو آگاہ کر دیا کرتے تھے۔ اور توجہ ایسی تیز تھی کہ اگر ایک وقت میں سو آدمیوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ تو سب بیہوش ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے آپ کے حال پر بڑی عنایت فرمائی اور چند ہی روز میں آپ کو اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ آپ کے بہت سے مرید ہو گئے اور حلقہ میں بیہوشی و وجد اور صیحہ و نعرہ ہوا کرتا۔ چونکہ نسبت مجددیہ میں یہ امور مرتفع ہو جاتے ہیں۔ اور صحابہ کرام کی مثل کمال افسردگی و آسودگی میں عمر گزرتی ہے

چنانچہ آپ نے بچشم خود حضرت شہیدؒ کے اصحاب کے حالات اسی طرح دیکھے تھے۔ اور ایک دفعہ رامپور میں حضرت شاہ غلام علی کی بھی زیارت کی تھی۔ اِس لئے ابھی طلب خدا باقی تھی۔ آپ رامپور سے دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو اپنی خدا طلبی کے بارے میں ایک خط لکھا جس کے جواب میں حضرت قاضی صاحب نے بہایت تعظیم سے آپ کو تحریر فرمایا۔ کہ اِس وقت شاہ غلام علی سے بہتر کوئی نہیں۔ پس آپ بتاریخ ۷ محرم الحرام ۱۲۲۵ھ میں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ابتدا سے انتہا تک تمام سلوک مجددیہ بکمال تفصیل حاصل کیا۔

حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ آپ کے حال پر خاص عنایت فرماتے تھے۔ چنانچہ ماہ صفر ۱۲۳۰ھ میں حضرت نے آپ کو اپنے سینہ سے لگایا اور دیر تک توجہ فرمائی۔ اور اپنی ضمنیت سے مشرف فرمایا۔ اور ۱۱ جمادی الاول ۱۲۳۱ھ میں فرمایا "میرے بعد اِس مکان میں میاں ابو سعید بیٹھیں اور حلقہ و مراقبہ اور درس حدیث و تفسیر میں مشغول ہوں"۔ حضرت کی ایسی عنایات بعض لوگوں پر ناگوار گزرتی تھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں "بعض لوگ کہتے ہیں کہ اِن کے حال پر اِس قدر عنایت کس واسطے ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ میاں ابو سعید اپنے پانچ سو مریدوں کو چھوڑ کر میرے پاس آیا ہے۔ اور اِس سے پہلے وہ خرقہ خلافت دوسرے مشائخ سے لے چکے ہیں۔ پس اپنے مرشد کی عین حیات میں انہوں نے خلافت و اجازت کو چھوڑ کر میری بیعت کا حلقہ اپنے اخلاص کی گردن میں ڈالا۔ اور پیری کو چھوڑ مریدی کی طرف آگئے۔ وہ کس طرح مورد عنایت اور مصدر رحمت نہ ہوں"۔ جمادی الاولےٰ ۱۲۳۳ھ میں حضرت نے آپ کو قیومیت کی بشارت دی۔ اور فرمایا "مجھے الہام ہوا ہے۔ اس لئے تجھ سے ارشاد کیا گیا"۔

الغرض آپ پندرہ سال حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں رہے۔ حضرت نے اپنے مرض موت میں آپ کو بذریعہ خط لکھنؤ سے بلایا اور اُس میں یوں لکھا۔ از غیب القا مے شود کہ ابوسعید را باید طلبید۔ ور روح مبارک حضرت مجدد رضی اللہ عنہ بریں باعث است۔ و دیدہ ام کہ شما را بر ران رحمت خود نشاندہ اند و منصبے کہ آثار آں عنقریب عائد بشما شود مفوض شدہ۔ خانقاہ شما را مبارک باد حضرت شاہ صاحب کے انتقال کے بعد آپ قریباً نو سال تک مسند آرائے ارشاد رہے۔ اور طالبانِ خدا نے بکثرت آپ سے استفادہ کیا۔ اِس عرصے میں آپ نے تلخی و سختی اور فقر و فاقہ جو اس طریقہ کا شیوہ پسندیدہ ہے بہت برداشت کیا۔

کرامات و تصرفات (۱) ایک دفعہ بہلی میں آپ رامپور سے سنبھل کو جا رہے تھے۔ پہلی منزل میں عشا کے وقت دریا پر پہنچے۔ وہاں کوئی ملاح نہ تھا۔ آپ نے بہلی والے سے جو مشرک تھا فرمایا کہ دریا میں ہانک دو۔ اُس نے آپ کی ہیبت سے دریا میں ڈال دی۔ بعنایت الٰہی وہ صحیح و سالم دریا میں سے گزر گئی۔ یہ دیکھ کر وہ مشرک اسلام لے آیا۔

(۲) مرزا طہماسپ نے قلعہ میں آپ کی دعوت کی۔ بہت سے شہزادے جمع تھے۔ وہ بولے کہ ہم نے کسی بزرگ سے کرامت نہیں دیکھی۔ آپ نے نعرہ مارا اور سب گر پڑے۔ اور معتقد بن گئے۔

(۳) حکیم ذریت حسین نے آپ کی شان میں کلمہ نا ملائم نکالا۔ آپ نے غصہ میں فرمایا کہ تو اس کی سزا پائے گا۔ چنانچہ وہ متہم ہو کر خفیہ بھاگ گیا۔

(۴) میاں محمد اصغر کا بیان ہے کہ کبھی کبھی نماز تہجد مجھ سے فوت ہو جاتی تھی۔ میں نے آپ کی خدمت شریف میں عرض کیا۔ فرمایا کہ ہمارے خادم سے کہہ دو کہ تہجد کے وقت ہمیں یاد دلا دیا کرے۔ اُٹھا کر بٹھا دینا ہمارا ذمہ ہے۔ باقی تمہارا اختیار ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ گویا کوئی مجھے بٹھا دیتا ہے۔

(۵) آپ کے ایک مرید پر ایسا استغراق غالب ہوا کہ خلوت میں نماز کے وقت قبلہ کی پہچان نہ رہتی۔ اُس نے مجبور ہو کر آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تحریمہ کے وقت میری طرف متوجہ ہوا کر میں تجھے قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا۔ کہ جب وہ تحریمہ کے وقت آپ کی طرف متوجہ ہوتا۔ تو آپ ظاہر ہو کر قبلہ کی طرف اشارہ کر دیتے۔ اور یہ اتفاق مدتوں تک رہا۔

(۶) وہی مرید صاحب استغراق بیان کرتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ اہل خانقاہ میں جھگڑا پیدا ہوا۔ اور بہت شور و شغب ہوا۔ رات کے وقت میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم خانقاہ میں تشریف لائے ہیں اور خفا ہو کر فرماتے ہیں۔ کہ فلاں فلاں شخص کو خانقاہ سے نکال دو۔ اس خوف سے کہ کہیں میرا نام بھی نہ لے دیں اُس مرید کی آنکھ کھل گئی۔ یہ حیران و پریشان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اُس وقت تہجد کے واسطے وضو فرما رہے تھے۔ اُس کو دیکھ کر فرمایا۔ کہ تم کیوں ایسے گھبراتے ہو۔ تمہارا نام تو نہیں لیا نماز صبح کے بعد آپ نے اُن اشخاص کو جن کا نام جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے لیا تھا خانقاہ سے نکال دیا۔

وفات آپ ۱۲۴۹ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ اور اپنے فرزند دوم عبد الغنی کو ساتھ لے گئے۔ اور فرزند اکبر شاہ احمد سعید کو اپنی جگہ پر چھوڑ گئے۔ رمضان شریف بمبئی میں گزرا۔ ذی الحجہ کی دوسری یا تیسری تاریخ کو آپ مکہ مشرفہ میں پہنچے۔ وہاں کے تمام مشائخ و مفتی

وقاضی بڑی تعظیم سے پیش آئے۔ وہیں ماہ محرم ۱۲۵۰ھ میں مرض اسہال وتپ عارض ہوا۔ قدرے افاقہ ہوا۔ تو مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ ماہ ربیع الاول میں وہاں تھے۔ حلقہ میں اس قدر لوگ جمع ہوتے تھے کہ مکان بھر جایا کرتا تھا۔ غرض حرمین شریفین کی زیارت کے بعد آپ ۲۲ رمضان کو شہر ٹونک میں پہنچے۔ نواب وزیر الدولہ نے آپ کی بڑی تعظیم وتکریم کی۔ عید کے دن سکرات موت کا آغاز ہوا۔ فرمایا کہ آج نواب گھر نہ آئے۔ دنیاداروں کے آنے سے ظلمت وکدورت محسوس ہوتی ہے۔ نماز ظہر کے بعد آپ نے حافظ کو یٰسٓ شریف پڑھنے کا حکم دیا۔ جب حافظ تین بار پڑھ چکا۔ تو فرمایا کہ بس کرو۔ اب فرصت کم ہے۔ آپ نے ظہر وعصر کے درمیان ہفتہ کے روز عید کے دن ۱۲۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ غسل ونماز جنازہ کے بعد آپ کا صاحبزادہ عبدالغنی نعش مبارک کو تابوت میں رکھ کر دہلی لے آیا۔ اور چالیس روز کے بعد تابوت سے نکال کر حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دی۔ نعش مبارک میں ذرا بھی تغیر نہ آیا تھا۔

آپ نے بعضے یاروں کی فرمائش سے سلوک مجددیہ میں ایک رسالہ بزبان فارسی لکھا ہے جس کا نام ہدایۃ الطالبین ہے۔ یہ رسالہ آپ نے اپنے پیر دستگیر حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کیا حضرت نے مطالعہ کے بعد اس رسالہ کے آخر میں چند سطریں بطور تقریظ لکھیں۔ جو انضمام پر بطور تبرک درج رسالہ کر دی گئیں۔ اس تقریظ میں حضرت نے اظہار مسرت کیا ہے اور صاحب رسالہ کے حق میں دعائے خیر کی ہے۔ بعد ازاں تحریر فرمایا ہے کہ "یہ جو کچھ لکھا ہے موافق علوم ومعارف حضرت مجددؒ کے ہے۔ خدا کریم زیادہ سے زیادہ کرے"۔ اس رسالہ کا اردو ترجمہ بھی ۱۹۰۳ء میں مطبع مجتبائی دہلی میں چھپ چکا ہے۔ یہی رسالہ فی الحال طریقہ مظہریہ مجددیہ کا دستور العمل ہے۔ مکہ معظمہ میں بعضے بزرگوں نے اس کو عربی میں کر دیا ہے جو عرب میں مروج ہے۔

(ضمیمہ مقامات مظہری مولفہ شاہ عبدالغنی مجددی۔ در المعارف مولفہ شاہ رؤف احمد)۔

۳۲۔ حضرت مولانا مولوی محمد شریف قدس سرہٗ

حضرت مولانا خاندان علویہ سے قندھار کے رہنے والے تھے۔ اپنی والدہ محترمہ کی جانب سے علوی تھے۔ آپ کا تولد شریف ۱۱۹۸ھ میں ہوا۔ سترہ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار کی اجازت سے علوم ظاہری کی تحصیل کے لئے سفر اختیار کیا دو سال کابل میں اور سات سال پشاور میں رہے۔ پھر دہلی میں وارد ہوئے

اور حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ جس طرح علوم ظاہری میں شاغل رہ کر فاضل ہوئے ہو۔ بحر معارف باطنی میں موج زن ہو جاؤ۔ عرض کیا کہ خوب۔ لیکن چونکہ ابھی علوم ظاہری وغیرہ کا شوق جوش زن تھا۔ دہلی سے روانہ ہو کر رامپور روہیلوں میں پہنچے وہاں مفتی شرف الدین صاحب کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ تعلیم میں کوتاہی نہ ہوگی۔ مگر سکونت کے لئے کوئی مکان تلاش کر لو۔ اس لئے آپ شہر میں اِدھر اُدھر پھرے۔ مگر کوئی مکان آمد و رفت عام سے خالی نہ پایا اس لئے بیرون شہر ایک بے آباد مسجد کے حجرے میں قیام کیا۔ اور دس سال وہیں گزار دئے۔ اور مفتی صاحب سے استفاضہ فرماتے رہے۔ اسی اثناء میں ایک بزرگ معلم دیوان حافظ و مثنوی مولانا روم کا پتہ لگا۔ وہ مجذوب تھے۔ کسی سے سروکار نہ رکھتے تھے۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اظہار شوق کیا۔ انہوں نے کمال عنایت سے فرمایا کہ بسم اللہ آئیے شروع کیجئے۔ چنانچہ دو سال میں دیوان حافظ و مثنوی شریف پڑھی۔ پھر مفتی صاحب سے رخصت ہو کر بریلی میں وارد ہوئے اور وہاں علم تجوید حاصل کیا۔ قصہ کوتاہ بیالیس سال کی عمر میں پھر دہلی میں آئے اُس وقت حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ کا وصال ہو چکا تھا۔ اِس لئے ان کے خلیفہ اعظم شاہ حضرت شاہ ابو سعید سے بیعت ہوئے۔ اور دو سال ان کی خدمت میں رہے۔ اور علم باطنی کی تکمیل کی۔ اجازت و خلافت لے کر وہاں سے رخصت ہوئے۔ رخصت کے وقت آپ کے پیر دستگیر نے آپ کو پیرہن و دستار و کلاہ اور عصا مبارک عنایت فرمایا۔ اور چار باتوں کی وصیت فرمائی۔ اول یہ کہ مذہب حنفیہ کی کتابوں پر عمل کرنا جیسا کہ حضرت امام ربانی نے مکتوبات شریفہ میں فرمایا ہے۔ دوسرے یہ کہ طلبہ باطنی کو توجہ دینا۔ تیسرے یہ کہ بغرض دنیا امیروں سے نہ ملنا۔ چوتھے یہ کہ اغیار کے مجلسوں سے پرہیز رکھنا۔

اس کے بعد چند سال زیارات فقراء اور مزارات اولیاء اللہ کے لئے اجمیر شریف و کلیر شریف اور اکثر سرہند شریف میں گزرے۔ پھر اپنے پیر دستگیر کی قدم بوسی کے لئے دہلی میں وارد ہوئے۔ اسی اثناء میں جناب مولوی حافظ عبد الرحمن بن شیخ سیف الرحمن سرہندی ساکن جالندھر جو حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کی اولاد سے تھے خانقاہ شریف میں آئے۔ اور حضرت شاہ ابو سعید قدس سرہ سے درخواست کی کہ مولانا محمد شریف کو جالندھر جانے کی اجازت دیجئے۔ اس طرح آپ جالندھر میں تشریف لائے۔

اشاعت طریقہ | شہر جالندھر میں بہت سے لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ کچھ مدت کے بعد آپ کا فیض حدود شہر سے خارج بھی پہنچنے لگا۔ چنانچہ آپ بستی غزاں میں رونق افروز ہوئے۔ پھر ہوشیارپور میں مسجد حافظ جانی مرحوم میں جو مسجد دروازہ گوریاں کر کے معروف ہے آپ کا قیام رہا۔

اس طرح آپ امرت سر، لاہور، کشمیر وغیرہ میں بھی بغرض اشاعت طریقہ وافاضہ تشریف لے جایا کرتے۔ یہ آمد و رفت تین سال تک رہی۔ اس کے بعد آپ دوبارہ کشمیر میں رونق افروز ہوئے۔ وہاں سے واپس آکر آپ نے ہوشیارپور میں اقامت اختیار کی۔

آپ کے اجازت نامہ میں سند سات طریقوں قادریہ۔ چشتیہ۔ سہروردیہ۔ مداریہ کبرویہ قلندریہ نقشبندیہ کی تھی۔ مگر آپ توجہ صرف طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی دیا کرتے تھے۔ آپ کے حلقہ توجہ میں بعض اوقات سَو سَو طالب ہوا کرتے تھے۔ حضرت قبلہ حاجی محمود صاحب جالندھری۔ مولوی غلام حسین صاحب ہوشیارپوری۔ مولوی احمدیار امرت سری۔ مولوی شمس الدین صاحب وزیرآبادی مولوی کرم بخش صاحب پھلوری۔ سید میرشاہ صاحب شیخ ابراہیم صاحب۔ شیخ اسماعیل صاحب میاں عبدالرحمٰن صاحب۔ اخوند محمد شاہ صاحب۔ مولانا محمد یٰسین صاحب ہوشیارپوری۔ مولانا عبدالرزاق صاحب کشمیری لودھیانوی۔ صمد شاہ صاحب کشمیری امرت سری آپ ہی کے فیض یافتگان میں سے ہیں۔

کشف جناب مولانا مفتی عبدالحمید صاحب لودھیانوی نے بروایت مرشد خود حضرت غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ راقم الحروف سے بیان کیا۔ کہ ایک شخص حضرت مولانا محمد شریف قدس سرہ کے حلقہ میں آبیٹھا۔ اُس کو قضائے حاجت کے بعد طہارت کرنی یاد نہ رہی۔ صرف وضو کر کے شامل حلقہ ہوگیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ حلقہ میں طہارت کے بغیر نہ بیٹھا کرو۔ اُس شخص نے کچھ خیال نہ کیا۔ حضرت مولانا نے پھر یہی ارشاد فرمایا مگر اسے خیال نہ آیا۔ بعد ازاں حضرت نے اُس سے فرمایا کہ تم نے طہارت نہیں کی۔ اٹھ جاؤ۔ پھر اُسے یاد آیا اور طہارت و وضو کے بعد شامل حلقہ ہوا۔

شہر جموں میں حضرت مولانا کی ایک مریدہ تھی۔ اُس کی نسبت آپ فرمایا کرتے تھے کہ وہ مسمات اہل کشف سے ہے۔ اس کا توجہ لینے کا وقت معین تھا۔

جود و سخا نقد و جنس جو کچھ پیشکش ہوتا۔ اس کے مصارف یہ تھے۔

(۱) بزرگوں کے عرس۔ عرس حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ عرس حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ۔ عرس امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ۔ عرس حضرت شاہ ابوسعید قدس سرہ۔

(۲) خانقاہ شریف دہلی۔

(۳) عام سائل۔

وفات آپ اخیر وقت تک اپنے پیر دستگیر کی وصیت پر عمل کرتے رہے۔ مرض موت میں آپ نے

حسب روایت جناب مولانا مفتی عبدالحمید صاحب لودھیانوی اپنے مریدوں کو جو حاضر خدمت تھے تبرکات تقسیم کردئے۔ کسی کو تسبیح۔ کسی کو مصلا۔ کسی کو عصا۔ کسی کو گدڑی کسی کو چادر۔ کسی کو کلاہ عطا فرمائی۔ حضرت حاجی محمود صاحب اُس وقت حاضر نہ تھے۔ جب وہ حاضر ہوئے۔ تو حضرت مولانا نے فرمایا حاجی! تو کہاں رہا؟ ہم نے تمام تبرکات تقسیم کردئے۔ اب کچھ باقی نہیں رہا۔ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضور! ایک چیز باقی ہے۔ اجازت ہو تو عرض کروں۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری نظر میں تو کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ حاجی صاحب نے دوبارہ عرض کیا۔ حضرت مولانا نے وہی جواب دیا۔ آخرکار آپ کی اجازت سے حاجی صاحب نے عرض کیا کہ بے شک تمام تبرکات تقسیم ہوگئے۔ مگر آپ کی ذات شریف باقی ہے۔ بندہ اُسی کا طالب ہے۔ آپ نے فرمایا۔ حاجی! تو نے بڑی چیز طلب کی ہے۔ اچھا ہم تمہارے ہی ساتھ رہیں گے۔ آپ کی وصیت یہ تھی۔ کہ اگر میں بیاس ندی سے جانب غربی میں انتقال کروں۔ تو مجھے لاہور مقبرہ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے پاس سپرد خاک کردیا جائے۔ اور اگر ندی مذکور کے جانب شرقی میں سفر آخرت پیش آئے تو سرہند شریف میں دفن کردیا جائے۔ القصہ آپ نے ۱۲۰۶ھ میں یا ایک سال بعد ہوشیارپور میں انتقال فرمایا۔ جنازے پر بہت سے مسلمان علماء و فضلاء و فقراء اور نواب امین الملک شیخ امام الدین خان مع اپنے مصاحبوں کے حاضر تھے۔ آپ کا تابوت حسب وصیت ہوشیارپور سے سرہند شریف لایا گیا۔ اور آپ کو حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے مزار مبارک کے شمال مغرب میں حوض مسجد کے جنوبی کنارے سے ملحق سپرد خاک کردیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس وقت مرقد مبارک ایک چھوٹی سی چاردیواری میں ہے۔ حضرت حاجی محمود رحمۃ اللہ علیہ آپ کا عرس مبارک ماہ چیت کی پانچویں تاریخ کو کیا کرتے تھے۔

کلمات قدسیہ

ایک روز سندھے خاں عامل ہوشیارپور اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امراء کی عادت تھی کہ بلا اجازت آپ کی خدمت میں بیٹھا نہ کرتے تھے۔ شیخ موصوف کھڑا رہا۔ آپ نے فرمایا کہ سندھے خاں! چڑیا جیسی تیری صورت اور چیونٹی جیسی تیری رنگت ہے۔ شکر کرو کہ ایسے ایسے شکیل وعقیل تیرے تابع کردئے ہیں۔ شیخ صاحب نے عرض کیا کہ شکر کیا کروں؟ فرمایا کہ نماز باجماعت۔ غرباء نوازی۔ عدل۔ شیخ صاحب نے عرض کیا۔ یا حضرت قبول ہے۔ فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ شیخ صاحب بیٹھ گئے۔ اور عرض مطالب کرکے رخصت ہوئے۔

شیخ غلام محی الدین صاحب جب نظامت کشمیر سے علیحدہ کردئے گئے۔ تو حضرت مولانا کی خدمت میں

حاضر ہوئے۔ عرض کی۔ کہ یا حضرت! دعا کیجئے کہ نظامت کشمیر پھر مل جائے۔ آپ نے فرمایا۔ شیخ صاحب! ایک سپاہی ایک سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ غایت الامر دو سے۔ زیادہ سے مقابلہ مشکل ہے۔ شیخ صاحب نے عرض کیا۔ یا حضرت! اس کلام مبارک کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک فقیر کی دعا سے کیا ہو سکتا ہے جبکہ لاکھوں بددعا کریں۔ یہ سن کر شیخ صاحب نے عرض کیا۔ یا حضرت! بزرگوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وعدہ کرو کہ آئندہ مسلمانوں سے بدمعاملگی نہ کرو گے بلکہ احسان سے پیش آؤ گے شیخ صاحب نے وعدہ کیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا۔ کہ جاؤ۔ ہو جائے گا۔ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ شیخ صاحب اپنے عہدے پر بحال ہو گئے۔

آپ مولوی کرم بخش صاحب پھلوری کو فارسی میں یہ مضمون تحریر فرماتے ہیں:-

برادر دینی دوست یقینی اخلاص نش کرم بخش صاحب حق کی یاد میں مشغول رہیں۔ دعائے فقیرانہ کے بعد مطالعہ کریں کہ تمہارے دو قطعہ خط پہنچے۔ ان میں جو حالات لکھے تھے معلوم ہوئے۔ الحمدللہ کہ آپ کو صحت بدنی اور شفائے اصلی نصیب ہوئی۔ اور آپ نے جو لکھا تھا کہ اب کچھ جسمی طاقت آگئی ہے اور بعضے دوستوں پر جو حلقہ میں بیٹھتے ہیں اثر پڑتا ہے۔ اللہ کا شکر و احسان ہے۔ یا اللہ زیادہ کریں زیادہ کر۔ آپ پر لازم ہے کہ لطائف خمسہ کے ذکر اور وقوف عددی اور تلاوت قرآن اور نماز تہجد کے پابند رہیں۔ زیادہ دعا۔ مہر ۱۲۵۴ھ ہجری

(تمریۃ السالکین مصنفہ مولانا مولوی حاجی کرم بخش صاحب پھلوری المتخلص بہ قمر)

۳۳۔ حضرت حاجی حافظ محمود قدس سرہ

حضرت قبلہ حاجی صاحب ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے۔ ایک روز فرماتے تھے کہ "ہماری عمر تقریباً بیس سال کی تھی۔ جب ہم اور ہمارے چھوٹے بھائی حاجی حامد اپنے والد ماجد اور بہن کے ساتھ اپنے گھر ڈیرہ غازی خاں سے حج مکہ شریف کو گئے تھے۔ راہ میں اتفاق سے ہم اپنے والد صاحب سے الگ ہو گئے۔ وہ جہاز میں تشریف لے گئے۔ ہم دونوں بھائی مسقط کی طرف سے پیادہ پا مسکینی کی حالت میں مکہ شریف کو گئے۔ دن بھر ہم دونوں بھائی چلتے تھے۔ اور شام کو عرب کے کسی گاؤں کی مسجد میں یا اور کسی جگہ ٹھیر جاتے۔ لوگ ہماری خدمت کرتے تھے۔ ایک روز ہم نجدیوں کی مسجد میں ٹھیرے۔ ہمارے درود اور کلمہ پڑھنے سے وہ لوگ ناراض ہو گئے۔ ہم پر حملہ کر کے مارنے کو آئے۔ ہم بھی کمر باندھ کر مستعد ہو گئے۔

وہاں کے ٹھہرلوں نے ہم کو بچایا۔ پھر ہم منزل بمنزل چلتے ہوئے مکہ شریف پہنچے۔ وہاں ہم کو ہمارے والد صاحب بھی مل گئے۔ ہم نے حج ادا کیا۔ اور واپس بمبئی میں آئے۔ تو وہاں ہمارے والد صاحب اور بہن کا انتقال ہوگیا۔ ہم دونوں بھائیوں کو ایک ٹھگ وہاں سے جالندھر میں لے آیا۔ ہم یہاں رہنے لگے۔ یہاں مولوی محمد شریف صاحب ہوشیارپور سے تشریف لاتے تھے۔ ہم ان کی خدمت کرنے لگے۔ انہوں نے ہم کو اللہ کا نام بتایا۔ اللہ کے نام نے ہم کو پکڑلیا۔ جب اُس کا کچھ اثر ظاہر ہوا۔ تو ہمارے مرشد صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ تم پہلے پہلے کس کے مرید ہوئے ہو۔ ہم نے اُن کا نام لیا جن کے ہم مرید پہلے اپنے دیس میں ہوئے تھے۔ فرمایا۔ نہیں تم ہمارے مرید ہو۔ تم کو اللہ کا نام ہم سے پہنچا پھر حضرت مولوی صاحب نے ہم کو اپنا مرید کیا۔ اور ہمارا سلوک اپنی توجہ سے ختم کرایا۔ جب جالندھر میں تشریف لاتے۔ بڑی عنایت اور توجہ دلی فرماتے تھے۔ پھر ہم سے فرمایا۔ کہ تم لوگوں کو اللہ کا نام بتایا کرو۔ اور توجہ باطنی اُن کو دیا کرو"

ایک روز فرمایا کہ ہمارے پیر ہمارے پیشوا مولوی محمد شریف صاحب جالندھر تشریف لائے۔ اور یہاں کے پیرزادوں سے کہا کہ اللہ کا نام ہم سے سیکھ لو۔ تو پیرزادوں نے کہا۔ لوجی! پٹھان ہمارا پیر بنتا ہے۔ ہم آپ پیرزادے ہیں۔ ہمارے پیشوا نے فرمایا۔ کہ میں پیر نہیں بنتا۔ اللہ کا نام سکھاتا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ ہم کو اللہ کا نام آتا ہے۔ تم کیا سکھاؤ گے۔ پھر ہمارے پیر نے فرمایا۔ اچھا نہ سیکھو۔ ایک حاجی مسکین ہمارا طالب ہے۔ وہ یہاں رہے گا اور لوگوں کو اللہ کا نام سکھائے گا۔ ہم یہاں رہنے لگے۔ اور اپنے پیشوا کے ارشاد کی تعمیل میں لوگوں کو اللہ کا نام بتانے لگے۔ ان کو توجہ دینے لگے مقام ولایت صغریٰ میں ہم پر نسبت کی وہ تیزی ہوئی اور اُس کا وہ زور شور ہوا۔ کہ جو کوئی سامنے آتا تھا اور توجہ اُس پر پڑتی تھی۔ لوٹ پوٹ ہو جاتا تھا۔ توجہ کے وقت دس بیس آدمی ایسے زمین پر لوٹتے تھے جیسے نیم بسمل لوٹتا ہے۔ اور بڑا وجد وحال صرف توجہ سے ان پر وارد ہوتا تھا۔ ایک شور اس کا ہوگیا۔ تو مولوی اور پیرزادوں نے لوگوں سے کہا۔ کہ حاجی صاحب کے پاس کوئی جن ہے۔ کہ بدون سماع کے لوگوں کو وجد وحال ہوتا ہے۔

اشاعت طریقہ آپ نہایت حلیم وبردبار اور خلیق تھے۔ طالبان حق کو ایسی تربیت فرماتے تھے جیسے والدہ اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہے۔ آپ کی کشش باطنی تھی کہ طالبانِ خدا گرد ونواح اور دور دراز جگہوں سے استفاضہ کے لئے کھچے چلے آتے تھے۔ مگر شہر جالندھر اس نعمت سے محروم رہا۔ وہاں کے مولوی اور پیرزادے حسد کے مارے آپ کے راستے میں روڑے اٹکاتے تھے۔ اور آپ کو شہر سے

نکالنا چاہتے تھے۔ کیونکہ آپ کی موجودگی میں اُن کو کوئی نہ پوچھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود تباہ ہوگئے

؎ چراغے راکہ ایزد برفروزد ہر آنکو پف زند ریشش بسوزد

چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں کہ اللہ کی قدرت ہے۔ باہر روشنیاں ہوتی ہیں۔ اور مشعلیں جل کر یہاں سے چلی جاتی ہیں۔ اور یہاں جالندھر میں اندھیرا ہے۔ یہ اِن لوگوں کے عقیدہ کا نتیجہ ہے۔ جالندھر میں ہمارے ساتھ پیرزادوں نے بڑی بڑی زیادتیاں اور سختیاں کی ہیں۔ اور ہم کو بڑی تکلیفیں دی ہیں۔ سکھوں کے وقت میں ہمارے ساتھ فساد اتنا بڑھا کہ شمس الدین مولوی نے ہمارا حقہ پانی بند کردیا۔ اور جولاہوں سے اور اپنے لوگوں سے کہا کہ ان کے ساتھ تم حقہ پانی نہ پیو۔ ہم حقہ نہ پیتے تھے۔ اور پانی خدا کا تھا۔ سکھوں کی ایک پلٹن یہاں رہتی تھی۔ اُس کا اجیٹن سید امیر شاہ تھا۔ وہ ہمارا مرید اور طالب تھا۔ اور قادربخش جہانگیلاں والا بھی ہمارا مرید اور طالب تھا جو اُسی پلٹن میں تھا۔ اور بہت سے لوگ بستیوں کے ہمارے طالب تھے۔ اُن کو یہ خبر ہوئی کہ حاجی صاحب کا حقہ پانی مولوی نے بند کردیا ہے۔ یہ سُن کر اُن کو بڑا رنج ہوا۔ ادھر لڑائی کے لئے پلٹن میں ترم ہوگیا۔ پلٹن تیار ہوگئی۔ اُدھر بستیوں میں خبر ہوئی۔ بستیوں کے پٹھان چڑھ آئے۔ بارہ ہزار آدمی خدا کے حکم سے ہماری طرف سے لڑنے کو تیار ہوگئے۔ اور کہا کہ مولوی کو اور جالندھر شہر کو آج ہم قتل و غارت کریں گے۔ مولوی کی طرف دو ہزار آدمی جولاہے وغیرہ تھے۔ جب یہ خبر کرم بخش جالندھر کے صوبہ کو ہوئی۔ وہ بھاگے آئے۔ اور ہماری طرف والوں کو سمجھایا کہ حاجی صاحب ہماری حفاظت میں ہیں۔ کیا مجال کسی کی ہے جو اُن کو نقصان پہنچائے۔ جب وہ بلوہ اور فساد رفع ہوا۔ پھر بھی لوگ نہیں مانتے تھے۔ اور بڑی بڑی تکلیفیں ہم کو دیتے تھے۔ ایک بار ذکر کیا کہ جب ہم توجہ میں بیٹھتے تھے۔ تو مفسدین ہمارے گرد اگرد شور مچاتے تھے۔ کرم بخش صوبہ کو یہ خبر ہوئی۔ اُس نے دس سپاہی ہماری حفاظت کے لئے بھیجے۔ جب وہ توجہ کے وقت ہمارے گرد اگرد غل مچانے لگے۔ تو سپاہیوں نے ان کو خوب مارا۔ اسی طرح بہت سی تکلیفیں ہم کو دیں۔ آخر ہم تنگ آکر جہاں پہلے رہتے تھے وہاں سے اُٹھے اور جہاں اب رہتے ہیں یہاں آکر ایک کوٹھا بنالیا یہ جگہ ویران پڑی تھی۔ کوئی آبادی یہاں نہ تھی۔ اب دیکھو کس قدر آبادی یہاں ہوگئی ہے۔ یہاں دروازے کے سامنے جو کچھ ہے۔ یہ بھی ہم نے بنوائی تھی۔ یہاں آکر بھی لوگ ہم کو تکلیف دیتے تھے۔ ایک دن یک شخص نے کوٹھے میں جوتی ڈال دی سپاہی نے دیکھ لیا۔ اُس کو خوب مارا۔ جن پیرزادوں اور مولویوں نے ہم کو تکلیف دی۔ وہ سب خراب ہوگئے۔ اُن کا کچھ بھی نہ رہا۔

باوجود ایسی تکالیف کے آپ کا فیض بذریعہ خلفاء دور دور پہنچا۔ خواجہ قادربخش جہانگیلی حاجی

مظفر علی خاں صاحب مرادآبادی۔ مولوی محمد جمال صاحب فیروزپوری۔ مولوی رحیم بخش صاحب سیالکوٹی حافظ انور علی صاحب رہتکی۔ فقیر شہاب الدین صاحب لاہوری۔ خواجہ عبدالخالق صاحب جہانخیلی وغیرہ نے آپ ہی سے خلافت پائی اور لوگوں کو فیض پہنچایا۔ بہت سے ولایتی لوگ بھی آپ سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کا ایک خلیفہ شیر محمد نام ملک جہنہا کو گیا۔ اور ایک خلیفہ دوست محمد نام یارقند کو گیا۔

واضح رہے کہ آپ کے خلفاء میں سے ایک مولوی احمد علی صاحب بھی ہیں۔ جن کے خلیفہ حضرت غلام جیلانی قدس سرہ ہیں۔ حضرت غلام جیلانی نے بیعت بے شک حضرت مولوی احمد علی صاحب سے کی۔ مگر سلوک بالتفصیل حضرت قبلہ حاجی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں تمام کیا۔ آپ بستی دانشمنداں میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۴۳ھ میں نوے برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون جناب مفتی عبدالحمید صاحب لودھیانوی کو ارادت و اجازت حضرت غلام جیلانی قدس سرہ سے ہے۔

کشف و تصرف (۱) فرمایا کہ جن دنوں میں لوگ ہم کو اِس غرض سے تکلیف دیتے تھے کہ یہ یہاں سے چلا جائے۔ کیونکہ اِس کی موجودگی میں ہم کو کوئی نہیں پوچھتا۔ ایک دن ہم کو خواب میں حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ ہم اور ہمارا چھوٹا بھائی حاجی حامد مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ منورہ کا بردہ لٹکتا تھا۔ اُس کو ہم نے سر پر لے کر فریاد کی کہ یا رسول اللہ لوگ ہم کو بہت تکلیف دیتے ہیں۔ اور ہم مسکین غریب الوطن ان کے ہاتھوں سے تنگ آ گئے ہیں۔ روضہ منورہ سے آواز آئی۔ یا شیخ لاتحف۔ پھر ہماری آنکھ کھل گئی۔ اور ہم نہایت خوش اور بشاش اٹھے۔ ان ہی دنوں میں ہم کو امام ناصر الدین رح کی زیارت ہوئی جن کا مزار مبارک شہر جالندھر میں ہے۔ یہ باطن میں دوآبہ جالندھر کے حاکم ہیں اور بڑے ولی اللہ ہیں۔ یہ قبر سے باہر بھی ملتے ہیں اور اندر بھی ملتے ہیں۔ ہم کو امام ممدوح ملے اور فرمایا کہ تیری کمان اب چڑھی ہے۔ ہم نے عرض کیا۔ خوب کمان چڑھی ہے لوگ تکلیف دیتے ہیں۔ انہوں نے ہماری تسلی کی۔ پھر بڑا فیض لوگوں میں جاری ہوا۔ اور نور کی روشنیاں ملکوں میں پھیلیں۔ مگر جالندھر میں اندھیرا ہی رہا۔

(۲) فرمایا کہ میانوالی پرگنہ رعیہ ضلع سیالکوٹ سے ایک مولوی غلام حسین بھی ہمارے پاس آیا۔ اُس نے امتحاناً ہم سے علمی سوالات کئے۔ وہ جو جو سوال کرتا تھا۔ اُس کا جواب غیب سے ہمارے سامنے آ جاتا تھا۔ ہم اُس کے بموجب جواب دیتے جاتے تھے۔ یہ علم لدنی تھا جو برکت متابعت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو عطا کیا گیا۔ علم درسی یا مکتبی نہ تھا۔ اُس مولوی کو ہمارے جوابوں سے تسلی ہوگئی

وہ بھی بیعت ہوگیا اور اچھا آدمی ہوگیا۔

(۳) فرمایا کہ ایک ہندو جو کسی اچھے عہدے پر یہاں اہل کار تھا موقوف ہوگیا۔ وہ ہمارے پاس آیا اور کہا۔ کہ مجھ کو کچھ بتاؤ۔ ہم نے کہا کہ رات کو ایک سو بار یہ پڑھ کر سو رہنا۔ "نہیں کوئی مقصود میرا سوائے تیرے۔ مقصود میرا تو ہی ہے۔ رضا تیری مطلوب ہے۔" اس نے رات کو یہی پڑھا۔ صبح ہی حاکم کا پیادہ اُس کو بلانے گیا۔ اور اُسی عہدے پر اُسے بحال کر دیا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ ایک مولوی شمس الدین یہاں جالندھر میں تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ تیرا کام کس طرح بن گیا۔ اُس نے کہا کہ حاجی صاحب نے مجھ کو کچھ بتایا تھا۔ اُس کے پڑھنے سے میرا کام ایک ہی رات میں بن گیا۔ مولوی نے کہا۔ ہم کو بھی سُنا دو کیا بتایا تھا۔ اُس نے بتا دیا۔ مولوی نے سن کر کہا کہ یہ تو کلمہ ہے۔ یہ سُن کر اُس ہندو کے دل میں شک پڑ گیا۔ شک کا پڑنا تھا کہ پھر اُسی وقت وہ ہندو نوکری سے موقوف ہوگیا۔ اور پھر ہمارے پاس بھاگا آیا۔ اور ہم سے سب حال بیان کیا۔ ہم نے کہا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ بعد ازاں وہ ہندو بڑا خراب اور تباہ ہوا۔ بات یہ کہ سارا کام محبت پر ہے۔ جب شک آیا۔ تو محبت کہاں۔

(۴) فرمایا۔ ہم چھاؤنی جالندھر میں رات کو ایک شخص کے ہاں ٹھہرے۔ اُس نے ایک پلنگ ہمارے سونے کے لئے لا کر بچھایا۔ جب ہم اُس پلنگ پر لیٹے۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہم گندگی میں چلے گئے۔ ہم اُسی وقت اُس پر سے اُٹھے اور وہاں سے چلے آئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسب حلال کا مال نہ تھا۔

(۵) ۸ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ کو آپ نے فرمایا۔ کہ یہاں سے بہت فیض جاری ہوا۔ جس کی قسمت ہوتی ہے۔ لے جاتا ہے۔ دو برس ہوئے۔ ہم کو غیب سے یہ الہام ہوا تھا کہ جب تیرے دو سو اور طالب ہو جائیں گے تو تیرا انتقال ہو جائے گا۔ ہم نے خیال نہیں کیا کہ اُس کے بعد کتنے طالب ہو چکے ہیں۔ اور معلوم نہیں۔ کون ایسا طالب ہوگا جو سب سے آخر ہوگا۔

(۶) جناب مفتی عبدالحمید صاحب لودہیانوی بروایت حضرت حاجی انور شاہ سجادہ نشین بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی توجہ نہایت تیز تھی۔ آپ جس پر نظر ڈالتے۔ بیہوش ہو جاتا۔ ایک روز ایک شخص کوئیں میں سے پانی نکال رہا تھا۔ آپ نے اُس سے فرمایا۔ کہ پانی لوٹے میں بھی ڈال دو۔ وہ ڈالنے لگا۔ آپ کی نظر اُس پر پڑی۔ بیہوش ہوگیا۔ اور کوئیں میں گر پڑا۔ اُس کو کوئیں میں سے نکال کر کسی نے حاکم وقت کو اطلاع دی۔ کہ یہ ساحر ہے جس پر نظر ڈالتا ہے۔ وہ بیہوش ہو جاتا ہے۔ آپ کو طلب کیا گیا۔ حاکم نے کہا۔ کہ لوگ آپ کو ساحر بتاتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ میں ساحر نہیں۔ اللہ اللہ کرتا ہوں۔ یہ سُن کر حاکم بولا کہ جاؤ۔ یہ خدا پرست شخص ہے۔

(۷) جناب مفتی صاحب موصوف کے مرشد حضرت غلام جیلانی کا بیان ہے کہ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے۔ کہ جب میں توجہ دیتا ہوں۔ تو حضرت مولانا محمد شریف قدس سرہ میرے ساتھ ہوتے ہیں ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ بازار تشریف لے گئے۔ ایک سبزی فروش کی دکان سے سبزی طلب فرمائی۔ اس نے کہا۔ کیا چاہتے ہو۔ آپ نے جو نظر اٹھا کر دیکھا۔ تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اسی روز سے حضرت حاجی صاحب نے عہد کر لیا کہ میں ایسے معمولی کاموں کے لئے باہر نہ نکلا کروں گا۔

(۸) ایک روز ایک بنگالی آیا۔ وہ ایک ہفتہ حضرت حاجی صاحب کے پاس ٹھیرا۔ بعد ازاں اس نے کہا کہ ہمیں اس قدر فرصت نہیں کہ ہمیشہ یہاں بیٹھے رہیں۔ ہم چلتے ہیں۔ نام تو بڑا سنا تھا۔ مگر مدت مدید درکار ہے۔ جناب حاجی صاحب سے رخصت طلب کی۔ آپ نے فرمایا۔ کیوں۔ اس نے کہا۔ یہاں تو مدت مدید چاہیئے۔ ہم جلتے ہیں ہمیں اتنی فرصت نہیں۔ امید لے کر آئے تھے۔ مگر مایوس جلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کل کا روز اور ٹھیرو۔ دوسرے روز اس پر ایک توجہ ڈالی۔ اور تمام مقامات طے کرا دئیے۔ اور خلافت عطا فرما کر اُسے رخصت کر دیا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ ایک شخص یہاں آتا ہے۔ اور ایک ہفتہ میں کامل مکمل ہو کر چلا جاتا ہے۔ دوسرے مدت سے یہاں پڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم اس راز کو نہیں سمجھتے۔ اس کے لئے دربار نبویؐ سے یہی حکم ہوا۔ کہ اُسے اس کا حصہ جلد دے کر رخصت کر دو۔

(۹) جناب مفتی عبدالحمید صاحب لودھیانوی بروایت حاجی انور شاہ رحمہ اللہ تعالےٰ بیان فرماتے ہیں۔ کہ مولوی کمال الدین صاحب فیروز پوری ہمدرس جناب مولوی ولی محمد صاحب جالندھری تلاش مرشد میں نکلے۔ بہت جگہ پھرے۔ مگر کہیں تسلی نہ ہوئی۔ آخر کار انبالہ میں حضرت سائیں توکل شاہ صاحب قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور عرض حال کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم عالم ہو۔ میں کچھ پڑھا ہوا نہیں تم جالندھر میں حضرت حاجی محمود کی خدمت میں جاؤ۔ مولوی صاحب جالندھر پہنچے۔ اور مولوی ولی محمد صاحب سے حاجی صاحب کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا۔ وہ بیعت تو کرتے ہیں۔ مگر علم ظاہر سے واقف نہیں۔ عالم کو عالم کی بیعت کرنی چاہیئے۔ مولوی کمال الدین صاحب نے حضرت سائیں صاحب کا ارشاد بیان کیا اور کہا کہ میں تو ضرور۔ ہاں حاضر ہوں گا پس حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت حاجی صاحب اُس وقت بوقت دوپہر دولتخانہ میں تھے۔ بذریعہ خادم اطلاع کی۔ جواب ملا کہ ظہر کے وقت ملوں گا۔ چنانچہ ظہر کے وقت آپ تشریف لائے۔ اور وضو فرما کر نماز معمولی طور پر ادا کی۔ یہ دیکھ کر مولوی صاحب کے دل میں آیا کہ یہاں بھی کچھ نہیں۔ جن کی نماز ایسی ہے۔ وہاں کیا ہوگا۔ حضرت نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا۔ کہ میری عمر سو سال سے متجاوز ہے۔ اس عمر میں مسجد میں آ کر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

غنیمت ہے۔ پھر مولوی صاحب سے پوچھا کہ تم نے کیا کیا علم پڑھا ہے۔ اس پر مولوی صاحب نے کئی علموں کے نام لئے۔ بعد ازاں حضرت نے فرمایا کہ تم تو بڑے عالم ہو۔ ہمیں نماز ہی سنا دو۔ مولوی صاحب کی زبان سے فقط سبحانک اللہ ہی نکلا۔ آگے حیران ہیں۔ کچھ دیر تک سکتہ کا عالم رہا۔ پھر حضرت نے فرمایا۔ مولوی! تم تو کہتے تھے۔ میں نے فلاں فلاں علم پڑھا ہے۔ تم تو نماز بھی نہیں سنا سکتے اچھا الحمد شریف ہی سناؤ۔ مولوی صاحب کی زبان سے فقط الحمد نکلا۔ آگے حیران ہیں۔ سب کچھ بھول گئے حضرت نے فرمایا۔ کہ کیا اس علم سے فقیر کی شناخت ہو سکتی ہے۔ دنیا میں فقیر ہیں۔ اللہ والے ہیں۔ اگر اللہ والے نہ ہوں تو قیامت برپا ہو جائے۔ اس فقرہ کو کئی بار دُہرایا۔ آخر جناب حاجی صاحب کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اب میرے وظیفہ کا وقت ہے۔ مولوی صاحب نے آپ کے پاؤں پکڑ لئے اور چیخ ماری۔ حضرت کو رحم آیا۔ اور فرمایا کہ تم نے فقیر کا قدم پکڑ لیا ہے۔ فقیر کسی کو محروم نہیں کیا کرتے۔ کل کو تمہیں داخل سلسلہ کروں گا۔ چنانچہ دوسرے روز بیعت ہوئے۔ چند روز کے بعد رخصت کرتے وقت اپنی ریش مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ مولوی! اس ڈاڑھی کی لاج رکھنا۔ بعد ازاں مولوی صاحب اپنے شہر میں چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد قبض وارد ہوئی۔ اور حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھا۔ آپ نے اُس کو درود ہزارہ کا ورد فرمایا جس سے حالت بحال ہو گئی۔

وفات وفات شریف سے دو تین دن پہلے آپ کی ڈاڑھ جو دکھتی تھی ایک شخص سے نکلوائی۔ ڈاڑھ کو دیکھتے ہی آپ پر فالج گرا اور آپ بیہوش ہو گئے۔ حضرت قبلہ توکل شاہ صاحب انبالوی کو آپ کی بیماری کی اطلاع دی گئی۔ وہ تشریف لائے۔ ۸ ربیع الاوّل ۱۳۰۳ھ کو آپ کا وصال ہو گیا۔ شہر میں کہرام مچ گیا قیامت کا نمونہ تھا۔ کچھ دن چڑھے آپ کا جنازہ اُٹھایا گیا۔ شہر کے اور بستیوں کے خاص و عام بڑی کثرت سے آپ کے جنازہ کے ساتھ تھے بستی شیخ کے راستہ پر جو ایک قبرستان ہے وہاں آپ کو دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کلماتِ قدسیہ

(۱) ایک روز ہم توجہ اور مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ ایک شخص ناواقف نے پاس آکر کہا۔ السلام علیکم جب ہم مراقبہ سے اُٹھے۔ تو ہم نے اس سے کہا۔ کہ سن تو میاں! جب کوئی نماز میں ہو۔ اُس سے سلام علیک کہنا جائز ہے یا نہیں۔ اُس نے کہا۔ نہیں۔ ہم نے کہا۔ توجہ و مراقبہ ہماری طریقت کی نماز ہے۔ اس میں بھی سلام کہنا درست نہیں۔

(۲) آپ کے مرید و خلیفہ حافظ انور علی رہتکی کا بیان ہے۔ کہ ایک روز حضرت نے مجھ کو استغفار

اور آمنت باللہ بتایا۔ اور اُس کو صحیح کرایا۔ اس کے بعد مجھ سے فرمایا۔ آج تو تم ایسے پڑھتے ہو جیسے نادان پڑھتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ حضرت نادان ہی ہوں۔ یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئے۔ فرمایا۔ اہا! نادان ہی سب کچھ پاتا ہے۔ دانا ہوا اور گیا گزرا۔ پھر فرمایا۔ نہ ہونا تیرا منظور۔ ہونا تیرا نامنظور۔

(۳) جب اللہ کے نام کا تذکرہ ہوتا تھا۔ تو حضرت یہ پنجابی بیت اکثر پڑھا کرتے تھے۔ ؎

رب جنہاں وسے دل انہاں نوں غم کیہ دا۔ وے لوکا
وہڑے چنن رکھ لگا مسافر آ بہندا۔ وے لوکا

یعنی اے لوگو! رب جن کی طرف ہے اُن کو کس کا غم ہے۔ اے لوگو۔ ان کے آنگن میں تو چندن کا درخت لگ گیا ہے۔ جس کے نیچے مسافر آکر بیٹھتا ہے۔ اِس بیت میں بظاہر وہڑے سے مراد قلب سالک ہے۔ اور چنن رکھ سے مراد اللہ کا نام ہے۔ جس میں سب سے زیادہ خوشی ہے۔ اور مسافر سے مراد واردات غیبی ہیں۔

(۴) جب تم اولیاء اللہ میں سے کسی کے مزار مبارک پر جاؤ۔ تو قبر کی طرف منہ کرکے، اور قبلہ کو پس پشت کرکے ایسے بیٹھو۔ کہ دو حصہ قبر کے پاؤں کی طرف اور ایک حصہ سر کی طرف رہے۔ پھر ایک بار سورہ الحمد شریف پڑھ کر اُس کا ثواب اُس بزرگ کی روح کو بخشو۔ پھر ایسے متوجہ ہو کر بیٹھ جاؤ جیسے یہاں توجہ میں بیٹھتے ہیں۔ اور ہماری صورت کو پیش نظر رکھو۔ اگر ہماری ساری صورت یاد نہ آوے۔ تو ہماری سفید ڈاڑھی کو ہی پیش نظر رکھو۔ ابتدا میں تھوڑے دن اِس کی ضرورت ہے پھر نہیں۔ کیونکہ مبتدی پر جو شیطان کا غلبہ ہوتا ہے۔ پیشوا کی صورت کو خیال میں رکھنے سے وہ بھاگ جاتا ہے۔ توجہ کے وقت وسوسہ دل میں نہ ڈالو۔ جب تم دل کی طرف اچھی طرح متوجہ ہو جاؤ گے۔ تو اگر وہ بزرگ صاحب مزار توجہ لیتا مر گیا ہے۔ تو تمہارے دل کا نور اُس کی طرف جائے گا۔ اور اگر وہ بزرگ فیض دیتا مر گیا ہے۔ اور صاحب ارشاد ہوا ہے۔ تو اُس کا نور تمہاری طرف آئے گا۔ اس سے ایک سرور اور بیہوشی تم کو ہوگی۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات نہ ہو یعنی نہ تمہارا نور اُس کی طرف جائے۔ نہ مزار سے کوئی نور تمہاری طرف آئے۔ تو سمجھو کہ اس قبر میں کچھ نہیں ہے۔ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہو۔ جب حضرت نے یہ ارشاد فرمایا۔ تو عرض کیا گیا کہ اگر قبض ہو جائے۔ تو کیا علاج کیا جائے۔ فرمایا۔ اوّل تو قبض نہ ہوگا۔ اور اگر ہو۔ تو درود ہزارہ پڑھ لینا۔ کھل جائے گا۔

(۵) ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ کو حضرت نے ایک شخص کو حسب معمول لطیفہ سر کا سبق پڑھایا۔ زیر قدم موسیٰ علیہ السلام کے معنی یہ بتائے۔ کہ اِس راہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تک پہنچے تھے۔

اور سر کا نور سفید ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے مناسبت تھی کہ طبیعت اُن کی تیز تھی۔

(۶) ایک شخص امیر الدین نامی نے عرض کیا۔ کہ حضرت! مجھ کو بھی کچھ بتاؤ۔ فرمایا۔ دل کی جگہ سے خیال سے اللہ اللہ کیا کر۔ کوڑے میں لعل چھپا ہوا ہے۔ اور نور سوتا ہے۔ جب نور جاگتا ہے تو مومن ہوتا ہے۔ پھر حضرت نے فرمایا۔ کہ میراں سید بھیکہ فرماتے ہیں۔ ؎

بھیکھا بھوکھا کوئی نہیں سب کی گٹھڑی لال گرہ کھول نہیں جانتے ایسی بُدھ بھئی کنگال

(۷) ایک روز حضرت نے حافظ انور علی رہتکی سے فرمایا۔ کہ جس طرح تم کو اب ہماری زندگی میں توجہ اور صحبت میں نور اور فیض پہنچتا ہے۔ اِسی طرح ہمارے انتقال کے بعد تم کو نور اور فیض پہنچے گا۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ اب جس طرح ہم تم سے باتیں کر رہے ہیں۔ اس طرح باتیں نہ کر سکیں گے۔ ہمارے انتقال کے بعد جو بات تم کو دریافت کرنی ہو۔ ہمارے صاحبزادے محمد انور شاہ سے دریافت کر لینا۔

(۸) ایک روز آپ کی خدمت میں ایک صاحب آئے۔ اور عرض کیا کہ دل میں خطرہ آنا بند نہیں ہوتا۔ بہت آتا رہتا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ ایک عورت چکی پیستی جاوے اور گاتی جاوے۔ تو آٹا نکلتا رہتا ہے۔ اور ایک مسافر راستہ بھی چلتا جاوے اور راہ میں تماشا بھی دیکھتا جاوے۔ تو منزل ختم ہو جاتی ہے۔ تم اپنا کام کئے جاؤ۔ خطرہ کو آنے دو۔ جب تم سلوک کا اپنا سبق پڑھتے جاؤ گے۔ تو آٹا پستا جائے گا۔ منزل ختم ہو جائے گی۔ خطرہ آپ بند ہو جائے گا۔ اُس کے لئے دل میں جگہ ہی نہ رہے گی۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب ذکر خیر میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک روز کسی شخص نے حضرت سائیں صاحب علیہ الرحمۃ سے عرض کیا۔ کہ حضور! خطرات نفس مجھ کو بہت آتے ہیں۔ ہر چند میں ہٹاتا ہوں مگر جاتے نہیں۔ اس لئے میں ذکر نہیں کرتا۔ کیونکہ خطرات سے دل پاک ہو۔ تو میں ذکر کروں۔ حضور نے فرمایا کہ اسی طرح ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں خطرات نفس کی شکایت کی تھی۔ تو حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمۃ نے اُس پر یہ مثال بیان فرمائی تھی۔ کہ جس طرح گداگروں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ ایک ہاتھ میں بھیک لینے کے واسطے کاسہ وغیرہ رکھتے ہیں سوال کے وقت اُس ہاتھ کو بھیک دینے والے کی طرف بڑھائے رکھتے ہیں۔ مگر دوسرے ہاتھ میں لاٹھی لئے ہوئے پیچھے سے کتّوں کو بھی ہٹاتے رہتے ہیں۔ کیونکہ اگر بھیک ہی لیں اور کتّوں کو نہ ہٹائیں۔ تو اُن کے کاٹ کھانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور جو کتّوں کو ہی ہٹاتے رہیں اور بھیک کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ تو بھیک سے محروم رہنے کا خوف ہے۔ اِس لئے ایک ہی وقت میں دونوں کام کئے جاتے ہیں۔ اِسی طرح خطرات کے دُور کرنے کی یہ ترکیب ہے۔ کہ اِدھر تو ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ اور اُدھر دل میں

خطرات کو بُرا جانتا رہے۔ ذکر الٰہی کرنے سے فوراً خناس کے منہ میں آگ لگتی ہے۔ اور خطرہ سے
باز رہتا ہے اور سب خطرات سے بڑا خطرہ یہ ہے۔ کہ خطرات سے پاک ہوں۔ تو ذکر کروں۔ بلکہ
خطرات کے وقت زیادہ ذکر کرنا چاہیئے۔

(۹) آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جس قدر کسی سے ہو سکے ہم سے توجہ لے۔ توجہ ذکر فکر سب پر
فوقیت رکھتی ہے۔ لوگ بڑے بڑے ذکر اور چلے کرتے ہیں۔ وہ بات اُن سے حاصل نہیں ہوتی۔
جو توجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی موقع پر حضرت زبان مبارک سے میاں سید بھیک رحمہ اللہ
کا یہ دہرہ پڑھتے تھے۔ ھ

آدھی سے آدھی گھڑی اور آدھی سے بھی آدھ　　بھیکھا سنگت سادھ کی کاٹے کوٹ اپرادھ

(۱۰) ۲۲ رجب سنہ ۱۳۰۴ھ کو لودھیانہ کے مریدوں کا ذکر آیا کہ کون کون ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔
کہ لودھیانہ میں ہمارے بہت سے مرید ہوئے۔ نام یاد نہیں رہے۔ پھر فرمایا۔ ہم کو کیا اوگھائی کرنی
ہے جو نام یاد رکھیں۔ نام مریدوں کے وہ لکھے۔ جس کو سیپ کرنی ہو۔ خدا کے واسطے کوئی ہمارے
پاس آیا۔ ہم نے خدا کا نام بتادیا۔ آگے اُس کی محنت رہی۔ سینکڑوں آئے اور سینکڑوں چلے گئے۔
کس کس کا نام یاد رکھیں۔

(مقامات المحمود۔ تذکرۃ المحمود وغیرہ)۔

۳۴۔ خواجہ قادر بخش جہانخیلی قدس سرہٗ

آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ خواجہ قادر بخش بن دیدار بخش بن شیر محمد خان بن غلام محمد خان
بن ہمریز خاں بن موکل خاں بن مصری خان۔

آپ کے مورث اعلیٰ مصری خاں قصبہ کلال گو علاقہ غزنی میں رہا کرتے تھے۔ موکل خان جو
احمد شاہ درانی کے اعلیٰ رکن سلطنت تھے ایک درویش باکمال گلزار محمد خاں قوم محمد زئی ملک
افغانستان سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ اُن کے پیر نے بغرض تعلیم و تلقین اپنے دو
خلیفے شیر خان غازی اور حاجی ڈکی اُن کے ساتھ کر دئے۔ جب موکل خاں پنجاب کو آئے۔ تو وہ ہردو
ساتھ تھے۔ آپ ضلع ہوشیارپور میں جہانخیل کی زمین پر آباد ہوئے۔ ہردو خلیفوں کی پختہ قبریں اِس
وقت ہائی سکول خانقاہ کی جدید جامع مسجد کے عقب میں جانب غرب موجود ہیں۔ شیر محمد خان ریاست

منڈی میں ملازم ہوئے ۔ جب ان کی عمر ساڑھے بتیس سال کی ہوئی۔ تو ۱۳۰۴ھ میں دیدار بخش پیدا ہوئے۔ دیدار بخش اڑھائی سال کے تھے کہ والد ماجد نے انتقال فرمایا۔ اُن کی تکفین و تدفین سے فارغ ہوئے تھے کہ دیدار بخش بعارضہ چیچک بیمار ہو گئے۔ اور چند روز میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جب بچہ کو کفن پہنا کر لے چلے۔ تو والدہ نے کہا کہ مجھے دکھلا دو۔ جب نعش اُس کے ہاتھ میں دی گئی۔ تو وہ دوسری طرف سے نکل کر ایک مسیحا دم درویش باکمال نادر علی شاہ نام کی خدمت میں پہنچی۔ شاہ صاحب حسب معمول آنکھیں بند کئے مراقب بیٹھے تھے۔ اُن کی گود میں لٹا کر چلی آئی۔ شاہ صاحب نے خادم کو بلا کر پوچھا کہ میرے زانو پر نمدار چیز کون رکھ گیا ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ بیوہ شیر محمد خان اپنے اکلوتے بچہ کی نعش رکھ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس کو پانی میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ ایک گڑھے میں جس میں قدرے پانی تھا لٹا دیا گیا۔ اور آپ سربسجدہ بارگاہ رب العزت میں خلوص دل سے گڑگڑا کر دعا کرنے لگے۔ دریائے رحمت الٰہی جوش میں آیا۔ پہلے بچہ کا انگوٹھا ہلا۔ پھر تمام بدن میں جان پڑ گئی۔ شاہ صاحب نے سجدہ سے سر اُٹھایا۔ تو بچہ کو زندہ پایا۔ اور اللہ تعالےٰ کا شکر بجا لائے۔ والدہ کو خبر ہوئی تو خوشی میں دوڑی آئی۔ اور بچہ کو گود میں لے کر شاہ صاحب کے قدموں پر لٹا دیا۔ اور عرض کیا۔ یہ آپ ہی کا ہے۔ آپ ہی کے قدموں میں رہے گا۔ یہ کہہ کر واپس گھر چلی گئی۔ اِس طرح دیدار بخش نے شاہ صاحب کے ہاں پرورش پائی۔ اور علم ظاہری سے فارغ ہو کر ان ہی سے بیعت ہوئے۔ چوبیس سال کی عمر میں شاہ صاحب نے ان کو خرقہ خلافت و دستار فضیلت سے مشرف فرمایا۔ جب شاہ صاحب کی عمر ایک سو پچیس سال کی ہوئی۔ تو آپ نے اِس دار فانی سے انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک کوٹ عبدالخالق کے متصل واقع ہے۔ دیدار بخش نہایت غمگین ہوئے اور چھ ماہ کے بعد وہاں سے کشمیر چلے گئے اور مہاراجہ کشمیر کے ہاں ملازم ہو گئے۔ دوران ملازمت میں بھی آپ سے لوگوں کو بہت فیض پہنچا۔ جب آپ کی عمر ۳۳ برس کی ہوئی۔ تو ایک مجذوب احمد شاہ نام نے آپ سے فرمایا کہ خان صاحب! تم اپنے وطن میں جا کر شادی کرو۔ تمہاری پشت سے ایک قطب پیدا ہونے والا ہے۔ آپ انکار کرتے رہے۔ مگر مجذوب اصرار کرتا رہا۔ یہانتک کہ ایک سال کے بعد راجہ کشمیر سے رخصت لے کر وطن کی طرف روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں موضع دینا نگر میں ایک صاحب خدمت درویش نے فرمایا۔ کہ ضلع ہوشیار پور میں موضع میانی سے پرے بستی جلال خاں ہے۔ وہاں تمہاری شادی ہوگی۔ منکوحہ کا نام زہرہ خاتون ہوگا۔ اور اُس کے بطن سے ایک قطب پیدا ہوگا۔ آپ وہاں سے بستی جلال خاں میں پہنچے۔ یہاں کے باشندوں کی رشتہ داری قدیم سے جہانگیلاں میں تھی۔ یہاں آپ کی

نسبت گامن خان کی دختر نیک اختر زہرہ خاتون سے قرار پائی۔ آپ یہاں سے اپنے وطن جہانخیلاں میں پہنچے، جو بستی مذکورہ سے پندرہ کوس ہے۔ اور وہاں سے تاریخ مقررہ پر بستی جلال خاں میں آکر رسوم نکاح ادا کی گئیں۔ کہتے ہیں کہ آپ کے ہاں حضرت خواجہ قادر بخش بروز دوشنبہ، ۱۷ شوال ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ اتفاقات حسنہ سے ہے کہ الفاظ خواجہ قادر بخش سے ہی تاریخ ولادت مطابق سنہ عیسوی نکل آتی ہے۔

تحصیل علم ظاہر و باطن | حضرت خواجہ قادر بخش نے پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور سات سال کی عمر میں ختم کر لیا۔ ان ہی ایام میں آپ کے والد ماجد نے کشمیر میں وفات پائی۔ ان کا مزار کشمیر ہی میں پنجابی پیر کے نام سے مشہور ہے۔ بارہ سال کی عمر تک آپ کتب اردو فارسی اور دینیات میں مشغول رہے۔ پھر کھیتی کرنے لگے۔ چودہ سال کی عمر میں کھیتی کا کام چھوڑ کر تن تنہا لودھیانہ میں آکر مقیم ہوئے۔ چونکہ عمر چھوٹی تھی۔ یہاں انگریزی فوج میں ترم بجانے پر مامور ہوئے۔ دوران ملازمت میں شاہ کابل اور سلطنت برطانیہ میں جنگ شروع ہوئی۔ اور انگریزی افواج نے کابل پر چڑھائی کی۔ وہ رسالہ بھی جس میں آپ ملازم تھے بھیج دیا گیا۔ لڑائی ختم ہونے پر آپ پانچ سال کابل ہی میں رہے۔ اسی اثناء میں آپ نے شاہ عنایت اللہ سے خاندان قادریہ میں بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔ پھر آپ نے اپنے اصلی وطن کلال گو میں ایک سال قیام فرمایا۔ بعد ازاں پشاور ہوتے ہوئے لاہور پہنچے۔ یہاں نواب شیخ امام الدین سے آپ کا تعارف تھا۔ ان ہی کے ہاں ٹھہرے۔ نواب صاحب نے کہا کہ مجھے آپ کی مرلی سننے کا نہایت شوق ہے۔ میں نے اکثر تعریف سنی ہے۔ نواب صاحب کے اصرار پر آپ کو عمل کرنا پڑا۔ نواب صاحب نے خوش ہو کر اپنے ہاں ترم یا مرلی بجانے پر ملازم رکھ لیا۔ لاہور سے آپ سنگھڑ شریف میں حضرت شاہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے سلسلہ چشتیہ کی نسبت مع خلافت لے کر کشمیر پہنچے وہاں ایک درویش سید احمد صاحب سے خاندان سہروردیہ میں بیعت ہوئے۔ اور اجازت ارشاد پاکر جالندھر تشریف لائے۔ یہاں حاجی حافظ محمود قدس سرہ سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ اس بیعت کا ذکر حافظ انور علی رہتکی نے مقامات المحمود میں یوں لکھا ہے :-

ایک روز حضرت شاہ قادر بخش صاحب جہانخیلاں والوں کے مرید ہونے کا تذکرہ آیا۔ (حضرت حاجی صاحب نے) فرمایا کہ وہ پٹھان تھا۔ جب شاہ شجاع (مئی ۱۸۴۲ء میں) کابل میں مارا گیا۔ تو وہ سکھوں کی آئین کی فوج میں یہاں نوکر تھا۔ اس نے ایک شخص محمد بخش سے یہاں کہا۔ کوئی ایسا مرشد

بتاؤ۔ جس کا میں مرید ہو جاؤں۔ اُس نے قادر بخش سے کہا کہ یہاں حاجی صاحب مولوی صاحب کے مرید ہیں۔ وہ تجھ کو خدا کا نام بتائیں گے۔ یہ سُن کر قادر بخش ہمارے پاس آیا۔ اور بہت رویا۔ ہم نے کہا۔ روتا کیوں ہے۔ کہا میں نوکر ہوں۔ میں کیونکر حاضر ہو سکوں گا۔ ہم نے کہا۔ تو اللہ کا نام سیکھ تو سہی۔ جب فرصت ہو آجائیو۔ پھر اُس کو ہم نے اللہ کا نام بتایا۔ اللہ کا نام اُس کو چمٹ گیا۔ اُس کے قلب میں اس کا اثر ظاہر ہوا۔ تو ہم اُس کو اپنے پیشوا مولوی محمد شریف صاحب کی خدمت میں لے گئے۔ اور عرض کیا۔ آپ اِس کو اپنا مرید کر لیں۔ انہوں نے اِس کا حال پوچھا۔ ہم نے اس کا حال عرض کیا۔ فرمایا اس کے دل پر تمہاری توجہ کا اثر ہوا ہے۔ تم ہی اس کو مرید کرلو۔ اور ہمارے سامنے مرید کرو۔ ہم دیکھیں کس طرح مرید کرتے ہو۔ پھر ہم نے اُن کے روبرو قادر بخش کو مرید کیا۔ قادر بخش ہمارے پاس آتا رہا۔ تھوڑے دنوں میں بڑا بزرگ ہوگیا۔ اور نور ہی نور ہوگیا۔ نوکری چھوٹ گئی۔ قادر بخش بین بجایا کرتا تھا۔ ایک دن ہم نے اُس سے کہا۔ ہم کو بھی تو اپنی بین سناؤ جو تم بجاتے ہو۔ کہا حضرت! وہ بین بجانا سب بھول گیا۔ اب تو اور ہی بین بج رہی ہے۔ پھر قادر بخش کی ماں نے ہم سے شکایت کی۔ کہ تو نے میرے بیٹے پٹھان کو فقیر بنا دیا۔ ہم نے کہا۔ وہ اب بزرگ آدمی ہوگیا ہے اور نور ہوگیا ہے۔ پھر وہ بھی ہماری مرید ہوگئی۔ اور بزرگ عورت ہوئی۔ پھر ہم نے قادر بخش کو بیعت کرنے کی اجازت دی۔ بڑا فیض اُس سے جاری ہوا۔ ہزار ہا آدمیوں نے اُس سے فیض پایا۔"

سیرت[1] خالقیہ میں لکھا ہے کہ حضرت حاجی محمود قدس سرہ سے بیعت ہونے کے بعد آپ جمعدار محکمہ پولیس ہو گئے تھے۔ ایام ملازمت میں آپ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ اور ان سے اجازت ارشاد حاصل کی۔ پھر آپ راہوں تبدیل ہو گئے۔ وہیں آپ ڈپٹی انسپکٹر ہو گئے۔ بعد ازاں انسپکٹر بھی ہو گئے۔ مگر حاجی صاحب نے آپ کو لکھا کہ اب نوکری چھوڑ دو۔ اور خلق خدا کو تلقین و ہدایت کرو لہذا آپ نوکری چھوڑ کر اپنے وطن جہانخیلاں میں آگئے۔

تلقین و مجاہدہ دوران ملازمت میں آپ اشاعت طریقہ نقشبندیہ میں مشغول ہو گئے تھے۔ چنانچہ راہوں میں سب سے پہلے خلیفہ امام بخش آپ سے بیعت ہوئے۔ امام بخش کے بعد ان کا تمام کنبہ اور دیگر بہت سے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ مگر جب آپ نے اپنے پیر دستگیر کے فرمان سے نوکری چھوڑ دی۔ تو حسب الارشاد آپ ہمہ تن تلقین و مجاہدہ میں اوقات گرامی بسر کرنے لگے۔ باقاعدہ

[1] اس کتاب کی بعض روایات تنقید طلب ہیں۔

اشاعت کا کام پہلے آپ نے اپنے گاؤں سے شروع کیا۔ مگر باشندگان جہانخیل آپ کے ہمقوم افغان تھے۔ آپ مسجد ہی میں ذکر و اشغال میں مشغول رہا کرتے تھے۔ وہ آپ کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ یہ ہمارا پیر بننا چاہتا ہے جب وہ بہت تنگ کرنے لگے۔ تو آپ نے کنارہ کش ہو کر اس جگہ قیام فرمایا جو اب کوٹ عبد الخالق کے نام سے موسوم ہے۔ وہاں آپ نے رہنے کے لئے ایک چھپر اور نماز کے لئے ایک چبوترہ بنالیا۔ یہاں سے اِس آفتاب ہدایت کی کرنیں پھیلنے لگیں۔ اُس وقت ہوشیار پور کی چھاؤنی قائم تھی۔ چھاؤنی کے لوگ اور دیہات کے نواح کے بہت سے آدمی آپ کے مرید ہو گئے۔ آپ کا فیض یہاں سے دور دور پہنچا۔ آپ عرسوں پر تشریف لے جایا کرتے اور دورہ پر بھی چلے جایا کرتے۔ اس طرح آپ کے ارشاد کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔

آپ کی عادت مبارک تھی۔ کہ حجرے کے اندر عبادت کرتے۔ نماز صبح سے فارغ ہو کر بارہ بجے تک اوراد و وظائف سلسلہ میں مشغول رہتے۔ اس کے بعد کھانا تناول فرما کر قدرے قیلولہ فرماتے۔ پھر نماز ظہر پڑھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے غرضیکہ آپ کا اکثر وقت عبادت میں گزرتا۔

تذکرہ توکلیہ میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کو دو اڑھائی گھنٹہ کی حبس دم کی مشق تھی۔ صبح کو مکھن بادام نوش جان فرما کر حبس دم کرتے اور دوپہر تک ... سانس لیتے۔ اور اُس میں نفی و اثبات کیا کرتے۔ توجہ آپ کی کمال گرم اور تیز تھی۔ اور استغراق ایسا تھا کہ پاؤں میں بحالت مراقبہ کنکر گھس جاتے۔ اور آپ کو خبر نہ ہوتی۔ بعدہ موچنے سے نکالے جاتے۔ ایک دفعہ مولانا شاہ عبد الغنی محدث مجددی دہلوی سرہند تشریف لائے۔ خواجہ صاحب کو مراقب دیکھ کر فرمایا۔ کہ مراقبہ اسی کا نام ہے جیسا کہ میاں قادر بخش کرتے ہیں۔

حضرت قبلہ مرشدنا سائیں توکل شاہ قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن اِس فقیر نے دیکھا۔ کہ ایک نور برنگ سبز (نور ولایتِ محمدی) حضرت خواجہ صاحب سے آسمان کو چڑھا۔ اور ایک دفعہ میں نے سنا کہ آپ کے ہر بنِ مو سے اللہ اللہ کی آواز آرہی ہے۔

مولوی پیر محمد صاحب بنگے والے کا بیان ہے۔ کہ حضرت خواجہ صاحب موضع تلونڈی میں تشریف لے گئے۔ معلوم ہونے پر میں بھی ضروریات سے فارغ ہو کر تلونڈی پہنچا۔ حضرت صاحب کے پاس ایک درویش بھی تھا۔ میں نے اُس سے حضرت کا پتہ پوچھا۔ اُس نے کہا۔ اِس مکان میں ہیں۔ کواڑ بند تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر کواڑ جو کھولے۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ چراغ روشن ہے۔ اور خواجہ صاحب کے ہاتھ پاؤں اور سر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ میں نے سمجھا کہ حضرت صاحب کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اور

مجھے غش آگیا۔ ہوش آنے پر دیکھتا ہوں کہ حضرت صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے ادب سے سلام کیا
اور ماجرا عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ پیر محمد! تیرا یہ خیال ہے۔ میرے اصرار پر آپ نے فرمایا۔ کہ او نادان!
فقیروں کی کبھی ایسی حالت بھی ہو جایا کرتی ہے۔ ان باتوں پر زیادہ اصرار نہیں چاہئے۔

کثرت اذکار بالخصوص درود شریف کی وجہ سے آپ کے بدن مبارک اور پسینہ سے خوشبو آیا کرتی تھی
چنانچہ خلیفہ بیگے شاہ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ نے مجھ سے فرمایا کہ میری کمر مل دو۔ میں نے
تعمیل ارشاد کی۔ میں کمر ملتا تھا۔ پسینہ مبارک سے گلاب کی سی خوشبو دماغ میں آتی تھی۔ میں نے
جسم مبارک کو جو سونگھا۔ تو اس سے بھی عطر کی سی خوشبو آئی۔ اور اندر سے اسم ذات کی آواز نکلتی ہوئی
محسوس ہوئی جیسا کہ ہنڈیا میں جوش کی آواز ہوتی ہے۔ یہ حضور کے پاس انفاس کی کیفیت تھی
جب میں اس کیفیت میں محو ہونے لگا۔ تو حضرت نے فوراً کرتہ نیچے کر لیا اور مجھے علیحدہ کر دیا۔

مکاشفات

(۱) خلیفہ امیر خاں نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک روز رات کے ایک بجے خواجہ صاحب نے مجھے
آواز دی۔ اور ساتھ ہی سلیمان خان کو پکار کر جلدی آؤ۔ آج میرے حلقہ سلیم پور میں قتل ہو گیا ہے۔
اور قاتل فلاں فلاں شخص ہیں۔ مقتول دریا کے کنارے فلاں جگہ جھاڑیوں میں پڑا ہے۔ تم لاش اٹھا لاؤ
اور ملزمان کو گرفتار کر لاؤ۔ چنانچہ سپاہی اسی وقت گئے۔ مقتول کو اسی جگہ دریا کے کنارے پایا۔ اور
قاتلین بھی وہی تھے جن کا نام بتایا گیا تھا۔ صبح کو خواجہ صاحب موقع پر گئے۔ اور تحقیقات ضابطہ کے
کے بعد ملزموں کے بیانات لئے۔ انہوں نے اعتراف کیا۔ عدالت نے ان کو سزائے موت دی۔

(۲) امیر خان صاحب کا بیان ہے۔ کہ ایک روز راہوں میں ایک ساہوکار کے ہاں چوری ہو گئی۔
آپ اس وقت مراقب تھے۔ یہ خبر پہنچتے ہی آپ فوراً ہوشیار ہو گئے۔ اور غلام محمد جمعدار کو آواز دی
اور اس کے ساتھ چار سپاہی کر دئے اور حکم دیا کہ اسی وقت دریا پور جاؤ۔ وہاں مسمیان سکندر و حرمت
و نتھا تین چور ہیں۔ جنہوں نے یہ چوری کی ہے۔ ان کو گرفتار کر لاؤ۔ اور فلاں مکان میں مغرب کی طرف
بھوسہ کا جو انبار لگا ہوا ہے۔ اس میں مال مسروقہ رکھا ہوا ہے۔ وہ نکال لاؤ۔ چنانچہ سپاہی گئے اور
اُن ملزموں کو مال سمیت لے آئے۔ ملزموں نے آپ کے سامنے اقرار کیا۔ آپ نے ساہوکار کو مال دلوا کر
معاملہ رفع دفع کر دیا۔ اور ان سے توبہ کرائی۔ وہ تائب ہو کر آپ سے بیعت ہوئے۔

(۳) امیر خان ناقل ہیں۔ کہ موضع گرو پڑے سے رپورٹ آئی۔ کہ موضع مذکور میں قتل ہو گیا ہے۔
حضرت خواجہ نے گو بند رام جمعدار کو مع دو سپاہیوں کے تحقیقات کے لئے بھیج دیا۔ چوتھے روز آپ نے
فرمایا۔ امیر خان! چلو۔ تحقیقات درست نہیں کی گئی۔ بیگناہ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ موقع پر پہنچ کر

آپ نے گاؤں کے تمام لوگوں کو جمع کیا۔ بیگناہوں کو رہا کر دیا گیا۔ اور اصلی قاتلوں کو گرفتار کر کے حوالات میں داخل کر دیا گیا۔ آخر ملزمان نے اقرار کیا کہ ہم ہی قاتل ہیں۔

(۴) حضرت خواجہ صاحب راہوں میں ایام ملازمت تھانیداری میں ایک روز گشت کر رہے تھے۔ دو سپاہی آپ کے ساتھ تھے۔ ایک ٹیلہ کی طرف سے آواز آئی کہ شمس عرفاں! فاتحہ سے شاد کر۔ حضرت یہ سُن کر مراقب ہوئے۔ معلوم ہوا کہ کسی ولی کی قبر یہاں ہے۔ مگر ظاہر نہیں۔ آپ نے اُس آواز کے جواب میں فرمایا۔ کہ حضور کو کیسے معلوم ہوا کہ میرا لقب شمس العرفاں ہے۔ آواز آئی کہ میں حضرت مجدد الف ثانی کا خلیفہ ہوں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ہمارے سلسلہ میں ایک شخص شمس العرفاں ہوگا اور تیری قبر پر فاتحہ پڑھے گا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہاں قبر ہے۔ چنانچہ صبح کو آپ نے وہ جگہ کھودی۔ تین گز نیچے ایک پختہ قبر برآمد ہوئی۔ سیرت خالقیہ میں ہے کہ وہ قبر اب تک راہوں میں موجود ہے۔

(۵) مولوی پیر محمد صاحب کا بیان ہے کہ میں ایک روز حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چند اور مہمان بھی حاضر خدمت تھے۔ میں نے دیکھا کہ سب کے سامنے عمدہ عمدہ آم رکھے ہوئے ہیں۔ میرے دل میں آیا کہ دس پانچ ان میں سے نکال لوں۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال گذرا کہ حضرت صاحب کی اجازت کے بغیر لینا درست نہیں۔ بمجرد اس خطرہ کے حضرت نے فرمایا۔ کہ پیر محمد! دس پانچ آم ضرور کھاؤ۔ میں حیران رہ گیا کہ حضرت کو کیسے معلوم ہوا۔

(۶) مولوی پیر محمد صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز مولوی سید عبداللہ فرمانے لگے۔ کہ میرا معمول تھا۔ کہ میں حضرت کی خدمت سے مغرب کے وقت رخصت ہوا کرتا تھا۔ ایک روز میں خلاف معمول نماز تہجد کے بعد رخصت ہوا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جب شہر سے نکلو۔ تو پانی کے راستہ سے نہ جانا۔ راستہ چھوڑ کر نیچے کی طرف سے جانا۔ میں بھول کر اپنے راستہ کی طرف چلا گیا۔ ناگاہ ایک سانپ نے پھونکار ماری۔ میرے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ وہ میرے پیچھے ہولیا۔ میں بھاگا۔ تو وہ بھی میرے پیچھے بھاگا۔ اور لاٹھی سے نہ ڈرا۔ آخر میں نے دہائی دی کہ دوڑنا! سانپ نے کھالیا۔ اِسی اثنا میں ایک شخص بندوق لے کر نمودار ہوا۔ اور کہا کہ بس کھڑا ہو۔ اور اُس پر فائر کیا۔ جس سے سانپ مر گیا۔ وزن کیا گیا تو ایک من پانچ سیر کا نکلا۔

تصرفات وکرامات

(۱) سندھے خاں نمبردار بجواڑہ کا بیان ہے۔ کہ ایک روز حضرت خواجہ حجرے سے باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ پانچ جذامی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے خدا و رسول اور

حضرت مجدد و بابا شریف کا واسطہ دے کر عرض کیا۔ کہ ہمارے واسطے دعا فرمائیے کہ یہ بیماری دور ہو جائے۔ آپ نے پوچھا کہ تم نے حضرت مجدد و بابا صاحب کا واسطہ کیوں دیا۔ وہ بولے کہ حضور! ہم بھی نقشبندی ہیں۔ آپ حجرے میں دو گھنٹے مراقب رہے۔ پھر نکل کر فرمایا کہ تم سب منہ کھولو۔ ہر ایک نے اپنا اپنا منہ کھولا۔ آپ بسم اللہ کہہ کر ہر ایک کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالتے گئے۔ تھوڑی دیر میں سب کے سب اچھے ہو گئے۔ اور دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوئے۔

(۲) خلیفہ بیگے شاہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار ایام ملازمت تھانیداری میں حضور وردی پہنے ہوئے نورپور سے تشریف لا رہے تھے۔ کہ ایک پہاڑ کی غار سے آواز آئی۔ کہ کوئی ہے جو مجھے رستہ بتا دے۔ آپ یہ سن کر ٹھیر گئے اور فرمایا کہ سیدھے چلے آؤ۔ یہ راستہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں کل کا گم شدہ ہوں۔ نظر کم آتا ہے۔ پاؤں کانٹوں سے زخمی ہیں۔ آپ خود اس کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ آنکھوں سے معذور ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں تیری آنکھوں میں دوا ڈال دیتا ہوں بشرطیکہ تو تین گھنٹے یہیں بیٹھا رہے۔ اس نے منظور کیا۔ آپ نے اپنی زبان مبارک اس کی آنکھوں میں پھیر دی۔ اور وہاں سے چل دیئے موضع سانولی تحصیل گڑھ شنکر میں پہنچ کر آپ وضو کر کے نفل پڑھنے لگے۔ ناگاہ دیکھتے ہیں کہ وہی شخص آپ کے نقش پا پر دوڑا آ رہا ہے۔ پاس آ کر اس نے آپ سے پوچھا کہ یہاں کوئی فقیر آیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو کوئی فقیر یہاں نہیں دیکھا۔ تمہارا مطلب کیا ہے۔ اس نے کہا کہ کوئی سنیاسی فقیر یا کیمیاگر تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں دوا ڈال دی۔ میں بالکل تندرست ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہم کیمیاگر نہیں۔ وہ مسجد سے جو نکلا۔ تو خلیفہ بیگے شاہ سے بھی اس نے اپنا ماجرا کہہ سنایا۔ خلیفہ صاحب نے کہا۔ ارے نادان! یہ کیمیاگر نہیں۔ یہی درویش ہیں۔ جنہوں نے تیری آنکھوں میں دوا ڈالی تھی۔ ان کی وردی کی طرف نہ دیکھو۔ یہ قطب زماں ہیں۔ انہوں نے تیری آنکھ میں اپنی زبان پھیری تھی۔ جس کی برکت سے تجھے شفا حاصل ہو گئی۔ وہ ہندو راجپوت تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت خواجہ کے ہاتھ پر اسلام لایا اور داخل سلسلہ ہو گیا۔

(۳) حکیم کریم بخش ساکن موضع بنگہ ضلع جالندھر بیان کرتے ہیں کہ ایک روز تھانہ ماہوں کے قریب حضرت خواجہ نے دیکھا۔ کہ ایک گھوڑا اپنے سوار کو گرا کر سرپٹ چلا آ رہا ہے۔ اور دوسری طرف سے شور و غل برپا ہے۔ کہ دیکھنا! گھوڑا سرکش ہے۔ آدمیوں کو مارتا ہے۔ یہ شور سن کر حضرت گھوڑے کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ اور کلمہ شہادت پڑھ کر انگلی کے اشارے سے فرمایا۔ اے گھوڑے! ٹھیر جا۔ آپ کے اشارے پر گھوڑا فوراً ٹھیر گیا۔ آپ نے اس کو پیار کیا۔ اور فرمایا۔ کہ اس قدر شوخی نہ کیا کر۔ حکیم صاحب

فرماتے ہیں۔ کہ اِس کے بعد اُس گھوڑے نے کبھی سرکشی۔ کی۔

(۴) مولوی جلیل الرحمٰن صاحب توکلی نفائس القصص میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ مع عیسٰے خاں پیشاور میں تھے۔ ایک روز آپ ایک مسجد میں جو گئے۔ تو دیکھا۔ کہ دو نو تعلیم یافتہ مولوی باہم بحث کر رہے ہیں۔ ایک کہتا تھا۔ کہ حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے جسم مبارک میں سے پٹکا نکال دیا تھا۔ دوسرا کہتا تھا کہ یہ بعید از قیاس ہے۔ حضرت خواجہ نے منکر کو ہر چند سمجھایا۔ مگر وہ بدعقیدہ نہ مانا۔ آخر آپ نے اُس سے فرمایا۔ کہ دیکھ! میں حضور انور کا ایک ادنے غلام ہوں۔ لا پٹکا میں نکال دیتا ہوں۔ اُس نے پٹکا دیا۔ اور آپ نے کمر میں سے یوں نکال دیا جیسا کہ مسکہ میں سے دھاگا نکال دیتے ہیں وہ یہ دیکھ کر آپ کا معتقد ہو گیا اور داخل سلسلہ ہوا۔

(۵) مولوی پیر محمد صاحب جو موضع ہنگہ میں مدرسہ پڑھاتے تھے فرماتے ہیں۔ کہ کوٹ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر میرا گاؤں تھا۔ میرا معمول تھا کہ بعد نماز مغرب میں کوٹ میں آجایا کرتا تھا۔ اور بعد نماز فجر وقت معین پر مدرسہ میں حاضر ہو جایا کرتا تھا۔ ایک روز مکان کو آرہا تھا کہ موضع سے تھوڑی دور ندی کے کنارے ایک چیتا میری طرف آتا ہوا نظر پڑا۔ دہشت کے مارے میں حواس باختہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ اُس چیتے کے کان پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں۔ پیر محمد! جلدی نکل جا۔ میں اسے پکڑے ہوئے ہوں۔ چنانچہ میں وہاں سے صحیح سلامت نکل گیا۔ دوسرے روز وقت معین پر جو میں حاضر خدمت ہوا۔ تو میں نے اپنا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تیرا خیال ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں نے بحالت بیداری بچشم خود آپ کو وہاں دیکھا ہے۔ میرے اصرار پر آپ فرمانے لگے۔ کہ اللہ کے بندوں کے نزدیک یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ درند و چرند و پرند ان کے تابع ہوتے ہیں۔ مشکل کے وقت مرید کی مدد کرنا پیر کا کام ہے۔ پھر فرمایا۔ ؎

بوٹے بوٹے ناگ بلے بسیر ڈنگ چلاوے   باجھوں مرشد واصل باللہ اپنے کون بچاوے

(۶) مولوی پیر محمد صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز سید عبداللہ نام حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آموں کا موسم ہو چکا تھا۔ اُس نے عرض کیا۔ حضور! آپ نے آم تو مجھ سے پہلے ہی لوگوں کو کھلا دئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو ختم نہیں کئے اللہ تعالےٰ نے ختم کر دئے۔ سید صاحب نے اصرار کیا۔ کہ حضرت! آپ کے پاس آم بھی نہ ملے۔ آپ نے اُسی وقت ایک درخت کی طرف اشارہ فرمایا کہ آم دے۔ اور سید صاحب سے فرمایا کہ جا چوس لے۔ اُس نے درخت کی طرف دیکھا۔ تو یک دم بیس سیر آم گر پڑے۔ سید صاحب نے سیر ہو کر کھائے۔ اور جان و دل سے آپ کا معتقد بن گیا۔

(۷) میاں ہیرا ساکن فوث گڑھ ضلع لودھیانہ بیان کرتا ہے۔ کہ ایک روز دریا طغیانی پر تھا۔ میں عبور کرنے کے لئے سرنائی پر تیر رہا تھا۔ اتفاقاً سرنائی نیچے سے نکل گئی۔ اور میں ڈوبنے لگا۔ اُسی وقت ایک ہاتھ پانی میں سے نمودار ہوا۔ اور مجھے پکڑ لیا۔ میں نے سرنائی سیدھی کرلی۔ اور اُس پر دریا کو عبور کرگیا۔ جب میں حاضر خدمت ہوا۔ تو میں نے یہ قصہ عرض کیا۔ فرمایا کہ وہ اسی فقیر کا ہاتھ تھا۔ اور آپ نے وقت و موقع بھی بتادیا۔

(۸) خلیفہ الٰہی بخش ساکن رائے کوٹ ضلع لودھیانہ بیان کرتے ہیں۔ کہ دوران ملازمت میں مَیں ایک روز دورہ پر تھا۔ میں نے ایک مستغیث سے دس روپے لے کر اُس کا کام کردیا۔ جب روپے لے کر اپنے کیسہ میں ڈالے۔ تو اُسی دم غیب سے ایک تھپڑ میرے منہ پر لگا۔ اور آواز آئی۔ او کتے! تو رشوت کھاتا ہے۔ میں نے روپے واپس کردئے۔ جب حاضر خدمت ہوا۔ تو میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت خواجہ نے منہ پھیرلیا۔ میں قدموں پر گر پڑا۔ اور رو کر معافی مانگی۔ آپ نے فرمایا۔ تو نے بیعت کے وقت نواہی شرعیہ سے توبہ کی تھی۔ دس روپے کے لالچ سے تو نے وہ توبہ توڑ ڈالی۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! مجھے سزا مل گئی ہے۔ وہ روپے میں نے واپس کردئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ خدا نے مجھے خبر دی۔ میں نے تمہیں روک دیا۔ میں نہایت شرمندہ ہوا۔ اور تجدید بیعت کی۔

(۹) خلیفہ عالم شاہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز مولوی عبداللہ تلمیذ مولوی نور محمد نیاز کی طرف سے مشرقی سمت میں سیر کرتے ہوئے حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ آپ اُس وقت حلقہ میں مراقبہ فرما رہے تھے۔ اور آپ پر اور حاضرین پر حالت سُکر طاری تھی۔ مولوی صاحب نے آکر سلام کہا۔ حضرت نے بوجہ سُکر جواب نہ دیا۔ مولوی صاحب اپنے استاد کی طرح چلا کر یوں بکواس کرنے لگے۔ کہ یہ کیا مراقبہ ہے۔ یہ سب فریب ہے۔ بدعت ہے۔ فقیری نہیں۔ اس پر حضرت کو اور دیگر اہل حلقہ کو ہوش آگیا۔ حضرت نے جوش میں آکر مولوی کو پکڑ کر بٹھالیا۔ اور ایک نگاہ اُس کے دل پر ڈالی۔ وہ یک لخت چلا اُٹھا۔ اور اُس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ خبردار! بارہ سال نہ بولیو۔ مولوی صاحب اُسی وقت مجذوب ہوگئے۔ اور بارہ سال اُن کی زبان بند رہی۔ اسی حالت میں انہوں نے سلوک طے کیا۔ چھاؤنی جالندھر میں قیام کیا۔ اور صاحب اجازت و کرامات ہوئے۔ موضع ٹہر تحصیل جھیڑو کے پاس اُن کی قبر ہے۔ جس سے فیض ملتا ہے۔

(۱۰) خلیفہ بیگے شاہ راہوں والے ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک روز علی خاں ساکن گروپڑ ضلع جالندھر نے حضرت خواجہ کی دعوت کی۔ اور اپنے خیال میں اندازہ لگا کر پندرہ آدمیوں کی خوراک کا انتظام کیا۔ کھانے کی

وقت حضرت کے ساتھ چالیس آدمی آئے۔ اور اتنے ہی گاؤں کے لوگ شریک ہوئے۔ علمی عال حیران
ہوگیا۔ کہ کیا تدبیر کروں۔ حضرت نے اُس کے خطرہ سے آگاہ ہوکر فرمایا۔ علمی! فکر نکر۔ میرا یہ رومال اُس
کھانے پر ڈال دے۔ تمام لوگوں نے سیر ہوکر کھایا۔ بلکہ احباب نے بھی کھایا۔ اور قدرے بچ رہا۔

(۱۱) کھڑگو لوہار ساکن جہانخیل کا بیان ہے۔ کہ ایک روز میں دس بجے دن کے باغ میں آیا جو اب
کوٹ کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت خواجہ حجرے میں تھے۔ باہر کوئی آدمی نہ تھا۔ میں نے باغ میں سے
پانچ سات سیر مرچیں توڑ لیں۔ اور سر پر رکھ کر گھر کو چلا۔ جب باغ کی حد سے نکلا۔ تو میں بالکل اندھا ہوگیا۔
واپس باغ میں آیا۔ تو آنکھیں کھل گئیں۔ دوسری طرف سے حد باغ سے نکلا تو پھر اندھا ہوگیا۔ واپس
ہوکر میں نے مرچیں وہیں رکھ دیں۔ اور گھر کو چلا۔ استنے میں حضرت خواجہ باہر نکل آئے۔ اور فرمانے لگے۔
فقیروں کی چیز بلا اجازت نہیں لے جایا کرتے۔ میں یہ سُن کر شرمندہ ہوا۔ پھر حضرت نے اپنے دست
مبارک سے اور بہت سی مرچیں مجھے عنایت فرمائیں۔ اِس طرح کا واقعہ متعدد دفعہ ظہور میں آیا ہے۔

(۱۲) خلیفہ بیگے شاہ صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز میاں عبدالوحید خان کو ایسا درد قولنج
ہوا۔ کہ زندگی کی امید نہ رہی۔ میں نے حضرت خواجہ سے عرض کیا۔ آپ نے شکستہ دل ہوکر یوں دعا
کی۔ یا اللہ! آج کل مرچوں کی نلائی کے دن ہیں۔ آدمی کا ملنا مشکل ہے۔ اگر اُس کی موت کا وقت آگیا
ہے۔ تو بھی اُس کی عمر میں ایک سال کا اضافہ فرما دے۔ اور پانی پر دم کرکے بھیجا۔ کہ اُسے پلا دو۔ میں نے
جب اُسے وہ پانی پلایا۔ تو فوراً آرام ہوگیا۔ اور ایک سال کے بعد اسی تاریخ وماہ کو اُس کا انتقال
ہوگیا۔ سچ ہے۔ ؎

اولیا راہست قدرت از الٰہ تیر جستہ باز آرندش ز راہ

(۱۳) خلیفہ محمد بخش ساکن ہوشیار پور ناقل ہیں۔ کہ ایک جن نے مجھے بہت ستایا۔ کبھی سوتے
وقت مجھ پر پانی ڈال دیتا۔ کبھی مجھ کو اور میری بیوی کو اُٹھا کر دریائے بیاس کی ریتی میں ڈال دیتا۔ اور
وہیں کھانا پہنچا دیتا۔ کئی روز ہم وہاں رہتے۔ میں نے تنگ آکر حضرت خواجہ سے عرض کر دیا۔ آپ نے
قرآن شریف کی آیت پڑھ کر انگوٹھے پر دم کیا اور زمین پر دبایا۔ اُسی وقت وہ جن بشکل انسان حاضر ہوا
کہنے لگا۔ مجھے بچا لو۔ میں جلتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ تو اس غریب کو کیوں ستاتا ہے۔ اُس نے کہا۔
کہ میری اس سے محبت ہے۔ اور میں اس کے ساتھ ہنسی کیا کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ تیری یہ ہنسی اُس کا
مرنا ہے۔ میں تجھے نہیں چھوڑنے کا۔ اِس پر اُس جن نے بڑے واسطے پیش کئے اور کہا کہ آئندہ میں کبھی
اُس کے پاس نہ آؤں گا۔ آپ نے فرمایا۔ تجھے اِس کے پاس آنے کی ممانعت نہیں۔ مگر اِسے کسی قسم کی

تکلیف نہ دینا۔ بعد ازیں وہ گاہے گاہے میرے پاس آتا رہا۔ اور حضرت خواجہ کی نسبت کہتا تھا کہ یہ بڑے بزرگ ہیں۔ مجھے اِن سے دہشت آتی ہے۔ میں پہلے کبھی کسی عامل سے نہ ڈرا تھا۔ آخر کار وہ جن حضرت خواجہ سے بیعت ہوگیا۔ بعد ازاں اُس کی بیوی اور کئی اور جن آپ سے بیعت ہوئے۔ اِس جن کا نام زمان شاہ تھا۔ ہوشیارپور میں پہاڑی کھیڑے کے پاس جو مسجد ہے وہ اس کے نیچے تہ خانہ میں رہا کرتا تھا۔

(۱۴) میاں ہیرا ساکن غوث گڑھ بیان کرتا ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ ہمارے گاؤں میں تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ تیس چالیس درویش تھے۔ کئی آدمیوں نے آپ کی دعوت کی۔ جب آپ واپس ہونے کے لئے تیار ہوئے۔ تو رات کو میں تنگدستی کی وجہ سے بہت رویا۔ دل میں کہتا تھا۔ کہ آج اگر میرے پاس کچھ ہوتا۔ تو میں بھی حضرت کی دعوت کرتا۔ صبح کو حضرت نے مجھے بلا کر فرمایا۔ کہ تیرے گھر میں کچھ ہے بھی۔ عرض کیا۔ حضور! پانچ سیر آٹا اُدھار لایا تھا۔ جس میں سے آدھا کھا لیا۔ اور اڑھائی سیر باقی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جا۔ اِسی کو پکالے۔ میں نے عرض کیا۔ یا حضرت! تیس چالیس آدمی ہیں۔ اڑھائی سیر سے کیا ہوگا۔ آپ نے دوبارہ فرمایا۔ میں نے وہی جواب دیا۔ آپ نے فرمایا تجھے اس سے کیا مطلب۔ تو اِسی کو پکالے۔ حسب الارشاد میں نے اڑھائی سیر آٹے کی پتلی پتلی روٹیاں پکوائیں۔ اور ماش کی دال تیار کروائی۔ جب حضرت مع خدام غریب خانہ پر تشریف لائے۔ تو آپ نے وضو کیا۔ اور فرمایا کہ تم بھی وضو کرلو۔ آپ نے اپنی چادر مبارک دال روٹیوں پر ڈال دی۔ میں نے اُس میں سے پہلے حضرت کے تمام درویشوں کو کھلایا۔ بعد ازاں اپنے متعلقین اور دیگر پیر بھائیوں کو کھلایا۔ فارغ ہو کر کپڑا جو اُٹھایا۔ تو اُسی قدر روٹیاں موجود تھیں جتنی پکائی تھیں۔ بعد ازاں حضرت نے مجھے چادر اور اپنا کرتہ اتار کر دیا۔ فرمایا۔ اسے اپنے پاس رکھنا۔ جب تک یہ تیرے گھر میں ہوں گے تجھے معاش کی تنگی نہ ہوگی۔ اُس وقت میرے پاس صرف دو بیل گاڑی کے تھے۔ ان تبرکات کی برکت سے دو سال کے اندر تیس چالیس بیل اور پانچ چھ نوکر ہوگئے۔ پھر میں نے زمین بھی خریدی۔ لوگ مجھے لوبے پکارنے لگے۔ اور حکام وقت بھی عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ وہ تبرکات اب تک میرے گھر میں ہیں۔

(۱۵) ایک روز حضرت خواجہ کی مجلس میں یہ تذکرہ ہوا کہ بقول حضرت مجدد الف ثانی ان کے متوسلین بالواسطہ یا بلاواسطہ سب بہشتی ہوں گے۔ اُس وقت ایک بدعقیدہ مولوی بدرالدین بھی وہاں موجود تھا۔ وہ بولا۔ یہ بات غلط ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ درست ہے۔ مولوی نے کہا۔ آپ ایسی بات کیوں کہتے ہیں۔ حضور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو صرف

عشرہ مبشرہ کو جنتی کہا ہے۔ دوسروں کا حال خدا جانے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ اے بے ادب
کی نکتہ چینی نہ کر۔ مگر وہ باز نہ آیا۔ اس پہ حضرت خواجہ کو جوش آگیا۔ فرمانے لگے کہ میں حضرت مجدد کا
ادنے غلام ہوں۔ تاقیامت جو میرے مرید ہوں گے جنتی ہوں گے۔ وہ مولوی اس پر بھی جمعت ہو
آپ نے طیش میں آکر تین مرتبہ فرمایا۔ ارے کوڑھی! یہاں سے چلا جا۔ چنانچہ وہ اپنے مکان پر جو
سے پانچ کوس پر تھا چلا گیا۔ مگر وہاں جاتے ہی بیمار ہوگیا اور تمام جسم جذامی ہوگیا۔ وہ دوسرے
صبح کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تضرع وزاری کے بعد آپ سے معافی مانگی۔ حضور
پانی کی کلی اس کے ماتھے پر ماری اور فرمایا۔ تو کیا۔ تیری نسل میں بھی یہ داغ پیشانی پر رہے گا۔ چن
اب تک اس کی اولاد کی پیشانی پر داغ پایا جاتا ہے۔

(۱۶) ایک دن حضرت خواجہ نے درخت توت کی ٹہنی پکڑ کر اپنے خلیفہ بلاقی شاہ سے فرمایا۔
منادی کر دو۔ کہ جو شخص آج مجھے دیکھے گا جنتی ہوگا۔ یہ الہام خدا تھا۔ بہت سے لوگ حضرت کا
سے مشرف ہوئے۔ ان میں دو ہندو ماگھی و دسوندھی نام بھی تھے۔ ہر دو قوم زرگر سے تھے۔ ماگ
مسلمان ہوگیا۔ دسوندھی ہندو ہی رہا۔ مگر سنا ہے کہ جب دسوندھی کا انتقال ہوا۔ اور اس کی لاش ج
لگے تو لاش بالکل نہ جلی۔

سیرت خالقیہ میں حضرت خواجہ کی اور بہت سی کرامتیں مذکور ہیں۔ یہاں نظر بر اختصار سول
اکتفا کیا گیا۔

وفات مسجد کے صحن کے جنوبی گوشہ سے ملحق آپ کا حجرہ تھا جس میں آپ عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک
روز عشا کے بعد بارش زور سے ہونے لگی۔ آپ مع خلیفہ رنگ علی شاہ و بلاقی شاہ رحمہم اللہ تعالے ا
حجرے میں مراقب تھے۔ اچانک اندھیری رات میں آپ نے نظر اٹھا کر باہر جو دیکھا۔ تو بجلی کی روشنی
چند نورانی صورتیں بشکل انسان دکھائی دیں۔ آپ نے خلیفہ بلاقی شاہ سے فرمایا کہ دیکھنا کون ہیں۔
بلاقی شاہ نکل کر ان صورتوں کی جانب بڑھے کہ ناگاہ حجرے کی چھت گر پڑی۔ اور حضرت خواجہ اور
رنگ علی شاہ شہید ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خلیفہ بلاقی شاہ اضطراب میں ادھر ادھر دوڑے۔ اور لوگوں کو جمع کر کے مٹی وغیرہ دور کر کے
نعش نکلوائیں۔ اس واقعہ جانکاہ سے کہرام مچ گیا۔ اس وقت حضرت خواجہ کی والدہ ماجدہ اور ان
اہل وعیال کی حالت حیطۂ بیان سے باہر ہے۔ حضرت خواجہ کا مزار مبارک موجودہ یتیم خانہ خالقیہ
ہائی سکول کی پشت پر ایک چار دیواری میں ہے۔ جس میں اور قبریں بھی ہیں۔ تاریخ شہادت ۲

مطابق ۱۳۵۸ھ ہے۔ ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

کلماتِ قدسیہ

(۱) فرمایا کرتے کہ خاندان کے سردار سب میرے سردار ہیں۔ کبھی یہ اشعار پڑھا کرتے۔ ؎

تو نقش نقشبنداں را چہ دانی　　تو حال پیکر جاں را چہ دانی
گیاہِ سبز داند قدر باراں　　تو خشکی قدر باراں را چہ دانی
ہنوز از کاف کفرت ہم خبر نیست　　حقائق ہائے ایماں را چہ دانی

(۲) حضرت مرشدنا قطب زماں خواجہ توکل شاہ انبالوی قدس سرہ کا بیان ہے۔ کہ میں اکثر دیکھا کرتا تھا۔ کہ حضرت خواجہ کا چہرہ کبھی زرد کبھی سُرخ کبھی سبز کبھی سفید ہو جایا کرتا تھا۔ ایک روز میں نے عرض کیا۔ کہ حضور! یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ مختلف رنگوں میں نظر آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ توکل شاہ! فقیروں کی ایک حالت نہیں ہوتی۔ نہ وہ ایک حالت پر رہتے ہیں جس طرح انوار الٰہی برستے ہیں۔ اُسی طرح سالک کی روحانی حالت بدلتی رہتی ہے انوار الٰہیہ کے مختلف رنگوں پر ہی سالک کے لطائف کے انوار حالت جسمانی سے نمایاں ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یا حضرت! ہم پر بھی یہ وارد ہو سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ اگر تم اس کیفیت سے عملی طور پر آگاہ ہونا چاہتے ہو۔ تو میاں بلاقی شاہ اور عالم شاہ کو بلا لاؤ۔ میں دونوں کو بُلا لایا۔ آپ نے فرمایا۔ باہر جاکر آنکھیں بند کرکے دیکھو۔ آپ جوں جوں توجہ فرماتے تھے۔ اُسی طرح انوار کا ورود ہوتا تھا۔ ہر لطیفہ اپنی نسبتی رنگ کی کیفیت دکھلاتا رہا۔ ہم نے انوار کا ورود لطائف پر ہوتا ہوا اور لطائف کو رنگ بدلتے ہوئے دیکھا۔ اور بیرنگی اور بےکیفی کی سیر میں انوار مثل موسلا دھار بارش کے برستے تھے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ آنکھیں کھول کر بھی دیکھو۔ ہم نے آنکھیں کھول کر جو دیکھا۔ تو وہی کیفیت ظاہر میں بھی اُسی طرح نظر آئی جس طرح باطن میں اس کی کیفیت تھی۔ انوار بے رنگ و بے کیف بھی ظاہر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ آنکھیں بند کر لو ہم نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ آپ نے توجہ دی۔ پھر ایک ایسا مقام نظر آیا۔ کہ جس کی سیر کا بیان احاطہ تحریر سے خارج ہے۔

(۳) آپ نے مولوی پیر محمد صاحب سے فرمایا۔ بھائی! ایسا ہونا چاہئے۔ کہ اپنے محبوب و مطلوب کے سوا کسی طرف بھی نہ دیکھے۔ تب طالب کمال کو پہنچتا ہے۔ اور انوار رحمانی اس پر وارد ہوتے ہیں۔ محض عبادت پر منحصر نہیں۔

(۴) فرمایا۔ یہ پیر کا حق ہے۔ کہ جو متعلق گناہ یا تکلیف مرید کو ہو۔ اُس سے فوراً مرید کو آگاہ کرے۔

(۵) پیر کی خدمت میں حاضر ہونے سے مقصود یہی ہونا چاہئیے۔ کہ مرشد کے باطنی فیض سے اپنے قلب کا تزکیہ و تصفیہ کرے۔ اگر ماسوا کے خیال سے قلب کو خالی کر کے پیر کی خدمت میں حاضر خدمت ہو کر قلب کی طرف متوجہ ہو جائے۔ تو ضرور کچھ نہ کچھ فیضان حاصل ہوتا ہے۔ بقول شخصے۔ ؎

باسوختگاں بنشیں شاید کہ تو ہم سوزی

حضرت خواجہ شمس العرفاں اور آپ کے خلفاء کے مفصل حالات سیرت خالقیہ میں مذکور ہیں۔ جس کا قلمی نسخہ میری نظر سے گزرا تھا مگر اب چھپ گئی ہے۔

خواجہ عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ قریباً تین سال کے تھے۔ کہ آپ کے والد بزرگوار حضرت خواجہ شمس العرفاں قدس سرہ نے شہادت پائی۔ اُن کے چہلم پر حضرت حاجی محمود قدس سرہ نے آپ کے سر مبارک پر دستار خلافت باندھ کر سجادہ نشین مقرر کیا۔ اور حضرت شمس العرفان کے مریدان کامل میں سے خلفائے نامدار امام بخش راہوبی۔ بلاقی شاہ۔ عالم شاہ۔ بیگے شاہ اور نور احمد کی بھی دستار بندی کی۔ اور فرمایا کہ یہ پانچوں وزیر اور عبدالخالق بادشاہ ہے۔ اس گدی کو سنبھالو۔

جب آپ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے۔ تو درویش آپ کو تحصیل علم کے لئے سائیں نیک محمد کے پاس جہانگیلاں میں لے جاتے۔ اور رخصت کے وقت لے آتے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو مولوی پیر محمد صاحب ساکن بنگہ کے سپرد کر دیا گیا۔ مولوی صاحب بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔ مگر اُن کی والدہ کا سلوک اچھا نہ تھا۔ اِس لئے مولوی صاحب نے آپ کو اپنے پیر بھائی محمد بخش سب انسپکٹر پولیس کے حوالہ کر دیا۔ آپ ان کی زیر نگرانی بنگہ میں تعلیم پاتے رہے۔ پھر حضرت قطب زماں خواجہ توکل شاہ انبالوی قدس سرہ آپ کو انبالہ لے گئے۔ اور وہاں دینیات پڑھواتے رہے۔ بعد ازاں آپ علم حدیث پڑھنے کے لئے سہارنپور میں مولانا احمد علی صاحب محدث کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی آپ کے ہم سبق تھے۔ اِس کے بعد آپ نے دہلی میں مولوی کریم محمد صاحب اور مولوی سعید احمد صاحب سے تکمیل دینیات کی۔

علم باطن کی تحصیل کے لئے آپ متعدد جگہ حاضر ہوئے۔ آخر کار حضرت شیخ احمد صاحب بخاری کے ہاتھ پر خاندان قادریہ میں بیعت ہوئے۔ حضرت شیخ نے آپ کو خلافت سے مشرف فرمایا۔ حضرت شیخ کا مزار مبارک رسولپور ضلع بارہ بنکی میں ہے۔ اِس کے بعد آپ نے خاندان نقشبندیہ میں حضرت حاجی

حافظ محمود صاحب جالندھری سے بیعت کی۔ اور اجازت ارشاد پاکر اپنے وطن میں قیام کیا۔ اور اشاعت طریقہ نقشبندیہ میں سرگرم رہے۔

قوم راجپوت میں بیوگان کا نکاح ثانی جائز نہ سمجھا جاتا تھا۔ جب آپ کی عمر ۳۰ سال کی ہوئی۔ تو آپ نے اس سنت کے احیاء میں نہایت کوشش کی۔ بہت سے تکالیف کا سامنا ہوا۔ مگر آپ کے پائے ثبات میں تزلزل نہ آیا۔ اور آخر کار کامیاب ہوئے۔

آپ یتیم رہ چکے تھے۔ اور بفحوائے شعر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

مرا باشد از درد طفلاں خبر که در خردی از سر برفتم پدر

یتیموں کے حالات سے خوب واقف تھے۔ اس لئے آپ نے کوٹ عبدالخالق میں سنہ ۱۳۲۴ھ میں ایک یتیم خانہ کی بنا رکھی۔ اور یتامٰے و مساکین کی تعلیم کے لئے جون سنہ ۱۹۰۵ء میں مدرسہ تعلیم القرآن جاری کیا۔ اور حافظ محمد یعقوب کو مدرس مقرر کیا۔ پہلے دن پانچ یتیم داخل مدرسہ ہوئے۔ بعد ازاں دو سال تک کوئی اور طالب علم داخل نہ ہوا۔ مخالفین کہنے لگے کہ بچوں کو قرآن پڑھا کر ان کی عمریں ضائع کرنا ہے۔ اس لئے آپ نے سنہ ۱۹۰۷ء میں اسی مدرسہ کو پرائمری کے درجہ تک قائم کر کے دینیات کو لازم قرار دیا۔ اور مدرسہ کا انتظام اور روپیہ پیسہ کا حساب کتاب ایک انجمن کے سپرد کیا۔ سب کمیٹی۔ منتظمہ کمیٹی اور جنرل کمیٹی کے انتخابات عمل میں لائے گئے۔ اور ان کمیٹیوں کو انجمن خالقیہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اور انجمن کو باضابطہ رجسٹری کرا دیا گیا۔ یہ ابتدائی مدرسہ پرائمری سے مڈل اور مڈل سے انٹرینس تک ترقی کر گیا۔ اور آخر پنجاب یونیورسٹی سے اس کا الحاق ہو گیا۔ اس سکول میں اول سے آخر تک رائج الوقت نصاب کے علاوہ تعلیم دینیات لازم قرار دی گئی ہے۔

اخیر عمر میں آپ بواسیر وغیرہ امراض متعددہ میں مبتلا رہا کرتے تھے۔ بتاریخ ۱۷ محرم الحرام بروز جمعہ سنہ ۱۳۵۰ھ مطابق ۵ جون سنہ ۱۹۳۱ء آپ نے شہر انبالہ میں ایک مکان کی چھت پر وضو کر کے فجر کی سنتیں پڑھیں۔ فرضوں کی جماعت ہونے لگی۔ مولوی رحیم الدین میرٹھی پیش امام تھے۔ حضرت صاحب۔ خلیفہ عبدالرزاق۔ سید دین علی شاہ اور مولوی سراج الدین بنگالی مقتدی تھے۔ جب دوسری رکعت کے آخری سجدے میں گئے۔ تو چھت یکایک گر پڑی۔ حضرت صاحب شہید ہو گئے۔ اور باقی زخمی ہو گئے۔ ادائے نماز جنازہ کے بعد نعش مبارک تابوت میں رکھ کر لاری میں کوٹ عبدالخالق میں لائی گئی۔ اور بتاریخ ۱۹ محرم الحرام سنہ ۱۳۵۰ھ بروز یکشنبہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو دفن کر دیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کی کرامات و ملفوظات و اوراد شبا روزی اور آپ کے خلفاء کے حالات کے لئے سیرت خالقیہ کا مطالعہ کرنا چاہئیے۔

۳۵۔ حالات سیدنا و مرشدنا خواجہ توکّل شاہ انبالوی قدس سرہٗ

(مشتمل بر دوازدہ باب)

پہلا باب

ولادت اور نسب شریف

آپ موضع پکھو کے میں جو ضلع گورداسپور میں موضع رتر چھتر اور ڈیرہ بابا نانک کے درمیان واقع ہے قریباً ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ والدین کا سایۂ عاطفت نہایت خُرد سالی میں سر سے اُٹھ گیا۔ آپ کا کوئی اور بہن بھائی نہ تھا۔ آپ کے نانا صاحب میاں اللہ دین شاہ مست نے جو نوشاہی طریق کے ایک صاحب نسبت درویش تھے اس دُرِ یتیم کی پرورش کی۔ ایک موقع پر خود آپ نے فرمایا:-

"میرے نانا صاحب کے صرف دو بچے تھے۔ ایک والدہ صاحبہ دوسرے ماموں صاحب جو دو مرتبے انبالہ میں میرے ملنے کو تشریف لائے۔ ماموں صاحب نے شادی نہیں کی۔ تمام عمر تجرد میں بسر کر دی۔"[1]

آپ کے نام مبارک میں مختلف اقوال ہیں جن کے ایراد کی چنداں ضرورت نہیں۔ جناب مولوی حاجی سید ظہور الدین[2] بن حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ سید سخاوت علی انبہٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت قبلہ سائیں صاحب ایک روز ارشاد فرمانے لگے:-

"مولوی! ہمارا نام توکل شاہ نہ تھا۔ ہم کو خدا کی طرف سے یہ لقب عطا ہوا ہے۔"

حضور علیہ الرحمۃ کے والد ماجد کا اسم گرامی معلوم نہیں۔ نہ ذات کا حال معلوم ہے۔ ہاں اتنا

---

[1] تذکرہ توکلیہ مولفہ مولوی نور احمد صاحب مرحوم۔ صفحہ ۹۲

[2] سید صاحب موصوف گورنمنٹ سکول انبالہ میں مدرس تھے۔ نومبر ۱۸۸۱ء سے فروری ۱۸۹۴ء تک شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بلا فصل حاضر ہوتے رہے اور فیض حاصل کرتے رہے۔ راقم الحروف کی التماس پر آپ نے حضرت شاہ صاحب کے مختصر حالات قلمبند فرمائے ہیں۔ جن کا قلمی نسخہ اس وقت زیر نظر ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ آپ سید نہ تھے۔ چنانچہ جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ جو خطوط آپ کے نام آئے۔ ان میں آپ کا اسم مبارک سید توکل شاہ لکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو منع کر دو۔ آیندہ مجھے سید نہ لکھیں۔ میں سید نہیں ہوں۔ ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی — کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

دوسرا باب

پیر طریقت کی تلاش اور بیعت

آپ کی پرورش تصوف کے گہوارے میں ہوئی تھی جیساکہ اوپر بیان ہوا۔ اس لئے بچپن ہی سے آپ کو بزرگوں کی صحبت کا شوق دامنگیر تھا۔ اسی خیال سے سن بلوغ سے پہلے ہی آپ نے وطن کو خیرباد کہا۔ اور پھرتے پھراتے ہریانہ کے علاقہ اور کہاں کہاں ہوتے ہوئے اجمیر شریف پہنچے۔ وہاں ایک بزرگ چشتی نظامی رہتے تھے۔ آپ اکثر ان کی صحبت میں حاضر ہوتے۔ وہ ایسے صاحب استغراق تھے کہ صبح سے اپنے حجرے کا دروازہ بند کر کے ظہر کے وقت تک مراقبے میں رہتے۔ اور سماع میں شریک نہ ہوتے تھے۔ حضرت میاں صاحب قبلہ اُس وقت سماع سنا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت خواجہ غریب نواز کے روضہ شریف میں قوالی ہو رہی تھی۔ حضرت صاحب نے لوگوں کی التجا پر اُس بزرگ سے بھی عرض کیا کہ تشریف لے چلئے۔ انہوں نے فرمایا۔ بیٹا! میرے جوش عشق کو کوئی برداشت نہ کر سکے گا۔ حضرت صاحب نے اصرار کیا اور ان کا دامن پکڑ کر مجلس میں لے گئے۔ اُن پر جو حالت وجد طاری ہوئی۔ تو اِلّا اللّٰہ کا ایسا نعرہ مارا کہ اہل مجلس و قوال بیہوش ہو گئے۔ جب حجرے میں واپس آئے۔ تو فرمایا۔ بیٹا! کیا میں نہ کہتا تھا کہ وہ میرے جوش کو برداشت نہ کر سکیں گے۔ ایک روز اسی بزرگ نے حضرت میاں صاحب قبلہ کو بطریق چشتیہ نفی اثبات کی تلقین کی۔ اُسی وقت کلمہ شریف قلب پر جاری ہو گیا اور عجیب کیفیت وارد ہوئی۔ کچھ عرصے کے بعد اُس بزرگ کو حضرت خواجہ غریب نواز کی بارگاہ سے حکم ہوا کہ تم بصرہ کے قطب ہو گئے۔ وہاں چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ وہاں چلے گئے۔

حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ ایام قیام اجمیر شریف میں ایک مرتبہ میں نے دیکھا۔ کہ حضرت خواجہ غریب نواز کے مزار پُر انوار پر اولیاء اللہ کی مجلس منعقد ہے۔ تمام اولیائے کرام حسب مراتب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور میرے واسطے کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔ میں ایا نوں (بچوں) کی طرح کود کر عین صدر مجلس میں حضرت خواجہ کے پاس جا بیٹھا۔ بعض اولیاء کو یہ گستاخی

ناگوار گزری۔ مگر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ مست ہے اور بچہ ہے۔ ؎

ہر بیخودی کہ مست خدا مے کند رواست

قصہ کوتاہ آپ کو حضرت خواجہ کی بارگاہ سے اشارہ ہوا کہ تم خاندان نقشبندیہ میں صاحب ارشاد وہدایت ہوگے۔ تمہارا پیر پنجاب میں ہے۔ اِس لئے آپ تلاش مرشد میں اجمیر شریف سے پنجاب کو آئے۔ راستے میں چند روز انبالہ میں قیام رہا۔ وہاں سے لودھیانہ اور لودھیانہ سے جالندھر پہنچے۔ بنا بر روایت جناب مولوی محبوب عالم صاحب[1] مرحوم ایک روز ایک جگہ ایک مست آپ کو ملا۔ اُس نے کہا کہ تم جھانخیلاں جاؤ۔ جب آپ جھانخیلاں کے قریب پہنچے۔ تو ایک مجذوب عورت نے کہا۔ آگئے ہو؟ جاؤ۔ آفتاب ہدایت کے غروب کا وقت قریب ہے۔ جلدی اپنا حصہ لے لو۔ غرض آپ شمس العرفاں خواجہ قادر بخش قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بوقت تلقین انہوں نے فرمایا۔ کیاری کیاری یا اکٹھواری اور بقول جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب[2] فاروقی فرمایا نیاری نیاری (جدا جدا) یا اکٹھواری۔ آپ نے عرض کیا کہ اکٹھواری۔ یہ سُن کر حضرت شمس العرفاں نے آپ کو اپنے سینہ مبارک سے لگا کر نسبت نقشبندیہ کا القا کیا۔ اور انوار لطائف سبعہ اور فیوض ولایات ثلاثہ وغیرہ سے مالا مال کر دیا۔ فیض کا غلبہ اِس قدر ہوا کہ آپ کے ناک مبارک سے خون بہنے لگا اور آپ بیہوش ہو گئے۔ یہ دیکھ کر کسی نے عرض کیا کہ یہ تو مست ہو گئے۔ ان سے سلسلہ کس طرح جاری ہوگا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ان سے بڑا سلسلہ جاری ہوگا۔ اور میری روح ان کے مریدوں کی پرورش کرے گی۔ اِس کے بعد آپ دو ماہ یا کچھ کم وبیش اپنے پیر کی خدمت میں حاضر رہے۔ پھر انبالہ رہنے کی اجازت ہوگئی۔ اِس لئے آپ انبالہ چلے آئے۔ مگر جب طبیعت چاہتی۔ تو جھانخیلاں شریف چلے جاتے۔ آخر کچھ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت شمس العرفاں نے آپ کو خلافت سے مشرف فرمایا۔ جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب کا بیان ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"مولوی! خلافت آسمان سے خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ چنانچہ جب اس فقیر کو حضرت

---

[1] آپ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ گیارہ برس حضرت کی خدمت میں رہے ہیں۔ آپ نے حضرت کے حالات میں کتاب ذکر خیر لکھی ہے۔

[2] آپ بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں پچیس سال حضرت کی خدمت میں رہے ہیں۔ آپ نے حضرت کے حالات قلمبند کئے ہیں جن کا قلمی نسخہ اِس وقت میرے زیر نظر ہے۔ صاحب تذکرہ نوشکیہ نے آپ ہی کے معلومات سے استفادہ کیا ہے۔

ـرنا قدس سرہ کی طرف سے اجازت ملی۔ تو میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک دستار لٹک رہی
ـ، اور اِس فقیر کے سر پر خود بخود لپٹ رہی ہے۔"
ـب مولوی محبوب عالم صاحب اِس قصہ دستار کو بروایت حضور علیہ الرحمۃ یوں بیان فرماتے
ـیک روز ہم نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ وہ صبح
ـبر لگی کہ حضرت خواجہ صاحب" کا وصال واقعی ہو گیا ہے۔ ہم وہاں گئے۔ تو چہلم پر تمام خلفاء کو
ـبندی ہوئی۔ مگر مجھ کو کم سن سمجھ کر کسی نے دستار نہ دی۔ میں اسی فکر میں باہر جنگل میں چلا گیا اور
ـیں مشغول ہوا۔ کچھ سکرت طاری ہوئی۔ دیکھا کہ ایک بڑی لمبی دستار کا پلہ عرش سے میرے
ـ۔ اور آواز آئی کہ اِس کو باندھ لو۔ آپ کے واسطے اللہ تعالےٰ کی طرف سے آئی ہے۔ میں نے
ـپنے سر پر باندھنا شروع کر دیا۔ دستار اتنی لمبی تھی کہ میں باندھتے گیا۔ مگر وہ ختم ہونے میں نہ آتی
ـر کار میں نے تھک کر باندھنا چھوڑ دیا۔ مگر وہ ختم نہ ہوئی۔ انتہےٰ۔
ـید صاحب موصوف ناقل ہیں کہ حضور علیہ الرحمۃ بہت عرصہ تک سماع میں شامل ہوتے رہے۔
ـن مجددیہ میں داخل ہونے کے بعد پرہیز تھا۔ ایک مرتبہ ایک سائل دوتارا بجا کر گاتا ہوا آیا۔ آپ نے
ـ۔ فرمایا کہ بغیر دوتارے کے تو گا نہیں سکتا؟ وہ نہ سمجھا۔ آخر یہ کہہ کر او باؤلے! اس کو آدھ آنہ
ـحکم دیا اور گانے بجانے سے روک دیا۔ نعت شریف جس وقت بھی کوئی سنا دے آپ سن لیتے تھے

تیسرا باب

مجاہدہ اور مزارات سے استفاضہ

ـب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اجازت لے کر انبالہ میں تشریف لائے۔ تو آپ نے پہلے پہل
ـہ کے باغ میں قیام کیا۔ آپ پر حالت جذب طاری تھی۔ کسی کو نزدیک نہ آنے دیتے تھے۔ طوائف
ـنذر یا شیرینی لے کر جاتیں۔ تو رد کر کے اُن کو نماز و نکاح کی تاکید فرماتے اور نکال دیتے۔ آپ انبالہ
ـہ پر جایا کرتے۔ چنانچہ بوڑیہ اور ساڈھورہ میں بہت دفعہ تشریف لے گئے۔ ایک دن فرمانے
ـوڑیہ میں ابدال اکثر آتے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے جناب قاری سید اکرام حسین نقوی سے
ـکہ میں بوڑیہ کے جنگل یا ساڈھورہ شریف کے صحرا میں مراقب تھا۔ اثنائے مراقبہ میں ایک

ـصاحب موصوف بھی حضرت کے خلفاء میں سے ہیں جیسا کہ جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب نے لکھا ہے۔
ـحضرت کے حالات میں کتاب کمالات توکلی لکھی ہے۔

سانپ میرے سر پر آکر بیٹھ گیا۔ جب میں مراقبہ سے فارغ ہوا۔ تو سر پر کچھ بوجھ سا محسوس ہوا۔ عمامہ جو اُتارا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُس پر سانپ بیٹھا ہے۔ جب بغور دیکھا۔ تو اُسے فیضان میں بیہوش پایا۔ آخر کار میں نے عمامہ کو جھٹک دیا۔ وہ نیچے گر پڑا۔ مگر اُس سے ہلا نہیں جاتا تھا۔

جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الرحمۃ مقام پنجلاسہ تحصیل نرائن گڑھ میں بھی رہے۔ فرمایا کرتے کہ حضرت قطب دیار عرب حاجی امداد اللہ صاحب ہمارے دوست تھے۔ اور وہ اور ہم دیر تک پنجلاسہ میں رہے ہیں۔ آپ کا معمول تھا کہ دن کو تو ویرانوں اور جنگلوں میں یاد الٰہی میں رہتے۔ اور رات کو حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے پاس تشریف رکھتے۔

جناب قاری سید اکرام حسین صاحب بروایت سید رستم علی شاہ انبالوی بیان کرتے ہیں کہ علاوہ دیگر مجاہدات کے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو سلطان الاذکار کی مشق ایسی تھی کہ عالم شباب میں کڑے جاڑے میں انبالہ کے بنوّوالے تالاب میں حبس دم کے ساتھ غوطہ لگا کر نفی اثبات کیا کرتے۔ اور دو دو گھنٹے کے بعد سر نکالتے۔ اور اکثر فرمایا کرتے کہ اس شغل میں جو اسرار کھلتے ہیں وہ اور کسی شغل میں نہیں کھلتے۔

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب یوں بیان فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الرحمۃ سلطان الاذکار کا ورد حبس دم کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ میں نے گھڑی رکھ کر دیکھا ہے۔ کبھی پندرہ منٹ اور کبھی بیس منٹ تک سانس نہ لیتے تھے۔ اس سے پہلے جب اس کا پورا عمل تھا دریا میں غوطہ لگا کر حبس دم کیا کرتے تھے۔ خواص کہتے تھے کہ کبھی دو گھنٹے اور کبھی ڈیڑھ گھنٹے تک دوسرا سانس نہ لیتے تھے۔ اللہ اکبر۔

آپ پر سکرت کا غلبہ رہتا تھا۔ اس سلئے وضو اور نماز میں بڑی دقت پیش آیا کرتی تھی۔ چنانچہ جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب لکھتے ہیں کہ اول جب میں ۱۸۷۲ء میں آپ سے بیعت ہوا۔ تو آپ کا وضو ایک گھڑے سے ہوتا تھا۔ اور کبھی غلبہ حال میں ایک ہی پاؤں پر ایک مشک پانی کی صرف ہوتی۔ پھر بھی وضو تمام نہ ہوتا اور تالاب پر جا کر وضو فرماتے۔ جب خلیفہ امیر اللہ شاہ حج کو جانے لگے۔ تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ میزاب رحمت تلے میرے واسطے دعا کرنا کہ میرا وضو ہو جایا کرے۔ فرمایا کہ ہم ایسے مقام میں ہیں کہ اگر اُس کا خیال چھوڑیں تو وضو ہو۔ اور نہ چھوڑیں تو وضو محال۔ غرض خلیفہ صاحب موصوف نے خانہ کعبہ میں میزاب رحمت تلے دعا کی۔ اُس کا اثر یہ ہوا کہ آپ ایک گھڑے سے چھ لوٹے پر پھر چار پر اور آخیر میں دو پر آگئے تھے۔ جناب قاری سید اکرام حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ وصال سے سالہا سال پیشتر ایک مقام حضرت صاحب پر ایسا آیا تھا کہ جس میں بوجہ کثرت استغراق آپ ہر نماز کو

مشکل سے وقت پر ادا کرتے تھے۔ اور عشا کی نماز میں تو خصوصیت سے دقت پیش آتی تھی۔ آپ کبھی محمد علی شاہ مرحوم کو اور کبھی کریم بخش حاجی کو فرماتے کہ رکعات کا شمار کرنا۔ مگر شمار کنندہ بھی مارے فیضان کے بیہوش ہو جاتا۔ آپ کبھی ایک رکعت پر اور کبھی دوسری پر سلام پھیر دیتے اور شمار کنندہ سے فرما دیتے۔ جا میاں۔ میں خود ہی پڑھ لوں گا۔ مگر اس حالت میں بھی نماز آپ سے کبھی قضا نہیں ہوئی۔

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب کا بیان ہے کہ حضرت صاحب مسجد کے شمالی طرف بعد مغرب مراقبہ کیا کرتے تھے۔ اگر کبھی پہلے سے کوئی مانع ہوتا تھا۔ تو دوسری جگہ بھی بیٹھ جاتے تھے لیکن مراقبہ میں مشغول ہونے کے بعد خواہ آندھی چلے یا سخت سے سخت بارش ہو ہرگز وہاں سے نہ اُٹھتے تھے۔ موسم گرما میں اگر کوئی چھتری لگالے بدیں طور کہ حضور کو خبر نہ ہو۔ تو لگالے۔ ورنہ کچھ پروا نہ کرتے تھے۔ موسم سرما میں نیم آستین پر کمبل ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر میں کمبل اوپر سے اتر جاتا تھا۔ حضور ۱۲ بجے یا ۲ بجے شب تک اُسی طرح مراقبہ میں مشغول رہتے۔ کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ کمبل کاندھے پر ڈال دے۔

جب آپ پر حالت وحدت وجود وارد ہوئی۔ تو اُس وقت کا حال آپ بنا بر روایت جناب مولوی محبوب عالم صاحب یوں بیان فرماتے ہیں۔ جب ہم پر وحدت وجود کھلی اور وحدت کا ایک بے کنار دریا نظر آیا۔ چاروں طرف ایک ہی ایک نظر آتا تھا اور وہ حالت ہوگئی تھی کہ جس میں شیخ منصور علیہ الرحمتہ نے اناالحق کہا تھا۔ جوش کی حالت تھی اور مجھے اپنا وجود نظر نہیں آتا تھا۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا وجود اُس بے کنار دریا کا ایک قطرہ ہے اور وہ قطرہ پھر اُس میں مل گیا۔ محض وحدت ہی وحدت ہوگئی ہے۔ جب یہ حال وارد ہوتا تھا میں اپنے بدن میں سوئیاں چبھوتا۔ جب سوئی کے چبھنے سے بدن کو تکلیف محسوس ہوتی۔ تو کہتا کہ اگر تو خدا ہے۔ تو سوئی کے چبھنے سے تکلیف کیوں ہوتی ہے۔ خدا تعالے تو تمام تکلیفوں سے پاک ہے۔ پھر جب کبھی سوئی کے چبھنے کی بھی تکلیف نہ ہوتی۔ تو میں یہ حیلہ کرتا کہ آگ کا دھکتا ہوا انگارا بدن پر رکھ دیتا۔ جب بدن سے لگتا اور اُس کی تکلیف محسوس کرتا۔ تو پھر کہتا کہ اگر تو خدا تھا۔ تو اِس آگ نے تجھے کیوں جلایا۔ پس معلوم ہوا کہ تو خدا نہیں۔ اللہ تعالے وحدہ لاشریک کی ذات ان تمام جھگڑوں سے بری ہے۔ غرض اُس زمانے میں ہمیں بڑی دقت پیش آتی تھی۔ مگر اللہ تعالے کا ہم پر بڑا ہی فضل رہا۔ حضرات خواجگان کی ارواح سے ایسی پرورش ہوئی کہ خدا تعالے کی عنایت سے نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ یہ خاص پرورش روح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طفیل تھا۔ کیونکہ ہم درود شریف بہت کثرت سے پڑھتے تھے۔ ورنہ اور کوئی اتنا نہ کر سکتا۔ بعض اوقات جب سوئی اور آگ کی انگاری سے بھی تکلیف نہ ہوتی۔ تو ہم بڑی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالے سے

دعا کیا کرتے کہ خداوندا تو وحدہ لاشریک اور بڑا ہی کارساز ہے۔ تو ہی اپنی مدد بھیج اور میرے اوپر رحم کر۔ تاکہ میں تیری نماز ادا کر لیا کروں۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے اس دریائے بے کنار سے پار نکال کر شاہراہ شہود پر ڈال دیا۔ پہلے تو ہم اسی کو ایک بہت بڑی چیز جانتے تھے مگر آگے چل کر معلوم ہوا کہ توحید کے آگے شاہراہ شہود ہے[1]۔

آپ نے مزارات سے بھی بکثرت فیض لیا ہے۔ چنانچہ جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب بیان فرماتے ہیں۔ کہ حضرت میاں صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم عشا کے بعد خواجہ باقی باللہ کے مزار پر مراقبہ میں بیٹھے۔ صبح کو آواز آئی کہ السلام علیکم۔ معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ کی روح نماز فجر کو گئی۔ آنکھ کھلی تو صبح تھی۔ فرمایا کہ سارا چبوترہ فیض سے بھرا ہوا ہے۔

ایک دن ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ ہم حضرت بوعلی قلندر کے مزار پر بیٹھے۔ دیکھا کہ کمبل اوڑھے تشریف رکھتے ہیں اور آپ کا محبوب مبارک خاں بھی حاضر ہے۔ فرمایا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار پر ہم نے مراقبہ کیا۔ نہایت زور کا اور تیز فیض ہے۔ اور آپ کو استغراق بہت ہے۔ وہاں نسبت چشتیہ ایسا غلبہ کرتی ہے کہ ذکر جہر اور سماع کو دل چاہتا ہے۔ نیز فرمایا کہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیا کے مزار فیض آثار پر ہم بیٹھے۔ تو ہمارا سانس کبھی بند ہوتا اور کبھی نکل جاتا۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کی روح شغل حبس دم کر رہی ہے۔ اور نیز معلوم ہوا کہ ایام حیات میں آپ کے حبس دم کا یہی وقت تھا۔ حدیث شریف میں وارد[2] ہے کما تعیشون تموتون وکما تموتون تحشرون۔ یعنی جس حال میں تم دنیا میں ہوگے اسی حال میں مروگے۔ اور جس حال میں مروگے اسی میں اٹھائے جاؤگے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہرچہ در دنیا خیالت آں بود　　　عاقبت راہ وصالت آں بود

شیخنا العلامہ مولانا مولوی حاجی حافظ مشتاق احمد صاحب چشتی صابری کا تحریری بیان ہے کہ مخدومنا توکل شاہ رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں بمقام پانی پت حضرت مخدوم شمس الدین ترک شاہ ولایت پانی پت رضی اللہ عنہ کی خانقاہ شریف میں رات بھر حاضر رہا۔ غلبہ نسبت اس قدر تھا کہ برداشت کرنا اور وہاں ٹھیرنا مجھے دشوار معلوم ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور مخدوم مزار مقدس سے باہر تشریف لائے۔ زبان مبارک پر لا الٰہ الا اللہ جاری ہے اور تمام احاطہ

---

[1] ذکر خیر۔ صفحہ ۲۹۴-۲۹۵۔

[2] مرقات شرح مشکوٰۃ جزو رابع۔ صفحہ ۱۹۵۔

خانقاہ شریف ارواح مقدسہ اولیاء اللہ سلسلہ چشتیہ صابریہ سے پُر نظر آتا تھا۔ حضرت قطب الوقت سید شاہ بھیک رحمۃ اللہ علیہ کو بھی میں نے ان اولیاء میں دیکھا۔ پھر حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ٹھیرا رہ۔ ہم بھی اسی طرح مسافرانہ آئے تھے۔

جناب مولوی سید ظہور الدین انبہٹوی کی روایت یوں ہے کہ حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے۔ کہ جب ہم خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ تو صاحب مزار کا فیض اس قدر زور سے آیا کہ تمام رات ہم سے کچھ کام نہ ہو سکا۔ امیر اللہ شاہ ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے جب مراقبہ کیا۔ تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیض چمکتی ہوئی تلواروں کی صورت میں نمودار ہوا۔ امیر اللہ شاہ ڈر گئے۔ میں نے کہا۔ ڈرو مت۔ یہ حضرت کا جلالی فیض ہے۔ پھر ہم دونوں نے وہاں خوب مراقبے کئے اور فیض حاصل کئے۔

شیخنا العلام ہی سے یہ روایت ہے کہ شاہ صاحب فرماتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ میں پیران کلیر شریف حاضر ہوا۔ خانقاہ شریف میں داخل ہوتے ہی لطائف ستہ جاری ہو گئے۔ تین دن وہاں حاضر رہا۔ حضور مخدوم علاء الدین علی احمد صابر رضی اللہ عنہ نے بنہایت کرم فرمایا اور مجھے انگوٹھی پہنادی اور نصیحتیں فرمائیں۔

سید صاحب انبہٹوی نے اس واقعہ کو یوں تحریر فرمایا ہے کہ شاہ صاحب فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ فقیر کلیر شریف حاضر ہوا۔ میں اکثر اوقات مراقبہ میں مشغول رہتا تھا۔ اُسی حالت میں سجادہ نشین صاحب الگ اور مجاورین الگ مجھ کو کھانے کا تقاضا کرتے لگے۔ فقیر نے ذرا اونچے لہجہ میں اُن سے کہا کہ ہم کھانے نہیں آئے۔ ہم کو اپنا کام کرنے دو۔ یہ کہہ کر ہم مراقب ہو گئے۔ حضور مخدوم صاحب نے فقیر کو ایک چھلا نقرئی عنایت کیا اور فرمانے لگے کہ مسافر فقیر کو اس قدر غصہ نہ چاہئے فقیر فوراً باہر آیا۔ اور لنگر والوں سے کہا۔ پہلے ہم کو کھانا دو۔ پھر کوئی کام کریں گے۔ یہ واقعہ بیان فرماکر ارشاد فرمایا۔ مولوی! اولیاء اللہ کو اپنے متوسلین کا بہت خیال ہوتا ہے۔ ان سے خلاف نہ ہونا چاہئے۔

سید صاحب موصوف نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ فقراء ٹھسکہ کے ذکر پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت بہادر علی شاہ صاحب بڑے صاحب تصرف تھے۔ ہم کو ان کے چہلم پر بلوایا گیا۔ ہم ضروری سمجھ کر چہلم میں شامل ہونے کی غرض سے ٹھسکہ جا رہے تھے۔ راستے ہی میں حضرت بہادر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح سے ملاقات ہوئی۔ مجھ سے فرمانے لگے کہ آپ نے بہت مہربانی کی۔ اور ایک کنگھا (شانہ) مجھ کو عنایت فرمایا۔ ہم نے خوش ہو کر لے لیا اور چہلم میں شامل ہوئے۔

حضور علیہ الرحمۃ اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے بھی مسافات بعیدہ سے ارواح مقدسہ سے فیض لیا کرتے تھے۔ چنانچہ مراقبات شروع کرنے سے پہلے مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہو کر جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے فیضان لیا کرتے تھے۔ اور نماز صبح سے پہلے بغداد شریف کی طرف منہ کر کے حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے اور سرہند شریف کی طرف متوجہ ہو کر روح مطہر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ سے فیض حاصل کرتے۔ جناب مولوی سراج الدین صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ انبالہ میں بعد نماز مغرب آپ مسجد میں مراقب تھے کہ فرمایا کہ حضرت خواجہ قطب الدین دہلی والوں کا فیض آرہا ہے بلکہ خود روح مبارک حاضر ہے۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ایک روز حضرت غوث پاک سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ تھا کہ حضور غوث پاک نے جو یہ فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ کی گردنوں پر میرا قدم ہے بظاہر اس کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا یہ درست ہے۔ آپ کے وقت سے لے کر قیامت تک جس قدر لوگ قادریہ نسبت کو حاصل کریں گے اُن سب کی گردنوں پر آپ کا قدم مبارک ضرور ہوگا۔ کیونکہ نسبت قادریہ کی تکمیل اُسی وقت ہوگی جب کہ آپ کا قدم مبارک اُن کی گردنوں پر آوے گا۔ چنانچہ ہم نے بھی دیکھا ہے کہ ایک دفعہ ہم بغداد شریف کی طرف منہ کر کے حضرت پیران پیر کی روح سے فیض لے رہے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت پیران پیر غوث پاک رضی اللہ عنہ کی روح مبارک ہماری گردن پر آسوار ہوئی۔ اور آپ کے دونوں پاؤں مبارک ہماری گردن کے دونوں طرف سینہ پر لٹکے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مست! راضی ہے؟ اُس روز ہم کو بہت ہی فیض ہوا۔ بڑا استغراق اور جوش آیا۔ اور نسبت قادریہ کی تکمیل ہوگئی۔ اسی طرح ہم ایک روز اجمیر شریف کی طرف متوجہ ہو کر خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کی روح سے فیض لے رہے تھے۔ آپ کی روح مبارک ظاہر ہوئی۔ اور نسبت چشتیہ وار کر کے فرمایا کہ تم کو ہماری طرف سے بھی اجازت ہے۔

غرض اس زمانہ قرب قیامت میں آپ سا مجاہد و مرتاض۔ ذاکر و شاغل۔ پابند اوقات و پابند شرع دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ کے اوراد کا مزید بیان آگے آئے گا انشاء اللہ تعالےٰ۔

چوتھا باب

اشاعت طریقہ

اس آسمانی دستار والے نے اپنے پیر دستگیر حضرت خواجہ قادر بخش قدس سرہ کے وصال کے بعد

دیر تک سلسلہ بیعت جاری نہیں کیا۔ جو کوئی بیعت ہونے آتا۔ آپ اُسے حضرت حاجی محمود جالندھری قدس سرہ سے یا اپنے پیر بھائی خلیفہ عالم شاہ سے بیعت کرا دیتے۔ اور اپنے پاس کسی کو نہ بیٹھنے دیتے۔ نہ اللہ کا نام بتاتے۔ ایک روز میاں عالم شاہ نے آپ سے کہا کہ تم لوگوں کو اپنے پاس بیٹھنے دیا کرو۔ جب آپ اس کے خوگر ہو گئے۔ تو پھر فرمایا نام اللہ کا دس دیا (بتا دیا) کرو۔ بعد ازاں آپ ایسا ہی کرنے لگے۔

صاحبزادہ خواجہ عبد الخالق رحمہ اللہ تعالے روایت کرتے ہیں۔ کہ جب میں انبالہ میں زیر نگرانی حضرت سائیں توکل شاہ تعلیم پا رہا تھا۔ تو دوران تعلیم میں ایک روز لیفض طلب خان ساکن ڈیرہ بسی متصل شہر انبالہ نے . . . .

. . . . سائیں توکل شاہ اور خلیفہ عالم شاہ کی اور میری دعوت کی۔ تناول طعام کے بعد اُس نے حضرت سائیں صاحب سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ چونکہ سائیں صاحب نے اُس وقت تک کوئی مرید نہ کیا تھا۔ انکار کر دیا۔ مگر خلیفہ عالم شاہ کے اصرار کرنے پر مرید کر لیا۔ وہ حضرت سائیں صاحب کا پہلا مرید تھا۔

اس کے بعد آپ کا فیض حدود انبالہ سے باہر دور دور پھیلنے لگا۔ چنانچہ پہلے پہل جب آپ کلانور ضلع رہتک میں تشریف لے گئے۔ تو بہت سے زن و مرد نے آپ سے اللہ کا نام پوچھا اور بیعت کی۔ آپ حلقہ میں توجہ دینے لگے۔ اُن ایام میں شغل حبس دم کے سبب سے آپ کی نسبت قلبی ایسی گرم و تیز تھی کہ حاضرین حلقہ تڑپ کر بیہوش ہو جاتے۔ یہ دیکھ کر بعض لوگ آپ کو جادوگر کہنے لگے۔ اسی اثنا میں جناب مولوی نواب قطب الدین خاں صاحب دہلوی ادھر تشریف لے گئے۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ جادو نہیں اور خود بھی آپ کے معتقد ہو گئے۔ پھر آپ انبالہ میں تشریف لائے۔ تو طالبان خدا اطراف و اکناف سے جوق در جوق آئے اور بیعت ہوئے۔ چنانچہ لاہور۔ دہلی۔ کرنال۔ پانی پت۔ اجمیر شریف۔ احمد آباد۔ جے پور۔ بمبئی وغیرہ سے ارادتمند پروانہ وار حاضر ہو کر داخل سلسلہ ہوئے۔ دیہات سے بھی کثرت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ القصہ آپ کے پیر و مرشد خواجہ شمس العرفان قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ کا وہ ارشاد کہ اس سے بڑا خاندان جاری ہوگا لفظ لفظ پورا ہو گیا۔

آپ کی صحبت میں عجیب اثر تھا۔ اپنوں کا تو کیا ذکر بیگانے بھی جب آپ کو دیکھتے۔ تو بے ساختہ بول اُٹھتے کہ یہ ولی اللہ ہیں کئی غیر مسلم آپ کے ذریعے سے راہ راست پر آ گئے۔ آپ کی توجہ ایسی زبردست تھی کہ جس پر خصوصیت سے پڑ گئی۔ وہ مجذوب ہو گیا۔ ضلع شاہپور کی بار اور ہتنی کنڈ کے پہاڑوں کی طرف شاید اب بھی کئی مجذوب سالک ایسے ملیں گے جن پر حضرت کی نظر کیمیا اثر پڑی ہوئی ہے۔ اور

وہ رات دن یادِ خدا میں مستغرق اور شریعت کے پورے پابند ہیں۔

جنّوں کی بیعت جناب مولوی سراج الدین صاحب لکھتے ہیں کہ میاں صاحب قبلہ کے جن بھی مرید تھے کیونکہ جو قطب ارشاد ہوتا ہے جنّ اُس کے پاس آتے ہیں۔ چنانچہ جنّ جناب غوث پاک رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے تابع و مرید تھے۔ اسی واسطے آپ کا لقب غوث الثقلین ہے۔ اخیر زمانہ میں مولانا شاہ ولی اللہ و شاہ عبد العزیز رحمہما اللہ تعالےٰ کے جنّ مرید تھے۔ اسی طرح ہمارے حضرت صاحب سے بھی جن مرید تھے۔ چنانچہ ایک روز آپ نے فرمایا کہ ایک بار ہم باغ والی مسجد میں حلقہ کر رہے تھے کہ سُوں سُوں کی سی آواز آئی۔ اور آگ کی دو انگیٹھیاں دھکتی ہوئی نظر آئیں۔ معلوم ہوا کہ دو جنّ بھی شامل حلقہ ہیں اور توجہ لے رہے ہیں نیز فرمایا کہ جب ہم ہوشیار پور ضلع جالندھر گئے۔ تو وہاں ایک مکان میں مدّت سے جنّ کا تسلّط تھا۔ لوگوں نے ہم کو اُسی میں اُتارا۔ آدھی رات کے وقت ایک شخص طویل القامت اور بد شکل دھیپ نظر آیا اور ہم کو ڈرانے لگا۔ ہم یادِ خدا اور درود خوانی میں مشغول رہے۔ آخر کار جھک مار کر خود بشکل انسان سامنے آیا۔ اور عذر کیا اور خدا کا نام پوچھ کر چلا گیا۔

جناب قاری سید اکرام حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ بھائی مغلی شاہ کا بیان ہے۔ کہ ایک روز گیارہ بجے رات کے ایک اجنبی شخص جس کو میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا حضرت صاحب کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ حضور والا! مجھے داخل سلسلہ کر لیجئے۔ پھر مجھے جلدی جانا ہے۔ حضرت صاحب نے اس کو بیعت کیا۔ جب وہ چلا گیا۔ تو حضرت نے مجھ سے فرمایا۔ مغلی شاہ! کیا تو نے پہچانا یہ کون تھا! میں نے عرض کیا۔ حضور مجھ کو کیا علم ہے کہ کون تھا۔ آخر الامر حضرت صاحب نے خود ارشاد فرمایا کہ میاں مغلی شاہ! یہ شخص جنّ تھا۔ اکثر ہم سے جنات بھی مرید ہو کر جاتے ہیں۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضرت اُس باغ میں تشریف لے گئے جو اب روضہ مبارک کی غربی سڑک کے کنارہ پر مغرب کی طرف واقع ہے۔ وہاں ایک کچّا مکان تھا۔ آپ اُس میں بیٹھ گئے۔ درویش بھی ساتھ تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ضعیف العمر بڑھیا روی ریوڑیاں ایک برتن میں لئے ہوئے حاضرِ خدمت ہوگئی اور کہا۔ حضور! میں ابھی روم سے یہ ریوڑیاں لے کر آیا ہوں اور اپنی مزدوری کی حلال کمائی سے خرید کر لایا ہوں۔ اور بیعت ہونے کے واسطے عرض کیا۔ آپ کا معمول تھا کہ ہمیشہ عورتوں کو دستار مبارک کا پلّہ پکڑ کر اور دور بٹھا کر بیعت فرمایا کرتے تھے۔ برخلاف اس کے آپ نے بلا تکلف اُس کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کیا۔ اُس حلقہ میں سے ایک درویش کو خیال گزرا کہ آپ نے خلافِ معمول ایک نامحرم عورت کا ہاتھ کیوں پکڑا۔ اُس سے رہا نہ گیا۔ عرض کر ہی دیا۔ فرمایا۔

یہ عورت نہیں - یہ تو جن ہے - پھر وہ غائب ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ جن بہت نیک بخت اور پرہیزگار ہے۔ اپنے ہاتھ سے مزدوری کر کے کھاتا ہے۔

بیعت میں احتیاط | جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبہٹوی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت مولانا مولوی حافظ حاجی صوفی مشتاق احمد صاحب انبہٹوی اپنے رشتہ کے ماموں صاحب شیخ مخدوم بخش کو حضرت کی خدمت میں بغرض بیعت لائے۔ شیخ صاحب چاہتے تھے کہ خاندان قادریہ میں داخل ہوں۔ اگرچہ حضرت سائیں صاحب کو حضرت مولانا کی بہت ہی دلداری منظور تھی۔ مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم کو اس خاندان میں بیعت کی اجازت نہیں ہے۔ صرف نقشبندیہ خاندان میں ہم بیعت کر سکتے ہیں جس کی ہم کو اجازت ہے۔ یہ عاجز خاندان چشتیہ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ مگر یہی جواب ملا تھا کہ مولوی! تعلیم تو ہم تم کو چشتیہ اور نقشبندیہ کر ہی رہے ہیں۔ مگر اس خاندان میں بیعت کرنے کی ہم کو اجازت نہیں ہے "

پانچواں باب

اخلاق و عادات

آپ کے مکارم اخلاق کا کیا بیان ہو سکتا ہے۔ نظر بر اختصار ہم ذیل میں صرف چند جزئیات کا بیان درج کرتے ہیں۔

عبادت | نمازوں کے علاوہ آپ کے روزانہ اوراد و وظائف یہ تھے۔ اسم ذات۔ نفی اثبات۔ ذکر تجرید۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ۔ آیہ کریمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ سورہ اخلاص۔ بسم اللہ شریف۔ سبحان اللہ۔ درود شریف۔ مراقبات وغیرہ۔ یہ وظائف آپ مختلف اوقات میں کیا کرتے تھے۔ رات کو سونا برائے نام تھا۔ کوئی لمحہ کوئی منٹ یاد الٰہی سے خالی نہ تھا۔ بلکہ اکثر گھنٹے اور منٹ کے موافق وظیفہ کیا کرتے تھے۔ پنجشنبہ کے دن اللہ بخش حجام سے حجامت بنواتے۔ مگر اس وقت بھی سبحان اللہ وغیرہ پڑھتے رہتے۔ حجامت کے بعد خادم عبد الکریم سر مبارک پر پانی ڈالتا اور کریم بخش دھوتا۔ اس اثنا میں بھی جس ورد کا وقت ہوتا وہی زبان مبارک پر ہوتا۔ آپ کے اوقات انضباط کی نسبت جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"آپ کی روزمرہ عبادت یہ تھی کہ نماز فجر باجماعت ادا کر کے آفتاب کے طلوع ہونے پر

حکیم معز الدین صاحب دہلوی کا ناشتا شہد وغیرہ نوش فرماکر مراقبہ کی نیت سے بیٹھتے تھے۔
پھر مراقبہ سے فارغ ہوکر قریب بارہ بجے یا کچھ کم و بیش درود شریف ورد فرماتے۔ پھر دوپہر
کا کھانا تناول فرماکر قیلولہ کی نیت سے لیٹتے تھے۔ بعد ازاں اُٹھ کر اکثر استنجا اور وضو
کرتے اور نماز ظہر جماعت کے ساتھ ادا کرکے اپنے اوراد میں مشغول ہو جاتے۔ پھر ضرورت
سے فارغ ہوکر وضو کرکے نماز عصر باجماعت ادا فرمایا کرتے تھے۔ بعد نماز عصر مسجد میں
مغرب تک وظائف میں مشغول رہتے تھے۔ مغرب سے پہلے وضو کرکے نماز مغرب باجماعت
ادا کیا کرتے تھے۔ بعد نمازِ مغرب مراقبہ میں تقریباً دو یا ڈیڑھ گھنٹہ کبھی کم و بیش عرصہ تک
مشغول رہتے۔ پھر مسجد سے مکان کو تشریف لے جایا کرتے تھے۔ نصف یا ایک روٹی خشک
سادی اندر سے آتی تھی۔ اُس کو تقسیم کرکے تقریباً آٹھواں حصہ یا کم زیادہ خود تناول فرماکر
پھر مراقبہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔ یہ مراقبہ بہت لمبا ہوتا تھا۔ کبھی بارہ بجے رات کے
اور کبھی ایک یا دو بجے فارغ ہوتے۔ نماز عشا بوجہ غلبہ سکر بدقت تمام ادا کیا کرتے تھے۔
رات کو سوتے نہ تھے۔ فجر سے پہلے ذرا یونہی لیٹ جاتے۔ پھر نماز صبح ادا کیا کرتے۔"

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جب تک آپ تندرست رہے۔ یہی معمول رہا۔ مگر جب مرض بواسیر نے
غلبہ پایا اور دو دو گھنٹے بیت الخلا میں بیٹھنا پڑا۔ تو مسجد میں جانا ترک ہوگیا۔ مکان ہی پر نماز باجماعت
ادا کرلیا کرتے۔ مگر دیگر اوراد میں سے کسی میں اخیر دم تک ذرا فرق نہیں آیا۔

عقد ثانی سے پہلے جب حضور مسجد میں رہتے تھے اُس زمانہ کے حالات جناب مولوی سراج الدین
صاحب یوں لکھتے ہیں۔ کہ قبل از صبح حاجی کریم بخش بڈھا آپ کو آواز دیتا۔ آپ بیت الخلا جاکر وضو
کرکے سنتِ فجر ادا کرتے۔ اور نماز فجر باجماعت میاں جی رحیم بخش خاں صاحب کے پیچھے پڑھتے۔ نماز
کے بعد تین بار سورہ اخلاص نہایت تدبر و تفکر سے پڑھتے تھے۔ اس اثنا میں کسی سے کلام و مصافحہ
نہ کرتے تھے۔ اور مریدوں کو اس کی تلقین کرتے اور فرماتے کہ تین بار قل ہو اللہ ایک قرآن شریف
کے ثواب کے برابر ہے۔ اور فرماتے کہ اس سے ضیق حالت بھی دور ہوتی ہے چنانچہ ساڈا (ہمارا)
لنگر اسی سے جاری ہے۔ پھر سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيمٍ سو بار اور آیت کریمہ سو بار پڑھ کر
ان سب کا ثواب جناب نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کی روح پاک کو اس طرح بخشتے "الٰہی غلطی مینوں
(مجھے) بخش دیجو اور صحیح حرف کا ثواب نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کی روح کو میں نے بخشا۔ پھر فرماتے
کہ خاص کر میاں صاحب (پیر دستگیر) کی روح مبارک کو بخشا" بعد ازاں بارہ بجے تک لمبا مراقبہ فرماتے۔

ایک بجے کے قریب اُٹھ کر بیت الخلا میں جاتے۔ (اور کھانا کھا کر قیلولہ فرماتے) پھر استنجا اور وضو مع مسواک کر کے نماز ظہر جماعت کے ساتھ ادا کرتے۔ نماز کے بعد تین بار قل ھواللہ پڑھ کر عصر تک اوراد میں مشغول رہتے۔ اور تازہ وضو مع مسواک کر کے نماز عصر جماعت کے ساتھ پڑھتے۔ اور مغرب تک اوراد میں مشغول رہتے۔ کلمہ تمجید بکثرت پڑھتے تھے۔ عصر سے مغرب تک کسی سے کلام و مصافحہ نہ کرتے اور سلام کا جواب بھی نہ دیتے۔ مغرب کی نماز تازہ وضو سے جماعت کے ساتھ پڑھتے۔ اور تین بار قل ھو اللہ اور سو بار آیت کریمہ پڑھ کر مراقبہ خفیفہ کرتے بعد ازاں یہ درود شریف لطیفہ اخفیٰ پر بے شمار پڑھتے۔ اللّٰھم صلِ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ اٰل سیدنا محمد بعدد کل معلوم لک وبعدد کلّ ذرۃ مائۃ الف الف مرّۃ۔ اس کے بعد وضو تازہ کر کے نماز عشا جماعت کے ساتھ ادا کرتے۔ اور درود شریف صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ اور صبح و شام درود شریف کے اور کئی صیغے پڑھا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ درود شریف کی کثرت سے آپ کے بدن و جامہ سے خوشبو آتی تھی۔ آپ رات کو سویا نہ کرتے تھے۔

ادب و رعایت حقوق ادب کے لفظی معنی ہر چیز کا اندازہ و حد نگاہ رکھنا ہے۔ اصطلاح میں اس سے مراد اپنے نفس کو قول ناپسندیدہ اور فعل ناستودہ سے بچانا اور اپنی اور دوسروں کی حرمت کا پاس نگاہ رکھنا ہے۔ حقیقت ادب یہ ہے کہ تمام حالات میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت کی جائے۔ کیونکہ ادیب کامل آپ ہی ہیں۔ اس لئے کہ بفوائے ادّبنی ربّی فاحسن تادیبی آپ کا مودّب خود خدا تعالےٰ ہے۔ ؎

ادب از حضرتِ خدا آموخت ادب آموز زاں ادیب کہ او

سبق از لوح کبریا آموخت ہر کسے خواں سبق کہ در ہمہ حال

اتباعِ سنّت جہاں تک ہمیں معلوم ہے حضور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ جملہ اقوال و افعال۔ حرکات و سکنات اور خورد و نوش غرض تمام امور میں حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت کا پورا اتباع کیا کرتے تھے۔

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب تک حضور بقید حیات رہے۔ ایک چپہ زمین کے مالک نہیں ہوئے۔ نہ پلنگ پر آرام کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کے سردار (صلے اللہ علیہ وسلم) تو زمین پر بستر کریں اور ہم ناچیز پلنگوں پر آرام کریں۔ نیز فرماتے تھے کہ صرف سنت کی ادائگی کے خیال سے کبھی زوجہ کے

پاس لیٹنا ہوتا ہے۔ ورنہ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے یہ کرم فرمایا ہے کہ حور بھی بغل میں بیٹھی ہے۔ تو اُس کی طرف بھی کبھی آنکھ نہ اٹھے۔

آپ کھانا شاید تمام دن رات میں اول تو کم ورنہ دو روٹی سے زیادہ کبھی نہیں کھاتے تھے۔ جب کھانا سامنے آتا تھا۔ تو تمام روٹیاں حاضرین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ نصف یا پونی روٹی آپ تناول فرماتے تھے۔ صبح کے وقت حکیم معزالدین دہلوی آپ کے خاص خادم آپ پر جان و مال قربان کرنے والے کبھی انڈا اور شہد اور کبھی کلونجی اور شہد پیش کیا کرتے تھے کہ حضور! یہ دوا ہے اور مسنون غذا ہے۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دونوں چیزیں مرغوب تھیں۔ آپ یہ سن کر پہلے تو دو ایک دفعہ یہ فرماتے کہ حکیم کہتا ہے۔ مسنون غذا ہے۔ دوا ہے۔ پھر یہ فرما کر کہ سب سنت کے اتباع میں شریک ہو جاؤ اکثر حصہ تقسیم کر دیتے اور کچھ بقیہ آپ تناول فرماتے تھے۔ حکیم صاحب یہ انتظام فرمایا کرتے تھے کہ ایسے وقت میں کوئی صاحب حضور کے پاس نہ آئیں۔ مگر حضور خود طلب فرمالیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی! جب جنگل میں رہنا ہوا۔ تو برسوں پتے کھا کر گزر کیا۔ پتے بھی نیم کے کڑوے تاکہ شکم زیادہ حرص کھانے کی نہ کرے۔

آپ صرف جمعہ کے دن لباس تبدیل فرمایا کرتے تھے۔ جس قسم کا جوڑا چھوٹی مائی صاحبہ نے پہنا دیا۔ آیندہ جمعہ تک وہی زیب تن رہتا تھا۔ اگر کسی کو اپنا لایا ہوا لباس پہنانا منظور ہوتا۔ تو مائی صاحبہ جمعہ کے دن وہی پہنا دیتیں۔ درمیان میں دوسرا پہنانا ممکن نہ تھا۔ سرمہ شانہ اور خوشبو کا استعمال اپنے اپنے وقت پر باتباع سنت ہوا کرتا تھا۔ جمعہ کے وقت یہ سب اشیاء جمع ہو جاتی تھیں۔ ورنہ سرمہ رات کے وقت اور شانہ کبھی رات کو اور کبھی دن میں استعمال کیا کرتے تھے۔

جناب مولوی سراج الدین صاحب یوں لکھتے ہیں:۔

"حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ دن کا کھانا موسم گرما ہو یا سرما دو بجے کے قریب اور رات کا کھانا کبھی بارہ بجے اور کبھی بعد کھایا کرتے تھے۔ عقد ثانی سے پہلے آپ کا کھانا بلا تکلف تھا۔ مونگ یا ماش کی دھوئی ہوئی دال۔ سُرخ گیہوں کی روٹی۔ اور بکری کا کم روغن گوشت۔ مگر جب آپ کا عقد ثانی ہو گیا۔ اور لنگر اور خورد نوش کا انتظام چھوٹی مائی صاحبہ کے ہاتھ میں چلا گیا۔ تو انہوں نے بمقتضائے محبت حضرت کے طعام میں گونہ تکلف کر دیا۔

اگرچہ وقت طعام وہی رہا۔ مگر قدرے تکلف ہوگیا۔ حضرت نے جو سامنے آیا کھالیا۔ کبھی کھانے میں نکتہ چینی نہ کرتے تھے۔ اگر کوئی نمک مرچ کم و بیش کہتا۔ تو فرماتے کہ دو وقت کے بعد کھایا کرو۔ کھانا خود اچھا لگے گا۔ مسافر اور مہمان وغیرہ سب آپ سے پہلے کھا چکتے تھے۔ جب آپ کھاتے تو اس میں سے کسی کو نوش دیتے اور کسی کو شریک طعام کرتے۔ کیونکہ حدیث شریف میں شر الناس من اکل وحدہٗ[1] آیا ہے۔ چھوٹی مائی صاحبہ کے زمانہ میں حکیم معز الدین دہلوی صبح کو چائے دودکی اور زردہ بیضہ مرغ۔ نمبر شت حاضر کرتے حضرت دونوں ہاتھ مٹی کے برتن میں دھو کر پہلے ایک روکھا سوکھا روٹی کا ٹکڑا کھاتے۔ پھر چائے وغیرہ نوش جاں فرماتے۔ مگر اس میں سے کسی کو تبرک ضرور دیتے۔ دوا و شربت اور میوہ و شیرینی وغیرہ میں بھی یہی آپ کا معمول تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ شاہ آباد میں کسی نے آپ کے لئے ست پودینہ کی ایک چھوٹی سیشی بھیجی۔ آپ نے اس میں سے کچھ کھایا اور مجھ سے فرمایا کہ تھوڑا سا سب حاضرین کے ہاتھ پر رکھ دو!"

تعظیم و توقیر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بڑی تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔ آپ کی طرف سے محفل میلاد شریف منعقد ہوا کرتی۔ چنانچہ جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ۱۲ ربیع الاول کو حضور کی طرف سے میلاد کی ایک مجلس شریف منعقد ہوا کرتی۔ یہ عجیب کیفیت کی مجلس ہوتی تھی۔ تمام حاضرین پر انوار الٰہی وارد ہوتے تھے۔ حضور شاہ صاحب مجلس سے فاصلے پر بلکہ کبھی مکان پر ہی تشریف رکھا کرتے تھے۔ اور اُس جگہ سے عالم خاموشی و مراقبہ میں آپ کی شمولیت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ آپ مجلس کے اندر کیوں تشریف نہیں لے جاتے۔ آپ نے فرمایا کہ مولوی! ہم تو اِس جگہ ہی بالکل بیہوش ہو کر آنے جانے سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے انوار اس قدر ہم پر وارد ہوتے ہیں کہ ہم کو کسی چیز کی خبر نہیں رہتی۔ اِس مجلس میں شیرینی بھی تقسیم ہوتی تھی اور وقت پر قیام بھی ہوتا تھا۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب پہلے محفل میلاد شریف میں قیام نہ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ

---

[1] عن ابن عباس عن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ قال شر الناس من اکل وحدہ وضرب عبدہ ومنع رفدہ۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ سب لوگوں سے بُرا وہ ہے جس نے تنہا کھایا اور اپنے غلام کو مارا اور کسی نے پیالہ مانگا۔ تو نہ دیا (لبستان ابو اللیث سمرقندی)

میر یوسف علی شاہ صاحب نے بتقریب محفل مذکور حضرت صاحب سے مولوی صاحب کی شکایت کردی کہ انہوں نے قیام نہیں کیا۔ حضرت صاحب نے مولوی صاحب کی قیل وقال پر فرمایا[۱]: "تم اس نیت سے قیام کر لیا کرو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت جو حیوانات نباتات حتیٰ کہ ملا حجر شجر غرض تمام موجودات کی روحانیات نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے واسطے قیام کیا تھا ہم اُس کی نقل کرتے ہیں اور اس قسم کی نقل شریعت میں منع نہیں اور دوسرے قیام کے وقت یہ مراقبہ کر لیا کرو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فیض میرے دل میں آرہا ہے۔" یہ سُن کر مولوی صاحب نے کہا۔ تو پیر صاحب! اب میں قیام بھی کیا کروں گا اور لوگوں کو جواب بھی دے دیا کروں گا۔

جناب مولوی سراج الدین صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ کتاب مشکوٰۃ شریف منگاؤ اور اُس میں سے مجھے باب وسوسہ کی حدیثیں سناؤ۔ چنانچہ وہ کتاب منگوائی گئی۔ میں ادب سے چارپائی کی پائنتی کی طرف بیٹھنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ سرہانے بیٹھ جا۔ میں نے اصرار کیا۔ تو فرمایا۔ الامر فوق الادب۔ ہم تیرا ادب نہیں کرتے۔ کتاب حدیث کا ادب کرتے ہیں۔

کثرت درود شریف تعظیم وتوقیر کی طرح امت پر حضور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی حق ہے کہ آپ پر درود بھیجا کریں۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اس حق کو جس خوبی سے ادا کیا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ یہ ورد آپ کے وظائف میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ اپنے مریدوں کو بھی اس کی کثرت کی بہت تاکید فرمایا کرتے اور اس کے فوائد بتایا کرتے تھے۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک روز بڑی خوش وقتی کی حالت میں فرمانے لگے کہ ہم کو بھی درود شریف کی برکت سے روح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پرورش ہے۔ اوّل اوّل جب ہم نے درود شریف بہت پڑھا۔ تو ہم کو ایک صورت نظر آنے لگی جس کا چہرہ نہایت موزوں سرخ وسفید تھا اور آنکھیں نہایت خوبصورت تھیں جن میں سرخ ڈورا پڑا ہوا تھا۔ اُس کے عمامہ میں ایک شملہ پیشانی پر پڑا ہوا تھا۔ وہ صورت ہر وقت ہمارے ساتھ رہنے لگی۔ جاگتے بھی سوتے بھی وہ ساتھ رہتی۔ ہم حیران تھے کہ یہ کون ہیں اور کسی سے کبھی ذکر نہ کیا کہ یہ حالت ہے۔ اور اثر اس کا یہ تھا کہ طبیعت میں ہمیشہ جوش وخروش اور سوز ودرد رہتا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد دو صورتیں ہوگئیں دوسری صورت کے عمامہ میں دو شملے نظر آئے ایک پیشانی پر اور دوسرا بائیں جانب۔ مدت تک یہ دونوں صورتیں نظر آتی رہیں۔ پھر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ پہلی صورت حضرت غوث الاعظم کی تھی اور

---

[۱] ذکر خیر صفحہ ۳۶۵۔

دوسری حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ صورتیں گم ہوگئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بالمشافہ ہونے لگی۔ اور ہماری روح کو ذات رسول میں فنا ہوگئی پھر بڑی موج ہوئی۔ مدینہ شریف سے جلدی جلدی فیض آنے لگا۔ اب ہم کو سمجھ آئی کہ فنا فی الرسول کی یہ صورت ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیگر انبیاے کرام کا ادب بھی کماحقہ کیا کرتے تھے۔ اور ان کے حق میں کسی قسم کی بے ادبی کو برداشت نہ کرتے تھے۔ چنانچہ جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ مولوی خلیل الرحمن سہارنپوری آپ کے سلسلہ مریدین میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت سائیں صاحب کے لئے رزق کا بے وقت آنا من وسلوے سے تعبیر کرکے ایک نظم اِس نزول رزق کے بارہ میں لکھی۔ حضرت سائیں صاحب نے جب یہ نظم سُنی۔ تو بہت ناراض ہوئے حکم دیا کہ اِس نظم کو پھاڑ ڈالو اور تلف کر دو۔ پھر مجھ سے فرمانے لگے۔ کہ مولوی! ہم ناچیز آدمیوں کو پیغمبروں کے اوصاف میں شامل کرنا نہایت بے ادبی اور گستاخی ہے۔ وہ تو ایک خاص رزق خاص پیغمبر کے لئے اترا تھا۔ کجا ہم ناچیز گنہگار بندے اور کجا پیغمبران اولوالعزم۔ پھر آپ نے اس عنایت الٰہی کا ذکر فرمایا۔ کہ بات صرف اِس قدر تھی۔ کہ ہم چند آدمی راوی کے کنارے یاد الٰہی میں ٹھیرے ہوئے ذکر وشغل کیا کرتے تھے۔ اتفاقاً چار پانچ روز تک کوئی چیز کھانے کی یا نقدی نہ آئی۔ فقیر عین صبح صادق کے وقت یا کچھ پہلے مراقبہ سے فارغ ہوکر خشوع وخضوع کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں سجدے میں گر پڑا اور نہایت عاجزی سے عرض کیا۔ اے پاک پروردگار! میں تو امتحان کے قابل نہیں ہوں۔ میرے ساتھ یہ چند بندے بھی امتحان میں آگئے۔ تو ہمارے حال پر رحم کر۔ اور ان ہمراہیوں کو اپنے فضل وکرم سے رزق عطا فرما کر مجھ گنہگار کو سرخرو فرما اور ان کے روبرو نادم نہ کر۔ خدا تعالےٰ کا فضل ایسا ہوا کہ میں نے سجدے سے سر اُٹھایا ہی تھا کہ دو تین آدمی خوانوں میں بہت عمدہ دودھ کی کھیر لئے میرے سامنے آئے۔ اور وہ خوان میرے آگے کھانے کے لئے پیش کئے۔ سب نے سیر ہوکر کھایا۔ مولوی! اللہ تعالےٰ تو روزمرہ غیب ہی سے اپنے بندوں کو طرح طرح کی نعمتیں عطا کرتا ہے۔ اس کو منّ وسلوے کہنا بڑی نادانی ہے۔ انتہے۔ اِس کے بعد سید صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت سائیں صاحب کا یہ فرمانا درست ہے کہ غیر انبیاء کو انبیاء کرام کے مشابہ نہ کرنا چاہیئے۔ باقی خدا تعالےٰ ہی اگر غیر انبیاء پر انبیاء جیسے انعامات کرے۔ تو یہ اس کا فضل ہے۔ حضرت سائیں صاحب کا ایسا فرمانا انکسار ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے کہ حضور کی امت مرحومہ پر ایسے ایسے

انعام واکرام غیب سے عطا ہوں ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ انتھے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ صاحب تفسیر روح البیان ولکل امۃ رسول الآیہ کے تحت میں یوں تحریر فرماتے ہیں:-

ثم الرسول یاتی بالوحی الظاھر والباطن ووارث الرسول یاتی بالوحی الباطن وھو الالھام الالٰھی وکل ما جاز وقوعہ للانبیاء من المعجزات جاز للاولیاء مثلہ من الکرامات	رسول وحی ظاہر و باطن لاتا ہے اور رسول کا وارث وحی باطن یعنی الہام الٰہی لاتا ہے۔ اور جن معجزات کا وقوع انبیاء کرام کے لئے جائز ہے۔ اولیاء کے لئے اُن کی مثل کرامات کا وقوع جائز ہے۔

پس مرشدنا خواجہ انبالوی علیہ الرحمۃ کا ارشاد آپ کے کمال تواضع وتقوٰے پر مبنی ہے۔

سادات کی تعظیم حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ آپ کے اہلبیت کا احترام کیا جائے۔ قبلہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر پورے عامل تھے۔ اگر کوئی شخص آپ کے پاؤں دبانے لگتا۔ تو پوچھ لیتے تھے کہ تو سید تو نہیں۔ اگر سید ہونے کا شبہ بھی ہو جاتا۔ تو پاؤں ہٹا لیتے اور فرماتے کہ سید سے پاؤں دبوانا گستاخی ہے۔

صاحب تذکرہ توکلیہ لکھتے ہیں۔ کہ آپ کے مدرسہ میں ایک طالب علم پڑھتا تھا جو اپنے تئیں سید بتاتا تھا۔ اُس کو روٹی مدرسہ سے ملتی تھی۔ ایک دن اُسے جو کھانا ملا۔ تو وہ کسی ناجائز جگہ لے گیا۔ جناب حکیم سمیع الدین صاحب دہلوی اور ایک مولوی صاحب نے حضرت صاحب سے شکایت کی اور استدعا کی کہ اُس کو مدرسہ سے نکال دینا چاہئے۔ فرمایا۔ تم لوگ مولوی ہو۔ تم جانو۔ مگر ہم تو سید کے نکالنے کی بابت کبھی بھی لب کشائی نہ کریں گے۔ اگر اُس کو نکالو۔ تو اُس کا وظیفہ نہ بند کرنا۔ اور طعام مقررہ جاری رکھنا۔

جناب مولوی سید ظہورالدین صاحب کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحب سید اور مولوی کی بہت عزت فرماتے تھے۔ میر محمد یوسف صاحب چھاؤنی والے آپ کے خاص مریدوں میں تھے۔ مگر آپ سید ہونے کی وجہ سے اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔ اُن کی طرف پشت تک نہ کرتے تھے۔ ایک روز آپ کا سانس اکھڑا ہو گیا۔ رات کے دس بجے تھے۔ تکلیف زیادہ تھی۔ میں اتفاقاً حاضر خدمت ہوا اور پائے مبارک کی طرف بیٹھ گیا۔ فوراً مجھ کو سر مبارک کی طرف کھینچ لیا۔ فرمانے لگے۔ سید ہو۔ صوفی مولوی ہو۔ میرا خیال تھا کہ اس وقت مولوی ہو۔ تو بہتر ہے۔ تو آ ہی گیا۔ تھوڑے عرصہ میں حضور کو اُس تکلیف سے آسائش مل گئی اور سانس دوہرا آنے لگا۔

جناب حافظ سید سرفراز علی شاہ صاحب سکندرپوری جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں اپنے خط میں جو کمالات توکلی کے اخیر میں درج ہے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میں جب مرید ہوا۔ تو وہ زمانہ میرے شروع شباب کا تھا اور علم ظاہری کی تازگی سے کچھ عجیب عالم تھا۔ حضرت مرشدی و مولائی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ اول سبق طریقت میں کیا ہے۔ میں نے عرض کیا حکم مرشد کا بجالانا۔ پس ارشاد فرمایا کہ تم چونکہ آل نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہو۔ اس سے مجھے تمہاری ظاہری سرداری ماننی چاہئے اور تم میرا باطنی خیال دل میں رکھو۔ اور خوب یاد رکھو کہ کبھی کوئی خدمت مثل نعلین برداری یا اور کوئی چیز ضرورتاً اٹھانے کا خیال نہ کرنا۔ میں تم سے کبھی کسی خدمت کو نہ کہوں گا۔ اور اگر تم بعض وقت اس خیال سے کہ کوئی آدمی نہیں ہے کوئی چیز اُٹھا دوگے۔ تو میں ناخوش ہوں گا اور تم الامر فوق الادب کے عامل نہ ہوگے۔ اور نیز ہمیشہ آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ اگر کہیں جاتے۔ تو مجھے آگے کر لیتے۔ سواری میں بیٹھتے۔ تو میری طرف پشت نہ کرتے۔ اور یہاں تک کہ بعض وقت تشنگی میں پانی طلب فرماتے۔ تو پانی لانے والے کو اشارہ کرتے۔ جب پہلے میں پی لیتا۔ تو آپ نوش فرماتے حالانکہ میں اُس زمانہ میں حقہ پیتا تھا جس کی مذمت آپ مجھ سے وقتاً فوقتاً فرمایا کرتے تھے۔ جب میں زیارت کو وطن سے آتا۔ تو کھڑے ہو کر معانقہ فرماتے۔

علمائے دین کی تعظیم حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ بنظر بر حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے عالموں کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ چنانچہ صاحب تذکرہ توکلیہ لکھتے ہیں۔ کہ جناب مولانا مولوی قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم محدث پانی پتی انبالہ میں تشریف شریف لائے۔ اور میاں صاحب قبلہ کے در دولت سے فاصلہ پر ایک چوبارہ میں قیام پذیر ہوئے۔ میاں صاحب کی ملاقات کے لئے پا پیادہ آپ کے مکان پر آئے۔ اس وقت حضرت صاحب کھانا نوش فرما رہے تھے۔ خادم نے بلا اطلاع میاں صاحب کے کہہ دیا۔ کہ اس وقت میاں صاحب نہیں مل سکتے۔ مولوی صاحب ناراض ہو کر واپس تشریف لے گئے۔ جب میاں صاحب کو اطلاع ہوئی۔ بہت رنج کیا۔ نہایت گھبرائے کہ نائب رسول آئے اور واپس گئے۔ اُسی وقت گاڑی طلب فرمائی۔ مع رفقاء سوار ہو کر چلنے کو تھے کہ اتنے میں مولوی غلام محمد صاحب ہوشیارپوری وکیل ندوۃ العلماء بھی آگئے۔ میاں صاحب نے ان کو بھی گاڑی میں بٹھلا لیا۔ جب قاری صاحب کے پاس پہنچے۔ تو قاری صاحب سیدھے سرو قد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور میاں صاحب سے مصافحہ کیا۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز حضور علیہ الرحمۃ نے مولویوں کی دعوت کی اور نہایت عمدہ نفیس کھانے پکوا کر کھلائے۔ اُس دعوت میں تمام مولوی صاحب ہی تھے اور میں بھی شامل تھا۔ حضور کے دوسرے درویش باہم سرگوشیاں کرنے لگے کہ اس کی کیا وجہ کہ خصوصیت کے ساتھ مولویوں کی ہی ضیافت کی گئی اور دوسرے درویشوں کو اس میں شریک نہ کیا گیا۔ کئی دنوں کے بعد ایک روز میں نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس میں کیا مصلحت تھی کہ حضور نے بالخصوص مولویوں کی ضیافت کی۔ فرمایا ہمیں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ کبھی ہمیں بھی تو کھانا کھلا دیا کرو۔ ہم نے خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح کھلایا جائے۔ آخرکار اس مسئلہ پر نظر جا پڑی کہ جب حضرت خدیجۃ الکبرےٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اُن کا حصہ اُن کی ہمشیرہ (ہالہ رض) کو جن سے وہ بہت ہی خوش تھیں بھجوا دیا کرتے۔ اس پر ہم نے خیال کیا کہ جس پر آپ خوش ہیں اُسی کو دعوت کھلانی چاہیئے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور آپ کا کام انجام دینے والے علماء ہیں۔ اِس واسطے ہم نے آپ کی دعوت علماء کو کھلائی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحہ دلا کر ہم نے یہ سمجھ کر علماء کو کھلانا خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو کھلانا ہے۔ اور پہنچ تو یوں بھی جاتا اگر ہم دوسروں کو کھلا دیتے۔ مگر اس میں ہم نے زیادہ مصلحت یہ سمجھی کہ اس گروہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پیار ہے۔ تو انہیں کو کھلانا چاہیئے تاکہ آپ زیادہ خوش ہوں۔

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب ذکر کرتے ہیں۔ کہ حضرت مولانا ولی محمد صاحب فاضل جالندھری حضور کے معتقدین میں سے تھے۔ ایک مرتبہ سائیں صاحب کی خدمت میں قبور اولیاء اللہ اور اہل مراقبہ کی باہمی بات چیت میں گفتگو کرنے لگے کہ ارواح لطیف سے اُن کی باہم گفتگو کیسے ہو سکتی ہے۔ آپ نے فوراً یہ فرمایا کہ فاضل ہو کر ایسی بات نہ کہو۔ الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کس نے کہا۔ مولوی صاحب اس جواب سے حیران ہو کر قدموں میں گرنے لگے۔ آپ نے ہرگز اجازت نہ دی۔ نہ قدم مومنی کی اجازت دی۔ فرمایا۔ گو تمہیں ہم سے ارادت ہے۔ مگر مولوی ہو۔ یہ خلاف ادب ہے۔

پیر کی تعظیم و خدمت حضور علیہ الرحمۃ اپنے پیرومرشد کا بڑا ادب کیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ حلقہ میں ہم سب سے دور بیٹھا کرتے تھے۔ مگر فیض ہم کو سب سے زیادہ پہنچتا تھا۔ بپاس ادب و خوف سلب نعمت آپ عموماً خدمت مرشد میں کم رہتے اور ہوشیارپور چلے جاتے۔

جناب قاری سید اکرام حسین صاحب بروایت صاحبزادہ خالقداد صاحب جہانخیلی ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ جہانخیلاں تشریف لے گئے۔ اتفاقاً وہاں حضور کو

مرض پیچش کی شکایت ہوگئی یہانتک کہ دن میں کئی کئی مرتبہ رفع حاجت کے لئے جاتے۔ اور سرحد جہانخیلاں کو چھوڑ کر ننگے پاؤں دو دو میل کے فاصلہ پر چلے جاتے۔ یہ دیکھ کر صاحبزادہ صاحب ممدوح نے عرض کیا۔ کہ اگر حضور والا ارشاد فرمائیں۔ تو یہاں پر چوکی رکھوا دی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب مجھ سے تو یہ ہو نہیں ہو سکتا۔ کہ جہاں میرے حضرت صاحب کا گزر، یا قیام ہو۔ وہاں میں رفع حاجت کے واسطے بیٹھوں یا جوتا پہن کر چلوں۔

آپ نے اپنے پیر کی بڑی خدمت کی ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ دوسرے پیر بھائی ہمارے سر پر دو دو تین تین من بھوسا کا گٹھا رکھ دیا کرتے۔ اور ہم دو دو میل تک اُسے چھوڑ آتے۔ جب شمس العرفان کا وصال ہوگیا۔ تو اُس وقت صاحبزادگان عبدالخالق و خالقداد بہت ہی کم سن تھے۔ اس لئے حضرت شاہ صاحب قبلہ جہانخیلاں ہی میں رہنے لگے۔ ان کے تمام کاروبار کی خبرگیری رکھتے اور کھیتی وغیرہ کو دیکھتے اور عبدالخالق کو کندھے پر اُٹھائے پھرتے۔ چنانچہ ایک دن کا واقعہ آپ یوں بیان فرماتے ہیں۔ کہ صاحبزادہ عبدالخالق ابھی بچہ ہی تھے۔ کہ ہم اُن کو گود میں اُٹھائے اور سر پر گھاس کا گٹھا لئے ہوئے مکان پر آئے۔ صاحبزادہ صاحب کو تو ہم نے زمین پر بٹھا دیا۔ اور خود گھاس کا گٹھا لئے اندر چلے گئے۔ دروازہ بہت تنگ تھا۔ ہم بدقت تمام اندر پہنچے۔ اس پر صاحبزادہ صاحب ناراض ہوگئے۔ کہنے لگے۔ کہ گھاس کا گٹھا باہر لاکر اُسی طرح سر پر گھاس اور گود میں مجھے لے کر اندر جاؤ۔ تو میں راضی ہوں۔ بچوں والی ضد تھی۔ مجبوراً ہم بڑی مشکل سے گھاس باہر لائے۔ اور ان کی مرضی کے موافق گھاس سر پر اور ان کو گود میں لے کر بہ نہایت مشکل سے دروازے میں سے اندر گئے اور وہاں گھاس ڈال دی۔ ہم اس طرح صاحبزادوں کی دلجوئی کرتے اور محبت سے اُن کی پرورش میں لگے رہتے۔[1] جب ذرا سیانے ہوئے۔ تو آپ دونوں کو انبالہ میں لے آئے اور ان کو تعلیم دلوانے لگے۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب ناقل ہیں۔ کہ ایک شخص ہندوستانی حضور کے پاس بیٹھا تھا۔ اثنائے گفتگو میں اُس کی زبان سے نکلا کہ پنجاب کی زبان بڑی خراب ہے۔ یہ سُن کر حضور نے اُس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور فرمایا کہ تو نہیں جانتا کہ ہمارے خواجہ صاحب پنجاب ہی کے تھے اور ان کی زبان پنجابی تھی۔ تو ہمارے خواجہ صاحب کی زبان کی توہین کرتا ہے۔ وہ نادم ہوا اور معافی مانگی۔

حضرت شمس العرفان خواجہ قادر بخش قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ حضرت حاجی محمود صاحب جالندھری قدس سرہ کی خدمت میں بھی نہایت ادب و نیازمندی سے حاضر ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ

---

[1] ذکر خیر صفحہ ۲۲۔

س حاضری کا ذکر حافظ انور علی صاحب رہتکی یوں فرماتے ہیں:-

"مشفقی ام حکیم معزالدین صاحب دہلوی نے جو حضرت توکل شاہ صاحب کے جاں نثار مریدو
ں سے تھے مجھ کو اطلاع دی۔ کہ حضرت شاہ صاحب تشریف لائے ہیں اور حضرت حاجی صاحب کی خدمت
ں گئے ہیں۔ میں بھی وہاں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ مجلس بڑی گرم ہے۔ حضرت حاجی صاحب کی خدمت
یں حضرت توکل شاہ صاحب باادب بیٹھے ہیں۔ اور حضرت توکل شاہ صاحب کی گرمی نسبت سے
البوں کے قلب گرم ہو رہے ہیں۔ ایک جانب کو میں بھی بیٹھ گیا۔ پھر حضرت توکل شاہ صاحب نے
فہ تحائف پارچہ جات وغیرہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت حاجی صاحب نے
ن سے بڑی شفقت اور عنایت سے باتیں کیں۔ یاد پڑتا ہے حضرت شاہ صاحب کے ساتھ ان کے
لیفہ امیراللہ شاہ صاحب بھی تھے۔ پھر میں نے بھی حضرت شاہ صاحب سے نیاز حاصل کیا۔ بڑی
نایت اور شفقت فرماتے رہے۔ پھر شاہ صاحب انبالہ تشریف لے گئے۔ میں نے حضرت شاہ
احب کی خدمت میں شرح کافی ہاے بلھے شاہ صاحب قصوری انبالہ بھیجی۔ جب دوبارہ حضرت
کل شاہ صاحب انبالہ سے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں جالندھر تشریف لائے۔ تو مجھ سے
رمایا۔ بیلی! شرح کافیوں میں خوب موجیں ماری ہیں۔ باوجودیکہ شاہ صاحب خواندہ نہ تھے ذات
صفات کے مسئلہ میں بڑے بڑے اعلیٰ نکات مجھ سے بیان فرمائے۔ جب حضرت حاجی صاحب
ی خدمت سے رخصت ہو کر حضرت شاہ صاحب اپنے قیامگاہ کو تشریف لے جانے لگے۔ تو میں بھی
شاہ صاحب کے ہمراہ ہوا۔ اثنائے راہ میں جب شیخوں کے بازار میں پہنچے۔ تو وہاں پیشہ ورطوائفیں
ہ گا رہی تھیں۔ سماع رنگ پر تھا۔ شاہ صاحب نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ بیلی! ہم نے
ی یہ موجیں بہت ماری ہیں۔ مگر جلدی یہاں سے نکلو۔ پھر قدم اٹھا کر جلد اس بازار سے نکلے۔
ہ اشارہ شاہ صاحب کا اپنے ایام مستی کی طرف تھا۔ مگر چونکہ ان ایام میں سلوک اور پورے ہوش
یں تھے۔ باتباع شرع وہاں سے جلد نکلنا ضرور ہوا۔ حضرت توکل شاہ صاحب حضرت حاجی صاحب
کا بڑا ادب کرتے تھے۔ اگر جالندھر میں کوئی ان سے بیعت ہونا چاہتا تھا۔ تو بپاس ادب وہاں اس کو
بیعت نہیں کرتے تھے"[1]

تواضع جب حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کے پاس لوگ کثرت سے بیعت ہونے آتے۔ تو فرماتے تم
لوگ مجھ سے اچھے ہو۔ نمازیں پڑھتے ہو۔ نیک کام کرتے ہو۔ لکھے پڑھے ہو۔ میں تو بے علم مسکین بندہ

---

[1] مقامات المحمود۔ صفحہ ۴۹۔۵۰۔

ہوں۔ تم کسی مولوی سے بیعت ہو جاؤ۔ جب وہ نہ مانتے۔ تو یہ کہہ کر بیعت کر لیتے۔ خدایا تو ہی ان کو میرے پاس بھیجتا ہے۔ میں تیرے ہی بھروسہ پر ان کو تیرا نام بتاتا ہوں اور تیرے ہی حوالہ کرتا ہوں۔

اگر کوئی شخص مسجد میں آپ کی تعظیم کے لئے قیام کرتا۔ تو آپ ناراض ہوتے بلکہ قیام کو ہر جگہ ناپسند فرماتے۔ اگر کوئی شخص آپ کی مدح میں شعر لکھ کر لاتا۔ تو پسند نہ فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ ہم تو مسکین آدمی ہیں۔ ہماری مدح کی ضرورت نہیں۔ جب آپ سے کسی کی نسبت دریافت کیا جاتا کہ وہ کیسے ہیں۔ تو فرماتے۔ ساڈے ناؤں چنگے ہین (وہ ہم سے اچھے ہیں)۔ آپ طعام میں کبھی نکتہ چینی نہ فرماتے جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔

زہد و استغناء

جب ۱۲۹۰ھ میں حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کا عقد ثانی ہو گیا۔ تو فتوحات بکثرت شروع ہوئیں۔ اول دو روپے یومیہ کی فتوح تھی۔ بعد ازاں دس بارہ بلکہ کبھی چالیس روپے تک آنے لگے۔ جناب مولوی سراج الدین صاحب کا بیان ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ آج چالیس روپے فتوحات کے آئے تھے۔ بیگم (چھوٹی اہلیہ صاحبہ) خوش ہوئی۔ مگر ہمارا دل بہت گھبرایا۔ ہم نے دعا کی کہ الٰہی! زیادہ کا بندہ متحمل نہیں ہے۔ وہی دس بارہ کافی ہیں۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب مرحوم لکھتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ مہاراجہ جموں ہندوستان کی سیر کرتا ہوا انبالہ میں راجہ ناہن کی کوٹھی میں اترا۔ ایک بہروپیا حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی نقل بن کر مہاراجہ کے پاس پہنچا۔ حضرت کے مکان سے راجہ ناہن کی کوٹھی بہت فاصلہ پر ہے۔ حضرت صاحب نے نور باطن سے معلوم کر لیا۔ اور راجہ ناہن کی کوٹھی کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ دیکھ رے نقل صحیح صحیح کرنا۔ کوئی بات چھوڑ نہ دینا۔ جھوٹی نقل میں گناہ ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی عادت تھی کہ بعض اوقات خاص انداز سے اللہ اللہ حق حق فرمایا کرتے تھے۔ اس وقت بھی آپ یہی کلمات کہہ کر فکر و مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ ادھر نقل کرتے کرتے بہروپئے کی زبان پر بھی اسی انداز سے یہ کلمات جاری ہو گئے۔ مہاراجہ پر عجیب کیفیت و محویت طاری ہو گئی۔ اس نے خوش ہو کر بہروپئے کو منہ مانگا انعام دیا اور پوچھا کہ جس بزرگ کی تو نے نقل کی ہے وہ زندہ ہیں یا انتقال کر گئے۔ نقال نے کہا۔ حضور! زندہ ہیں اور یہیں انبالہ میں موجود ہیں۔ یہ سن کر مہاراجہ شوق زیارت میں پانسو بیگہ زمین کا قبالہ۔ پانسو روپے کے نوٹ اور کچھ اشرفیاں لے کر بہروپئے کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔

شاہ صاحب نے بہروپئے کو دیکھتے ہی فرمایا۔ کیوں بندے اللہ دے! نقل تو ٹھیک کی تھی

تھال نے شرمندہ ہو کر عرض کیا۔ کہ حضور! مجھ سے غلطی ہوئی معاف فرمائیے۔ آپ نے فرمایا غلطی تو تب ہوتی۔ اگر تو صحیح صحیح نقل نہ کرتا۔

مہاراجہ نے سینی میں رکھ کر نذر پیش کی۔ شاہ صاحب نے پوچھا۔ کہ یہ کیا ہے۔ مہاراجہ نے عرض کیا کہ پانسو بیگہ زمین کا قبالہ اور ایک نوٹ اور کچھ اشرفیاں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں زمین لے کر کیا کروں گا یہ تو فساد کی جڑ ہے۔ ان روپیوں کی بھی مجھے ضرورت نہیں۔ اور آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ دیکھ وہ ہمارا لنگر ہے۔ وہاں سے روپے پیسے اور اناج چلا آ رہا ہے۔

ایک روز نواب ابراہیم علیخاں والئی مالیر کوٹلہ حاضر خدمت ہوا۔ اُس نے قریبًا تین سو روپے تھال میں رکھ کر پیش کئے۔ آپ نے انکار کیا۔ نواب نے اصرار کیا۔ تو آپ نے وہ تھال پرے پھینک دیا جس کا کچھ حصہ نواب کی پیشانی پر بھی لگا۔ حضور فورًا جوش کی حالت میں جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔ آخرکار نواب نے معافی مانگی اور آپ سے بیعت ہوا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ وہ روپیہ ہمیں خون اور پیپ نظر آتا تھا کیونکہ زکوٰۃ کا تھا۔ جو ہمارے واسطے جائز نہیں۔ انتہیٰ۔

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک اشرفی پیش کی۔ میں نے حسب عادت اپنی نیت میں اُس کے حصے کر لئے۔ مگر کوئی درویش موجود نہ تھا۔ مراقبہ کا وقت تھا۔ میں نے اپنی لنگی میں لوم لی۔ اور مراقبہ میں مشغول ہوا۔ خدا کی قدرت ہر چند مراقبہ میں دل لگاتا ہوں۔ مگر دل ہی نہیں لگتا۔ توبہ کرتا ہوں۔ استغفار پڑھتا ہوں مگر پریشانی وہی۔ سوچتا ہوں کہ خدایا کیا قصور ہوا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ آخر قدرت نے مدد کی۔ دل میں خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ اشرفی آفت وبلا ہے۔ فورًا میں نے اُس اشرفی کو سڑک پر پھینک دیا۔ مراقبہ میں دل لگ گیا۔

عبدالرحمٰن خاں صاحب مراد آبادی انبالہ میں نائب تحصیل دار تھے۔ انہوں نے ایک روز آکر کہا کہ حضور میں کل سے تحصیل دار ہو گیا۔ یہ سنتے ہی حضور کو غصہ آگیا اور جوش میں فرمانے لگے تحصیل دار ہو گیا تو کیا ہوا۔ اوپر کا سب روپیہ نوکروں اور متعلقین کا ہو گا۔ تُو تو وہی پاؤ بھر کھائے گا وہی کپڑا پہنے گا۔ دراصل خاں صاحب موصوف دین سے غافل تھے۔ نہ صوم و صلوٰۃ کے پابند نہ رشوت و شراب سے پرہیز۔ اس لئے حضور کو اُن کا یہ خبر دینا ناگوار ہوا۔ بار بار جوش میں فرماتے تھے کہ مجھے آکر یہ کہتا ہے۔ میں نے نماز شروع کر دی۔ فلاں فلاں ممنوعات سے توبہ کر دی۔ مجھے یہ فضول خبر سناتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ایک صاحب نے زکوٰۃ کا ایک روپیہ حضور کی نذر کیا۔ آپ کو معلوم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کسی دوسرے غریب کو دے دو۔ اُس نے اصرار کیا۔ مگر مقبول نہ ہوا۔ دوسرے روز آزمائش کے طور پر اُس نے اُسی قسم کے تین سو روپے رومال میں پیش کئے۔ حضور گھبرا گئے اور جوش میں اُس رومال کا گوشہ پکڑ کر دور پھینک دیا کہ تو فقیر کو آزماتا ہے۔ ناجائز لاکھ روپے بھی فقیر کے نزدیک بدتر از گناہ ہیں۔ اور جوش میں آکر اُس کو فرمانے لگے کہ دیکھ! خدا نے ہم کو ایسے مال سے ایسا بے پروا کیا ہے کہ ہم نے پھینک دئے اور تو چگتا پھرتا ہے۔

ایک روز فرمانے لگے کہ ایک شخص نے ایک چوغہ پیش کیا۔ جس پر چاروں طرف آگے پیچھے مونڈھوں پر زری کا بہت زیادہ کام تھا۔ ہم دیکھ کر گھبرا گئے۔ درویش سوال کرنے لگے کہ حضور ہم کو دے دیجئے۔ یہ سُن کر ہم اور بھی گھبرائے۔ آخر ہم نے اُس چوغہ کو آگ میں جلا دیا۔ اُس وقت اطمینان ہوا۔ درویش کہتے تھے کہ اُس میں سے بہت چاندی نکلی۔ ہم نے کہا یہ ہمارے کام کی نہیں ہے۔ تم جانو تمہارا کام۔ انتہٰی۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے حجرے میں کھجور کی چٹائی ہوتی تھی جس پر ایک دری اور چھوٹا سا تکیہ ہوا کرتا۔ موسم سرما میں بجائے چٹائی کے کسیر ہوتی۔ آپ کے اوڑھنے کو ایک کمبل اور ایک سادہ لحاف تھا۔ جسے بعض وقت سائیں مغلی شاہ بھی اوڑھ لیتے تھے۔ آپ کے لنگر میں تمام برتن مٹی کے تھے۔ آپ کا یہ زہد اختیاری تھا۔ اِس میں شک نہیں کہ آپ کو فتوحات بکثرت آتی تھیں۔ مگر جو کچھ آتا۔ آپ اُسے راہ خدا میں خرچ کر دیتے۔ اور خود زاہدانہ زندگی بسر کرتے۔

توکل آپ اسم بامسمیٰ تھے۔ آپ کے توکل میں کبھی فرق نہیں آیا۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ ہم نے اپنے توکل کا امتحان کرنا چاہا اور بتھنی کنڈ کے جنگل میں جا بیٹھے۔ دو تین دن گزر گئے۔ کھانا نہ آیا۔ ہم نے امتحان کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ بیٹھے ہی رہے۔ آخر ایک دن ایک گوجری کھیر کی ہنڈیا لے کر حاضر ہوئی۔ بعد ازاں دودھ۔ چاول۔ گھی۔ مکھن کثرت سے آنے لگا۔

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک روز فرمانے لگے کہ ہم شہر لودھیانہ میں تھے۔ بدیں خیال کہ ہمارا رازق ہمارے ساتھ ہے ہم جنگل میں آ گئے۔ ایک بلند ٹیلے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ہماری نظر ایک شخص پر پڑی جو ٹوکری لئے ہوئے ہماری طرف آ رہا تھا۔ ہم نے سوچا کہ جب ہم شہر سے چلے آئے ہیں۔ اس شخص سے بھی الگ رہنا چاہئے۔ اِس لئے وہاں سے چل پڑے۔ وہ شخص ہمارے پیچھے آیا۔ ہم لپکے وہ بھی لپکا۔ ہم بھاگے وہ بھی بھاگا اور کہنے لگا کہ مجھے تو خدا ہی نے بھیجا ہے

یہ سن کر ہم ٹھیر گئے۔ اُس کی ٹوکری میں پوریاں حلوا مٹھائی وغیرہ تھا۔ اُس نے پیش کیا ہم نے اُس میں سے کچھ کھا کر واپس کر دیا۔ انتہٰے۔

ایک درویش عبد اللہ شاہ نامی کیمیا گر حضرت صاحب کا مرید ہو گیا۔ جب اسے رہتے سہتے چند روز گزر گئے۔ تو اُس نے معلوم کیا کہ حضرت کے لنگر کا خرچ محض توکل پر ہے اور گاہ گاہ لنگر مست بھی ہو جاتا ہے۔ اِس لئے اُس نے ہو تولہ سونا تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت صاحب نے کچھ توجہ نہ فرمائی۔ وہ یہ سمجھا کہ حضرت کی کم توجہی کا باعث شاید یہ ہے کہ میں نے سونا تھوڑا بنایا ہے اور سونا بنانے کی ترکیب بھی نہیں بتائی۔ اس لئے وہ عرض کرنے لگا۔ یا حضرت! میں بازار سے دوا لاتا ہوں اور آپ کے ہاتھ سے اکسیر بنوا دیتا ہوں۔ قصہ کوتاہ وہ بازار میں دوا لینے گیا۔ حضرت صاحب کو خطرات آنے لگے۔ آپ نے فوراً اُس کے پیچھے اپنا خادم دوڑایا اور فرمایا کہ اس کیمیا گر کو ہمارے ہاں نہ گھسنے دینا۔ اب وہ بازار میں ہے۔ اُس کا اسباب وہیں اُس کے حوالہ کر دو۔ اُس کے سونا بنانے سے ہماری توجہ الی اللہ اور توکل میں فرق پڑتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ذکر خیر میں ہے۔ کہ ایک دفعہ کسی سکھ راجہ کا خط حضور علیہ الرحمۃ کی خدمت میں اِس مضمون کا آیا۔ کہ ہمارے ہاں لڑکے کی پیدائش کی خوشی میں جلسہ ہے۔ کیا خوب ہو جو آپ جیسے بزرگ بھی اس جلسہ میں تشریف لائیں اور دعا کی برکت سے مالا مال کریں۔ آپ کی خاطر و مدارات میں پوری کوشش کی جائے گی ضرور تشریف لائیں۔ حضور نے جواب میں لکھوایا۔ ہم ایسے غنی کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جس کے دربار کے گداگر بھی تجھ سے بہتر ہیں۔ ہم کو تیری خاطر و مدارات کی کچھ پروا نہیں۔ ہم اس کے دروازے سے اُٹھ کر کہیں نہیں جاتے۔ ہماری اصلی وراثت توکل ہے۔ وہ اللہ تعالے نے ہمیں کامل عطا فرمائی ہے۔ ہم اُس میں کمی کرنا نہیں چاہتے۔ انتہٰے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضور علیہ الرحمۃ نے خوب کیا اور خوب فرمایا۔ سچ ہے بئس الفقیر علی باب الامیر۔ (بُرا ہے فقیر دروازے پر امیر کے)

آپ کا لنگر۔ ختم شریف۔ مدرسہ توکلیہ غرض کل کام توکل پر چل رہے تھے۔ جب لنگر بہت وسیع ہو گیا تو کئی مریدوں نے جو اچھے زمیندار تھے عرض کیا۔ کہ حضرت جی! لنگر کے خرچ کے لئے ہم کچھ زمین نذر کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے انکار کیا بلکہ خفا ہوئے۔ اور ایک موقع پر یوں فرمایا کہ جہاں جہاں زمین اور جائدادیں تھیں وہیں فساد ہوئے۔ اور ہم اپنی آنکھوں دیکھ چکے ہیں۔

سخاوت وایثار سخاوت آپ کی جبلی تھی۔ مسافر یا سائل کو بغیر کھانا کھلائے نہ جانے دیتے۔ اگر کھانے کا وقت نہ ہوتا۔ تو نقد حسب حیثیت خادم سے دلوا دیتے تاکہ بازار سے کھا لے یا خود بازار سے منگوا دیتے۔

آپ کا لنگر عام تھا۔ جس میں مساوات کا پورا التزام تھا۔ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ واقف ہو یا ناواقف۔ زائر ہو یا محض اجنبی سب کو یکساں ملتا تھا۔ یہ لنگر توکلی ابتک جاری ہے۔ میں نے ایسا احسن انتظام کسی اور جگہ نہیں دیکھا۔ اللہ تعالےٰ اِس لنگر کو تاقیامت جاری رکھے بجاہ حبیبہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ آپ اکثر یہ دوہو پڑھا کرتے تھے۔ ؎

آیا ساون سارس بولے اور بولے ڈڈّو نام نہ لینا دان نہ دینا لے کیا جاگا کدّو

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت کے دربار سے کبھی کوئی سائل خالی نہ جاتا خواہ کتنے ہی ہوں۔ اگر کسی سائل کو پیسے دینے کا حکم ہو گیا۔ اور وہ دیر یا کسی اور وجہ سے چلا گیا تو خادموں کو حکم ہوتا تھا کہ جس جگہ ملے تلاش کر کے یہ رقم دو۔ بعض مرتبہ کئی کئی گھنٹے میں وہ سائل ملتا تھا۔ جب خدام آکر عرض کرتے تھے کہ دے آئے۔ تو حضرت کو اطمینان ہوتا تھا اور چین آتا تھا۔[1] اگر کسی جگہ سے کوئی رقم بطور نذر آتی تھی۔ تو وہ پیش ہوتے ہی ٹھکانے لگ جاتی تھی۔ جب تک آپ اُس رقم سے اپنا تعلق الگ نہ کر لیتے تھے۔ کوئی دین یا دنیا کا کام نہ کرتے تھے۔ نقد میں کچھ حصہ فقرا و خدام کا تھا۔ اُس میں حضرت کا وجود باجود شامل ہوتا تھا۔ اگر کوئی رقم نہ آتی اور سابق آمدہ ختم ہو جاتی۔ تو حضور فاقہ سے رہتے تھے۔ جب تک لنگر میں کچھ آمد نہ ہو خدام کو اجازت تھی کہ تم جس جگہ سے ملے کھاؤ۔ اس کو حضور کی اصطلاح میں لنگر مست کہتے تھے۔ اگر کوئی مہمان لنگر مست کے وقت آجاتا۔ تو قرض لے کر مہمان کی میزبانی فرماتے تھے۔ اور آپ بدستور فاقہ سے رہتے تھے۔ انتہیٰ۔

آپ کسی کے سوال کو رد نہ فرماتے۔ اگر موجود ہوتا۔ تو عطا فرماتے۔ اگر پاس نہ ہوتا۔ تو قرض لے کر دیتے یا وعدہ فرماتے۔ چنانچہ جناب مولوی محبوب عالم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ یہ میرا مشاہدہ ہے کہ ایک دفعہ کسی نے دہلی سے خط لکھا کہ حضور میں بہت تنگدست ہوں۔ گزارہ کی کوئی صورت نہیں۔ حضور میرے واسطے ہمت اور دعا فرمائیں۔ حضور نے حسب عادت اُس کے واسطے دعا فرمائی کہ

---

[1] حضور علیہ الرحمۃ کا یہ خُلق اخلاق نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ چنانچہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز میں نے نماز عصر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی۔ تو آپ سلام پھیرتے ہی گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ پھر جلدی نکل آئے۔ صحابہ کرام کو تعجب ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نماز میں خیال آگیا کہ صدقہ کا کچھ سونا گھر میں پڑا ہے۔ مجھے پسند نہ آیا کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہے۔ اس لئے جا کر اُسے تقسیم کرنے کے لئے کہہ آیا ہوں (صحیح بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب یفکر الرجل فی الصلوٰۃ)

اس طرح کی اور مثالیں بھی احادیث میں ملتی ہیں۔

الٰہی تو اُس پر حلال روزی کھول دے اور جواب لکھوا دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اُس نے پھر خط میں لکھا کہ میں بہت تنگدست ہوں۔ حضور کو بہت ہی خیال آیا۔ پوچھا کہ کچھ ہے۔ درویشوں نے کہا کہ حضور اس وقت تو ایک پیسہ بھی نہیں۔ حضور علیہ الرحمۃ نے محمد علی شاہ سے ایک روپیہ قرض لیا اور بذریعہ منی آرڈر اُس کے پاس بھیج دیا اور لکھوا دیا کہ فی الحال تم اِس کو کھاؤ۔ تمہارا کام خدا آسان کردے گا۔ چنانچہ اس روپیہ کے خرچ کرتے کرتے اُس کا کام لگ گیا اور روزی کھُل گئی۔ پھر اُس نے خط لکھا کہ حضور کی بخشش کے ساتھ ہی میرا کام آسان ہوگیا۔ انتہےٰ۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ قرض لے کر دینا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ سے تھا۔

ذکر خیر میں ہے۔ کہ حضور علیہ الرحمۃ کی عادت مبارک تھی۔ کہ جو چیز حضور کے بدن پر کپڑے کی قسم سے یا کوئی اور عمدہ شے ہوتی۔ اور کسی نے اُس کی تعریف کردی کہ حضور! یہ آپ کے جسم پر بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ فوراً اتار کر کسی کو دے دیتے۔ چنانچہ ایک بار کا ذکر ہے کہ کوئی مرید حضور کے پاس ایک بہت قیمتی کرتہ جس کی لاگت متعدد روپے ہوں گے نذر لایا۔ حضور نے اُس کو پہنا۔ حاضرین میں سے کسی نے تعریف کردی کہ حضور! یہ بہت ہی اچھا ہے۔ یہ سُن کر حضور نے فوراً اُتار دیا اور فرمایا کہ یہ ہمارے مولوی صاحب کو دے دو۔ چنانچہ میں نے وہ کرتہ لے کر پہن لیا۔ فرمایا۔ مولوی صاحب اِس کرتہ کو اپنے گھر بھیجدو۔ یہاں نہ رکھو۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! اُس میں کیا مصلحت ہے۔ فرمایا۔ ہم نے اِس کو ایثار کیا ہے۔ تم ہمارے پاس رہتے ہو اور ہمارا کام کرتے ہو۔ تو گویا ہمارے کام میں آیا۔ اس کا یہاں رہنا ایثار کے خلاف ہے۔ اس طرح ایثار میں نقصان آتا ہے۔ چنانچہ حسب ارشاد روانہ کردیا گیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ سے تھا۔ کہ اگر آپ کے پاس کوئی چیز ہوتی۔ اور دوسرا اُس کی تحسین کردیتا۔ تو فوراً اُسے عطا فرمادیا کرتے۔ چنانچہ ایک عورت نے آپ کی خدمت اقدس میں اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی چادر پیش کی۔ ایک صحابی نے اُس کی تحسین کردی۔ آپ نے اُسی کو عطا فرمادی۔ جیسا کہ شمائل ترمذی میں مذکور ہے۔ بخوف طوالت ہم شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے ایثار کی زائد مثالیں یہاں درج نہیں کرتے۔

غیرت صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی مخالف شرع امر دیکھے۔ تو اُسے چاہئے کہ اُسے ہاتھ سے بدل دے یعنی زور بازو سے لوگوں کو اُس سے روکے۔ اگر ہاتھ سے منع نہ کرسکے۔ تو زبان سے منع کرے۔ اگر زبان سے بھی منع نہ کرسکے۔ تو دل سے اُسے بُرا جانے۔ اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے۔ انتہےٰ

جناب موی محبوب عالم صاحب لکھتے ہیں کہ جس مکان میں مائی صاحبہ رہتی تھیں۔ اُس کے پاس والے مکان کی چھت پر ایک شخص پہلوان کھڑا دکھائی دیا۔ اُس کے اِس طرح چھت پر چڑھنے سے بے پردگی ہوتی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ بھائی شریعت کا حکم ہے کہ اِس طرح چھت پر نہیں چڑھا کرتے۔ اُس نے نہ مانا اور کہا میں تو ہمیشہ چڑھا کروں گا۔ حضور نے پھر اُس کو روکا مگر وہ نہ مانا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ او ہم تجھ کو شریعت کا مسئلہ بتاتے ہیں۔ اس طرح چھت پر نہ چڑھا کر۔ اُس نے کہا۔ آپ کی شریعت دیکھی ہوئی ہے۔ فرمایا۔ ہیں!۔ اتنا فرماتے ہی نہ معلوم کس ذریعہ سے حضور لاٹھی ہاتھ میں لئے ہوئے چھت پر نظر آئے اور مار مار کر اُسے بیہوش کر دیا۔ دوسرے روز وہ خدمت میں حاضر ہوا اور توبہ کی۔ انتہٰے۔ اس واقعہ سے حضور علیہ الرحمۃ کی غیرت دینی کا اندازہ بخوبی لگ سکتا ہے۔

شفقت و مرحمت آپ کی شفقت عامہ خلق پر تھی۔ ایک دفعہ آپ کے پڑوس میں ایک چمار مر گیا جب تک اُس کی لاش کو نہ لے گئے۔ حضور نے کھانا نہ کھایا۔ جب اُس کو جلانے کے واسطے لے گئے۔ تو پھر مسجد میں جا کر تھوڑا سا کھایا اور فرمایا کہ پڑوسی ہے۔ جب ان پر غم ہے۔ تو ان سے الگ ہو کر کھانا چاہئے۔

پہلے پہل جب حضور نے اپنے پیر و مرشد کا عرس مبارک انبالہ میں شروع کیا۔ تو ہمسایگان جو چمار وغیرہ تھے سب کو خشک رسد دلوایا کرتے اور فرماتے کہ یہ پڑوسی ہیں۔ ان کا بھی حق ہے۔ مگر بعد ازاں جب چماروں نے خود انکار کیا۔ تو رسد بند کر دی گئی۔

اگر کسی خطا کی وجہ سے آپ کسی درویش پر خفا ہو کر اُس کو مکان سے نکلوا دیتے۔ تو اُس کا کھانا لنگر سے موقوف نہ ہوتا۔ وہ جہاں شہر میں ہوتا۔ اُس کا کھانا وہاں بھجوا دیتے۔ اور فرماتے کہ فقیر متصف باخلاق الٰہی ہوتا ہے۔ وہ رزاق مطلق گناہ کے سبب سے کسی کی روزی بند نہیں کرتا۔ ؎

ولیکن خداوند بالا و پست بعصیاں در رزق بر کس نہ بست

یتامٰے و مساکین و بیوگان پر آپ بڑی شفقت فرماتے اور ان کی خبر گیری کرتے۔ اکثر بیوگان کی روٹی لنگر سے مقرر تھی۔ پردہ دار بیوگان کو وظیفہ کے طور پر عطا فرمایا کرتے۔ جب کوئی یتیم بچہ آپ کے سامنے آتا۔ تو اُس کے سر پر دست شفقت پھیرا کرتے اور ہر طرح اُس کی مدد فرماتے۔ عام بچوں کو مٹھائی اور بتاشے دلوا دیا کرتے۔ اپنی مجلس میں کسی کی غیبت سننا گوارا نہ فرماتے بلکہ فاسق فاجر کی بھی غیبت نہ ہونے دیتے تھے۔

انسان تو درکنار پرندوں پر بھی آپ کی شفقت تھی۔ چنانچہ صاحب ذکر خیر لکھتے ہیں کہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ گیارہ بجے دن کے حجرہ کا دروازہ کھولتے۔ تو اپنے سامنے چڑیوں کو دانے ڈلوایا کرتے اور الگ برتن میں پانی رکھوا دیتے تاکہ وہ بھی کھائیں پئیں۔ ایک روز آپ باہر تشریف لائے۔ ایک چڑیا دانے چگ رہی تھی۔ وہ کواڑوں کی آواز سُن کر اُڑ گئی۔ آپ فرمانے لگے۔ افسوس یہ بھوکی تھی۔ اب جب تک یہ چڑیا آکر دانے نہ چگ لے گی ہم کھانا نہ کھائیں گے۔ درویشوں کو سخت تردد ہوا۔ انہوں نے چاہا کہ کسی اور چڑیا کو پکڑ کر دانے چگادیں۔ آپ نے فرمایا۔ بھوکی تو وہ چڑیا تھی۔ جب تک وہی دانے نہ چگے گی ہم کھانا نہ کھائیں گے۔ وہ چڑیا اڑکر روشندان میں جا بیٹھی۔ فرمایا۔ بھولی آجا۔ اب چگ لے۔ وہ فوراً آئی اور اُس نے دانے چگے۔ جب وہ پیٹ بھر چکی۔ فرمایا۔ اب کھانا لاؤ۔ ہم بھی کھائیں گے۔ بارہا دیکھا گیا کہ جب آپ حجرہ سے باہر درود خوانی میں مشغول ہوتے۔ تو چڑیاں آکر کوئی زانو مبارک پر بیٹھ جاتی اور کوئی سر مبارک پر۔ اور فیضان میں محو ہو جایا کرتیں۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ توکلیہ لکھتے ہیں۔ کہ حضور کو جانوروں پر بھی اس قدر رحم تھا۔ کہ جو کچھ حضور نوش فرماتے۔ اُس میں سے چڑیوں کا حصّہ بھی رکھوا دیا کرتے تھے حتیٰ کہ برف میں سے بھی پرندوں کا حصّہ نکلتا۔ ایک دفعہ ایک درویش نے چڑیا کا حصہ کھالیا۔ دراصل اُس نے یہ سمجھا کہ مجھے عنایت ہوا ہے۔ حضرت گھبرا گئے۔ اس نے معافی چاہی۔ فرمایا کہ تو نے چڑیا کا حصہ کھایا ہے۔ اس سے معاف کرا۔ پرایا حق کیوں کھایا۔ پھر اس درویش نے اپنے حصہ میں سے چڑیوں کو کھلایا۔ ایک دن ایک چڑیا پانی پی رہی تھی۔ حضرت وضو کرنے لگے۔ وہ اُڑ گئی۔ حضرت کو سخت رنج ہوا۔ فرمایا کہ جب تک یہ چڑیا دوبارہ آکر پانی نہ پی لے۔ ہم وضو نہ کریں گے۔ چنانچہ جب اُس چڑیا نے پانی پی لیا۔ تو آپ نے وضو کیا۔

عفو | اگر درویشوں میں سے کسی سے کوئی خطا سرزد ہوتی۔ تو آخر کار آپ معاف فرما دیا کرتے۔ اپنے تو درکنار بیگانے بھی جب صدق دل سے معافی طلب کرتے۔ تو خواہ کتنا ہی سخت جرم ہوتا آپ درگزر فرماتے۔ چنانچہ ذکر خیر میں ہے کہ جب لیکھرام آریہ مارا گیا۔ تو ہندوؤں کو یہ خیال ہوا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے لوگوں کو ہلاک کیا جائے۔ چنانچہ اکثر مقامات میں علماء و صلحاء کو کسی نہ کسی حیلہ سے زہر دیا گیا۔ ایک رات بارہ بجے کے بعد دو ہندو مسلمانوں کے بھیس میں بارادۂ قتل حضور کے پاس آئے۔ آپ اُس وقت تنہا مراقب تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے سر مبارک اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں کانپ گئے۔ آپ نے حسب عادت اُن سے پوچھا کہ کس کام کے واسطے آئے ہو؟

مارے ہیبت کے وہ بول نہ سکے۔ آخرکار نامراد واپس چلے گئے۔ دوسرے روز علی الصباح حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کی کہ ہم سے بڑی خطا ہوئی۔ ہندوؤں نے ہم کو لالچ دیا تھا۔ اس لئے ہم شب کو آپ کے قتل کرنے کے لئے آئے تھے۔ ہماری تمام رات بےچینی میں گزری ہے۔ خدا کے واسطے آپ ہماری خطا معاف فرمائیں اور ہم کو مسلمان کرلیں۔ چنانچہ حضور نے ان کی خطا معاف فرمائی۔ اور دونوں کو مسلمان کرکے رخصت کیا۔

عدل | قرآن مجید (سورہ نساء۔ رکوع اول) میں ایک مرد کے لئے چار عورتوں تک اجازت ہے۔ اگر یہ ڈر ہو کہ ان عورتوں میں عدل نہ کرسکے گا۔ تو اس صورت میں ایک ہی عورت سے نکاح کرے۔ فقہاء رحمہم اللہ تعالٰے نے اس عدل کی یہ تشریح کی ہے کہ اپنی منکوحات کو کھانے اور لباس اور شب باشی و موافقت میں برابر رکھے۔ اب حضور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے عدل پر غور کیجئے۔ جب آپ بڑی اہلیہ صاحبہ کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ تو جس حالت وہیئت میں وہاں جاتے۔ اسی حالت وہیئت میں چھوٹی اہلیہ صاحبہ کے ہاں تشریف لے جاتے۔ ایک دفعہ بڑی اہلیہ صاحبہ کے ہاں سرمہ لگا کر تشریف لے گئے تھے۔ چھوٹی اہلیہ کے ہاں تشریف لے جاتے وقت سرمہ لگانا بھول گئے۔ مکان پہنچ کر یاد آیا۔ وہیں سے لوٹ آئے۔ اور اسی قدر سلائیاں سرمہ کی ڈال کر پھر تشریف فرما ہوئے۔ اسی طرح سے جن کپڑوں میں حضور ایک کے ہاں جاتے۔ انہیں کپڑوں میں دوسری کے ہاں جاتے۔ ایک روز ایک کے ہاں تشریف لے جاتے وقت عصا ہاتھ میں تھا۔ دوسری کے ہاں جاتے ہوئے خالی ہاتھ تھے۔ پھر جو یاد آیا۔ وہی عصا ہاتھ میں لے کر تشریف لے گئے۔ جس قدر باتیں زبان مبارک سے ایک کے ساتھ کرتے اسی قدر دوسری سے کرتے۔ ایک کم و بیش نہ ہوتی۔ اور وقت کا اندازہ بھی اسی قدر ہوتا۔ نہ کم نہ زیادہ۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب لکھتے ہیں کہ ایک روز میں تازی اور نرم چھوٹی چھوٹی دو ککڑیاں حضور کی خدمت میں لے گیا۔ حضور اس وقت گھر میں موجود تھے۔ مائی صاحبہ کو پردہ میں فرما کر مجھ کو اندر بلا لیا۔ میں نے وہ پیش کیں۔ ایک تو حضور نے وہاں ایک چھوٹا بچہ کسی کا کھیل رہا تھا اس کو دے دی۔ دوسری کو اندر بھیجنے کا حکم دیا۔ ابھی وہ دروازے کے باہر ہی تھی کہ واپس منگانے کا ارشاد ہوا اور فرمایا کہ آدھی یہاں دو۔ آدھی دوسرے گھر بھیج دو۔ میں نے عرض کیا۔ حضور یہ اس جگہ دے دی جائے۔ میں دوسری لاکر وہاں پہنچا دوں گا۔ فرمایا شاید تمہارے یاد رہے یا نہ رہے۔ اور اس سے مقدار میں کم ہو یا زیادہ۔ میں نے عرض کیا۔ نہیں حضور اسی قدر ہوگی۔ فرمایا۔ اچھا اس کو ناپ لو۔ اسی قدر

رہے کم و بیش نہ ہو۔ میں نے اُس کا ناپ لے لیا۔ اور پھر اُسی ناپ کی اور گگڑی لاکر حضور کو دکھلا دی
اور وہ دوسرے گھر بھیج دی۔ حضور کو عدل کا اس قدر خیال تھا کہ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ جب حضور کے
وصال کا وقت نزدیک آیا۔ تو چھوٹی مائی صاحبہ نے بڑی مائی صاحبہ کو جن سے حضور پہلے مل آئے تھے اپنے مکان میں
آکر زیارت کرنے کی اجازت نہ دی۔ کیونکہ مکان اِن کی مِلک تھا۔ حضور نے فرمایا ہم کیا کریں۔ مکان
ان کی مِلک ہے۔ پھر دوبارہ ان چھوٹی مائی صاحبہ نے زیارت کرنی چاہی۔ تو فرمایا کہ اب ہم نہیں مل سکتے
کیونکہ تم سے مل کر پھر اُن سے ملنا پڑے گا اور وقت اخیر ہے۔

تقوے

حضور علیہ الرحمۃ کی عادت تھی کہ کھانا کھاتے ہوئے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کو لقمہ
سے دور رکھا کرتے تھے۔ اِس کی وجہ دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم نے مکاشفہ میں
دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت جنگل میں بیٹھی ہے۔ ہزار ہا مولوی و عامل اور قسم قسم کے لوگ طرح طرح
کے حیلوں سے اُسے اپنی طرف مائل و متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ ہم نے
جو دیکھا کہ یہ عورت ہے اُس کی طرف نظر نہ کی۔ اور وہاں سے چلے آئے۔ وہ بھی ہمارے پیچھے پیچھے
چلی اور کہنے لگی۔ حضرت! آپ کیوں تشریف لے جاتے ہیں میں آپ کی خدمتگار و فرمانبردار ہوں۔ مگر ہم نے
ایک نہ سُنی۔ اور بھاگنے لگے۔ وہ بھی بھاگنے لگی۔ اور کہتی تھی کہ اگر آپ حجرے میں تشریف لے جائیں گے۔
میں وہاں بھی آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں گی۔ چنانچہ ہم نے حجرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا
مگر وہ سوراخوں میں سے اندر داخل ہو گئی۔ ہم ہرچند اُسے نکالنا چاہتے تھے۔ مگر وہ نہ نکلتی تھی۔ آخر
ہم نے اپنی انگشت شہادت مار کر اُسے حجرے سے نکال دیا۔ وہ حجرے کے دروازے کے پاس ہی باہر
نکل کر بیٹھ گئی۔ ہم نے اُس کا نام پوچھا۔ تو کہا کہ میں دنیا ہوں۔ اپنے عاشقوں کو تو ذلیل کرتی ہوں۔ مگر
عاشقان الٰہی کی خدمت کرتی ہوں۔ لہٰذا میں یہاں سے ہرگز نہ جاؤں گی۔ اِس تقریر کے بعد حضور علیہ الرحمۃ
نے فرمایا۔ کہ ہم نے جو اس کو اِس انگشت شہادت سے مار کر حجرے سے نکالا تھا۔ یہ انگلی اُس کے بدن
کو چھو گئی تھی۔ اِس لئے ہمارا دل نہیں چاہتا کہ اس انگلی کو کھانے کی چیز پر لگائیں۔

حضور علیہ الرحمۃ کوئی جائداد اپنی ملکیت میں نہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ مکان اور حجرہ وغیرہ بھی سب
حضرت مائی صاحبہ کی مِلک تھے۔ آپ نے اپنے نام پر کوئی شے نہ لی تھی اور نہ آپ کوئی چیز اپنی مِلک
قرار دیتے تھے۔ اگر مائی صاحبہ کسی درویش سے ناراض ہو کر فرماتیں کہ ہمارے مکان سے نکل جا۔ تو
حضور اُس درویش سے حجرے میں نہ ملتے۔ فرماتے کہ یہ اُن کی مِلک ہے اور وہ تجھ سے ناراض ہیں
ہم تجھ سے ناراض نہیں۔ اور حجرے سے باہر تشریف لاکر گلی میں ملتے۔

صاحب ذکر خیر لکھتے ہیں کہ اگر حضور علیہ الرحمۃ سے کبھی کوئی فعل مکروہ تنزیہی صادر ہوگیا۔ تو اُس کا کفارہ خود ہی مقرر فرماکر مسکینوں۔ محتاجوں۔ یتیموں۔ بیواؤں کو تقسیم کراتے کبھی چھ روپے کبھی بارہ روپے۔ میں نے بارہا حضور کا ایسا صدقہ دیا ہوا تقسیم کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تو آپ کا کوئی فعل مکروہ تنزیہی بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ مگر آپ خود ہی فرمایا کرتے تھے۔ اور فرماتے حسنات الابرار سیئات المقربین۔ نیز فرماتے کہ کامل مومن وہ ہے جو خود منصف ہو کر اپنے اعمال کی چھان بین کرتا رہے۔ اور جو چیزیں گندی ہیں اُن کو خود ہی نکالتا رہے۔

حضور علیہ الرحمۃ تین شخصوں کی نذر کسی حال میں قبول نہ فرماتے۔ (۱) ڈوم میراسی کی (۲) طوائف کی اس واسطے کہ گانے بجانے کا پیشہ کرتی ہیں۔ (۳) یتیم بچے کی کہ وہ قابل رحم و پرورش ہے۔ میرے سامنے اکثر میراسی نذر لاتے۔ قبول نہ فرماتے اور جواب دیتے کہ تم گا بجا کر یہ پیدا کرتے ہو۔ ایک دفعہ ایک یتیم بچہ کی ماں نے نذر پیش کی۔ حضور نے نہ لی۔ تو اُس نے عرض کیا کہ حضور! میں اس بچہ کی ملکیت سے نہیں دیتی۔ یہ خاص میری مِلک ہے حضور نے فرمایا۔ اچھا یہ بھی اِسی کی پرورش میں صرف کر دینا۔ اگر کوئی عورت نذر لاتی۔ تو حضور دریافت کرتے کہ یہ نذر تو اپنی مِلک سے لائی ہے یا اپنے خاوند کے مال میں سے۔ اگر وہ کہتی کہ میں اپنی ذاتی مِلک سے لائی ہوں۔ تب تو قبول فرما لیتے۔ اور اگر کہتی کہ خاوند کے مال میں سے لائی ہوں۔ تو فرماتے کہ اچھا پہلے اُس سے اجازت لو پھر لاؤ۔ یہانتک حضور کو اتقاء کا خیال تھا۔ انتہےٰ۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ میں نے کچھ نقدی پیش کی۔ حضور علیہ الرحمۃ نے تامل فرمایا اور پوچھا۔ کیا تمہیں چُنگی سے تنخواہ ملتی ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ اور مولوی سراج الدین صاحب نے جو اُس وقت حاضر خدمت تھے میری تائید کی۔ تو قبول فرمائی۔

چھٹا باب

مکاشفات و واقعات

سیر و سلوک سے مقصود صور و اشکال کا دیکھنا نہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ امر استدلالی کشفی و عیانی ہو جائے جیساکہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ ہم اس باب میں حضور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مکاشفات درج کرتے ہیں تاکہ علاوہ دیگر فوائد کے ایک حد تک حضرت خواجہ بزرگ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ارشاد مبارک کی توضیح بھی ہو جائے۔

ملائکہ کرام علیہم السلام | جناب مولوی سراج الدین صاحب حضرت شاہ صاحب قبلہ سے حسب ذیل روایت کرتے ہیں:۔

(۱) فرمایا کہ ہم نے دیکھا کہ ایک فرشتہ نورانی سبحان اللہ وبحمدہٖ کے ساتھ نغمہ سرائی کر رہا ہے اس نے ہم سے کہا کہ ایک آدھ تسبیح درود شریف کی بھی پڑھ لیا کرو۔ اُس دن ہمارا درود شریف قضا ہوگیا تھا۔ اس واقعہ کو جناب مولوی محبوب عالم صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز ارشاد فرمایا کہ ہمارا ہمیشہ معمول تھا کہ عشا کے وقت درود شریف کی دو تسبیح پڑھ کر سوتے تھے۔ اتفاقاً ایک دن قضا ہوگئیں۔ ہم نے وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ فرشتے بہت ہی خوش الحانی سے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کر رہے ہیں اور ثنائے تعریف میں کہہ رہے ہے کہ وضو کرنے والا دو تسبیح درود شریف کی پڑھ لیا کر و قضا نہ کیا کرو۔

(۲) فرمایا کہ بار دگر دیکھا کہ بندہ سبحان اللہ پڑھتا ہے اور کاتب یمین جھٹ ہمارے نام لمبے لمبے حرف لکھ رہا ہے۔

(۳) فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم فجر کی سنت پڑھ کر بیٹھے تھے کہ دیکھا کہ ایک فرشتہ رزق تقسیم کر رہا ہے۔ اور سب حاضرین مسجد کے آگے گندم کے ڈھیر لگا رہا ہے۔ اُس نے ہمارے سامنے سب سے زیادہ ڈھیر لگایا۔ معلوم ہوا کہ یہ وقت[1] تقسیم رزق کا ہے۔ انتہٰے

صاحب ذکر خیر لکھتے ہیں:۔

(۱) ایک روز کراماً کاتبین کا تذکرہ تھا کہ وہ دائیں بائیں رہتے اور بندوں کے نیک و بد اعمال لکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں بے شک لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم سکرات کی حالت میں تھے۔ ہم نے دیکھا

---

[1] حدیث شریف میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ چنانچہ قطب شعرانی لکھتے ہیں۔

كان انس رضي الله عنه يقول دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم على فاطمة رضي الله عنها بعد صلوٰة الصبح فوجدها مضطجعة فحركها برجله ثم قال لها يا بنية قومي فاشهدي رزق ربك ولا تكوني من الغافلين فان الله يقسم ارزاق الناس ما بين طلوع الفجر الى طلوع الشمس (کشف الغمہ ۔ جزو ثانی ۔ ص۳۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ تو اُن کو لیٹی ہوئی پایا۔ پس اپنے پاؤں مبارک سے انہیں ہلا دیا۔ پھر اُن سے فرمایا۔ اے پیاری بیٹی! اُٹھ۔ اپنے پروردگار کے رزق میں حاضر ہو اور غافلین سے نہ بن۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے رزق طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کے درمیان تقسیم فرماتا ہے۔ انتہٰے۔

کہ دو شخص جن میں سے ایک ہمارے دائیں تھا دوسرا بائیں۔ کاغذ قلم ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں۔ اُنکی عجیب ہی حالت دیکھی۔ وہ اِس طرح تحریر نہیں کرتے جس طرح یہ لوگ لکھتے ہیں۔ اُن کی تحریر اوپر سے نیچے کو ہوتی ہے۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ جب آدمی بات یا کوئی فعل اچھا بُرا کر چکے۔ تب ہی اُسے لکھیں۔ بلکہ ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ آدمی کی زبان اور اُن کے ہاتھ کے درمیان کچھ ایسی کل ہے کہ اِدھر زبان چلی اور اُدھر اُن کا ہاتھ ہلا۔ اِدھر وہ بند ہوئی اُدھر اُن کا ہاتھ بھی رُک گیا۔ اور یہ بات بھی نہ تھی کہ رُکنے کے بعد کاغذ سے قلم الگ ہو جاتا ہو یا دوات وغیرہ کی طرف لیجانا پڑتا ہو۔ بلکہ اُن کے قلم میں کچھ نوری سیاہی نظر آتی تھی۔ اور ہاتھ اور قلم کاغذ سے اُٹھتا نہیں تھا بلکہ وہیں ٹھیرا رہتا تھا۔ جب پھر زبان سے کوئی بات نکلتی۔ تو اُن کی تحریر شروع ہو جاتی۔ چنانچہ ایک دفعہ میں نے دانستہ سکوت کیا۔ تو وہ بھی خاموش ہو رہے۔ پھر میں نے زبان ہلائی تو اُن کا ہاتھ بھی ہلا۔ پھر میں نے تسبیح پڑھنی شروع کی۔ تو انہوں نے بھی جلدی جلدی بڑی سرعت سے لکھنا شروع کیا۔ اور یہ بھی نظر آیا کہ دائیں جانب والا نیک عمل لکھتا ہے اور بائیں طرف والا بدعمل۔ اُس روز سے میں نے یہ عادت کر لی کہ ہر وقت تسبیح اور ذکر و شغل میں ہی اپنی زبان کو ہلاتا ہوں۔ تا کہ میرے نامہ اعمال میں اللہ تعالےٰ کا ذکر زیادہ ہو۔

(۲) ایک روز فرمانے لگے کہ سکرت کی حالت میں ہم سے ایک شخص ملے۔ ہم نے پوچھا آپ کون ہیں؟۔ اُس نے کہا میں ملک الموت ہوں۔ ہم نے پوچھا کہ جانیں تم ہی قبض کیا کرتے ہو۔ اُس نے کہا۔ ہاں۔ میں ہی قبض کیا کرتا ہوں۔ ہم نے پھر پوچھا کہ میرے پیر اور دادا پیر کی جان آپ ہی نے قبض کی تھی۔ کہا ہاں۔ میں نے ہی کی تھی۔ پھر پوچھا کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ کس طرح ان کی جان قبض کی تھی۔ کہا جس طرح جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی کی تھی۔ ہم نے کہا۔ اچھا حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی جانؔ کس طرح قبض کی تھی۔ کہا کہ ایک سیب بہشت سے لا کر اُن کو سونگھایا تھا۔ اُس کی خوشبو کے ساتھ ہی روح اللہ اللہ کرتی ہوئی حضورِ الٰہی میں چلی گئی تھی۔ پھر ہم نے کہا کہ بھلا اب یہ بتلاؤ کہ ہماری جان کس طرح قبض کرو گے؟۔ کہا کہ خدا تعالےٰ کوئی اِس سے بھی بہتر صورت کرے گا۔ اور اُسی طرح میں عمل کروں گا۔

(۳) ایک روز فرمانے لگے۔ کہ ہم نے بچپن میں وعظ سُنا کہ جب کوئی نمازی وضو شروع کرتا ہے۔ تو اُس پر چار فرشتے نور کی چادر تان دیتے ہیں۔ جب وضو کرنے والا ایک بات کرتا ہے۔ تو ایک فرشتہ چادر کا ایک گوشہ چھوڑ دیتا ہے۔ دوسری بات کرے تو دوسرا۔ تیسری بات کرے تو

تیسرا اور چوتھی بات سے جو تھا چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔ ایک درویش نے عرض کیا۔ کہ حضور! پھر تو ضرور ہی بات کرنی چاہئے تاکہ فرشتے چادر چھوڑ دیں اور وہ نور کی چادر وضو کرنے والے کے اوپر آگرے۔ اس پر آپ مسکرائے۔ اور فرمایا کہ ایک روز ہم نے دیکھا کہ ضرور فرشتے اسی طرح چادر تان دیتے ہیں۔ ایک دفعہ وضو کرتے ہوئے ہم نے ایک بات کی۔ تو دیکھا کہ فرشتے نے چادر کا ایک گوشہ چھوڑ دیا۔ ہم نے اُسی وقت استغفار پڑھی۔ تو وہ ٹھیر گیا۔ فرمایا کہ نور کی چادر نیچے نہیں آیا کرتی نور کا خاصہ ہے کہ اوپر کو چڑھتا ہے۔ چنانچہ جب ہم نے وہ بات کی۔ تو وہ گوشہ جو فرشتے نے چھوڑ دیا تھا اوپر کو ہوگیا۔ اور کلام مجید میں بھی ایک آیت سُنی ہے کہ نور اوپر کو ہی جاتا ہے۔ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ اس روز سے ہم نے کبھی وضو کرتے ہوئے کلام نہیں کیا۔ انتہیٰ۔

بہشت و دوزخ جناب مولوی سراج الدین صاحب امور ذیل حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ سے روایت کرتے ہیں:۔

(۱) فرمایا سراج الدین! کیا جنت میں درخت کنار (بیری) بھی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہے۔ پھر میں نے کہا کہ شاید آج حضور نے اشجار جنت میں سے بیری کو دیکھا ہے۔ فرمایا کہ ہم آیہ کریمہ پڑھ رہے تھے۔ دیکھا کہ جب ہم ذکر کرتے ہیں۔ تو جنت کے کیلے اور بیری کی ڈالیاں جھومتی ہیں۔ اور جب خاموش ہو جاتے ہیں۔ تو وہ بھی جھومنے سے بند ہو جاتے ہیں گویا اشجار جنت ذکر الٰہی پر شیفتہ ہیں۔

(۲) فرمایا کہ ہم نے دیکھا کہ جنت میں سونے چاندی کے محل ہیں اور منڈے (لڑکے) کھیل رہے ہیں۔ ایک منڈا ساڈی گود وچ (میں) آبیٹھا۔

(۳) فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم نے دیکھا کہ چھوٹی بیگم جنت میں ایک چارپائی پر بیٹھی ہے اور ہم بھی وہاں ہیں۔ ہم نے کہا۔ بیگم! ہم دنیا کی طرف جاتے ہیں۔ بیگم نے کہا۔ کیا جنت سے دنیا کو جاتے ہو؟ ہم نے کہا کہ ہماری جنت یاد الٰہی اور دیدار خدا ہے۔

(۴) فرمایا کہ ایک مرتبہ لڑکپن میں ہم سے کوئی گناہ ہو گیا۔ تو دو فرشتے نظر آئے اور ہم کو دوزخ کے قریب لے گئے۔ دوزخ ایسا سُرخ تھا جیسا کہ لوہاروں کی بھٹی۔ ایک نے کہا کہ اِن کو اِس میں ڈال دو دوسرے نے سفارش کی کہ بار دگر یہ ایسا نہ کریں گے۔

(۵) ایک مرتبہ آپ مسجد میں نماز عصر کے لئے وضو فرما رہے تھے۔ کسی نے ذکر کیا کہ راجہ پٹیالہ مرگیا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر یہ ذکر نہ کرنا ہم کو اُس کی روح سے بدبو آئی اور وہ دوزخ میں جلتا ہوا

دکھائی دیا۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام | حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اکثر ہوا کرتی تھی۔ جیساکہ واقعات ذیل سے ظاہر ہے۔ جن میں سے پہلے چھ کے راوی جناب مولوی سراج الدین صاحب ہیں:۔

(۱) فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم نے دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک تخت پر جلوہ گر ہیں ہم بجد وجہد حضور کے تخت کے قریب پہنچے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دنیا میں تین شخص ہماری حضور میں آتے ہیں۔ ایک تم اور دو اور۔ راوی کا قول ہے کہ میں نے حضرت شاہ صاحب سے اُن دو کا نام ونشان اور شہر ودیار استفسار کیا۔ مگر آپ نے مجھے نہ بتایا اور فرمایا کہ وہ بھی قطب وقت ہیں۔ اظہار کی اجازت نہیں۔

(۲) فرمایا کہ ایک بار دیکھا کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت مجدّد الف ثانی کے روضہ پر وعظ فرمارہے ہیں۔ فقیر خدمت میں حاضر ہے۔ اور پارچہ برداری کی خدمت بندہ کے سپرد ہے۔

(۳) فرمایا کہ ایک مرتبہ جو زیارت ہوئی تو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ توکل شاہ ہمارا فقیر ہے۔

(۴) فرمایا کہ ایک مرتبہ فقیر روضہ مقدسہ پر حاضر ہوا۔ ایک بزرگ کی روح وہاں وضو کر رہی تھی انہوں نے فرمایا کہ جاؤ۔ نبی کریم یاد کر رہے ہیں کہ انبالہ کا مست اب تک نہیں آیا۔ مگر جناب مولوی محبوب عالم صاحب کی روایت میں اس طرح ہے کہ میاں صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم نے دیکھا کہ ہم ایک حوض پر وضو کر رہے ہیں تاکہ پاک وصاف ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوں۔ اسی اثنا میں دیکھا کہ مولوی محمد سعید صاحب انبالوی حضرت کے دربار سے میرے پاس آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یاد فرمارہے ہیں۔ کہ اس انبالہ والے مست نے اتنی دیر کہاں لگادی۔ میں جلدی وضو سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچا۔ حضور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ اور اپنے سر مبارک کا تاج تو مجھے دے دیا اور خود نیا منگا کر سر مبارک پر رکھ لیا۔ میں نے لے کر پہلے تو اُس تاج کو بڑی محبت کی نگاہوں سے دیکھا اور پھر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اُس دن سے تکمیل ہوگئی۔ اور مخلوق خدا کو بہت ہی ہدایت ہو رہی ہے۔ ہوا کہ یہ مقام تکمیل تھا۔

(۵) فرمایا کہ ایک مرتبہ ہماری روح روضہ منورہ کے اندر داخل ہوئی۔ دیکھا کہ تربت شریف

اندر سے خام ہے۔ ہم نے چاہا کہ غلبہ محبت و فرط عشق میں مزار پر انوار کو چمٹ جائیں (یعنے لپٹ جائیں) مگر حضور سے ممانعت ہوئی۔

(۶) فرمایا کہ ایک مرتبہ ایام جوانی میں کہ ہم تمبا کو بہت کھایا کرتے تھے دیکھا کہ یہ فقیر جناب سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم کے آغوش میں مثل اطفال کے لیٹا ہوا ہے۔ ناگہاں حضور نے فرمایا کہ توکل شاہ! تیرے منہ سے تمباکو کی بو آتی ہے۔ اس روز سے میں نے تمباکو کھانا چھوڑ دیا۔

(۷) مصنف ذکر خیر کا بیان ہے کہ ایک روز میں اور سائیں محمد علی شاہ مرحوم حاضر خدمت مبارک تھے۔ آپ باہر والے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے۔ حضور کے پاؤں مشرق کی جانب تھے اور سر مبارک غرب کی طرف تھا۔ ہم دونوں پاس بیٹھے ہوئے پنکھا ہلا رہے تھے۔ میں نے حضور کے بدن مبارک کی طرف غور جو کیا۔ تو نظر آیا کہ آپ کو سانس مطلق نہیں آتا۔ تقریبًا دس یا پندرہ منٹ تک یہی حال رہا۔ میں نے پریشان ہو کر سائیں محمد علی شاہ سے کہا کہ دیکھو تو حضرت کو سانس نہیں آتا۔ ہم اسی گفتگو میں تھے کہ حضور جاگ اٹھے اور آنکھ کھول کر فرمایا۔ کیا باتیں کر رہے ہو میں نے وہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں ہم مدینہ شریف گئے ہوئے تھے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید آپ خواب میں مدینہ شریف تشریف لے گئے ہوں گے۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے نور باطن سے میرے اس خطرہ پر آگاہ ہو کر فرمایا۔ مولوی صاحب! اللہ تعالٰی کے ایسے بندے اب بھی موجود ہیں جو نظر اٹھانے میں مدینہ شریف پہنچ جاتے ہیں۔ اور نظر نیچی کرنے میں یہاں واپس آجاتے ہیں۔

(۸) شیخنا العلامہ مولانا مولوی حاجی حافظ مشتاق احمد صاحب چشتی صابری ادام اللہ تعالٰی فیوضہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت مخدومنا توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بر سبیل تذکرہ عاجز سے فرمایا کہ ایک مرتبہ خواب میں یہ دیکھا کہ حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں اور مولانا محمد قاسم دیوبندی دونوں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دوڑے کہ جلد حضور تک پہنچیں۔ مولانا محمد قاسم صاحب تو وہاں اپنا قدم رکھتے تھے جہاں حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان ہوتا تھا۔ مگر میں بے اختیار جا رہا تھا۔ آخر مولانا سے آگے ہو گیا اور پہنچ گیا۔

(۹) مولانا ممدوح ہی اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ عاجز محمد مشتاق احمد نے حضرت عارف کامل

سائیں توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو بارہا اس حالت میں دیکھا ہے کہ حضرت محمد دح بعد نماز عصر یہ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ اللّٰھمّ صلّ علےٰ سیّدنا محمّد وعلیٰ اٰل سیّدنا محمّد بعدد کلّ ذرّۃٍ مائۃ الفِ الفِ مرّۃٍ۔ پڑھتے پڑھتے بعض وقت حضوری ہوجاتی تھی اور بے اختیار سر زمین پر جھکا دیتے تھے۔ گویا بیہوش ہوجاتے تھے۔ عجیب فیض اس وقت وارد ہوتا تھا۔

(۱۰) جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبہٹوی اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز بعد مغرب احقر مراقبہ میں شامل تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس قائم ہے۔ حضور سائیں صاحب اندر ہیں۔ اس نابکار کو دربان مجلس شریف کے اندر جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ حضور صلے اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ اس کو نہ روکو۔ اندر آنے دو۔ اِس کے پاس توکل شاہ کا رقعہ ہے۔ میں نے مراقبہ سے فارغ ہوکر عرض کیا۔ توآپ نے فرمایا۔ فلاں وقت دیکھا ہوگا۔ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں! فرمایا اُس وقت حقیقت محمدی کا مراقبہ تھا۔ پھر مجھ کو اس مراقبہ کا طریقہ تعلیم کیا۔

حضور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو دیگر انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی بھی زیارت ہوئی ہے۔ چنانچہ صاحب ذکر خیر لکھتے ہیں۔ کہ ایک روز وصال سے تقریبًا ایک سال پہلے علی الصبح مجھے طلب کیا۔ میں فورًا حاضر خدمت ہوا۔ فرمایا آؤ مولوی صاحب بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ توآپ نے یہ خواب سُنایا۔ فرمایا ہم نے دیکھا کہ ہم یہاں سے چل کر حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے فرمایا۔ آؤ آج رات یہیں رہو۔ چنانچہ ہم وہیں رہ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قلب ایسا ہے کہ جیسا کوئی بہت بڑا گنبد ہو اور جیسے بڑے زور سے نہر کا پانی پڑتا ہے اس طرح نور اُس میں وارد ہو رہا ہے۔ اور اس پر فوراً تجلیات اِس طرح وارد ہو رہی ہیں جیسے بڑے زور سے نہر کا موسلا دھار دہانہ پڑ رہا ہو۔ ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں آپ کے قلب میں داخل ہو کر اندر سے اس کی سیر کرلوں۔ فرمایا۔ ہاں جاؤ خوب سیر کرو۔ چنانچہ اجازت ہوتے ہی میں اُس کے اندر داخل ہوا اور خوب ہی سیر کی۔ بہت ہی بڑا قلب تھا۔ پر ہم نے بھی تمام ہی کی سیر کرلی۔ پھر ہم وہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ انہوں نے بھی فرمایا کہ ایک رات ہمارے ہاں مہمان رہو۔ چنانچہ ہم اُن کے ہاں بھی مہمان رہے۔ کھانا کھایا اور اُن سے اجازت لے کر اُن کے لطیفہ روح کی سیر کی۔ پھر اسی طرح حضرت موسےٰ وحضرت عیسےٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے یہاں اِن کے حکم کے موافق ایک ایک رات مہمان رہے اور کھانا کھایا۔ اور اُن دونوں یعنے حضرت موسےٰ علیہ السلام کے لطیفہ سِتر اور حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کے لطیفہ خفی کی خوب ہی سیر کی۔ پھر حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج رات یہیں رہو۔ چنانچہ ہم وہیں رہے۔ اور کھانا کھایا۔ اور پھر اجازت لے کر آپ کے لطیفہ اخفیٰ کی سیر کی۔ پھر آگے پتہ نہ لگا کہ اُس کی انتہا کہاں تک ہے حقیقت محمدیہ تک تو پہنچے۔ پھر وہاں سے رخصت ہوئے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بڑی بڑی بشارتیں دیں۔ پھر ہماری آنکھ کھل گئی۔ یہ کیا بات تھی۔ وہاں تو ہم اتنی راتیں گزار کر آئے تھے۔ پر یہاں ایک رات بھی پوری نہ گزری۔

ذکر خیر میں ہے کہ ایک روز یہود و نصاریٰ کے کفر و ایمان کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ کہ آپ نے فرمایا۔ عالم رؤیا میں ہم نے دیکھا بھی ہے کہ ایک مرتبہ ہم حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دربار میں پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ ایک بہت عمدہ مکان ہے اور حضرت ابراہیمؑ وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ اور لوگوں کے گروہ کے گروہ دروازے کی طرف آ آکر حضرت ابراہیمؑ سے ملتے ہیں۔ آپ اُن سے بہت ہی خوشی کے ساتھ ملاقات کر رہے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے مجھے اپنے پاس بلا کر بہت ہی محبت سے بٹھایا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور مجھ سے ملتے ہیں کیونکہ میری ملت پر ہیں۔ میں ان سے بہت خوش ہوں۔ پھر میں نے دوسرے گروہ کی بابت دریافت کیا جو دروازے سے نہیں آتا تھا۔ بلکہ جس طرف حجرے کا دروازہ نہیں تھا۔ پشت کی طرف سے آنا چاہتا تھا۔ اور دیوار کے حائل ہونے کی وجہ سے نہیں آسکتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ اب میں ان سے بیزار ہوں۔ کیونکہ یہ جو نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ اِس واسطے یہ میرے طریقہ پر نہیں رہے۔ اور میری ملت سے نکل گئے۔ پھر فرمایا ایک مرتبہ جبکہ ولایت ابراہیمی ہم پر کھلی تھی۔ ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ آپ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا تو حق پر ہے۔ کیونکہ تو ہمارے بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہے۔ انتہیٰ۔

صحابہ کرام و اولیائے عظام جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز تصرف ارواح کے ذکر پر فرمانے لگے۔ مولوی! وہ شخص نادان ہے جو تصرفِ ارواح کا منکر ہے۔ فقیر ایک روز دوپہر کو قیلولہ کے وقت مراقبہ میں مشغول تھا۔ اِس قدر سکر غالب ہوا کہ کچھ خبر نہ رہی۔ نماز میں بھی دیر ہونے لگی۔ اُسی وقت حضرت مالک ذو الفقار حضور امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے مجسم تشریف فرما ہو کر میرے دونوں مونڈھے پکڑ کر زور سے ہلائے اور فرمانے لگے۔ ہوش میں آؤ۔ ظہر کا وقت

قضا ہو جائے گا۔ میں ہوش میں آگیا۔ اور میرے مونڈھے دیر تک دُکھتے رہے۔

صاحب تذکرہ توکلیہ لکھتے ہیں کہ فرمایا۔ ایک دفعہ ہم نے دیکھا کہ روضہ پرنُور پر امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ حاضر ہیں۔ گویا وہاں کے مختار یا داروغہ ہیں۔ گندمی رنگ۔ پوریاں لمبی۔ انگلیاں نازک ہیں۔

جناب مولوی سراج الدین صاحب کا بیان ہے کہ حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کو کشف قبور ایسا تھا۔ کہ مزار پر کھڑے ہوتے ہی اہل مزار کی نسبت نقشبندیہ ہو یا چشتیہ۔ قادریہ ہو یا سہروردیہ۔ فوراً معلوم کر لیتے تھے۔ فرمایا کہ جیسے تم لوگ کھٹاس اور مٹھاس کو چکھ کر بتا دیتے ہو۔ اُسی طرح ہم نسبت کے ذائقہ اور رنگ و بو کو پہچانتے ہیں۔ چنانچہ نسبت آدمی و نوحی و ابراہیمی و موسوی و عیسوی و محمدی کا باہمی فرق الگ الگ بندے کو بتایا جو قابل اظہار و تحریر نہیں۔ فرمایا کرتے کہ شہید کے مزار پر سُرخ رنگ کا نور ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید دہلوی کے مزار پر سرخی نما فیض شہادت کا ہے۔ فرمایا کہ ٹھسکہ میرانجی جو ہم گئے۔ تو میاں بہادر علی شاہ کے مزار پر خوشبودار فیض پایا اور محمد شاہ مست کا فیض کھٹا بودار پایا۔ اگر سڑک پر کوئی مزار مخفی ہوتا تو آپ اُس کی نسبت بتا دیتے اور فرماتے کہ یہاں سے خوشبو آتی ہے۔ انتہیٰ۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب ناقل ہیں کہ ایک روز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم حضرت لکھی شاہ صاحب کی قبر پر مراقب تھے۔ دیکھا کہ خون کا ہار ان کے گلے میں پڑا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ شہید ہیں۔ سائیں لکھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم یہاں کے شاہ ولایت ہیں۔ ہم نے کہا۔ بے شک ہم آپ کے شاہ ولایت ہونے کو مانتے ہیں۔ پھر سائیں لکھی شاہ صاحب نے ہم سے پوچھا کہ آپ کس سلسلہ میں مرید ہیں۔ میں نے کہا مجددی طریق میں۔ لکھی شاہ صاحب نے فرمایا۔ یہ سلسلہ ہمارے بعد کا ہے۔ اور ہم حضرت غوث بہاءالحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۶۶ھ) کے وقت میں ملتان سے یہاں آئے تھے۔ اور تصوف میں انہیں کے سلسلہ (سہروردیہ) میں سے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے گزرے ہیں۔ پھر ہم نے اُن قبروالوں سے جو لکھی شاہ صاحب کے پاس شرقاً غرباً مدفون ہیں پوچھا کہ آپ کس زمانہ میں گزرے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم داؤد علیہ السلام کے زمانے میں اُن کی اُمت میں سے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں یہاں آئے ہیں۔ کافروں سے یہاں بڑی لڑائی ہوئی تھی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اسی وجہ سے اُن کے مُنہ بیت المقدس کی طرف ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں قبلہ اُسی طرف تھا۔ اور اُن کے قد اتنے لمبے ہیں کہ اُن کے پاؤں اُس شرقی دیوار سے باہر نکلے ہوئے ہیں جس میں دروازہ اور چوکھٹ لگی ہوئی ہے۔ پھر فرمایا کہ ہمیں کاشغر سے بھی معلوم ہوا ہے۔

کہ سائیں لکھی شاہ صاحب کے علاوہ یہاں اور بہت سے شہداء کی قبریں ہیں۔ جن کا کچھ نشان ظاہر میں نہیں۔ اور یہ منڈی کا تمام میدان شہیدوں سے پُر ہے۔ اسی وجہ سے میں نے بارہا دیکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ احاطہ کے شرقی دروازے سے داخل ہو کر شمال کی طرف کو لکھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر تشریف لے جاتے تھے اور جنوب کی طرف کو نہیں جاتے تھے۔ کیونکہ اس طرف ان دونوں قبروں والوں کے پاؤں راستہ میں حائل ہوتے ہیں۔ انتہٰی۔

جناب مولوی سراج الدین صاحب لکھتے ہیں کہ ایک روز میں نے میاں صاحب قبلہ سے دریافت کیا کہ نقد روپیہ پیسہ کا لنگر آپ کا کب سے جاری ہے۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم نے دیکھا کہ لکھی شاہ صاحب کی روح اپنی مسجد میں کچھ نقدی فقیروں کو عالم مثال میں تقسیم کر رہی ہے۔ پھر کیسٔہ درہم و فلوس ہمارے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ تم ہی تقسیم کیا کرو۔ اُس دن سے بحکم الٰہی فتوحات نقد زیادہ ہونے لگیں۔ فرمایا کہ ہم نے مراقبہ میں شاہ عبد الرسول صاحب شاہ ولایت انبالہ کو دیکھا کہ نقاب پوش ہیں جیسا کہ عالم حیات میں تھے۔ اور فرمایا کہ ایک مرتبہ دہلی میں حکیم لطیف حسین کے مکان پر دیکھا کہ شاہ صاحب فرما رہے ہیں کہ توکل شاہ! ہم تیرے پاس جنت سے آئے ہیں۔ تو انبالہ جلدی چلا آ۔ انتہٰی۔

بعض دیگر اولیاء اللہ کے حالات پہلے آ چکے ہیں جن کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

فضائل درود شریف | جناب مولوی سراج الدین صاحب روایت کرتے ہیں کہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ حدیث شریف میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالٰی اُس پر دس بار درود و رحمت نازل فرماتا ہے اس کی صورت ہم نے یہ دیکھی کہ ایک بار ہم حجرہ میں ذکر میں مشغول تھے۔ ہم نے ایک بار درود شریف پڑھا۔ دیکھا کہ نور کا ایک بادل آیا اور وہ ہم پر دس بار برسا۔ نیز فرمایا کہ درود شریف پڑھنے میں ہم نے آسمان سے سفید پھول برستے دیکھے۔ سفید پھول سے مراد نور رحمت ہے۔ انتہٰی۔

صاحب تذکرہ توکلیہ بروایت مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مدرس لکھتے ہیں کہ میاں صاحب قبلہ اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا محمد بعدد کل معلوم لک و بعدد کل ذرۃ مائۃ الف الف مرۃ وبارک وسلم کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز شام کے وقت بعد مغرب میں میاں صاحب کے ساتھ مراقبہ کے لئے کوٹھے پر چڑھا۔ آپ نے مجھے حضور میں طلب فرمایا۔ اور فرمایا کہ ابتدا میں جب میں نے یہ درود پڑھنا شروع کیا۔ تو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر میرے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا۔ انتہٰی۔ جناب مولوی محبوب عالم صاحب اِس

صیغہ کی نسبت یوں لکھتے ہیں۔ کہ میاں صاحب قبلہ نے فرمایا۔ کہ ایک دفعہ ہم نے جو یہ صیغہ پڑھا تو دیکھا کہ ایک باغ ہے۔ اور ایک نوری چبوترہ پر حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں۔ میں جا کر نہایت ادب سے ملا۔ تو آپ سینہ سے لگا کر ملے۔ اور پھولوں کا ہار میرے گلے میں ڈال دیا۔ انتہےٰ۔ مگر جناب مولوی سراج الدین صاحب یوں بیان کرتے ہیں کہ میاں صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ہم نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرمارہے ہیں کہ جب تم یہ صیغہ درود شریف کا پڑھتے ہو۔ تو ہم پھولوں کا ہار تمہارے گلے میں ڈالتے ہیں۔ میں نے حضور علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ وہ صیغہ کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ صیغہ یہ ہے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ۔ انتہےٰ جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب نے رسالہ توسل بالنبی والولیؒ میں یوں لکھا ہے۔ زبدۃ الاولیا المتاخرین مرشدی سائیں توکل شاہ صاحب نے مجھ سے براہ راست فرمایا ہے کہ مولوی صاحب! جس وقت میں یہ درود شریف پڑھتا ہوں۔ تو میں دیکھتا ہوں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک مجسم ہو کر میرے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالتی ہے۔ سائیں صاحب رہ نے میری خواہش پر مجھے بھی اس درود شریف کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ درود شریف یہ ہے۔ اللھم صل علی محمد وعلے ال محمد بعدد کل معلوم لك۔ انتہےٰ۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ان ہر سہ روایات میں تطبیق بآسانی ہو سکتی ہے کما لا یخفیٰ۔

کشف قلوب | خطرات سے آگاہی مقام ارشاد کے لوازم سے ہے۔ حضور علیہ الرحمۃ کو اشراف خواطر کمال درجہ کا تھا۔ جناب مولوی سراج الدین صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضور کے روبرو کچھ بات کہتے ہوئے رُک گیا۔ آپ نے فرمایا۔ سراج الدین! تو کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور نے کس طرح جانا۔ فرمایا کہ ایک روشنی اندر سے باہر آکر واپس چلی گئی۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب لکھتے ہیں:۔

(۱) ایک روز اُس جگہ جہاں اب حضور کا روضہ مبارک ہے۔ ایک کنجری سیاہ نام آئی۔ اُس نے عرض کیا کہ حضور میرے لئے دعا فرمائیں۔ ایک درویش حضور کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے دل میں خیال کیا کہ اگر اس کنجری کا نکاح میرے ساتھ ہو جائے تو بہتر ہے۔ حضور نے اُس کے خطرہ پر آگاہ ہو کر پیچھے کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ اوہوں! یہ تیرے لائق نہیں۔ اور اُس کے واسطے دعا فرمائی۔ دوسرے ہی روز وہ کسی کے ساتھ نکاح کر کے چلی گئی اور پیشہ قطعی چھوڑ دیا۔ وہ درویش صاحب نسبت تھا۔ اُس سے فرمایا کہ تیرا نکاح کہیں اور اچھی جگہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

(۲) ایک درویش انبالہ آئے ہوئے تھے۔ انبالہ میں ان کے کچھ مرید بھی تھے۔ میں عصر کے بعد حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت سے واپس جارہا تھا۔ جب میں اُس چھوٹے سے پُل کے پاس پہنچا۔ جو حضرت صاحب کے روضہ کے پاس غرب کی طرف واقع ہے۔ تو وہ درویش بھی سامنے سے آملے۔ اور مجھے خطاب کرکے کہا۔ مولوی صاحب! آپ عالم و فاضل ہیں۔ بڑے بزرگ ہیں۔ آپ کے پیر عصر کی نماز دیر کرکے پڑھتے ہیں۔ آپ انہیں نصیحت کریں۔ قرآن شریف میں آیا ہے حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰى۔ اور وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اس کی حفاظت ضرور کرنی چاہئیے۔ میں نے جواب دیا کہ اس حفاظت سے مراد فوت نہ ہونے دینا ہے۔ یعنی نماز عصر کو فوت نہیں ہونے دینا چاہئیے۔ باقی آپ وہاں جاتے ہی ہیں۔ تقدیم و تاخیر کے بارے میں خود حضور میں ہی عرض کردینا۔ وہ تو آگے نکل گئے۔ اور میں پھر واپس حضرت صاحب کی خدمت میں گیا۔ لیکن دانستہ تھوڑی دیر اِس واسطے کی کہ مبادا حضرت صاحب کے دل میں میری طرف سے کوئی خیال گزرے۔ وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ مارے ہیبت کے ان درویش کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ سوال کرسکیں اور بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ آپ نے خود ہی فرمایا۔ یہ لوگ اچھے ہیں۔ اور اُن کو آسانی ہے۔ فقط قلبی ذکر کو فقیری سمجھ بیٹھے ہیں اور آگے قدم نہیں اُٹھایا۔ صرف اِسی پر قناعت کرکے بیٹھ رہے۔ جب وہ حالت اِس فقیر پر وارد ہوئی جو غوث بہاء الحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ پر وارد ہوئی تھی اور انہوں نے دو برس تک تہ بند تک نہیں باندھا تھا اور بیہوش جنگلوں میں پڑے رہتے تھے اور کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کو تہ بند ہی بندھوا دیتا نماز کا تو کیا ذکر تھا۔ اِس فقیر نے اُس حالت میں بھی کبھی نماز قضا نہیں ہونے دی۔ اِس فقیر کی پرورش روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی مہربانی رہی ہے کہ باوجود اِن حالات کے ابتدا سے آج تک کبھی نماز قضا نہیں ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل اور روح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پرورش ہی کی برکت ہے کہ کبھی نماز نہیں قضا ہوئی ورنہ اِن مقامات میں حضرت غوث بہاء الحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ جیسوں کی نماز بوجہ سکرت اور غلبۂ حال کے رہ گئی ہے۔

(۳) ایک روز حضرت صاحب علیہ الرحمۃ مع ایک درویش کے مکان سے باہر نکل کر سڑک پر کھڑے ہوگئے۔ ایک شخص آیا۔ سلام علیک کی۔ اور مصافحہ کرکے رخصت ہوگیا۔ ابھی شاہ عبد الرسول صاحب کے باغ کے گوشہ کے قریب ہی پہنچا تھا کہ پھر لوٹا اور آکر سلام کیا اور رخصت لے کر چلا گیا۔ اِسی طرح تین دفعہ اُس نے کیا۔ تیسری بار آپ ایک مخلص سے فرمانے لگے۔ تم نے دیکھا۔ یہ شخص کیا کر رہا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ حضور یہ شخص کچھ بے سمجھ سا ہے۔ فرمایا۔ بے سمجھ تو نہیں ہے۔ اِس کے پاس
ہماری ایک شے ہے۔ وہ اسے جانے نہیں دیتی اور کھینچ کر پھر لاتی ہے اور یہ دیتا نہیں۔ چوتھی بار
پھر آیا اور عرض کرنے لگا کہ حضور مجھے ایک شخص نے دس روپے حضور کو دینے کے لئے دئے تھے۔
مجھے ضرورت تھی۔ میں چاہتا تھا کہ اپنا کام کر لوں۔ حضور کو پھر دے دوں گا۔ مگر جب حضور کے
پاس سے جاتا ہوں۔ تو میرا دل پکڑا جاتا ہے۔ جب حضور کی طرف رجوع کرتا ہوں تو چھوٹ جاتا ہے۔
سو لیجئے یہ حضور کا مال ہے۔ حضور نے اُس درویش سے فرمایا کہ لے لو۔ یہ حلال طیب مال ہے۔ اس نے
لے لیا پھر اُس شخص سے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے میں سے تو نہیں رکھ سکتا۔ کسی کی امانت میں خیانت
منع ہے۔ ہاں اگر تجھے ضرورت ہے تو اب لے لے۔ اُس نے نہ لئے اور کہا کہ حضور دعا کریں میرا کام ہو جائے
حضور نے دعا فرمائی اور وہ چلا گیا۔ انتہےٰ۔

جناب مولوی نور احمد صاحب مولف تذکرہ توکلیہ لکھتے ہیں کہ ایک دن نامہ نگار حاضر خدمت ہوا
دل میں یہ خیال تھا۔ کہ میں ایک لکچر دوں کہ سب لوگ واہ واکریں۔ اور یوں کہوں اور اس طرح بیان
کروں۔ جب مجھے پاس بیٹھے ہوئے اپنے دل میں ایسے ایسے منصوبے گھڑتے کچھ دیر ہو گئی۔ تو حضرت
نے فرمایا کہ بھائی یوں طالب کمال نہیں ہونا چاہئے۔ کہ جس سے غرور پیدا ہو۔ انتہےٰ۔

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبہٹوی گورنمنٹ سکول انبالہ شہر میں ملازم تھے۔ یہاں سے
ان کی تبدیلی حصار سکول میں ترقی پر ہو گئی۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ نے اُن کی روانگی سے پہلے
خلیفہ مظفر علی خاں صاحب کو بذریعہ ڈاک اطلاع دے دی۔ غرض یہ حصار میں پہنچ کر خلیفہ صاحب
موصوف سے ملے اور پھر چند روز کے بعد بوجہ تعطیل انبالہ میں حاضر خدمت ہوئے۔ اس ملاقات و
زیارت کی تفصیل جناب مولوی صاحب خود یوں تحریر فرماتے ہیں۔

جب احقر خاں صاحب سے مسجد میں ملا۔ میں نے خاں صاحب سے کہا کہ کیا کوئی مکان میرے
لئے تلاش کر کے رکھا؟ آپ نے فرمایا کہ مکان نہیں ملا۔ مجھے یہ خیال آیا کہ اِس قدر محبت کا دعوے۔
پھر شاہ صاحب نے پہلے سے اطلاع بھی دے دی۔ مگر خاں صاحب نے خیال ہی نہیں کیا۔ اس کے
ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ خاں صاحب تو خود ہی ایک غیر شخص کے مکان میں عارضی طور پر رہتے ہیں۔
یہ مجبور ہیں۔ واقعی مکانات کی کمی ہے۔ چند ہی روز کے بعد سکول کی بڑی تعطیل ہوئی۔ میں نے خیال
کیا کہ گو اِدھر سے وطن جانے کے لئے چکر اور خرچ بھی زیادہ ہو گا۔ مگر شاہ صاحب کی زیارت پر جان و
مال قربان ہے۔ احقر انبالہ حاضر ہوا۔ بارہ بجے تھے۔ آپ وظیفہ شروع کرنے والے تھے۔ میں نے

رحیم بخش خادم سے کہا کہ بھائی! میرے پاس سہارنپور کا ٹکٹ ہے۔ تو شاہ صاحب کی خدمت میں خبر کردے اگر بلالیا زہے قسمت ورنہ دور ہی سے زیارت کر کے رخصت ہو جاؤں گا۔ رحیم بخش کے خبر کرنے پر۔ قربان جائیں اِس عنایت پر۔ سائیں صاحب فرمانے لگے کہ سید کی زیارت اور درود شریف پڑھنا ایک ہی بات ہے۔ مولوی کو فوراً بلاؤ۔ میں خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام کہا۔ جواب اور مصافحہ کے بعد فرمانے لگے کہ حصار سے تیری روح آئی تھی۔ مظفر خان صاحب کی شکایت کرتی تھی۔ ہم نے تیری روح کی تسلی کردی تھی کہ یہ بیچارہ خود مجبور ہے۔ یہ میرے اُس خیال کا اظہار تھا جو خاں صاحب سے ملاقات کے وقت میرے دل میں آیا تھا۔ اور اس کا دفیعہ بھی ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ اللہ اکبر! یہ کشف کہ گویا تمام قلوب کے حالات سامنے ہیں۔ انتہٰی۔

شب قدر فرمایا کہ فقیر کو دو تین مرتبے شب قدر دکھائی دی۔ ایک مرتبہ تجلی صاف اور تیز تھی۔ بار دگر ذرا پھیکا رنگ۔ فرمایا کہ ماہ رمضان میں ستائیسویں رات کو ایک دفعہ مغرب سے آثار خیر و برکت نمودار تھے۔ ہم دو بجے تک جاگتے رہے۔ ایک بڈھے کے ہاں ہماری سحری کی دعوت تھی۔ وہ ہمیں قریب کے محلہ میں لے گیا۔ دو اور تین بجے کے مابین وہ بڈھا ہمارے ہاتھ دُھلا رہا تھا۔ بادل ہو رہا تھا۔ کچھ ترشح بھی تھا کہ یکایک تجلی پھیل گئی۔ بڈھا تو تاب نہ لایا اور گر پڑا۔ ہماری نظر بھی خیرہ ہو گئی۔ ہم پر رقت اور قشعریرہ طاری ہوا جو مصافحہ جبرئیل علیہ السلام کی علامت ہے۔ ہم نے جلد جلد کئی دعائیں مانگیں۔ جن کا ظہور صبح سے شروع ہوا۔ اور حضرت مرزا مظہر جانجاناں کی طرح احوال و واردات کھلنے لگے۔ (روایت مولوی سراج الدین صاحب)۔

سعید و شقی کی شناخت ایک مرتبہ بعد مغرب عوام زائرین میں سے دو شخص توجہ میں آ بیٹھے۔ آپ نے اُن میں سے ایک سے فرمایا کہ تو درود شریف بہت پڑھا کر۔ وہ شخص فسق و فجور میں بہت مبتلا تھا۔ جب وہ دونوں چلے گئے۔ تو ایک درویش نے عرض کیا حضور! یہ درود شریف کیا پڑھے گا۔ اِس کی حالت تو خراب ہے۔ فرمایا۔ نہیں۔ اس کا اخیر اچھا ہے۔ ایک شخص نے پھر عرض کیا کہ حضور! آپ نے یہ کیسے معلوم کر لیا کہ اس کا اخیر اچھا ہے۔ فرمایا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر شخص کی روح کے گلے میں ایک نور کی تختی کا ٹکڑا پڑا ہوا ہوتا ہے۔ جس پر لفظ سعید یا شقی لکھا ہوا ہوتا ہے۔ میں نے جو ان کی روحوں کی طرف نظر کی۔ تو دیکھا کہ نوری تختیوں کے ٹکڑے جو ان کی روحوں کے گلے میں پڑے ہوئے ہیں اُن پر لکھا ہوا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اُس دوسرے شخص کا کلمہ شریف تو چمک رہا تھا اور اس کا ذرا گدلا سا تھا۔ مگر لفظ سعید اس کی تختی پر بھی

لکھا ہوا تھا۔ اس سے ہم نے سمجھ لیا کہ اِس کا خیر اچھا ہے۔ اور درود شریف ہم نے اس لئے بتایا کہ اِس کی تختی کا گدلاپن دور ہو جائے۔ حضرت میاں صاحب قبلہ کے ارشاد سے پایا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی آیہ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا میں طائر سے مراد وہی نوری تختی کا ٹکڑا ہے جو سب لوگوں کی روحوں کے گلے میں پڑا ہوا ہے (روایت مولوی محبوب عالم صاحب)۔

حلال و حرام کی شناخت جب نقدی یا طعام آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔ تو اُسے بنظر کشفی دیکھتے اگر مشتبہ یا حرام پاتے۔ فوراً انکار کر دیتے یا لے کر کسی دوسرے کو دے دیتے۔ اور جو حلال ہوتا۔ تو اُسے لے کر گھر یا لنگر میں بھیج دیتے۔ جناب مولوی سراج الدین صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے روبرو چھاؤنی انبالہ میں ایک رسالدار کچھ روپے بطور نذر لے کر آیا۔ حضرت علیہ الرحمۃ اُس کی نذر ہمیشہ لے لیا کرتے تھے۔ مگر اس دفعہ آپ نے انکار کر دیا۔ جب میں نے دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ روپیہ رشوت کا تھا جس وقت اُس نے ہمارے سامنے پیش کیا اور ہم نے اُسے مس کیا۔ تو آگ کی سی حرارت محسوس ہوئی۔ ایک دفعہ کسی ڈپٹی نے ایام عرس میں سات روپے آپ کی نذر کئے۔ آپ گھبرا گئے اور اُن کو باہر تقسیم کرا دیا۔ انتہیٰ۔

جناب قاری سید اکرام حسین صاحب اپنا چشمدید واقعہ لکھتے ہیں کہ میرے سامنے منشی بہرام خان صاحب انسپکٹر پولیس پنشنر نے حضرت صاحب کی خدمت میں نذر پیش کی۔ حضرت نے قبول نہ فرمائی۔ پوچھا کہ تیرے پاس کوئی اور روپیہ ہے۔ منشی صاحب نے عرض کیا کہ ہاں حضور ہے۔ چنانچہ دوسرا روپیہ پیش کیا۔ وہ بھی قبول نہ فرمایا۔ غرض تیسری دفعہ تیسرا روپیہ قبول فرمایا۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز تھانہ دار شاہ آباد حاضر خدمت ہوا اور اُس نے بائیں جانب کی جیب سے دو یا تین روپے نکال کر بطور نذر پیش کئے۔ حضور نے اشارہ سے فرمایا۔ ہُوں ہُوں! دوسری جیب سے۔ اس پر تھانہ دار نے دوسری جیب سے کچھ روپے نکالے اور پہلے جو ہاتھ میں تھے اُن کے ساتھ ملا کر پیش کئے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ جا۔ اب ہم یہ دونوں نہیں لے سکتے۔ وہ بھی خراب ہو گئے لے جاؤ۔ جب تھانہ دار باہر نکلا۔ تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی۔ اُس نے کہا۔ کہ میں نے تنخواہ لی تھی اور ارادہ تھا کہ اُس میں سے حضرت شاہ صاحب کو نذر دوں گا۔ راستے میں ایک شخص نے کچھ روپے رشوت کے مجھے دئے۔ وہ میں نے دوسری جیب میں ڈال لئے۔ مگر پیش

کرتے وقت غلطی سے رشوت کے روپے پیش ہو گئے جو منظور نہ ہوئے۔ دوسری جیب سے جو نکال کر دینے لگا تو وہ روپے بھی ان ہی مل گئے۔ اِس واسطے اب وہ سارے ہی خلط ہو گئے۔ انتہیٰ۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ مشتبہ طعام کا حال بعد میں معلوم ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ جناب مولوی سراج الدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ چھاؤنی انبالہ میں اکرم پٹواری نے جس کی دو زوجہ تھیں آپ کی دعوت کی۔ رات کو کباب اور گاجر کا حلوا کھلایا۔ اُس وقت کچھ معلوم نہ ہوا۔ مگر صبح کو مراقبہ سے اُٹھ کر فرمانے لگے کہ رات کے کھانے میں کچھ تھا۔ میں نے عرض کیا۔ کیا زہر تھا؟ فرمایا۔ زہر فقیروں کو کون دے گا۔ وہ رشوت کا مال تھا۔ ہم نے اِس وقت دیکھا کہ میری اور تیری انگلیاں گندگی میں آلودہ ہیں۔ اِس پر آپ نے خود یہ قصہ بیان کیا کہ کریم بخش تھانہ دار نے ہماری دعوت کی۔ ہم نے دیکھا کہ کھانے میں سر کے بال اور خون ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ طعام رشوت کے مال کا تھا۔ ہم نے اُسے بلا کر توبہ کرائی۔ اُس نے پھر دعوت کی۔ ہم نے دیکھا کہ کھانے میں بھڑوں کے بچّے ہیں۔ پھر توبہ کرائی اور آیندہ اُس کی دعوت کھانی ترک کر دی۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جن ایام میں لیکھرام آریہ مارا گیا ایک روز بعد مغرب میں حضور سے رخصت ہو کر اپنے قیامگاہ کی طرف چلا۔ جب باہر نکلا۔ تو ایک شخص نے نفیس شیرینی مجھ کو دے کر کہا کہ یہ حضرت صاحب نے آپ کو دی ہے۔ میں نے وہ لے لی اور چل دیا۔ اتنے میں حضور نے نور باطن سے معلوم کر کے ایک آدمی کو دوڑایا۔ کہ مولوی صاحب کو کہو کہ راستے میں اگر کوئی شخص مٹھائی دے۔ تو مت کھانا۔ وہ آدمی مجھ کو آوازیں دیتا تھا۔ لیکن مجھے کچھ سنائی نہ دیا۔ اِس اثناء میں راستے میں کیچڑ آیا۔ میں نے کھانے کا ارادہ کیا۔ مگر اُس کیچڑ کو جو پھلانگنے لگا۔ تو وہ شیرینی اس میں گر گئی اور میں بھی ورلے کنارے گر گیا۔ اتنے میں وہ آدمی آ پہنچا۔ کہنے لگا کہ حضور نے فرمایا ہے کہ مٹھائی نہ کھانا۔ میں نے کہا۔ وہ تو پہلے ہی تمام کیچڑ میں گر گئی۔

مسائل مہمہ حاضرہ | (۱) شیخنا العلامہ مولانا مولوی حاجی حافظ مشتاق احمد صاحب چشتی صابری کا بیان ہے کہ کسی زمانہ میں غیر مقلدین انبالہ نے بحث مباحثہ اہل سنت مقلدین سے شروع کر رکھا تھا۔ نا اتفاقی زیادہ ہو گئی تھی۔ حضرت سائیں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن دنوں کا قصّہ مجھ سے اس طرح فرمایا۔ کہ مجھے یہ خیال آیا کہ غیر مقلدین جب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہیں۔ تو اُن کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے۔ اور فکر میں تھا کہ اِس کے متعلق مجھے جو حق ہو معلوم ہو جاوے۔ آخر الامر ایک شب یہ خواب دیکھا کہ ایک احاطہ میں حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

رونق افروز ہیں۔ اس احاطہ کا صرف ایک دروازہ ہے۔ گرداگرد دیوار ہے۔ دیوار کے باہر نصاریٰ بھی کھڑے ہیں۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نصاریٰ کی پشت ہے۔ اور غیر مقلدین بھی دیوار احاطہ کے باہر ہیں۔ اُن کا چہرہ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ مگر اندر جانے کا دروازہ اُنہیں نہیں ملتا۔ دیوار احاطہ کے باہر کھڑے ہیں۔ اور اہل السنت والجماعت مقلدین حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بے تکلف دروازہ سے اندر جاتے ہیں اور حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خواب دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ مقلدین امام اعظم و دیگر مقلدین ائمہ حق پر ہیں اور غیر مقلدین غلطی پر ہیں۔ کہتا ہے عاجز محمد مشتاق احمد کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اِس قصہ خواب کے ذکر کرنے کے بعد انبالہ ہی میں اِس عاجز نے حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ مدرس اول دیوبند کو خواب میں دیکھا کہ عاجز سے فرماتے ہیں۔ تو کل شاہ نے جو خواب تمہارے سے بیان کیا۔ وہ صحیح ہے۔ میں بھی وہاں حاضر تھا۔ انتہیٰ۔

(۲) جناب مولوی محبوب عالم صاحب حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وسعت علم کا حال حضور علیہ الرحمۃ سے یوں نقل فرماتے ہیں۔ کہ فرمایا کہ ایک دفعہ ہم مراقبہ میں تھے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا حوض ہے جس کا پانی سبز رنگ کا ہے اور بہت ہی گہرا ہے۔ ہم نے بہت ہی غوطے لگائے اور بہت ہی زور مارا۔ مگر اُس کی تہ کا پتہ بالکل نہ لگا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ اُس حوض میں سے کچھ نہریں نکلی ہوئی ہیں۔ اور حوض کے کناروں پر بہت سی چرخیاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ پانی نہر کے ذریعہ سے بھی نکل رہا ہے۔ اور چرخیوں کے ذریعہ سے بھی کھینچتے ہیں۔ اور اِن کے علاوہ اور بھی ہزارہا خلقت پانی کھینچ رہی ہے۔ مگر پانی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ ہم نے پوچھا۔ یہ کس کا حوض ہے کہا گیا کہ یہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا حوض ہے۔ تمام عمر اِسی طرح کھچتا رہے۔ تو بھی یہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ باقی حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کے علم کے حوض بھی ہم نے دیکھے ہیں۔ وہ پاس ہی تھے۔ گو وہ اپنی مقدار کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں مگر اُس حوض کے مقابلہ میں بہت چھوٹے نظر آتے ہیں۔ اُس روز سے ہم کو حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ سے اِس قدر محبت ہو گئی ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتے۔ نہروں کی بابت جو ہم نے پوچھا تو جواب ملا کہ یہ امام محمد کی نہر ہے۔ یہ امام ابو یوسف کی ہے۔ یہ امام زفر کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ حوض کا پانی سبز رنگ کا تھا اس سے ہم نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام شریعت کا نور اِدھر ہی آگیا ہے۔ انتہیٰ۔

(۳) ایک روز تقلید شخصی کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا استنباط اور آپ کی عبادت اور زہد و تقوٰے اللہ تعالٰے کی بارگاہ میں منظور و مقبول ہو چکا ہے۔ مسائل شرعیہ بنفس ذاتہا تو خوبصورت تھے ہی۔ اب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلوص کی وجہ سے یہ عنایت اللہ تعالٰے نے حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ پر فرمائی کہ جو کوئی آپ کے استنباط پر عمل کرے۔ اس کے کسب و عمل میں بھی یہ طاقت آجاتی ہے کہ اللہ تعالٰے کی بارگاہ میں منظوری و قبولیت کے لائق ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص کی ذاتی تحقیق میں یہ طاقت نہیں ہو سکتی کہ بارگاہ خداوندی میں منظور و مقبول ہو سکے۔ اس لئے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے استنباط اور طریقہ پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۴) ذکر خیر میں سلاسل اربعہ صوفیہ کرام کی حقیقت اور سلسلہ نقشبندیہ کی فضیلت کے بارے میں حضرت شاہ صاحب قبلہ سے یوں منقول ہے۔ کہ فرمایا۔ ایک فضیلت تو نقشبندی سلسلہ کی عالم رؤیا میں یہ دیکھی تھی۔ کہ ایک دفعہ زیارت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی ہوئی۔ دیکھا کہ میں آپ کے حضور میں بیٹھا ہوں۔ اور آپ کے سینہ مبارک سے چار نہریں نکلی ہیں اور تمام عالم میں جاری ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف فرما ہیں۔ منجملہ ان کے ایک نہر اتنی بڑی ہے کہ وہ اکیلی ہی ان تینوں کے برابر ہے۔ اور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس بڑی نہر میں بیعت فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس نہر کا کیا نام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نقشبندی نہر یہی ہے۔ جس وقت بیعت کی قبولیت کے واسطے فرمایا۔ تو میں نے عرض کیا کہ طفیل اپنے میاں صاحب (پیر) کے اس طریقہ کی بیعت کو قبول کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ یہی نہریں ہیں جو قیامت تک میری امت کے اولیاء میں جاری اور مجھ تک پہنچاتی رہیں گی۔

(۵) جناب مولوی محبوب عالم صاحب کا بیان ہے۔ کہ ایک روز میں نے عرض کیا۔ کہ حضور ایک شخص نے آج مجھ سے سوال کیا تھا کہ یہ جو ایصال ثواب ہے کہ کھانا وغیرہ پکا کر اللہ تعالٰے کے واسطے کھلاتے ہیں۔ یہ کھانا پانی وغیرہ تو کھلانے والوں کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ پھر میت کو کیا چیز پہنچتی ہے۔ اور اگر پہنچتی ہے تو کس طریقہ سے۔ فرمایا ہم کچھ پڑھے ہوئے تو ہیں نہیں۔ مگر اس کے بارے میں جو بات ہم کو معلوم ہوئی وہ اس طرح ہے۔ کہ ایک دفعہ ہم نے اپنے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ختم دلایا۔ اور رکابیوں میں کھانا ڈال کر اور سب کے آگے چن کر ان پر فاتحہ کہلائی۔ بحالت مکاشفہ یہ کیفیت دیکھی کہ ان رکابیوں کی نوری شکل بن گئی ہے طعام سے بھری ہوئی۔ اور وہ نوری شکل کی رکابیاں طعام کی بھری ہوئی آسمان پر چڑھ رہی ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ آسمان سے

وہی نوری شکل کی رکابیاں اتر کر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر میں جا رہی ہیں اور آپ
اُن میں سے کھانا کھا رہے ہیں۔ اُس وقت ہماری سمجھ میں آیا کہ جس طرح اِس بدن کی غذا یہ دنیا وی
چیزیں ہیں اور بدن ان کو کھا کر مضبوط ہوتا ہے اسی طرح روح کی غذا نور ہے۔ اور روح اُسے کھا کر
تقویت حاصل کرتی ہے۔ مرنے کے بعد بدن کو تو غذا کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ وہ فنا ہو جاتا ہے
البتہ روح کو غذا کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ چونکہ یہ دنیاوی کھانے روح کی غذا نہیں بن سکتے۔
اس لئے ضروری ہوا کہ ان کھانوں کو نور سے بدلا جائے تاکہ روح کھا سکے۔ اور نور سے بدلنے کا
یہ طریقہ ہے کہ یہ طعام اللہ تعالےٰ کے واسطے اُس کے بندوں کو کھلا دیا جائے۔ پھر اللہ تعالےٰ
منظور فرما کر کھلانے والوں کو اُس کے بدلے نوری کھانا جیسا کہ جنت میں جنتیوں کو ملتا ہے اُسی
طعام کی مثل دے دیتا ہے۔ مثلاً اگر کسی نے اللہ کے واسطے دودھ دیا۔ تو اللہ تعالےٰ اُس کے بدلے
دودھ ہی دیتا ہے مگر نور کا۔ ایسے ہی کسی نے روٹی دی۔ تو اللہ تعالےٰ اُس کے بدلے دیتا تو روٹی ہی
ہے۔ مگر ہوتی ہے وہ روٹی نور کی۔ جیسا کہ جنتیوں کو جنت میں کھانے تو ملتے ہیں لیکن وہ نوری کھانے
ہوتے ہیں۔ اور یہ نوری کھانا کھلانے والے کا ملک اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہو جاتا ہے۔ اسی نوری
بدلے کا نام اجر و ثواب ہے۔ اب اِس کھلانے والے کو اختیار ہے کہ اِس نوری بدلے کو اپنی ہی ملک
میں رہنے دے یا کسی میت کو بخش دے۔ اگر اپنی ہی مِلک میں رکھے گا۔ تو قیامت کے دن خود اِس کے
کام آئے گا۔ اور اگر کسی میت کو بخشنا ہو تو لا محالہ ایک ایسی ذات کی ضرورت ہے جو یہاں بھی ہو اور
وہاں بھی۔ اور ایسی ذات فقط اللہ تعالےٰ ہی کی ہے جو ہر جگہ ہر وقت میں یکساں موجود ہے۔ اِسی واسطے
اللہ تعالےٰ کے واسطے کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ طعام جو لوگوں نے کھایا ہے یہ تو ان کے
پیٹ میں چلا گیا۔ اِس کا اجر و ثواب جو اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں منظور ہو چکنے کے بعد ہماری ملک ہوتا ہے
ہم اِس اجر و ثواب کو اللہ تعالےٰ کے حوالے کر دیتے ہیں کہ خداوندا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل
سے اِس چیز کا ثواب جس طریقہ سے تو پہنچایا کرتا ہے فلاں شخص کی روح کو پہنچا دے۔ تو اِس صورت میں
بلاشبہ ثواب پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اِس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ طعام کھلانے میں خالص اللہ
تعالےٰ کی خوشنودی اور رضامندی مدنظر ہو۔ اور اُس میں کسی قسم کی ریا۔ شرک۔ نام آوری اور فخر
و بڑائی کا دخل نہ ہو۔ اور حرمت و نجاست سے بھی بری ہو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ پاک ہے اور وہ پاک ہی
لوگوں کی نیکیاں قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہم نے ایک آیت سُنی تھی کہ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ
اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔ یعنی اللہ تعالےٰ پرہیزگاروں کے ہی صدقے اور قربانیاں قبول کرتا ہے سا تھیو۔

(۶) جناب قاری سید اکرام حسین صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ایک روز بندہ اور شیخ محمد رمضان صاحب گھڑی ساز حاضر حضور تھے کہ اتفاقیہ دوسرا خط مرزا قادیانی صاحب کا حضرت صاحب کی خدمت میں اس مضمون کا آیا کہ آپ کے ایک لاکھ کے قریب مرید ہیں۔ آپ مجھ کو مسیح موعود و مہدی موعود جان کر میری تقلید کریں۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ یہ سن کر ہمارے حضرت کو جوش آگیا۔ فرمایا کہ آج سے اس کا کوئی خط مت لو۔ اگر آوے تو واپس کردو۔ اتنا فرما کر ارشاد فرمایا کہ دل میں تو یوں آتا ہے۔ کہ جس طرح سے حضرت صابر علیہ الرحمۃ نے کلیر میں ذائقہ چکھایا تھا اُسی طرح میں یہیں بیٹھا ہوا مرزا کو تماشا دکھادوں۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال آتا ہے کہ پچاس سال انبالہ میں سفید لباس میں گزرے۔ اب انبالہ والے دل میں یوں کہنے لگیں گے کہ توکل شاہ نے تمام عمر تو صبر و توکل میں بسر کی۔ اب فقیری جتانے لگا ہے۔ انتہے۔

متفرقات | ذکر خیر میں ہے:۔

(۱) ایک مرتبہ ایک مسافر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اُسے روٹی کھلائی اور فرمایا کہ اسے جلدی رخصت کردو۔ اُس نے عرض کیا۔ حضور میرے پاس سفر خرچ نہیں۔ آپ نے سفر خرچ اکٹھا کروادیا اور فرمایا کہ جلدی رخصت کردو۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ بعد میں ایک درویش نے عرض کیا۔ حضور! یہ تو مسافر تھا۔ اسے اتنی جلدی کیوں رخصت کردیا۔ فرمایا۔ ہم نے دیکھا۔ کہ اس کی روح کا دہنا ہاتھ کہنی پر سے کٹا ہوا تھا۔ معلوم ہوا وہ شخص کہیں سے چوری کرکے آیا ہے۔ اُس کا رخصت کردینا ہی ٹھیک تھا۔ آخرکار وہ شخص انبالہ سے بمبئی پہنچا۔ دو تین دن کے بعد کچھ لوگ اُس کی تلاش کرتے ہوئے آئے کہ حضرت یہاں ایک شخص چوری کرکے آیا تھا۔ پھر وہ بمبئی سے گرفتار ہوکر آیا۔

(۲) فرمایا۔ ایک بار ہم نے دیکھا کہ ایک نہایت عمدہ زری دار دستار جس کے پلّے بنے ہوئے تھے آسمان سے اتر کر ہمارے پاس آئی ہے۔ ہم سمجھ گئے کہ اب اللہ تعالٰے کہیں سے بھیجے گا۔ ہم نے میانجی رحیم داد خاں کو اُس کا تمام نقشہ اور اُس کی طرز و وضع بتاکر کہہ دیا کہ میاں جی صاحب خیال رکھنا۔ دیکھو اب اللہ تعالٰے وہ دستار کہیں سے ہمارے پاس بھیجے گا۔ صبح کو جب ہم مراقبہ سے فراغت پاکر باہر آئے۔ تو ایک شخص بعینہٖ وہی زری دار بنے ہوئے پلّوں کی دستار لئے ہوئے ہمارے پاس آیا۔ ہم نے لے کر میاں جی رحیم داد خاں کو دکھادی۔ انہوں نے دیکھ کر مطابقت جو کی۔ تو بعینہٖ وہی نکلی۔

(۳) پیر جی سید عنایت حسین صاحب لودہیانوی کا بیان ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ لودہیانہ میں تھے شہر سے جنوب کی طرف دور تک میدان پڑا تھا۔ ایک دن حضور علیہ الرحمۃ

حالت سُکر میں اُس طرف چلے۔ ہم کئی شخص ساتھ تھے۔ جب شہر سے باہر نکلے۔ تو حضور اِدھر اُدھر کو قدم بدلتے رہے اور فرماتے رہے کہ یہاں مکانات ہیں۔ اِدھر کو راستہ ہے۔ پھر ایک جگہ پیشاب کا ارادہ کیا۔ تو فوراً جگہ چھوڑ دی اور فرمایا کہ یہاں مسجد ہے۔ ہم نے عرض کیا۔ کہ حضور! یہاں تو صاف میدان پڑا ہے۔ نہ مسجد ہے نہ مکانات ہیں۔ کبھی پہلے ہوں گے۔ تو خبر نہیں یا آیندہ ہو جاویں گے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ ہم کو کوٹھوں مسجدوں اور گلیوں کی روحیں نظر آتی ہیں۔ پھر آگے چل کر ایک کھیت میں جاکر لیٹ گئے اور ہم سے فرمایا کہ درختوں کے سایہ میں جاکر آرام کرو۔ کیونکہ گرما کا موسم اور دھوپ کی شدت تھی۔ بڑی دیر کے بعد حضور اٹھے۔ بدن مبارک سرد تھا۔ ہم نے عرض کیا۔ کہ حضور لیٹے تو رہے دھوپ میں۔ مگر بدن مبارک سرد ہے۔ فرمایا کہ جو تجلی رحمت کی بہشت پر وارد ہے اُس کا فیضان لے کر ہم نے اپنے اوپر لپیٹ لیا تھا۔ اور کچھ نیچے بچھائی تھی۔ اسی واسطے ہم آرام سے سوئے رہے۔ دھوپ اور گرمی کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ تم چونکہ وہ فیضان نہیں لے سکتے۔ اِس واسطے ہم نے تم کو درخت کے سایہ میں بھیج دیا تھا۔ اس واقعہ کے ایک سال کے بعد اُس میدان میں وہی صورت وقوع میں آئی۔ یعنی حضور علیہ الرحمۃ نے جس جگہ مسجد فرمائی تھی وہاں مسجد اور جس جگہ مکان وآبادی وغیرہ فرمائی تھی وہاں وہی حالت ہوگئی۔ اور وہ تمام زمین شہر کی آبادی میں آگئی۔ انتہٰی۔

تذکرہ توکلیہ میں ہے:۔

(۱) سائیں مغلی شاہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دن بارہ بجے رات کو حکم دیا۔ کہ دیکھو مسجد میں ایک لڑکا اور ایک آدمی بھوکے سوتے ہیں۔ ایک درویش کو بھیجا۔ تو معلوم ہوا کہ بے شک وہ دونوں بھوکے تھے۔ ان کو روٹی بھجوائی۔

(۲) ایک بار آپ نے صبح کے وقت مراقبہ کیا۔ اور بعد اس کے فرمایا۔ کہ آج ہمیں حکم ہوا۔ کہ تمہارے پاس ایک غریب آوے گا۔ اُس کے پاس جوتا نہیں۔ تم اُس کو جوتا پہنانا۔ آپ کی طبیعت کو بڑا انتشار ہوا کہ یہ حکم کس واسطے ہے۔ آخر دن بھر اسی انتظار میں گزرا۔ جب عصر کی نماز سے فارغ ہوئے۔ اور دن تھوڑا سا باقی رہا۔ تو ایک طالب علم پا برہنہ آیا۔ اور اُس نے آکر جوتے کا سوال کیا۔ آپ نے خادم سے کہا کہ یہی وہ شخص ہے۔ اسے بازار لے جاکر جوتا پہناؤ۔ چنانچہ اسی وقت خادم لوگ اُس کو بازار لے گئے۔ اور نیا جوتا پہنایا۔ انتہٰی۔

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب ذکر کرتے ہیں۔ کہ جب آپ جذب کی حالت میں تھے ایک جوگی کا لڑکا آپ کو گانا سُنا کر خوش وقت کیا کرتا تھا۔ فرماتے تھے کہ مولوی ہم نے دیکھا۔ کہ ہمارے

اور اُس جوگی کے درمیان آگ روشن ہے۔ ہم نے اُس کو جواب دے دیا کہ اب مت آیا کرو۔ وہ لڑکا بہت روتا تھا اور چاہتا تھا کہ الگ نہ ہو۔ مگر ہم نے اُس سے کہا کہ اب حکم نہیں ہے۔ تم اپنا کام کرو۔ پھر وہ نالاں وگریاں چلا گیا۔ انتہٰے۔

جناب قاری سید اکرام حسین صاحب لکھتے ہیں کہ بروایت ثقہ معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب کھانا تناول فرما رہے تھے کہ یکایک مراقب ہو کر فرمانے لگے۔ آہا! لاہور کے تو ہر کوچہ و بازار میں آج مست پھرتے (پھرتے) دکھائی دیتے ہیں۔ اِسی اثناء میں ایک شخص لاہور سے آپ کی زیارت کے لئے آنکلا۔ اُس نے آپ کے اِس قول کی تصدیق کی اور کہا کہ واقعی لاہور میں مستوں کی کثرت ہے۔ انتہٰے۔

جناب سید رفیق احمد صاحب بی اے۔ حال سینئر سب جج لودھیانہ خلف الصدق جناب سید فیض محمد صاحب پنشنر انسپکٹر بنک ہائے زراعتی انبالہ شہر نے بتاریخ ۲۶ صفر ۱۳۵۲ھ اپنی کوٹھی پر واقعات ذیل مجھ سے ذکر کئے :-

(۱) میرے والد مسٹر بلمن صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ کے دفتر میں پچیس روپے ماہوار کے کلرک تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ترقی (۲۵ سے تیس) کا موقع آیا۔ تو امیدواروں کی کثرت تھی۔ میں حضرت بلہ سائیں توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ حجرہ کا دروازہ بند تھا۔ آپ ذکر الٰہی میں مشغول تھے۔ میں چپکے سے دروازے کے باہر بیٹھ گیا۔ آپ نے نورِ باطن سے معلوم کر لیا۔ اور آواز دی۔ "ڈاڑھے سید! اندر آجاؤ" میں حاضر خدمت ہوا۔ تو آپ نے دنیا کی بے ثباتی پر تقریر فرمائی۔ پھر میرے قلب کو اپنے قلب سے لگا کر دریافت کیا۔ کیا اب کوئی دنیوی خواہش باقی ہے۔ میں نے دو دفعہ نفی میں جواب دیا۔ آپ نے تیسری بار بتاکید تمام فرمایا۔ کہ مَن ویلا ہے۔ مانگو جو چاہو۔ میں نے ترقی کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا ہی ہو جائے گا۔ دوسرے روز صاحب بہادر نے امیدواروں کو طلب کیا۔ میں قصداً حاضر نہ ہوا اور اپنے کام میں مشغول رہا۔ صاحب بہادر نے فرمایا کہ زیادہ مستحق تو حاضر ہی نہیں۔ پھر مجھے طلب کر کے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ میں نے اظہار مطلب کیا۔ صاحب بہادر نے فوراً میرے ہی حق میں فیصلہ کر دیا۔

(۲) میرے والد فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میرے دل میں اپنی سیادت کی تصدیق کی تمنا پیدا ہوئی۔ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے عمامہ اُتار کر رکھا ہوا تھا اور وضو فرما رہے تھے۔ جب آپ وضو سے فارغ ہوئے تو میں نے بپاس ادب عمامہ اُٹھا کر دیا۔ آپ بہت خفا ہوئے۔ فرمانے لگے۔ کہ میں اِس وقت حضور سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھ سے جواب طلب

فرما رہے ہیں کہ تم اب سادات سے بھی خدمت لینے لگے ہو۔ پھر شاہ صاحب نے مجھ سے معافی مانگی۔ اور عہد لیا کہ آیندہ کبھی ایسا نہ کروگے۔

(۳) میری دادی صاحبہ حاملہ تھیں۔ ان کو مرض اسہال کبدی عارض ہوا۔ مایوسی کے عالم میں میرے جدبزرگوار حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ صاحب خدمت کا کام ہے۔ جدبزرگوار نے عرض کیا۔ کہ ہم تو اس راہ سے بالکل نابلد ہیں۔ آپ صاحب خدمت کا نام ونشان بتادیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں دروازے میں ایک بڑھیا پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھی ہے۔ وہی صاحب خدمت ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ فقیروں کی خدمت میں خالی ہاتھ نہ جانا چاہئے۔ یہ سُن کر جدبزرگوار دو سیب لے کر اُس بڑھیا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ بے نقط گالیاں سنانے لگی۔ پھر بڑبڑانے لگی کہ میرا راز افشاء کرتا ہے۔ جدبزرگوار نے نہایت تحمل سے کام لیا اور سیب پیش کئے۔ اس نے لے کر ایک میں پھینک دئے۔ پھر ایک رکھ لیا۔ اور دوسرا میرے جدبزرگوار کو دے دیا۔ وہ اُسے لے کر حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں آئے۔ آپ نے فرمایا۔ اِس میں دو بشارتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ تمہاری اہلیہ زندہ رہے گی۔ دوسری یہ کہ لڑکا پیدا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ساتواں باب

کرامات وتصرفات

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب کا بیان ہے کہ میرے مکرم میر امتیاز علی صاحب منصف شہر انبالہ کے خلاف ایک فوجداری کا مقدمہ دائر ہوا۔ آپ نہایت پریشان ہوکر مجھ سے کہنے لگے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دعا کراؤ کہ اللہ تعالےٰ رحم کرے اور بلا دور کردے۔ میں نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا۔ شام کو مراقبہ سے فارغ ہوکر فرمانے لگے کہ یہ معلوم ہوا ہے کہ کچھ کاغذات شکایات کے واپس ہوگئے۔ کئی روز کے بعد منصف صاحب فرمانے لگے۔ کہ جس قدر شکایات افسروں نے دشمنوں کے کہنے سے کی تھیں سب کی سب فضول اور لغو سمجھ کر داخل دفتر ہوگئیں۔ جب آخر تاریخ مقررہ آئی۔ تو منصف صاحب اعداء کے حالات سُن کر بہت پریشان تھے۔ اسی حال میں میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے بعد مغرب مراقبہ سے فراغت کے بعد دعا کے لئے عرض کیا۔ آپ نے کچھ تامل کے بعد فرمایا۔ کہ کل انشاء اللہ اصل دشمن منصف صاحب کے پاؤں میں گرے گا۔ تسلی رکھو۔ منصف صاحب یہ سُن کر بہت متعجب ہوئے۔ اُن کو اس ارشاد کا یقین نہ آیا۔ کیونکہ یہ معاملہ زبردست

وکلاء نے منصف صاحب کے خلاف ایک سکھ سے اُٹھوایا تھا۔ خدا کی قدرت دوسرے روز دن کے دو بجے منصف صاحب سکول میں میرے پاس تشریف لائے۔ اور میرے ہاتھ چومنے لگے کیونکہ میں نے یقین دلایا تھا کہ انشاء اللہ اس میں سر مُو فرق نہ ہوگا۔ اور بڑی حیرانی سے کہا کہ میاں سب وکلاء نے اُس کو چھوڑ دیا اور الگ ہوگئے۔ آخر مجبور ہو کر وہی دشمن پیشی سے پہلے میرے قدموں میں آگرا۔ میں نے تحریری درخواست معافی لے کر معاف کر دیا۔ اور خدا کا شکر بجا لایا۔ میں نے شاہ صاحب کی خدمت میں یہ قصہ سُنایا۔ آپ خوش ہوئے۔ اور فرمانے لگے کہ منصف نیک آدمی ہے۔ خدا نے جھوٹوں کو ذلیل کیا۔

(۲) ڈپٹی حمید علی صاحب مرحوم سہارنپوری شہر انبالہ میں تحصیلدار تھے۔ اور شاہ صاحب کے نہایت معتقد تھے۔ اکثر کھانے کے وقت آتے۔ تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اُن پر بغاوت کی تہمت لگی۔ اور وہ زمانہ اس قدر خطرناک تھا کہ باغی کے لئے پھانسی کے سوا دوسرا حکم ہی نہ تھا۔ تاریخ سے ایک دن پہلے ڈپٹی صاحب مرحوم شاہ صاحب کی خدمت میں آئے اور بدستور کھانے میں شریک ہوئے۔ کھانا کھاتے ہوئے عرض کرنے لگے کہ حضور! کل میں شاید زندہ بھی نہ رہوں۔ اب حضور میرے واسطے دعائے مغفرت فرمائیں۔ حضور شاہ صاحب فرمانے لگے۔ کیوں؟ ڈپٹی صاحب نے اپنا قصہ سُنایا۔ شاہ صاحب قدس سرہ تامل کے بعد فرمانے لگے کہ مجھ کو تو یہ معلوم ہوا ہے کہ تم انشاء اللہ بری ہو کر پھر ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ گے۔ دوسرے دن ڈپٹی صاحب عدالت میں جاتے ہی عزت کے ساتھ بغاوت کی تہمت سے بری ہوئے۔ اور شاداں وفرحاں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنی بریت کا قصہ سنایا۔ شاہ صاحب بھی خوش ہوئے اور آئندہ کے لئے دعائے خیریت فرمائی۔

(۳) ضلع انبالہ کے ایک گاؤں میں مسلم وغیر مسلم آبادی میں ایک مسجد کے بارے میں تنازع ہوا۔ عدالت ماتحت نے انہدام مسجد کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے کمشنری میں اپیل دائر کی۔ میانجیو عبدالرحیم صاحب نے اس بارے میں حضرت شاہ صاحب کے بن دیکھے معتقد لالہ گنگا بشن سررشتہ دار صاحب کمشنر بہادر کے نام حضرت صاحب سے ایک پرچہ لکھوا کر سررشتہ دار صاحب کی خدمت میں شملہ جا کر پیش کیا۔ سررشتہ دار صاحب میانجیو صاحب سے کہنے لگے کہ اس شکل کے آدمی مجھ سے آکر فرما گئے ہیں کہ ہمارا رقعہ بے فائدہ نہ جائے۔ حضور کی وہی شکل تھی۔ سررشتہ دار صاحب نے وہ کام کر دیا۔ اور شہر انبالہ آکر حضور کے قدموں پر گر پڑے اور خفیہ تعلیم حاصل کی۔ اور

خاص معتقدین کے سلسلہ میں داخل ہوئے۔ اسی طرح بہت سے اہل ہنود آپ سے تعلیم پاتے تھے اور نماز بھی ادا کرتے تھے۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ جب تک اسلام ظاہری طور پر اختیار نہ کرو گے۔ اصل فائدہ نہ ہوگا۔

(۴) بوڑیہ کے جنگل میں ایک درویش صبح کے وقت نماز فجر کے لئے پانی تلاش کرنے لگے۔ نہ ملا۔ ایک اندھے مٹی سے اٹے ہوئے کوئیں سے خطاب کرکے فرمایا کہ تو ہی وضو کے لئے پانی دے دے۔ وہ کوآں اُبل پڑا۔ درویش نے وضو کرکے نماز فجر ادا کی اور چل دئے۔ اُس کوئیں کا پانی امراض کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا تھا۔ حاجتمند اپنی اپنی ضرورت کے لئے لے جانے لگے۔ راوی یعنے مولوی سید ظہور الدین صاحب کا بیان ہے کہ میں نے حضور سائیں صاحب کی خدمت میں یہ قصہ عرض کرکے التجا کی کہ اگر معلوم ہو جاوے کہ درویش صاحب کون تھے۔ تو بہتر ہے کیونکہ اکثر صاحب کی خواہش ہے۔ علی الصباح حضرت سائیں صاحب نے فرمایا کہ وہ درویش صاحب میرے پاس آئے تھے بسوال پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم ابدال ہیں۔ بطور سیر ادھر بھی آگئے تھے۔ نماز صبح کا وقت تنگ ہو رہا تھا۔ اِس لئے خدا کے فضل کی امید پر یہ معاملہ ہوا۔

(۵) قصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپور میں حضرت سائیں صاحب کے ایک صاحب کشف خلیفہ سیدنا شاہ ابوالمعالی قدس سرہ کے سجادہ نشینوں کے خلاف دعائیں کرتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ سائیں صاحب کی خدمت میں سلام کے بعد یہ پیغام پہنچا دیں کہ ہم بھی کسی کامل کے دامن سے لگے ہوئے ہیں اور بے قصور ہیں۔ جناب کے خادم ہمارے لئے بددعائیں کرتے ہیں۔ میں جب انبالہ آیا۔ تو وہ پیغام حضرت شاہ صاحب کو پہنچا دیا۔ آپ نے فوراً یہ فرمایا کہ مولوی! وہ تو گر پڑا۔ اُس نے شاہ ابوالمعالی قدس سرہ کی اولاد کے خلاف سعی کی۔ تیسرے دن وہ خلیفہ صاحب پریشان ہوکر میرے پاس آئے کہ میں ڈوب گیا۔ جو نعمت مجھے ملی تھی وہ مجھ سے لے لی گئی۔ اور میں اپنے تئیں کیچڑ میں دھنسا ہوا دیکھتا ہوں۔ خدا کے واسطے میرے لئے حضور سے سفارش کرو۔ کئی مرتبہ حضور سے معافی کے لئے عرض کیا گیا۔ آخر دو ماہ کے بعد وہ اپنے اصلی مرتبہ پر بحال ہوگئے۔ حضور فرماتے تھے کہ بزرگوں کی اولاد سے حتی الوسع محبت اور ادب سے پیش آنا چاہئے۔

(۶) انبالہ شہر میں ایک غریب بڑھیا کی بیٹی پر جن کا اثر غالب ہوا۔ اُس نے اِدھر اُدھر تعویذ گنڈے کرانے کے بعد پیر جیو عنایت اللہ صاحب کو حضرت سائیں صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ اِس آفت میں مجھ غریب کی امداد فرمائیے۔ پیر جیو صاحب نے بڑھیا کا سلام و پیغام حضرت صاحب

کی خدمت میں پہنچا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ جن سے ہمارا سلام کہو۔ اور یہ کہہ دو کہ غریب بڑھیا کی بیٹی کو تکلیف نہ دو۔ پیر جیو صاحب نے جس وقت حضرت سائیں صاحب کا سلام کہا۔ جن یہ کہہ کر چلا گیا کہ حضرت کو کیوں تکلیف دی۔ مگر دوسرے دن پھر آ گیا۔ بڑھیا نے پھر پیر جیو صاحب کو حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ جن تو پھر آ گیا۔ شاہ صاحب نے دوبارہ سلام کہلا بھیجا۔ جن سلام سنتے ہی چلا گیا۔ مگر پھر آ گیا۔ پیر جیو صاحب نے یہ ماجرا عرض خدمت کیا۔ اُس وقت اتفاقاً خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب حضرت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے جوش میں آ کر خلیفہ صاحب سے فرمایا۔ امیر اللہ! جاؤ اُس کو ڈنڈے مار کر نکال دو۔ خلیفہ صاحب نے تعمیل کی اور ڈنڈے مارنے شروع کئے۔ جن صاحب مار کھا کر چلے گئے اور پھر کبھی واپس نہیں آئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اُس وقت سے خلیفہ صاحب میں یہ وصف پیدا ہو گیا۔ کہ جہاں کوئی آسیب زدہ ہوتا۔ آپ جوش میں آ کر اُس کو ڈنڈوں سے مارنا شروع کر دیتے۔ اور جن ڈنڈے کھا کر رخصت ہو جاتا اور پھر نہ آتا۔ خلیفہ صاحب کا یہ وصف مشہور ہو گیا۔ آسیب زدہ جوق در جوق خلیفہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ اس طرح خلیفہ صاحب کے معمولات میں بھی ہرج ہونے لگا۔ مجبور ہو کر خلیفہ صاحب حضرت سائیں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آسیب زدگان کی کثرت سے میرے معمولات میں ہرج ہو رہا ہے۔ خدا کے واسطے میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھ میں یہ وصف نہ رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم کو اس وصف سے تکلیف ہے۔ جانے دو۔ نہ سہی۔ اُسی وقت سے یہ وصف خلیفہ صاحب میں نہ رہا۔

(۷) جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ جناب مولوی خلیفہ عماد الدین صاحب لاہوری نے انسپکٹر صاحب سے کچھ کہہ کر مجھ کو بمشاہرہ تیس روپے ترقی پر جگادھری بھیج دیا۔ مگر وہاں کے مدرس صاحب سید مظہر حسن صاحب سہارنپوری نے ترقی پر جانے سے انکار کر دیا۔ جب شاہ صاحب سے اِس کا ذکر آیا۔ تو فرمانے لگے۔ مولوی! بادل چڑھا ہوا ہے۔ برسنے کی دیر ہے۔ تیری ترقی تو انشاء اللہ قریب ہی ہونے والی ہے۔ ایک ہفتہ یا کچھ کم و بیش عرصہ کے بعد ناروے صاحب نے مجھ کو تیس روپے ماہوار پر مدرس فارسی کر کے حصار سکول میں بھیج دیا۔

(۸) جناب سید صاحب انبہٹوی کا بیان ہے کہ احقر کی تبدیلی ہائی سکول ریواڑی میں مولوی مقرب علی صاحب کی جگہ ترقی پر عارضی طور پر ہو گئی۔ احکام جاری ہو گئے۔ میری روانگی کے لئے حکم آ گیا۔ حضرت شاہ صاحب کی جدائی کی وجہ سے میں ریواڑی جانا پسند نہ کرتا تھا۔ حضرت کی یہ عادت

مستترہ تھی کہ اگر یہ خادم مراقبہ میں شامل نہوتا۔ تو حضرت مجھے زیارت کراکر مکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ میں مسجد میں حضور کے کمرے میں رہتا تھا۔ حسب عادت قدیمہ آپ حجرہ میں تشریف فرما ہوئے اور فرمانے لگے۔ کیا سبب ہے جو مراقبہ میں شامل نہیں ہوئے۔ لکھی شاہ صاحب کے مزار پر بھی حاضر ہوئے یا نہ؟ میں نے گستاخانہ طور پر عرض کیا۔ کہ میں لکھی شاہ میں حاضر ہوکر کیا کروں گا جب مجھ کو انہوں نے یہاں سے روانہ ہی کر دیا۔ سائیں صاحب فرمانے لگے۔ لکھی شاہ صاحب تم سے بہت خوش ہیں۔ شکستہ دل نہ ہو۔ تم کو تو ہم نے خدا تعالےٰ سے عرض کر کے ابتلا ہی رکھ لیا ہے مولوی نور احمد صاحب مدرس اول میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے جوش محبت و عقیدت میں انشاء اللہ کہہ کر قسم کھائی کہ اب میں ریواڑی نہیں جاؤں گا۔ مولوی نور احمد صاحب میری ایسی عقیدت کے خلاف تھے۔ کہنے لگے کہ حکم آچکا۔ اب تم کیسے رُک سکتے ہو۔ تمہارے زمانے عقیدے فضول ہیں۔ تم کو ضرور جانا ہوگا۔ میں نے پھر زور سے روانگی کے رُکنے کا اظہار کیا۔ مولوی نور احمد صاحب نے فرمایا کہ اگر تم جائز طور پر رُک گئے۔ تو میں کل ہی شاہ صاحب کا مرید ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا۔ یہ تم کو اختیار ہے۔ مگر انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا جیسا حضرت سائیں صاحب فرماتے ہیں۔ صبح کو جب سکول کی حاضری ہوئی۔ تو ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس تار آگیا کہ سید ظہور الدین کو ریواڑی روانہ نہ کرنا پہلا حکم منسوخ سمجھو کیونکہ مولوی مقرب علی نے ترقی پر جانے سے انکار کر دیا۔ مولوی نور احمد صاحب حیران ہوئے۔ اور شام کو شیرینی ہمراہ لے کر بعد عصر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور داخل سلسلہ ہو گئے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے۔ کہ یہ وہی مولوی نور احمد صاحب ہیں جنہوں نے بعد میں تذکرہ توکلیہ تالیف کیا۔ اُس میں اپنا حال یوں بیان کرتے ہیں:۔

میں نے حضرت صاحب قبلہ کو بڑھاپے میں دیکھا ہے۔ جب کہ سر کے بال سیاہ و سفید تھے۔ میں ایک ایسا شخص تھا۔ کہ جس کی نظر میں کوئی فقیر جچتا نہ تھا۔ اور ہمیشہ نکتہ چینی کی سوجھا کرتی تھی۔ لیکن شاہ صاحب کو دیکھنا تھا۔ کہ بس شاہ جی کے ہو لئے۔ ؎

اُس دل کو رم نمودے از خوبرو جواناں ۔۔۔ دیرینہ سال پیرے بُردش بیک نگاہے

(۹) ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ان کا چہرہ گدھے کی مانند ہے۔ ایک اور بھی نافرمانی کی بات فرمائی۔ ہمارے دل میں خوف الٰہی ہوا اور بار بار دربار الٰہی میں توبہ کی۔ پھر بحکم خدا ہم نے اُس کو درود شریف پڑھنے کی تعلیم کی۔ خدا کے فضل سے

وہ نقص جاتا رہا۔ اور وہ مولوی صاحب اپنے اصلی بابرکت چہرہ کے ساتھ دکھائی دینے لگے۔ ؎

یک زمانے صحبتِ با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(۱۰) ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب بمقام دورالہ مسجد میں اپنے مریدوں کو توجہ دے رہے تھے۔ ایک مرید نے عرض کیا۔ کہ حضرت جی! یہ جو خانقاہ سامنے ہے حضرت شاہ ملک شہید کی ہے۔ کسی نے اُن کو بے سر خونچکاں دیکھا تھا۔ اور بھی بہت سے سوار اُن کے ساتھ تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اگر تم کو بھی دیکھنا منظور ہو۔ تو آؤ۔ دو زانو ہو کر بیٹھ جاؤ اور آنکھیں بند کر لو۔ جب انہوں نے آنکھیں بند کریں۔ تو کیا دیکھا کہ حضرت ملک شہید برچھا ہاتھ میں لئے ہوئے جنگ میں مصروف ہیں۔ اور بدن سے خون جاری ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آنکھیں کھول دو۔ اور تاکید کی کہ کسی پر یہ بات ظاہر نہ کرنا۔

میاں جی عبدالقادر صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ ان لوگوں میں سے تین آدمی اس وقت کہ یہ کتاب (تذکرہ توکلیہ) لکھی جا رہی ہے اور ۱۳۰۱ ہجری ہے قمر خاں وغیرہ زندہ ہیں۔ جسے اعتبار نہ ہو۔ اُن سے پوچھ لے۔

(۱۱) جب منشی محمد حمزہ صاحب قانون گو کھرڑ سے انبالہ تبدیل ہو کر آئے۔ تو اُن کی لڑکی کو آسیب کا خلل ہو گیا۔ وہ اُس کو حضرت صاحب کی خدمت میں لایا کرتے۔ جب وہ حضرت کے مکان کے قریب آیا کرتی۔ تو آرام ہو جایا کرتا۔ مگر جب اپنے مکان پر جاتی۔ پھر تکلیف شروع ہو جاتی۔ ایک دن قانون گو صاحب نے تنگ آ کر عرض کیا۔ حضرت جی! مجھے اس جنّ نے تنگ کر دیا۔ خدا کے واسطے اس کا علاج کر دیجئے۔ یہ سُن کر آپ مراقب ہوئے۔ چند منٹ کے بعد سر مبارک اُٹھا کر فرمایا۔ کہ میاں! میں تو تمام انبالہ شہر میں لاٹھی لے کر پھر آیا۔ اُس جن کا کہیں پتہ نہیں لگا۔ اب وہ چلا گیا ہے۔ امید ہے کہ نہیں آئے گا۔ چنانچہ اُسی دن سے لڑکی کو آرام رہا۔

(۱۲) ایک دفعہ چھاؤنی انبالہ میں میر یوسف علی صاحب نے اپنی صاحبزادی کو نماز عشاء کے لئے زور سے آواز دی۔ انبالہ شہر میں میاں صاحب قبلہ مراقبہ سے چونک اُٹھے اور کریم بخش سے کہا۔ کہ دیکھو سید کس طرح زور سے لڑکی کو پکار رہا ہے۔

(۱۳) مولوی اکرام حسین صاحب کرنالی بیان کرتے ہیں۔ کہ دس بجے دن کا وقت تھا۔ میں حاضر خدمت تھا۔ میر یوسف علی صاحب بھی حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا۔ کہ حضرت صاحب! میں نے چھاؤنی انبالہ کی نوکری چھوڑ دی ہے۔ اب مجھ کو نوکری دلوائیے۔ مگر سو روپے سے کم کی نہ ہو۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ جاؤ ہو جاوے گی۔ چنانچہ اگلے ہی دن ایک سو دس روپے ماہوار کی جگہ ریاست پٹیالہ

میں مل گئی۔

(۱۴) ایک دن آپ نے اپنے خادم کریم بخش سے خفگی میں فرمایا کہ تیرا چراغ گل ہوگیا۔ چنانچہ چند روز میں اُس کا جوان لڑکا مرگیا۔

(۱۵) ایک دن خادم کریم بخش سے فرمایا۔ کہ ہم نے دیکھا ہے کہ تیرے سر میں لٹھ لگا ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنی اہلیہ کو لے کر مظفر نگر کو گئے۔ تو ڈاکہ پڑا اور ان کے لٹھ لگا۔

(۱۶) حضرت صاحب قبلہ دہلی اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور خواجہ باقی باللہ میں قیام ہوا کرتا تھا۔ ۱۸۹۲ء میں ایک دن حکیم لطیف حسین خاں صاحب نے دعوت کی۔ آپ تشریف لائے۔ تو حکیم جی صاحب سے فرمایا۔ کہ تمہارے مکان سے ایانے (بچہ) کے رونے کی آواز آتی ہے۔ حکیم جی نے عرض کیا۔ کہ حضرت جی! یہاں تو کوئی بچہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا دے گا۔ چنانچہ اسی سال حکیم جی صاحب کی بڑی لڑکی پیدا ہوئی۔ سلسلہ اولاد خدا کے فضل سے جاری ہوگیا۔ ورنہ مایوسی ہوگئی تھی۔

(۱۷) حافظ خیر الدین پنجابی کا بیان ہے۔ کہ میں ایک مرتبہ حاضر خدمت تھا۔ مولوی سراج الدین صاحب دہلوی شاہ حسن رسول نما (جن کا مزار دہلی میں ہے) کا ذکر خیر حضرت صاحب قبلہ سے کرنے لگے کہ وہ ہر کس و ناکس کو حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیتے تھے۔ میں نے یہ حکایت سن کر اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر میں اُن کے وقت میں ہوتا۔ تو اُن کا مرید ہو کر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال سے مشرف ہوتا۔ میں نے یہ خیال دل میں کیا ہی تھا کہ اُسی وقت حلقہ مجلس میں بیٹھا ہوا بیہوش ہوگیا۔ اور حضرت صاحب مجھ کو اپنے تصرف خاص سے مدینہ منورہ لے گئے۔ اور زیارت باکرامت سے مشرف کرا دیا۔ جب میں ہوش میں آیا۔ تو حضرت صاحب نے فرمایا۔ کیوں حافظا کہاں گیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ جہاں حضور والا لے گئے تھے۔

(۱۸) مست الٰہی بخش نامی حضور کے پرانے مرید تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک روز میں اپنے موضع کوڑوہ سے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ تو ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ ابدال کیسے ہوتے ہیں۔ آج موقع ہے۔ اگر تو دیکھنا چاہتا ہے۔ تو دیکھ آ۔ ایک ہمارے دوست مولوی مست علی نامی ابدال دہرہ دون کے پہاڑ میں رہتے ہیں۔ ان کے پاس جا۔ اور یہ چیز ہماری طرف سے لے جا۔ اور دے کر شام کو واپس انبالہ آکر ہم کو اطلاع دے۔ میں نے عرض کی۔ کہ حضور والا! وہاں ریل گاڑی نہیں جاتی۔ اور کسی قسم کی سواری لے جانے کی مجھ میں گنجائش نہیں۔ پیدل اس قدر جلدی آنا جانا غیر ممکن ہے۔ اگر حضور انور اپنے تصرف خاص سے جلدی پہنچا دیں اور شام کو بلالیں۔ تو مجھ کو کچھ

عذر نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جا چلا جا۔ کسی سواری کی حاجت نہیں۔ خاصان خدا کی زیارت کو جاتا ہے۔ پھر اندیشہ کیوں کرتا ہے۔ اللہ مالک ہے۔ غرض میں نے دہرہ دون کی راہ لی۔ اب میں راستے کی کیفیت کیا بیان کروں۔ واللہ باللہ میں اِس طریق سے راستہ کو طے کرتا جاتا تھا جیساکہ ہوا جایا کرتی ہے۔ مجھ کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اور مجھ کو کون لئے جا رہا ہے۔ القصہ جب میں دہرہ دون کے جنگل میں پہنچا۔ تو مجھ کو سینکڑوں جانوروں نے آگھیرا۔ میں گھبرایا۔ اور خائف ہو کر حضرت صاحب کی صورت کا خیال کیا۔ حضرت صاحب میرے سامنے آ گئے۔ آپ نے باواز بلند فرمایا۔ کیوں گھبراتا ہے۔ یہ آپ کا فرمانا تھا کہ وہ فوراً چلے گئے۔ اور میں مولانا شاہ مست علی صاحب ابدال کے صومعہ کے قریب جا پہنچا۔ مولانا ممدوح نے دور ہی سے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ کیا الٰہی بخش تجھ کو جنگل کے گیدڑوں نے گھیر لیا تھا۔ میں ان کو بلاؤں۔ اتنا فرما کر مولانا صاحب نے ایک آواز دی کہ آؤ رے جنگل کے گیدڑو!۔ آپ کے پکارنے کے ساتھ سینکڑوں شیر دُم ہلاتے مولانا کے سامنے سلام کر کے بیٹھ گئے۔ میں یہ حالت دیکھ کر حیران تھا۔ کہ اے پروردگار! سچ ہے جو تیرا ہو جاتا ہے۔ تو اُس کا ہو کر دنیا کی کل چیزیں اُس کے تابع بنا دیتا ہے۔ اس کے بعد مولانا صاحب نے فرمایا۔ کہ جاؤ رے گیدڑو! ہمارے مہمان کو نہ ستانا۔ القصہ وہ چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد آپ نے مجھ سے کہا۔ الٰہی بخش! تو دود پیئے گا؟ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہاں اس پہاڑ میں بھلا دود کہاں۔ آپ نے میرے خطرہ پر آگاہ ہو کر فرمایا۔ آ تجھ کو دود پلا ہی دوں۔ حسب الارشاد میں مولانا صاحب کے صومعہ میں گیا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک برتن میں دود گرم ہو رہا ہے۔ میں ششدر رہ گیا۔ مولانا نے مجھ کو خوب دود پلایا۔ پھر فرمایا۔ جا۔ شاہ صاحب نے تجھ کو یہ بھی فرمایا تھا کہ شام کو آ کر اطلاع دینا۔ الحاصل جس طرح راستہ طے کر کے گیا تھا اُسی طرح شام کو حاضر ہو کر حضرت صاحب کو اطلاع دی۔ حضرت صاحب بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ گھبراتا کیوں تھا۔ اللہ والوں کی اللہ خود حفاظت کرتا ہے۔

(۱۹) خلیفہ مظفر علی خاں صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز یہ غلام سرسہ میں اپنی اہلیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہ اتنے میں حضرت صاحب کا کرامت نامہ صادر ہوا کہ ہم کو مشاہدہ ہوا ہے کہ تمہارے گھر میں لڑکا پیدا ہوگا۔ اہلیہ یہ خبر سن کر خاموش ہو گئی۔ جب میں نے دریافت کیا۔ تو کہا کہ مجھ کو کچھ شبہ ہے کہ ایک دو ماہ کا حمل ہے۔ چنانچہ حسب بشارت میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔

(۲۰) جناب قاری سید اکرام حسین صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز بندہ مع چند برادران طریقت کے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور آپ مرض موت میں مبتلا تھے۔ اسی اثناء میں دو شخص

بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ نے اُسی حالت میں اُن کو بیعت کیا۔ جس وقت شیرینی پر دم کرکے
کھلانے لگے۔ تو بخلاف تمام عمر کے حاضرین مجلس سے خطاب کرکے فرمایا۔ کہ جو شخص ان الائچی دانوں
کو کھائے گا۔ وہ قطعی جنتی ہوگا۔

(۲۱) جناب قاری صاحب موصوف ہی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز یہ خاکسار حاضر خدمت تھا۔
حضرت صاحب نے بر سبیل تذکرہ فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم لودیانہ میں تھے۔ بہرام خان کو اُن ایام میں اللہ
اللہ کرنے کا اور ہمارے ساتھ رہنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ اتفاقاً میرا گزر بہمراہی بہرام خان وغیرہ
جو کوتوالی لودیانہ کے سامنے کو ہوا۔ تو یکایک میری زبان سے نکلا۔ کہ بہرام خاں! تجھ کو کوتوال کردیں؟
بہرام خاں نے کہا۔ حضور! خدا کے واسطے مجھ کو کوتوال نہ بنائیں۔ اور اپنی ہی خدمت میں رہنے دیں۔
آپ نے فرمایا۔ بس اب تو کوتوال ہو چکا۔ ہم کیا کریں۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ مولانا روم نے کیا خوب کہا
ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(۲۲) جناب مولوی محبوب عالم صاحب ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک فقیر پاؤں میں لکڑی کے پوتے
پہنے ہوئے آیا۔ حضرت صاحب نے حسب عادت فرمایا کہو۔ کیا کہتے ہو؟ اُس نے کہا۔ حضور! مجھے
سونا بنانا سکھا دو۔ آپ جوش میں گردن پکڑ کر اُس کو حجرے کے اندر لے گئے۔ اور بڑی دیر کے بعد
حتیٰ کہ ظہر کا وقت بھی آخر ہوگیا باہر تشریف لائے۔ میں اُس فقیر کو مسجد میں لے گیا۔ اُس کی آنکھیں
سُرخ تھیں اور اُس پر سکرت طاری تھی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ بتا۔ کیا کیفیت گزری۔ وہ کہنے لگا
کہ مجھے حجرے کے اندر لے گئے۔ اور مصلّا کے نیچے میرا سر دے دیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ سونے چاندی
اور جواہرات کی نہریں جاری ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے پوچھا کہ کیا دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ حال
ہے۔ فرمایا آگے چل کر دیکھ کہ یہ نہریں کہاں سے آتی ہیں۔ اور مجھے ایک دھکا اور دے دیا۔ میں کیا
دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ ایک نوری تختہ پر لفظ اللہ لکھا ہوا ہے۔ اور اُس کے ایک ایک حرف سے
ایک ایک نہر جاری ہے۔ فرمایا۔ دیکھ لے۔ اس سے کیمیا آتی ہے۔ بعد ازاں میرے قلب میں اللہ لکھ کر
مجھے توجہ دی۔ اب میرے بدن کے جوڑ جوڑ سے اللہ اللہ جاری ہے۔ وہ اسی حالت میں جنگل کو چلا گیا۔
کیمیا کی خواہش اُس کے دل سے بالکل جاتی رہی اور خدا کا نام اُس کو چمٹ گیا۔

(۲۳) صاحب ذکر خیر کا بیان ہے۔ کہ ایک روز دن کے ایک بجے آپ وضو فرمانے لگے معمول تھا کہ
آپ کے واسطے دو لوٹے ہوا کرتے تھے۔ ایک میں بھائی مغلی شاہ پانی لیے گئے ہوئے تھے۔ اور دوسرا

لوٹا آپ سے کوئی ڈیڑھ گز کے فاصلے پر رکھا تھا۔ آپ نے پانی لینے کا اشارہ فرمایا۔ اُس وقت حجرے میں میرے سوا کوئی اور نہ تھا۔ اور آپ کو میرا موجود ہونا معلوم نہ تھا۔ میں پانی دینے کے واسطے اُٹھنے ہی لگا تھا کہ آپ نے ہاتھ سے لوٹے کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا جیسے کسی کو بلایا کرتے ہیں۔ لوٹا فوراً آپ کے پاس آگیا۔ اُدھر میں باہر نکل آیا۔ تو انگلی کے اشارے سے فرمایا۔ ہُوں ہُوں۔ یعنی کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔

(۲۴) نقل ہے کہ ایک روز ایک ہندو عورت اپنے چھوٹے لڑکے کو لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئی۔ وہ لڑکا اندھا تھا۔ عرض کیا۔ حضور! یہ لڑکا نابینا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اس کی آنکھیں اچھی ہو جائیں۔ فرمایا۔ اوہو۔ ہم کو تو طب بھی نہیں آتی۔ نہ ہم حکیم ہیں۔ تو اس کا علاج کسی حکیم سے کرا۔ اُس نے عرض کیا۔ کہ حضور! میں بہت علاج کرا چکی ہوں۔ کچھ آرام نہیں ہوتا۔ آپ دعا ہی کریں۔ فرمایا۔ اچھا۔ جا دعا کردی ہے۔ اللہ آرام کرے۔ وہ لڑکے کو لے کر باہر چلی گئی۔ جب حضرت شاہ عبدالرسول کے باغ کی دیوار کے شرقی کونے کے پاس پہنچی۔ تو لڑکے کو ٹھوکر لگی۔ وہ گر پڑا۔ اور اُس کی پیشانی میں کسی رگ پر نوکدار ٹھیکری ایسی چبھی کہ بہت سا خون نکلا اور لڑکے کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ بچے کو لئے ہوئے پھر حاضر ہوئی۔ اور تمام ماجرا عرض کرکے کہا۔ کہ حضور! آپ کی دعا سے اس کی آنکھوں میں روشنی ہوگئی۔ آپ نے فرمایا۔ آہ دوا بھی اللہ نے آپ ہی کردی۔ تجھے دوا کرنے کی بھی تکلیف نہ ہوئی۔

(۲۵) نقل صحیح ہے کہ ایک روز گیارہ بجے دن کے کچھ سوداگر کابلی ایک گائے لئے ہوئے آپ کے یہاں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضور! ہم نے یہ گائے بہت قیمت میں لی تھی۔ اب یہ دودھ نہیں دیتی۔ بلکہ اس کے بچے کا بھی گزارہ نہیں ہوتا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم اس کے گھاس وغیرہ میں تو کمی نہیں کرتے۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور! دیکھ لیں یہ کیسی موٹی تازی ہے۔ ہم اسے گھاس وغیرہ خوب دیتے ہیں۔ آپ نے اُس کے سینگوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ او بندی رب کی! انہوں نے تیرا حق ادا کردیا۔ تیرے بچے کا حق ادا کردیا۔ اگر تو ان کا حق ادا نہیں کرے گی۔ تو قیامت کے دن تیری ہی پکڑ ہونی ہے۔ بمجرد آپ کے اس ارشاد کے اُس کے چاروں تھنوں سے دودھ بہنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ او خدا کے بندو! تم اس کی شکایت یونہی کرتے ہو۔ یہ تو اچھا خاصا دودھ دیتی ہے۔ وہ گائے کو لے گئے۔ رات کو دس بجے گائے کو ساتھ لے کر پھر آئے۔ اور عرض کیا کہ حضور! اس کا دودھ بند ہی نہیں ہوتا۔ آپ گائے کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ ہم نے تو تجھے یہ کہا تھا کہ ان کا حق دے دیا کرو۔ جا۔ اس طرح نہ کیا کر بچے کا حق رہنے دیا کر۔ اور اپنے معمولی وقت پر دودھ دیا کر۔ آپ کے اس ارشاد کے

ساتھ ہی گائے کا دودھ بند ہوگیا۔ اور سوداگر گائے کو واپس لے گئے۔

(۲۶) صاحب ذکر خیر لکھتے ہیں کہ ایک روز میں حدیث شریف پڑھا رہا تھا۔ شاید ترمذی میں یا کسی اَور کتاب حدیث شریف میں ذکر تھا کہ بہشت میں ایک ایک محل پانسو برس کی راہ کی مسافت کے برابر اونچا ہوگا۔ اور ایک ایک درخت بھی اتنا اونچا ہوگا کہ جس کی مسافت پانسو برس کے راستہ کے برابر ہوگی۔ ایک درویش نے یہ حدیث[۵۵] جو سُنی۔ تو مسکرا کر عرض کیا کہ حضور! بہشتیوں کو تو بڑی مصیبت ہوگی۔ فرمایا۔ وہ کیسی؟ عرض کیا کہ حضور پانسو برس تو چڑھنے میں لگ جائیں گے۔ پھر میوے کس طرح کھائیں گے۔ فرمایا۔ جب بہشت والے ارادہ کریں گے۔ وہ درخت خود بخود اُن کے سامنے آکر جھک جایا کریں گے وہاں توت کا ایک پھل دار درخت حضور کے دروازے سے شمال کی طرف تھا۔ حضور نے اُس توت کے درخت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ مثلاً جس طرح یہ درخت کھڑا ہے۔ اگر اسے کہیں۔ آجا۔ تو فوراً سامنے آکر جُھک جائے۔ میں درخت کی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ بمجرد آپ کے اس فرمان کے وہ درخت میرے اوپر کو ہوتا ہوا حضور کے سامنے زمین سے آلگا۔ آپ نے فرمایا۔ او ہم نے تجھے تو نہیں کہا تھا۔ بلکہ ہم نے تو صرف بہشت کا ایک مسئلہ بیان کیا تھا۔ تو سمجھا کہ مجھ کو ہی کہا ہے۔ جا تو اپنی جگہ جا کھڑا ہو چنانچہ فوراً وہ اپنی جگہ جا کھڑا ہوا۔ اُس وقت سائل نے پوچھا۔ کہ حضور! کس کلام کے پڑھنے سے یہ چیزیں تابع ہو جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ وہ تجلی ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوئی تھی۔ اور جس کی وجہ سے تمام حجر و شجر آپ کے سامنے جھک پڑے تھے۔ یہ حقیقت محمدیہ کے فیضان کا اثر ہے (صلے اللہ علیہ وسلم)۔ جو شخص کثرت سے درود شریف پڑھے۔ خوشنودی اور پرورش روح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شروع ہو جاتی ہے۔ اور حقیقت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے یہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اور اُس کے واسطے بہشت کی نشانیاں یہیں شروع ہو جاتی ہیں۔

(۲۷) نقل معتبر ہے کہ ایک لڑکا کانپور کی طرف کا آیا۔ وہ اور اُس کا باپ دونوں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ اور اُس کا باپ ڈپٹی تھا۔ اُس لڑکے نے عرض کیا کہ حضور جو مدد قیامت کے دن فرمانے والے ہیں وہ ابھی کردیں۔ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ نے اُس کو جھڑکا اور تنبیہ کی۔ اُس نے کہا کہ حضرت! میرے والد کو پھانسی کا حکم ہوا ہے۔ اب میرا کیا رہ گیا ہے۔ دس روز میعاد میں ہیں۔ میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا جب تک اِس امر کا فیصلہ نہ کرلوں۔ غرض دروازہ پر پڑا رہا۔ آپ نے شام کو اس لڑکے سے

[۵۵] جناب مولوی محبوب عالم صاحب جو اس قصّہ کے راوی ہیں اس حدیث کی صحت نقل کے ذمہ دار ہیں۔ حضرت شاہ صاحب قبلہ نے جو فرمایا اُسی کی صحت میں کلام نہیں۔

فرمایا کہ پچھلی رات جب ہم باہر نکلیں تو ہمارے پیچھے چلے آنا چنانچہ اُسی رات کو حضور تالاب غربی شہر انبالہ پر تشریف لے گئے۔ درویشوں کے ساتھ وہ لڑکا بھی پیچھے چلا گیا۔ حضور نے تالاب میں غوطہ لگا کر حبس دم کیا۔ درویشوں کو فکر ہوا کہ خدانخواستہ کہیں ڈوب نہ گئے ہوں۔ کیونکہ اُس میں پانی بے تھاہ تھا اور حضور کو دیر ہو گئی تھی۔ اچانک دیکھا کہ حضور کنارہ پر کھڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جا چھوٹ گیا۔ لڑکے کو ایسی تسلی ہوئی کہ وہیں سے رخصت ہو کر سیدھا ریل پر چلا گیا۔ چند روز کے بعد وہ لڑکا اور اُس کا باپ دونوں مع نذرانہ اشرفیوں اور شیرینی کے آئے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ لڑکا تو کہتا تھا کہ پھانسی کا حکم ہو گیا ہے اور تم ہمارے پاس سالم آئے ہو۔ وہ شخص عرض کرنے لگا کہ حضور واقعی بات ہے جس روز لڑکا یہاں سے گیا ہے۔ اُسی روز رات کو سشن جج کو خیال آیا کہ کہیں روئداد میں غلطی نہ ہوئی ہو۔ مسل پر مکرر غور کر کے فیصلہ لکھوں۔ مسل جو دیکھی۔ تو میری نسبت ذرہ بھر بھی ثبوت جرم نہ ملا۔ بلکہ جس جگہ یہ لکھا تھا کہ اس پر جرم ثابت ہے۔ وہاں بجائے اس کے یہ لکھا ہوا ملا کہ یہ اس جرم سے بری ہے۔ چونکہ وہ حکم دے چکا تھا۔ مجھے بلا کر کہا کہ اگر تم معافی نامہ لکھ دو۔ تو تم کو بری کر دوں کہ میں نے ناحق تم کو قید کیا۔ میں نے معافی نامہ لکھ دیا۔ اس نے مجھے رہا کر دیا۔

(۲۸) ایک دفعہ حضور ڈیرہ بسی سے پرے راٹے پور کے قریب کسی گاؤں میں جذبہ و مستی کے عالم میں تھے۔ یہ حضور کا عام حکم تھا کہ کھانے پینے کی کوئی شے ہمارے پاس کھلی نہ لایا کرو۔ ایک شخص کھلا پانی لے کر چلا آیا۔ حضور کی زبان مبارک سے نکلا کہ تو اندھا ہے۔ جانتا نہیں کہ پانی کھلا نہیں لایا کرتے۔ وہ اُسی وقت اندھا ہو گیا۔ اِس کے بعد حضور کو ہمیشہ اِس کا خیال رہا۔ اگر کسی سے خلاف طبع حضور کوئی کام ہو جاتا۔ تو فرماتے کہ بے خبر ہیں۔ بات نہیں سمجھتے۔ اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالتے۔

(۲۹) حاجی کریم بخش جو آپ کے درویشوں میں تھے ایک بار آپ کو وضو کرا رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کسی بات پر ان سے گھبرا گئے۔ غصہ میں فرمایا۔ او کریم بخش! جا کوئیں میں گر پڑ۔ تھوڑی دیر کے بعد حاجی صاحب مشک لے کر باروکے کوئیں پر پانی لینے گئے۔ ڈول جو لٹکایا۔ تو بیچ کوئیں میں گر پڑے۔ مگر چوٹ بالکل نہ لگی۔ اُدھر شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ او ہو کریم بخش تو کوئیں میں گر گیا مگر خیر۔ لوگوں نے جلدی حاجی صاحب کو باہر نکالا۔ وہ مشک بھر کر بڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے۔ فرمایا۔ او کریم بخش! اتنی دیر کہاں لگائی۔ عرض کیا۔ حضور! میں کنوئیں میں گر پڑا تھا۔ فرمایا۔ چوٹ تو نہیں آئی؟ اُس نے کہا۔ آپ نے ہاتھ پر تھام لیا تھا۔ پھر چوٹ کیسے لگتی۔

(۳۰) جناب مولوی محبوب عالم صاحب مرحوم ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب حافظ مسلم

والی مسجد میں جمعہ پڑھنے تشریف لائے۔ بعد نماز آپ پر حالت استغراق طاری ہوئی۔ اس حالت میں اکثر آپ کے پاؤں زمین پر نہ ٹھہرا کرتے تھے۔ درویش دونوں طرف سے آپ کے مونڈھے پکڑ کر چلایا کرتے تھے۔ اور ایک عجیب مستی کی حالت ہوتی تھی۔ میں نے حسب معمول آپ کا مونڈھا پکڑ لیا۔ جب وہاں سے آپ سڑک پر پہنچے اور پُلی سے نیچے اترنے لگے تو سامنے سے پچاس ساٹھ آدمیوں کا گروہ آرہا تھا۔ وہ سب کے سب آپ کی صورت دیکھ کر آپ کے پاؤں میں سجدے میں جا پڑے۔ میں نے ان کو سخت سست کہا اور بڑے غصہ سے کہا کہ تم مشرک ہوگئے۔ پھر بعد میں میری نظر بھی آپ کی صورت پر جا پڑی۔ فوراً میں بھی بے اختیار سجدے میں گر گیا۔ تقریباً پانچ ہی منٹ کے بعد آپ کو ہوش آگیا۔ اور ہوش آتے ہی سب کے سب سجدے سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضور! آج تو ہم سب سے بڑا گناہ ہوا ہے فرمایا۔ کیا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ ہم سب نے آپ کو سجدہ کیا حالانکہ یہ شرک ہے۔ اور آپ سجدہ سے سخت ناراض ہوا کرتے تھے۔ فرمایا نہیں مجبوری تھی۔ اس کی وجہ اور ہی تھی۔ وہ جو حقیقت کعبہ کی جاہ و جلال والی تجلی کعبہ شریف پر وارد ہوتی ہے۔ آج ہم اُس حقیقت کا فیضان لے رہے تھے۔ وہ فیضان عشق پکتے پکتے حقیقت کعبہ ساری ہی ہم پر وارد ہوگئی تھی اُس تجلی کا یہ خاصہ ہے کہ زبردستی لوگوں سے اپنی طرف سجدہ کراتی ہے۔ جو تجلی مسجود الیہ کعبہ شریف پر وارد تھی وہی تجلی یہاں تھی۔ یہ اُس تجلی کی کشش اور جبر کا اثر تھا کہ زبردستی لوگوں کو اپنی طرف کھینچ کر سجدہ کرالیا۔ اُس وقت جو کوئی سامنے آتا۔ بے اختیار سجدہ کرتا۔ اب اُس حقیقت کے بجائے دوسری حقیقت کا فیضان بدل گیا۔ اس واسطے یہ سب لوگ سجدہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

(۳۱) ایک روز آپ حقیقت عیسوی کا فیضان لے رہے تھے۔ اُس حالت میں ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور حضور سے کچھ پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ درود شریف پڑھا کر۔ اُس نے درود شریف جو پڑھا تو اُس پر استغراق کی حالت طاری ہوگئی۔ تین دن تک اُس کا یہ حال رہا کہ جس پر وہ دم کرتا فوراً آرام ہو جاتا۔ بعد ازاں وہ حالت جاتی رہی۔ مولوی محبوب عالم صاحب نے دریافت کیا۔ کہ حضور! یہ کیا بات تھی۔ آپ نے فرمایا جس وقت وہ ہمارے پاس آیا تھا۔ اُس وقت ہم حقیقت عیسوی کا فیضان لے رہے تھے۔ اُس پر بھی وہی فیضان وارد ہوگیا تھا۔ اب وہ فیضان ہٹ گیا۔ تو وہ حالت بھی جاتی رہی۔

(۳۲) حضور علیہ الرحمۃ کے پڑوس میں ایک شخص نے پرنالہ کا مقدمہ دائر کیا کہ میرا پرنالہ اِس جگہ تھا۔ دوسرا فریق وہاں سے مانع تھا۔ عدالت میں مقدمہ گیا۔ تو ایک فریق نے حضور کی خدمت میں حاضر

ہو کر عرض کیا۔ کہ آپ نے میرے پرنالہ کو دیکھا ہوا ہے۔ آپ میرے حق میں شہادت دیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگلی بات تو ہمیں یاد نہیں۔ جس جگہ پر نالہ تھا وہاں لگا دو۔ ہم دیکھ لیں گے اور دیکھ کر پھر گواہی دو دیں گے کہ یہاں لگا ہوا دیکھا ہے۔ خیر اُس نے عدالت میں حضور کی گواہی لکھوا دی۔ ڈپٹی صاحب نے کہا کہ شاہ صاحب کی گواہی ہم وہیں جا کر لیں گے۔ جس وقت ڈپٹی صاحب گواہی لینے کے واسطے موقع پر آئے۔ حضور علیہ الرحمۃ شاہ عبد الرسول صاحب کی مسجد میں مراقب تھے۔ وہ ڈپٹی وہیں پہنچا۔ ایک درویش نے دروازے کے پاس دور ہی سے ڈپٹی کو دیکھ کر عرض کیا کہ حضور! وہ ڈپٹی گواہی کے واسطے آیا ہے۔ حضور نے دروازے کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ کہاں ہے۔ جو نہی حضور کی نظر اُس پر پڑی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا اُٹھا گر گیا۔ اور چلّایا اور وہیں سے واپس بھاگا۔ آپ نے فرمایا۔ جاتا کیوں ہے۔ گواہی تو لیتا جا۔ اُس نے کہا کہ توبہ ہے میری۔ مجھ سے خطا ہوئی معاف فرمائیں۔ آپ نے معاف فرما دیا اور وہ چلا گیا۔

(۳۴۳) میاں جی عزالدین ساکن موضع بوتھ گڑھ تحصیل و ضلع لودہیانہ نے بتاریخ ۳ ذی الحجہ الحرام ۱۳۵۳ھ راقم الحروف سے ذکر کیا۔ کہ ایک دفعہ ایک گوالا نمازی ہمارے گاؤں کی مسجد میں دس پندرہ روز رہا۔ وہ بیان کرتا تھا۔ کہ ہم اپنی بھینسیں چرانے کے لئے شہر انبالہ میں جا رہے۔ پہلے دن خیال کیا کہ کچھ دودھ کسی درویش کو دے آئیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ شہر میں حضرت سائیں صاحب مشہور درویش ہیں۔ ہم دودھ لے کر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ مستی کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے پوچھا کیا آپ توکل شاہ ہیں؟ فرمایا۔ کونسے توکل شاہ؟ آگے جاؤ۔ ہم نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ توکل شاہ تو آپ ہی ہیں۔ ہم یہ دودھ آپ کے لئے لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ دودھ نعمت الٰہی ہے۔ اسے رد نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر کیا تم ہر روز لایا کرو گے؟ ہم نے عرض کیا۔ کہ ہمارے پاس پچاس ساٹھ بھینسیں ہیں۔ آپ ان میں سے ایک پر اپنا دست مبارک رکھ آئیں۔ ہم اُسی کا دودھ آپ کی خدمت میں پہنچا دیا کریں گے۔ چنانچہ آپ ہمارے ساتھ بھینسوں میں آئے۔ وہ چر رہی تھیں۔ آپ اُن میں پھرتے رہے۔ پھر ایک نہایت کمزور و لاغر بھینس پر اپنا دست مبارک رکھ کر اُسے تھاپی دی۔ اور ہم سے کہا کہ اس کا دودھ ہم کو دیا کرو۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ تو دوسرے تیسرے روز تھوڑا سا دودھ دیتی ہے۔ اِس کا بچہ بھی مر گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اِسی کا دودھ لایا کرو۔ دوسرے روز اُس بھینس نے برتن بھر دیا۔ ہم وہاں دو تین ماہ رہے۔ وہ بھینس بدستور دودھ دیتی رہی۔ ہم اُسے سائیں کی بھینس کہا کرتے تھے۔

(۳۴۴) محمد شفیع لودہیانوی نے راقم الحروف سے بیان کیا۔ کہ میری خالہ زاد ہمشیرہ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اُس کے شوہر خاں صاحب مظفر خاں انسپکٹر پولیس نے اپنے مرشد حضرت توکل شاہ صاحب سے

عرض کیا۔ کہ حضور دعا فرمائیں کہ میرے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو۔ آپ نے دعا فرمائی۔ کچھ عرصہ کے بعد لڑکا پیدا ہوا جس کو اُس کی والدہ چھٹی کے بعد انبالہ شریف میں خدمت اقدس میں لے گئی۔ بچہ اپنی ماں کی گود ہی میں تھا کہ آپ نے فرمایا۔ مست کو کہاں لائی ہو؟ ماں نے بچہ کو حضور کے سامنے کر دیا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن مبارک بچہ کے منہ میں ڈال کر فرمایا۔ کہ یہ تو مست ہے۔ چنانچہ وہ مست ہی رہا۔ یہانتک کہ پچیس سال کی عمر میں مستی ہی کے عالم میں انتقال کر گیا اُس کا نام غضنفر خاں تھا۔

(۳۵) سید رفیق احمد صاحب حال سینیر سب جج لودہیانہ نے مجھ سے ذکر کیا کہ میرے والد ماجد فرماتے تھے۔ کہ منشی حکیم الدین صاحب ای۔ اے۔ سی انبالہ شہر اور مجھ میں باہم چشمک رہا کرتی۔ منشی مذکور میرے آزار کے درپے رہتا۔ میں نے تنگ آکر حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ وہ اب مجھے ضرور نقصان پہنچائے گا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ وہ یہاں نہ رہے گا۔ چنانچہ تیسرے دن اُسے بذریعہ تار تبادلہ کا حکم آگیا۔ میں جو حاضر خدمت ہوا۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ سنا گیا ہے کہ وہ تبدیل ہو گیا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ تبدیل تو ہو گیا۔ مگر یہ کہہ گیا ہے۔ کہ میں پھر آجاؤں گا۔ آپ نے جوش میں آکر فرمایا کہ وہ یہاں ہرگز نہ آسکے گا۔ چنانچہ باوجود کوشش کے وہ پھر انبالہ میں نہ آسکا۔

حضور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات تو اور بھی سینکڑوں ہیں جن کے ایراد کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ نظر بر اختصار ہم نے پینتیس ہی پر اکتفاء کیا ہے۔ ان میں سے پہلی نو جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبہٹوی کے قلمی نسخہ سے منقول ہیں۔ نمبر دس سے سولہ تک تذکرہ توکلیہ سے ۔ سترہ سے اکیس تک کمالات توکلی سے اور بائیس سے بتیس تک ذکر خیر سے ماخوذ ہیں۔ باقی تین راقم الحروف کا اضافہ ہیں۔

آٹھواں باب

وفات شریف و حلیہ مبارک

آخر عمر میں حضور علیہ الرحمۃ کو طرح طرح کی بیماریاں لاحق تھیں۔ بواسیر نے وہ زور پکڑا کہ سیروں خون جاتا۔ پیشاب زیادہ آتا۔ کبھی کبھی بخار بھی ہو جایا کرتا۔ حسب بیان مولوی سراج الدین صاحب جب حضور کی عمر اٹھاون سال کی ہوئی۔ تو قرب وصال کی باتیں کرنے لگے۔ چنانچہ ۱۳۱۳ھ میں فرمایا کہ کراب ساڈا (ہمارا) وقت نیڑے (نزدیک) آگیا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ ہماری روح سبز کاہی عمامہ باندھے بدن سے جدا تیار بیٹھی ہے۔ پھر ۱۳۱۴ھ میں فرمایا۔ کہ ہم نے اپنی مسجد کے امام میاں جی رحیم خان صاحب کو

معاملہ میں دیکھا۔ کہ ہم سے جیتی پاکر (لپٹ کر) ملے اور کہا کہ شاہ جی! تمہارا انتظار اوپر ہو رہا ہے۔ اور اُس عالم کے لوگ تمہارے منتظر و شائق ہیں۔ شعبان ۱۳۱۴ھ سے ماہ صفر ۱۳۱۵ھ تک مرض کی شدت رہی اِس اثناء میں فرمایا کہ اب اس عالم ناسوت میں ہمارا رہنا نہ ہوگا۔ ہم نے رات کو ایک بلائے عظیم دیکھی جس سے مراد موت تھی۔ بعد ازاں وصال سے دو تین ماہ قبل آپ نے دیکھا کہ بزرگوں کی روحیں آسمان سے اُتر کر آپ سے مصافحہ کر رہی ہیں۔

آخر بیماری میں بھی حضرت بڑے حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ وصال سے ایک ماہ پہلے دیگر امراض کے علاوہ آپ کو اسہال کبدی بھی شروع ہو گئے۔ حالت صحت میں آپ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے کہ خدایا مجھے شہادت کی موت عطا فرمائیو اسی دعا کی برکت تھی کہ اسہال جاری ہو گئے۔ کیونکہ شریعت میں موت اسہال شہادت کے حکم میں ہے۔ اسہال کی وجہ سے حضور کو دن رات میں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ مرتبہ بیت الخلا میں جانا پڑتا تھا۔ مگر اس تکلیف میں بھی آپ کی یہ حالت تھی کہ نماز پنجگانہ جماعت سے ادا فرماتے۔ اور تمام اذکار و اشغال و مراقبات بدستور پورا کرتے۔ حسب بیان جناب قاری اکرام حسین صاحب کرنالی اِسی عرصہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالخالق صاحب جہانخیلی بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے حضور کا یہ حال دیکھ کر عرض کیا۔ کہ اب آپ اپنی موجودگی میں کسی کو اپنا قائم مقام یعنے سجادہ نشین کر دیجئے۔ اس کے جواب میں آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا تو یہ کہ میرا نام توکل شاہ ہے۔ میرے توکلی بوٹے ہیں۔ خدا پرورش کرنے والا ہے۔ کوئی ضرورت سجادہ کی نہیں۔ جب صاحبزادہ صاحب ممدوح نے زیادہ مُصر ہو کر بایں الفاظ حضرت سے عرض کی۔ کہ کیا آپ میرے والد ماجد خواجہ قادر بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیضان بند کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ نے جوش میں آکر فرمایا۔ کہ صاحبزادہ صاحب! مجھ کو آپ کا فرمانا مانند حضرت صاحب کے تھا۔ مگر کیا کروں۔ نہ تو بڑے حضرت نے اپنی موجودگی میں کسی کو سجادہ نشین بنایا۔ اور نہ حضرت خواجہ شمس العرفاں نے کسی کو سجادہ نشین مقرر کیا۔ اب میں اپنے پیروں کے خلاف کس طرح کسی ایک کو سجادہ نشین بنا دوں۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ میں نے تمام عمر اپنے توکل کو نبھایا ہے۔ یہ کام توکل اور استقامت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ میں ہرگز ایسا نہ کروں گا۔ مجھے معاف فرمائیں۔ اگر بالفرض والتقدیر میں اپنے دوستوں میں سے کسی ایک کو سجادہ نشین بنا بھی دوں۔ تو کیا میرے بہت سے لائق دوست نہیں ہیں۔ وہ اپنے دلوں میں مایوس ہوں گے۔ اِس لئے میں اِس کام کو توکل پر چھوڑتا ہوں۔ جس کو مولےٰ چاہے گا۔ سجادہ نشین ہو جائے گا۔ اور سجادگی میں رکھا ہی کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپ کو اجرائے سلسلہ کا فکر ہے۔ اُس کے واسطے میرے متعدد خلیفے

موجود ہیں جن کو میں اپنی موجودگی میں تلقین وبیعت کی اجازت دے چکا ہوں۔ وہ میرے بعد بیعت کریں گے
علاوہ اُن کے اور بہت لائق لائق نام لینے والے میرے درویش موجود ہیں۔ میرے بعد اُن سے
بہت سلاسل جاری ہوں گے۔ اور آپ دیکھیں گے۔

صاحب تذکرہ توکلیہ لکھتے ہیں کہ مرض موت میں صاحبزادہ عبدالخالق صاحب نے حضرت صاحب
سے عرض کیا کہ آپ کسی شخص کے واسطے اجازت دیں۔ جو مزار پر بیٹھ کر مزار شریف کی خدمت کرے۔
حضرت صاحب نے کچھ جواب نہیں دیا۔ صاحبزادہ صاحب آخر بڑے مرتبہ کے آدمی تھے۔ انہوں نے
عرض کیا کہ آخر جاروب کشی کے لئے ضرور کوئی شخص ہونا چاہیئے۔ تب حضرت صاحب نے فرمایا کہ
مغلی شاہ ہماری قبر پر جاروب کشی کیا کرے گا۔ اور کسی شخص کے لئے کسی طرح کا جناب نے حیات میں
اشارہ نہیں فرمایا۔

حضور علیہ الرحمۃ کا علاج معالجہ ہوتا رہا۔ آپ دوا پیتے وقت اکثر فرماتے تھے۔ کہ ہم رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر دوا کھاتے پیتے ہیں۔ ورنہ ہم جانتے ہیں کہ بغیر اللہ تعالےٰ کے حکم کے
دوا کچھ نہیں کر سکتی۔ ایک روز وصال سے دو ہفتہ پہلے بعد نماز ظہر آپ پر کچھ غشی سی طاری ہو گئی۔
مگر جلدی ہوش میں آگئے۔ اور اندر زنانہ دالان میں تشریف لے گئے۔ اور مکان کے اندر چارپائی پر
جس کا سرہانہ جانب شمال اور پینتی جانب جنوب تھی جا لیٹے۔ اور لیٹتے ہی بیہوش ہو گئے۔ صاحبزادہ
عبدالخالق۔ سائیں مغلی شاہ۔ خلیفہ مظفر علی خاں۔ مولوی محبوب عالم۔ مولوی عبدالرحیم مسکین۔ حاجی کریم بخش
میر یوسف علی شاہ۔ حاجی غلام محمد وغیرہ حاضر خدمت تھے۔ سب کے سب رونے اور کف افسوس ملنے
لگے۔ تھوڑی دیر میں حضور کو ہوش آیا۔ تو فرمانے لگے۔ روتے کیوں ہو۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ ہماری
صحت کے واسطے دعا کرو۔ اس ارشاد سے سب کو گونہ تسلی سی ہو گئی۔ ماہ صفر ۱۳۱۵ھ کے آخری
چارشنبہ سے پہلے آپ کو قدرے افاقہ ہو گیا۔ بااعتقاد مریدوں نے شکرانہ کا کھانا محتاجوں کو کھلایا۔ آخری
چارشنبہ کو دو بجے کے بعد مرض نے پھر عود کیا۔ آپ کی صحت کے واسطے بکرے ذبح کر کے ان کا گوشت
للہ تقسیم کیا گیا۔ اطراف واکناف سے زائرین آپ کی عیادت وزیارت کے لئے ہجوم کر آئے۔ حکیم
لطیف حسین خاں دہلوی۔ حکیم معزالدین خاں دہلوی اور دیگر بہت سے اطبا جمع ہو گئے۔ انہوں نے
ہر چند تدبیریں کیں مگر افاقہ نہ ہوا۔ آخر آپ بیٹھ کر نماز با جماعت پڑھنے لگے اور اپنے معمولات فکر کے
ساتھ بجا لانے لگے۔ اس حالت میں بھی جو شخص آپ کی زیارت کے لئے آتا۔ اس سے بڑے اطمینان
کے ساتھ ملاقات کرتے۔ راقم الحروف ان ایام میں بورڈ کالج امرتسر میں ملازم تھا۔ عرس حضرت

مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فارغ ہوتے ہی درِ دولت پر حاضر ہوا۔ اور اجازت حاصل کر کے اندر حاضرِ خدمت ہوا۔ دیکھا کہ آپ غربی دالان میں بے بستر چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ سرہانہ جانب شمال اور پینتی جانب جنوب تھی۔ اسہال جاری تھے۔ زبان مبارک پر اور حلق میں آبلے تھے۔ بول نہ سکتے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے اشارہ سے جواب دیا اور حال پوچھا۔ میں نے کچھ نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے لنگر کی طرف اشارہ فرمایا۔ اِس حالت میں آپ کی استقامت کا یہ حال تھا کہ اپنے معمولات انگلیوں کے پوروں سے بجا لا رہے تھے۔

جناب مولوی سراج الدین صاحب بروایت سائیں مغل شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب غلبہ مرض میں یاس ہوگئی۔ تو چھوٹی مائی صاحبہ یعنی حضور کی چھوٹی بیگم صاحبہ گریہ وزاری کرنے لگی آپ نے فرمایا کہ بیگم! غم نہ کر۔ رومت تجھے انشاء اللہ تعالےٰ جلدی بلا لیں گے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ حضور کو اپنے وصال اور بیگم صاحبہ کے انتقال کا حال منکشف ہوگیا تھا۔ چنانچہ آپ کے وصال کے پانچ مہینے دس دن بعد عین شب برات کی رات کو چھوٹی مائی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے انتقال فرمایا۔

وصال سے تین چار روز پہلے حسب بیان جناب مولوی محبوب عالم صاحب حضرت صاحب نے ایک دن فرمایا کہ آج ہم نے دیکھا کہ ایک بیحد نور ہے۔ جس کی نہ کہیں ابتداء ہے نہ انتہاء۔ ہم وہاں گئے۔ وہاں ایک دیوار ہے۔ دیوار سے پرلی طرف ہمیں بلایا گیا۔ مگر ہم نے جواب دیا کہ ابھی ہم نہیں آتے۔ اُن ایام میں زائرین دور دور سے زیارت کو آتے تھے۔ ان کو دستہ دستہ کر کے صرف زیارت کرائی جاتی تھی۔ بات چیت کا موقع نہ ملتا تھا۔ پھر آپ نے بار بار اِس طرح فرمانا شروع کیا کہ اب ہماری روح اُس بیحد نور کی طرف چڑھتی چلی جاتی ہے۔ دنیا میں رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہاں بڑے بڑے جھگڑے فساد ہیں۔ اب یہاں سے دل اُٹھ گیا۔

۳ ربیع الاول کو بائیں ہاتھ پر تشنج پڑا۔ آپ نے میر یوسف علی شاہ سے فرمایا کہ دم کرتے رہو۔ چنانچہ وہ دم کرتے رہے۔ آخر یوم وصال آپہنچا۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ یوم چہارشنبہ کو آپ نے فجر کی نماز اوّل وقت چارپائی پر لیٹے ہوئے اشارے سے باجماعت ادا کی۔ حافظ مولا بخش صاحب امام تھے۔ بائیں جانب سائیں مغل شاہ اور دائیں جانب میر یوسف علی شاہ مقتدی تھے۔ اللہ اللہ جماعت کا شوق ایسا تھا۔ یہ حضور علیہ الرحمۃ کی آخری نماز ہے۔ اب آپ کے لئے کسی نماز فرض کا وقت نہ آئے گا۔ اِس کے بعد حضرت صاحب کی چارپائی دالان کے صحن میں لائی گئی۔ آپ کبھی اُٹھتے اور کبھی لیٹ جاتے تھے۔ دو خادم تھامتے بٹھاتے تھے۔ چونکہ صحن خانہ میں گرمی ہوتی جاتی تھی۔ اس لئے چارپائی دالان میں لے گئے۔

وہاں بھی حضور نے اُسی طرح اُٹھنا بیٹھنا شروع کیا۔ جب آپ مغلی شاہ کا انگوٹھا دباتے۔ تو وہ اٹھا لیتا تھا۔ جب چھوڑ دیتے۔ تو لٹا دیتا تھا۔ اتنے میں آپ نے اشارہ فرمایا کہ پردہ اُٹھا دو۔ چنانچہ وہ چکیں جو دروازہ پر پڑی ہوئی تھیں سب اُٹھا دی گئیں۔ اس اثناء میں حضرت صاحب نے دونوں ہاتھ زمین کی طرف جھکا دئے۔ چنانچہ آپ کو فرش زمین پر اس طرح لٹا دیا گیا کہ آپ کا نصف دھڑ بوریا پر اور نصف بستر پر رہا۔ پھر آپ نے مغلی شاہ سے شہد کا شربت کرایا۔ اور خود گڈوی ہاتھ میں لے کر شربت نوش فرمایا۔ اِس حالت میں شہد کا نوش فرمانا عین اتباع سنت تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے لئے مرض اِسہال میں استعمال شہد ہی ارشاد فرمایا تھا۔ اِسی حالت میں صاحبزادہ خالقداد صاحب سرہانے کی طرف پاس آکر شجرہ شریف سنانے لگے۔ آپ نے اشارہ سے فرمایا۔ ہوں ہوں! یعنی مت پڑھو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کوئی اور کیفیت طاری تھی۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر تبدیل لباس کرایا۔ اور تیمم کے لئے مٹی طلب کی اور تیمم کیا۔ پھر پوچھا۔ کیا وقت نماز ہے؟ عرض کیا گیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ وقت مراقبہ تو ہے۔ عرض کیا گیا کہ ہاں۔ یہ سن کر آپ دوزانو ہو بیٹھے۔ اور دس بجے دن کا وقت تھا کہ سلطان الاذکار شروع کیا۔ دو دفعہ حبس دم کرکے سانس لیا۔ تیسری دفعہ حبس دم کیا تھا کہ روح پاک محبوب حقیقی سے جا واصل ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سائیں مغلی شاہ کا بیان ہے کہ ایک ہاتھ میرا حضرت صاحب کی گردن مبارک کے پیچھے تھا اور ایک سامنے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ سانس نہیں آتا۔ تو مَیں نے کہا کہ حضرت صاحب تو تشریف لے گئے۔ حاضرین اہل کشف کا بیان ہے کہ نزع کے وقت آپ پر نسبت حسینیہ وارد تھی۔ غرض جس شغل میں جوانی سے ساری عمر گزاری تھی۔ اُسی میں جان حق کو سونپ دی۔

انبالہ میں ایک شور قیامت وسانحہ محشر برپا ہوا۔ مخلوق اوپر تلے گرتی تھی۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو آنسوؤں سے تر نہ ہو۔ اور کوئی دل نہ تھا جو تیر غم سے نڈھال نہ ہو۔ ہزارہا ہندو مسلمان موجود تھے۔ ہزارہا پردہ نشین عورتیں ڈولیوں میں بیٹھ بیٹھ کر زیارت کو آئیں۔ باوجود منع کرنے کے آہ وزاری کی آواز گنبد گردوں تک پہنچتی تھی۔ ایک کہرام مچ رہا تھا۔ کیوں نہ ہو۔ وہ شہسوار عرصۂ توکل۔ اتباع سنت میں متوغل۔ بظاہر اُمی مگر عالم علم لدنی قطب زمانہ۔ شہباز بلند آشیانہ۔ شناور دریائے معرفت۔ کوہ استقامت و آفتاب ہدایت۔ یتیموں کا ملجا۔ بیوگان کا ماوا۔ ہمسایوں کا غمگسار۔ بیماروں کا تیماردار بے تعداد فرزندان معنوی کا باپ۔ اعلیٰ درجہ کا صوفی آج ہمیشہ کے لئے ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔

دہلی ولاہور وملتان وکرنال وغیرہ میں آپ کے مریدین واحباب کو تار دیا گیا۔ دور دور سے لوگ

آحاضر ہوئے۔ آخر بعد وقت عصر کے وقت آپ کو غسل دیا گیا۔ قلت وقت کی وجہ سے نماز جنازہ بعد مغرب پر ملتوی کر دی گئی۔ لوگ گروہ ناگروہ آخری دیدار کے منتظر و مشتاق تھے۔ صاحبزادہ عبدالخالق صاحب نے منہ کھول کر سب کو زیارت کرائی۔ مغرب کے بعد احاطہ میں خلقت کا ہجوم بہت زیادہ ہو گیا۔ اس لئے نماز جنازہ شہر سے باہر میدان میں پڑھی گئی۔ خلیفہ مظفر علی خاں صاحب امام تھے۔ صفیں درست کی گئیں۔ تو پہلی بار کی نماز میں اٹھارہ ہوئیں۔ جن میں سے ہر ایک میں بقول میر یوسف علی شاہ صاحب پانچ چھ سو آدمی سے کم نہ تھے۔ اور بقول مولوی محبوب عالم صاحب ہر ایک صف میں ایک ہزار آدمی تھے۔ دوسری بار کی نماز میں شمار نہیں کیا گیا کہ کس قدر آدمی شامل تھے۔ کیونکہ رات ہو گئی تھی۔ بعد ازاں جنازہ مبارک احاطہ میں لایا گیا۔ اور تقریباً دس بجے شب کے حضور علیہ الرحمۃ کو عین مطابق شریعت اُس جگہ سپرد خاک کر دیا گیا جہاں آپ نے حیات ہی میں اشارہ فرما دیا تھا۔

واضح رہے کہ زمین احاطہ جہاں اب مزار مبارک ہے وصال سے دو ماہ پہلے چھوٹی مائی صاحبہ نے اپنے روپے سے خریدی تھی۔ جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب لکھتے ہیں۔ کہ جس جگہ حضور کا مزار شریف ہے۔ یہاں صاف ویرانہ میدان تھا۔ گمان بھی آباد ہونے کا نہ تھا۔ البتہ کچھ دنوں پہلے سے آپ کے سامنے ہی اس میدان میں خیمے نصب ہو کر حضور حاجی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عُرس ہونے لگا تھا۔ حضور اکثر باہر جنگل میں جاتے ہوئے اِس میدان کو پاؤں سے ٹھکرا کر فرمایا کرتے تھے "مولوی! اس جگہ سے کچھ محبت کی بو آتی ہے۔" یہ کس کو خبر تھی کہ یہی جگہ حضور کا آرامگاہ ہو کر رشک جناں ہو گی۔ انتہیٰ۔

ذکر خیر میں ہے کہ وصال سے تیسرے دن ایک بزرگ قبر مبارک پر جا کر مراقب ہوئے کہ دیکھیں تو منکر نکیر کا برتاؤ کیسا رہا۔ حضرت علیہ الرحمۃ سے روحانی ملاقات ہوئی۔ پوچھا کہ حضور کے ساتھ حساب قبر کیسا رہا۔ فرمایا۔ حساب کتاب کیسا؟ انہوں نے کہا۔ حضور! کتابوں میں لکھا ہے کہ قبر میں دو فرشتے آکر سوال کیا کرتے ہیں۔ ایک منکر ہے دوسرا نکیر۔ حضور نے ہاتھ سے ایک خاص طرح کا اشارہ کر کے فرمایا۔ ہمارے سامنے تو کسی نے اِس کا ذکر بھی نہیں کیا۔

وصال مبارک سے چھ ماہ یا کچھ کم و بیش بعد جب قبر مبارک کو پختہ کرنے کے ارادہ سے برگوں کے اوپر کڑا پختہ باندھا گیا۔ تو اُس وقت ایک طرف سے ایک مخلص نے چوری سے غلبہ عشق کی وجہ سے تھوڑا سا سوراخ جس سے کہ تمام بدن مبارک دیکھ سکے کھول کر دیکھا۔ تمام بدن مبارک اور کفن مبارک تر و تازہ اور سالم تھا۔ خوشبو نے اندر سے اس قدر غلبہ پایا کہ دماغ برداشت نہ کر سکے۔ مگر وہ فوراً

بند کر دیا گیا اور اُس کی خوشبو کا اثر کئی روز تک دماغوں میں رہا۔ انتہیٰ۔

راقم الحروف کو جب حضور علیہ الرحمۃ کے وصال کی خبر امرتسر میں پہنچی۔ تو ایک گوشہ تنہائی میں اپنی عمر گزشتہ پر غور کر کے بہت رویا کہ ایسے شیخ کامل اب کہاں ملیں گے۔ ؎

جب اٹھی پیا کی خاطر کو میں ڈھونڈ رہی موئے ہاتھ نہ آئیو۔ اور سکھی اپنا پی سودت کھویو میں اپنا پی جاگ گنوائیو

رات کو دیکھا۔ کہ حضور علیہ الرحمۃ جنگل کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔ اور لوگ آپ کے پیچھے ہیں۔ میں بھی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ جنگل میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک چھوٹی جھونپڑی میں پلنگ بچھا ہوا ہے۔ حضور علیہ الرحمۃ پلنگ سے نیچے کسی درخت کی سبز شاخیں ہاتھ میں لئے ایک بیمار پر ہلا رہے ہیں۔ وہ بیمار فوراً چنگا ہو گیا۔ حضور نے میری طرف نظر اٹھا کر فرمایا۔ تم نے دیکھا۔ ہمارے ہاں بیمار اس طرح اچھے ہو جاتے ہیں۔ تمہیں اگر کوئی مشکل پیش آئے۔ تو ہمارے پاس آجایا کرو۔ انشاء اللہ تعالےٰ حل ہو جایا کرے گی۔ اِس خواب سے مجھے کمال درجہ کا اطمینان حاصل ہوا۔ چنانچہ جب کبھی مزار مبارک پر حاضر ہوتا ہوں۔ تو عجیب عنایت محسوس ہوتی ہے۔

حضور علیہ الرحمۃ کی تاریخ وصال بہت لوگوں نے لکھی ہے۔ نظر بر اختصار یہاں صرف دو درج کی جاتی ہیں جن میں سے ایک بلحاظ مادہ تاریخ اور دوسری بلحاظ مضمون سب سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔

از نتائج طبع جناب پیر غلام دستگیر صاحب نامی لاہوری

رفت از دنیا چوں آں قطب زماں — پیر کامل خواجۂ انبالوی
مقتدائے عارفانِ نقشبند — پیشوا و رہبرِ ہر متقی
صوفیٔ روشن ضمیر و پاکباز — آفتابِ فیضِ انوارِ نبی
سالِ وصلش نامیٔ مسکین گفت — شہ توکل بود متوکل ولی

۱۳ ۱۵

از نتائج طبع جناب مولوی محمد سعید صاحب سعید پروفیسر دہلوی مرحوم

اگر ہم چھوڑ دیں خوئے تغافل — تو جائے چشمِ عبرت ہیں ابھی کھل
ہے اوراقِ شبا روزی سے ظاہر — زمانے کا تغیر اور تبدل
بہارِ گلستاں ہے چند روزہ — گلوں پر تو عبث نازاں ہے بلبل
خزاں بھی متصل لاگی کھڑی ہے — بھروسہ کیا ترا اے موسم گل
نہ پھول اتنا حباب ساحلِ بحر — کہ یہ ہستی تری دم بھر کی ہے کُل

اجل پھرتی ہے یوں در پے ہمارے — کہ جیسے صید کے پیچھے قراول
مفرِ عصفورِ مسکیں کو کہاں ہو — گرے جب اُس پہ گندے جوڑ طغرل
خیالِ ہادم اللذّات بھی ہے — کچھ اے دلدادۂ عیش و تغافل
نہیں ہے مقتضائے عمرِ کوتاہ — کہ ہو انساں اسیرِ زلف و کاکل
کٹھن اتنی بڑی درپیش منزل — تہیّے میں سفر کے یہ تغافل

خدا چشمِ بصیرت دے تو سوجھے — کہ دنیا ہے سراسر جال اور چھل
یہ دولت نام ہے جس چیز کا وہ — نہیں از روئے معنی جز تداوُل
سکوں اس کو نہیں اک لحظہ اک دم — فلک کے پاؤں میں بجھو کر ہی چل
بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم — پذیرد حالتِ انساں تبدّل
خبر تھی ہیں توکّل شاہ بیمار — سُنا پھر یک بیک اُن کا ترحّل
گئی وہ روحِ پاک اُن کی نکل یوں — کہ جیسے بوئے نسرین و قرنفل
غمِ عشقِ خدا تھا تیر گویا — کہ سینے میں ترازو سا گیا تُل
نہ نکلی وہ خلش دل سے نہ نکلی — گئی آخر اُسی میں جان گھل گھل
توکّل شاہ کیا دنیا سے اُٹھے — جہاں سے اُٹھ گیا گویا توکّل
توکّل تھا بجائے خود اک اقلیم — توکّل شاہ تھے شاہِ توکّل
توکّل فی المثل تھا ایک گلشن — توکّل شاہ اُس گلشن کے تھے گُل
بھرا تھا فقر کی دولت سے گھر بار — توکّل اُن کا تھا سارا تموّل
وجود اس کا انہیں کے دم تک تھا — اب اسمِ بے مسمّیٰ ہے توکّل
توکّل اور تسلیم و رضا کے — مدارج کر چکے تھے طے وہ کُل
نہ شادی سے اُنہیں کچھ شادمانی — ملالت سے نہ کچھ اُن کو تملّل
نہ عمرو و زید سے اُن کو تعلّق — نہ سیم و زر کی جانب کچھ تمایُل
نیاز اُن کو فقط تھا اِک خدا سے — سمجھتے عزّتِ دنیا کو تھے ذُل
نہ تھی دنیا و مافیہا کی کچھ شُدھ — خیالِ دین میں تھا وہ توغّل
دیا دنیا کے دروازے کو جب بھیڑ — گیا بابِ فتوحِ غیب خود کھُل
کھلا لیتے نہ مہمانوں کو جب تک — نہ کرتے آپ وہ کھانا تناوُل
سفر میں نظر مقصد کا رکھتا — نہ تھا اِس کے سوا کوئی تخیّل

کبھی مڑ کر بھی تو پیچھے نہ دیکھا — عبور اس طرح دنیا کا کیا پُل
بڑھا قربِ خدا جتنا گھٹا تن — ترقی کا مگر گُر تھا تنزّل
نہ چھوڑے دامنِ شرع و طریقت — مبارک تھے وہ دونوں اُن کے جگل
رہے تا زیست وہ پابندِ سنّت — اُنہیں کافی یہی ہے بس توشّل
تعلّق میں وہاں تھا لطفِ تجرید — نہ تھا کچھ درمیاں حاجب تاہّل
خموشی میں وہاں لطفِ سخن تھا — تکلّم میں تھا اک لطفِ تغزّل
نہ دیکھا شاہ میں اہلِ نظر نے — جو پایا شاہ صاحب میں تجمّل
تصوّف کی بنا تھی اُن سے قائم — نہیں آیا کبھی اُس میں تزلزل
ملیں گے اب کہاں ایسے مشائخ — زمانے کا ہے رُخ سوئے تنزّل
بھرے گا کون اب آ کے جامِ ہلاہل — نہ وہ ساقی رہا باقی نہ وہ مُل
کہاں وہ دلکش آوازوں کا ہنگام — کہاں وہ بانگِ قلقل اب بجز قُل
نہ چھوڑا یادگار اپنا کسی کو — مگر اپنا تصوّر اور تخیل
توکّل شاہ کی سُن سُن کر آمد — مچایا حوریانِ عدن نے غُل
یہاں ہے شور بزمِ صوفیاں میں — ہوئی شمعِ طریقت کیسی یہ گُل
سنِ ہیدان کا یہی ہے سالِ رحلت — کہا میں نے جو سُن کر تامّل
جوارِ رحمتِ حق ہو میسّر — کہ تھے ہر طرح شایانِ تفضّل
فتبل یا الٰہی کلّ صَعْبٍ — بحقِ احمدِ مختارِ مُرسل

حلیہ مبارک قد مبارک میانہ موزون۔ فربہ اندام۔ سینہ چوڑا۔ ہاتھ پاؤں مضبوط۔ قوی ہیکل۔ صاحبِ رعب و داب۔ سر کے بال سیدھے نرمۂ گوش تک دراز۔ ڈاڑھی گنجان۔ ابرو باریک خمدار مثلِ ہلال۔ پیشانی کشادہ نورانی۔ ناک موزون۔ رخسارے پُرگوشت۔ آنکھیں بڑی بڑی بادۂ عشق سے مخمور۔ رنگ سرخ و سپید۔

حضور علیہ الرحمۃ اکثر کرتہ بہت نیچا اور کوٹ ہندوستانی قطع کا پہنتے تھے۔ تہبند باندھتے تھے۔ سر مبارک پر کبھی سپاہیانہ وضع کا اور کبھی عالمانہ انداز کا عمامہ ہوتا تھا۔ موسم سرما میں اکثر کنٹوپ پہنتے۔ آپ کو سفید لباس مرغوب تھا۔ رنگین یا گیروا لباس آپ کے بدن مبارک پر کبھی نہیں دیکھا گیا۔ میاں عبدالغفور قیس بوڑیوی نے اِس حلیہ شریف کو بحر مثنوی شریف میں یوں منظوم

فرمایا ہے:-

ہے توکل ہادیٔ راہِ خدا — ہے توکل تابعِ خیر الوریٰ
جبہہ سائی کرتے ہیں ہر روز آ — اس کے در پر سینکڑوں شاہ و گدا
ہو گیا فانی وہ جس دم خاک میں — بھید اُس پہ کھل گیا لاہوت کا
دیکھ کر اس قدِ موزوں کی پھبن — سر لیا شمشاد نے نیچے جھکا
سینہ چوڑا جسم فربہ اور قوی — نیز تھے مضبوط اُن کے دست و پا
ابروے خمدار تھی شکلِ ہلال — اور آنکھیں تھیں رسیلی با حیا
پُر لحم رخسار تھے وہ گلعذار — بینی خود بینی سے تھی پاک و صفا
موئے سر تھے آپ کے تا نرمۂ گوش — ریش تھی گنجان آں مردِ خدا
آپ تہ بند باندھتے تھے بس مدام — کوٹ کرتہ زیبِ تن کرتے سدا
تھے دوپٹہ عالمانہ باندھتے — اور سپاہیانہ کبھی عربی نما
جب سے انبالہ میں آئے تھے حضور — آپ نے کرتہ نہ پہنا گیروا
ہاں پہنتے تھے مگر ابیض لباس — کیونکہ ہے یہ سنتِ شمس الضحیٰ

نواں باب

کلماتِ قدسیہ

حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معرفت اجمالی تفصیلی ہو جائے۔ اِس قول کی تشریح حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ یوں فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام علوم کو وحی سے اخذ فرماتے تھے۔ اولیاء کرام اُن علوم کو بطریق الہام حق تعالےٰ سے اخذ کرتے ہیں۔ اور علمائے کرام نے اِن علوم کو شرائع سے اخذ کر کے بطریق اجمال بیان کیا ہے۔ وہ علوم جیسا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تفصیلاً و کشفاً حاصل تھے اولیاء اللہ کو بھی اُسی طریق سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہاں اصالت و تبعیت کا فرق ضرور ہے۔ مگر اولیاء اللہ میں سے ہر ایک کو یہ کمال حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض کو ازمنۂ دراز کے بعد اس کمال کے لئے انتخاب کرتے ہیں۔ (مکتوبات شریف۔ دفتر اوّل۔ مکتوب ۳۰)۔ یہ معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ اُمّی تھے آپ کے مکاشفات و کلمات قدسیہ راقم الحروف کے خیال میں ایک حد تک حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ

کی تشریح مذکور کی توضیح کے لئے کافی ووافی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

علم قرآن (۱) ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (سورہ حجر۔ اخیر آیت) سے کیا مراد ہے۔ کیا حضور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو یقین نہ تھا۔ فرمایا۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو حق الیقین کا مرتبہ حاصل تھا۔ اس آیت میں یقین سے مراد موت ہے۔

(۲) کسی نے آپ سے آیہ شریفہ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (سورہ حدید۔ رکوع اول) کے معنی دریافت کئے۔ فرمایا کہ اوّل نور خدا اور آخر نور اُس کا۔ وہ ظاہر ہے تجلی ظہور صفات سے اور باطن ہے عین ذات کے لحاظ سے۔ ذات پردے میں ہے اور صفات کا ظہور ہے۔

(۳) ایک روز آپ نے مولوی سراج الدین صاحب سے سوال کیا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے کہ اللہ ہر شے پر قدیر ہے۔ اور دوسری جگہ یوں ہے کہ اللہ ہر شے پر محیط ہے۔ قدیر و محیط میں کیا فرق ہے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور! مجھے کیا خبر۔ آپ نے فرمایا کہ تم بھی مولوی ہو۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ اس سوال کا تعلق تصوف سے ہے نہ کہ علم ظاہر سے۔ آپ ہی ارشاد فرمائیے۔ فرمایا کہ قدیر ہے ذات سے اور محیط ہے صفات سے۔ فرمایا کہ مراقبۂ قدیر اعلیٰ درجہ کا ہے مراقبہ محیط سے۔ ؎

تو محیطی بر ہمہ اندر صفات ۔۔۔ وز ہمہ پاکی و مستغنی بذات

(۴) جناب مولوی سراج الدین صاحب نے آپ سے سوال کیا کہ حضور! روح امر ربی ہے بحکم قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل۔ ع۱۰) اور یہ مومن و کافر دونوں میں ہے۔ جب کافر کی روح دوزخ میں گئی۔ تو گویا امر ربی گیا۔ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ جنت و دوزخ کیا ہیں؟ یہ دونوں اسماء و صفات کے ظہور ہیں۔ دوزخ صفت قہاری کا ظہور ہے۔ پس کافر کی روح جو قہر سے پیدا ہوئی۔ قہر یعنی دوزخ کی طرف گئی۔ كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ (ہر چیز اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے) مولانا روم فرماتے ہیں۔ ؎

نوریاں مر نوریاں را جاذب اند ۔۔۔ ناریاں مر ناریاں را جاذب اند

پھر مولوی صاحب نے عرض کیا کہ کُن کے فرمانے سے ارواح خلق پیدا ہوئیں۔ چونکہ روحیں دو قسم کی ہیں۔ قہری اور رحمت کی۔ تو گویا کُن دوبارہ فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ نہیں کن ایک ہی دفعہ کہا۔ مگر صفات رحم و قہر ہر دو کا ظہور ہو گیا جیسا کہ ہم ایک آنکھ سے کسی کو قہر سے اور کسی کو رحم سے دیکھتے ہیں۔

(۵) جناب مولوی محبوب عالم صاحب کا بیان ہے۔ کہ ایک روز صبح کے وقت میں حاضر خدمت ہوا۔ فرمایا۔

مولوی صاحب! یہ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ کیا کلام ہے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! یہ قرآن شریف کی آیت ہے۔ اور تمام آیت یوں ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (سورہ یونس ع۷) فرمایا۔ اچھا۔ اِس سے پہلے اولیاء اللہ کا لفظ بھی ہے؟ میں نے عرض کیا۔ ہاں حضور ہے۔ پھر فرمایا۔ اس کے معنے کیا ہوئے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! اِس کے معنے یہ ہیں کہ جو اولیاء اللہ ہیں اُن پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم ہے۔ فرمایا۔ اِس خوف وغم کے نہ ہونے کا کیا مطلب ہے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! اِس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اولیاء اللہ ہیں انہیں عذاب قبر حشر۔ قیامت۔ میزان۔ پل صراط دوزخ وغیرہ کا کچھ خوف اور غم نہیں ہے۔ فرمایا۔ یہ سارا تو لَا خَوْفٌ میں آچکا۔ کیونکہ انہیں کوئی خوف جو نہ ہوا۔ پھر غم کاہے کا باقی رہ گیا۔ میں نے عرض کیا۔ حضور اِس کا مطلب آپ جانتے ہوں گے۔ فرمایا اِس کا مطلب یہ ہے کہ جب عذاب قبر۔ قیامت۔ میزان۔ حساب وکتاب۔ پل صراط وغیرہ کا کچھ خوف نہ رہا اور وہ بلا حساب بخشے گئے۔ تو خوف ہر طرح کا جاتا رہا۔ مگر غم اس بات کا رہا کہ دیکھئے اجر د ثواب اور جنت میں مراتب بھی پورے ملتے ہیں یا کسی قدر کمی بیشی ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ انہیں اِن مراتب اور اجر و ثواب کے بارے میں بھی کسی طرح کا غم نہ ہوگا۔ پھر فرمایا۔ ہمیں تین دفعہ یہ آواز آئی کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ یعنے تجھے اُس گروہ میں داخل کر دیا۔ جن کے بارے میں یہ آیت ہے۔ تجھے نہ خوف ہوگا اور نہ کسی طرح کا غم ہوگا۔ ہم نے تجھے بے حساب بخش دیا۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! یہ بشارت خاص حضور ہی کے واسطے ہے یا آپ کے ملنے والوں کے واسطے بھی۔ فرمایا۔ یہ بشارت ہمارے ملنے والوں کے واسطے بھی ہے اور جو اُن کے ملنے والے ہوں گے اُن کے واسطے بھی۔ اور جو کوئی ہمارے سلسلہ میں قیامت تک ہماری نسبت حاصل کرے گا اور ہمارے طریقہ کا پابند رہے گا اُن سب کے واسطے یہ بشارت ہے۔ اِس بات کا حکم بھی اُسی وقت اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہو گیا تھا۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے بھی اُس کی تصدیق ہو گئی۔ اور پھر مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے دفتر میں ہمیں اُن سب کے نام لکھے ہوئے دکھائے جو قیامت تک ہمارے سلسلہ میں داخل ہو کر ہماری نسبت حاصل کریں گے۔ اور ہمارے طریقہ کے پابند رہیں گے۔ اور اِس بشارت میں داخل ہیں۔

(۶) ایک روز کسی شخص نے یہ مسئلہ پوچھا کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اُس کے لئے بہشت واجب ہو گئی۔ پھر ابو جہل و ابو لہب وغیرہ نے بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا وہ کیوں بہشتی نہ ہوئے۔ فرمایا ابو جہل ابو لہب وغیرہ نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو بھتیجا سمجھ کر دیکھا تھا۔ اور بھتیجا اور چھوٹا سمجھنا ہی کفر تھا۔ اگر محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کو رسول سمجھ کر دیکھتے۔ تو یہی ایمان تھا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ اور بہشت میں جانا ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔ انتہیٰ۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ نے جو جواب ارشاد فرمایا وہ بالکل درست ہے۔ سلطان محمود غزنوی نے اسی قسم کا اعتراض شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ پر کیا تھا۔ حضرت شیخ نے یہی جواب دیا تھا اور ثبوت میں آیہ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (اعراف۔ اخیر رکوع)۔ پیش کی تھی جیساکہ ترجمہ حضرت ابوالحسن خرقانی میں بیان ہوا۔ ؎

برائے دیدن روئے تو چشمے دیگرم باید کہ ایں چشمے کہ من دارم جمالت را نشاید ۔

(۷) ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔ کہ حضور! مجھے حزب البحر پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ہم تو حزب البحر پڑھتے نہیں جو پڑھتا ہو۔ اُس سے اجازت لے لو۔ خدا تعالےٰ کا حکم ہے کہ جو کام تم خود نہیں کرتے۔ اوروں سے کیوں کہتے ہو کہ کرو۔ جبکہ ہم حزب البحر نہیں پڑھتے۔ تو اس کی اجازت کس طرح دے دیں۔ اس طرح منع ہے۔ قرآن شریف میں صریح حکم ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضور علیہ الرحمۃ کا اشارہ آیہ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کی طرف ہے۔ یعنی اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔

(۸) ایک روز ان آیتوں کا تذکرہ تھا۔ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ٥ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۔ ترجمہ۔ اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ سو آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم کہ یہ بات تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو۔ ایک زمیندار حاضر خدمت تھا۔ اُس نے حضرت علیہ الرحمۃ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا۔ کہ حضور! ہم زمین میں ہل چلاتے اور بوتے بیجتے ہیں۔ تو ہم کو زمین سے رزق ہاتھ آتا ہے اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ رزق آسمانوں میں ہے۔ یہ کیا بات ہے۔ فرمایا۔ درحقیقت رزق آسمانوں ہی میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ جس سے مری ہوئی زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ اور وہی آسمان سے پانی برسا کر بندوں کے واسطے رزق پیدا کرتا ہے۔ وہ آیتیں تو ہمیں یاد نہیں۔ پھر فرمایا۔ بات یہ ہے کہ رزق آسمان ہی سے آتا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ تاثیر اور پانی آسمان سے زمین پر وارد کرتا ہے۔ اور زمین کو حکم دیتا ہے۔ تب زمین اُس پانی اور تاثیر سے رزق اُگاتی ہے اور خدا تعالےٰ کا حکم مانتی ہے پس در اصل رزق آسمان سے ہی آتا ہے۔ کیونکہ زمین سے کچھ پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ آسمان سے تاثیرات پانی اور خدا تعالےٰ کا حکم زمین پر وارد نہ ہو۔

علم حدیث | (۱) ایک روز جالندھر کے ایک فاضل مولوی صاحب حاضر خدمت ہوئے اور آپ سے کئی مسئلے دریافت کئے۔ فاضل موصوف حضور علیہ الرحمۃ کے جوابات سُن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ ان کو اُمّی کون کہتا ہے۔ یہ تو علم کے دریا ہیں۔ جب وہ رخصت ہونے لگے۔ تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہمارا ابھی ایک مسئلہ بتاتے جاؤ۔ اور وہ یہ ہے کہ جس وقت اللہ تعالےٰ کی ذات پاک کے سوا کچھ نہ تھا۔ اُس وقت خدا تعالےٰ کہاں رہتا تھا۔ یہ سُن کر فاضل موصوف نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ آپ ہی ارشاد فرمائیے۔ اِس پر آپ نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ اُس وقت اپنی صفات کے بادل میں تھا یعنی ذات خدا صفات کے پردہ میں تھی۔ فاضل جالندھری نے تسلیم کیا اور کہا کہ رسول[1] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ کان فی عماء۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہم حدیث شریف تو پڑھے ہوئے نہیں۔ مگر معلوم اسی طرح ہوتا ہے اور پھر اِن ہی صفتوں کا ظہور ہوا جن سے زمین و آسمان چاند سورج وغیرہ سب چیزیں بن گئیں۔ انتہےٰ۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ فاضل موصوف نے جس حدیث کا حوالہ دیا وہ یوں ہے۔

عن ابی رزین قال قلت یا رسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق خلقہ قال کان فی عماء ما تحتہ ہواء وما فوقہ ہواء وخلق عرشہ علی الماء رواہ الترمذی وقال قال یزید بن ہارون العماء ای لیس معہ شئ

(مشکوٰۃ شریف۔ باب بدء الخلق)

ابو رزین صحابی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! پیدائش خلق سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا۔ فرمایا۔ عماء میں تھا کہ نہ اُس کے نیچے ہوا تھی اور نہ اُس کے اوپر ہوا تھی۔ اور اُس نے اپنے عرش کو پانی پر پیدا کیا۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ اور کہا کہ حافظ حدیث یزید بن ہارون (متوفی ۲۰۶ھ) نے کہا کہ عماء کنایہ ہے اس سے کہ اُس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔

عماء کے معنی بادل کے ہیں۔ اِس کی تشریح میں شراح حدیث حیران ہیں۔ ابو عبید کا قول ہے کہ اِس عماء کی کیفیت کسی عالم کو معلوم نہیں۔ کوئی اس سے حجاب جلال مراد لیتا ہے۔ کوئی غیب ہویت ذات بلا ظہور مظاہر صفات بتاتا ہے۔ بعضے اسے متشابہات میں شمار کرتے ہیں۔ مولانا جامی نے اِس حدیث کی شرح میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ اندریں صورت حضور علیہ الرحمۃ کا ارشاد خاص اہمیت رکھتا ہے اور ہمارے نزدیک اقرب الی الصواب ہے۔ بلکہ صواب یہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) جناب مولوی سراج الدین صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز حضور علیہ الرحمۃ نے مجھ سے اِس

---

[1] یہ مولوی محبوب عالم صاحب کی روایت ہے۔ مگر مولوی سراج الدین صاحب کی روایت میں یوں ہے کہ خود حضرت صاحب نے اِس حدیث کے معنی فاضل موصوف سے دریافت کئے۔ جب اُسے نہ آئے۔ تو خود ارشاد فرمائے۔

حدیث (انکم ستروں ربکم کما ترون ھذا القمر) کے معنے پوچھے۔ اور فرمایا کہ اگر چاند جیسا ہوگا تو نور محدود ہوگا۔ حالانکہ ذات خدا محدود نہیں۔ میں نے عذر کیا اور عرض کیا کہ آپ ہی ارشاد فرمائیے۔ فرمایا کہ جمالیت کا ظہور ہوگا۔ چاند جیسا چمکتا ہوا نور ہوگا۔ نہ یہ کہ اسی قدر کہ ہوگا جو محدود ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حدیث زیر بحث یہ ہے:۔

عن جریر بن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انكم سترون ربكم عيانًا وفي رواية قال كنا جلوسًا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فنظر الى القمر ليلة فقال انكم سترون ربكم كما ترون هذا القمر لا تضامون في رؤيته (مشکوٰۃ شریف۔ باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک تم اپنے پروردگار کو ظاہر آنکھ سے دیکھو گے۔ اور ایک روایت میں آیا کہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا۔ کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پس آنحضرت نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا تحقیق تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے جیسا کہ اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیدار میں ضرر یا ظلم نہ کئے جاؤ گے۔

شارحین لکھتے ہیں کہ یہاں رؤیت کی تشبیہ رؤیت سے ہے انکشاف تام میں۔ یعنی تمہارا حق تعالےٰ کو دیکھنا ایسا ہوگا جیسا اس چاند کو دیکھنا کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور مرئی کی تشبیہ مرئی سے مراد نہیں۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ جیسا کہ یہ چاند تمہارے مقابلہ میں اور جہت میں ہے اور محدود ہے ذات حق تعالےٰ بھی اسی طرح محدود ہوگی۔ رہا لا تضامون۔ سو اس کی تشریح کئی طرح سے کی گئی ہے۔ اگر تضامون کو بضم تا و تخفیف میم مضمومہ پڑھا جائے۔ تو وہ ضیم سے ہے جس کے معنی ضرر و ظلم کے ہیں۔ یعنی تم پر دیدار حق میں ضرر و ظلم نہ ہوگا کہ بعضے دیکھیں اور بعضے نہ دیکھیں۔ بلکہ سب دیکھیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم ایک دوسرے پر تکذیب و انکار سے ظلم نہ کروگے۔ بلکہ سب تصدیق کریں گے کہ واقعی یہ رؤیۃ حق تعالےٰ ہے۔ اگر بتشدید میم مضمومہ اور ضم تا یا فتح تا کے ساتھ باب مفاعلہ (مضامۃ بمعنی مزاحمۃ) اور باب تفاعل (تضامم بمعنی تزاحم) سمجھا جائے۔ تو یہ معنی ہوں گے کہ تم بوقت رؤیت باریتعالیٰ بوجہ کمال ظہور و وضوح کے مزاحمت و ازدحام نہ کروگے۔ جیسا کہ ماہ نو کی رؤیت کے وقت بوجہ خفا و اشتباہ کیا کرتے ہو۔ بلکہ ہر ایک مومن حق تعالےٰ کو بآسانی دیکھ لے گا۔ یہ ہے ماحصل شراح کی تگ و دو کا۔ مگر حضور علیہ الرحمۃ نے جو معنی بیان فرمائے ہیں۔ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہوئی۔ فقیر راقم الحروف کے نزدیک یہی معنی اقرب الی الصواب بلکہ صواب ہیں۔ کیونکہ حدیث زیر بحث میں رؤیت

بارتعالیٰ کا ذکر ہے۔ جو قیامت کے دن مومنوں کو نصیب ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ رؤیت رؤیت جمالیہ ہوگی۔ اسی واسطے اس کو رؤیت بدر سے تشبیہ دی۔ موقف میں کفار کو بھی رؤیت حق ہوگی۔ مگر وہ رؤیتِ قہر و جلال ہوگی۔ اِس کے بعد وہ محجوب ہو جائیں گے تاکہ ان کو حسرت و عذاب زیادہ ہو۔ حدیث شریف کے الفاظ لاتضامون فی رویتہ اِسی معنے کی تائید کر رہے ہیں۔ مصباح منیر میں ہے۔ ضامہ ضیما مثل ضارہ ضیرا وزنا و معنی۔ اور ضارہ ضیرا من باب باع اضربہ۔ پس لاتضامون فی رویتہ کے معنے یہ ہوئے کہ رویت بارتعالیٰ میں تم کو تکلیف و ضرر نہ ہوگا کیونکہ وہ رؤیت جمال ہوگی۔

(۳) ایک شخص نے سوال کیا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ یعنے دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے بہشت ہے۔ مگر اس کے برعکس دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے مومن مالدار اور کئی کافر نان شبینہ کے محتاج ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مسلمان یہاں کتنا ہی عیش و آرام میں ہو۔ بمقابلہ النعماء بہشت قید خانہ ہی میں ہے۔ اور کافر دنیا میں خواہ کتنی تکلیفیں اُٹھائے۔ عذاب دوزخ کے مقابلہ میں یہ تکالیف بہشت معلوم ہوں گی۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف (کتاب الرقاق فصل اوّل) میں مذکور ہے۔ اِس کا مطلب جو حضور علیہ الرحمۃ نے فرمایا بالکل درست ہے۔ چنانچہ علامہ حسن بن محمد طیبی (متوفی سنہ ۷۴۳ھ) نے شرح مشکوٰۃ میں اِس کے معنی یوں لکھے ہیں۔

الدنیا سجن المؤمن وذا فی جنب ما اعدّ لہ من المثوبۃ وجنۃ الکافر فی جنب ما اعدّ لہ من العقوبۃ وقیل المومن یسجن نفسہ عن الملاذ ویاخذھا بالشد ائد والکافر عکسہ (مجمع بحار الانوار)

دنیا مومن کے لئے مثل قید خانہ کے ہے بمقابلہ اُس ثواب کے جو اُس کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اور کافر کے لئے مثل جنت کے ہے بمقابلہ اُس عذاب کے جو اس کے لئے تیار ہے۔ اور کہا گیا کہ مومن اپنے نفس کو لذّات و شہوات سے روکتا ہے اور اُسے سختیوں میں ڈالتا ہے۔ اور کافر اس کے برعکس لذات و شہوات میں مشغول رہتا ہے

تفسیر روح البیان میں شروع تفسیر سورہ ہود میں ہے۔ کہ دنیا کا قید خانہ ہونا بمقابلہ نعیم آخرت کے ہے جو مومن کے لئے تیار کی گئی ہے اور یہ فی الجملہ راحت کا منافی نہیں۔ چنانچہ حکایت ہے کہ اہل بغداد میں سے ایک قاضی اپنے خدم و حشم کے ساتھ ایک گلخانی کے کوچہ سے گذرا۔ وہ گلخانی بد شکل جہنمی کی صورت میں یوں نمودار ہوا کہ گویا چیڑ کا تیل اُس کے جوانب سے گر رہا ہے۔ اُس نے قاضی صاحب کی خچر کی لگام تھام کر کہا۔ تمہارے پیغمبر کے اس قول (الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر) کے کیا معنی ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ دنیا تمہارے واسطے جنت ہے حالانکہ تم مومن محمدی ہو۔ اور میرے

واسطے قید خانہ ہے حالانکہ میں کافر یہودی ہوں۔ قاضی نے جواب دیا کہ دنیا اور اُس کی زینت وحشمت مومنوں کے لئے قید خانہ ہے بمقابلہ جنت اور درجات جنت کے جو اُن کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ اور کافروں کے لئے جنت ہے بمقابلہ جہنم اور درکات جہنم کے جو ان کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ یہودی سمجھ گیا اور اسلام لایا۔ انتہیٰ۔

(۴) حضور علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا گیا کہ نماز میں اخلاص کیا چیز ہے۔ ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ نماز میں خیال رکھو کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ نہ ہو۔ تو اتنا خیال ضرور رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب نے جس حدیث شریف کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ حدیث جبرئیل ہے جس میں اسلام و ایمان کی نسبت استفسار کے بعد حضرت جبرئیلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں۔ فاخبرنی عن الاحسان۔ یعنے مجھے بتائیے کہ احسان و اخلاص کیا چیز ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں فرماتے ہیں۔ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الایمان) یعنے احسان سے مراد یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اُس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تیرا یہ حال نہیں کہ گویا تو اُس کو دیکھ رہا ہے۔ تو عبادت کر بدیں صفت کہ تو جانے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ انتہیٰ۔

(۵) حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ہمارا رب تبارک وتعالےٰ ہر شب سب سے نیچے کے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے جس وقت کہ رات کا اخیر کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے۔ اور یوں پکارتا ہے:۔

من یدعونی فاستجیب لہ من یسألنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفر لہ۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)	کون ہے کہ مجھ سے دعا کرے تاکہ میں اُس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے کہ مجھ سے مانگے تاکہ میں اُسے عطا کروں۔ کون ہے کہ مجھ سے معافی مانگے تاکہ میں اُسے معاف کر دوں۔

حضور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی نے اس ندا کو چند بار سنا ہے۔ اور اس فقیر نے بھی دو تین بار سنا ہے۔ اِس ندا کا وقت اکثر تین چار بجے کے مابین ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ہم اُس وقت وظیفہ کر رہے تھے۔ کہ آسمان پر پہلے ایک سیٹی کی سی آواز ہوئی۔ پھر اُس میں سے یہ الفاظ پیدا ہوئے۔ اے ہمارے بندے توکل وظیفہ کرنے والے!

(۶) فرمایا۔ ہمارا توکل ایسا ہے جیسا کہ بچہ باپ کی گود میں ہوتا ہے۔ بچے کو کسی طرح کا فکر نہیں ہوتا اور

باپ کو اُس کے سارے فکر ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اصل اصول توکّل میں یہ ہے کہ حدیث شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔ یعنے میں اپنے بندے کے ساتھ اُس کے گمان کے موافق برتاؤ کرتا ہوں۔ جیسا گمان وہ میری نسبت رکھتا ہے۔ میں اس کے ساتھ اُسی طرح پیش آتا ہوں۔

(۷) حافظ شیرازی کا یہ شعر ہے۔ ؎

کس ندانست کہ منزلگہِ مقصود کجاست　　　ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے مے آید

حضور علیہ الرحمۃ نے اِس شعر کے حل میں فرمایا کہ مقصود سے مراد خدا تعالےٰ ہے۔ جس کی جگہ معلوم نہیں کیونکہ وہ لامکانی ہے۔ اور بانگِ جرس (گھنٹی کی آواز) سے مراد وحی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ وہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔ اُس میں مذکور ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے۔ آپ نے فرمایا:-

احیانًا یاتینی مثل صلصلۃ الجرس وھو اشدہ علی فیفصم عنی وقد وعیت عنہ ما قال	گاہ گاہے مجھ پر وحی گھنٹی کی آواز کی مثل آتی ہے۔ اور وحی کی یہ نوع مجھ پر زیادہ سخت ہے۔ پس وہ وحی مجھ سے منقطع ہو جاتی ہے حالانکہ میں اُس وحی سے یاد رکھتا ہوں اُس چیز کو جو فرشتہ نے کہی۔

علم فقہ

(۱) فرمایا علم ظاہری کے بغیر فقیری [illegible] کھنا گمراہی ہے۔ کیونکہ نماز روزہ اور دیگر ارکان اسلام کا ادا کرنا اور اُن کے حقائق وارد ہو کر اُن میں سیر کرتے ہوئے دیدار الٰہی میں مستغرق ہونا اِسی کا نام تو فقر ہے۔ رہا علم لدنی۔ سو وہ خدا تعالےٰ کا انعام و فضل ہے۔ اور فضل و انعام اُس پر ہوتا ہے جس پر خدا راضی ہو۔ مگر وہ نافرمان پر راضی نہیں ہوتا۔ پس جس نے اِن ارکان کو ترک کیا۔ اُس پر وہ راضی نہیں۔ تو اُسے علم لدنی جو فضل و انعام ہے کیونکر حاصل ہو۔ پس پہلے ارکان اسلام کے مسائل مثل حلت و حرمت۔ جائز و ناجائز۔ سنت۔ مکروہ۔ مستحب۔ واجب و فرض سے خوب واقفیت حاصل کرے۔ پھر فقیری میں قدم رکھے۔

(۲) دست غیب کی روزی کی نسبت فرمایا۔ کہ دست غیب کے سب عمل حرام نہیں۔ بلکہ عمل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص عمل کے طریقہ پر کوئی اسم الٰہی پڑھتا ہے۔ تو دو طرح کے خادم اُس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ ایک ملائکہ میں سے دوسرے جنات میں سے۔ جنات روزی لانے میں حرام و

حلال کی تمیز نہیں کرتے۔ اس واسطے جس طریقہ عمل سے جنات تابع ہوتے ہیں۔ اُس طریقہ سے عمل پڑھنا منع ہے۔ اور اُس طریقہ کی روزی حرام ہوتی ہے۔ مگر فرشتے ہمیشہ حلال وطیب روزی تلاش کرتے ہیں اور کسی ایسے خزانہ سے جو کسی کی ملکیت نہ ہو لاتے ہیں۔ ایسا عمل جائز ہے۔

(۳) جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبہٹوی لکھتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ کوتوالی کی ملازمت کا ذکر آیا۔ حضور علیہ الرحمۃ فرمانے لگے۔ اس کا حلال یا حرام ہونا تو مولوی جانیں۔ لیکن ایک مرتبہ حسب عادت میں نے مظفر علی خاں صاحب کے پاس کوتوالی میں قیام کر دیا۔ شب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس قائم تھی۔ مجھ کو اندر جانے کی اجازت نہ ملی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ توکل شاہ کوتوالی میں ٹھہرا ہوا ہے اُسے اندر نہ آنے دو۔ میں فوراً مظفر علی خاں سے یہ ماجرا بیان کر کے اپنا بستر اُٹھا جنگل کو ہو لیا۔ خدا جانے اس میں کیا حکمت تھی۔

(۴) ایک روز فرمایا۔ کہ اور تمام عبادتیں بسبب کسی قصور کے ردّ ہو سکتی ہیں۔ مگر درود شریف ایسی شے ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی ردّ نہیں ہو سکتا۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہی قول سلف سے منقول ہے جس کی توضیح وتشریح ہم نے "سیرتِ رسول عربی" صلے اللہ علیہ وسلم میں کی ہے۔

علم تصوف

(۱) فرمایا۔ مرید پر پیر کا حق یہ ہے۔ کہ گھر بار دھن دولت غرض جو چیز مرید کی ملکیت میں ہے سب پیشوا کی ملک ہو جاتی ہے۔ اور اس میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ مرید پیشوا کے سامنے اپنے آپ کو ایسا سمجھے جیسا مُردہ بدستِ غسّال۔ ایک فانی جان دینے سے وہ باقی جان آجاتی ہے جو کبھی فنا نہ ہو۔

(۲) پیر پر مرید کا حق یہ ہے کہ اول مرید کے واسطے جانکنی کے وقت اللہ تعالےٰ سے دعا کرے اور خود مدد کرے کہ اُس کے دل میں نام الٰہی جاری ہو جائے۔ اگر مرید پر بیہوشی ہے۔ تو نور کی تجلی وارد کرے تاکہ اُس کو علم توحید ہو جائے۔ اور شیطان کے دھوکے سے بچائے کہ وہ ایمان سلب نہ کرے۔ دوسرے منکر نکیر کے سوال کے وقت اللہ تعالیٰ سے جواب میں آسانی یا معافی کرائے۔ بلکہ سوال کے وقت پیر کی روح مرید کے پاس ہو تاکہ وہ گھبرا نہ جائے۔ تیسرے پل صراط پر مدد کرے۔ پھر سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میں داخل کرے اور جنت میں پہنچائے۔ یہ ان مریدوں کا حق ہے جو پیشوا سے محبت رکھنے والے اور اُن کے وظائف کے پابند اور ان کے ارشادات پر عمل کرنے والے ہوں۔ باقی وہ مرید جو پیشوا کی ذات میں فانی ہو چکے ہیں اُن کے حقوق کہنے سننے سے باہر ہیں۔ انتہا یہ کہ اللہ تعالےٰ سے واصل کرے۔

(۳) ایک روز مجمع میں کسی شخص نے پوچھا۔ کہ حضور! مرید پیر سے بڑھ بھی جاتا ہے؟ فرمایا۔ بعض مرید ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی سیر اتنی دور ہوتی ہے کہ پیر کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کہاں تک ہے۔ چنانچہ سری سقطی علیہ الرحمۃ سے کسی نے یہی سوال کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جنید مجھ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ پھر

فرمایا۔ کہ اب بھی ایسے ہیں۔ مگر مرید گو پیر سے بڑھ جائے۔ لیکن پیر پیر ہی رہتا ہے۔ پیر کا وہی ادب و تعظیم اور مرتبہ باقی رہتا ہے۔

(۴) کسی نے عرض کیا۔ کہ حضور! اکثر مرشد مریدوں کو خواب میں آکر ہدایت کرتے ہیں یا توجہ وغیرہ دیتے ہیں۔ اس کا علم مرشد کو بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ فرمایا۔ کبھی مرشد کو علم ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔ اگر خود مرشد کا ارادہ ہوتا ہے۔ تو اُسے علم ہوتا ہے ورنہ مرشد کا لطیفہ خود مرشد کی صورت اختیار کرکے مرید کے لطائف وغیرہ کو توجہ یا ہدایت کئے جاتا ہے اور مرشد کو علم بھی نہیں ہوتا۔

(۵) ایک روز ارشاد فرمانے لگے کہ اسطرح سے افاضہ اور استفاضہ یقیناً جاری ہے۔ فقیر ایک مرتبہ مراقبہ میں مشغول تھا۔ ایک شخص کی روح جو کئی سو کوس کے فاصلہ پر تھی فقیر سے اس قدر فیض لے رہی تھی کہ فقیر تو بیاخالی ہو ہو جاتا تھا۔ مگر فیض الٰہی نا متناہی ہے۔ اس سے خدا کا بندہ خالی نہیں ہوسکتا۔ فکر سے معلوم ہوا کہ مستفیض فقیر کا مرید ہے۔

(۶) ایک مرتبہ فرمانے لگے۔ سالک جس شغل یا ذکر کی کثرت زندگی میں کرتا ہے۔ انتقال کے بعد بھی وہ جاری رہتا ہے۔ چنانچہ ہم پانی پت میں تھے۔ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہوکر مراقب ہوئے۔ تو صاحب مزار پکار پکار کر اللہ اللہ کہہ رہے تھے۔ ہم نے امیر اللہ شاہ کو بھی یہ ذکر سنوا کر کہا کہ یہ زندگی کا شغل ابتک جاری ہے۔

(۷) ذکر خیر میں ہے کہ ایک روز آپ سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا فقیر ایک دوسرے کا فیض سلب کرلیتے ہیں۔ فرمایا۔ ہاں۔ کرلیتے ہیں۔ مگر وہی جو کم ہمت ہوں۔ کامل کسی کا فیض سلب نہیں کرتے۔ بلکہ دوسرے کو ترقی بخشتے ہیں۔ اس کے بعد آپ سے فیض مسلوب کے واپس لینے کا طریقہ دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا کہ اپنے پیشوا کے قلب کے نیچے اپنا قلب کرکے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب کا فیض تو سط مرشد لے اور درود شریف پڑھے۔ فیض واپس آجائے گا اور ترقی ہوجائے گی۔ اگر وہی فیض واپس لینا ہو۔ تو اُس کی ترکیب یہ ہے کہ سلب کرنے والے شخص کے قلب کے پیچھے اپنے پیشوا کا قلب اور اس کے پیچھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قلب تصور کرکے درود شریف پڑھے اور کوشش کرے۔ تو وہی فیض بعینہٖ واپس آجائیگا اور فرمایا کہ اہل قبور کی حالت اس طرح ہے۔ کہ جو بزرگ فیض دیتے ہوئے فوت ہوا وہ فیض دیتا ہی رہتا ہے اور جو فیض لیتے ہوئے مرگیا۔ اُس کی قبر پر جو شخص جائے گا وہ اُسی سے فیض لینا شروع کردیگا۔ اگر مرشد کامل کے فرمودہ وظائف کو پورے طور پڑھتا رہے۔ تو بھی سلب شدہ فیض واپس آجاتا ہے اور ترقی ہوجاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کی نسبت کوئی سلب نہیں کرسکتا۔

کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روح سے اُس کی ہر وقت پرورش ہوتی رہتی ہے۔

(۸) ایک روز کسی نے عرض کیا۔ کہ حضور! کرامت کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا۔ کرامت فعل اللہ تعالیٰ کا ہے۔ بندہ بیچ میں صرف واسطہ ہے۔ اولیاء اللہ سے جو کرامت ظہور میں آتی ہے وہ اللہ تعالےٰ کی مشیت و ارادہ سے ظہور میں آتی ہے۔ اولیاء اللہ جب تک ارادہ آلہی معلوم نہیں کر لیتے۔ تب تک اُس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اولیاء اللہ خدا کے پیارے ہوتے ہیں۔ ظہور کرامت سے وہ اپنے پیاروں کی تعداد کرواتا ہے۔ لوگوں کو اُن سے محبت ہو جاتی ہے۔ اور اُن سے ہدایت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ولی کی کرامت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ جب ولی سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیلی اور تلامیذ ہیں اس قسم کی کرامت ظہور میں آتی ہے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے۔

(۹) ایک روز جناب مولوی محبوب عالم صاحب نے عرض کیا۔ کہ حضور! کیا قطب کو اپنی قطبیت کی خبر بھی ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ عقلمند پڑھا ہوا شخص جب قطب ہوتا ہے۔ تو اُس کو لباس پہنایا جاتا ہے اور عمامہ بندھوایا جاتا ہے۔ بعضوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے اور بعضوں کا ہاتف غیب سے آوازہ ہو جاتا ہے کہ یہ قطب ہو گیا۔ اور جو اَن پڑھ مگر صالح و پرہیزگار ہو یا چھوٹے گاؤں کا قطب ہو ان میں سے بعضوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ مگر غوث کو تمام خبر ہوتی ہے۔ کیونکہ فریادرسی اُس کا کام ہوتا ہے۔ احکام آلہی پہلے اُس پر وارد ہوتے ہیں۔ پھر جہان میں نفاذ پاتے ہیں۔ قطب پر حروف مقطعات کھل جاتے ہیں۔ قطب مدار تمام دنیا میں ایک ہوتا ہے اور اکثر وہ جنگل میں رہتا ہے۔

(۱۰) نقل ہے کہ حضور کی عادت مبارک تھی۔ کہ بعض اوقات تمام ران پر ہاتھ نہ رکھا کرتے بلکہ کہنیوں کو اُٹھائے رکھتے تھے۔ جب دوزانو بیٹھتے اور ہاتھ دھوتے۔ تو زانو پر ہاتھ ٹکا لیتے اور کہنیاں کھڑی رکھتے یعنی ران پر نہ لگنے دیتے۔ ایک روز پیرجی عنایت حسین لودھیانوی نے حضور سے اِس کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا۔ جب کوئی ولی قطب ہو جاتا ہے۔ تو اُس کو نوری شکل میں حکومت باطنی کی تلوار خدا تعالےٰ کی بارگاہ سے عطا ہوتی ہے۔ وہ ہر وقت برہنہ رانوں پر رکھی رہتی ہے بعض وقت ایک تلوار ہوتی ہے۔ لیکن اکثر دو تلواریں کھچی رہتی ہیں۔ اس واسطے ہم کو اپنے بازو اس سے الگ رکھنے پڑتے ہیں۔

(۱۱) ایک روز کسی نے عرض کیا۔ کہ حضور! اللہ تعالےٰ کی طرف سے تمام اولیاء اللہ کو ایک لقب عنایت ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے حضور میں آپ کا بھی تو کوئی لقب ہوگا۔ فرمایا۔ ہم مسکین جیسے آدمی ہیں

ہمارا لقب کیا پوچھتے ہو۔ پھر فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں تو ہمیں انہار دالاست کہتے ہیں۔ اور عرش کے اوپر ہمارا لقب حبیب الرحمٰن پکارا گیا ہے۔

(۱۲) حضور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وظیفہ پڑھتے ہوئے مزے لے لے کر لبوں کو ہلایا کرتے تھے۔ جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب نے آپ سے سوال کیا کہ کیا یہ کوئی خاص بات ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ جب ہم درود شریف یا کوئی ذات صفات کا اسم پڑھتے ہیں۔ تو منہ میں گویا مٹھائی بھر جاتی ہے۔ اول سے آخر تک اس قدر کہ لب چسکے لئے جاتے ہیں۔

(۱۳) فرمایا۔ طالب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مرید دوسرے مراد۔ مراد وہ ہوتا ہے۔ جس کے دل میں ابتدا ہی سے جذب اور محبت اللہ تعالیٰ کی ہو۔ ایسے شخص کے لئے کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت ہونا ضروری ہے۔ اور وہ بہت جلد واصل ہو کر اللہ تعالےٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اور مرید وہ شخص ہوتا ہے۔ جس کے دل میں پہلے سے جذب اور محبت اللہ تعالیٰ کی نہ ہو۔ لیکن وہ کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت ہو کر ذکر و شغل اور ریاضت و مجاہدہ کرتا ہوا بتدریج سلوک میں ترقی کرے۔ ایسا شخص بھی متقدمین اولیاء اللہ کے سے ریاضات و مجاہدات کرتا ہوا آخر میں واصل ہو کر محبوب بن جاتا ہے۔

(۱۴) ایک روز سماع کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا۔ جو لوگ صاحب حال ہوتے ہیں اور اُن کو اس میں فنا ہو جاتی ہے اُن کو سماع نفع دیتا ہے۔ اور جو صاحب حال نہیں ہوتے۔ اُن کو وجد و سماع نفع نہیں دیتا

(۱۵) جناب مولوی محبوب عالم صاحب لکھتے ہیں کہ ایک روز علماء کا مجمع تھا۔ اور اس مسئلہ کا ذکر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں جو مٹی جسم اطہر سے لگی ہوئی ہے اس کا مرتبہ عرش معلےٰ سے زیادہ ہے۔ اور خود ذات اقدس کا مرتبہ تو عقل بشر سے آگے ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور! اس کی کیا وجہ ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں نے جن و انس کو عبادت کے واسطے پیدا کیا ہے۔ اگر عبادت کے یہی معنے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی تسبیح و تعریف کی جائے۔ تو اس میں تو اللہ تعالےٰ کی کل مخلوقات شامل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں میری جس قدر مخلوق ہے وہ سب میری تسبیح کرتی ہے۔ سو اس میں جن و انس بھی آ گئے۔ ان معنی کے لحاظ سے جن و انس کی کوئی خصوصیت نہ ہونی چاہئے تھی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ فرماتا ہے کہ نہیں پیدا کیا میں نے جن و انس کو مگر واسطے عبادت کے۔ پس معلوم ہوا کہ اس جگہ عبادت کے معنی تسبیح و تہلیل نہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نہیں پیدا کیا میں نے جن و انس کو مگر واسطے معرفت کے۔ یعنی عبادت سے مراد معرفت والی عبادت ہے۔ اور مراتب قرب کا

دارمعرفت پر ہے۔اور اللہ تعالےٰ کی معرفت جن وانس ہی کو عطا فرمائی ہے۔ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عقل ومعرفت ایسے درجہ کمال پر تھی کہ نہ پہلے کسی میں ہوئی اور نہ آیندہ کسی میں ہوگی اور مزید براں یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبی ہیں۔اور عرش معلیٰ کو معرفت نہیں۔تو چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ عرش کیا تمام ملکوت السمٰوات والارض سے بہت زیادہ ہے اور اس قدر ہے کہ کسی مخلوق کی وہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی۔اس لئے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت کی وجہ سے اس خاک پاک میں بھی حیات ومعرفت آگئی۔کیونکہ جو حیات ومعرفت والے کے ساتھ اتصال رکھے وہ بھی حیات ومعرفت والا ہو جاتا ہے۔اسی حیات ومعرفت کے باعث اس خاک پاک کا مرتبہ عرش سے زیادہ ہوگیا۔کیونکہ عرش میں معرفت نہیں۔اور اس خاک میں بوجہ صحبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم معرفت والی حیات آگئی جیساکہ ستون حنانہ میں آگئی تھی۔اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر آپ کے فراق میں رویا تھا۔اور جیساکہ ابوجہل کے ہاتھ میں کنکروں میں وہی معرفت والی حیات آگئی تھی۔اور انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر آپ کی رسالت کی شہادت دی تھی۔اسی طرح اس خاک پاک میں معرفت آگئی۔اور مرتبہ کا مدار معرفت پر ہے۔پس معرفت والے کا مرتبہ بے معرفت والے سے اعلیٰ کیوں نہ ہو۔یہ سن کر تمام علماء حیران رہ گئے۔اور بالاتفاق کہنے لگے کہ یہ علم لدنی کی نہریں ہیں۔

(۱۶) ایک شخص نے آپ سے عرض کیا۔کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا بقعہ شریف عرش معلےٰ سے بدرجہا افضل واعلیٰ ہے۔تو مسجود الیہ آپ کا مرقد مبارک کیوں نہ ہوا۔مسجود الیہ افضل والے ہوتا ہے۔اور شرط اولویت وافضلیت آپ کے بدن مطہر میں بدرجہ اتم ہے۔آپ نے تھوڑی دیر درود شریف پڑھ کر فرمایا۔کہ کعبہ شریف کی دیواریں مسجود الیہا نہیں۔بلکہ اُس فضا کی جگہ تجلیات ذاتی کا مورد ہے۔اُس کے احاطہ کو سمت استقبال ہے۔اور تجلیات اُس ذات کی ہیں جس پر حقیقت محمدیہ عاشق ہے۔ذات مسجود اور تجلی مسجود الیہ ہے۔اور اس تجلی کا مورد یہی کعبہ شریف کی جگہ ہے۔اور حقائق میں حقیقت محمدیہ حقیقت کعبہ پر عاشق ہے۔یہی وجہ ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اول ہی محبت اس قبلہ کی طرف تھی۔چنانچہ کئی دفعہ آپ کو مسجد اقصےٰ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔مگر مسجد حرام ہی کی طرف آپ کی محبت رہی۔آخر الامر حضور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کے موافق یہی قبلہ آپ کا بنا۔

(۱۷) ایک روز فرمایا۔کہ مومن اُس وقت پختہ ہوتا ہے۔جب اپنے عیوب کو خود دیکھے اور خود

ان پر سزا مقرر کرے۔ اور اُن کے نکالنے کے درپے رہے۔ جوں جوں وہ ان عیوب کو نکالتا رہے گا۔ امن بڑھتا جائے گا۔ اِسی اثناء میں ایک عورت چھاج کے ساتھ اناج پھوڑنے لگی۔ حضورؐ اسے دیکھ کر فرمانے لگے۔ کہ چھلنی کی نسبت یہ بڑی اچھی چیز ہے۔ یہ اپنے میں سے خراب اور بُری چیز کو نکالتا اور اچھی اور عمدہ کو رکھتا ہے۔ اور چھلنی اچھی اور نفیس چیز کو اپنے میں سے نکال دیتی اور بری کو اپنے اندر رکھتی ہے۔ فقیر کو ایسا ہونا چاہئے جیسا کہ یہ چھاج ہے۔ چنانچہ کسی فقیر کا مقولہ ہے۔

دوہرہ

چھانن کی مت چھوڑ دے چھاجن کی مت لے ــ سادھو کی مت چھٹنا ہے جو جن جن گُن کو لے

(۱۸) آپ فکر کو ذکر پر ترجیح دیتے اور فکر سے مراد مراقبہ لیا کرتے۔ فرماتے تھے کہ اگلے مقامات میں ذکر رہ جاتا ہے لسانی ہو یا قلبی۔ مگر فکر ساتھ ہی رہتا ہے۔ پھر فرماتے کہ فکر کو ذکر سے صفائی ہوتی ہے۔ ذکر کرنے کے بعد فکر کرے۔ پھر فرماتے۔ ؎

تسبیح مالا سب رہے الحمد بھی رہ جائے ــ سُرت سہاگن نا مرے جو تن میں رہے سمائے

(۱۹) جناب مولوی سراج الدین صاحب نے عرض کیا کہ وضو کے بعد مجھے خوشبو مثل برنج پلاؤ آتی ہے۔ فرمایا کہ جیسے باسمتی کے چاول۔ پھر فرمایا۔ کہ جس طرح کلی (غنچہ) کی خوشبو اندر بند ہوتی ہے۔ جب وہ گل ہو کر کھلتا ہے۔ تو خوشبو آتی ہے۔ اِسی طرح دل کے اندر نور و خوشبو سب کچھ ہے۔ تمہارا دل کثرت توجہ اور درود خوانی سے کھُل گیا ہے۔ اس واسطے خوشبو آتی ہے۔

(۲۰) بڑی بابرکت اور مبارک وہ غریبی ہے جس کے ساتھ خدا کی یاد ہو۔ جس غریبی و تنگی کے ساتھ فسق و فجور یا کفر مل جائے۔ وہ خدا کے غضب کی نشانی ہے۔ کیونکہ دنیا تو گئی ہی تھی۔ دین بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔

(۲۱) جب بندہ کوئی کلام پڑھتا یا دعا مانگتا ہے۔ تو جن لوگوں پر انکشاف نہیں۔ ان کے واسطے قبولیت کی نشانی یہ ہے کہ اُس کے پڑھنے یا دعا مانگنے میں لذت آوے اور خوب دل لگے۔ جب یہ بات حاصل ہو۔ تو سمجھ لے کہ میری دعا قبول ہوگئی ہے۔ یا قبول ہونے لگی ہے۔ اور جن لوگوں پر انکشاف ہوتا ہے۔ ان پر قبولیت کی تجلی جو لذت و سرور والی ہے وارد ہو جاتی ہے اور وہ یہ دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ہماری دعا قبول ہوگئی۔

(۲۲) ایک دن مولوی فضل الدین صاحب گجراتی مصنف کتاب انوار نعمانیہ حاضر خدمت تھے۔ انہوں نے سوال کیا۔ کہ ولایت عیسوی و موسوی کے کیا معنے ہیں۔ حالانکہ تمام اولیاء اللہ امت محمدیہ میں سے

ہوتے ہیں۔آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ ولایت محمدی سب ولایتوں کی جامع ہے۔ کیونکہ جتنے کمالات اللہ تعالےٰ نے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو فرداً فرداً عطا کئے ہیں۔ وہ سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں جمع ہیں۔ پس اگر کسی ولی کو ولایت موسوی یا عیسوی حاصل ہے۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی فیض ہے۔ یہ مت سمجھو کہ جن اولیائے کرام پر نسبت محمدی کے سوا کوئی اور نسبت غالب ہے وہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت نہیں یا اور شریعت پر ہیں۔

(۲۳) مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ملفوظات توکلی میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک دن میں نے عرض کیا۔ کہ اکثر اولیاء اللہ استغراق و بیخودی میں رہتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام شامل مخلوقات رہتے ہیں۔ اس کا کیا سبب ہے۔ ارشاد ہوا۔ کہ اللہ جل جلالہ انبیاء علیہم السلام کو ایسی قدرت دیتا ہے کہ وہ باوجود اس کے کہ متوجہ الی الخلق رہیں اُس وقت بھی کامل طور سے واصل جناب الٰہی رہیں۔ جس طرح ان کی توجہ مخلوق کی طرف کامل ہوتی ہے اُسی طرح وہ حالت تعلیم امت میں خدا کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ مخلوق کی طرف متوجہ ہونا اُن کو توجہ الی اللہ سے نہیں روکتا برخلاف اولیاء اللہ کے کہ وہ جب جناب باری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اِس طرف سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں۔

(۲۴) ایک روز کسی نے آپ سے توکل کے معنی پوچھے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ توکل کے یہ معنی ہیں کہ مخلوق سے غنا اور اللہ تعالےٰ پر بھروسہ ہو۔ جب یہ بات پک جاتی ہے۔ تو توکل پختہ ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اسباب بھی مہیا کرے۔ تو توکل کا ثواب مل جاتا ہے۔ اور توکل کے خلاف نہیں ہوتا خواہ کتنے ہی اسباب مہیا کرے۔ مگر فقیروں کا توکل اور ہی ہے۔ اُن کا توکل اسباب کو توڑتا رہتا ہے۔ جہاں کوئی سبب پیدا ہوا۔ اُنہوں نے فوراً اُس کو توڑا۔ تب اُن کا توکل پختہ ہوتا ہے۔ ماسوا سے امیدیں منقطع ہو کر ذات پر لگ جاتی ہیں۔

(۲۵) ایک روز فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ محفوظ۔ معصوم کے یہ معنی ہیں کہ گناہ کی طاقت ان کے اندر رکھی ہی نہیں جاتی۔ اور محفوظ کے یہ معنی ہیں کہ گناہ کی طاقت ان کے اندر ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ اُس کی اصلاح کر دیتا ہے اور حفاظت الٰہی ان کو شامل حال ہو جاتی ہے۔ پھر اُن سے ارادتاً کوئی صغیرہ یا کبیرہ صادر نہیں ہوتا۔

(۲۶) ایک روز ابدالوں کا ذکر آیا۔ لوگوں نے کہا۔ کہتے ہیں کہ ابدال اڑا کرتے ہیں۔ جب اُن کے پر نہیں۔ تو وہ اڑتے کیسے ہیں۔ بغیر پر کے تو کوئی اُڑ نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں ہم نے بھی دیکھا ہے۔ ایک دفعہ دہرہ دون کے پہاڑ سے ابدال ہمارے پاس آیا۔ وہ ہوا میں ہاتھوں کو ہلاتا ہوا اڑا چلا آتا تھا جس طرح

لوگ دریا میں تیرا کرتے ہیں۔ ابدالوں کا اڑنا سچ ہے۔ ہم نے یہ اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ اور وہ مدت تک ہمارے پاس آتا رہا۔

(۲۷) جناب مولوی سراج الدین صاحب لکھتے ہیں کہ کسی نے مرشد برحق سے سوال کیا۔ کہ وحدت وجود و شہود میں کونسی حق ہے۔ فرمایا کہ دونوں حق پر ہیں۔ اکثر اولیاء اللہ مثل خواجہ بزرگ اجمیری اور خواجہ نقشبند بخاری اور مولانا جامی وغیرہ رحمہم اللہ تعالے وجودی گزرے ہیں۔ اور شیخ ابوالحسن خرقانی اور علاء الدولہ سمنانی اور مجدد الف ثانی وغیرہ رحمہم اللہ تعالے شہودی ہیں۔ اگرچہ فقیر پر بھی حالت وحدت وجود طاری رہی ہے۔ مگر ساڈا (ہمارا) مشرب شہودی ہے۔ یہ دونوں حال ہیں نہ محض قال۔ اِس کی مثال یہ فرمائی کہ اگر کوئی شخص سبز یا شربتی عینک آنکھوں پر لگائے۔ تو اُسے تمام چیزیں سبز یا شربتی نظر آئیں گی حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ جب وہ عینک آنکھوں پر سے اُتار دی جائے۔ تو وہی معاملہ ہے۔ اسی طرح اولیاء کو غلبہ حال میں کثرت (موجودات خارجیہ) نظر نہیں آتی۔ وحدت ہی نظر آتی ہے۔ دیگر مثال یہ بیان فرمائی کہ دن کے وقت آفتاب کی شعاع کے سامنے ستارے نظر نہیں آتے حالانکہ موجود ہیں۔ اسی طرح اولیاء اللہ کو آفتاب الٰہی کے نور کے سامنے کثرت نظر نہیں آتی۔ کامل نظر لوگ وہ ہیں۔ جو کثرت میں وحدت کو دیکھیں جیسا کہ کوئی شخص دن میں آفتاب کو بھی دیکھے اور ستاروں کو بھی۔ فرمایا کہ بعض اولیاء عکس کو عین سمجھتے ہیں۔ حالانکہ عکس عین نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔ ؎

عکس روئے تو در آئینہ جام افتاد   عارف از پرتوئے در طمع خام افتاد

فرمایا کہ حافظ شیرازی بھی شہودی تھے۔ کیونکہ وہ اس شعر میں فرماتے ہیں۔ کہ خدا کے نور کا عکس جب عارف کے دل کے پیالہ میں چمکا۔ تو اُس نے جانا کہ مَیں نے اصل کا مشاہدہ کیا حالانکہ وہ عکس ہے۔

فرمایا کہ وحدت وجود والے اِس وجہ میں معذور ہیں۔ مجنون عامری کو دیکھئے کہ ایک سانولی لیلےٰ کے عشق میں ایسا مستغرق ہوا کہ ہر شخص کو حتےٰ کہ اپنے والد کو بھی لیلےٰ ہی گمان کرتا تھا۔ غرض اولیاء وجودی عکس کو عین سمجھتے ہیں۔ مگر وہ معذور ہیں۔ اور اولیاء شہودی عکس کو عکس جانتے ہیں۔ اور یہی حق ہے۔ اور یہی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا مشرب رہا ہے۔

(۲۸) ایک بار قصبہ شاہ آباد میں جناب مولوی سراج الدین صاحب نے حضور علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ خواجہ بزرگ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اِس شعر کا کیا مطلب ہے۔ ؎

من دُرّے بودم نہاں در قعر بحر لم یزل   عشق غواصانہ ام آورد بیروں زاں محل

فرمایا۔ دُرّ سے مراد روح ہے۔ اور بحر لم یزل سے مراد دریائے تجلی صفات ہے۔ عشق کا وہاں سے

لاناا شارہ ہے طرف حدیث قدسی کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف۔
مراد خواجہ بزرگ کی یہ ہے کہ میری روح (بلکہ سب روحیں) تجلی صفات کے دریا میں مخفی تھی۔ خدا کو جو
محبت ظہور ہوئی۔ تو وہ حب ہم کو وہاں سے نکال لائی۔

(۲۹) جناب مولوی سراج الدین صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں حضرت میاں صاحب قبلہ
کے ہمراہ چھاونی انبالہ میں تھا۔ ایک طالب علم نے امتحاناً آپ سے دریافت کیا۔ کہ اِس شعر مولانا کے
کیا معنی ہیں؟ ؎

جملہ معشوق است عاشق پردۂ زندہ معشوق است عاشق مردۂ

فرمایا کہ مولوی سے پوچھو۔ میں نے عذر کیا۔ تو آپ کو جوش آگیا۔ فرمایا کہ جملہ یعنی کل والا (خدا تعالےٰ)
معشوق ہے۔ اور کثرت جو عاشق ہے حجاب ہے۔ وہ معشوق زندہ ہے کہ الحی القیوم اُس کی صفت ہے۔
اور عاشق یعنی کثرت فانی ہے۔

(۳۰) جناب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب نے لکھا ہے۔ کہ ایک دن ارشاد ہوا۔ کہ اپنے کمال پر نظر
مت کرو۔ بلکہ یہ سمجھو کہ جو کچھ کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ پھر یہ حکایت بیان فرمائی۔ اللہ تعالےٰ نے
ایک بزرگ کو حکم دیا۔ کہ جو چیز سب میں بُری ہو۔ وہ ہمارے پاس لاؤ۔ یہ اس تلاش میں چلے۔ اور ان کو
آدمی کا پاخانہ سب سے بُرا معلوم ہوا۔ چنانچہ گندگی اُٹھا کر لے چلے اور چاہا کہ جناب باری میں پیش کریں۔
اللہ تعالےٰ نے اُس گندگی کو زبان عطا فرمائی۔ گندگی بولی۔ صاحب میں وہ چیز ہوں کہ جس کو آپ بازار سے
گراں قیمت پر خرید کر کپڑے میں باندھ سر پر رکھ کر لائے۔ پھر اُسے پیسا پکایا۔ نہایت رغبت سے مزے
لے لے کر کھایا۔ لیکن آپ کے پیٹ میں رہنے سے میرا یہ حال ہوگیا کہ اب آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں حضرت!
یہ تو آپ کی صحبت کا اثر ہے۔ ورنہ میں تو وہی ہوں۔ یہ سُن کر وہ بزرگ نہایت شرمندہ ہوئے اور جناب
باری عزاسمہ میں عرض کیا۔ کہ یا اللہ! مجھ سے زیادہ بُری چیز دنیا میں کوئی نہیں۔ حضور کا یہ بیان کچھ ایسا
تھا۔ کہ حاضرین جلسہ زار زار روتے تھے۔ ہر شخص پر رقت طاری تھی۔

(۳۱) جناب مولوی سراج الدین صاحب نے عرض کیا۔ کہ اللہ الصمد کے ورد کے وقت نور مثلِ
قرصِ خورشید نظر آتا ہے اور بوقت درود خوانی مثلِ قمر۔ فرمایا کہ اللہ الصمد جلالی ہے اور شمس بھی جلالی
اور درود شریف جمالی اور نور قمر بھی جمالی ہے۔ لہذا مناسب نور نظر آتا ہے۔

(۳۲) مولانا روم فرماتے ہیں۔ ؎

ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

بقول جناب مولوی سراج الدین صاحب حضور نے اس شعر کے حل میں فرمایا۔ کہ اس شعر کے ظاہر معنے سے جو لوگ تناسخ نکالتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ بندہ مقام فنا میں آفتاب الٰہی کے سامنے گیا اور محو ہو گیا جیساکہ سایہ آفتاب کے سامنے ہوا تو گم ہوا۔ اور جب آفتاب سے ذرا اوٹ میں ہوا۔ تو وجود پکڑا۔ اسی طرح مولانا فرماتے ہیں۔ کہ ہمارا وجود مقام فنا میں اکثر بار معدوم ہوا اور پھر موجود ہوا۔ مقصد سے مراد کثرت ہے نہ کہ عدد معین۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ نے ارشاد الطالبین میں ایسا لکھا ہے۔ کہ ولایت صغرا ے میں سالک کی سیر ظلال صفات میں ہوتی ہے۔ اس سیر میں صوفی جس ظل پر پہنچتا ہے۔ اپنے تئیں اُس میں فانی و مستہلک اور اس کے وجود سے باقی پاتا ہے بقول حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ مولانا روم کے شعر زیر بحث کے یہی معنی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۴۳) جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبھٹوی لکھتے ہیں۔ کہ ایک روز فرمانے لگے۔ کہ مولوی! حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی طرف اس شعر کو منسوب کرتے ہیں۔ ؎

پنجہ در پنجۂ خدا داریم ماچہ پروائے مصطفےٰ داریم

ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ یہ شعر حضرت مجدد قدس سرہ کا ہے۔ بالفرض اگر ہو۔ تو مولوی! اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ ہم خدا کے ساتھ خاص تقرب رکھتے ہیں۔ مگر ہماری کیا حقیقت ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وساطت اور امداد کی ہر وقت ضرورت ہے۔ ماچہ کے معنے ہیں ہم ہیچ اور ناچیز ہیں۔ پروائے مصطفےٰ داریم۔ یعنی حضور ہی کا صدقہ ہے۔ جو کچھ قرب الٰہی ہمیں حاصل ہے وہ حضور ہی کے طفیل سے ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! مطلب صاف ہو گیا۔ آپ خوش ہوئے۔

(۴۴) ایک دفعہ جناب مولوی سراج الدین صاحب نے سوال کیا۔ کہ مولانا نیاز احمد چشتی بریلوی کے اس شعر کے کیا معنی ہیں؟ ؎

واہ گرو نے خوب بھائی سرسوں پھولی آنکھوں میں

فرمایا کہ اس کے دو معنے ہیں۔ ایک ابتدائی اور وہ یہ کہ مرشد نے ایسا ذکر و شغل بتایا جس سے لطیفہ قلب کا نور زرد نظر آنے لگا۔ دوسرے انتہائی معنی یہ ہیں کہ اس سے حیرت مراد ہے۔ یعنی انتہائی مقام میں ایسا نور بے رنگ محیط نظر آیا کہ حیرت ہو گئی جیساکہ سرسوں کے پھول دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے۔

(۴۵) آپ سے دریافت کیا گیا کہ ان دونوں میں تطبیق کس طرح ہے۔

(۱) مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ۔	جس نے اللہ کو پہچانا۔ اُس کی زبان گونگی ہوگئی۔
(۲) مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ طَالَ لِسَانُهٗ	جس نے اللہ کو پہچانا اُس کی زبان دراز ہوگئی۔

فرمایا کہ درازئ زبان یعنی بہت بولنا اور اسرار کا ظاہر کرنا تو تجلی (ظلال) صفات میں ہے۔ جب تک سالک کو ذات تک وصول نہ ہوگا۔ بہت بولے گا۔ اور افشائے راز کرے گا۔ گنگی زبان اور کم بولنا اور اسرار کا نہ کھولنا تجلی ذات میں ہے۔ یعنی جس کو ذات کی خبر ہوئی وہ مقام جہل وحیرت میں ہوتا ہے۔ کچھ کہہ نہیں سکتا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں پس درازئ لسان در ظلال بود و گنگئ زبان فوق مراتب ظلال است فعل بود یا صفت اسم بود یا مسمے۔ (مکتوبات شریف۔ دفتر دوم۔ مکتوب ۵۸)۔ مولانا نظامی فرماتے ہیں:۔

ستانی زباں از رقیبانِ راز   کہ رازت بمردم نگویند باز

(۳۶) ایک روز کسی شخص نے ذکر کیا۔ کہ جن لوگوں کا کھانا پینا چھوٹ گیا ہو۔ وہ بہت ہی اعلیٰ درجہ والے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ جب وہ تجلی جو ملائکہ پر وارد ہوتی ہے کثرت عبادت کی وجہ سے فقیر پر نازل ہو جاتی ہے۔ تو اُس کی غذا وہی نور ہو جاتا ہے جو ملائکہ کی غذا ہے اور اُسے کھانا کھانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ صفات ملکوت اُس میں آجاتی ہیں۔ اِس سے پہلے کوئی فقیر کھانے کو نہیں چھوڑ سکتا۔ مگر افضل اور عمدہ طریقہ یہی ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کرام و اولیاء اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نہ چھوڑے۔ کیونکہ ان سب نے کھایا بھی ہے اور عبادت بھی کی ہے۔

(۳۷) جناب قاری سید اکرام حسین صاحب لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ کترین نے حضرت صاحب سے حضرت بو علی قلندر رحمۃ اللہ پانی پتی کے اِس شعر کا مطلب دریافت کیا۔ ؎

انبیا و اولیا یک جان و تن   ذاتِ شاں باشد خدا بشنو ز من

یہ سُن کر اول تو یہ فرمایا۔ کہ میاں! قلندر کے کلام کو میں کیا سمجھ سکتا ہوں۔ قلندر کے کلام کو تو کوئی قلندر ہی سمجھے۔ اِس کے بعد دو منٹ سرنگوں ہو کر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔ کہ میری سمجھ میں تو اس کا مطلب یہ آتا ہے۔ کہ اگرچہ بظاہر انبیاء و اولیا ایک جان نہیں ہو سکتے مگر باعتبار حقیقت اصلی کے عالم حقیقت میں انبیا و اولیاء ایک ہی جان و تن تھے۔ ہاں البتہ خدا کے علم و ارادہ میں بلحاظ مراتب ضرور فرق تھا۔ کہ میں ان کو انبیاء بناؤں گا اور اُن کو اولیا کروں گا۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے

لفظ کُن فرمایا۔ تو بتدریج ظہور میں آتا رہا۔ جو کچھ قیامت تک ظہور میں آتا رہے گا۔ وہ سب کچھ اِسی ایک کلّی کے افراد ہوں گے۔ رہا دوسرے مصرع میں جو قلندر صاحب نے انبیاء و اولیاء کی ذات کو بوجہ مغلوب الحال ہونے کے خدا فرمایا ہے۔ اُس کو ہم بلحاظ ادب غلط تو نہیں کہہ سکتے۔ مگر اں سکرت کا کلام ہے۔ جس کی تاویل ہوسکتی ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرتبہ جمع میں بحالت سکرت انہوں نے عکس کو عین کہہ دیا ہے۔ ورنہ خدا اس سے پاک ہے۔

(۳۸) ایک روز ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ میں خدا تعالیٰ تک پہنچ گیا۔ مگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طناب تک نہ پہنچ سکا۔ اِس پر ایک عالم نے سوال کیا۔ کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ سے بھی آگے ہیں۔ فرمایا۔ جب اللہ تعالےٰ کی صفت علمی نے ظہور فرمایا۔ تو نور کا بے تھاہ دریا موجیں مارنے لگا۔ پھر اِسی صفت علمی کی تجلی کے نور سے تمام انبیاء علیہم السلام کی پاک روحیں پیدا کی گئیں۔ اس نور کے بے تھاہ دریا کا نام حقیقت محمدیہ[1] ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے خیمہ سے یہی حقیقت محمدیہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے قرب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام بھی یہی حقیقت محمدیہ ہے۔ جس کا نام تعین اوّل ہے۔ یہاں سوائے ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ولی یا امتی کا تو کیا ذکر انبیائے مرسلین کا بھی گزر نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے قرب میں سب سے اعلیٰ مقام یہی ہے۔ باقی رہا اللہ تعالےٰ کا پانا اور اُس کی ذات کا وصل ہونا۔ سو اُس کی حقیقت یوں ہے۔ کہ عرش کے اوپر عالم امر میں اللہ تعالےٰ کے قرب میں ہر انسان کی ایک حقیقت موجود ہے۔ اور ہر شخص کو اپنے اپنے درجہ اور استعداد کے موافق اُسی حقیقت کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ معیّت حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ۔ یعنے اللہ تعالےٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں ہو۔ پس ہر ولی اپنی اُسی حقیقت اور معیّت کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے واصل ہوتا ہے۔ مگر حقیقت محمدیہ و احمدیہ جو مقامات قرب میں سب سے اعلیٰ مقام اور بہت ہی دُور ہے اُس مقام کو حاصل کر کے واصل ہونا بہت محال ہے۔ اُس مقام میں انبیاء علیہم السلام کا ہی جب گذر نہیں۔ تو پھر اولیاء اللہ اور دیگر امتی لوگوں کا کیا ذکر ہے کہ وہاں پہنچ سکیں۔

[1] حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر پہلے ظاہر ہوا کہ حقیقت محمدی صفت العلم ہے۔ پھر ظاہر ہوا کہ شان العلم ہے۔ پھر شان جامعہ۔ بعد ازاں ظاہر ہوا کہ تعین اول تعین وجودی ہے۔ سب سے آخر منکشف ہوا کہ تعین اول تعین حبّی ہے۔ جس پر حدیث قدسی کنت کنزاً مخفیاً شاہد ہے۔

(۳۹) جناب مولوی سراج الدین صاحب لکھتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت صاحب کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد میں نے یوں دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ حَرِّقْ قَلْبِيْ بِنَارِ عِشْقِكَ۔ آپ نے فرمایا۔ مولوی! آج تو نے چنگی (اچھی) دعا مانگی۔ میں نے عرض کیا۔ کہ آپ نے کیونکر جانا۔ فرمایا۔ کہ تم نے یہی کہا تھا۔ کہ اے اللہ میرا دل عشق کی آگ میں ساڑدے (جلادے)۔ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ العلم نکتۃ۔

(۴۰) ایک روز کسی نے عرض کیا حضور! فنافی الشیخ کس قدر فائدہ دیتا ہے۔ فرمایا۔

دوہرہ

پیر نگر کو جائیگے نبی نگر نوں جا۔ نبی نگر میں بیٹھ کے درشن یار کا پا

اور ارشاد فرمایا۔ کہ جلدی فائدہ تو یہی دیتا ہے۔ اور یہ بہت آسان اور جلدی واصل ہونے کا طریق ہے۔ کیونکہ جب پیشوا کا تصور پختہ ہو جاتا ہے۔ تو کمالات اور تجلیات جو پیشوا پر بالاصالۃ وارد ہیں۔ وہ بوجہ اُس کی محبت کے بالتبع اُس پر بھی وارد ہونے لگتی ہیں۔ اور پیشوا کے ساتھ ساتھ اُس کی بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ تصور کو یہاں تک پکانا چاہئے۔ کہ تمام حرکات و سکنات۔ نشست و برخاست غرض ہر فعل میں پیشوا کی ادائیں آجائیں اور آخر کار پیشوا کی صورت کے مشابہ ہو جائے۔ اِسی سے پھر آگے کا رستہ کھل جاتا ہے۔

(۴۱) ایک دفعہ ایک صاحبزادہ صاحب (شاہ ابو الخیر دہلوی؟) حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے چھاؤنی انبالہ تشریف لائے۔ اور حضور علیہ الرحمۃ کو بلایا۔ آپ بپاسِ ادب مرشداں پیدل اُن کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ صاحبزادہ صاحب نے آپ سے پوچھا۔ کہ شاہ صاحب! یہ جو ایک نور کا دریا ہوتا ہے جس میں تمام زمین اور جہان کی تمام اشیاء ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ کیا اُس تک آپ کی رسائی ہو چکی ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ میاں صاحبزادے! یہ تو عنصری تجلی عالم خلق کی ہے۔ جو اس فقیر پر اول ہی اول کھل چکی تھی۔ یہ پوچھنا ہو۔ تو عرش سے اوپر عالم امر کی کوئی بات دریافت فرمائیے۔ پھر آپ نے مقامات بیان کرنے شروع کئے۔ صاحبزادہ صاحب نے سُن کر دو نفل شکریہ کے ادا کئے اور کہا کہ شکر ہے اُس مالک کا کہ ہمارے باپ دادوں کے سلسلہ میں ایسے صاحب کمال موجود ہیں۔

(۴۲) فرمایا۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احسانوں کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ سب سے بڑا احسان ایمان اور تندرستی ہے جس کی قدر انسان کو معلوم نہیں۔ اور مفت اپنی عمر عزیز کو کھوتا ہے۔

(۴۳) ایک دن ارشاد ہوا کہ جب ہم کلمہ توحید پڑھتے ہیں۔ تو شیطان بھاگتا معلوم ہوتا ہے۔

(۴۴) فرمایا۔ کہ ایک درویش قبرستان میں گئے۔ جس وقت دنیا داروں کی قبروں سے گذرے۔

تواُن کو "ہائے ہائے دنیا" کی آواز آئی۔جب فقراء اور شہداء کے مزاروں میں سے گزر ہوا۔ تو وہاں بھی یہی صدا بلند تھی۔ تعجب ہوا کہ یہ کیا بات ہے۔ خدا نے ان کو بذریعہ الہام بتایا۔ کہ دنیا دار تو اس واسطے دنیا کو روتے ہیں۔ کہ اس مُردار نے اُن کو کسی کام کا نہ چھوڑا۔ اور فقراء و صلحا دنیا کو اس واسطے یاد کرتے ہیں۔ کہ افسوس چند رے اور دنیا میں رہتے تو کچھ اور کر لیتے۔

(۴۵) خطرہ سے دل پلید ہو جاتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ اِس کے زائل ہونے کی ترکیب یہ ہے۔ کہ اولیاء اللہ کی صحبت حاصل کرے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو۔ پیشوا کے تصور سے بھی زائل ہو جاتا ہے اور دعا مانگنے سے بھی۔ خطرہ ایمان والے کو آتا ہے۔ بے ایمان کو کبھی نہیں آتا۔ اور خطرہ کو بُرا جاننا بھی مومن کی نشانی ہے۔

(۴۶) فقیر پر لازم ہے کہ جو کام کرے۔ استقامت کے ساتھ کرے۔ ایک استقامت سو کرامت سے بہتر ہے۔ جب خدا تعالےٰ کو یاد کرنے لگے۔ تو جب تک واصل باللہ نہ ہووے۔ کسی طرف متوجہ نہ ہووے۔ فقیر پر صبر حرام ہے اور حرص فرض۔ صبر کے معنی ہیں ٹھیرنا۔ ایک تجلی پر ٹھیرنا مذموم ہے۔ یہاں حرص اور طمع ہی فرض ہے۔ ہمیشہ خدا تعالےٰ کے دیدار اور وصل کی حرص بڑھاتا رہے اور محبت الٰہی کا ہر وقت گرویدہ رہے۔ ؎

سن اے طالب مولےٰ والے دل مولےٰ دی ہوویں ۔ دم دم قدم اگیرے رکھیں ٹھیر نہ کتے کھلوویں

(۴۷) ایک روز استغفار کے معنے کے بارے میں ذکر تھا۔ کسی نے عرض کیا۔ حضور! اولیاء اللہ جب گناہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ذکر و شغل کرتے کرتے اللہ تعالےٰ کی حفاظت ان پر وارد ہو جاتی ہے۔ پھر وہ جو استغفار کرتے ہیں۔ کون سے گناہ سے کرتے ہیں۔ فرمایا۔ ہر مقام میں فقیر کا استغفار علیحدہ ہوتا ہے۔ فقیر شروع شروع میں جب اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے۔ تو اُس وقت تو وہ اپنے گزشتہ گناہوں سے استغفار کرتا ہے۔ پھر جو آگے ترقی کرتا ہے۔ تو اُس وقت اللہ تعالےٰ کی یاد میں کمی واقع ہونے پر استغفار کرتا ہے۔ پھر اُس سے بھی جب ترقی کرتا ہے۔ تو اپنے قصور ہمت پر استغفار پڑھتا ہے۔ آخر اسی طرح ہر مقام میں علیحدہ علیحدہ استغفار پڑھتا ہوا جب مقام مشاہدہ میں پہنچتا ہے۔ اور اُس کو اللہ جل شانہ کا دیدار اور وصل ذات الٰہی ہوتا ہے۔ اُس وقت اِس بات پر استغفار پڑھتا ہے۔ کہ خداوندا میرے اندر اتنی استعداد نہ تھی کہ میں اپنی ہمت اور کوشش سے تیرا دیدار اور تیری ذات کا وصل حاصل کرتا۔ اُس وقت استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ کے یہ معنے ہوتے ہیں۔ کہ خداوندا میں تیرے دیدار اور تیری ذات کے وصل کے حصول کو اپنی استعداد اور ہمت و کوشش

کی طرف منسوب کرنے سے توبہ کرتا ہوں اور استغفار پڑھتا ہوں۔ یہ جو کچھ ہوا تیرے ہی فضل سے ہوا۔ اور واقعی بات بھی یہی ہے۔ کہ بندہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتا۔ بلکہ پیر کامل ہو اور رحمت الٰہی شامل حال ہو۔ تو یہ مراتب اُس کو ملتے ہیں۔ ورنہ بندہ کی اپنی استعداد اور ہمت و کوشش سے کچھ بھی نہیں بن سکتا۔ اور اُس کو کسی حال اور کسی مقام میں استغفار سے چارہ نہیں۔

(۴۸) ایک روز فرمایا کہ اکثر بندہ جس وقت عبادت و یادِ خدا میں مشغول ہوتا ہے۔ تو اُس پر فتنے اور ابتلاء بکثرت وارد ہوتے ہیں۔ درود شریف کا بڑا عمدہ خاصہ یہ ہے کہ اس کے وِرد رکھنے والے پر کوئی فتنہ اور ابتلاء نہیں آتا۔ اور حفاظت الٰہی شامل حال ہو جاتی ہے۔

(۴۹) ایک روز مجذوبوں کا ذکر ہو رہا تھا کسی نے عرض کیا۔ کہ حضور! مجذوب بھی بہت ہی اچھے ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ دنیا سے کنارہ کر جاتے ہیں اور کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اللہ تعالٰے کے ہاں بھی ان کے عالی مقام ہوں گے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مجذوب کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خلل دماغ کی وجہ سے بیہوش ہو جاتے ہیں اور دنیا و مافیہا کی انہیں کچھ خبر نہیں رہتی۔ دوسرے وہ جو صرف روٹی کے واسطے مجذوب بن جاتے ہیں۔ ان دونوں قسموں کا کوئی مرتبہ و مقام نہیں ہوتا۔ البتہ تیسرا گروہ مجذوبوں کا ہے جو خدا تعالٰے کی یاد یا ذکر میں مستغرق ہو کر بیہوش ہو جاتے ہیں۔ وہ اصلی مجذوب ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بھی بڑے سے بڑا مجذوب ولایت صغرٰے ہی میں رہتا ہے۔ خواہ کتنی ہی کوشش کرے ولایت کبرٰے تک نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ ایسے مجذوبوں کی توجہ بڑی تیز ہوتی ہے۔ ایک ہی توجہ میں دوسرے کو اپنے مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں کر سکتے۔

(۵۰) درویشی تو اس کا نام ہے کہ ہر فعل اور قول اور حرکت اور سکون رضائے الٰہی میں ہو۔ اور دل میں یہ تصور ٹھہر جائے کہ اس حیات میں میرا مقصود خدا تعالٰے کو راضی کرنا ہے جس طور پر مولا راضی ہو۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات تو اور بھی بکثرت ہیں۔ مگر نظر بر اختصار ان کا یہیں ختم کر دینا مناسب معلوم ہوا۔

دسواں باب

خلفاء توکلیہ کے حالات

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے خلیفے تھے۔ اُن میں سے جن کے کچھ حالات مجھے معلوم ہوئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب

آپ اعظم و اشہر و اکبر خلفاء تھے۔ ذات نداف۔ صورت و سیرت میں بعینہ حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کے مشابہ تھے۔ چونکہ فنانی الشیخ کے مقام میں تھے۔ اس لئے آپ کی صورت حضرت صاحب سے بہت ملتی تھی۔ جو آپ کو دیکھتا تھا کہتا تھا کہ گویا میاں صاحب ہیں۔ آپ بوڑیہ کے صاحب ولایت اور تہجد گزار تھے۔ مراقبہ کی ایسی مشق تھی کہ صبح سے بیٹھ کر گیارہ بجے اُٹھتے تھے۔ سکرت اور استغراق مرشد پاک کے مشابہ تھا۔ درود شریف اور اللہ الصمد کثرت سے پڑھتے تھے۔ توجہ گرم تھی۔ ہتنی کنڈ میں حضرت میاں صاحب کے ساتھ مجاہدہ کیا۔ میاں صاحب قبلہ فرماتے تھے۔ کہ جب امیر اللہ شاہ بیعت ہوا۔ تو ہم نے اُس سے کہا۔ کہ دنیا مطلوب ہے یا عقبےٰ۔ تو اُس نے کہا کہ مجھے آخرت منظور ہے۔ سو اللہ تعالےٰ نے اُسے درویشی دی۔

آپ سخی خلیق بے طمع تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بوڑیہ میں جو رئیس سکھ رہتا تھا اُس کی لڑکی پر جن کا اثر تھا اُس نے کہلا بھیجا کہ میں آپ کے لئے پالکی اور سو روپے نقد بھیجوں۔ آپ ذرا میری لڑکی پر دم کر جائیں۔ آپ نے عذر کیا اور ہرگز نہ گئے۔ اور کہلا بھیجا کہ پانی دم کرا کر لے جاؤ۔ فرمایا کہ پیر کے حکم سے یہاں بیٹھا ہوں۔ اگر تو ستاوے گا۔ تو کہیں اور چلا جاؤں گا۔

ذکر خیر میں بعنوان نقل صحیح لکھا ہے۔ کہ خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب جو محض اَن پڑھ تھے ایک مرتبہ رمضان شریف میں اپنے وطن قصبہ بوڑیہ میں ایک حافظ کا قرآن شریف سُن رہے تھے۔ حافظ نے بھول کر ایک آیت چھوڑ دی۔ خلیفہ امیر اللہ شاہ نے وہ آیت اُسے بتادی۔ وہ صحیح کر کے آگے پڑھتا چلا گیا۔ ایک مقام پر پھر اُسے متشابہ لگا۔ خلیفہ صاحب نے وہ بھی بتادیا۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے۔ تو لوگوں نے پوچھا۔ یا حضرت آپ تو پڑھے ہوئے نہیں۔ پھر یہ آیتیں کیسے بتا دیں۔ انہوں نے سکوت کیا۔ اور اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ لوگوں میں اِس بات کا چرچا ہوا۔ کسی نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ سے بھی عرض کر دیا۔ آپ نے خلیفہ صاحب کو بلایا اور دریافت فرمایا۔ کہ امیر اللہ شاہ! وہ حافظ والی بات کیونکر تھی۔ وہ ڈر گئے کہ مبادا حضور ناراض ہوں۔ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ نہیں ہم تم کو کچھ نہ کہیں گے۔ تم اطمینان کے ساتھ وہ بات سناؤ۔ تب انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں حسب عادت نماز میں حقیقت قرآن کا فیض جو لوح محفوظ پر پڑ رہا تھا اپنے دل پر لینے لگا تھا۔ آیتوں کے الگ الگ ٹکڑے میں دیکھ رہا تھا۔ کہ حافظ پر اور مجھ پر وارد ہو رہے ہیں۔ حافظ نے ایک آیت نہیں پڑھی تھی۔ اُس کا ٹکڑا میرے سامنے تو آیا اور اُس حافظ کی طرف نہ گیا۔ میں اِس سے

سمجھ گیا کہ حافظ یہ آیت بھول گیا ہے۔ چنانچہ میں نے اُس ٹکڑے کو دیکھ کر بتا دیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ بات ٹھیک ہے۔ لیکن تم نے تو حقیقت قرآن کا مراقبہ کیا۔ تب یہ بات نصیب ہوئی۔ اور ہمارا ڈیرہ ہر وقت وہیں رہتا ہے۔ پر ہم نے آج تک یہ بھید ظاہر ہونے نہیں دیا۔ اور تو نے اتنی سی بات کا ہی شور مچا دیا۔ فقیر کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سے فقیر فتنۂ خلق ہو جاتا ہے۔ اعمال نیک کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں لگا رہے اور ایسی باتوں کو چھپائے رکھے۔ خبر نہیں قیامت کے دن کیا معاملہ پیش آئے۔ بندہ کو ہمیشہ خوف و رجا کے درمیان رہنا چاہیئے۔ نفس و شیطان دو دشمن ساتھ ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا خوف دل میں رکھے۔ اور مغفرت کی دعا کرتا رہے۔ اندیشہ ہے کہ شیطان دشمن کا کہیں داؤ نہ چل جائے۔ کیونکہ اگر ایسی باتوں پر فخر آجائے۔ تو خطرہ ہو جاتا ہے۔ انتہٰی۔

آخر حیات میں حضرت میاں صاحب قبلہ خلیفہ صاحب سے ناراض ہو گئے جس کا قصہ جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبہٹوی نے یوں لکھا ہے۔ تجربہ سے یہ امر ثابت ہوا ہے۔ کہ جس مرید یا مستفید سے کسی وجہ سے حضرت سائیں صاحب کے دل میں کشیدگی واقع ہوتی تھی۔ اُس کی تمام کیفیات سلب ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ اِس احقر نے تین چار خلیفوں کی یہی حالت دیکھی۔ خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب حضرت کے خلیفہ اول بلکہ بقول شاہ صاحب مرتبہ میں ایک ہی تھے۔ آپ کی حرکات و سکنات حضرت سائیں صاحب کے مشابہ ہو گئی تھیں۔ رنگت میں ذرا فرق تھا۔ ورنہ پیچھے سے چال ڈھال سے یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ شاہ صاحب قدس سرہ جا رہے ہیں یا بیٹھے ہیں۔ خلیفہ صاحب کو نکاح کی ضرورت ہوئی۔ حضرت سائیں صاحب کے گھر میں ایک عورت رہتی تھی۔ حضرات معتقدین نے اُس عورت سے نکاح کی تجویز کر دی۔ دونوں باہم رضامند ہو گئے۔ طلب اجازت پر سائیں صاحب کو جب علم ہوا آپ نے خلیفہ صاحب کو منع کیا۔ مگر مسجد میں میانجیو عبدالرحیم صاحب جو آپ کے چچا پیر اور امام مسجد تھے انہوں نے اِس نکاح کو مناسب سمجھ کر پڑھا دیا۔ نکاح خواں یہ احقر تھا۔ مجھ کو اِس قصہ کی خبر ہی نہ تھی۔ میں نے معمولی امر سمجھ کر نکاح پڑھا دیا۔ شاہ صاحب اِس نکاح کو معلوم کر کے گھبرا گئے۔ اور ناراض ہو گئے۔ مجھے خبر ہوئی۔ تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ خفا ہو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ نکاح ہی کیا اور میانجیو صاحب نے کرایا۔ اور میں نے پڑھا۔ کوئی ناجائز کام تو نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مولوی! تجھ کو خبر نہیں۔ میں نے امیر اللہ شاہ کو اس جگہ نکاح کرنے سے منع کیا تھا۔ اُس نادان نے یہ نہ سمجھا کہ ہم جو شرعی نکاح سے منع کرنے والے ہیں۔ آخر اس ممانعت میں کوئی راز ہوگا۔ اس نے پیر کے کہنے کا خیال نہ کیا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے۔ کہ میں دعا کر رہا ہوں کہ اُس کی نعمت اور فیض اس کے پاس رہے۔

گو دریا کے دریا فیض کے اُس کی طرف سے ہماری طرف آرہے ہیں۔ خدا کی مرضی۔ مولوی! میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ یہ عورت اُس کے گھر میں نہ رہے گی۔ اِدھر خلیفہ امیر اللہ صاحب بالکل کورے ہو کر کھیاں مارنے لگے۔ روئیں بلبلائیں۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر بہت ہی عرض کیا۔ اور خلاف سنت و خلاف شرع غصہ ہونا بیان کیا۔ حضور نے معاف کر دیا۔ مگر دو ماہ بلکہ زیادہ عرصہ میں خلیفہ صاحب اصل حالت پر آئے۔ اور اُس عورت سے دو دن بھی اتفاق نہ ہوا۔ مجبوراً علیحدگی ہوئی۔ حضرت کا نافرمان کبھی حضور سے خطا معاف کرائے بغیر مراد کو نہ پہنچتا تھا۔ انتہیٰ بلفظہ۔

جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب لکھتے ہیں کہ خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب دعا فرمایا کرتے تھے۔ کہ الٰہی میری موت ماہ رمضان میں اور انبالہ میں زیر اقدام حضرت صاحب ہو۔ سو بحکم آنکہ مولانا گوید ؎ مے دہد یزداں مراد متقی۔ آپ بیمار ہو کر بوڑیہ سے انبالہ آئے۔ اور سنہ ۱۳۱۱ھ میں بعد عصر تسبیح درود شریف یا سبحان اللہ پڑھتے تھے کہ حالت نزع شروع ہوئی۔ اور رات کے آٹھ بجے انتقال فرمایا۔ حضرت صاحب وقت پر حاضر تھے۔ جس وقت ان کے طائر روح نے قفس تن کو چھوڑا۔ تو صدائے اللہ اللہ بلند ہو گئی تھی ساختہ۔

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب نے ایک پوسٹ کارڈ میں یوں لکھا ہے۔ حضور کی زبان مبارک سے سنہ ۱۸۹۴ء تک یہ یاد ہے۔ کہ حضور نے ایک مرتبہ عالم رؤیا میں دیکھا کہ آپ کے ہاتھ پر ایک آفتاب غروب ہو رہا ہے۔ امیر اللہ شاہ صاحب مرحوم بیمار تھے۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا۔ کہ مولوی! امیر اللہ اس مرتبہ تندرست نہ ہوگا۔ بلکہ واصل بحق ہوگا۔ پھر یہ معاملہ بیان کر کے فرمایا۔ کہ مولوی! در اصل میرا تو خلیفہ ایک امیر اللہ شاہ ہی ہے ساختہ۔ آپ کا مرقد مبارک انبالہ ہی میں ہے۔

حاجی غلام محمد صاحب سجادہ نشین نے راقم الحروف سے ذکر کیا۔ کہ خلیفہ امیر اللہ شاہ رحمۃ اللہ کے مزار مبارک کے متصل قاسم علی نمبردار انبالہ کی زمین ہے۔ نمبردار موصوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے کچھ فاصلہ پر مزار مبارک کی طرف منہ کر کے پیشاب کر دیا۔ میں اُسی وقت اندھا ہو گیا۔ مجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آخر کار میں نے نہایت عاجزی سے توبہ کی۔ تو بصارت بحال ہو گئی۔ نمبردار مذکور اِس وقت زندہ ہے۔

۲۔ خلیفہ ہاشم شاہ صاحب

آپ ذات کے پٹھان۔ گندم رنگ۔ قد مائل بدرازی۔ ذاکر شاغل صاحب نسبت تھے۔ ان سے بھی صدہا لوگوں نے اللہ کا نام پوچھا اور بیعت کی۔ مگر سکرت اور استغراق خلیفہ امیر اللہ شاہ جیسا نہ تھا

مزاج ذرا جلال والا تھا۔ ان کا انتقال بھی میاں صاحب قبلہ کے روبرو ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۳۔ خلیفہ الٰہی بخش صاحب

آپ ذات کے نجار تھے اور پیشہ نجاری کیا کرتے تھے۔ پہلے آپ کو سحر سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ حضرت صاحب کی صحبت کی برکت سے وہ شوق جاتا رہا۔ آپ کا اصلی نام اللہ دیا تھا۔ جب حضرت صاحب سے بیعت ہوئے۔ تو حضور نے تبدیل کرکے الٰہی بخش رکھا۔ آپ اَن پڑھ تھے۔ مگر متقی وصالح تھے۔ ذکر وشغل میں بہت مشغول رہتے تھے۔ حتیٰ کہ درود شریف ہر روز چوبیس ہزار بار پڑھتے۔ خلیفہ عبداللہ شاہ نے جو میاں صاحب قبلہ کے پیر بھائی تھے آپ کے لئے خلافت کی سفارش کی۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ اگرچہ یہ ذاکر شاغل اور مرتاض ہے۔ مگر فیض ونسبت ابھی خلافت کے لائق نہیں۔ تیرے کہنے سے خلافت دیتا ہوں۔ اجازت کی برکت سے اللہ تعالےٰ نے آپ کو نسبت وفیضان میں ترقی دی۔ بوجہ فنا فی الشیخ آپ کی ظاہری صورت حضرت صاحب سے بہت مشابہ ہوگئی تھی۔

آپ اکثر سیاحت میں رہا کرتے۔ اور مزارات سے استفاضہ کیا کرتے تھے۔ اس طرح گجرات پنجاب میں پہنچ کر حضرت شاہ دولہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے خوب فیض حاصل کیا۔ اور صاحب تصرف ہوگئے۔ گجرات میں آپ سے بہت فیض ہوا۔ اور بہت لوگ آپ سے بیعت ہوئے۔ پھر وہاں سے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور سے اجازت حاصل کرکے حج کو گئے۔ اور حرمین شریفین کی زیارت کے بعد میاں صاحب قبلہ کی خدمت میں واپس تشریف لائے۔ شاہ صاحب قبلہ کے وصال کے تھوڑے دنوں بعد آپ نے ایک دفعہ فصد لگوائی اور حجام سے کہا کہ اگر خون نکلنے سے آرام ہوتا ہے۔ تو خوب گہرا نشتر لگاؤ۔ حجام نے ایسا ہی کیا۔ آپ کے بازو پر ورم ہوگیا اور اسی میں وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حسب بیان صاحب ذکر خیر آپ کا ایک عجیب وغریب قصہ ہے۔ کہ جس روز ان کا وصال ہوا ہے ایک صاحب کو ان کے مدفون ہونے کے بعد یہ حالت نظر آئی۔ کہ جب اُن کے پاس منکر نکیر آئے ہیں۔ تو ان کو دیکھ کر بہت ہی بیتاب ہوگئے۔ بلکہ بیہوش ہو کر گر گئے۔ اتنے میں حضرت شاہ صاحب کی روحانیت تشریف لائی۔ تو آپ کو ہوش آگیا۔ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی طرف اشارہ کرکے فقط اتنا کہا کہ میں آپ کا مرید ہوں۔ اور حضور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ہاں میرا مرید ہے۔ اتنا کلام سن کر منکر نکیر واپس چلے گئے اور خلیفہ جی پر آثار مغفرت کے ظاہر ہوگئے۔ اور درود خوانی میں مشغول ہوگئے۔

۴۔ مولوی محمد سلیمان صاحب سرسہ رانی

آپ ذات کے رائیں زمیندار ہیں۔ آپ کا وطن سرسہ اور رانیاں کے مابین موضع کنگن پور ہے جہاں آپ کی زمین اور سکونت ہے۔ آپ فقہ و حدیث میں کامل۔ ذاکر شاغل اور عالم باعمل ہیں۔ حضرت میاں صاحب قبلہ کی خدمت بابرکت میں چھ ماہ اور کچھ روز رہے۔ پھر اجازت و خلافت لے کر گھر چلے گئے۔ وہاں جاکر خلوت و مجاہدہ اختیار کیا۔ مدت تک نقاب پوش رہے۔ پھر نقاب اتار دیا۔ اب تک زندہ ہیں۔ اور طالبان خدا کو ان سے فیض پہنچ رہا ہے۔

۵۔ حافظ سید سرافراز علی صاحب کاظمی

آپ کا وطن سکندرپور ضلع مین پوری ہے۔ آپ کو میاں صاحب قبلہ سے خلافت و اجازت ہے۔ علاوہ اس کے مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی نور اللہ مرقدہ سے بھی اجازت ہے۔ بوجہ سید ہونے کے میاں صاحب ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے جیساکہ پہلے مذکور ہوا۔

۶۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب قاری پانی پتی

آپ کو بھی میاں صاحب قبلہ سے اجازت و خلافت ہے۔ ایک روز میاں صاحب قبلہ حلقہ میں فرمانے لگے۔ سراج الدین! دیکھو حافظ کی طرف کیسا فیض جارہا ہے۔ آپ کو پہلے مولوی سید غوث علی شاہ صاحب سے بھی فیض ہوا ہے۔ میاں صاحب قبلہ کے وصال کے بعد دستار خلافت آپ کو ملی۔ مگر فقراء کی ناراضی سے یہ اُس منصب پر قائم نہ رہے۔

۷۔ مولوی محمد صدیق صاحب پنجابی

آپ مرد وجیہ۔ ذاکر شاغل۔ عالم باعمل تھے۔ پنجاب میں آپ سے فیض جاری ہوا۔ اور بہت سے لوگ آپ سے مرید ہوئے۔

۸۔ خاں صاحب حاجی مظفر علی خاں صاحب مرادآبادی

حاجی احمد شاہ عرف مظفر علی خاں سنہ ۱۲۷۲ھ میں حضرت حافظ حاجی محمود جالندھری قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ اور سنہ [illegible]ھ میں اُن سے خلافت و اجازت حاصل کی۔ بقول جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب دہلوی خاں صاحب موصوف کو اجازت و خلافت حضرت مرشدنا میاں صاحب رحمہ اللہ سے بھی ہے۔ میاں صاحب علیہ الرحمۃ آپ کی تعظیم کو کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور کھانا اپنے ہمراہ کھلایا کرتے تھے۔ ضلع حصار میں آپ کے بہت سے مریدین ہیں۔ آپ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین بھی رہے ہیں۔ آپ نے اکانوے برس کی عمر میں بتاریخ ۴ جمادی الاولےٰ سنہ ۱۳۳۸ھ

مطابق ۱۹۲۰ء وصال فرمایا۔ مزار مبارک حصار میں ہے۔ میاں عبدالصمد خاں صاحب سجادہ نشین ہیں جو حضور صاحب کے لقب سے مشہور ہیں۔

خاں صاحب رحمہ اللہ انسپکٹر پولیس تھے۔ آپ کی یہ کرامت عوام میں مشہور ہے کہ آپ کا گھوڑا بیگار کی گھاس نہ کھاتا تھا۔ اِس کی نسبت قاضی فضل حق صاحب حال سب انسپکٹر حصار نے جو کچھ اپنے والد بزرگوار جناب مولوی حاجی قاضی فضل احمد صاحب پنشنر کورٹ انسپکٹر لودھیانہ کو اپنے خط مورخہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہے۔ کہ میاں عبدالصمد خاں صاحب نے فرمایا۔ کہ ایک مرتبہ پیر عبداللطیف صاحب پانی پتی (جو بعد میں انسپکٹر پولیس ہوئے۔ انبالہ سے پنشن لی اور فوت ہو گئے) کپتان صاحب کی پیشی میں تھے۔ کسی گاؤں میں خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی دورہ میں کپتان صاحب کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ جیسا کہ عام قاعدہ ہے بیگار میں گھاس آئی ہوئی تھی۔ وہ آپ کے گھوڑے کے آگے ڈال دی گئی۔ تو اُس نے نہ کھائی۔ پیرجی صاحب کو خیال ہوا کہ شاید گھوڑا بیمار ہے۔ انہوں نے حضرت صاحب سے رپورٹ کی۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں اور پوچھا کہ یہ گھاس کہاں سے لائی گئی ہے۔ معلوم ہونے پر آپ نے فوراً اُس بنئے کو طلب فرمایا اور گھاس کی قیمت ادا کی۔ پھر فرمایا کہ اب ڈال دو۔ چنانچہ گھوڑا وہ گھاس کھانے لگ گیا۔ میاں عبدالصمد خاں صاحب نے اِس ضمن میں مزید فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے سامنے علاقہ حصار کے بہت سے ہندو مل کر آئے۔ اور خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شکل دیکھتے ہی کہنے لگے "یہ تو وہی ہے جس کے گھوڑے نے مفت کی گھاس نہیں کھائی تھی"۔ میاں صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ حضور نے خود تو کبھی کوئی ایسی بات نہیں فرمائی تھی۔ جب پوچھا بھی جاتا تھا۔ تو فرمایا کرتے تھے کہ یہاں لوگ یونہی اُڑا دیا کرتے ہیں۔

۹۔ مولوی محبوب عالم صاحب گجراتی

آپ کا وطن موضع سید التحصیل پھالیہ ضلع گجرات پنجاب تھا۔ علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے آپ ہندوستان گئے۔ اور فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ اسلامیہ کرنال میں مدرس مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کے فقر کا آوازہ سُن کر کرنال سے حاضر خدمت ہوئے۔ اور بیعت ہو کر واپس چلے گئے۔ پھر تین مہینے کے بعد ملازمت سے مستعفی ہو کر انبالہ چلے آئے۔ یہاں آپ کے آنے پر مدرسہ تو کلیہ جاری ہوا۔ اور آپ گیارہ برس حضرت صاحب کی خدمت میں رہے۔ آپ سے نواحی گجرات میں بہت فیض ہوا اور بہت سے لوگ مرید ہوئے۔ آپ نے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں کتاب ذکر خیر لکھی ہے۔ رمضان ۱۹۱۷ء میں آپ کا وصال ہوا۔

۱۰۔ حکیم معزالدین صاحب دہلوی

آپ نے بارہ برس کی عمر میں حاجی دوست محمد قندھاری خلیفۂ جناب شاہ احمد سعید صاحب مجددی دہلوی سے بیعت کی تھی۔ حضرت حاجی محمود جالندھری قدس سرہ سے فیض اُٹھایا۔ مگر زیادہ فیض حضرت میاں صاحب قبلہ سے ہوا۔ آپ میاں صاحب علیہ الرحمۃ پر جان ومال قربان کرنے والے۔ ذاکر شاغل۔ رقیق القلب تھے۔ مزاج پر جلال غالب تھا۔ میاں صاحب قبلہ نے آپ کے حق میں فرمایا تھا کہ تجھے دین ودنیا دونوں ملیں گے۔ چنانچہ ابتدا میں آپ پر کچھ عسرت وتنگی معاش رہی۔ مگر آخر میں خوب ترقی ہوئی۔ ان کا مرقد انبالہ ہی میں ہے۔

۱۱۔ حافظ قاری سیّد اکرام حسین صاحب نقوی کرنالی

آپ قاری خوش الحان اور پابند اوراد ہیں۔ حضرت میاں صاحب قبلہ نے اپنے مرض موت میں آپ کو اللہ کا نام بتانے کی اجازت دی جیساکہ خود آپ نے اپنی کتاب کمالات توکلی (کمال ۱۷) میں لکھا ہے۔ انبالہ میں لوگ آپ سے مرید ہیں اور فیض جاری ہے۔

۱۲۔ مولوی سراج الدین احمد فاروقی دہلوی

آپ نے اپنا حال خود اپنے قلم سے یوں تحریر فرمایا ہے۔

اِس خاکسار کو اجازت بیعت وکالتًا ہے۔ چنانچہ دہلی اور شسکہ میرابجی میں اکثر زن ومرد نے اِس خاکسار کے ہاتھ پر وکالتًا بیعت کی۔ اور ذکر وشغل وغیرہ کی تلقین کی اجازت اصالتًا ہے۔ اِس عاجز کو حضور نے پہلے عالم رؤیا میں سنہ ۱۸۷۲ء میں دہلی میں اور سنہ ۱۸۷۳ء میں لاہور میں بیعت کیا۔ پھر عالم ظاہر میں انبالہ میں بیعت کیا۔ یہ بندہ مثل یوسف علی صاحب اور حکیم جی (معزالدین) کے حضور میاں صاحب کا منظور نظر تھا۔ حضور اکثر میری گستاخی کو بھی معاف کر دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس کی باتیں مستانہ ہیں۔ میاں صاحب کی حالت جلال میں سب اُٹھ کر بھاگ جاتے تھے۔ مگر بندہ بیٹھا رہتا تھا۔ عرصہ ۲۵ سال میں سفر وحضر میں حضور کے ہمراہ رہا۔ اور سنہ ۱۸۹۳ء سے بہ سبب ملازمت مدرسی تین سال کامل حضور انور سے توجہ لی۔ لطائف خمسہ ولایت صغریٰ اور موسوی ومحمدی ولایت کا فیض بھی فقیر پر القاء کیا ہے۔ کوئی اسرار یا مکاشفہ کی بات بندہ سے مخفی نہ کرتے تھے۔ اور میرے خواب کی بابت فرماتے کہ جو بات اولیاء کو مراقبہ میں کھلتی ہے وہ اسے خواب میں کھلتی ہے۔ اور فرمایا کرتے۔ کہ حکیم معزالدین اور سراج الدین فیض کی خوب کشش کرتے ہیں۔

میری بابت چند امور بطور بشارت کے فرمائے تھے۔ اُن میں کچھ وقوع میں آئے اور بعض کا امیدوار ہوں۔

اول تو فرمایا کہ ہماری روح تجھ سے خواب و بیداری میں ملا کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دویم فرمایا۔ کہ درود شریف جہر سے پڑھا کر۔ تجھ پر جذب وارد ہوگا۔ چنانچہ اثناء درود خوانی میں بندہ کو کبھی کبھی جذب در قت ہوتی ہے۔ سنہ ۱۳۱۱ھ میں فرمایا۔ کہ مولوی! ہم نے اِس وقت دیکھا۔ کہ تیرے ہاں کڑی منڈا (لڑکی لڑکا) سو بنا پیدا ہوا ہے اور تو کھلا رہا ہے۔ اور فارغبالی دنیا کی از حد دیکھی۔ اور تیرے سر پر نور برستا دیکھا۔ سو سنہ ۱۳۱۴ھ میں بندہ کے گھر لڑکی اور سنہ ۱۳۱۵ھ میں لڑکا پیدا ہوا مگر گزر گیا۔ باقی اور بشارات کا امیدوار ہے۔ انتہیٰ بلفظہ۔ آپ کا سنہ وفات مجھے معلوم نہیں۔

۱۳۔ میر یوسف علی شاہ صاحب دہلوی

آپ حضرت صاحب کے شیدائیوں میں سے تھے۔ حضرت صاحب نے بارہا فرمایا۔ کہ یوسف شاہ! تو لوگوں کو اللہ کا نام بتایا کر۔ اور کرتہ اور لونگی بھی مرحمت فرمائی۔ اور اکثر چھاؤنی انبالہ کے لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ تم یوسف شاہ کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ مگر آپ بوجہ انکسار کسی کو بیعت نہ کرتے تھے۔ آپ خانقاہ شریف کے متولی تھے۔ اور ہر سال حضرت صاحب کا ختم شریف نہایت عمدگی سے کراتے تھے۔

۱۴۔ سائیں مغلی شاہ

آپ نے پہلے فوج میں بھرتی ہونے کی بہت کوشش کی۔ چنانچہ اسی غرض سے سیالکوٹ۔ ہانسی، بھرت پور، کانپور گئے۔ مگر سب جگہ سے ناکام واپس آئے۔ آخر انبالہ میں حضرت صاحب سے بیعت ہوئے۔ حضرت صاحب نے آپ کا نام تبدیل کر کے عبدالکریم رکھا۔ آپ نے حضرت صاحب کی خدمت ایسی کی ہے کہ شاید کوئی کرتا۔ حضرت صاحب بیت الخلا میں تشریف رکھتے ہیں۔ مغلی شاہ باہر لوٹا لئے کھڑے ہیں گھنٹے گزر گئے۔ پاؤں سوج گئے۔ زخم پڑ گئے۔ اور دل میں یہ خواہش کہ جو کام ہو وہ میں ہی کروں اور میاں صاحب مجھ سے ہی لیں۔

جناب مولوی حاجی سید ظہور الدین صاحب انبہٹوی نے آپ کا حال یوں تحریر فرمایا ہے۔ بھائی مغلی شاہ خاص خادم تھے۔ استنجا، اور وضو کے لئے پانی لانا ذرا بدن دبانا ان کی خدمت تھی۔ رات بھر جاگتے تھے۔ آپ کو حضور سے اِس قدر محبت تھی کہ مسواک دماغ میں زور زور سختی سے مار کر خون نکال لیتے تھے تاکہ آنکھ نہ لگ جائے۔ اللہ اکبر! مغلی شاہ حب آئے۔ تو بڑے زبردست لحیم شحیم قدآور شخص تھے ایک دو مشکا پانی کا باہر سے کوئیں کا لاتے تھے جو معمولی آدمی سے ہلتا تک نہ تھا۔ آخر میں نحیف جثہ ہو گئے۔ آپ گھر کے زمیندار تھے۔ بہت مرتبہ گھر سے رشتہ دار بلانے کے لئے آتے تھے۔ آپ جواب دے دیا کرتے تھے۔ کہ میں تو اِسی در کا ہو لیا۔ تم جانو تمہارا کام۔ حالانکہ حضور شاہ صاحب سے اجازت بھی

کہ جب چاہو اپنے گھر جاؤ۔ مگر محبوب کی جدائی محب کو کب گوارا ہو سکتی ہے۔ آخر اسی در محبوب پر دم دے دیا حضور کے بعد مغلی شاہ حضور کے جانشین ہوئے۔ حج کیا اور در محبوب کی خوب جاروب کشی کی۔ مجھ احقر سے محبت کرتے تھے۔ جب مجھ کو ملتے تھے۔ میرے ہاتھ بلکہ پاؤں تک چومنا چاہتے تھے۔ میرے باز رکھنے پر فرمایا کرتے تھے۔ کہ تیرے ہاتھ کس طرح نہ چوموں۔ تو میرے محبوب کا پیارا ہے۔ آخری وقت تک حضور کے دربار میں خدمت کر کے حضور کے در کے سامنے لیٹ گئے۔ اندر ہی آپ کا مزار ہے۔ اللہ تعالےٰ اُس پر رحمت کی بارش برساوے۔ آمین۔ انتہےٰ بلفظہ۔

خلفاء مذکور بالا کے علاوہ حضرت میاں صاحب قبلہ کے اور بھی خلفاء ہیں۔ مثلاً محمد علی شاہ صاحب رانگری۔ مولوی عبد الرحیم شاہ صاحب مسکین۔ جعفر شاہ صاحب کملی پوش۔ حافظ عبد الرحمٰن صاحب پنجابی۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب سہارنپوری وغیرہ۔ ان تمام خلفاء میں سے بقول مولوی سراج الدین صاحب پہلے آٹھ کو اجازت تامہ ہے۔ یعنی بیعت کرنے اور تعلیم و تلقین اذکار کی اجازت اصالتاً ہے۔ باقی سب کو بیعت کرنے کی اجازت وکالتاً اور تلقین اذکار کی اصالتاً ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولف کتاب

راقم الحروف علیگڈھ کالج سے ایم۔ اے (عربی) کی ڈگری حاصل کر کے ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں چھاؤنی انبالہ میں ہندو محمدن سکول کا ہیڈ ماسٹر عارضی طور پر مقرر ہو کر آیا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر تعمیل ارشاد والد بزرگوار جو آستانہ جہانگیلاں شریف کے ارادتمندوں میں سے تھے میں بغرض بیعت حضور قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے پہلے یہی دریافت کیا کہ تمہارے والد کس کے مرید ہیں۔ میں نے عرض کر دیا تو فرمایا کہ آجاؤ۔ اپنا ہی گھر ہے۔ اور مجھے فوراً بیعت کر لیا۔ میں چھاؤنی سے حاضر ہوتا رہا۔ چند ماہ کے بعد بورڈ سکول دہلی میں چلا گیا۔ جب وطن کو آتا۔ تو حاضر خدمت ہوتا۔ پھر ۱۸۹۶ء میں بورڈ کالج امرتسر میں تبدیل ہو گیا۔ میں وہیں تھا کہ حضرت صاحب کا وصال ہو گیا۔ جب میں ملازمت سرکاری سے سبکدوش ہو گیا تو حضرت خواجہ عبد الخالق رح نے بتقریب عرس حضرت شمس العرفان خواجہ قادر بخش رح مجمع کثیر میں میری دستار بندی کی اور فرمایا کہ میں حضرت خواجہ توکل شاہ کی طرف سے ان کو خلافت دیتا ہوں۔ راقم الحروف نے واقعہ میں حضرت شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے مجھے خلافت دے دی؟ فرمایا کہ ہاں۔ اسی طرح شیخنا العلامہ مولانا مولوی مشتاق احمد صاحب انبہٹوی چشتی صابری نے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں مجھے خلافت سے سرفراز فرمایا۔ یہ ان بزرگوں کی محض ذرہ نوازی تھی۔ ورنہ یہ ننگ خلائق جس کی تمام عمر معصیت اور ہوا و ہوس میں گزری اس عنایت کا ہرگز مستحق نہ تھا۔ برادر عزیز چودھری محمد سلیمان صاحب کے اصرار پر یہ

گیارہواں باب

علم تصوّف کا بیان

تصوّف وہ علم ہے جس سے تزکیۂ نفوس اور تزکیۂ اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اِس علم کی غایت وصول الی اللہ اور سعادت ابدی کا حاصل کرنا ہے۔

تصوف وصوفی | تصوّف و صوفی کے معنی میں بہت سے اقوال ہیں۔ استاذ[۱] ابومنصور عبدالقاہر بغدادی (متوفی ۴۲۹ھ) نے ان دونوں لفظوں کے معنی میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں صوفیہ کرام کے ایک ہزار اقوال بہ ترتیب حروف معجم جمع کئے ہیں۔ رسالہ قشیریہ میں بھی بعض اقوال منقول ہیں جن کے ایراد کی اس مختصر میں گنجایش و ضرورت نہیں۔

امام ابوالقاسم قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افاضل مسلمین کے لئے ان کے زمانہ میں سوائے صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی علامت ونشان نہ تھا۔ کیونکہ اس صحبت سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہ تھی۔ پس ان کو صحابہ کہا گیا۔ دوسرا زمانہ جو آیا۔ تو صحابہ کرام کی صحبت سے فیض پانے والوں کو تابعین کہا گیا۔ اور اسے وہ اشرف علامت سمجھتے تھے۔ پھر تابعین کے بعد جو ہوئے۔ انہیں اتباع تابعین کہا گیا۔ بعد ازاں لوگ مختلف ہو گئے اور مراتب ایک دوسرے سے جدا جدا ہو گئے۔ پس خواص کو جنہیں امر دین کی طرف بہت توجہ تھی زہاد اور عباد کہا گیا۔ پھر بدعتوں کا ظہور ہوا اور فرقوں میں تداعی پیدا ہوئی۔ ہر ایک فریق مدعی تھا کہ زہاد ہم میں ہیں۔ پس خواص اہل سنت جو اللہ تعالےٰ کی معیت کو ملحوظ رکھتے اور اپنے دلوں کو غفلت کے حوادث سے محفوظ رکھتے تھے تصوّف کے نام کے ساتھ منفرد ہوئے۔ اور ان کے اکابر کے لئے یہ نام ۲۰۰ھ سے پہلے مشہور ہو گیا۔ انتہیٰ۔ ابوہاشم صوفی پہلے بزرگ ہیں جن کو صوفی کہا گیا۔ ان سے پہلے کسی بزرگ کو اس نام سے نہیں پکارا گیا جیسا کہ نفحات جامی میں مذکور ہے

اصل تصوف | تصوّف کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (سورہ زمر) یعنی عبادت اخلاص کے ساتھ کرو۔ اس اخلاص کو حدیث جبرئیل علیہ السلام میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بروایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ مروی ہے۔ اُس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام

---

[۱] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج السبکی۔ ترجمہ ابومنصور عبدالقاہر بغدادی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب باصواب دیا۔ پھر دریافت کیا کہ ایمان کیا چیز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی جواب باصواب دیا۔ پھر دریافت کیا کہ احسان کیا چیز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ یعنی احسان یہ ہے کہ تو خدا کی عبادت اِس طرح کرے کہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اُسے نہیں دیکھتا۔ تو یہ سمجھے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس کے تحت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں یہ لکھا ہے:۔

"جان لے کہ دین اور اُس کے کمال کی بنیاد فقہ اور کلام اور تصوّف پر ہے۔ اِس حدیث نے ان تینوں مقاموں کا بیان کر دیا۔ اسلام اشارہ فقہ کی طرف ہے جو اعمال و احکام شرعیہ کے بیان کا متکفل ہے۔ اور ایمان اشارہ اعتقادات کی طرف ہے۔ جو کہ علم اصول کے مسائل ہیں۔ اور احسان اشارہ اصل تصوّف کی طرف ہے جس سے مراد خدا کی طرف صدق توجہ ہے۔ تصوّف کے تمام معانی جن کی طرف مشائخ طریقت نے اشارہ کیا ہے اِسی معنے کی طرف راجع ہیں۔ فقہ و تصوف و کلام باہم لازم و ملزوم ہیں۔ کہ ایک دوسرے کے بغیر ان میں سے کوئی کامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ فقہ بغیر تصوّف کے اور تصوّف بغیر فقہ کے صورت پذیر نہیں ہوتا۔ اِس لئے کہ حکم الٰہی بغیر فقہ کے پہچانا نہیں جاتا۔ اور فقہ بغیر تصوّف کے کامل نہیں۔ کیونکہ عمل بغیر صدق توجہ کے تمام و کامل نہیں ہوتا۔ اور یہ دونوں بغیر ایمان کے صحیح نہیں ہوتے۔ جس طرح کہ روح و جسم ایک دوسرے کے بغیر وجود و کمال اختیار نہیں کرتے۔ اِسی واسطے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ جو شخص صوفی بنا اور فقیہ نہ ہوا۔ وہ زندیق ہو گیا۔ اور جو فقیہ بنا اور صوفی نہ ہوا۔ وہ فاسق ہو گیا۔ اور جو دونوں کا جامع ہوا۔ وہ بے شک محقق بن گیا۔ کمال جامعیت یہی ہے۔ باقی سب کجروی و گمراہی ہے۔ اور توفیق اللہ کریم متعال سے ہے۔"

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔

حفظت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدھما فبثثتہ فیکم واما الاخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم یعنی مجری الطعام	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برتن (علم کے) لئے۔ ان میں سے ایک کو تو میں نے تمہارے درمیان پھیلا دیا۔ رہا دوسرا سو اگر میں اُس کو ظاہر کر دوں تو میرا گلا کاٹا جائے۔

اس حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دو قسم کے علم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ایک علم احکام و اخلاق جو خواص و عوام میں مشترک ہے۔ دوسرا علم اسرار جو باریکی و پوشیدگی کے سبب سے اغیار سے محفوظ اور خواص علماء یعنی اہل عرفان سے مخصوص ہے۔ دوسری قسم کے علم کے اظہار و افشاء سے ممانعت اس واسطے نہیں کہ وہ علم شریعت کے خلاف ہے۔ بلکہ وجہ یہ کہ علم باطن کی دقت و پوشیدگی کے سبب سے عوام اُسے سمجھ نہ سکیں گے اور قائل کو منکرات سے منسوب کریں گے۔

حضرت امام حسن بصری رح فرماتے ہیں:۔

العلم علمان فعلم فی القلب فذٰلک العلم النافع وعلم علی اللسان فذٰلک حجۃ اللہ عزوجل علی ابن اٰدم۔ رواہ الدارمی۔	علم دو ہیں۔ ایک علم ہے دل میں۔ یہ علم نفع دینے والا ہے۔ دوسرا علم ہے زبان پر۔ یہ علم خدا کی حجت ہے آدمیوں پر (دارمی)۔

تدوین تصوف حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جو اشخاص مسلمان ہو جاتے تھے۔ وہ اوّل صحبت میں بقدر استعداد باطن نور ہدایت و کمالات ولایت سے منور و مملو ہو جاتے۔ جیسا کہ آئینہ آفتاب کے مقابلہ میں ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں وہ بقدر حوصلہ و استعداد حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام شریف سے استفادہ علوم ظاہری کرتے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ریاضات (ہجرت۔ جہاد مع الکفار۔ بذل جان و مال۔ قیام شب و روزہ ایام) کے سبب بے حد ترقی کر جاتے تھے۔ کانوا رھباناً باللیل وقیاماً بالنھار اُن کی شان میں آیا ہے۔ غرضیکہ صحابہ کرام سب کے سب کمالات ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ اور ایسے مرتبہ میں تھے کہ امت میں کوئی اُس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ صحابہ کرام کے بعد قرن ثانی نے اُن سے کسب ظاہر و باطن کیا۔ اور اُسی طرح اُن کی مصاحبت و مکالمت و نفوس شریفہ سے استفادہ کیا۔ اِسی طرح قرن ثالث میں وقوع میں آیا مگر صحابہ کرام کی صحبت کی تاثیر ایسی نہ تھی جیسا کہ حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی تھی۔ اِسی طرح تابعین کی صحبت کی تاثیر صحابہ کرام کی صحبت کی تاثیر کو نہ پہنچ سکی۔ بعد ازاں صحبت کی تاثیر اور بھی کمزور ہو گئی۔ دوسری صدی ہجری میں اکابر دین کی ایک جماعت (یعنی مجتہدین) علوم ظاہری کی متکفل ہوئی۔ اور انہوں نے احکام شرعیہ کے استنباط کے لئے قرآن و حدیث سے قواعد و اصول مرتب کر کے علوم عقائد و فقہ کی تدوین کی۔ اس کے بعد تیسری صدی ہجری میں اکابر دین کی دوسری جماعت نے بنا بر ضرورت علوم ظاہر سے بقدر ضرورت جو فرض عین تھا اکتفاء کیا۔ اور فرض کفایہ کو دوسروں پر چھوڑ کر اور اس میں ان کی تقلید قبول کر کے حقائق شریعت و کمالات باطن کے افادہ

واستفادہ کے لئے کمر ہمت باندھی۔ اور اُس کے قواعد واصول مستنبط کرکے علم تصوف وطریقت کی تدوین کی۔ وہ قواعد بھی (مثلاً کم کھانا۔ کم سونا۔ عوام سے میل جول کم رکھنا۔ ارباب قلوب زکیہ ونفوس مرضیہ کی صحبت میں رہنا۔ کثرت سے ذکر کرنا۔ خلق سے دور رہنا۔ سنت کا اتباع کرنا۔ بدعت کا ترک کرنا۔ مشتبہات سے پرہیز کرنا۔ مالایعنی کا ترک کرنا وغیرہ) شرع سے مستنبط اور احادیث سے ثابت[1] تھے۔

صوفیہ کرام میں سے حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ (متوفی سنہ ۲۴۵ھ) پہلے صوفی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مصر میں ترتیب احوال ومقامات اہل ولایت میں کلام کیا۔ اور حضرت ذوالنون قدس سرہ کے تلامذہ میں سے حضرت ابوسعید خراز بغدادی (متوفی سنہ ۲۷۹ھ) پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے فناء وبقاء میں تکلم کیا۔ اور حضرت ابوحمزہ محمد بن ابراہیم بغدادی قدس سرہ (متوفی سنہ ۲۸۹ھ) پہلے صوفی ہیں۔ جنہوں نے بغداد میں مذاہب صوفیہ میں کلام کیا۔

شرف علم باطن وعلمائے باطن

علم باطن کا شرف حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ سے ظاہر ہے۔ جہاں آپ حضرت خضر علیہ السلام سے فرماتے ہیں۔ هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا[2] (سورہ کہف۔ ع)۔ اِس سے پایا جاتا ہے کہ علم شریعت کی طرح علم حقیقت کی طلب بھی واجب ہے۔ ایجاد انسان سے مقصود معرفت الٰہی ہے۔ ایمان حقیقی اسی معرفت سے وابستہ ہے۔ یہ معرفت اہل باطن کی خدمت میں حاصل ہوسکتی ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دیکھئے کہ باوجود علم واجتہاد کے اس معرفت کے حاصل کرنے کے لئے حضرت بشر حافی قدس سرہ کے ہمرکاب چلا کرتے تھے۔ لوگوں نے آپ سے اِس کا سبب پوچھا۔ تو جواب دیا کہ ان کو خدا کی معرفت مجھ سے زیادہ ہے۔

حدیث شریف میں مذکور ہے کہ انسان کے بدن میں ایک پارۂ گوشت ہے۔ اگر وہ درست ہو۔ تو تمام بدن درست ہے۔ اور اگر وہ فاسد ہو۔ تو تمام بدن فاسد ہے۔ یہ پارہ گوشت قلب ہے۔ صلاح قلب جسے صوفیہ کرام فناء قلب سے تعبیر کرتے ہیں علمائے باطن ہی کو حاصل ہے۔

امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"عہد اسلام میں ہر زمانے میں اِس گروہ کے شیوخ میں سے ایک شیخ صاحب علوم توحید وامامت قوم گزرا ہے۔ جس کے آگے اُس وقت کے ائمہ وعلماء نے سر تسلیم وتواضع خم کیا ہے۔ اور اُس سے برکت حاصل کی ہے۔ اگر اُن میں کوئی فضیلت وخصوصیت نہ ہوتی۔ تو معاملہ برعکس تھا۔

---

[1] التقط از مکتوبات حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالےٰ

[2] کیا میں تیرے ساتھ رہوں بشرطیکہ تو سکھائے مجھ کو اُس چیز سے جو تجھ کو سکھائی ہے بھلی راہ۔

ایک روز امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ (متوفی ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ) امام شافعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ (متوفی آخر رجب ۲۰۴ھ) کے پاس تھے۔ حضرت شیبان راعی قدس سرہ تشریف لائے۔ امام احمد نے کہا اے ابو عبداللہ! میں چاہتا ہوں کہ اس راعی کو اس کے علم کے نقصان پر آگاہ کروں۔ تاکہ یہ بعض علوم کی تحصیل میں مشغول ہو جائے۔ امام شافعیؒ نے کہا ایسا نہ کیجئے۔ مگر وہ باز نہ رہے۔ اور شیبان سے کہنے لگے۔ کہ آپ اُس شخص کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔ جو دن رات کی پانچ نمازوں میں سے ایک نماز بھول جائے۔ اور اُسے معلوم نہ ہو کہ وہ کونسی نماز بھولا ہے۔ اے شیبان! اُس پر کیا واجب ہے؟ شیبان نے کہا اے احمد! ایسے شخص کا دل اللہ تعالےٰ سے غافل ہے۔ واجب یہ ہے کہ اُس کو تادیب کی جائے تاکہ وہ پھر اپنے مولا سے غافل نہ ہو۔ یہ سُن کر امام احمد بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے۔ تو امام شافعیؒ نے اُن سے کہا۔ کیا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ ان کو نہ چھیڑیئے۔ حضرت شیبان اُمّی تھے۔ جب اُن میں سے ایک اُمّی ایسا ہے۔ تو ائمۂ صوفیہ کا کیا حال ہوگا۔

منقول ہے کہ اکابر فقہاء میں سے ایک فقیہ ابو عمران نام کا حلقہ جامع منصور میں حضرت شبلی قدس سرہ (متوفی ۳۳۴ھ) کے حلقہ کے پہلو میں تھا۔ حضرت شبلی قدس سرہ کے کلام کے سبب سے ان کا حلقہ بیکار رہتا۔ ایک روز ابو عمران کے اصحاب نے حضرت شبلی قدس سرہ کو شرمندہ کرنے کے ارادے سے ان سے حیض کا ایک مسئلہ دریافت کیا۔ حضرت شبلیؒ نے اُس مسئلہ میں لوگوں کے اقوال اور اختلاف بیان کیا۔ جب ابو عمران نے آپ کی تقریر سُنی۔ تو اُٹھ کر آپ کے سر کو بوسہ دیا اور کہا۔ اے ابوبکر! آپ نے اس مسئلہ میں دس اقوال بتائے ہیں۔ جو میں نے نہ سنے تھے۔ تمام اقوال جو آپ نے بیان کئے ہیں اُن میں سے تین قول مجھے معلوم تھے۔ کہا گیا ہے کہ فقیہ ابو العباس بن عمر بن سریج (متوفی ۳۰۶ھ) حضرت جنید بغدادی قدس سرہ (متوفی شوال ۲۹۸ھ) کی مجلس سے گذرا اور ان کا کلام سُنا۔ فقیہ موصوف سے پوچھا گیا۔ کہ آپ اس کلام کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ ان کا کلام میں نہیں سمجھتا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس کلام میں وہ رعب و ہیبت ہے جو کاذب و متکبر کے کلام میں نہیں ہوتی۔"

امام عبدالوہاب شعرانی طبقات کبرےٰ میں لکھتے ہیں۔ کہ امام احمد بن حنبل کی مجلس میں جب کبھی کلام صوفیہ کا ذکر آتا۔ تو آپ حضرت ابو حمزہ بغدادی قدس سرہ (متوفی ۲۸۹ھ) سے فرماتے۔ ما تقول

فی ھذا یا صوفی ۔ اے صوفی! آپ اس میں کیا فرماتے ہیں۔ امام موصوف اپنے صاحبزادے سے فرمایا کرتے تھے۔ بیٹا! صوفیۂ وقت کی صحبت میں رہا کرو۔ کیونکہ وہ اخلاص میں ایسے مقام پر پہنچے ہوئے ہیں جہاں تمہاری رسائی نہیں۔

شیخ الاسلام ابو یحییٰ زکریا انصاری (متوفی ذی الحجہ ۹۲۶ھ) فرمایا کرتے تھے۔ کہ جس فقیہ کو صوفیہ کرام کے احوال و اصطلاحات کا علم نہ ہو۔ وہ خشک روٹی کی طرح ہے جس کے ساتھ سالن نہ ہو۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام (متوفی ۱۰ جمادی الاولیٰ ۶۶۰ھ) طریق صوفیہ کے منکر تھے۔ اور کہا کرتے تھے۔ کہ کیا کتاب و سنت کے سوا کوئی اور طریق موصل الی اللہ ہے؟ جب آپ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ تو طریقۂ صوفیہ کرام کو تسلیم کیا اور فرمایا۔ گروہ صوفیہ دین کی بڑی بنیاد پر قائم ہیں۔ اِس کی ایک بڑی دلیل وہ کرامات و خوارق ہیں جو ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اِس قسم کی کوئی شے کبھی کسی فقیہ کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوئی بجز اس صورت کے کہ ان کے طریق کا اتباع کرے۔ انتہیٰ

شیخ الاسلام تاج سبکی (متوفی ۷۷۱ھ) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ کہ جب ابوالعباس مرسی قدس سرہ (متوفی ۶۸۶ھ) اسکندریہ سے قاہرہ میں آئے۔ تو ایک روز شیخ عزالدین کی مجلس میں حاضر ہوئے جہاں رسالۂ قشیریہ پڑھا جاتا تھا۔ شیخ عزالدین نے ابوالعباس سے کہا کہ اس فصل پر کلام کیجئے۔ پس ابوالعباس کلام کرنے لگے۔ شیخ عزالدین حلقہ میں پھر رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ کہ اِس کلام کو سنو جو ابھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے القا ہوا ہے۔

ضرورت شیخ کامل مکمل اللہ تعالےٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (مائدہ ع ۶)	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اُس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ اور اُس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

صاحب تفسیر روح البیان اِس آیت کے تحت میں عربی میں یہ مضمون تحریر فرماتے ہیں:۔

"جان لے کہ اِس آیہ کریمہ میں وسیلہ ڈھونڈنے کے حکم کی صراحت ہے۔ وسیلہ کا ہونا بےشک ضروری ہے۔ کیونکہ وصول الی اللہ وسیلہ ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ وسیلہ علماء حقیقت و مشائخ طریقہ ہیں۔ حافظ فرماتے ہیں۔ ؎

قطع ایں مرحلہ بے ہمرہیٔ خضر مکن ظلماتست بترس از خطر گمراہی

نفس کے موافق عمل کرنا نفس کے وجود کو زیادہ کر دیتا ہے۔ مگر مرشد کے اشارے اور

انبیاء واولیاء کی دلالت کے موافق عمل کرنا نفس کو وجود سے چھڑاتا ہے اور حجاب اٹھا دیتا ہے۔ اور طالب کو رب الارباب تک پہنچا دیتا ہے"

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالےٰ نے حاشیہ قول جمیل میں فرمایا۔ کہ ہم نے اپنے جد امجد حضرت شاہ عبدالرحیم قدس سرہ کے ایک مرید سے سنا کہ اُن کے ہمعصر ایک عالم نے اُن سے بیعت کے سنت یا بدعت ہونے میں گفتگو کی۔ جد امجد نے بیعت کی مشروعیت کے واسطے اس آیت سے استدلال کیا اور فرمایا کہ یہ ممکن نہیں کہ وسیلہ سے ایمان مراد لیجئے۔ اس واسطے کہ خطاب اہل ایمان سے ہے۔ چنانچہ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور عمل صالح بھی مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ تقوےٰ میں داخل ہے۔ کیونکہ تقوےٰ عبارت ہے امتثال اوامر اور اجتناب نواہی سے۔ اور اس واسطے کہ عطف کا قاعدہ مغائرت بین المعطوف والمعطوف علیہ کا مقتضی ہے۔ اسی طرح جہاد بھی مراد نہیں ہو سکتا بدلیل مذکور یعنی تقوےٰ میں داخل ہے پس متعین ہو گیا کہ وسیلہ سے مراد ارادت و بیعت مرشد کی ہے۔ پھر اس کے بعد مجاہدہ اور ریاضت ہے ذکر اور فکر میں۔ تا فلاح حاصل ہو کہ عبارت ہے وصول ذات پاک سے واللہ اعلم۔ (القول الجمیل مع شرح شفاء العلیل۔ ص۳)

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد یوں ہے۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (سورہ توبہ)	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔

تفسیر روح البیان میں اس آیت کے تحت میں ہے۔

"صادقین وہ لوگ ہیں۔ جو وصول الی اللہ کے طریق کے رہنما ہیں۔ جب سالک اُن کے دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور اُن کے آستانوں کے خادموں کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو اُن کی محبت و تربیت وقوت ولایت سے سیر الی اللہ اور ترک ماسوا کے مراتب تک پہنچ جاتا ہے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر تو اپنے افعال کو کسی دوسرے کی مراد کے موافق نہ کرے گا۔ تو ہوا و خواہش نفسانی سے تو رہائی نہ پائے گا اگرچہ تمام عمر اپنے نفس سے مجاہدہ کرتا رہے۔ جب تجھے ایسا بزرگ مل جائے جس کی تعظیم و حرمت تو اپنے نفس میں پائے۔ تو اس کا خادم بن جا اور ایسا ہو جا جیسا کہ مُردہ غسّال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ جس طرح چاہے تجھ میں تصرف کرے۔ تجھے اپنی ذات میں اُس کے سامنے کوئی تدبیر و اختیار نہ ہو۔ تو اس سعادت کی زندگی بسر کر اور اُس کے اوامر و نواہی کی تعمیل کے لئے تیار رہ۔

اگر وہ تجھے کسی کسب کا حکم دے۔ تو اُس کے حکم سے کسب کر نہ کہ اپنی نفسانی خواہش سے۔ کیونکہ وہ تیری مصلحتوں کو تجھ سے بہتر جانتا ہے۔ پس اے فرزند! پیر کی تلاش میں کوشش کر جو تیرا رہنما بنے اور تیرے خواطر کی نگہبانی کرے۔ تاکہ تیری ذات وجود الٰہی سے کامل ہو جائے اور اُس وقت تو وجود کشفی اختصاصی سے اپنے نفس کی تدبیر کرے۔ شیخ اکبر یعنی محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۳۸ھ) نے اپنی کتاب مواقع النجوم و مطالع اہل الاسرار والعلوم میں ایسا ہی لکھا ہے۔"

علم عقائد و فقہ کی تحصیل کے لئے علمائے ظاہر کی ضرورت ہے۔ اِسی طرح علم باطن کی تحصیل کے لئے علمائے باطن کی ضرورت ہے۔ کوئی شخص اپنے امراض باطن کا علاج ماہر و تجربہ کار شیخ کے بغیر نہیں کر سکتا خواہ اسے اخلاق و وعظ کی ہزاروں کتابیں یاد ہوں۔ ایسا عالم اگر مرشد کامل کے بغیر اس رستہ میں قدم رکھے۔ تو اس کا حال ایسا ہے کہ کسی نے طب کی کتابیں یاد کر لیں۔ مگر مطب میں بیٹھ کر تجربہ نہ کیا۔ اُس کو اگر کوئی تدریس کرتے سنے گا۔ تو کہے گا کہ بڑا طبیب ہے۔ مگر جب کسی مریض کو اُس کے سامنے لا کر تشخیص مرض اور اُس کا علاج دریافت کرے گا۔ تو کہے گا کہ بڑا جاہل ہے۔ عارف رومی یوں فرماتے ہیں۔ ؎

نفس را نکشد بغیر از ظل پیر دامن آں نفس کش محکم بگیر

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ جس شخص کا کوئی استاد نہ ہو۔ شیطان اُس کا امام ہے۔ استاد ابو علی دقاق قدس سرہ کا ارشاد ہے۔ کہ جس درخت کو کوئی نہ لگائے اور خود بخود اُگ آئے۔ اُس کے پتے تو نکل آتے ہیں۔ مگر وہ پھل نہیں دیتا۔ اِسی طرح مرید کا جب کوئی اُستاد نہ ہو جس سے وہ دمبدم طریقہ اخذ کرے۔ تو وہ اپنی آرزو کا عابد ہوتا ہے جو پوری نہیں ہوتی (رسالہ قشیریہ)۔

خلاصہ کلام یہ کہ وصول الی اللہ کے لئے مرشد کامل کا ہونا ضروری ہے۔ مولانا روم یوں فرماتے ہیں ؎

ہیچکس از نزد خود چیزے نشد ہیچ آہن خنجرے تیزے نشد
ہیچ حلوائی نشد استادِ کار تاکہ شاگرد شکر ریزے نشد
مولوی ہرگز نشد مولائے روم تا غلام شمس تبریزے نشد

ان ابیات کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے آپ کچھ نہیں بن سکتا۔ لوہے کو دیکھئے کہ خواہ

کتنا ہی اعلیٰ قسم کا ہو۔ مگر لوہار کی محنت کے بغیر تلوار نہیں بن سکتا۔ مٹھائی کو لیجئے۔ وہ بھی حلوائی کی شاگردی کے بغیر نہیں بنا سکتے۔ اگرچہ اس کے اجزا معلوم ہوں۔ جب دنیا کے ایسے ایسے کاموں میں استاد کی ضرورت ہے تو اس فلکی پتلے کو اوج کمال پر پہنچانے کے لئے بطریق اولےٰ مرشد کی ضرورت ہونی چاہیئے۔ مولوی جلال الدین رومی کو دیکھئے۔ جب وہ شمس تبریز کے غلام و مرید بن گئے تو مولائے روم کہلانے کے مستحق ہو گئے۔

واضح رہے کہ پیر پکڑنے میں بڑی احتیاط درکار ہے۔ پیر کامل مکمل کی شناخت آسان نہیں۔ مولانا روم (متوفی سنہ ۶۷۲ھ) فرماتے ہیں۔ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

پیر ایسا متقی سنت کا متبع اور بدعت سے بچنے والا ہو کہ اس کی صحبت میں اور اس کے دیکھنے سے خدا یاد آئے۔ اور ماسوا سے دل سرد ہو جائے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ خیار عباد الله الذین اذا رأوا ذکر الله۔ یعنی خدا کے سب سے نیک بندے وہ ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۱؎

میرے پیر دستگیر رومی و قلبی مدظلہ سے کسی نے کامل کی نشانی دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ کامل کی نشانی یہ ہے کہ کوئی شخص محبت سے دو تین روز اس کی صحبت میں بیٹھے۔ تو دنیا کی طرف سے اس کا دل ہٹ جائے اور خدا تعالےٰ کی طرف مائل ہو جائے۔ اور اللہ تعالےٰ کی محبت اور نام خدا کی لذت اسے آنے لگے۔ اور وہ کامل ظاہر شریعت کا پابند بھی ہو۔ انتہےٰ۔ اگر ایسا شیخ مل جائے۔ تو موقع کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ اور اپنے تئیں اس کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ بیعت کرنا سنت ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ صوفیہ کرام نے اسی سنت کو جاری رکھا ہے۔

امام عبد الکریم۲؎ رازی (متوفی سنہ ۶۲۳ھ) فرماتے ہیں۔ کہ فقہاء و صوفیہ کی علیحدہ علیحدہ شرط ہے۔ فقیہ کے لئے جائز ہے کہ اپنے استاد پر اعتراض کرے اور یوں کہے کہ یہ امر کس واسطے ہے۔ مگر صوفی کی شرط یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ پر کبھی اعتراض نہ کرے۔ اور ایسا ہو جائے جیسا کہ مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ انتہےٰ۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ ؎

چوں گرفتی پیر ہم تسلیم شو ہمچو موسےٰ زیر حکم خضر رو

۱؎ مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الآداب۔ باب حفظ اللسان من الغیبۃ والشتم۔

۲؎ طبقات الشافعیۃ الکبرےٰ للتاج السبکی۔ ترجمہ امام عبد الکریم رازی۔

پیر و مرید کے آداب اس کتاب میں پہلے آچکے ہیں۔ ان کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں

بارہواں باب

اس باب میں دو فصلیں ہیں

پہلی فصل

طریقہ نقشبندیہ کے القاب و فضیلت کا بیان

یہ طریقہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ مختلف زمانوں میں اس کے مختلف القاب رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے شیخ بایزید بسطامی تک اِسے صدیقیہ کہتے تھے۔ اور بایزید بسطامی سے خواجہ عبدالخالق غجدوانی تک طیفوریہ اور خواجہ عبدالخالق سے خواجہ بہاء الدین نقشبند تک خواجگانیہ کہلاتا تھا۔ اور حضرت خواجہ نقشبند سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی تک نقشبندیہ کے نام سے موسوم تھا۔ اور حضرت مجددؒ کے زمانہ سے نقشبندیہ مجددیہ کہلاتا ہے۔

انسان پر لازم ہے کہ اپنے مولا کریم جلّ جلالہ وعمّ نوالہ کے اوامر کو بجالائے اور نواہی سے باز رہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہم کو اخلاص کا حکم دیا ہے۔ جسے حدیث جبرئیلؑ میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ دوام عبودیت یا دوام آگاہی فناء و محبت ذاتیہ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اِس لئے صوفیہ کرام نے فناء و محبت ذاتیہ کی تحصیل کے لئے مختلف طریقے بیان کئے ہیں۔ جن میں طریقہ نقشبندیہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس طریقہ عالیہ کا مدار متابعت سنت کے التزام اور بدعت سے اجتناب پر ہے۔ اور اوراد واذکار بھی اگر ہیں تو وہی جو ماثورہ ہیں۔ حضور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نوع بشر بلکہ ملائکہ سے بھی اکمل الاکملین ہیں۔ ظاہر و باطن اور صفات جبلی وکسبی میں اور علم و اعتقاد و عمل اور عبادات و عادات و معاملات میں جو شخص حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے جس قدر زیادہ مشابہت پیدا کرے گا۔ اُسے اُسی قدر کامل جاننا چاہئے اور جو شخص مشابہت میں ان اشیاء میں سے کسی چیز میں قاصر ہے۔ اُس کو اُسی قدر ناقص سمجھنا چاہئے۔ کمال اتباع سنت جو حضرات نقشبندیہ نے اختیار کیا ہے۔ اُس کے سبب سے وہ دوسروں سے سبقت لے گئے ہیں۔ اور کمال متابعت کی وجہ سے یہی کمال مشابہت اُن کی افضلیت کی دلیل ہے۔ وہ عمل برعزیمت کو حتی المقدور ہاتھ سے نہیں دیتے۔

اور رخصت پر عمل تجویز نہیں کرتے۔ وہ احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع رکھتے ہیں۔ اور اذواق و معارف کو علوم دینیہ کے خادم سمجھ کر جواہر نفیسہ شرعیہ کے عوض میں وجد و حال کے جوز و مویز کو نہیں لیتے۔ اور صوفیہ کے ترہات پر مغرور نہیں ہوتے۔ اِسی واسطے اُن کا وقت و حال دوام و استمرار پر ہے۔ نقش ماسوا ان کے دل سے اس طرح محو ہو جاتا ہے کہ اگر ہزار سال ماسوا کے حاضر کرنے میں تکلف کریں، تو حاضر نہ ہوسکے۔ وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لئے مثل برق کے ہے اِن بزرگوں کے لئے دائمی ہے۔ وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو۔ ان کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ[1] اُن کی صفت ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی تھی۔ کہ مجھے ایسا طریقہ عطا فرمایا جائے۔ جو اقرب طرق اور البتہ موصل ہو۔ اللہ جل شانہ نے حضرت خواجہ کی دعا قبول فرمائی۔ اور ان کو سلوک پر جذبہ کی تقدیم کا الہام ہوا۔ دوسرے طریقوں میں سلوک کو جذبہ پر مقدم کرتے ہیں۔ یعنی پیر کامل اپنے مرید کو پہلے ریاضات (اربعین و بیداری و گرسنگی وغیرہ) کا حکم دیتا ہے اور ان ریاضتوں سے مرید کے عناصر و نفس کو مصفا کرتا ہے۔ جب مرید اپنے نفس و عناصر کی صفائی اپنے سے باہر عالم مثال میں دیکھتا ہے۔ مثلاً ستارہ یا ہلال یا ماہ ناقص یا بدر کامل یا آفتاب۔ تو اُس وقت شیخ اُس مرید کو فناء و تصفیہ نفس و عناصر کی بشارت دیتا ہے۔ اسے سلوک کہتے ہیں۔ اور اس سیر کو سیر آفاقی کہتے ہیں۔ کیونکہ طالب اپنے سے خارج عالم مثال میں جو منجملہ آفاق ہے اپنے الوان و انوار دیکھتا ہے۔ اِس کے بعد شیخ محض اپنی توجہ سے مرید کے لطائف عالم امر کے تزکیہ میں مشغول ہوتا ہے۔ یہانتک کہ وہ فناء و بقا حاصل کرتے ہیں۔ اِسے جذبہ کہتے ہیں۔ اور اس سیر کو سیر انفسی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس سیر میں طالب جو کچھ (استنارت و ترقی و وصول بأصل و فناء) دیکھتا ہے اپنے اندر دیکھتا ہے۔ بنا بر توجیہ حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس سیر کو سیر انفسی اِس واسطے کہتے ہیں کہ انفس اسماء و صفات باریتعالیٰ کے ظلال و عکوس کے آئینے ہوجاتے ہیں نہ یہ کہ سالک کی سیر نفس میں ہوتی ہے۔ یہاں حقیقت میں ظلال اسماء کی سیر ہے انفس کے آئینوں میں۔ طریقہ نقشبندیہ میں جذبہ کو سلوک پر مقدم کرتے ہیں۔ اور ابتداء لطائف عالم امر سے کرتے ہیں۔ سلوک جذبہ کے ضمن میں اور سیر آفاقی سیر انفسی کے ضمن میں طے ہو جاتی ہے۔ حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس کی توضیح و تشریح یوں فرماتے ہیں۔ کہ سیر و سلوک اور جذبہ و تصفیہ سے مقصود نفس کا اخلاق ردیہ

---

[1] وہ مرد کہ غافل نہیں کرتی اُن کو سوداگری اور نہ خرید و فروخت خدا کی یاد سے (سورہ نور۔ ع ۵)

اور اوصاف رذیلہ سے پاک کرنا ہے۔ انفس کی گرفتاری اور مرادات نفس کا حصول سب سے بڑی ابتلائی ہے۔ آفاق کی گرفتاری انفس کی گرفتاری کے سبب سے ہے۔ کیونکہ جس چیز کو کوئی شخص دوست رکھتا ہے اپنی دوستی کے سبب سے دوست رکھتا ہے۔ مثلاً اگر فرزند و مال کو دوست رکھتا ہے۔ تو اپنے فائدے کے لئے دوست رکھتا ہے۔ چونکہ سیر انفسی میں محبت خدا تعالے کے غلبہ کے سبب سے اپنی دوستی زائل ہو جاتی ہے۔ اِس لئے اُس کے ضمن میں فرزند و مال کی دوستی بھی زائل ہو جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اپنی ذات کی گرفتاری کے دور ہو جانے سے دوسروں کی گرفتاری بھی دور ہو جاتی ہے۔ اِس طرح سیر انفسی کے ضمن میں سیر آفاقی بھی قطع ہو جاتی ہے۔ اِس صورت میں سیر انفسی و سیر آفاقی کے معنی بھی بلا تکلف درست رہتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں سیر انفس میں بھی ہے اور آفاق میں بھی۔ انفس کے تعلقات کا قطع بتدریج انفس میں سیر ہے۔ اور آفاق کے تعلقات کا قطع جو سیر انفسی کے ضمن میں ہوتا ہے آفاق میں سیر ہے۔ دیگر مشائخ نے جو ان دونوں کے معنی بیان کئے ہیں ان میں تکلف ہے۔ پس طریقہ نقشبندیہ میں راہ اقرب ہوا۔ اسی واسطے کہا گیا ہے۔ کہ دوسروں کی نہایت اِن بزرگوں کی ہدایت میں مندرج ہے۔

واضح رہے کہ سیر انفسی و سیر آفاقی دونوں ولایت کے رکن ہیں۔ شہود انفسی کو کمال بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے سے باہر شہود و یافت نہیں۔ مگر حضرت مجدد رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ مطلوب جو بیچون و بیچگون ہے آفاق و انفس سے باہر ہے۔ آفاق و انفس کے آئینوں میں اُس کی ذات اور اسماء و صفات کی گنجائش نہیں۔ ان میں جو ظاہر ہوتا ہے۔ وہ ظلال اسماء و صفات ہیں بلکہ اسماء و صفات کی ظلیت بھی ان دونوں سے باہر ہے۔ چونکہ آفاق و انفس و سلوک و جذب سے باہر ولایت اولیاء کا گزرگاہ نہیں۔ اس لئے اکابر نقشبندیہ نے بھی آفاق و انفس اور سلوک و جذب سے باہر کی خبر نہیں دی ہے اور کمالات ولایت کے مطابق فرمادیا ہے کہ اہل اللہ فناء و بقاء کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے میں دیکھتے ہیں۔ اور ان کی حیرت اپنے وجود میں ہے۔ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ مگر الحمد للہ کہ ان بزرگوں نے اگرچہ انفس سے باہر کی خبر نہیں دی۔ مگر وہ گرفتار انفس بھی نہیں۔ وہ انفس کو بھی آفاق کی طرح لَا کے تحت میں لاکر اُس کی نفی کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ کا ارشاد ہے۔ کہ جو کچھ دیکھا گیا اور سنا گیا اور جانا گیا وہ سب غیر ہے۔ بحقیقت کلمہ لَا سے اُس کی نفی کرنی چاہئے۔ ~

نقش بندند و لے بند بہر نقش نیند ہر دم از بوالعجبی نقش دگر پیش آرند

نقشبندانے و لیک از نقش پاک نقش ما ہم گرچہ پاک از لوح خاک

طریقہ نقشبندیہ کے اقرب طرق ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ حضرات نقشبندیہ کا

وسیلہ حضور سرور انبیاء علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی جناب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ وسیلہ جس قدر زیادہ قوی ہوگا۔ راہ وصول اقرب ہوگا۔ اور قطع منازل بہت جلدی ہو جائے گا۔ وہ جو اس سلسلہ عالیہ کے اکابر کی عبارت میں واقع ہے کہ ہماری نسبت سب نسبتوں سے بلند و بالا ہے بالکل درست ہے۔ کیونکہ اُن کی نسبت (یعنی دوام حضور یا دوام آگاہی) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت ہے جو پیغمبروں کے بعد افضل البشر ہیں۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آگاہی یقیناً سب آگاہیوں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

یہ طریق البتہ موصل ہے۔ عدم وصول کا احتمال یہاں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اِس راہ کا پہلا قدم جذبہ ہے جو وصول کی دہلیز ہے۔ سالک کے وصول کا مانع یا جذب محض ہے جس میں سلوک نہ ہو یا سلوک محض بغیر جذبہ کے۔ یہ دونوں مانع نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ اِس طریق میں نہ سلوک خالص ہے۔ نہ جذب محض۔ بلکہ جذبہ ہے متضمن سلوک۔ لہٰذا اِس طریقہ عالیہ میں وصول کا سدّ راہ سوائے طالب کی سُستی کے اور کوئی چیز نہیں۔ طالب صادق اگر پیر کامل کی صحبت میں رہے اور شرائط طلب جو اکابر سلسلہ نے قرار دی ہیں بجالائے۔ تو امید ہے کہ البتہ واصل ہوگا۔ اگر پیر ناقص سے کسی کا پالا پڑ جائے۔ تو چونکہ وہ خود واصل نہیں۔ دوسرے کو کیسے واصل بنا سکتا ہے۔ اِس صورت میں طریق کا کیا قصور ہے۔

حضرت قیوم ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلہ عالیہ کی تاریخ میں ایک نیا دَور پیدا کر دیا ہے۔ ولایت کبریٰ کے اوپر کے تمام مقامات آپ ہی پر منکشف ہوئے ہیں اور آپ کے علوم و معارف جدیدہ پر شریعت کی مُہر تصدیق ہے۔ چنانچہ آپ مکتوب ۲۶۰ جلد اول میں اپنا طریق بیان کر کے یوں لکھتے ہیں۔

"یہ ہے بیان اُس طریق کا بدایت سے نہایت تک جس کے ساتھ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اِس حقیر کو ممتاز فرمایا ہے۔ اس طریق کی بنیاد نسبت نقشبندیہ ہے جو متضمن اندراج نہایت در بدایت ہے۔ اِس بنیاد پر عمارتیں اور محل بنائے گئے۔ اگر یہ بنیاد نہ ہوتی۔ تو معاملہ یہاں تک نہ بڑھتا۔ بخارا اور سمرقند سے بیج زمین ہند میں جس کا مایہ خاک یثرب و بطحاء سے ہے بویا گیا۔ اور اُس کو سالوں آب فضل سے سیراب رکھا گیا۔ اور تربیت احسان سے پرورش کیا گیا جب وہ کھیتی کمال کو پہنچی۔ تو یہ علوم و معارف پھل لائی۔"

ایک اور مکتوب (مکتوب ۲۸۱۔ دفتر اول) میں آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

"اِس طریق میں ایک قدم رکھنا دوسرے طریقوں کے سات قدم سے بہتر ہے۔ وہ راستہ جو

بطریقِ تبعیت و وراثت کمالاتِ نبوت کی طرف کھلتا ہے اس طریقِ عالی سے مخصوص ہے۔ دوسرے طریقوں کی نہایت کمالاتِ ولایت کی نہایت تک ہے۔ وہاں سے کمالاتِ نبوت کی طرف کوئی راستہ کھلا نہیں"۔

مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہ السامی نے کیا خوب فرمایا ہے۔ ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند — برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

از دلِ سالکِ رہ جاذبۂ صحبت شاں — مے برد وسوسۂ خلوت و فکرِ چلہ را

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعنِ قصور — حاش للّٰہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند — روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

دوسری فصل

طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کا بیان

سادات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالےٰ کے نزدیک وصول الی اللہ کے طریقے چار ہیں۔ جن کا بیان ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) شیخ کامل مکمّل کی صحبت

صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے حضور سید المرسلین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اول صحبت میں وہ کمال حاصل کیا۔ جو اولیاء امت میں سے کسی کو انتہاء میں بھی حاصل نہیں ہوا۔ اُس آفتاب رسالت بابی ہو واُمّی کے ایک ہی پرتو سے اُن کے لطائف سے کدورتوں کے پردے دور ہو کر وصل بیچوں حاصل ہو گیا۔ اسی طریق انعکاس کو حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالےٰ نے اختیار کیا ہے۔ اُن کا طریق عین طریق صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا ہے۔ اس میں افادہ و استفادہ انصباغی و انعکاسی ہے۔ یعنی سالکین کے دل صحبت کی برکت سے واصلین کے دلوں کے معارف کے انوار سے رنگے جاتے ہیں۔ اور واصلین کے دلوں کے آئینوں سے صور انوار الٰہیہ طالبوں کے دلوں کے آئینوں کی طرف منعکس ہوتی ہیں۔ پس شیخ کامل مکمل کی صحبت و توجہ انعکاس و انصباغ کے لئے کافی ہے۔ مگر اس کے ساتھ آدابِ صحبت کی رعایت ضروری ہے مثلاً تمام حرکات و سکنات اور عبادات و عادات و معاملات میں سنت سنیہ کا کمال اتباع کرنا۔ پیر سے نہایت محبت رکھنا۔ ظاہر و باطن میں اُس کی فرمانبرداری کرنا۔ اُس کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرنا۔ اور اپنے تئیں اِس طرح اُس کے حوالہ کرنا جیساکہ مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ میرے پیر دستگیر قدس سرہ فرمایا کرتے تھے

کہ وصول الی اللہ کے لئے چلّوں کی نسبت توجہ کا راستہ بہت ہی قریب ہے۔ ؎

آنکہ بہ تبریز یافت یک نظر شمس دیں　　سخرہ کند بر دہہ طعنہ زند بر چلہ

واصلین کی صحبت کی تاثیر محتاج بیان نہیں۔ عارف رومی فرماتے ہیں۔ ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیا　　بہتر از صد سال بودن با تقا

گر تو صخرہ سنگ یا مرمر شوی　　چوں بصاحبدل رسی گوہر شوی

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ اس طرح فرماتے ہیں۔ ؎

نماز را بحقیقت قضا بود لیکن　　نماز صحبت مارا قضا نخواہد بود

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہ کا ارشاد ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی صحبت میں رہو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تو اُس بزرگ کی صحبت میں رہو۔ جو اللہ تعالےٰ کی صحبت میں رہتا ہے۔ انتہےٰ۔ کیونکہ اُس کی صحبت کی برکت تم کو اللہ تعالےٰ کی صحبت تک پہنچا دے گی۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ؎

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا　　گو نشیند در حضور اولیا

اِس زمانہ پر آشوب میں پیر کامل مکمل کا ملنا بہت دشوار ہے۔ اگر یہی حال رہا۔ تو شاید وہ وقت دور نہیں کہ نام کی پیری مریدی رہ جائے گی۔

(۲) رابطہ

رابطہ سے مراد شیخ کی صورت کا اپنے سامنے یا دل کے اندر نگاہ رکھنا یا اپنی صورت کو شیخ کی صورت تصور کر لینا ہے خواہ شیخ سامنے نہ ہو۔ جب رابطہ کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو مرید اپنے تئیں عین شیخ دیکھتا ہے اور اُس کے لباس و صفت سے موصوف پاتا ہے۔ اور جدھر دیکھتا ہے شیخ ہی کی صورت دیکھتا ہے۔ اسے فنا فی الشیخ کہتے ہیں جو فناء فی اللہ کا مقدمہ ہے۔ ؎

در و دیوار چو آئینہ شد از کثرت شوق　　ہر کجا مے نگرم روے ترا مے بینم

رابطہ صحبت کی طرح مستقل طریق وصول الی اللہ کا ہے۔ اور انصباغ و انعکاس کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ رابطہ سے شیخ کے ساتھ نہایت مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اسی مناسبت کی وجہ سے اُس کے باطن سے اخذ فیوض کرتا ہے۔ اِسی واسطے حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

سایہ رہبر بہ است از ذکر حق

سایہ رہبر سے مراد طریقہ رابطہ ہے۔ یعنی طالب مبتدی کے لئے طریقہ رابطہ ذکر سے زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ طالب کے لئے اِس وقت مذکور جل وعلا کے ساتھ مناسبت کامل نہیں ہوتی۔ کہ براہ ذکر نفع تام

حاصل کرسکے۔

زاں روے کہ چشم تست احول معبودِ تو پیر تست اول

اِس سلسلہ میں طریقِ اویسیت غالب ہے۔ اپنی شیخ کی صورت مثالی اپنے سامنے تصور کرکے اُس سے فیض لے سکتے ہیں۔ اسی طرح اولیاے کرام کے مزارات سے گھر بیٹھے فیض لے سکتے ہیں مگر مبتدی ایسا نہیں کرسکتا۔

(۳) اوراد و وظائف

اذکار و اوراد مستقل طریق وصول نہیں۔ بلکہ ممدات و معاونات سنے ہیں۔ حضرت قیوم ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک انسان جو عالم صغیر کہلاتا ہے۔ دس لطیفوں سے مرکب ہے۔ جن میں سے پانچ عالم خلق کے اور پانچ عالم امر کے ہیں۔ آیہ الا لہ الخلق والامر (اعراف) میں ان ہی دو نوع کی طرف اشارہ ہے۔ جو چیز بغیر واسطہ بمجرد قول کن پیدا ہوئی وہ امر ہے۔ اور جو بالواسطہ مادہ سے پیدا ہوئی وہ خلق ہے۔ لطائف عالم امر یہ ہیں۔ قلب۔ روح۔ سر۔ خفی۔ اخفیٰ۔ اور لطائف عالم خلق نفس ناطقہ اور عناصر اربعہ ہیں۔ مجموعہ کائنات کو خلق ہو یا امر عالم کبیر کہتے ہیں۔ جس طرح لطائف خلق کے اصول عالم کبیر میں عرش کے نیچے موجود ہیں۔ اُسی طرح لطائف عالم امر کے اصول عالم کبیر میں عرش کے اوپر موجود ہیں۔ لطائف علویہ کو لطائف سفلیہ سے مناسبت ہے۔ چنانچہ اخفیٰ کو خاک سے خفی کو آگ سے سر کو پانی سے روح کو ہوا سے اور قلب کو نفس سے مناسبت ہے۔ اس لئے جب اللہ تعالےٰ نے ہیکل انسانی کو پیدا کیا۔ تو اپنی قدرت کاملہ سے لطائف عالم امر کو بدن انسان کی چند جگہوں سے تعلق و تعشق بخشا تاکہ انسان جامع خلق و امر اور مستحق اسم عالم صغیر ہو۔ چنانچہ لطیفہ قلب کا محل بائیں پستان سے دو انگل نیچے ایک پارہ گوشت ہے۔ جسے قلب صنوبری بولتے ہیں۔ صنوبری اِس واسطے کہتے ہیں کہ وہ صنوبر کے پھل کی مثل ہے جو الٹا ہوا ہو۔ اور لطیفہ روح کا محل دائیں پستان سے دو انگل نیچے ہے۔ اور لطیفہ سر کا محل بائیں پستان سے دو انگل اوپر مائل بہ سینہ اور خفی کا محل دائیں پستان سے دو انگل اوپر مائل بہ سینہ ہے۔ اور لطیفہ اخفیٰ کا محل سر و خفی کے درمیان وسط سینہ ہے۔ چونکہ لطائف علویہ جو انوار مجردہ تھے اس ہیکل جسمانی ظلمانی میں آکر اپنے آپ کو اور اپنی اصل کو بھول گئے اور کدورت کے سبب سے باوجود اقربیت کے اپنے مولا عزاسمہ سے بعید ہوگئے۔ اس لئے مشائخ نقشبندیہ اپنی توجہ ان لطائف پر ڈالتے ہیں اور ساتھ ہی اذکار کی تلقین کرتے ہیں۔ تاکہ یہ لطائف اپنے اصول کو یاد کرکے اُن کی طرف عروج کریں اور ہر ایک

لطیفہ فنا و بقا حاصل کرے۔

ذکر اسم ذات | طالب کو توبہ کے بعد داخل سلسلہ کر کے سب سے پہلے لطیفہ قلب کا سبق یوں پڑھایا جاتا ہے۔ اول لطیفہ قلب۔ نور زرد۔ زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام۔ ذکر اسم ذات اللہ اللہ۔ اس کے بعد شیخ اپنے طالب کو توجہ لینے کا طریقہ یوں بتاتا ہے کہ تم آنکھیں بند کر کے اپنے قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس خیال میں محو ہو جاؤ کہ میرے دل میں فیض یعنی نور ذکر آرہا ہے میرے پیر کے دل سے اور پیر کے دل میں فیض آرہا ہے مبدأ فیاض (خدا تعالیٰ) سے۔ شیخ یہ ارشاد فرما کر جناب الٰہی سے دعا اور پیران عظام سے استمداد کر کے اور اپنے تئیں منصبغ برنگ مقام طالب کر کے یوں القاء ذکر کرتا ہے کہ اپنے قلب کو طالب کے قلب کے مقابل رکھ کر تصور کرتا ہے کہ ذکر کے انوار جو پیران کبار کی جناب سے میرے قلب میں پہنچے ہیں وہ اس طالب کے قلب میں آرہے ہیں۔

میرے پیر دستگیر روحی وقلبی فداہ القاء ذکر کے وقت اپنی انگشت شہادت طالب کے قلب پر رکھا کرتے تھے۔ اُس نوری انگلی کے ساتھ ہی قلب میں حرکت محسوس ہونے لگتی تھی۔ آپ کے ہاں روزانہ ذکر کا طریقہ یوں بتایا جاتا تھا۔ کہ طالب باوضو قبلہ رو بیٹھے۔ پہلے ایک بار سورہ الحمد شریف اور تین بار سورہ اخلاص یعنی قل ھو اللہ اور ۲۶ بار استغفر اللہ اور ستائیسویں بار استغفر اللہ ربی من کلّ ذنب واتوب الیہ پڑھ کر سب کا ثواب بروح پر فتوح حضرت خواجہ خواجگان شمس العارفان سید نا قادر بخش جہانخیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخشے۔ پھر کپڑے سے منہ ڈھانپ کر سانس کو ناف کے نیچے بند کر کے زبان کو تالو سے لگا کر اور دفع خطرات کے لئے اپنے شیخ کی صورت دل کے مقابل جما کر قلب صنوبری سے جو قلب حقیقی کا آشیانہ ہے اللہ اللہ کرے۔ ذکر کرتے وقت قلب کی صورت کا خیال نہ کرے۔ اور لفظ مبارک اللہ سے ذات بیچوں وبیچگوں ملحوظ رکھے اور اس کے ساتھ کسی صفت کا لحاظ نہ کرے۔ جب تنگی محسوس ہو اور حضور میں فتور پڑنے لگے۔ تو سانس کو ناک سے نکال کر زبان سے یوں کہے۔ اللّٰھم انت مقصودی و رضاک مطلوبی۔ (یا اللہ تو میرا مقصود اور تیری رضا میرا مطلوب ہے)۔ اس طرح ہر روز چوبیس ہزار بار یا بارہ ہزار بار ذکر کرے۔ اگر کسی عذر کے سبب سے حبس دم نہ کر سکے۔ تو فقط زبان کو تالو سے لگا کر بغیر حبس دم دل سے ذکر کرے۔ مگر حبس دم کے ساتھ مقصد جلدی حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ ذکر بحالت خلوت کرے اور چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے یہی خیال کرے کہ میرا دل اللہ اللہ کر رہا ہے۔ چوبیس ہزار کی تعداد بقول حضرت قبلہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس واسطے ہے کہ انسان دن رات میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے۔ ارباب طریقت کے نزدیک

بفحوائے اذکروا اللہ ذکراً کثیراً کوئی سانس بغیر ذکر کے نہ ہونا چاہئے۔ اگر کوئی دم بغیر ذکر چلا جائے۔ تو اُسے کفر میں شمار کرتے ہیں ؎

ہر آں کو غافل از حق یک زمان است ۔۔۔ در آں دم کافر است اما نہان است

مگر خواب و حوائج ضروریہ کے سبب سے اِس دوام ذکر میں خلل آجاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے بطور تدارک یہ صورت تجویز کی ہے کہ یہ تعداد معین از سر نو ایک وقت میں پوری کرلی جائے۔ رسالہ حضرت عزیزاں قدس سرہ میں یوں لکھا ہے۔ کہ خبر میں ہے کہ ایک دن میں ہزاروں سانس لئے جاتے ہیں۔ آدمی سے ہر سانس کی نسبت سوال ہوگا۔ کہ تو نے کس چیز پر نکالا اور کس چیز پہ اندر لے گیا۔ رباعی ؎

زہر نفس بقیامت شمار خواہد بود ۔۔۔ گناہ کمن کہ گنہگار خواہد بود

بسا سوار کہ فردا پیادہ خواہد شد ۔۔۔ بسا پیادہ کہ فردا سوار خواہد بود

پس بندہ کو چاہئے کہ گزشتہ سانسوں کو جو بیفائدہ لئے ہیں قضا کرے۔

طالب کو چاہئے کہ اس شغل کے ساتھ اپنے شیخ کی توجہ بھی لیتا رہے۔ توجہ میں یہ تصور کرے کہ میرا دل شیخ کے دل کے نیچے ہے۔ اُس سے میرے دل میں یوں فیض آرہا ہے جیساکہ پرنالہ سے پانی گراکرتاہے۔ اِس شغل کو جاری رکھنا چاہئے یہانتک کہ ذکر قلب کا ملکہ ہو جائے۔ بعدازاں دیگر لطائف کی تلقین بالترتیب یکے بعد دیگرے یوں ہے

دوسرا لطیفہ[1] روح۔ نور سرخ سنہرا۔ زیر قدم حضرت نوح و حضرت ابراہیم علیہما السلام۔ ذکر اسم ذات اللہ اللہ۔

تیسرا لطیفہ سر۔ نور سفید۔ زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ ذکر اسم ذات اللہ اللہ۔

چوتھا لطیفہ خفی۔ نور سیاہ۔ زیر قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذکر اسم ذات۔ اللہ اللہ۔

پانچواں لطیفہ اخفیٰ۔ نور سبز۔ زیر قدم حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ذکر اسم ذات اللہ اللہ

چھٹا لطیفہ نفس۔ محل پیشانی یا دماغ۔ نور بیرنگ۔ ذکر اسم ذات اللہ اللہ۔

ساتواں لطیفہ قالب۔ محل تمام بدن۔ نور بیرنگ۔ ذکر اسم ذات اللہ اللہ۔

ان لطائف سے ذکر کرنے اور شیخ سے توجہ لینے اور القاء ذکر کا طریقہ وہی ہے جو لطیفہ قلب کے بیان میں گزرا۔ مثلاً دوسرے لطیفہ میں طالب اپنے لطیفہ روح سے ذکر کرے۔ اور اپنے لطیفہ روح کو

---

[1] لطائف کے انوار میں اختلاف ہے۔ ہر ایک نے اپنے کشف وديد کے موافق بیان کیا ہے۔ لطائف کے محل میں بھی اختلاف ہے۔ جس طرح مجھے اپنے پیر دستگیر قدس سرہ سے پہنچا ہے لکھ دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شیخ کے لطیفہ روح کے نیچے تصور کرکے فیض لے۔ اور شیخ اپنے لطیفہ روح کو طالب کے لطیفہ روح کے مقابل رکھ کر فیض دے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر ایک لطیفہ کا ذکر جاری رہے یہاں تک کہ ذکر اس کا ملکہ ہو جائے مگر تعداد بہ نسبت قلب کے نصف رکھے یعنی بجائے چوبیس ہزار یا بارہ ہزار کے بارہ یا چھ ہزار بار کرے۔ جب ساتواں لطیفہ قالب جاری ہوتا ہے۔ تو بال بال سے ذکر اللہ اللہ جاری ہوتا ہے۔ اسے سلطان الاذکار کہتے ہیں۔

ذکر نفی و اثبات طریقہ نقشبندیہ میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اس لئے پہلے اسم ذات تلقین کرتے ہیں پھر نفی و اثبات لا الٰہ الا اللہ۔ کیونکہ اسم ذات کو جذبہ سے اور نفی و اثبات کو سلوک سے زیادہ مناسبت ہے۔ نفی و اثبات کی ترکیب یوں ہے۔ کہ باوضو قبلہ رو دوزانو بیٹھے۔ اور دل کو خطرات و وساوس سے پاک کرکے دم کو ناف کے نیچے بند کرے۔ اور کلمہ لا کو ناف سے کھینچ کر پیشانی تک لے جائے۔ اور الٰہ کو پیشانی سے دائیں مونڈھے تک لے جائے۔ پھر اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب قلب صنوبری پر اس طرح لگائے کہ اس کا اثر دیگر لطائف پر بھی پہنچے۔ اس مجموعہ عمل سے صورت لا معکوس پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کلمہ کے معنی یہ تصور کرے۔ لا نہیں اِلٰہَ کوئی مقصود اِلَّا اللّٰہُ مگر اللہ۔ لفظی معنے اس کلمہ کے یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ مگر یہاں مقصودیت کی نفی تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ معبودیت کی نفی سے ابلغ و اکمل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہر معبود مقصود ہوتا ہے۔ مگر ہر مقصود معبود نہیں ہوتا۔ پس جب مقصودیت کی نفی کر دی۔ تو معبودیت کی نفی اس میں ضرور آگئی۔ کیونکہ اعم کی نفی اخص کی نفی کو مستلزم ہے۔ اس ذکر کو بقدر قوت نفس کرے۔ اور سانس عدد طاق مثلاً تین یا پانچ یا سات وغیرہ پر چھوڑے۔ اس کو ذکر وقوف عددی کہتے ہیں۔ کیونکہ سالک کو معدود سے واقف رہنا پڑتا ہے۔ نیز سانس چھوڑتے وقت محمد رسول اللہ ساتھ ملالے اور یہ بھی زبان سے کہے۔ یا اللہ تو ہی میرا مقصود و مطلوب ہے۔ اپنی محبت اور معرفت مجھے عطا فرما۔ اس کو بازگشت کہتے ہیں۔ اثنائے ذکر میں اعضا اور جوارح کو حرکت نہ دے۔ اس ذکر کو ہر روز ایک ہزار یا پانچ سو بار کرے۔ حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک اس ذکر میں حبس دم اور وقوف عددی لازم نہیں۔ مگر یہ ہر دو فائدے سے خالی نہیں۔ حبس دم کا فائدہ انشراح صدر و اطمینان قلب وحصول لذت روحانی اور نفی خواطر ہے۔ اور رعایت عدد کا فائدہ تفرقہ سے دل کی جمعیت ہے۔ جب ایک سانس میں اکیس بار کہہ سکے۔ تو عموماً نتیجہ یعنی نسیان ماسوا اللہ و انوار الٰہیہ میں استغراق حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر اس عدد پر نتیجہ ظاہر نہ ہو۔ تو سمجھے کہ آداب طریقہ میں کوتاہی ہوئی ہے۔ از سر نو آداب کو ملحوظ رکھ کر شروع کرے۔ بعضے طالب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو اکیس سے زیادہ پر نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ سب سے پہلے حضرت خضر علیہ السلام نے خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ سے فرمایا کہ پانی میں غوطہ لگا کر یہ ذکر کرو۔ شاید پانی میں غوطہ لگانا اس واسطے فرمایا کہ نفس بیقرار رہے اور جنبش نہ کرے۔ میرے پیر دستگیر حضرت خواجہ انبالوی قدس سرہ اس عمل کو پانی ہی میں کیا کرتے تھے۔ مگر آخیر عمر میں بغیر پانی کے کیا کرتے تھے۔

دیگر اذکار | اسم ذات اور نفی و اثبات کے علاوہ اذکار ذیل بھی سلسلہ توکلیہ میں معمول ہیں۔

(۱) آیۂ کریمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ ہر نماز کے بعد ایک تسبیح یعنی سو بار۔ اول و آخر درود شریف ۵ یا ۱۱ بار۔ جب حضرت یونس علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مچھلی نگل گئی تھی۔ تو انہوں نے تین تاریکیوں (شکم ماہی کی تاریکی۔ سمندر کی تاریکی۔ رات کی تاریکی) میں بارگاہ رب العزت میں یہ عرض کی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو سلامتی بخشی تھی۔ اگر سالک جس کی روح تین تاریکیوں (تاریکی نفس۔ تاریکی قالب۔ تاریکی دنیا) میں مبتلا ہے صدق دل سے بارگاہ الٰہی میں یہی عرض کرتا رہے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ ان تاریکیوں سے سلامتی حاصل کرے گا۔ ہر غم و اندوہ اور مرض کے لئے اس آیت کا سوا لاکھ بار پڑھنا تریاق مجرب ہے۔

(۲) اللّٰہ الصمد۔ ہر روز کم سے کم گیارہ تسبیح۔ اول و آخر درود شریف۔ پڑھتے وقت یہ تصور کرے کہ گویا سنہری حروف میں اللّٰہ الصمد میرے قلب پر لکھا ہوا ہے۔ ذکر خیر میں لکھا ہے کہ حضور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اللہ الصمد کو کبھی تین ہزار تین سو ساٹھ بار اور کبھی گیارہ تسبیح پڑھا کرتے تھے اور فرماتے کہ اس سے باطن کی صفائی بہت ہوتی ہے۔ تنگی رزق کے دور کرنے کے لئے یہ بہت اچھا نسخہ ہے۔ ہمارے اکثر درویش اس کے پڑھنے سے کھلتے ہیں۔ چنانچہ خلیفہ امیر اللہ شاہ بھی اسی کے پڑھنے سے کھلا تھا۔ انتہیٰ۔ اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ مست محمد حسین حضور کا ایک درویش حج کے لئے کعبۃ اللہ شریف گیا۔ وہاں جا کر اس کو خرچ کی بے حد تنگی ہوئی۔ اس نے حضور علیہ الرحمۃ کی خدمت میں خط لکھا۔ حضور نے سن کر فرمایا۔ کہ شاید اس نے اللہ الصمد پڑھنا چھوڑ دیا جو اس کو تنگی ہوئی۔ اور پچاس روپے کا منی آرڈر اس کے نام بھیج دیا۔ انتہیٰ۔

جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب راوی ہیں۔ کہ حضور میاں صاحب علیہ الرحمۃ اس کی فضیلت میں فرماتے تھے کہ یہ اسم اعظم ہے اور تنویر دل اور تصفیہ قلب کے لئے سریع الاثر ہے۔ حضرت بابا فرید شکر گنج نے اس کے فضائل میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ مجھ کو یہ اسم حضرت شاہ سلیمان تونسوی قدس سرہ کے ایک صاحب کشف خلیفہ سے جو وارد انبالہ ہوئے تھے پہنچا ہے۔ انتہیٰ۔

حضرت شیخ اسماعیل حقی بروسوی قدس سرہ تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں:-

وخاصیۃ اسم الصمد حصول الخیر والصلاح فمن قرأہ عند السحر مائۃ وخمسا وعشرین مرۃ ظھرت علیہ آثار الصدق والصدیقیۃ وفی اللمعۃ ذاکرہ لا یحس بالم الجوع مادام متلبسا بذکرہ۔

اسم صمد کی خاصیت خیر و صلاح ہے۔ پس جو شخص اس کو صبح کے وقت ایک سو پچیس بار پڑھے۔ اُس پر آثار صدق و صدیقیت ظاہر ہوں گے۔ اور لمعہ میں ہے کہ اس اسم کا ذاکر بھوک کے الم کو محسوس نہ کرے گا جب تک اِس کا ذاکر رہے گا۔

(۳) سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِیمٍ۔ پانچ تسبیح ہر روز اول و آخر درود شریف۔ جب کوئی مریض حضور قبلہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے پاس آتا۔ تو آپ سات تار کا دھاگا منگا کر سات سات مرتبہ یہی آیت پڑھ کر سات گرہیں دیتے۔ ہر مرض کو بحکم الٰہی اسی سے شفا ہو جاتی تھی۔ بعض دفعہ درویشوں ہی سے فرما دیا کرتے تھے کہ تم ہی پڑھ دو۔

(۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پانچ تسبیح ہر روز۔ اوّل و آخر درود شریف۔

(۵) سبحان اللہ۔ پانچ تسبیح ہر روز۔ اول و آخر درود شریف۔

(۶) کلمہ تمجید یعنے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پانچ تسبیح ہر روز۔ اول و آخر درود شریف۔

(۷) سورہ اخلاص یعنی قل ھو اللہ تمام۔ پانچ تسبیح یا کم سے کم دس بار ہر روز۔ اول و آخر درود شریف۔ حضور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے۔ کہ جو شخص ہر نماز کے بعد قل ھو اللہ شریف دس بار پڑھے۔ اُس سے روزی کی تنگی دور ہو جاتی ہے۔ سکرات موت میں آسانی ہوتی ہے۔ اور شیطان دھوکہ نہیں دے سکتا۔

(۸) سلطان الاذکار کلمہ شریف میں بڑی ترکیب کہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے دونوں کانوں کو بند کرے۔ اور دونوں ہاتھوں کے انگشت شہادت و وسطے سے دونوں آنکھیں اور دونوں بنصر سے نتھنے بند کرے اور ہر دو خنصر کو لبوں پر رکھ کر سانس بند کر کے لا الٰہ کو قلب سے لطیفہ روح تک لے جائے۔ اور الا اللہ کی ضرب روح سے قلب پر لگائے۔ عدد طاق پر ناک میں سے سانس چھوڑے اور زبان سے کہے۔ الٰہی مقصود میرا تو ہے اپنی محبت اور معرفت عطا کر۔ اِس عمل کو ہر روز کم سے کم دس بار کرنا چاہیئے۔ حضور قبلہ شاہ صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے کہ یہ طریقہ تمام مقامات کو ترقی بخشنے والا ہے۔ اِس سے فقیر بر منازل کھلتے ہیں۔ یعنی وحدت وجود سے وحدت شہود تک پہنچتا ہے اور

آخرکار وصل عریانی حاصل ہوجاتا ہے۔ مولانا روم اسی کی نسبت یوں فرماتے ہیں ؎

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گر نہ بینی سرِ حق بر ما بخند

کسی ہندی شاعر نے یوں کہا ہے۔ ؎

آنکھ کان ناک مینچ کے نام خدا کا لے اندر کے پٹ تب کھلیں جب باہر کے پٹ دے

(۹) درود شریف۔ کم سے کم گیارہ تسبیح بعد نماز عشاء یا جس وقت فرصت ملے۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں حضور قبلہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اپنے ارادتمندوں کو ابتداء ہی سے درود شریف پڑھنے کی بڑی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اس وِرد سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روح سے پرورش شروع ہوجاتی ہے۔ اور دیگر اوراد کے اول و آخر میں بھی درود شریف ارشاد فرماتے تاکہ قبولیت کا ذریعہ ہو۔ ذیل کے صیغے معمول تھے:۔

(ا) صلے اللہ علیہ وسلم۔

(ب) صلی اللہ علی النبی الامی وآلہ وسلم۔

(ج) صلے اللہ علیٰ حبیبہ محمد وآلہٖ وسلم۔

(د) اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد بعددِ کل معلوم لک۔

(ھ) اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد بعدد کل معلوم لک وبعدد کل ذرۃ مائۃ الف الف مرۃ وبارک وسلم۔

امام عبدالوہاب قطب شعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں۔ کہ اخلاص اور شرط و آداب اور تدبر معانی کے ساتھ ہر روز اس کثرت سے درود شریف بھیجنا چاہئے کہ رذائل سے پاک ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کا مقام حاصل ہوجائے۔ شیخ نورالدین شونی۔ شیخ احمد زواوی۔ شیخ محمد بن داؤد منزلاوی اور مشائخ یمن کی ایک جماعت کا یہی طریق ہے۔ شیخ احمد زواوی کا بیان ہے کہ مجھے حالت بیداری میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب نہ ہوئی یہانتک کہ میں نے پورے ایک سال تک شب و روز پچاس ہزار بار درود شریف کا ورد رکھا۔ شیخ نورالدین شونی نے کئی سال روزانہ تیس ہزار بار درود شریف کا وظیفہ کیا۔ سیدی علی خواص کا قول ہے۔ کہ بندہ مقام عرفاں میں کامل نہیں ہوتا۔ یہانتک کہ جس وقت چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے۔ اور فرماتے تھے کہ سلف میں سے جن مشائخ کی نسبت ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ وہ حالت بیداری میں بالمشافہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاقات کیا کرتے تھے وہ یہ ہیں۔ شیخ ابو مدین شیخ الجماعہ۔ شیخ عبدالرحیم قناوی۔ شیخ موسےٰ زولی۔ شیخ ابوالحسن شاذلی۔

شیخ ابوالعباس مرسی۔ شیخ ابوالسعود بن ابی العشائر۔ سیدی ابراہیم متبولی رحمہم اللہ تعالےٰ اجمعین۔ شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ستر سے کچھ اوپر بار حالت بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ سیدی ابراہیم متبولی کی ملاقات کا تو شمار ہی نہیں۔ کہ وہ اپنے تمام حالات میں مشرف بزیارت ہوا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میرا کوئی شیخ نہیں۔ شیخ ابوالعباس مرسی فرماتے تھے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ساعت مجھ سے پوشیدہ رہیں۔ تو میں اپنے تئیں مومنوں میں شمار نہیں کرتا۔ (لواقح الانوار القدسیہ)۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ میرے پیر دستگیر روحی وقلبی فداہ کی یہ حالت تھی کہ درود شریف پڑھتے پڑھتے آپ بعض دفعہ بالمشافہ زیارت سے مشرف ہو جایا کرتے تھے۔

(۱۰) پرہ بینی پر نظر کر کے شغل سلطان نصیرا۔ خالی یا مع درود شریف۔

شیخ عبدالرحمٰن بسطامی قدس سرہ نے ترویح القلوب بلطائف الغیوب میں لکھا ہے کہ ذکر کی شرط یہ ہے۔ کہ ذاکر اُسے اہل ذکر سے بطریق تلقین اخذ کرے جیسا کہ صحابہ کرام نے اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تلقین اخذ کیا۔ اور صحابہ کرام نے تابعین کو تلقین کیا۔ اور تابعین نے مشائخ کو یکے بعد دیگرے ہمارے زمانہ تک اور قیام قیامت تک انتہٰی۔ کذا فی تفسیر روح البیان۔

(۴) مراقبات

لفظ مراقبہ ماخوذ ہے رقابت بمعنی محافظت سے یا رقوبت بمعنی انتظار سے۔ پس مراقبہ سے مراد تمام حواس ظاہرہ و باطنہ کو جمع کر کے مطلوب کے انتظار میں بیٹھنا ہے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اس کی ترکیب یوں ہے۔ کہ آنکھیں بند کر کے لطائف عشرہ میں سے کسی لطیفہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور مبدأ فیض سے اُس لطیفہ پر فیض کے آنے کا انتظار کرے۔ اور اسی انتظار میں مستغرق رہے۔

حضرت سعد الدین کاشغری قدس سرہ کا قول ہے کہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ مراقبہ کا طریق میں نے ایک بلی سے سیکھا ہے۔ ایک روز میں رستے میں جا رہا تھا۔ کہ ایک بلی پر میری نظر پڑی جو چوہے کے بل کے آگے گھات لگائے بیٹھی تھی۔ اُس کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ اُس کا بال تک نہ ہلتا تھا۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا۔ ناگاہ غیب سے میرے باطن میں آواز آئی۔ اے پست ہمت! میں تیرا مقصود چوہے سے کم نہیں۔ تو میری طلب میں اس بلی سے کم نہ ہو۔ میں نے اُس روز سے مراقبہ کا یہ طریق اختیار کیا۔ اور مجھے حاصل ہوا جو ہوا۔ انتہٰی۔ اسی واسطے مقامات میں سے ہر مقام میں ایک مراقبہ مقرر کیا گیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تین ولایات۔ تین کمالات۔ تین حقائق الٰہیہ اور تین حقائق انبیاء علیہم السلام قرار دئے ہیں۔ بلکہ ان کے سوا اوروں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں جدا جدا حالات وکیفیات اور علوم ومعارف واسرار ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے قول ؎ رفیع الدرجات اور حدیث مبارک لایزال العبد یتقرب الیّ میں ان ہی مقامات قرب الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مراتب قرب اگرچہ بیچون وبیچگون ہیں۔ مگر حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان کو دائروں سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ صاحب کشف سالک کو یہ مراتب عالم مثال میں دائروں کے شکل میں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ تمام عالم نظر کشفی میں بصورت دائرہ نظر آتا ہے۔ اور عرش مجید اُس دائرے کا قطر دکھائی دیتا ہے۔ اس دائرے کی قوس تحتانی میں نفس وعناصر اربعہ (پانی۔ آگ۔ مٹی۔ ہوا) اور قوس فوقانی میں لطائف عالم امر مشہود ہوتے ہیں۔ اس کا نام دائرہ امکان ہے۔ اور یہ پہلا دائرہ ہے۔
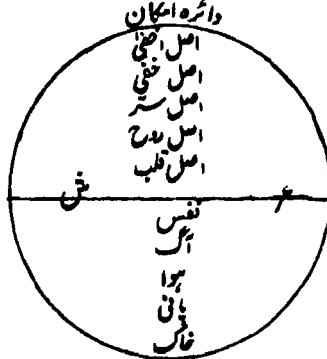
جس طرح عالم کبیر میں عرش برزخ ہے درمیان عالم امر وعالم خلق کے اور جامع ہے ہر دو طرف خلق وامر کا۔ اسی طرح قلب جو عرش کے اوپر اور دیگر اصول کے نیچے ہے برزخ ہے درمیان عالم امر و عالم خلق کے اور جامع ہے ہر دو طرف خلق وامر کا۔ اسی واسطے قلب کو حقیقت جامعہ بولتے ہیں۔ اور بر سبیل تشبیہ عرش اللہ کہتے ہیں۔ اصول لطائف عالم امر چونکہ فوق العرش ہیں جو لامکانیت سے موصوف ہے۔ اس واسطے لطائف عالم امر کو لامکانی کہتے ہیں۔ مگر معلوم رہے کہ ان کی لامکانیت عالم خلق کی نسبت ہے جو مکانیت وچندی وچونی میں منقسم ہے۔ بیچون سبحانہ کی نسبت وہ عین چون ہیں۔ اور ان کی لامکانیت عین مکانیت ہے۔ پس عالم امر گویا برزخ ہے درمیان مکانی ولامکانی کے اور درمیان چون وبیچون کے اور ہر دو طرف سے بہرہ ور ہے۔ باوجود اس رتبہ کے اللہ تعالےٰ نے عالم امر کو عالم خلق سے تعشق اور بدن عنصری سے خاص تعلق بخشا جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

اِس دائرے میں شغل اسم ذات اور نفی و اثبات کے ساتھ مراقبہ احدیت کیا جاتا ہے جس کی ترکیب یوں ہے۔ کہ دل کی طرف متوجہ ہو کر یہ تصور کرے کہ میرے لطیفہ قلب پر فیض آرہا ہے اُس ذات سے جو جمیع صفات کمال کا مستجمع اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے اور مسمّٰے ہے اسم پاک اللہ کا۔ جب غیبت وسکر اور حضور وجمعیت جو مبادی فنا ہیں حاصل ہو جائیں۔ تو تہلیل لسانی بھی جائز ہے۔ اِس دائرے کے نصف سافل میں سیر آفاقی اور نصف عالی میں سیر انفسی واقع ہوتی ہے۔ سیر آفاقی میں جو انوار نظر آتے ہیں۔ ان سے صرف تزکیہ و تخلیہ کی استعداد و قابلیت پائی جاتی ہے۔ تا وقتیکہ سالک خارج میں سیر انفسی میں اپنے آپ کو مزکّٰے و مطہّر نہ دیکھے اور وجدان سے اپنے تئیں مصفا نہ پائے۔ انوار کے مشاہدے پر نازاں نہ ہو جائے۔

جب سالک دائرہ امکان قطع کرلیتا ہے۔ تو اُسے ظلال اسماء وصفات کا دائرہ مشہود[1] ہوتا ہے۔ یہ دائرہ ولایت صغرٰے ہے جس سے مراد ولایت اولیاء ہے یہ دوسرا دائرہ ہے۔

دائرہ ولایت صغرٰے

اِس دائرے میں مراقبہ معیت کیا جاتا ہے جس میں یہ لحاظ کیا جاتا ہے۔ کہ میرے لطیفہ قلب پر فیض آرہا ہے اُس ذات سے جو ہر لحظہ میرے ساتھ اور میرے لطائف کے ساتھ ہے اور میرے عناصر بلکہ ہر ذرہ ممکنات کے ساتھ ہے اور مفہوم ہے وھو معکم اینما کنتم کا۔

واضح رہے کہ یہ دائرہ ظلال مبادی تعینات جمیع ممکنات کا ہے سوائے انبیاء اور ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کہ ان کے مبادی تعینات اسماء وصفات ہیں۔ افراد عالم کو ان ظلال کے واسطہ سے اسماء وصفات الٰہی سے بہرہ فیوض نا متناہی از قسم وجود و توابع وجود پہنچتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالٰے کی شان تو یہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ پس اگر اسماء وصفات اور ظلال نہ ہوتے۔ تو عالم کا وجود ہی

[1] صاحب کشف عیانی کو اپنی سیر کا علم ہوتا ہے۔ مگر اس زمانہ میں اکل حلال کے مفقود ہونے کے سبب سے اکثر طلاب کو کشف وجدانی ہوتا ہے۔ کشف عیانی اور کشف وجدانی میں یہ فرق ہے کہ صاحب کشف عیانی عالم مثال میں ظاہراً دیکھتا ہے کہ گویا وہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی سیر کر رہا ہے۔ اور صاحب کشف وجدانی اگرچہ ظاہر میں نہیں دیکھتا۔ مگر اپنے ادراک سے تبدل احوال و تغیر واردات کو دریافت کرتا رہتا ہے۔ جس طرح کہ ہوا نظر تو نہیں آتی۔ مگر احساس سے اُس کا ادراک ہو جاتا ہے۔

نہ ہوتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے ان ظلال کو جو از قبیل لطائف ہیں پیدا کیا جن کو اسماء و صفات سے مناسبت تام ہے۔ اِسی مناسبت کے سبب سے افرادِ عالم میں سے ہر فرد ان ظلال (تقدسا مسمیٰ) میں سے ایک ظل کے واسطے سے ہر دم اسماء و صفات سے فیوض کا مورد بنا رہتا ہے۔ اِس ظل کو اُس شخص کا مبداءِ تعین یا اُس کی حقیقت یا اُس کا عینِ ثابتہ کہتے ہیں۔

لطائف عالمِ امر کو اِسی دائرہ ظلال میں فناء و بقاء حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جب سالک اِس سیر میں اُس ظل پر پہنچے گا جو اُس کا مبداءِ تعین ہے تو اُس کے قلب کو تجلی فعل حق[1] (یعنے تکوین) کے ظہور سے فناء حاصل ہو جائے گی۔ پھر اسی تجلی سے بقاء حاصل ہوگی۔ قلب کو جو برزخ و حقیقت جامعہ ہے صفات اضافیہ حق (فعل و تکوین) سے۔ جو وجوب و امکان کے درمیان مثل برزخ کے ہیں مناسبت تام ہے۔ اِسی واسطے جب قلب پر فعل حق کی تجلی کا ظہور ہوگا۔ تو قلب کو فنا حاصل ہوگی اِس فناء میں سالک کا فعل منفی ہوگا۔ اور وہ اپنے تئیں مسلوب الفعل پائے گا۔ بعد ازاں فعل حق ہی سے باقی ہوگا۔ اور وہ اپنے فعل کو فعل حق پائے گا۔ فنائے قلب کی علامت یہ ہے کہ غیر حق سے تعلق علمی وحبی نہ رہے یعنی قلب ما سوا کو ایسا فراموش کردے۔ کہ اگر سالوں بتکلف غیر کو یاد کرے۔ تو نہ کرسکے اِس وقت جب علم اشیاء اس سے زائل ہو جاتا ہے۔ محبت اشیاء بطریق اولےٰ جاتی رہتی ہے۔ جب سالک فنائے قلب سے مشرف ہو جاتا ہے تو جماعت اولیاء میں داخل ہو جاتا ہے۔ ولایت کے تمام کمالات فنائے قلب پر متفرع ہیں۔ ؎

ہیچکس راتا نہ گردد او فنا　　　نیست رہ در بارگاہ کبریا

یہ لطیفہ زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام ہے۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام اِس لطیفہ کی راہ سے اللہ تک پہنچے تھے۔ جو سالک اِس لطیفہ کی راہ سے واصل مقصود ہوتا ہے۔ اُسے آدمی المشرب کہتے ہیں۔ اور اُسے ولایت کے درجات پنجگانہ میں سے ایک درجہ کے حصول کی استعداد ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے پہلے اکثر اولیاء ان ظلال کو صفات خیال کرتے رہے۔ اور صفات کو عین ذات سمجھ کر انا الحق کے قائل ہوئے۔ مگر وہ بوجہ سُکر کسی طرح قابل طعن و ملامت نہیں۔

فنائے قلب کے بعد فنائے لطیفہ روح ہے۔ لطیفہ روح قلب کی نسبت زیادہ لطیف ہے۔ اس کی فناء حق سبحانہ کی صفات ثبوتیہ (جو فعل کی نسبت ایک قدم حضرت ذات سبحانہ کے نزدیک تر ہیں)

[1] یہی فعل و تکوین حضرت آدم علیہ السلام کا مبداءِ تعین ہے۔

کی تجلی کے ظہور سے ہوتی ہے۔ پھر ان ہی صفات سے بقاء ہوتی ہے۔ اِس مقام پر سالک اپنی صفات کو اپنے آپ سے اور ساری مخلوقات کی صفات کو ان سے مسلوب پائے گا۔ بلکہ جناب قدس سے منسوب جاننے لگا۔ یہ لطیفہ زیر قدم حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام ہے۔ جو سالک بعد از قطع مراتب قلب اس لطیفہ کی راہ سے واصل مقصود ہوتا ہے اُسے ابراہیمی المشرب کہتے ہیں۔ اور اسے ولایت کے مراتب پنجگانہ میں سے دو درجہ کے حصول کی استعداد ہوگی۔ اِس کے بعد لطیفہ سِر کی فناء ہے جو لطیفہ روح سے زیادہ لطیف ہے۔ اس کی فناء حق سبحانہ کی شیونات[1] ذاتیہ (جو صفات ثبوتیہ کی نسبت ایک قدم حضرت ذات سبحانہ کے نزدیک تر ہیں) کی تجلی کے ظہور سے ہوتی ہے۔ پھر ان ہی شیونات سے بقا ہوتی ہے۔ اس مقام پر سالک اپنی ذات کو حق سبحانہ کی ذات میں مضمحل پاتا ہے۔ یہ لطیفہ زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام ہے۔ جو سالک بعد از قطع لطائف سابق اس لطیفہ کی راہ سے واصل مقصود ہوتا ہے اُسے موسوی المشرب کہتے ہیں۔ اور اُسے ولایت کے مراتب پنجگانہ میں سے تین مرتبہ کے حصول کی استعداد ہوتی ہے۔ اس کے بعد لطیفہ خفی کی فناء ہے جو لطیفہ سِر کی نسبت زیادہ لطیف ہے اس کی فناء حق سبحانہ کی صفات تنزیہیہ (جو شیونات ذاتیہ کے فوق ہیں) کی تجلی کے ظہور سے ہوتی ہے۔ پھر ان ہی صفات سے اُس کی بقاء ہوتی ہے۔ اِس مقام پر سالک ذات حق کی تجرید تمام مظاہر سے پاتا ہے۔ یہ لطیفہ زیر قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ جو سالک بعد از قطع لطائف سابق اِس لطیفہ کی راہ سے واصل مقصود ہوتا ہے اسے عیسوی المشرب کہتے ہیں۔ اور اُسے ولایت کے مراتب پنجگانہ میں سے چار مرتبہ کے حصول کی استعداد ہوتی ہے۔ اِس کے بعد لطیفہ اخفیٰ کی فناء ہے جو لطائف عالم امر میں سب سے الطف واحسن واجمل واقرب بحضرت اطلاق ہے۔ اس لطیفہ کا مُغنی ایک مرتبہ مقدسہ ہے جو مرتبہ تنزیہیہ واحدیت مجردہ ذات حق تعالےٰ کے درمیان مثل برزخ کے ہے۔ اور اِسی مرتبہ مقدسہ سے اُس کی بقاء ہوتی ہے۔ اِس مقام پر سالک متخلق باخلاق اللہ ہوتا ہے۔ یہ لطیفہ زیر قدم سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ جو سالک بعد از قطع لطائف سابق اِس لطیفہ کی راہ سے واصل مقصود ہوتا ہے اُسے محمدی المشرب کہتے ہیں۔ اور اُسے ولایت کے پانچوں مراتب کی استعداد بالذات حاصل ہوتی ہے۔ یہاں دائرہ ولایت صغرےٰ کی سیر ختم ہو جاتی ہے۔

---

[1] ذات حق سبحانہ کو بدیں حیثیت کہ علم کا کام کرتی ہے شان العلم کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس شان الحیوۃ۔ شان القدرۃ شان السمع۔ شان البصر۔ شان الارادہ وغیرہ۔ صفات گویا شیونات کی فروع وعکوس ہیں۔ غرضیکہ ذات میں اعتبارات سمع وبصر وغیرہ کو شیونات کہتے ہیں۔ اور صفات زائدہ کو ان کے عکوس وفروع بولتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ طالبان خدا کو لطائف خمسہ مذکورہ بالا کا سلوک اور تہذیب جدا جدا فرماتے تھے۔ لیکن آپ کے فرزندان گرامی اور آپ کے خلفاء قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم نے نظر بحالت طلاب اِس راہ کو مختصر کر دیا۔ وہ لطیفہ قلب کے بعد لطیفہ نفس کی تہذیب کراتے تھے۔ ان دونوں لطیفوں کے ضمن میں دوسرے چار لطیفوں کی تہذیب بھی ہو جاتی تھی۔ اِس کے بعد بالعموم یہی دستور رہا ہے۔

دائرہ ولایت صغرےٰ کے قطع کرنے پر جب توجہ شش جہت کا احاطہ کرے اور فوق کی جہت بر طرف ہو جائے تو ولایت کبرےٰ (جو ولایت انبیاء ہے) کی سیر شروع کی جاتی ہے۔ یہ تیسرا دائرہ ہے جس میں تین دائرے اور ایک قوس ہے۔ یہ ولایت بالاصالت انبیاء علیہم السلام کی ولایت ہے۔ دوسروں کو اِس دولت تک رسائی اگر ہوتی ہے۔ تو بہ تبعیت ہوتی ہے۔
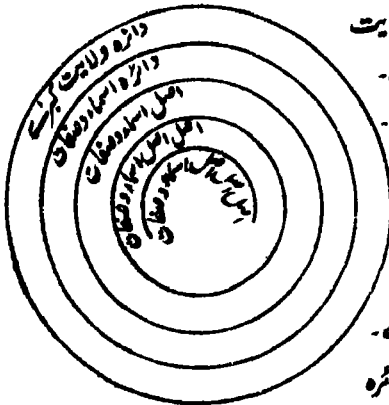
دائرہ ولایت کبریٰ
دائرہ اسماء و صفات
اصل اسماء و صفات
اصل اصل اسماء و صفات

تین دائروں میں سے پہلے دائرے کا نصف سافل متضمن اسماء و صفات زائدہ ہے۔ اور نصف عالی متضمن شیونات ذاتیہ ہے۔ لطائف عالم امر کے عروج کی نہایت اس دائرہ اسماء و شیونات کی نہایت تک ہے۔ اِس دائرے میں مراقبہ اقربیت کیا جاتا ہے۔ جو مفہوم آیۂ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ہے۔ اِس مراقبہ میں یوں تصور کیا جاتا ہے کہ فیض اقربیت آرہا ہے میرے لطیفہ نفس و لطائف عالم امر پر اُس ذات سے جو مجھ سے شاہ رگ کی نسبت قریب ہے اور جو منشاء ہے دائرہ اولےٰ ولایت کبرےٰ کا۔ یہاں توحید شہودی منکشف ہوتی ہے یعنی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء وجود ظلی رکھتی ہیں۔ ممکنات کے حقائق اعدام ہیں جو وجود الٰہی کا پرتو پڑنے سے موجود نما ہو گئے ہیں۔

نیاورد م از خانہ چیزے نخست   تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

پس معلوم ہوا کہ ذات حق ذات ممکن کی نسبت ممکن سے قریب تر ہے۔ اور اِسی پر آیہ قرآنی شاہد ہے۔

دائرہ اسماء و شیونات سے اوپر دوسرا دائرہ ان کے اصول پر مشتمل ہے۔ اور تیسرا دائرہ ان

اصول کے اصول پر اور قوس ان اصل اصل کے اصول پر مشتمل ہے۔ اسماء وصفات کے یہ اصول سہ گانہ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس میں مجرد اعتبارات ہیں۔ جو صفات وشیونات کے مبادی ہو گئے ہیں۔ ان اصول سہ گانہ کے کمالات کا حصول نفس مطمئنہ سے مخصوص ہے۔ دوسرے اور تیسرے دائرے اور قوس میں مراقبت محبت کیا جاتا ہے جو مفہوم آیہ کریمہ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ہے۔ مورد فیض ان دائروں میں لطیفہ نفس ہے۔ جیسے عربی میں لفظ انا اور فارسی میں من اور اردو میں لفظ میں سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ دوسرے دائرہ میں مراقبہ کی نیت یوں کی جاتی ہے۔ فیض محبت اولیٰ آرہا ہے میرے لطیفہ نفس پر اُس ذات پاک سے جو مجھے دوست رکھتا ہے اور جسے میں دوست رکھتا ہوں اور جو منشاء ہے دائرہ ثانیہ ولایت کبریٰ کا۔ اسی طرح تیسرے دائرے میں یوں نیت کرتے ہیں۔ فیض محبت ثانیہ آرہا ہے میرے لطیفہ نفس پر اُس ذات پاک سے جو مجھے دوست رکھتا ہے اور جسے میں دوست رکھتا ہوں اور جو منشاء ہے دائرہ ثالثہ ولایت کبریٰ کا۔ اور مراقبہ قوس کی نیت یوں کرتے ہیں۔ فیض محبت ثالثہ آرہا ہے میرے لطیفہ نفس پر اُس ذات پاک سے جو مجھے دوست رکھتا ہے اور جسے میں دوست رکھتا ہوں اور منشاء ہے قوس یعنی دائرہ اصل اصل اصل اسماء وصفات ولایت کبریٰ کا۔

ان اڑھائی دائروں میں تہلیل لسانی اور تلاوت قرآن مجید مفید ترقی ہے۔ سالک کو ان میں کمال استہلاک واضمحلال حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے مشہود میں نیست ونابود رہتا ہے۔ لوازم وجود کا کوئی اثر اُس سے ظاہر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اوپر لفظ اَنَا کے اطلاق کو مشکل پاتا ہے۔ پہلے سلوک وریاضات سے جو فنائے نفس حاصل ہوتی ہے وہ صورت فناء ہوتی ہے۔ حقیقت فنائے نفس یہاں حاصل ہوتی ہے۔ اور اس فنا کا کمال اور عناصر کی فناء کمالات نبوت میں پائی جاتی ہے۔

دائرہ ولایت کبریٰ کے تمام ہونے کی علامت یہ ہے کہ فیض باطن کے معاملہ کا تعلق جو دماغ کے ساتھ تھا سینہ کے متعلق ہو جاتا ہے۔ پھر اُس وقت شرح صدر حاصل ہو جاتا ہے۔ شرح صدر کی علامت بطریق وجدان یہ ہے کہ قضا وقدر کے احکام میں چون وچرا بالکل اُٹھ جاتا ہے۔ نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ اور تخت صدر پر جلوس فرماتا ہے۔ اور مقام رضا کی طرف عروج کرتا ہے۔ سالک اسلام حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے۔

اسماء وصفات میں دو اعتبار ہیں۔ ایک ان کے وجود بذات خود کی جہت جسے ظہور کہتے ہیں۔ دوسرے ذات حق تعالیٰ کے ساتھ ان کے قیام کی جہت جسے بطون کہتے ہیں۔ پس اسماء وصفات

بحسب ظہور انبیاء کے مربی و مبادی تعینات ہیں۔ اس مقام تک وصول ولایت کبریٰ و ولایت انبیاء کہلاتا ہے جیساکہ مرتبہ ظلال تک وصول ولایت صغریٰ کہلاتا ہے۔ اور یہی اسماء و صفات بحسب بطون ملائکہ کے مربی و مبادی تعینات ہیں۔ اس مقام تک وصول ولایت علیا و ولایت ملأ اعلیٰ (ملائکہ) کہلاتا ہے۔ پس ملائکہ کی ولایت انبیاء کی ولایت سے اعلیٰ و اقرب بخدا تعالےٰ ہے۔ لیکن ملائکہ کو اپنے مقام سے ترقی نہیں۔ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ اور انبیاء کو ترقیات ہیں بمقابلہ ملائکہ بھی اور اُس سے اوپر بھی جو کمالات نبوت و رسالت و اولوالعزم وغیرہ ہیں۔ اسی جہت سے انبیاء ملائکہ سے افضل ہو گئے جیساکہ عقیدہ اہل حق ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ولایت کبریٰ کی سیر اسم الظاہر کی سیر ہے۔ بعضے اس مقام پر یوں مراقبہ کرتے ہیں۔ فیض مسمّٰے اسم الظاہر کا آرہا ہے میرے لطائف عالم امر اور لطیفہ نفس پر۔ اگر بفضل ایزدی اس سے عروج واقع ہو۔ تو اسم الباطن کی سیر شروع ہوگی جسے ولایت علیا و ولایت ملائکہ کہتے ہیں۔ یہ چوتھا دائرہ ہے۔ اِس دائرے میں یوں مراقبہ کرتے ہیں۔ فیض مسمّٰے اسم الباطن کا آرہا ہے دائرہ ولایت علیا سے میرے عناصر ثلاثہ یعنے پانی۔ آگ ہوا پر۔ اس مقام پر تہلیل لسانی اور کثرت نوافل مفید ترقی ہے۔ یہاں رخصت پر عمل اچھا نہیں۔ بلکہ عزیمت پر عمل چاہئے۔ کیونکہ رخصت پر عمل آدمی کو بشریت کی طرف کھینچتا ہے۔ اور عزیمت پر عمل مَلَکیت کے ساتھ مناسبت پیدا کرتا ہے۔ پس جس قدر مَلَکیت کے ساتھ مناسبت زیادہ ہوگی۔ اُسی قدر اس ولایت میں ترقی جلد حاصل ہوگی۔ ارباب کشف اِس مقام پر رؤیت مَلَک سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور اسرار قابل استتار ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی اِس ولایت کی نسبت اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق قدس سرہ کو یوں تحریر فرماتے ہیں۔

دائرہ ولایت علیا

"میں نے جب سیر کو اس جگہ (منتہا ولایت کبریٰ) تک پہنچایا۔ تو یہ وہم ہوا کہ شاید کام کو تمام کرلیا ہوگا۔ یہ آواز آئی۔ کہ یہ تمام اسم ظاہر کی تفصیل تھی جو پرواز کا ایک بازو ہے۔ اسم باطن ابھی درپیش ہے جو عالم قدس میں پرواز کے لئے دوسرا بازو ہے۔ جب تو اُس کو بالتفصیل

---

[1] حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے (مکتوب ۲۶۰۔ دفتر اول) دلائل سے ثابت کیا ہے کہ عالم خلق کو عالم امر پر فوقیت ہے۔ نظر بر اختصار اُن دلائل کے ایراد کی یہاں گنجائش نہیں۔ بنابریں طریقہ نقشبندیہ میں جو عالم امر سے ابتداء کرکے عالم خلق کی طرف آتے ہیں اس میں ترتیب طبعی یعنے ادنےٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ملحوظ ہے۔

انجام کو پہنچائے گا۔ تو پرواز کے لئے دو بازو تیار کرے گا۔ جب بعنایت الٰہی اسم باطن کی سیر بھی انجام کو پہنچی۔ تو پرواز کے لئے دو بازو تیار ہو گئے۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔ اے فرزند! اسم باطن کی سیر کی نسبت کیا لکھوں کہ جس کے مناسب حالی استتار و تبطن ہے۔ اس مقام کی نسبت اس قدر ظاہر کرتا ہوں کہ اسم ظاہر کی سیر صفات میں ہے بغیر اس کے کہ ان کے ضمن میں ذات تعالےٰ و تقدس ملحوظ ہو۔ اسم باطن کی سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے۔ لیکن ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہوتی ہے۔ اور وہ اسماء مثل ڈھالوں کے ہیں۔ جو حضرت ذات تعالےٰ و تقدس کے روپوش ہو گئے ہیں۔ مثلاً صفت علم میں ذات تعالےٰ بالکل ملحوظ نہیں۔ اور اسم علیم میں ذات تعالےٰ درپس پردۂ صفت ملحوظ ہے۔ کیونکہ علیم وہ ذات ہے جو علم سے متصف ہو۔ پس علم میں سیر اسم ظاہر میں سیر ہے اور علیم میں سیر اسم باطن میں سیر ہے۔ اسی پر باقی اسماء و صفات کو قیاس کر لیجئے۔ یہ اسماء جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ کرام کے مبادی تعینات ہیں علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتحیات۔ ان اسماء میں سیر کا شروع کرنا ولایت علیا میں قدم رکھنا ہے جو ملأ اعلیٰ کی ولایت ہے۔ جو فرق کہ اسم ظاہر و اسم باطن کے بیان میں علم و علیم میں بتایا گیا تم اس فرق کو تھوڑا خیال نہ کرنا اور یوں نہ کہنا کہ علم سے علیم تک تھوڑی راہ ہے۔ بلکہ جو فرق مرکز خاک اور محدب عرش کے درمیان ہے وہ اس فرق سے وہی نسبت رکھتا ہے جو قطرہ کو دریائے محیط سے ہوتی ہے۔ کہنے میں نزدیک ہے اور حصول میں دور ہے۔"

حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ اسی مکتوب میں آگے چل کر یوں فرماتے ہیں۔

"اسم ظاہر و اسم باطن کے دو بازوؤں کے حاصل ہونے کے بعد جب پرواز میسر ہوئی اور عروجات واقع ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیات بالاصالت عنصر ناری اور عنصر ہوائی کے نصیب ہے۔ ملائکہ کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی ان تین عنصروں سے نصیب ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض فرشتے آگ اور برف سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور ان کی تسبیح یہ ہے۔ سُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ النَّارِ وَالثَّلْجِ۔"

اسم باطن کی سیر کے بعد اگر فضل الٰہی شامل حال ہو۔ تو کمالات نبوت یعنی تجلی ذاتی دائمی بے پردہ اسماء و صفات میں سیر شروع ہو جاتی ہے۔ حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے بڑے صاحبزادے

خواجہ محمد صادق قدس سرہ کو اِن کمالات کی نسبت یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

"ان کمالات کا حاصل ہونا انبیاء علیہم الصلوات والتحیات سے مخصوص اور مقام نبوت سے ناشی ہے۔ انبیاء کے کامل تابعین کو بھی بطور تبعیت ان کمالات سے نصیب ہے۔ اور لطائف انسانی میں سے ان کمالات کا حصہ وافر بالاصالت عنصر خاک کو حاصل ہے۔ اور باقی اجزائے انسانی عالم امر سے ہوں یا عالم خلق سے اس مقام میں اُس عنصر پاک کے تابع ہیں اور اس کے طفیل سے اِس دولت سے مشرف ہیں۔ چونکہ یہ عنصر انسان سے مخصوص ہے۔ اِس لئے خواص بشر خواص ملک سے افضل ہیں۔ کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو میسر ہوا ہے وہ کسی کو میسر نہیں ہوا۔ اور دنّوٰ کے بعد تدلّٰی کی حقیقت اِس مقام میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور کَابَ قَوْسَیْنِ اَوْاَدْنیٰ کا سر یہاں منکشف ہوتا ہے۔ اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ ولایات ثلاثہ صغرٰے وکبرٰے وعلیا کے کمالات سب مقام نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں۔ اور وہ کمالات اِن کمالات کی حقیقت کے شبح ومثال ہیں اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ ایک نقطہ جو اِس سیر کے ضمن میں قطع ہوتا ہے مقام ولایت کے تمام کمالات سے زیادہ ہے۔ پس قیاس کرنا چاہیئے کہ ان تمام کمالات کو تمام کمالات ولایت سے کیا نسبت ہوگی۔ دریائے محیط کو بھی ایک قطرہ سے کچھ نسبت ہوتی ہے۔ یہاں وہ نسبت بھی مفقود ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ مقام نبوّت کو مقام ولایت سے ویسی ہی نسبت ہے جیسا کہ غیر متناہی کو متناہی سے ہوتی ہے۔ سبحان اللہ! اِس سیر سے ناواقف کہتا ہے۔ کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور دوسرا اس معاملہ سے ناواقفیت کے سبب سے اِس کی توجیہ میں کہتا ہے کہ نبی کی ولایت نبوت سے افضل ہے۔ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ۔ فقیر نے جب اللہ سبحانہ کی عنایت اور اُس کے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے صدقہ سے اِس سیر کو انجام تک پہنچایا۔ تو مشہود ہوا کہ اگر بالفرض دوسرا قدم سیر میں رکھے۔ تو وہ عدم محض میں پڑے گا۔ کیونکہ اُس کے آگے عدم محض کے سوا کچھ نہیں۔ اے فرزند! اِس ماجرا سے تو وہم میں نہ پڑنا کہ عنقا شکار ہو گیا اور سیمرغ جال میں آپڑا۔ ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں ... اینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

حق سبحانہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ ؎

ہنوز ایوان استغنا بلند است ... مرا فکر رسیدن ناپسند است

حق سبحانہ کا وراء الوراء ہونا پردوں کے وجود کے اعتبار سے نہیں۔ کیونکہ پردے سب دور ہو گئے ہیں۔ بلکہ عظمت و کبریائی کے ثبوت کے اعتبار سے ہے۔ جو مانع ادراک اور منافی وجدان ہے۔ پس حق سبحانہ وجود میں اقرب اور وجدان سے ابعد ہے۔ اں مرادان کاملین سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل سے ان کو سرادقات عظمت و کبریائی کے اندر جگہ دیتے ہیں اور محرم بارگاہ بنا دیتے ہیں پس ان کے ساتھ بھی انبیاء کرام کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اے فرزند! یہ معاملہ ہیئت وحدانی انسانی سے مخصوص ہے جو مجموع عالم خلق و عالم امر سے پیدا ہو گئی ہے۔ بایں ہمہ اس مقام میں بھی سب کا رئیس عنصر خاک ہے" (مکتوب ۲۶۰۔ دفتر اول)۔

حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک اور مکتوب (مکتوب ۳۰۱۔ جلد اول) میں کمالات نبوت کی نسبت یوں لکھتے ہیں:۔

"جاننا چاہئے کہ اس حلیہ کا حاصل ہونا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے حق میں بغیر توسط کے ہے۔ اصحاب انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے حق میں جو تبعیت و وراثت سے اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں انبیاء علیہم الصلوات والبرکات کے توسط سے ہے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور ان کے اصحاب کے بعد کوئی کم اس دولت سے مشرف ہوا ہے۔ اگرچہ جائز ہے کہ دوسروں کو بھی تبعیت و وراثت سے اس دولت کی طرف رہبری کریں۔ ع

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید   دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد

میں خیال کرتا ہوں کہ اس دولت نے کبار تابعین میں بھی پرتو ڈالا ہے اور اکابر تبع تابعین میں بھی سایہ ڈالا ہے۔ اس کے بعد یہ دولت پوشیدہ ہو گئی۔ یہانتک کہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے دوسرے ہزار سال پر نوبت پہنچی۔ اس وقت میں بھی وہ دولت تبعیت و وراثت سے منصۂ ظہور پر آگئی اور آخر کو اول کے مشابہ بنا دیا۔ ع

اگر بادشہ بر در پیرزن   بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن"

ف انسان عالم خلق و عالم امر کا جامع ہے۔ جو کچھ خلق و امر میں ہے وہ سب کچھ انسان میں ہے بلکہ وہ شے زائد امر کی ہیئت وحدانی ہے جو ان دونوں کی ترکیب سے پیدا ہوئی ہے۔ اور یہ ہیئت وحدانی سوائے انسان کے کسی کو میسر نہیں ہوئی ہے۔ (مکتوبات احمدیہ۔ دفتر اول۔ مکتوب ۳۰)۔

واضح ہو کہ تجلی ذاتی دائمی کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ کمالات نبوت کا۔ دوسرا کمالات رسالت کا۔ تیسرا کمالات اولوالعزم کا۔ یہ تینوں دائرے مثل ابرہ واستر کے اور مثل محیط و مرکز کے مشہود ہوتے ہیں۔

دائرہ کمالات نبوت
دائرہ کمالات رسالت
دائرہ کمالات اولوالعزم

جب بفضل الٰہی دائرہ کمالات نبوت کے مرکز میں پہنچتے ہیں۔ تو وہ مرکز بصورت دائرہ ظاہر ہوتا ہے لہٰذا وہ دائرہ کمالات رسالت کا ہے۔ جب دوسرے دائرے کے مرکز میں پہنچتے ہیں۔ تو وہ مرکز بھی بصورتِ دائرہ ظاہر ہوتا ہے جو دائرہ کمالات اولوالعزم ہے۔
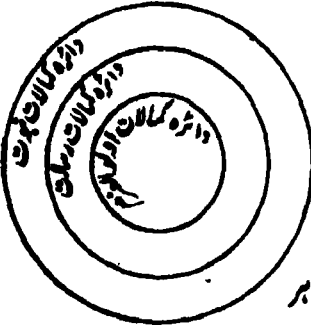
کمالات نبوت میں مراقبہ ذات بحت کا یوں کرتے ہیں۔ وہ ذات بحت جو منشاء کمالات نبوت ہے فیض اُس کا آرہا ہے میرے عنصر خاک پر۔ اِس مقام میں سالک کو حالات باطن کی اجنبیت اور بیرنگی و بے کیفیتی حاصل ہوتی ہے۔ ایمانیات و اعتقادیات پر یقین قوی ہو جاتا ہے۔ استدلالیات بدیہی ہو جاتے ہیں۔ وصل عریانی نقد وقت ہوتا ہے۔ اور دید قصور یہاں تک غالب آتی ہے کہ سالک اپنے تئیں کافر سے بدتر سمجھتا ہے۔

کمالات رسالت میں یوں مراقبہ کیا جاتا ہے۔ وہ ذات بحت جو منشا کمالات رسالت ہے فیض اُس کا آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر۔ یہ موہبت بالاصالت انبیائے مرسل سے مخصوص ہے۔ دوسروں کو اگر میسر ہوتی ہے تو بطفیل و تبعیت نصیب ہوتی ہے۔

کمالات اولوالعزم میں یوں مراقبہ کرتے ہیں وہ ذات بحت جو منشاء کمالات اولوالعزم ہے فیض اُس کا آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر۔ اِس مقام پر قرآن شریف کے مقطعات و متشابہات کا راز منکشف ہو جاتا ہے۔ کمالات نبوت اور اُس کے اوپر کے مقامات میں تلاوت قرآن مجید اور کثرت نماز مفید ترقی ہے بشرطیکہ فضل الٰہی شامل حال ہو۔

کمالات ثلاثہ مذکورہ بالا کے بعد سلوک کے دو راستے ہیں۔ ایک بجانب حقائق الٰہیہ۔ دوسرا بجانب حقائق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ مرشد جس طرف چاہے طالب کو چلائے۔

دائرہ حقیقت کعبہ

حقائق الٰہیہ کے تین دائرے ہیں۔ اول دائرہ حقیقت کعبہ ربانی۔ حقیقت کعبہ سے مراد سرادقات عظمت و کبریا یا نور صرف ہے جو تمام کا مسجود اور تمام تعینات کا اصل ہے۔ سرادقات عظمت و کبریا میں

اضافت بیانیہ ہے۔ یعنی عظمت وکبریا جو ذات پاک کے سرادقات (سراپردے) ہیں۔ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی فیھما احطہ فی ناری۔[1] جس طرح تہبند اور چادر انسان کے بدن کے چھپانے والے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت عظمت وکبریائی ظہور ودرک ابصار سے مانع ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ[2] نور صرف کا حال نور آفتاب کے انتشار کا سا ہے جو اُس کے قرب کا حاجب ہے اور عین قرص سے منتشر ہو کر اُس کا حجاب بن جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ حجابہ النور۔ یہاں اِس طرح مراقبہ کرتے ہیں۔ وہ ذات پاک جو مسجود جمیع ممکنات اور منشاء حقیقت کعبہ ہے فیض اُس کا آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر۔ اس مقام پر سالک کو ذات پاک کی عظمت وکبریائی نظر آتی ہے اور دریائے ہیبت وجلال میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ جب ہزاروں میں سے ایک عارف کو اس مرتبہ میں فنا وبقا حاصل ہوتی ہے۔ تو وہ ممکنات کی توجہ اپنی طرف پاتا ہے۔

دائرہ حقیقت قرآن

دوسرا دائرہ حقیقت قرآن ہے۔ حقیقت قرآن سے مراد مبدأ وسعت بیچون حضرت ذات تعالےٰ وتقدس ہے۔ یہاں اِس طرح مراقبہ کیا کرتے ہیں۔ فیض آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر دائرہ حقیقت قرآن سے جو عبارت ہے مبدأ وسعت بیچون حضرت ذات پاک سے۔ اس مقام میں بواطن کلام اللہ شریف ظاہر ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کا ہر ایک حرف ایک دریا نظر آتا ہے۔ جو کعبہ مقصود تک پہنچانے والا ہے تلاوت قرآن کے وقت پڑھنے والے کی زبان شجرہ موسوی کا حکم پیدا کر لیتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات تمام قالب ہی زبان بن جاتا ہے۔

دائرہ حقیقت صلوٰۃ

تیسرا دائرہ حقیقت صلوٰۃ ہے۔ حقیقت صلوٰۃ سے مراد کمال وسعت بیچون حضرت ذات پاک ہے۔ یہاں اِس طرح مراقبہ کیا جاتا ہے۔ فیض آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر دائرہ حقیقت صلوٰۃ سے جو عبارت ہے کمال وسعت بیچون ذات پاک سے۔ یہ مقام جامع جمیع کمالات ہے۔ جو سالک اِس مقام سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ وہ نماز ادا کرتے وقت گویا اِس جہان سے نکل جاتا ہے اور دوسرے جہان میں

[1] کبریائی میری چادر اور عظمت میرا تہبند ہے۔ پس جو شخص ان دونوں میں میرے ساتھ منازعت کرے۔ میں اُسے اپنی آگ میں پھینک دوں گا۔

[2] آنکھیں اُس کا ادراک نہیں کرتیں۔

جا پہنچتا ہے۔ مضمون حدیث ان تعبد اللہ کانک تراہ اس جگہ پر بوجہ کمال ظاہر ہوتا ہے۔ حضور سید الانام علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے اسی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ الصلوٰۃ معراج المؤمن۔ اور نیز فرمایا۔ اقرب مایکون العبد من الرب فی الصلوٰۃ۔

دائرہ معبودیت صرفہ

دائرہ حقیقت صلوٰۃ کے بعد دائرہ معبودیت صرفہ ہے۔ یہاں اس طرح مراقبہ کرتے ہیں۔ وہ ذات پاک جو معبود صرف ہے فیض اُس کا آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر۔ اس مقام پر قدم کی گنجائش نہیں۔ سیر قدمی تو عابدیت کے مقام تک ہی تھی۔ ہاں بفضل الٰہی سیر نظری حاصل ہو سکتی ہے۔ حقائق کلمہ طیبہ اسی جگہ پر متحقق ہوتے ہیں۔ ان مقامات کی نسبت حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

"یہ مرتبہ مقدسہ جس کو ہم نے حقیقت قرآن مجید کہا ہے اس میں نور کا اطلاق بھی گنجائش نہیں رکھتا۔ اور باقی کمالات ذاتیہ کی طرح نور بھی راستے میں رہجاتا ہے بغیر وہاں وسعت بیچون و امتیاز بیچگون کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں دیکھتا آیہ کریمہ قد جاءکم من اللہ نور میں اگر نور سے مراد قرآن ہو تو ممکن ہے کہ قرآن پر نور کا اطلاق باعتبار انزال و تنزل کے ہو چنانچہ کلمہ قد جاءکم اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور اس مرتبہ مقدسہ کے اوپر ایک اور بہت بلند مرتبہ ہے جو حقیقت صلوٰۃ ہے۔ جس کی صورت عالم شہادت میں منتہی نمازیوں سے برپا ہے۔ اور وہ جو قصۂ معراج میں آیا ہے۔ قف[1] یا محمد فان اللہ یصلی ممکن ہے کہ اسی صلوٰۃ کی طرف اشارہ ہو۔ ہاں وہ عبادت جو مرتبہ تجرد و تنزہ کے شایاں ہو وہ شاید مرتبہ وجوب سے صادر ہوتی ہے اور اطوار قدم سے ظہور میں آتی ہے۔ پس عبادت جو کہ حق تعالےٰ کی جناب قدس کے لائق ہو وہی ہے جو مراتب وجوب سے صادر ہو۔ نہ کہ اس کے سوا کوئی اور۔ پس وہی عابد ہے وہی معبود۔ اس مرتبہ مقدسہ میں کمال وسعت و امتیاز بیچون ہے۔ کیونکہ اگر حقیقت کعبہ ہے تو اسی کا جزو ہے۔ اگر حقیقت قرآن ہے۔ تو بھی اسی کا جزو ہے۔ اس لئے کہ صلوٰۃ مراتب عبادت کے تمام کمالات کی جامع ہے جو اصل کے لئے ہیں۔ کیونکہ معبودیت صرف اُس اصل کے لئے ثابت ہے۔ اور حقیقت صلوٰۃ جو جمیع عبادات کی جامع ہے اِس مرتبہ میں عبادت ہے اُس مرتبہ مقدسہ کے لئے جو اس سے فوق ہے۔ اور استحقاق معبودیت صرف اُس فوق کے لئے ثابت ہے جو اصل کل ہے اور سب کا جائے پناہ ہے۔ اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے۔ اور امتیاز بھی خواہ بیچون و بیچگون ہو راستے میں رہجاتا ہے انبیاء اور اکابر اولیاء علیہم الصلوات اولاً و آخراً میں سے کاملین کے قدموں کا منتہا مقام

[1] [illegible]

حقیقت صلوٰۃ کی نہایت تک ہوتا ہے جو عابدوں کی عبادت کے مرتبہ کی نہایت ہے۔ اور اس سے
اوپر مقام معبودیت صرف ہے۔ کسی کو اس دولت میں کسی طرح سے شرکت نہیں تاکہ قدم اور
اوپر رکھے۔ جہاں تک عبادت و عابدیت کی آمیزش ہے نظر کی طرح قدم کے لئے گنجائش ہے۔
جب معاملہ معبودیت صرف تک پہنچتا ہے۔ قدم کوتاہی کرتا ہے اور سیر ختم ہو جاتی ہے لیکن
بحمد اللہ سبحانہ کہ نظر کو وہاں سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ اور اس کی استعداد کے موافق گنجائش
دی ہے ؎ بلا بودے اگر ایں ہم نبودے۔ گنجائش ہے کہ قف یا محمد میں قدم کی اس
کوتاہی کی طرف اشارہ ہوا ہو۔ یعنی اے محمد! ٹھیر جائیے اور قدم آگے نہ رکھئے۔ کیونکہ اس مرتبہ
صلوٰۃ سے اوپر جو مرتبہ وجوب سے حضرت ذات تعالے و تقدس کے مرتبہ تجرد و تنزیہ کے واسطے
صادر ہے قدم کے لئے کوئی جولانگاہ و گنجایش نہیں۔ اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت اس
مقام پر متحقق ہوتی ہے۔ اور آلہہ غیر مستحقہ کی عبادت کی نفی اس جگہ متصور ہوتی ہے۔ اور معبود
حقیقی کا اثبات کہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اس مقام میں حاصل ہوتا ہے۔ اور
عابدیت و معبودیت میں کمال امتیاز یہاں ظاہر ہوتا ہے۔ اور عابد معبود سے کما ینبغی جدا ہو جاتا
ہے۔ اور معلوم ہو جاتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے معنے ارباب نہایت کے حال کے مناسب
لا معبود الا اللہ ہیں جیسا کہ شریعت میں اس کلمہ کے معنے قرار پائے ہیں۔ لا موجود و لا وجود
و لا مقصود کہنا ابتدا و وسط کے مناسب ہے۔ اور لا مقصود فوق ہے لا موجود و لا وجود
کے۔ کیونکہ یہ دریچہ لا معبود الا اللہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ اس مقام میں نظر میں ترقی اور
بصر میں تیزی عبادت صلوٰۃ سے وابستہ ہے جو ارباب نہایت کا کام ہے۔ دوسری عبادتیں
شاید تکمیل صلوٰۃ میں مدد کریں اور شاید اس نقص کی تلافی کریں۔ اسی وجہ سے ممکن ہے کہ
صلوٰۃ کو ایمان کی طرح حسن لذاتہ کہا ہے اور دوسری عبادتوں کے لئے حسن لذاتہا نہیں"
(مکتوب ۷۷۔ دفتر سوم)۔

دوسرا راستہ حقائق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے۔ حقیقت محمدی جو تعین اول ہے حقیقۃ الحقائق
ہے۔ دوسرے حقائق خواہ حقائق انبیائے کرام یا حقائق ملائکہ کرام علیہم الصلوات والتسلیمات ہوں
اس حقیقت کے ظلال کی مثل ہیں اور یہ حقیقت اصل حقائق ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ اس لئے یہ حقیقت باقی حقائق اور حق جل و علا کے درمیان واسطہ ہے۔
اس حقیقت کی وساطت کے بغیر کسی کو مطلوب پر پہنچنا محال ہے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی الانبیاء

والمرسلین اور رحمۃ للعلمین ہیں۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ بنا بر تحقیق حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ تعین اول یا صادر اول صفت حب ہے۔ یعنی اول اعتبار جو ایجاد عالم کے لئے پیدا ہوا حب ہے۔ بعد ازاں اعتبار وجود جو مقدمہ ایجاد ہے۔ کیونکہ حضرت ذات جل شانہ بغیر اعتبار اِس حب اور اس وجود کے عالم و ایجاد عالم سے مستغنی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔ حدیث قدسی میں ہے۔ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف۔ پس اول چیز جو اُس گنجینہ مخفی سے منصہ ظہور پر آئی حب تھی جو خلائق کی پیدائش کا سبب ہوئی۔ اگر حب نہ ہوتی۔ تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ و مستقر رہتا۔ حقیقت محمدی یہی تعین حبی ہے۔ اِس تعین حبی میں جب بدقت نظر کی جاتی ہے۔ تو بفضل الٰہی معلوم ہوتا ہے کہ اس دائرے کا محیط خلت (محبیت ذات لصفاتہ) ہے جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے۔ اسے حقیقت وولایت ابراہیمی کہتے ہیں۔ اس دائرہ کا مرکز جو اُس کا اشرف واسبق اجزاء ہے حب ہے۔ جب بفضل خدا اِس مرکز پر پہنچتے ہیں۔ تو وہ مرکز بھی دائرہ ظاہر ہوتا ہے۔ جس کا محیط محبیت صرف (محبیت ذات لذاتہ) ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے۔ اسے حقیقت وولایت موسوی کہتے ہیں۔ اِس کا مرکز جو اشرف اجزاء ہے محبوبیت ہے۔ جب بفضل الٰہی اِس مرکز تک رسائی ہوتی ہے۔ تو وہ مرکز بھی دائرہ نظر آتا ہے۔ جس کا محیط محبوبیت ممتزجہ بمحبیت (یعنی محبوبیت الذات للذات ممتزجہ بمحبیت الذات للذات) ہے۔ اِس کو حقیقت وولایت محمدی کہتے ہیں۔ اور یہ باعتبار نام پاک محمدؐ کے حضور سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کا مربی اور مبدأ تعین جسدی ہے۔ اور اس کا مرکز محبوبیت صرف (محبوبیت الذات للذات) ہے جس کو حقیقت وولایت احمدی کہتے ہیں۔ اور یہ باعتبار نام پاک احمدؐ کے حضور سرور کائنات علیہ الوف التحیۃ والصلوٰۃ کا مبدأ تعین روحی ہے۔ سالک جو بطریق اجمال بغیر ملاحظہ خلت ومحبیت ومحبوبیت کے اس دائرہ حب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اُس کی سیر تعین حبی میں ہوگی۔ اور اسی اثنا میں تعین وجودی میں بھی سیر واقع ہو جائیگی حقائق مذکورہ بالا میں مراقبات اِس طرح کرتے ہیں۔

(۱) مراقبہ ابراہیمی۔ فیض آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر اُس ذات پاک سے جو اپنی صفات کو

دوست رکھتی ہے اور جو منشا حقیقت ابراہیمی ہے۔ اس مقام پر سالک کو حضرت حق سبحانہٗ سے ایک اُنس خاص پیدا ہو جاتا ہے۔ اور تمام خلق سے اس قدر بے التفاتی ہو جاتی ہے کہ کسی کے توسط پر راضی نہیں ہوتا۔ گویا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے آتش نمرود میں جو جواب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیا تھا (واما الیک فلا حاجۃ لی) اُس کا مصداق بن جاتا ہے۔ یہاں صلوٰۃ ابراہیمی یعنی درود شریف جو نماز میں قعدہ میں التحیات کے بعد پڑھتے ہیں اُس کا ورد رکھنا مفید ہے۔

(۲) مراقبہ موسوی۔ فیض آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر اُس ذات پاک سے جو اپنے آپ کو دوست رکھتی ہے اور جو منشا حقیقت موسوی ہے۔ اس مقام میں باوجود محبت ذاتی کے ظہور کے شان استغنائی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہی راز ہے کہ بعض مواقع پر حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ و السلام سے بظاہر خلاف ادب کلمات سرزد ہوئے ہیں جیساکہ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ۔ اور ایک قسم کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے جو منشاء رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ہے یہاں یہ درود شریف مفید ہے۔ اللھم صل وسلم علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اخوانہ من الانبیاء والمرسلین خصوصاً علیٰ کلیمك سیدنا موسیٰ۔

(۳) مراقبہ محمدی۔ فیض آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر اُس ذات پاک سے جو خود ہی محبوب اور خود ہی محب ہے اور جو منشا حقیقت محمدی ہے۔ اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر امر میں حضور انور ہی کا اتباع اچھا معلوم ہوتا ہے۔ امام الطریقہ حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قول (خدا را زاں مے پرستم کہ رب محمد است) کے معنی اِس جگہ ظاہر ہوتے ہیں۔ یہاں یہ درود شریف مفید ہے۔ اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا محمد واصحاب سیدنا محمد افضل صلوٰتك بعدد معلوماتك وبارك وسلم كذلك۔

(۴) مراقبہ احمدی۔ فیض آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر اُس ذات پاک سے جو اپنی محبوب آپ ہے اور جو منشا حقیقت احمدی ہے۔ یہاں وہی درود شریف مفید ہے جو مراقبہ محمدی میں مذکور ہوا۔

(۵) مراقبہ حب صرف۔ فیض آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر اُس ذات پاک سے جو منشاء حب صرف ذاتی ہے۔ اس مقام پر نسبت میں کمال علو اور باطن کی بیرنگی ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ مرتبہ حضرت اطلاق ولاتعین کے بہت قریب ہے۔ یہ مقام ہمارے پیغمبر سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے خاص مقامات سے ہے۔ دوسرے انبیاء کے حقائق کا یہاں نشان نہیں ملتا۔ کیونکہ یہی یقین جبی حقیقت

محمدی ہے جیساکہ اوپر بیان ہوا۔

مقام حقائق انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اوپر مقام لاتعین ہے۔ یہاں سیر قدمی کی گنجائش نہیں۔ اگر ہو تو سیر نظری ہو گی۔ یہاں مراقبہ اس طرح کہتے ہیں۔

دائرہ لاتعین

فیض آتا ہے میری ہیئت وحدانی پر اُس ذات پاک سے جو تعینات سے مبرا ہے۔ یہ مقام بھی حضور سرور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے خصائص سے ہے۔ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل میں اِسی مقام کی طرف اشارہ بتلاتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے آپ کے بعض اُلش خواروں کو اِس خوان نعمت سے اُلش عطا ہوا ہے۔ ؎

اگر بادشہ بر در پیر زن   بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

(۲) سے حضور سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی عظمت پائی جاتی ہے کہ آپ کے اُلش خوار بھی اس دولت سے مشرف ہوتے ہیں۔

مقامات مذکورہ بالا کے علاوہ تین دائرے اور بیان کئے جاتے ہیں۔

دائرہ سیف قاطع

(۱) دائرہ سیف قاطع جو ولایت کبریٰ کے پہلو میں بتایا جاتا ہے۔ بظاہر سیف قاطع اسماء وصفات کی ایک لہر از قبیل ولایت کبریٰ ہے۔ چونکہ نفس کو یہاں فنائے اتم حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اِس نام سے موسوم ہوا۔

دائرہ حقیقت صوم

(۲) دوسرا دائرہ حقیقت صوم۔ جو عبارت صفات سلبیہ سے ہے۔ مثلاً صمد لا یاکل ولا یشرب ولا یلد ولا یولد ولم یکن لہٗ کفواً احد۔ یہ دائرہ حقیقت قرآن کے پہلو میں بتاتے ہیں۔

دائرہ قیومیت

(۳) دائرہ قیومیت۔ یہ دائرہ دائرہ کمالات اولو العزم سے پیدا ہوا ہے۔

حضرت شاہ رؤف احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب جواہر علویہ میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ تینوں ولایتیں اور یہ تینوں کمالات اور ساتوں حقائق اور دوسرے مقامات جن کا بہت تھوڑا سا حال گویا دریا میں سے قطرے کا ذکر ان اوراق میں کیا گیا ہے اِس شریف خاندان کے تمام متوسلوں کو حاصل نہیں ہوتے۔ بعض تو ولایت قلبی بلکہ دائرہ امکان تک رہ جاتے ہیں۔ بعض کو ولایت کبریٰ حاصل ہوتی ہے۔ اور بہت کم کو کمالات ثلاثہ حاصل ہوتے ہیں۔ اور خال خال حقائق سبعہ وغیرہ سے فائز ہوتے ہیں۔

خاتمہ در نظام اوقات صوفی نقشبندی مجددی

ہر امر میں اتباع سنت ملحوظ رہے اور عزیمت پر عمل اور بدعت سے پرہیز چاہئے۔ فرائض وواجبات کے ادا کرنے اور محرمات ومکروہات ومشتبہات سے اجتناب کے بعد سالک پر لازم ہے کہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھے۔ ؎

ذکر گو ذکر تا ترا جان است　　پاکیٔ دل ز ذکر رحمان است

جب تہائی رات باقی ہو۔ تو جاگ اُٹھے۔ اور اُٹھتے ہی کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔ پھر نماز تہجد جو اس راہ کی ضروریات سے ہے بارہ رکعتیں دو دو کی نیت سے ادا کرے۔ اگر ممکن ہو تو ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد یٰسین شریف پڑھے۔ ورنہ اس سورت کو آٹھ رکعتوں میں ختم کرے۔ اس کی اسی آیتیں ہیں۔ ہر رکعت میں دس دس آیتیں پڑھے باقی چار رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین تین بار پڑھے۔ اگر سورہ یٰسین شریف یاد نہ ہو۔ تو تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین تین بار پڑھے۔ اگر وقت تنگ ہو۔ تو آٹھ۔ چھ۔ چار۔ یا دو رکعتیں پڑھے۔ اگر وتر نماز عشاء کے ساتھ نہ پڑھے ہوں۔ تو پہلے تہجد کی آٹھ رکعتیں پڑھے۔ بعد ازاں تین وتر ادا کرے۔ حضرت عزیزاں قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ جب تین دل کسی مراد کے واسطے متفق ہو جائیں۔ تو وہ مومن بندے کی مراد کے حصول کے لئے کافی ہیں۔ دل بندہ کا۔ دل رات کا۔ دل قرآن مجید کا۔ یعنی نماز تہجد میں سورہ یٰسین شریف کو جو قلب قرآن ہے اخلاص دلی سے پڑھا۔ تو مراد حاصل ہو گئی۔

نماز تہجد کے بعد یہ استغفار سو بار پڑھے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ بعد ازاں سبق باطن (بالخصوص وہ اشغال جن میں غلو موعود کارہے) میں مشغول ہو جائے۔ فجر کی سنتیں گھر پر پڑھے۔ اور فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے رکھے اور کہے۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۔ جب مسجد سے نکلے تو بایاں پاؤں پہلے نکالے اور کہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ۔ پانچوں نمازوں میں فرضوں کے بعد استغفار مذکور تین تین بار پڑھ کر دعا مانگے۔ اور ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی ایک بار اور تسبیح فاطمہؓ یعنی سُبْحَانَ اللّٰہِ ۳۳ بار۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ بار۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۴ بار پڑھے۔ اور نماز فجر و مغرب کے بعد علاوہ ازیں اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ سات سات بار کہے۔ نماز

فجر کے بعد مسجد ہی میں اپنی جگہ پر ذکر میں مشغول رہے۔ جب آفتاب ایک یا دو نیزہ کے مقدار بلند ہو جائے۔ تو وہیں دو رکعت (یا چار رکعت دو دو کی نیت سے) نماز اشراق ادا کرے۔ جس کی ہر رکعت میں بقول حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پانچ بار پڑھے۔ ہاں اگر مسجد میں تفرقہ یا ریا کا ڈر ہو۔ تو نماز فجر کے بعد گھر چلا جائے۔ اور گھر ہی پر نماز اشراق پڑھے۔

نماز اشراق کے بعد کہے۔ اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَۃٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔ پھر سو بار پڑھے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اور سو بار کہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور ایک بار یہ سید الاستغفار پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ اس کے بعد دو رکعت دن رات کے استخارہ کی نیت سے ادا کرے۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھے۔ پھر یہ دعا مانگے۔ اَللّٰھُمَّ[1] اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ مَا اُرِیْدُ[2] الْیَوْمَ وَاللَّیْلَۃَ مِنَ الْعَمَلِ اَیَّ عَمَلٍ

---

[1] ترجمہ۔ خداوندا! میں تجھ سے تیرے علم کے وسیلہ سے طلب خیر کرتا ہوں۔ اور تجھ سے تیری قدرت کے وسیلہ سے طلب قدرت کرتا ہوں۔ اور تجھ سے تیرے فضل عظیم میں سے کچھ مانگتا ہوں۔ کیونکہ بے شک تو قادر ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا۔ اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا۔ اور تو غیبوں کا جاننے والا ہے۔ خداوندا! اگر تو جانتا ہے کہ میں جو کام دینی ہو یا دنیوی آج دن یا آج رات کرنے کا ارادہ کرتا ہوں وہ میرے واسطے میرے دین اور میری زندگانی اور میرے انجام کار میں یا اس دنیا اور اس جہان میں بہتر ہے۔ تو اس کو میرے واسطے مہیا کر دے اور اُسے میرے واسطے آسان کر دے۔ پھر اس میں مجھے برکت دے۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ میں جو کام دینی ہو یا دنیوی آج دن یا آج رات کرنے کا ارادہ کرتا ہوں وہ میرے واسطے میرے دین اور میری زندگانی اور میرے انجام کار میں یا اس دنیا اور اس جہان میں برا ہے۔ تو اس کو مجھ سے دور رکھ اور مجھ کو اس سے دور رکھ۔ اور میرے واسطے نیکی مہیا کر دے جس جگہ کہ ہو۔ پھر تو مجھے اس پر راضی کر دے۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ لمنتہیٰ۔

[2] اگر کسی خاص کام کے لئے استخارہ کیا جائے۔ تو اس دعا میں دونوں جگہ ما ارید الیوم واللیلۃ من العمل ای عمل کان دینا او دنیویا کی جگہ ھٰذَا الْاَمْرَ کہکر اس کا تصور دل میں کر لے یا نام لے لے۔

كَانَ دِيْنًا اَوْ دُنْيَوِيًّا خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ مَا اُرِيْدُ الْيَوْمَ وَاللَّيْلَةَ مِنَ الْعَمَلِ اَيْ عَمَلٍ كَانَ دِيْنًا اَوْ دُنْيَوِيًّا شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ. وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ دعاے استخارہ کے بعد تلاوت قرآن مجید ودلائل الخیرات وغیرہ یا وظیفہ باطن میں مشغول ہوجائے۔ اگر طالب علم ہو۔ تو درس میں لگ جائے۔ طالب معاش ہو۔ تو معاش کے لئے کوئی جائز حیلہ کرے۔

پہر دن چڑھے کے بعد نماز ضحیٰ یا چاشت دو دو کی نیت سے ادا کرے۔ نماز تہجد کی طرح اس کی بھی بارہ رکعتیں ہیں۔ آٹھ۔ چار۔ دو بھی جائز ہیں۔ اس نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورہ والشمس۔ دوسری میں واللیل۔ تیسری میں والضحیٰ اور چوتھی میں الم نشرح پڑھے۔ باقی رکعتوں میں ان ہی سورتوں کا اعادہ کرے۔ اگر یہ سورتیں یاد نہ ہوں۔ تو ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد اخلاص تین تین بار پڑھ لے۔ نماز چاشت کو ضحوہ کبرٰے سے پہلے پہلے پڑھ لینا چاہیئے۔ دوپہر کو کھانا کھا کر قیلولہ کرنا سنت ہے۔ خوراک و پوشاک کا کسب حلال سے ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔ کھانا کھا کر یہ دعا پڑھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ۔ اور کپڑا پہنے تو یوں کہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ هٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ وَّلَا قُوَّةٍ

واضح رہے کہ دن کو عربی میں نہار بولتے ہیں۔ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک نہار شرعی اور طلوع آفتاب سے غروب تک نہار عرفی کہلاتا ہے۔ ضحوہ کبرٰے نہار شرعی کے نصف پر ہوتا ہے۔ نہار عرفی کے نصف کے بعد زوال شروع ہوتا ہے۔ ضحوہ کبرٰے سے زوال تک نماز مکروہ ہے۔ زوال کے شروع ہوتے ہی نماز فی الزوال چار رکعت ایک سلام سے ادا کرے۔ بعد ازاں نماز ظہر مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھے۔ نماز ظہر سے فارغ ہو کر تدریس و تصنیف وغیرہ یا سبق باطن میں وقت گزارے۔ اور بصورت ضرورت معاش کے لئے حیلہ کرے۔ جب ہر چیز کا سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل ہو جائے۔ تو نماز عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ نماز عصر سے پہلے چار رکعت سنت زائدہ پڑھے۔ اور نماز عصر با جماعت سے فارغ ہو کر استغفار (اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ

وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ) سو بار کرے۔ بعضے مقاصد دینی و دنیوی کے حصول کے لئے عصر کے بعد ختم حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھتے ہیں۔ اُس کی ترکیب یوں ہے۔ اول درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ سو بار۔ پھر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پانسو بار۔ بعد ازاں درود شریف سو بار پڑھ کر سب کا ثواب بروح پر فتوح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخشتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں۔ باقی وقت ذکر و مراقبہ میں رہے۔ نماز مغرب کے بعد صلوٰۃ اوّابین چھ رکعت دو دو کی نیت سے پڑھے۔ بعد ازاں یوں کہے۔ اَللّٰھُمَّ مَا اَمْسٰی بِیْ مِنْ نِّعْمَۃٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ فَلَکَ الْحَمْدُ وَالشُّکْرُ۔ پھر سید الاستغفار پڑھے۔ اگر مجاز ہو۔ تو دعائے حزب البحر پڑھے جو ظاہری و باطنی کشائش کے لئے مجرب ہے۔ بعضے اِس وقت ختم حضرات خواجگان نقشبندیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی پڑھتے ہیں۔ جس کی ترکیب یوں ہے۔ کہ پہلے یہ دعا پڑھتے ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اَللّٰھُمَّ یَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ تَوَکَّلْتُ عَلَیْکَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ پھر سورہ فاتحہ سات بار۔ درود شریف سو بار۔ سورہ الم نشرح ۷۹ بار۔ سورہ اخلاص ایک ہزار ایک بار۔ سورہ فاتحہ سات بار۔ درود شریف سو بار پڑھتے ہیں۔ تمام سورتوں کے شروع میں ہر مرتبہ بسم اللہ شریف بھی پڑھی جاتی ہے۔ اگر بہت سے مل کر پڑھیں۔ تو سورتوں کو جماعت پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ اخیر میں سب کا ثواب حضرات خواجگان کی ارواح مقدسہ کو بخشا جاتا ہے۔ اور ان کے وسیلے سے فتوحات ظاہری و باطنی کے حصول کے لئے یا کسی خاص حاجت کے لئے درگاہ رب العزت میں دعا کی جاتی ہے۔

نماز عشا با جماعت سے فارغ ہو کر بستر پر قبلہ رو بیٹھ کر پڑھے۔ سورہ ملک۔ سورہ فاتحہ۔ اٰمن الرسول بما انزل الیہ تا آخر سورہ بقرہ۔ آیۃ الکرسی۔ لا یستوی اصحٰب النار و اصحٰب الجنۃ تا آخر سورہ حشر۔ سورہ کافرون۔ سورہ اخلاص۔ سورہ فلق۔ سورہ ناس۔ تسبیح فاطمہ سو بار سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ تین بار استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحیّ القیوم واتوب الیہ پھر

---

[1] جب استغفار پڑھ چکے۔ تو مفصلہ ذیل بغرض ایصال ثواب پڑھے۔ کلمہ شہادت ۳ بار۔ سورہ اخلاص ۳ بار۔ سورہ فلق ۳ بار۔ سورہ ناس ۳ بار۔ ان چاروں کو پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر پھونک مارے اور اپنے اعضاء پر ملے۔ بعد ان کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت کو جو اِس وقت تک دنیا سے انتقال کر چکی ہے۔ بخش دے کذا فی رسالہ انفاس نفیسہ خواجہ احرار قدس سرہ۔

دائیں کروٹ لیٹے اور دایاں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر یوں کہے۔ بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ۔ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ۔

نفلی نمازوں میں ایک صلوٰۃ تسبیح بھی ہے۔ جو آغاز زوال کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے۔ تو دن رات میں کسی وقت پڑھ لے۔ اگر ہو سکے۔ تو اسے ہر روز ورنہ ہفتہ میں ایک بار اگر یہ بھی نہ ہو سکے۔ تو مہینہ میں ایک بار یا سال میں ایک بار ورنہ عمر میں ایک بار ضرور پڑھے۔ اس نماز کی چار رکعتیں ایک سلام سے ہیں۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے پڑھے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پندرہ بار۔ قراءت کے بعد رکوع سے پہلے دس بار۔ رکوع میں بعد تسبیح رکوع کے دس بار۔ رکوع سے کھڑے ہو کر دس بار۔ ہر دو سجدوں میں دس دس بار۔ دو سجدوں کے درمیان بیٹھ کر دس بار۔ اس طرح یہ چاروں کلمے ہر رکعت میں ۷۵ بار اور چاروں رکعتوں میں تین سو بار پڑھے جاتے ہیں۔

اگر مسجد میں داخل ہو اور فرض و سنت کے ادا کرنے کا وقت نہ ہو۔ تو دو رکعت تحیہ مسجد پڑھے۔ اگر ادائے فرض و سنت کا وقت ہو۔ تو ادائے فرض و سنت سے تحیہ مسجد ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر ایسے وقت میں مسجد میں داخل ہو کہ جس میں نماز ممنوع ہے مثلاً استواء۔ طلوع و غروب آفتاب یا بقول حنفیہ کرام بعد فجر و عصر۔ تو تحیہ نہ پڑھے۔ بلکہ تھوڑی دیر رو بقبلہ ذکر خفیہ میں مشغول رہ کر اپنے کام لگ جائے۔ تحیہ مسجد کی طرح تحیہ وضوء کی بھی دو رکعتیں ہیں جو وضوء کرنے کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

ماہ رمضان مبارک میں روزے احتیاط سے رکھے۔ اور لغویات یا گناہ و غیبت سے پرہیز کرے۔ نماز تراویح اور ختم قرآن اور عشرہ اخیرہ کے اعتکاف کو لازم سمجھے اور شب قدر کا جویاں رہے جس طرح نماز پنجگانہ کے علاوہ نفلی نمازیں ہیں۔ اسی طرح صیام رمضان کے علاوہ نفلی روزے بھی ہیں جو رکھنے چاہیئے۔ مثلاً ماہ محرم الحرام کی نویں اور دسویں تاریخ (عاشورا) کا روزہ۔ ماہ شعبان کی پندرہویں تاریخ کا روزہ۔ ماہ شوال کے چھ روزے۔ ماہ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے نویں تاریخ تک نو روزے (بالخصوص عرفہ کا روزہ)۔ ایام بیض یعنی ہر مہینے کی تیرہویں چودہویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے۔ ہر ہفتہ میں دو شنبہ کا روزہ جو حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تولد شریف اور نیز آغاز وحی کا دن ہے۔

---

[1] شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے عمل الیوم واللیلہ میں لکھا ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ تکاثر۔ دوسری میں سورہ عصر۔ تیسری میں سورہ کافرون اور چوتھی میں سورہ اخلاص پڑھے۔ کذا فی اشعۃ اللمعات۔

اداۓ حج وزکوٰۃ کے شرائط ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ تحقیق شرائط پر یہ بھی ضروری ہیں نیت کو اعمال میں بڑا دخل ہے۔ خواب سے یہ مطلوب ہو کہ رفع تکاسل دتکان کے بعد عبادت کے لئے تازہ دم اُٹھوں گا۔ طعام میں حظ نفس مطلوب نہ ہو۔ بلکہ یہ نیت ہو کہ اِس سے عبادت پر قوت حاصل ہو جائے گی۔ لباس نمود خلق کے لئے نہ ہو۔ بلکہ عبادت و اداۓ نماز کے لئے تزئین کی نیت ہو چنانچہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ ایسی نیت سے خواب و خورد لباس عین عبادت ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ تصحیح عقائد کے بعد اعمال صالحہ کی بجا آوری میں نہایت کوشش کرے۔ وقت عزیز کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرے۔ اور تمام افعال و اقوال اور حرکات و سکنات میں اپنے مولا کریم جل سلطانہٗ کی رضا کو اپنا مطلوب سمجھے۔ واللہ الموفق والمعین۔ چنانچہ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ[1]۔ ؎

کارکن کار بگذر از گفتار کاندریں راہ کار دارد کار

رسول[2] اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو تین چیزیں اُس کے پیچھے جاتی ہیں۔ جن میں سے دو واپس آجاتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے۔ یعنی اہل و مال و عمل اُس کے پیچھے جاتے ہیں۔ اہل و مال لوٹ آتے ہیں۔ اور عمل اُس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔

سالک کو چاہئے کہ ذکر و فکر و فرائض و واجبات و نوافل کے بعد اولیاء اللہ اور صالحین کی صحبت کو غنیمت سمجھے۔ کیونکہ اُن کی صحبت ذکر و عبادت سے بھی زیادہ مفید ہے جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ اگر ایسی صحبت میسر نہ آئے۔ تو تنہا بیٹھنا یا سو رہنا اچھا ہے۔ ؎

دور شو از اختلاط یار بد یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمے بر جاں زند یار بد بر جان و بر ایماں زند

ہم نے متوسط درجہ کے صوفی کے نظام اوقات کا محض خاکہ پیش کیا ہے۔ سالک کو چاہئے کہ اِس خاکہ میں اپنے مرشد کے بتائے ہوئے اوراد کو شامل کر کے بمقتضائے حال و وقت مناسب تقدیم و تاخیر یا تغیر و تبدل کر لے۔

---

[1] جن لوگوں نے محنت کی ہمارے واسطے۔ ہم دکھا دیں گے اُن کو اپنی راہیں۔ اور بے شک اللہ البتہ احسان و نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (سورہ عنکبوت۔ اخیر آیت)۔

[2] جامع ترمذی۔ ابواب الزہد۔

رباعی

با ایں ہمہ بیحاصلی و ہیچکسی　　در ماندہ بہ نارسائی و بوالہوسی
دادیم ترا ز گنجِ مقصود نشاں　　گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

اربعین صوفیہ

اربعین صوفیہ کی طرف ہم اس کتاب میں پہلے اشارہ کر چکے ہیں ان کا فقط اردو ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن خدا کے نزدیک بندوں میں سے کونسا بندہ زیادہ فضیلت والا اور زیادہ بلند مرتبہ والا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ مرد و عورت جو خدا کا زیادہ ذکر کرنے والے ہیں۔ عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ! کیا خدا کا زیادہ ذکر کرنے والے راہ خدا میں غزا کرنے والے سے زیادہ فضیلت والے اور زیادہ بلند مرتبے والے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ غازی اگر اپنی تلوار کافروں اور مشرکوں میں مارے یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے اور وہ خون آلودہ ہو جائے۔ خدا کا ذکر کرنے والا درجہ میں اُس سے بڑھ کر ہوگا۔ امام احمد و ترمذی۔

(۲) جب تم بہشت کی چراگاہوں میں گزرو۔ تو چرو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ بہشت کی چراگاہیں کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔ ترمذی۔

(۳) اللہ تعالےٰ کے ایسے فرشتے ہیں جو گلی کوچوں میں پھرتے ہیں اور اہل ذکر کو ڈھونڈتے ہیں۔ جب وہ کسی جماعت کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ تو ایک دوسرے کو یوں پکارتے ہیں "اپنے مقصود کی طرف آؤ"۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ فرشتے اہل ذکر کو اپنے بازوؤں سے پہلے آسمان تک گھیر لیتے ہیں۔ ان فرشتوں کا پروردگار ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان کا حال زیادہ جانتا ہے۔ کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں۔ کہ تیرے بندے تجھے پاکی اور بزرگی اور ثنا اور عظمت سے یاد کرتے ہیں۔ پھر ان کا پروردگار پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ کی قسم انہوں نے تجھے نہیں دیکھا۔ پھر خدا تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے۔ تو ان کا حال کیسا ہوتا۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ کہ اگر وہ تجھے دیکھ لیتے۔ تو وہ تیری عبادت میں اور تیری تعظیم کرنے میں سخت تر ہوتے اور تیری تسبیح زیادہ کیا کرتے۔ پھر اللہ تعالےٰ پوچھتا ہے کہ وہ کیا مانگتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ تجھ سے

بہشت مانگتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ حق تعالےٰ پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے بہشت کو دیکھا ہے۔ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ کی قسم اے پروردگار انہوں نے بہشت کو نہیں دیکھا۔ پھر اللہ تعالےٰ پوچھتا ہے کہ اگر وہ بہشت کو دیکھ لیتے تو اُن کا حال کیسا ہوتا۔ حضرت نے فرمایا کہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اگر وہ بہشت کو دیکھ لیتے۔ تو اس کی حرص اور اس کی طلب میں سخت تر ہوتے اور اُس کی رغبت زیادہ کرتے۔ پھر اللہ تعالےٰ اشارہ فرماتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ دوزخ کی آگ سے۔ پھر حق تعالےٰ پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے دوزخ کی آگ کو دیکھا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ کی قسم اے پروردگار انہوں نے نہیں دیکھا۔ پھر حق تعالےٰ پوچھتا ہے کہ اگر وہ اُسے دیکھ لیتے۔ تو ان کا حال کیسا ہوتا۔ حضرت نے فرمایا کہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ دوزخ کی آگ کو دیکھ لیتے۔ تو اس سے بھاگنے اور ڈرنے میں سخت تر ہوتے۔ حضرت نے فرمایا کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے۔ "میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا"۔ اس پر ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ ان میں سے فلاں شخص ذکر کرنے والوں میں سے نہیں۔ وہ تو کسی کام کے لئے آیا تھا۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ وہ جماعت ہے کہ ان کا ہمنشین محروم نہیں رہتا۔ امام بخاری۔

(۴) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں وہ جو میری نسبت رکھتا ہے۔ اور میں اُس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے۔ تو میں اُس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھے آدمیوں کی جماعت میں یاد کرتا ہے۔ تو میں اُسے اُس جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ بخاری و مسلم۔

(۵) قیامت برپا نہ ہوگی یہانتک کہ زمین میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ مسلم۔

(۶) افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اور افضل دعاء الحمد للہ ہے۔ ترمذی و ابن ماجہ۔

(۷) جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالےٰ اُس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ مسلم۔

(۸) جب تو نماز مغرب سے لوٹے (سلام پھیرے) تو کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات بار کہہ لیا کر۔ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ[1]۔ کیونکہ اگر تو یہ کہہ لے اور پھر اُسی رات مرجائے۔ تو تیرے واسطے آتش دوزخ سے گزرجانا لکھا جاتا ہے۔ اور جب تو نماز صبح ادا کرے۔ تو ان ہی کلمات کو سات مرتبہ کہہ لیا کر اگر تو اُسی دن مرجائے۔ تو تیرے واسطے آتش دوزخ سے گزرجانا لکھا جاتا ہے۔ ابو داؤد۔

[1] خدایا مجھے دوزخ کی آگ سے پناہ دے۔

(۹) دو کلمے ہیں جو زبان پر آسان اور میزانِ اعمال میں بھاری اور خدا کے نزدیک محبوب ہیں۔ یعنی سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بخاری و مسلم۔

(۱۰) یہ کہنا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ میرے نزدیک محبوب تر ہے ہر چیز سے جس پر آفتاب نکلا ہے۔ امام مسلم۔

(۱۱) کسی نے کبھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی طعام نہیں کھایا۔ پیغمبر خدا داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔ امام بخاری۔

(۱۲) جو شخص صبح کے وقت یوں کہے۔ اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ[۱]۔ اُس نے البتہ اُس دن کا شکر ادا کر دیا۔ اور جو شخص مثل اس کے شام کے وقت کہے (اَللّٰھُمَّ مَا اَمْسٰی بِیْ مِنْ نِعْمَةٍ الخ) اُس نے رات کا شکر ادا کر دیا۔ ابوداؤد۔

(۱۳) جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر لیٹنے لگے۔ تو اُسے چاہئے کہ اپنے بستر کو اپنے تہ بند کے اندرونی حاشیہ کے ساتھ جھاڑ لے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اُس کے بعد کونسی چیز بستر پر پڑی ہے۔ پھر یہ دعا پڑھے۔ بِاسْمِکَ رَبِّیْ[۲] وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِکَ اَرْفَعُہٗ اِنْ اَمْسَکْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْھَا وَاِنْ اَرْسَلْتَھَا فَاحْفَظْھَا بِمَا تَحْفَظُ بِہٖ عِبَادَکَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بستر کو جھاڑ کر اپنے دائیں پہلو کے بل لیٹ جائے۔ بعد ازاں پڑھے باسمک۔ الخ۔ بخاری و مسلم۔

(۱۴) جو شخص اپنے بستر پر لیٹتے وقت تین بار کہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ خداتعالےٰ اُس کے گناہ بخش دیتا ہے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کی مانند ہوں یا عالج کی ریت کے شمار ہوں یا درختوں کے پتوں کے شمار یا دنیا کے دنوں کے شمار ہوں۔ ترمذی۔

(۱۵) حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو خبر لگی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس غنیمت میں غلام آئے ہیں۔ سو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ تاکہ آپ سے اس مشقت کی شکایت کریں جو ان کو

---

[۱] یا اللہ! صبح کو میرے پاس یا تیری خلق میں سے کسی کے پاس جو نعمت ہے وہ تجھ تنہا کی طرف سے ہے۔ پس تیرے لئے حمد ہے اور تیرے ہی لئے شکر ہے۔

[۲] اے میرے پروردگار! میں نے تیرے نام سے اپنا پہلو (بستر پر) رکھا ہے اور تیرے نام سے اُسے اٹھاؤں گا۔ اگر تو میری روح کو قبض کر لے۔ تو اُس پر رحم کرنا۔ اور اگر تو اُس کو چھوڑ دے۔ تو اُسے نگاہ رکھنا جیسا کہ تو اپنے نیک بندوں کو نگاہ رکھتا ہے۔

ہاتھ کو چکی چلانے سے ہوتی ہے۔ انہوں نے حضور کو گھر میں نہ پایا۔ اور اپنا حال حضرت عائشہ سے ذکر کر دیا۔ جب حضور تشریف لائے۔ تو حضرت عائشہ نے آپ سے وہ حال ذکر کر دیا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ کہ حضور نے ہمارے ہاں قدم رنجہ فرمایا حالانکہ ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے۔ ہم اُٹھنے لگے۔ تو حضور نے فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو۔ آپ میرے اور فاطمہ کے درمیان بیٹھ گئے یہانتک کہ میں نے آپ کے قدم مبارک کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس کی۔ آپ نے فرمایا کیا میں تم کو اُس سے بہتر نہ بتا دوں جس کا تم نے سوال کیا ہے۔ جب تم اپنے بستر پر لیٹو۔ تو ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے واسطے لونڈی سے بہتر ہے۔ بخاری و مسلم۔

(۱۶) افضل استغفار یہ ہے کہ تو کہے۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْۢبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ان کلمات کو دن کے کسی حصہ میں کہے حالانکہ وہ ان کا یقین واعتقاد رکھنے والا ہو۔ اور اُسی روز شام سے پہلے مر جائے۔ وہ اہل بہشت میں سے ہے۔ اور جو شخص ان کلمات کو رات کے کسی حصہ میں کہے حالانکہ اُن کا یقین واعتقاد رکھنے والا ہو۔ اور وہ صبح سے پہلے مر جائے۔ وہ اہل بہشت میں سے ہے۔ امام بخاری۔

(۱۷) ہمارا پروردگار تبارک وتعالیٰ ہر رات جب رات کا اخیر تہائی حصہ باقی ہوتا ہے پہلے آسمان کی طرف اترتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے "کون ہے کہ مجھے پکارے تاکہ میں اُس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے کہ مجھ سے سوال کرے تاکہ میں اُسے عطا کروں۔ اور کون ہے کہ مجھ سے بخشش طلب کرے تاکہ میں اُسے بخش دوں"۔ بخاری و مسلم۔

(۱۸) خوشی ہو اُس شخص کے لئے جس نے اپنے نامہ اعمال میں استغفار بہت پائی۔ ابن ماجہ نسائی در عمل یوم ولیلہ۔

لـه خداوندا! تو میرا پروردگار ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں جہانتک کہ مجھ میں طاقت ہے۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اُس کی بدی سے جو میں نے کی۔ میں اعتراف کرتا ہوں تیری نعمت کا جو مجھ پر ہے اور میں اعتراف کرتا ہوں اپنے گناہ کا۔ پس تو مجھے بخش دے۔ کیونکہ گناہوں کو تیرے سوا نہیں بخش سکتا۔

(۱۹) جس شخص نے کھانا کھانے کے بعد یوں کہا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ۔ اُس کے گزشتہ (اور آیندہ؟) گناہ (صغیرہ) بخشے جاتے ہیں۔ اور جس شخص نے کپڑا پہن کر کہا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ هٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ۔ اُس کے گزشتہ وآئندہ گناہ (صغیرہ) بخشے جاتے ہیں۔ ابوداؤد۔

(۲۰) جو شخص ہر روز سو بار پڑھے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اُس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہے اور اُس کے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور اُس کی سو برائیاں مٹائی جاتی ہیں۔ اور یہ اُس کے لئے اُس دن شیطان سے حرز ہے یہانتک کہ شام ہو جائے۔ اور نہیں لایا کوئی شخص افضل اُس سے جو وہ لایا ہے مگر وہ جو اس سے زیادہ کرے۔ بخاری۔

(۲۱) آدمی زاد کو اِن چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں (یعنی قیامت کے دن اِن چیزوں پر پرسش نہ ہوگی)۔ مکان رہنے کے لئے کپڑا استر عورت کے لئے۔ پارۂ نان اور پانی۔ ترمذی۔

(۲۲) ہر ایک آدمی کو قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں کھڑا رکھیں گے یہانتک کہ اُس سے پانچ چیزوں کی بابت سوال کیا جائے۔ اُس کی عمر کی بابت کہ کس کام میں بسر کی۔ اُس کی جوانی کی بابت کہ کس کام میں بوسیدہ کی۔ اس کے مال کی بابت کہ کہاں سے کمایا۔ اور کس چیز میں اُسے خرچ کیا۔ اور کیا عمل کیا اپنے علم پر۔ ترمذی۔

(۲۳) تو دنیا میں ایسا بن کہ گویا مسافر ہے یا راہرو۔ بخاری۔

(۲۴) خدا نے اُس مرد کا عذر زائل کر دیا جس کی عمر دراز کر دی یہانتک کہ اُسے ساٹھ سال تک پہنچا دیا۔ بخاری۔

(۲۵) ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اُس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ اُس مرد کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے ایک گروہ کو دوست رکھا اور وہ اُن سے ملا نہیں۔ آپ نے فرمایا: "انسان (قیامت کو) اُس کے ساتھ اُٹھے گا جس کو اُس نے دوست رکھا ہے"۔ بخاری ومسلم۔

(۲۶) اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے بازو کے برابر قدر رکھتی۔ تو وہ کسی کافر کو اُس کا ایک

ل سب ستایش اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھے یہ کھانا دیا بغیر میرے حیلہ وقوت کے۔

ل سب ستایش اس خدا کے لئے ہے جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور مجھے یہ کپڑا دیا میرے بغیر حیلہ وقوت کے۔

گھونٹ نہ پلاتا۔ احمد و ترمذی و ابن ماجہ۔

(۲۷) حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے۔ ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ جس شخص نے مشتبہات سے پرہیز کیا۔ اُس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچا لیا۔ اور جو شخص شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا مثل چرواہے کے جو چراگاہ کے گرد چراتا ہے۔ نزدیک ہے کہ وہ چراگاہ کے اندر چرائے۔ آگاہ رہو کہ ہر ایک بادشاہ کی ایک چراگاہ ہے۔ آگاہ رہو کہ اللہ کی کی چراگاہ اُس کے محارم ہیں۔ آگاہ رہو کہ جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو جاتا ہے۔ تو تمام جسم درست ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ بگڑ جاتا ہے۔ تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔ بخاری و مسلم۔

(۲۸) مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ اللہ کے دئے ہوئے نور سے دیکھتا ہے۔ ترمذی۔

(۲۹) جب انسان مرجاتا ہے۔ تو اُس سے اُس کے عمل کا فائدہ منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزوں کا فائدہ منقطع نہیں ہوتا۔ صدقہ جاریہ۔ علم جس سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ نیک فرزند جو اُس کے لئے دعا کرے۔ مسلم۔

(۳۰) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو شخص نیک عمل کرتا ہے۔ اُس کے لئے دس گنا ثواب ہے۔ اور میں زیادہ بھی دیتا ہوں۔ اور جو شخص بدی کرتا ہے۔ اُس کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے۔ یا میں معاف کر دیتا ہوں۔ اور جو شخص مجھ سے ایک بالشت بھر نزدیکی ڈھونڈتا ہے۔ میں اُس سے ایک ہاتھ بھر نزدیکی ڈھونڈتا ہوں۔ اور جو شخص مجھ سے ایک ہاتھ بھر نزدیکی ڈھونڈتا ہے۔ میں اُس سے دو ہاتھ بھر نزدیکی ڈھونڈتا ہوں۔ اور جو شخص میرے پاس چل کر آتا ہے۔ میں اُس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔ اور جو شخص بمقدار زمین گناہ لے کر مجھ سے ملتا ہے۔ میں اُس کی مثل مغفرت کے ساتھ اُس سے ملتا ہوں۔ مسلم۔

(۳۱) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے۔ میں اُس کو لڑائی کی خبر دیتا ہوں۔ اور میرے بندے نے فرائض کی نسبت زیادہ محبوب چیز کے ساتھ میری نزدیکی نہیں ڈھونڈی۔ اور میرا بندہ نوافل کے ساتھ میری طرف نزدیکی ڈھونڈتا رہتا ہے۔ یہانتک کہ میں اُس کو دوست رکھتا ہوں۔ پس جب میں اُس کو دوست رکھتا ہوں۔ تو میں اُس کی شنوائی بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ سنتا ہے۔ اور اُس کی بینائی بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ دیکھتا ہے۔ اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ پکڑتا ہے۔ اور اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ

سوال کرے۔ تو البتہ میں اُسے عطا کر دیتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے۔ تو البتہ میں اُس کو پناہ دیتا ہوں۔ اور میں کسی چیز میں جس کو میں کرنے والا ہوں ایسا تردد و توقف نہیں کرتا جیسا کہ مومن کی جان کے قبض کرنے میں توقف کرتا ہوں جو موت کو ناپسند کرتا ہے۔ اور میں اُسے اندوہگین کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔ بخاری۔

(۳۲) کلمہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ننا نوے بیماریوں کی دوا ہے۔ جن میں سب سے آسان غم ہے۔ بیہقی در دعوت کبیر۔

(۳۳) جو شخص کسی کو بلا میں گرفتار دیکھے اور کہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا[۱]۔ وہ بلا اُس کو نہ پہنچے گی خواہ کوئی بلا ہو۔ ترمذی۔

(۳۴) میں نے بہشت میں جو بغور دیکھا۔ تو اُس کے اہل میں سے بیشتر فقیروں کو دیکھا۔ اور آتش دوزخ میں جو بغور دیکھا۔ تو اُس کے اہل میں سے اکثر عورتیں دیکھیں۔ بخاری و مسلم۔

(۳۵) تم میری رضا ان ضعیفوں اور فقیروں کی رضا میں ڈھونڈو جو تم میں ہیں۔ کیونکہ تم کو فقط ان ضعیفوں کی برکت سے رزق یا مدد ملتی ہے۔ ابوداؤد۔

(۳۶) فقراء تونگروں سے پانچ سو سال پہلے بہشت میں داخل ہوں گے جو نصف دن ہے (اُس دن سے جو خدا تعالےٰ کے نزدیک ہے)۔ ترمذی۔

(۳۷) سات شخص ہیں جن کو اللہ اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن اُس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ امامِ عادل۔ جوان جس نے اپنے پروردگار کی عبادت میں نشوونما پایا۔ وہ مرد جس کا دل مسجدوں سے معلق ہے۔ وہ دو مرد جن کی آپس میں محبت اللہ کے واسطے ہے۔ وہ اسی پر (حیات میں) مجتمع رہے اور اسی پر (موت سے) جدا ہوئے۔ وہ مرد جسے ایک نسب شریف و جمال والی عورت نے طلب کیا مگر اُس نے کہا کہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ وہ مرد جس نے صدقہ دیا اور چھپا کر دیا یہاں تک کہ اُس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔ وہ مرد جو خلوت میں اللہ کا ذکر کرے۔ تو اُس کی آنکھوں سے آنسو زار زار ٹپکنے لگیں۔ بخاری۔

(۳۸) اللہ تبارک و تعالےٰ جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے۔ تو جبرئیل علیہ السلام کو پکارتا ہے

---

[۱] سب ستایش اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے عافیت دی اُس بلا سے جس میں تجھ کو مبتلا کیا اور مجھے بہت سے لوگوں پر جنہیں اُس نے پیدا کیا فضیلت دی۔

کہ اللہ نے البتہ فلاں بندے کو دوست رکھا ہے تو اُس کو دوست رکھ۔ پس جبرئیلؑ اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ پھر جبرئیلؑ آسمان میں پکارتے ہیں کہ اللہ نے فلاں بندے کو دوست رکھا ہے۔ تم بھی اُس کو دوست رکھو۔ پس آسمان والے اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ اور زمین والوں میں اُس کی قبولیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بخاری۔

(۳۹) ایک غلام مکاتب حضرت علیؓ کے پاس آیا۔ کہنے لگا کہ میں اپنے زر کتابت سے عاجز ہوں۔ آپ میری مدد کریں۔ حضرت مرتضےٰ نے فرمایا۔ کہ کیا میں تجھے وہ کلمات نہ سکھاؤں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھائے۔ اگر تجھ پر بڑے پہاڑ کی مثل قرض ہو۔ اللہ تعالےٰ اُسے تجھ سے ادا کر دے گا۔ تو یہ پڑھا کر۔ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔ ترمذی و بیہقی۔

(۴۰) پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ زندگی کو موت سے پہلے۔ اور تندرستی کو بیماری سے پہلے۔ اور فراغ وقت کو مشاغل دنیا میں مبتلا ہونے سے پہلے۔ اور جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ اور تونگری کو فقر سے پہلے۔ حاکم و بیہقی۔

شجرہ طیّبہ خاندان عالیہ نقشبندیّہ مجدّدیّہ توکّلیہ

میر یوسف علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ بیعت ہونے کے بعد میں شاہ عبدالرسول صاحب والی مسجد میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے شجرہ طلب کیا۔ چنانچہ آپ نے ایک پنجابی زبان کا شجرہ منگا کر عنایت کیا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ پنجابی ہے۔ اگر اجازت ہو۔ تو میں خود شجرہ نظم کروں۔ فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ایسا شجرہ ہو کہ دعا کی دعا اور شجرہ کا شجرہ۔ ہم خرما و ہم ثواب۔ شجرہ میں آخر میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کے اسمائے مبارک بھی درج تھے۔ جب میں نے اپنا شجرہ لکھنا شروع کیا۔ تو اس میں تردد ہوا کہ یہ دو نام بھی رکھوں یا نہ رکھوں۔ بعد نماز مغرب چھاؤنی انبالہ میں اپنے مکان پر ایک تخت پر بیٹھ کر میں نے حضرت صاحب کی طرف رجوع کی۔ تو مجھے غنودگی آگئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ

لہ خدایا تو مجھے کفایت کر اپنے حلال کے ساتھ اپنے حرام سے اور مجھے بے نیاز کر دے اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔

حضرت صاحب تشریف لائے اور میں شجرہ سُنا رہا ہوں۔ پھر میں نے ان ناموں کے بارے میں استفسار کیا۔ فرمایا کہ ان ناموں کی ہمارے شجرہ میں ضرورت نہیں۔ جب کئی روز کے بعد حضرت جہانخیلاں سے واپس تشریف لائے اور میں نے ظاہر میں شجرہ سنایا اور پھر اُسی طرح استفسار عرض کیا۔ تب حضرت صاحب نے یہ جملہ فرمایا" کہہ دیا نا۔ ساڈے شجرہ میں ان ناموں کی ضرورت نہیں"
(تذکرہ توکلیہ۔ صفحہ ۷۰)۔ وہ شجرہ منظوم یہ ہے۔

رحم کر ہم پر خدا ذاتِ خدا کے واسطے ۔۔۔ شافعِ اُمّت محمد مصطفٰےؐ کے واسطے

بہرِ بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ علیؓ اصحابِؓ کل ۔۔۔ اہلِ بیت حسنینؓ حضرت مرتضٰےؓ کے واسطے

نفسِ امّارہ کے پھندے سے بچا پروردگار ۔۔۔ حضرتِ صدیقِ اکبر باوفا کے واسطے

الفتِ حق حبِّ احمد میں رہوں ثابت قدم ۔۔۔ حضرتِ سلمانِ فارس باخدا کے واسطے

مجھ کو مکروہاتِ دنیاوی سے تو محفوظ رکھ ۔۔۔ حضرتِ قاسم سراج الاولیاء کے واسطے

تشنہ لب ہوں جامِ وحدت سے مجھے سیراب کر ۔۔۔ جعفرِ صادق امام الاتقیاء کے واسطے

کر فنا فی اللہ مجھ کو بہرِ حضرت بایزید ۔۔۔ اُس ولیٔ طالبِ ذاتِ خدا کے واسطے

روز و شب ہو یاد تیری اے کریم کارساز ۔۔۔ بوالحسن خرقانیؒ بدر الدجیٰ کے واسطے

مجھ غریبِ خستہ دل کی دستگیری ہے ضرور ۔۔۔ قاسم گرگانیؒ نور الہدیٰ کے واسطے

ہمتِ عالی عطا فرما مجھے یا ذا الجلال ۔۔۔ بوعلیؒ صاحبِ دلِ پارسا کے واسطے

کر زلیخا کی طرح سرمستِ جامِ بیخودی ۔۔۔ خواجہ یوسف ہادیٔ شمس الہدیٰ کے واسطے

پردۂ چشمِ بصیرت کھول دے ربِّ کریم ۔۔۔ عبدِ خالق غجدوانی مقتدا کے واسطے

سختیٔ سکرات کو آسان کرنا اے رحیم — اُس محمد عارفِ صاحب ضیاء کے واسطے

گور میری نور سے بھرنا خدا اے ذوالکرام — حضرتِ محمودِ انجیر اولیا کے واسطے

کیا عجب گر پرسشِ منکر نکیر آسان ہو — بوعلی رامیتنیٔ بو العلیٰ کے واسطے

مومنوں میں حشر ہو میرا جنابِ کبریا — بابا سماسی محمد خوش ادا کے واسطے

آفتابِ حشر میں ہو مجھ پہ سایہ عرش کا — حضرتِ میرِ کلالِ اولیاء کے واسطے

نامہ اعمال مجھ کو ہاتھ سیدھے میں ملے — شہ بہاء الدین تاج الاولیاء کے واسطے

پلۂ نیکی ہو سنگیں عدل کے میزان میں — اُس علاء الدین شمس الاولیاء کے واسطے

عیب پوشی حشر میں کرنا میری ستار تو — خواجۂ یعقوبِ چرخی باوفا کے واسطے

برق کے مانند طے ہو جائے راہِ پلصراط — شہ عبید اللہِ احرار اولیاء کے واسطے

جامِ کوثر دے پلا دستِ محمدؐ سے مجھے — اُس محمد زاہدِ صاحب ضیاء کے واسطے

اور ہوں فردوس میں ہمسایۂ حضرت نبی — خواجہ درویشِ محمد پُر ضیاء کے واسطے

ہووے اہل اللہ میں یارب وہاں میرا شمار — خواجہ امکنگی ولی صاحب شفا کے واسطے

بعد اس کے ہو وہاں دیدارِ رب مجھ کو نصیب	باقیؒ باللہ مقبول الدعاء کے واسطے
آتشِ دوزخ کا ہو مجھ کو نہ کچھ خوف و خطر	شہ مجددِ الفِ ثانی ذو العطا کے واسطے
دین و دنیا میں مجھے خوشحال رکھنا اے خدا	حضرتِ معصوم مرشد رہنما کے واسطے
کر زباں کو سیف میری قلب کو پُر نور کر	خواجہ سیف الدین تاج الاصفیاء کے واسطے
نورِ عرفاں سے میرا دل کر منور اے خدا	حضرتِ نورِ محمد اولیاء کے واسطے
جو مرے فرزند ہوں سب ہوں تقی و پارسا	میرزا ئے جانجاناں پیشوا کے واسطے
بابِ رحمت کھول دے مجھ پر خداوندِ غفور	شہ غلام باعلی صاحب ہدیٰ کے واسطے
ذکرِ حق ہو روز و شب مونس میرا اے ذوالمنن	بو سعیدِ اولیاء نجم الہدیٰ کے واسطے
جز خیالِ نورِ حق کچھ دل میں گنجایش نہ ہو	شاہ مولانا شریف الاولیاء کے واسطے
حافظِ حاجی محمد شاہ محمود اللقب	آرزو بر لا میری اُس پارسا کے واسطے
شاہِ قادر بخش خواجہ خواجگاں حق کے شہید	بخش دے مجھ کو خدا اُس مقتدا کے واسطے
تیرے در پر آ پڑا ہوں اپنا کر لے اب مجھے	شہ توکل شاہ پیرِ رہنما کے واسطے

(یا الٰہی خاتمہ بالخیر ہو مجھ کو نصیب مولوی نور بخش با صفا کے واسطے)

ابرِ رحمت کی ہو یوسف پر ترشح حشر تک

اِستجب ھٰذا دعائی مصطفیٰ کے واسطے

تم الکتاب بعون الملك الوهاب. ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ؎

چشم دارم کز گنہ پاکم کنی پیش ازاں کاندر لحد خاکم کنی

اندراں دم کز بدن جانم بری از جہاں با نور ایمانم بری

ھٰذا و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰه رب العٰلمین۔ والصلوٰۃ و

السلام علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ اٰلہ و

اصحابه و اتباعه اجمعین

اورینٹل پریس۔ ۴ دربار مارکیٹ لاہور

مرتبہ

محمد صادق قصوری

عرضِ مؤلّف

مخدومی حضرت الحاج پیر سید محمد حسن شاہ صاحب قادری نوری ضیائی خلف الرشید و الامرت حضرت الحاج سید محمد معصوم شاہ صاحب قادری نوری سجادہ نشین چک سادہ شریف رحمۃ اللہ علیہ بانی نوری مسجد لاہور و نوری کتب خانہ لاہور نے حضرت علامہ نور بخش توکلی ایم اے رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف منیف "تذکرہ مشائخ نقشبند" کو دوسری بار طبع کرنے کا ارادہ کیا تو احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس تذکرہ کا ضمیمہ مرتب کر دیا جائے جس میں سلسلہ نقشبندیہ کی مختلف شاخوں کے بزرگانِ دین جو ماضی قریب میں منصبِ رشد و ہدایت پر جلوہ افروز رہ چکے ہیں، ان کے حالاتِ بابرکات مرقوم ہوں۔ چنانچہ شاہ صاحب موصوف کے ارشاد کی تعمیل کر دی گئی ہے امید ہے کہ میری اس ناتمام کوشش سے تذکرہ مشائخ نقشبند کی اہمیت و افادیت میں ضرور اضافہ ہوگا۔

تذکرہ مشائخ نقشبند، سلسلہ توکلیہ کے شجرۂ مبارکہ کے مطابق تصنیف کیا گیا تھا میں نے کسی ایک خانوادے کے شجرے کو مدِ نظر رکھ کر حالات نہیں لکھے، ضرورت اس امر کی ہے کہ پاک و ہند میں سلسلۂ نقشبندیہ کے جمیع خانوادوں کے اولیاء اللہ کے حالات سوانح نگاری کے جدید اصولوں کے مطابق لکھے جائیں اور یہ کام خاصا محنت طلب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمت دی تو اس ضرورت کو بھی انشاء اللہ پورا کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ تکملہ میں بزرگانِ دین کا تذکرہ ان کے سنِ وصال کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔

آخر میں میں یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر مجھے استاذی حضرت حکیم محمد موسیٰ صاحب چشتی نظامی امرتسری مدظلہ کی ہمہ وقتی سرپرستی و رہنمائی میسر نہ ہوتی تو شاید یہ کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچتا، اللہ تعالیٰ موصوف کا سایہ ملتِ اسلامیہ کے سر پر تا دیر سلامت رکھے، آمین،

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ
۱۸ ستمبر ۱۹۷۵ء
بروز جمعرات

محمد صادق قصوری
جماعت منزل۔ برج کلاں براہ قصور، ضلع لاہور

خواجہ فیض اللہ تیراہی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت علاقہ تیراہ (افغانستان) میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا نام قاضی خان محمد تھا۔ حصولِ علم کے بعد سپہ گری میں ملازم ہو گئے۔ فقراء اور درویشوں سے دلی لگاؤ تھا۔ اکثر و بیشتر ان کی خدمت میں لگے رہتے۔ ایک دن پہرے پر کھڑے تھے کہ ناگاہ حضرت سید حافظ جمال اللہ شکار کھیلتے کھیلتے ادھر سے گزرے اور ان کی نظر کیمیا اثر حضرت فیض اللہ پر پڑی تو یہ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت حافظ صاحب آپ کو کمال محبت سے اپنے ساتھ لے کر گھر گئے اور کچھ مدت کے بعد حضرت محمد عیسیٰ صاحب آپ کو اپنے خلیفۂ خاص کے سپرد کر کے خود رحلت فرما گئے۔

آپ صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ہزارہا لوگ آپ سے مستفید و مستفیض ہوئے۔ آپ کی وفات شریف ۸ ربیع الاول ۱۲۴۵ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع تیرئی شریف ملک تیراہ میں ہے۔ مادۂ تاریخِ وفات "درمنظومہ" ہے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے باباجی نور محمد سجادہ نشین ہوئے جن کا مزار چورہ شریف ضلع کیمبل پور میں ہے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :۔

۱۔ برکات علی پور از پیر خبر شاہ امرتسری

۲۔ انوارِ نقشبند از محمد اسماعیل ولد خوشی محمد ساندہ خورد لاہور

خواجہ غلام محی الدین قصوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت ۱۲۰۲ھ میں قصور میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا اسم مبارک حافظ غلام مصطفےٰ بن حافظ غلام مرتضیٰ تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ عم محترم شیخ محمد قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے پرورش کی۔ تحصیلِ علوم کے بعد اپنے چچا کے دستِ حق پر سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ پھر چچا کی وفات کے بعد حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلۂ نقشبندیہ کی اجازت و خلافت حاصل کی اور واپس قصور آ کر درس و تدریس اور نقشبندی مشرب کی اشاعت

کا کام شروع کر دیا۔ آپ کے فیضانِ نظر اور تربیت سے بڑے بڑے جید علماء پیدا ہوئے جن حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری، حضرت مولانا غلام نبی للّٰہی اور حضرت مولانا غلام مرتضےٰ بیربلوی کے نام توآسمانِ علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ آگے چل کر فیض کے ان خانوادوں سے روحانیت کے ایسے چشمے پھوٹے جن سے سارا ملک سرسبز و شاداب ہو گیا۔ ردِّ وہابیت میں آپ کے کارنامے رہتی دنیا تک یاد رہیں گے۔

آپ صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ادب و شعر میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ کا کلام عربی، فارسی اور اردو ادب کا بہترین مرقع ہے۔ آپ نے اس طوائف الملوکی کے دور میں جیسے ادب و شعر کے نمونے پیش کئے "تحفۂ رسولیہ" اور عربی خطبات تو اپنے زمانے کا ادبی اور علمی شاہکار ہے۔ آپ کی ذاتِ اقدس اس زمانے میں مرجعِ خلائق تھی۔

آپ کی وفات ۱۲ یا ۲۲ ذی قعدہ ۱۲۷۰ھ کو ہوئی اور قصور کے بڑے قبرستان میں مزار مبارک واقع ہے جس کے ساتھ ایک شاندار مسجد بھی بن چکی ہے۔ آج کل صاحبزادہ سیّد منیر احمد شاہ صاحب سجادہ نشین ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱۔ حدیقۃ الاولیاء از مفتی غلام سرور لاہوری

۲۔ سلسلۃ الاولیاء از مولانا غلام محی الدین کنجاہی (قلمی) مملوکہ پروفیسر قریشی احمد حسین احمد قلعداری گجرات۔

۳۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از صاحبزادہ محمد حسن نقشبندی مجددی۔

۴۔ انوار محی الدین از سید شبیر احمد شاہ قصوری۔

۵۔ تاریخِ قصور (انگریزی) از ڈاکٹر احمد بشیر۔

۶۔ تذکرہ علماء اہلِ سنت لاہور، از علامہ اقبال احمد فاروقی۔

۷۔ صوفیائے نقشبند از سید امین الدین احمد۔

۸۔ حیات مولانا غلام محی الدین قصوری مرتبہ محمد اقبال مجددی۔

۹۔ ماہنامہ سلسبیل لاہور (تذکرۃ الاولیاء جدید نمبر)

۱۰۔ انوار [illegible] از حکیم عبدالرسول

۱۰۔ ہفت روزہ الہام (مشائخ نمبر) بہاول پور۔

شاہ امام علی مکان شریف رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۲۱۲ھ میں مکان شریف (رتڑ چھتڑ) ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام سید حیدر علی شاہ تھا۔ فارسی کتب مولانا فقیر اللہ دین کوفی سے پڑھ کر حافظ محمد رضا صاحب اور مولانا نور محمد سے کتبِ درسیہ پڑھیں۔ شعر و شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ اعلیٰ حضرت شاہ حسین بھو رے والا نے مثنوی شریف پڑھنے کی تاکید فرمائی اور فرمایا کہ اس سے عمل و اعتقاد میں پختگی اور قلب میں صفائی اور جلاء اور روح کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت کے ارشاد پر مثنوی شریف کا مطالعہ شروع کر دیا اور دوسرے روز اعلیٰ حضرت نے آپ کو مثنوی شریف کے تین اشعار کی تشریح و توضیح کر دی جو آپ کے دل پر نقش ہو گئی۔ اس کے بعد آپ نے مثنوی شریف کا باقاعدہ درس لینا شروع کر دیا۔

سولہ برس کی عمر میں اعلیٰ حضرت شاہ حسین علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں سلوک و طریقت کی منزلیں طے کر لیں اور خلقِ خدا کی روحانی تربیت فرمانے لگے ہزاروں لوگوں نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔ مرشد کے بتائے ہوئے وظائف و اشغال پر تا زیست کاربند رہے۔ آپ وحدانیت کے روشن چراغ، علم و حکمت کے آفتاب اور سپہر قیومیت کے درخشندہ ستارے تھے۔ آپ کے قلب کو اللہ تعالےٰ نے ایسی جلا بخشی تھی کہ آپ کی مجلس میں کسی کو دل میں وسوسہ لانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اگر حاضرین میں سے کسی کے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہوتا تو آپ کے قلب پر فوراً اس کا عکس پڑ جاتا اور آپ اس کی اصلاح فرما دیتے۔

آپ سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا۔ آپ نے اپنے فیض سے مردہ دلوں کو زندگی بخشی اور زندوں کو پائندگی۔ آپ کے مریدین ذکر و شغل میں اتنی محویت رکھتے تھے کہ ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے نام سے ناآشنا تھے۔ آپ کی نظر کیمیا اثر سے نہ صرف مردہ دل ہی زندگی پاتے بلکہ لاعلاج مریض بھی شفا حاصل کرتے۔ مولانا روم ایسے ہی خرقِ عادات کے بارے میں فرماتے ہیں ؂

اکمہ و ابرص چہ باشد مردہ نیز
زندہ گردد از فسونِ آں عزیز

آپ کا وصال ۱۳ شوال المکرم ۱۲۸۲ھ کو ہوا مسجد کے قریب ہی حجرہ شریف میں آخری آرام گاہ بنی۔ آپ کے فرزند ارشد قیوم ثانی حضرت سید صادق علی شاہ خلیفہ و سجادہ نشین ہوئے۔

مولوی ابو محمد حسن شعری امرتسری نے تاریخ وفات اس آیت سے نکالی :

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

۱۲ ھ ۸۲

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱۔ صوفیائے نقشبند از سید امین الدین احمد۔

۲۔ سلسبیل لاہور (تذکرۃ الاولیاء جدید)

۳۔ تذکرہ مظہرِ مسعود از پروفیسر محمد مسعود احمد۔

۴ معیار السلوک از ہدایت علی نقشبندی

خواجہ نور محمد چورہ شریف رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نے ۱۱۷۹ھ میں اس جہان کو رونق بخشی۔ آپ حضرت خواجہ بابا فیض اللہ تیراہی کے فرزندِ ارجمند تھے تحصیلِ علوم کے بعد اپنے والدِ ماجد سے روحانی فیض حاصل کیا اور خلافت و اجازت سے بہرور ہوئے۔ آپ شریعت کے پابند، طریقت کے شہسوار اور معرفت کے بلند مقام پر فائز تھے والدِ ماجد کی وفات کے بعد افغانستان سے ہجرت فرما کر چورہ شریف ضلع کیمبل پور میں تشریف لے آئے اور خلقِ خدا کی روحانی تربیت فرمانا شروع کر دی۔

۱۳ شعبان ۱۲۸۶ھ میں آپ کا وصال چورہ شریف میں ہوا۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے بابا فقیر محمد سجادہ نشین ہوئے۔ مادۂ تاریخِ وفات "غفور" ہے

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱ برکاتِ علی پور شریف از خیر شاہ امرتسری۔ ۲۔ صوفیۂ نقشبند از حکیم امین الدین احمد۔ ۳۔ انوارِ نقشبند از محمد اسمٰعیل۔

۲۔ صوفیائے نقشبند — از سید امین الدین احمد
۳۔ انوارِ نقشبند — از محمد اسمٰعیل لاہور

خواجہ محمد خان عالم باؤلی شریف رحمۃ اللہ علیہ

آپ موضع کہری نزد ملکا پور رحتاں ضلع گجرات کے کھوکھر گھرانے میں پیدا ہوئے، رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد مستقل طور پر باؤلی شریف (گجرات جہلم جی ٹی روڈ پر) میں مقیم ہوگئے۔ آپ نے حضرت خواجہ نور محمد چوراہی کے خلیفہ حضرت ہادی محمد نامدار ساکن نھتیال شریف ضلع کیمبلپور کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ مرشدِ کامل نے آپ کی خدمات سے خوش ہو کر آپ کو خلافت بھی مرحمت فرمادی ۱۲۵۹ھ میں مرشدِ گرامی کی وفات کے بعد حضرت خواجہ نور محمد چوراہی سے بیعتِ ثانیہ کی۔

آپ بہت زیادہ شب بیدار اور عابد و زاہد تھے۔ بہت سی کرامات آپ سے منسوب ہیں جناب قاضی سلطان محمود صاحب اعوان شریف سے آپ کے بڑے گہرے تعلقات تھے راقم السطور کے پیر و مرشد حضرت علی پوری قدس سرہٗ اور حضرت ثانی لاثانی علی پوری علیہ الرحمۃ سے بھی آپ کے خصوصی تعلقات تھے، آپ کے بہت سے خلفاء ہوئے

آپ کی وفات حسرت آیات ۳ ذوالحجہ ۱۲۸۸ھ کو ہوئی۔ باؤلی شریف سے جنوبی جانب پر واقع ٹیلہ پر آپ کا مزار ہے۔ آپ کے صاحبزادگان و خلفاء کے مزارات بھی ساتھ ہی ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:۔

۱۔ ماہنامہ سلسبیل لاہور، نومبر ۱۹۷۳ء

خواجہ عبدالرسول قصوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری علیہ الرحمۃ کے فرزندِ ارجمند اور جانشین تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۳۵ھ میں شہر قصور میں ہوئی۔ بچپن ہی میں قرآنِ کریم حفظ کرلیا۔ علومِ ظاہری اپنے والدِ بزرگوار کے مدرسہ میں حاصل کئے اور روحانی تربیت بھی انہیں سے پائی اور پھر خلافت و اجازتِ سلسلہ نقشبندیہ سے بہرہ یاب ہوئے۔ عربی و فارسی زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ آپ اخلاقِ حمیدہ سے متصف تھے

سخاوت مزاج میں اس قدر غالب تھی کہ دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت پر ترجیح دیتے۔ کتب منقول پر اتنا عبور تھا کہ طلبہ کو دور بیٹھے پڑھاتے رہتے۔

غیر مقلدین کا رد آپ نے اس انداز سے کیا کہ وہ بوکھلا اٹھے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ کو بتایا کہ لاہور اور اس کے گرد و نواح کے غیر مقلد آپ کو گالیاں دیتے ہیں اور بُرے ناموں سے یاد کرتے ہیں، آپ نے فرمایا الحمدللہ! ان کا گالیاں دینا اس بات کی علامت ہے کہ مجھے اللہ تعالٰے نے اپنے بندوں میں شامل کر لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبانیں میرے خلاف کھلتی ہیں۔ ان لوگوں کی زبانیں اکثر اہل اللہ کے خلاف ہی وا ہوتی ہیں۔ میں ان لوگوں کا ممنون ہوں کہ مجھے سلسلۂ اہل اللہ میں منسلک سمجھنے لگے ہیں۔

آپ کی وفات ۲۱ محرم ۱۲۹۴ھ کو ہوئی اور قصور کے بڑے قبرستان میں دفن ہوئے۔
مولانا محبوب عالم سوہاروی علیہ الرحمۃ نے قطعہ تاریخ کہا ؎

پیر عبد الرسول فخر الدین — کرد رحلت بادرج علیین!
گفت عالم ز سالِ رحلتِ او — ساقیٔ کوثر رسولِ امین

۱۲ھ ۹۴

مزید حالات کے لئے دیکھیے:

۱۔ تذکرہ نقشبندیہ مجددیہ — از صاحبزادہ محمد حسن نقشبندی
۲۔ تذکرہ علمائے اہلسنت لاہور — از علامہ اقبال احمد فاروقی
۳۔ حدیقۃ الاولیاء — از مفتی غلام سرور لاہوری
۴۔ انوارِ مرتضوی — از حکیم عبد الرسول۔

سید محمود آغا کابلی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت سید میر جان کابلی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ بڑے بھائی کی تلاش میں لاہور پہنچے۔ بھائی سے ملاقات کے بعد ان کے پاس مستقل قیام نہ کیا بلکہ شالامار باغ میں شاہی حمام کے پاس والے برج میں رہنے لگے۔ آپ بھی ولی اللہ اور مجذوب تھے۔ مستی کی حالت میں رہتے تھے اور حضرتِ

ایشاں علیہ الرحمۃ کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپ فارسی زبان میں شعر کہتے اور تراب تخلص فرماتے تھے۔ حسبِ عادت آپ خانقاہ میں تشریف لاتے اور جوشِ عقیدت میں مندرجہ ذیل پڑھا کرتے ؎

بدہ دستِ یقیں آ دل کہ شاہِ رہنما اینجا ۔۔۔ مے اینجا وحدت اینجا ساقی مشکل کشا اینجا
نہ تا بم سر ازیں درگاہ بروئے مدعی ناداں ۔۔۔ سر اینجا سجدہ اینجا بندگی اینجا خدا اینجا
مکن گردن کشی باخود بزن چنگل بدامانش ۔۔۔ محمد مشرب اینجا جامۂ یوسف لقاء اینجا
بخاک درگہش خوکن اگر مقصود مے خواہی ۔۔۔ تراب اینجا شراب اینجا کباب اینجا ہدا اینجا

آپ کے عارفانہ کلام میں سوز و گداز، درد و محبت، جوشِ عقیدت اور مستی نمایاں ہے۔ شالامار باغ کا انگریز نگران باغ میں آپ کی موجودگی گوارا نہیں کر سکتا تھا اور طرح طرح سے تنگ کرتا تھا آخر آپ شالامار باغ چھوڑ کر اپنے بھائی سید میر جان کابلی کے پاس خانقاہ حضرتِ ایشاں میں چلے گئے پھر کچھ عرصہ کے بعد امرتسر تشریف لے گئے اور اپنے مریدوں کے ہاں قیام کیا اسی دوران میاں امین الدین باغبانپوری بیل خریدنے کی غرض سے میلہ مویشیاں امرتسر میں گیا۔ جب وہ بازار سے گزر رہا تھا تو اتفاقاً آپ کی نظر اس پر پڑی۔ اپنے مریدوں میں سے ایک کو کہا کہ جاؤ اس مسافر کو میرے پاس لاؤ۔

میاں امین الدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آداب بجالایا۔ آپ نے دعا فرمائی اور پوچھا کہ شاہی حمام والے بُرج کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا، حضرت آپ کے چلے جانے کے بعد وہ گر گیا، نگران اور ناظم دونوں مصیبت میں مبتلا ہیں، حکومت ان پر سختی کر رہی ہے۔ آپ ان کی بھلائی کے لئے دعا فرمائیں۔

آپ کی وفات ۱۱ر ذوالحجہ ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں ہوئی۔

مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو :

۱۔ تذکرہ حضرتِ ایشاں از میاں اخلاق احمد ایم۔ اے

خواجہ غلام نبی للٰہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت کی ولادت للہ شریف ضلع جہلم میں ۱۲۴۷ھ میں ہوئی۔ صرف ونحو، قطبی، شرح وقایہ، خیالی وغیرہ اپنے بزرگوار اور بعض دیگر علمائے قرب وجوار سے پڑھیں۔ بعدازاں پشاور میں حضرت مفتی محمد احسن مرحوم اور حافظ دراز صاحب سے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ حاصل کئے۔ فراغت کے بعد واپس دولت خانہ پر آکر مسند آرائے درس وتدریس ہوئے۔ تلاشِ مرشد میں پھرتے پھرتے حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ بعدازاں اجازت وخلافت حاصل کر کے خدمتِ مذہبِ حق میں مصروف ہو گئے۔

حفظِ قرآن مجید کا خیال آیا تو صرف چھ ماہ میں حفظ کر لیا۔ طلباء کو نہایت پیار سے پڑھاتے۔ روزانہ بعد نمازِ عصر وعظ فرمایا کرتے جس میں وہابیوں، نیچریوں اور رافضیوں کی نہایت مذمت فرماتے تھے۔ زندگی نہایت سادہ اور سنت کے مطابق گزاری۔ دین کے کاموں میں کوتاہی یا نرمی بالکل نہ ہوتے تھے اور نہ ہی اسے برداشت کرتے۔ کئی مرتبہ وہابیوں بدمذہبوں نے آپ پر مقدمے دائر کئے مگر آپ بفضلِ خدا آخرِ کار فتحیاب ہوتے رہے۔ آپ سے بہت سی کرامات بھی صادر ہوئیں۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۲۱ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ کو ہوئی، مزار شریف للہ شریف میں مرجعِ خواص وعوام ہے۔ صاحبزادہ مطلوب الرسول صاحب آپ کے سجادہ نشین ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱۔ تذکرہ نقشبندیہ مجددیہ — از صاحبزادہ محمد حسن نقشبندی۔

۲۔ انوارِ مرتضوی — از حکیم عبدالرسول

بابا فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قبلہ بابا صاحب چورہ شریف ضلع کیمبل پور میں پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کا اسم گرامی حضرت خواجہ نور محمد تیراہی تھا جو اپنے وقت کے ولی کامل تھے۔ آپ نے علوم مروجہ اپنے والدِ ماجد سے پڑھے اور باطنی فیوضات بھی انہیں سے حاصل کئے۔ والدِ ماجد کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کو

چوره خانوادۂ فقر کی اجازت وخلافت حاصل تھی لیکن زیادہ تر سلسلۂ نقشبندیہ اور سلسلۂ قادریہ کی اشاعت فرمائی۔ اکثر طالبوں کو ایک ہی نگاہ میں صاحبِ ارشاد بنا دیا۔ پنجاب کے طول وعرض میں آپ کے ارادتمندوں کا جال بچھا ہوا ہے۔

آپ کے ارادتمندوں میں حضرت امیرِ ملت محدث علی پوری، حضرت ثانی لاثانی علی پوری، بابا محمد خان عالم باؤلی شریف اور حافظ عبدالکریم عیدگاہ راولپنڈی بہت مشہور ہیں۔ آپ صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے۔ قصیدہ بردہ شریف کے اکثر ومبیشتر اشعار وردِ زبان رہتے تھے۔ دنیادی جاہ وجلال سے سخت متنفر تھے۔

۲۹ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ کو چورہ شریف میں انتقال فرمایا۔ ہر سال عرس مبارک بڑی آب و تاب سے منایا جاتا ہے۔

مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو :۔

۱۔ برکات علی پور شریف   از خیر شاہ امرتسری
۲۔ ماہنامہ سلسبیل لاہور   (تذکرۃ الاولیاء جدید نمبر)
۳۔ ہفت روزہ الہام بہاولپور (مشائخ نمبر)
۴۔ انوارِ نقشبند   از محمد اسمٰعیل لاہور

مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ محلہ چلہ بیبیاں اندرون موچی دروازہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کا اسمِ گرامی مولانا حسن بخش صدیقی تھا۔ والدِ ماجد نے بڑے اہتمام سے تعلیم دلائی۔ آپ قرآنِ پاک نہایت خوش الحانی اور قرارت سے پڑھتے تھے۔ آپ نے اپنی ذہانت و فطانت کی بدولت اپنے استاد خواجہ غلام محی الدین قصوری کو بڑا متاثر کیا۔ چنانچہ حضرت نے اپنی بیٹی کی شادی آپ سے کردی۔ آپ کی علمی قابلیت کی شہرت دورِ طالب علمی سے مسلمہ تھی۔ فارغ التحصیل ہو کر آپ نے اعتقادی نکھار کے لئے بڑی پامردی سے کام کیا اور سارے ہندوستان نے آپ کا لوہا مانا۔ آپ انجمن حمایت اسلام لاہور کے شعبۂ تصانیف کے انچارج مقرر ہوئے جہاں آپ نے عیسائیوں کے رد میں بہت سی کتابیں لکھ کر

ان کا ناطقہ بند کر دیا۔

انگریز حکومت نے وہابی، نیچری، دیوبندی، رافضی اور مرزائی فرقوں کی خوب حوصلہ افزائی کر کے اسلام کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی۔ ان فتنوں کی بیخ کنی کے لئے آپ ہر شہر اور ہر قصبہ میں پہنچے، مناظروں کے لئے ہر محاذ پر ڈٹ جاتے۔ بداعتقاد مناظرین کو شکست دینے کے بعد موضوعِ مناظرہ پر مفصل کتاب لکھتے اور مفت تقسیم کرتے۔ پنجاب بھر میں آپ قریہ قریہ گئے اور لوگوں کے سینوں کو نورِ سنیت سے معمور کرتے گئے۔ وہابی منہ چھپاتے پھرتے تھے، دیوبندی آپ کی آمد کا سنکر علاقہ چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے مرزائی، نیچری اور عیسائی ان کی للکار سے گھبرا جاتے تھے۔ پنجاب کے لوگوں نے ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت بریلوی کو دعوت دی تو آپ نے فرمایا "وہابیوں کے مرکوب مولانا غلام دستگیر کے ہوتے ہوئے مجھے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ہدایۃ الشیعین تحفۂ دستگیریہ بہ جواب اثنا عشریہ، عمدۃ البیان فی اعلان مناقب نعمان، تقدیس الوکیل تحقیق صلوٰۃ جمعہ، جواب اعتراضات بر تحفۂ رسولیہ، مخرج عقائد نوری بجواب نغمۂ طنبوری آپ کی مشہور زمانہ یادگار ہیں۔

بہاول پور میں آپ نے مولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی کو ایک مناظرہ میں شکست دے کر ریاست بدر کرا دیا۔ مرزائیوں کو بھی کئی دفعہ شکست دی۔

آپ کی وفات ۱۳۱۵ھ میں قصور میں ہوئی۔ قصور کے بڑے قبرستان میں خواجہ غلام محی الدین قصوری کے پاس ہی دفن ہوئے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ تذکرہ علمائے اہلسنت لاہور از علامہ اقبال احمد فاروقی۔

۲۔ تقدیس الوکیل (مقدمہ)

میر جان کابلی رحمۃ اللہ علیہ

اسمِ گرامی سید میر جان، لقب بڑے شاہ صاحب تھا۔ آپ سید میر حسن بن عبید اللہ کے فرزند ارجمند تھے۔ وطن کابل تھا۔ سلسلۂ نسب ننھیال کی طرف سے حضرتِ ایشاں کے ساتھ ملتا ہے۔ ابتدائی

تعلیم و تربیت کابل میں پائی۔ فراغت کے بعد تبلیغِ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ لاہور تشریف لانے سے پہلے آپ نے دور دراز ممالکِ اسلامیہ کی سیر کی۔ سلسلۂ نقشبندیہ کو فروغ دیا۔ آپ نے مولانا سید احمد یار بخاری اوچی ثم امرتسری خلیفہ حضرت شیخ محمد شریف قندھاری نقشبندی مجددی سے بیعت کر کے اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔ آپ جامعِ کمالاتِ ظاہری و باطنی اور کاشفِ اسرارِ طریقت و حقیقت تھے۔ فقر اور استغنا میں بے مثال و بے عدیل تھے۔ اکثر افراد آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حسبِ عادت آپ مسجد کے محراب میں تشریف رکھتے اور طالبانِ رشد و ہدایت کا کثیر اجتماع آپ کے ارد گرد رہتا۔ آپ علومِ قرآن و حدیث، اشاعتِ دینِ اسلام، احکامِ شریعت کی اتباع، ریاضت و عبادت، مراقبہ، ذکر و فکر، سماع سے اجتناب، غیر شرعی امور سے احتیاط، جوشِ تبلیغ اور اعلاءِ کلمۃ الحق کی ہدایت کرتے۔ تقریباً تیس سال تک لاہور میں آپ کا فیضان جاری رہا۔ خلقِ کثیر نے آپ سے علمی اور روحانی تربیت حاصل کی یہ سب حضرت ایشاں کی خاص توجہ اور فیضان کا اثر تھا۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری اور مولانا غلام قادر بھیروی خطیب بیگم شاہی مسجد لاہور عموماً جمعرات یا جمعہ کے روز تشریف لاتے، مسجد کے محراب کے پاس بیٹھ جاتے اور آپ کے ارشاداتِ گرامی سے محظوظ ہوتے۔ مسجد کے پاس ہی ایک عمارت میں جسے نواب یحییٰ خان نے تعمیر کرایا تھا، فاتحہ خوانی اور ختمِ خواجگان ہوا کرتا تھا۔

آپ کی وفات یکم شعبان ۱۳۱۹ھ/۱۳ر نومبر ۱۹۰۱ء کو ہوئی۔ مزار مبارک حضرتِ ایشاں کے مزار کے مشرقی پہلو میں ہے۔ کتبہ پر یہ شعر لکھا ہوا ہے ؎

کاملاں را نور دیدہ جانِ جاناں عارفاں
نورِ چشمِ خواجگان نام پاکش نیر جہاں ۱۳۱۹

مزید حالات کے لئے دیکھئے:۔

۱۔ تذکرہ حضرت ایشاں — از میاں اخلاق احمد ایم اے/ایم او ایل لاہور
۲۔ لاہور میں علمائے نقشبند کی سرگرمیاں — از محمد دین کلیم

خواجہ غلام مرتضٰی بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ۱۲۵۱ھ میں بمقام بیربل ضلع سرگودھا میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم شریف مولانا محمد اسلم تھا جو نہایت متقی پرہیزگار اور عالم باعمل تھے۔ آپ کا گھرانہ کئی پشتوں سے علم وفضل کا گہوارہ چلا آتا تھا۔ آپ کی ولادت سے پہلے ایک بزرگ نے آپ کے والد ماجد کو آپ کی پیدائش اور علو مرتبت کی بشارت دی تھی۔ حفظ قرآن کے بعد ابھی فارسی کی ابتدائی کتب ہی پڑھ رہے تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ بعد از وصال والد ماجد آپ للہ شریف ضلع جہلم میں حضرت خواجہ غلام نبی للّٰہی سے اکتساب علم کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ دوران تعلیم ہی حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری سے بیعت ہو گئے۔

اٹھارہ سال کی عمر میں علوم دینیہ حاصل کرنے کے بعد واپس وطن مالوف پہنچے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ کا شہرہ سُن کر دور و نزدیک سے طالبان علم کشاں کشاں آنے لگے اور اپنی پیاس بجھانے لگے۔ حضرت للّٰہی کی حیات تک کسی کو مرید نہ کیا۔ ان کی وفات کے بعد بیعت کا دروازہ کھول دیا اور درس وتدریس کا کام بڑے صاحبزادے حضرت ثانی خواجہ احمد سعید (والد ماجد قطب العالم خواجہ محمد عمر بیربلوی) کے سپرد کر دیا۔ سینکڑوں بندگان خدا نے آپ سے فیض حاصل کیا۔

اتباع سنت کا التزام تمام عمر رہا۔ گفتار، کردار، رفتار، لباس، پوشاک، نوافل واوراد میں ہمیشہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پیش نظر رہی۔ سخاوت میں حاتم طائی تھے۔ رقیق القلب تھے لیکن ہیبت ایسی تھی کہ بڑے بڑوں کو آپ کے سامنے دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

آپ ایک عظیم کتب خانہ کے مالک تھے۔ آپ کی وفات ۱۵ رجب المرجب ۱۳۲۱ھ بروز بدھ ہوئی اور بیربل شریف میں اپنی بنا کردہ مسجد کے قریب ہی دفن کئے گئے۔ مزار مبارک زیارت گاہ خواص وعوام ہے۔

آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ احمد سعید اور ان کے بعد آپ کے پوتے خواجہ محمد عمر سجادہ نشین ہوئے۔ آج کل خواجہ محمد عمر کے صاحبزادے حضرت خالد سیف اللہ مدظلہ العالی سجادہ نشین ہیں۔

مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو :

۱۔ صوفیائے نقشبند از سید امین الدین احمد

۲۔ ماہنامہ سلسبیل لاہور (تذکرۃ الاولیاء حدید نمبر)

۳۔ ہفت روزہ الہام بہاولپور (مشائخ نمبر)

۴۔ انوارِ مرتضوی از حکیم عبدالرسول

خواجہ غلام مرتضیٰ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت مبارکہ ۱۲۱۸ھ کے لگ بھگ موضع بھینی ضلع شیخوپورہ میں ہوئی پھر آپ نے موضع قلعہ لال سنگھ ضلع شیخوپورہ میں سکونت اختیار کرلی حصولِ تعلیم کے لئے ریاست بہاول پور میں گئے۔ اور علومِ متداولہ میں مہارتِ تامہ حاصل کرکے واپس آئے اور حضرت میاں بدرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ چوہنگ ضلع لاہور کے دستِ اقدس پر بیعت کی۔ برسوں بلا ناغہ مرشدِ گرامی کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور مرشد کی ہدایات پر عمل پیرا رہے۔ آپ نے اپنے زہد و عبادت کو ذریعۂ معاش نہیں بنایا بلکہ اپنی اراضی خود کاشت کرکے پیٹ پالتے رہے۔

۱۲۵۵ھ میں لاہور تشریف لے آئے اور بستی بلیہ رام (عثمان گنج) کے باہر دو حجرے تعمیر کرکے تبلیغِ اسلام شروع کردی۔ ہزارہا مخلوق آپ سے فیض یاب ہوئی۔ آپ کے ہمعصروں میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری، امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی بہت مشہور ہیں۔ آپ کے خلفاء میں آپ کے صاحبزادے خواجہ نور محمد اور حضرت مہر محمد صوبہ لاہوری بہت معروف ہوئے۔

۲۱ر فروری ۱۹۰۳ء کو آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا عثمان گنج میں آپ کا مزارِ مقدس آپ کے مریدین و متوسلین کے لئے باعثِ تسکین ہے۔

مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو :-

۱۔ انوارِ مرتضائیہ

۲۔ لاہور میں علمائے نقشبند کی سرگرمیاں از محمد دین کلیم

۳۔ داستان ارائیں قوم از علی اصغر چوہدری

مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت کے خاندان کا اصل وطن قصبہ ملانوالی ضلع ہردوئی تھا۔ آپ کے خاندان میں ایک مشہور اور خدارسیدہ بزرگ حضرت شیخ محمد رضوان گزرے ہیں۔ اسی برگزیدہ خاندان میں آپ کی ولادت یکم رمضان المبارک ۱۲۱۳ھ کو ہوئی۔ آپ مادرزاد ولی تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ کے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسحٰق دہلوی سے تکمیل حدیث کی اور مشہور زمانہ بزرگ حضرت شاہ محمد آفاق علیہ الرحمۃ سے بیعت کی اور اپنے وطن واپس جاکر شادی کی۔

اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد گنج مراد آباد تشریف لے گئے اور مستقل رہائش اختیار کر لی اور خلقِ خدا کی روحانی تربیت شروع کر دی۔ اگرچہ آپ کو سخت آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ نے ہمت نہ ہاری۔ سینکڑوں علماء و مشائخ نے آپ سے حدیثِ پاک کا درس لیا۔ میرے پیر و مرشد حضرت محدث علی پوری قدس سرہ بھی آپ ہی کے فیض یافتہ تھے۔ آپ بہت عابد و زاہد اور سخی تھے۔ غریبوں کی مدد کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

آپ کی وفات ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو ہوئی۔

مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو:۔

۱۔ سیرتِ امیرِ ملت — از صاحبزادہ اختر حسین و پروفیسر محمد طاہر فاروقی
۲۔ تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان — از مفتی ولی حسن ٹونکوی

حاجی سید محمد اکبر دانشمند داناپوری رحمۃ اللہ علیہ

ولادتِ باسعادت ۲۷ شعبان المعظم ۱۲۶۰ھ بروز چہارشنبہ بوقت اشراق محلہ نئی بستی اکبر آباد (آگرہ) میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا اسم مبارک سید شاہ محمد سجاد قدس سرہ تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی ولادت کے چالیس روز بعد آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو حضرت سیدنا امیر ابوالعلاء قدس سرہ کے مزار پر لیکر حاضر ہوئیں اور کچھ دنوں تک وہیں قیام فرمایا۔

پانچ سال کی عمر میں آپ کے تایا جان حضرت سید الطریقہ سید محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی

رسم بسم اللہ ادا کی اور خود ہی علوم ظاہری کی تعلیم بھی فرمانا شروع کی۔ علوم ظاہری کی تکمیل حضرت سید الطریقہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہی آپ کی باطنی تربیت فرمائی۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد آپ نے حضرت موصوف کے دستِ اقدس پر ہی بیعت کر لی اور ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۸۱ھ میں آپ اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ آپ کی شادی حضرت صوفی سید شاہ ولایت حسین دلاوری دائمی گولکھ پوری عظیم آبادی کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ آپ کے خسر محترم نے بھی اجازت و خلافت عنایت فرما دی اور اپنے خاندانی تبرکات مرحمت فرما دیئے۔

۱۸ ذی قعدہ ۱۲۹۸ھ کو آپ کے والد گرامی حضرت شاہ محمد سجاد قدس سرہ کی رحلت ہوئی تو بالاتفاق آپ سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ حضرت شاہ محمد یحییٰ ابو العلائی عظیم آبادی نے تاریخ سجادہ نشینی ارشاد فرمائی ؎

چوں شد حامل سر سجاد اکبر — بہ جمع کہ اجماع اہل نظر شد
سپردند تسبیح سجاد او را — مفوض بہ حقدار حق سر بسر شد
رقم کرد تاریخ یحییٰ مسکیں — ہمایوں پسر جانشین پدر شد
۱۲۹۸ھ

مندرجہ ذیل تصانیف آپ کے تبحرِ علمی کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

۱۔ خدا کی قدرت
۲۔ تحفۂ مقبول
۳۔ مولدِ غریب
۴۔ اخبار العشق
۵۔ سرمۂ بینائی
۶۔ شورِ قیامت
۷۔ مولدِ فاطمی
۸۔ چراغِ کعبہ
۹۔ دل
۱۰۔ ادراک
۱۱۔ ارادہ
۱۲۔ مثنوی روح
۱۳۔ رسالہ غریب نواز
۱۴۔ رسالہ التماس
۱۵۔ تاریخ عرب
۱۶۔ نذرِ محبوب

ؔ آپ کے والدین آپ کی پیدائش سے قبل دانا پور سے ہجرت فرما کر آگرہ چلے گئے تھے۔

۱۷. اشرف التواریخ (تین جلدوں میں) ۲۰. چہل حدیث

۱۸. سیر دہلی ۲۱. دیوان تجلیات

۱۹. احکام نماز ۲۲. دیوان جذبات اکبر

۱۴ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ بروز دوشنبہ بوقت عصر سترسٹھ برس کی عمر پاکر آپ نے وفات پائی اور دانا پور کی مسجد کے صحن میں دفن ہوئے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱. بزم ابوالعلاء (حصہ دوم) از محمد عبدالمنعم

خواجہ امیرالدین کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ صاحب ۱۲۰۷ھ/ ۱۷۹۰ء میں موضع دھرم کوٹ (نزد مکان شریف ضلع گورداسپور) میں متولد ہوئے۔ قوم کے ککے زئی تھے۔ اوائلِ عمری میں ہی حضرت خواجہ امام علی شاہ مکان شریفی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو گئے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب آپ پر بہت مہربان تھے۔ خواجہ صاحب کی سفارش پر آپ تھانیدار بھرتی ہو گئے۔ حضرت صاحب نے آپ کو دریا پہ وظیفہ پڑھنے کا حکم دیا جہاں آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور اس عرصہ میں آپ کو بہت سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا موقع ملا۔

اس اراضی میں کوٹلہ شریف جیسے مرکزِ علم و عرفان کا ظہور ہوا۔ آپ نے حضرت خواجہ صاحب کے حکم سے اس زمین کو آباد کیا۔ دیہاتی لوگوں نے گوناگوں مشکلات پیدا کیں مگر آپ کے عزمِ صمیم کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔ آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ شرقپور شریف میں ایک شیر مرد پیدا ہوگا اس لئے آپ ہر سال شرقپور شریف تشریف لاتے تھے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ خداوند جب مجھ سے سوال کرے گا کہ تم دنیا سے کیا لائے ہو تو میں عرض کردوں گا کہ میں دنیا سے شیر محمد کو لایا ہوں۔ آپ ہر کسی کو رخصت کرتے وقت اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر فرماتے " جان و مال خدا کے حوالے۔"

ایک سو تیئس سال کی عمر میں آپ پر فالج گرا اور ایک سو پچاس سال کی عمر میں ۱۹۱۲ء میں اس

عالمِ فانی سے کوچ فرما گئے۔ مزارِ مقدس کوٹلہ شریف (کوٹلہ بچو بیگ) نزد چوہڑ کانہ ضلع شیخوپورہ میں زیارت گاہِ خواص و عوام ہے۔ جناب میاں خورشید عالم صاحب سجادہ نشین ہیں۔

مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو :۔

۱۔ خزینۂ معرفت — از صوفی محمد ابراہیم قصوری

۲۔ تاریخ ککے زئی — از غلام کبریا خاں

مولانا پیر محبوب احمد الملقب بہ خیر شاہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

آپ امرتسر کے رہنے والے تھے۔ بڑے عالم، بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ حضرت محدث علی پوری کے خاص خلفاء میں سے تھے۔ آپ نے حضرت کی معیت میں بکثرت تبلیغی دورے کئے اور گاؤں گاؤں جاکر تبلیغ و ارشاد کی شمع فروزاں کی۔ آپ نے دکن، میسور، کالی کٹ وغیرہ دور دراز علاقوں میں ایسی شاندار خدمات تبلیغ انجام دیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

آپ فنِ مناظرہ میں طاق تھے۔ بیسیوں مناظروں میں آپ نے مخالفین کو شکست دی اور ہزاروں آدمی آپ کے دستِ حق پرست پر تائب ہو کر سلسلۂ عالیہ میں داخل ہوئے۔ آپ کا مستقل قیام امرتسر میں رہا۔

رحلت ۹ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ کو ہوئی۔ مزار مبارک امرتسر میں ہے۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں :

۱۔ برکاتِ علی پور شریف

۲۔ الکتاب المجید فی وجود التقلید

۳۔ السیوف البارقہ الملقب بہ تیغِ براں بر دشمنِ سبحاں

۴۔ ناصر علی بر دشمنِ سید جماعت علی (صفحات ۳۲ مطبوعہ امرتسر ۱۳۲۹ھ)

۵۔ شرح اورادِ فتحیہ

۶۔ الفضل من اللہ علی من قرء شیئاً للہ

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱۔ سیرتِ امیرِ ملت   از صاحبزادہ اختر حسین و پروفیسر محمد طاہر فاروقی
۲۔ تذکرہ علمائے (احناف) امرتسر   از حکیم محمد موسیٰ امرتسری
۳۔ الفقیہ امرتسر ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء

مولانا شاہ نثار علی نثار اکبرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ آگرہ میں پیدا ہوئے والد کا نام سید مشتاق علی (ایڈووکیٹ ہائیکورٹ) بن سید سعادت علی قادری (کوتوال شہر آگرہ) تھا۔ عربی، فارسی، اردو، ہندی اور سنسکرت زبانوں پر عبور حاصل کیا۔ شاعری میں مرزا حاتم علی بیگ مہر، سید شاہ محمد اکبر دانشمند داناپوری سے تلمذ حاصل کیا۔ حضرت فرد الاولیاء شاہ محمد اکبر دانشمند داناپوری رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت فرمائی۔ منازلِ سلوک طے کرنے کے بعد اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔

آپ کی زندگی بہت سادہ تھی۔ چوگوشی ٹوپی اور انگرکھا آپ کا لباس تھا۔ فنِ شاعری کو آپ نے اس درجہ معراج عطا فرمایا تھا کہ لوگ آپ کی تقلید کرتے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں بیدم شاہ وارثی، مرزا مظفر اکبرآبادی، سراج اکبرآبادی، مفید اکبرآبادی وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ بطورِ تبرک آپ کی ایک نعت نقل کی جاتی ہے:—

لب کھولتا ہوں نعتِ سلطانِ ذوالمنن میں — یارب زبان اپنی دیدے مرے دہن میں
مدحت سرا ہے گویا اس کا ہر انجمن میں — بلبل چہک رہا ہے فردوس کے چمن میں
ہے رام رام لب پہ دل ہیں خدا خدا ہے — بیٹھا ہوں بت کے آگے امیدِ بت شکن میں
پڑھ کر درود ادب سے بھیجو سلام ان پہ — آنکھیں بچھاؤ حضرت آتے ہیں انجمن میں
ہے ڈوبنے کو آؤ بہرِ خدا بچاؤ — اے فخرِ نوح بیڑا امت کا ہے کٹھن میں
اٹھو نثار تو تو میں میں، میں کیا پڑا ہے — کب تک پڑے رہوگے بیکار ما و من میں

آپ کی دو کتابیں یادگار ہیں:—

۱۔ معنوی مذاقِ عشق
۲۔ دیوانِ نثار (غیر مطبوعہ)

آپ کی وفات ۱۴ر شعبان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں ہوئی اور احاطہ درگاہ میں دفن کئے گئے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :-

۱- بزم ابوالعلا (حصہ دوم) از محمد عبدالمنعیم انجم ظفر آبادی

پیر عبدالغفار شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت کشمیر میں ہوئی۔ والد کا نام پیر احمد شاہ بن پیر مصطفےٰ شاہ بن نور شاہ بن فاضل شاہ بن عبدالوہاب بن عبدالغفار شاہ بن طاہر شاہ بن یعقوب شاہ بن شیخ عبداللہ بن شیخ مسعود ہے۔ آپ کی عمر ابھی گیارہ سال کی تھی کہ آپ کے والدِ ماجد لاہور تشریف لے آئے۔ آپ اس وقت کے ایک دینی مدرسہ واقعہ مسجد بکن خاں اندرون موچی دروازہ لاہور میں داخل ہوئے۔ حضرت قبلۂ عالم امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اسی سال فارغ التحصیل ہوئے جس سال پیر صاحب کو دستارِ فضیلت ملی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے ۷ر جنوری ۱۹۱۵ء کو مسجد تکیہ سادھواں لاہور میں مدرسہ عالیہ غوثیہ کی بنیاد رکھی۔ دین پسند طبقوں نے اس ادارہ کی بڑی قدر کی۔ لاہور کے مشہور و معروف بزرگ اور مصنف مولانا نبی بخش حلوائی علیہ الرحمۃ بھی اسی مدرسہ کے طالب علم تھے۔ شہر کے اکثر علمائِ کرام مثلاً مولانا احمد علی شاہ بٹالوی، مولانا نور بخش توکلی، مولانا اصغر علی روحی، مولانا تاج الدین قادری آپ کے مدرسہ میں آکر قلب و فکر کی یکسوئی حاصل کرتے۔ زعمائے شہر آپ کے مدرسہ کی سرپرستی فرماتے معاصرین علماء اعزازی طور پر تدریس میں ہاتھ بٹاتے۔ ملک کے اس عظیم الشان ادارہ نے اہلِ سنت و جماعت کے اذہان و افکار ہی کو فروغ نہیں بخشا بلکہ قلوب و وجدان کو بھی دولتِ ایقان و ایمان بخشی۔ آپ کی بیعت حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب کشمیری زینہ کدلی (المتوفی ۳ر ربیع الاول ۱۳۲۸ھ) سے تھی۔

آپ بڑے متوکل اور بابرکت بزرگ تھے۔ ساری عمر کسی امیر کے دروازے پر نہیں گئے اور لاہور بھر کے علماء آپ سے الگ نہیں ہوئے۔ کبھی دستِ سوال دراز نہیں کیا اور زندگی بھر کسی کا دستِ تمنا خالی نہیں لوٹایا۔ آپ کا دسترخوان دوست، دشمن، فقیر، امیر، مسافر و مقیم سب کے لئے یکساں طور پر کشادہ تھا۔ خطۂ کشمیر کے بے کس و بے بس نووارد اسی چشمۂ رحمت سے سیراب ہوتے۔ خود پیر تھے، عالم تھے مگر

کسی کو مرید نہ بناتے، اس کے باوجود آپ کے عقیدتمندوں کا سلسلہ لاہور، امرتسر، جموں، پونچھ اور کشمیر سے لے کر افغانستان و ایران تک پھیلا ہوا تھا۔

آپ کی تصانیف جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کے لئے وقف رہیں۔ اس موضوع پر آپ کو دنیا کے کسی خطہ سے بھی صلوٰۃ وسلام کا مجموعہ ملا تو آپ نے اسے حاصل کر لیا اور محفوظ کر کے طبع کرا دیا تاکہ اس کی اشاعت عام ہو سکے۔ آپ اپنی ایک قلمی تالیف "خزائن البرکات" (محررہ ۱۳۲۸ھ) کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :

للناس شغل ولی شغل فی تصور النبی صلی اللہ علیہ وسلم ؎

بود در جہاں ہر کسے را خیالے

مرا از ہمہ خوش خیال محمد

آپ نے لاہور ہی میں ایک سید زادی سے شادی کی مگر دو سال بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا اور پھر آپ نے مجرد زندگی بسر کی۔ آپ کے اکلوتے بیٹے پیر محمد اشرف (م ۱۳۸۴ھ) آپ کی یادگار بنے۔

آپ کا لباس سادہ، کشمیری ٹوپی، لمبا پیرہن اور تہبند پر مشتمل ہوتا تھا۔

آپ بروز چہارشنبہ موٴرخہ ۱۷ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں رحلت فرما گئے۔ قبرستان میانی صاحب نزد باغ گلبدن بیگم میں استراحت فرما ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱۔ تذکرہ علمائے اہلسنت لاہور — از علامہ اقبال احمد فاروقی

۲۔ نقوش لاہور نمبر

۳۔ تذکرہ اسلاف — از مولانا بہاء الحق قاسمی

شاہ ابوالخیر محی الدین عبداللہ مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۲۷ر ربیع الثانی ۱۲۷۲ھ میں خانقاہ مظہریہ سعیدیہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام شاہ محمد عمر بن شاہ احمد سعید دہلوی تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب آٹھ واسطوں سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی بزرگی اور زہد و تقویٰ کا دہلی میں بڑا چرچا تھا۔ آپ بڑی شان و شوکت اور

رعب و داب کے ساتھ رہتے تھے۔ جناب ملا واحدی نے چشم دید حالات اس طرح قلمبند کئے ہیں:

"شاہ ابوالخیر جلالی درویش تھے، پٹھانوں کی عقیدتمندی نے اور بارعب بنا دیا تھا، باہر نکلتے تو ساٹھ ستر پٹھان جلو میں ضرور ہوتے۔ خانقاہ کے دروازے پر بھی پٹھانوں کا پہرہ رہتا تھا۔ دلّی والے شاہ ابوالخیر سے بڑا حسنِ ظن رکھتے تھے۔"

لیکن اس کے باوجود اس رعب و دبدبہ کے نمود و نمائش سے کوسوں دور رہتے اور اہلِ دول کی صحبت سے بھی بچتے رہتے تھے چنانچہ ۱۹۱۱ء میں دہلی دربار کے موقع پر میرٹھ جا کر گوشہ نشین ہو گئے کہ ہندوستان کے مختلف گوشوں سے آنے والے اہلِ دنیا پریشان نہ کریں، بادشاہ اور نوابین تک حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے تھے چنانچہ ۱۹۰۲ء میں میر محبوب علی خاں (تاجدار حیدرآباد دکن) خود آپ سے ملنے آئے۔ شاہانِ افغانستان امیر حبیب اللہ خاں اور غازی امان اللہ خاں آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ والئ ریاست رام پور نے بھی بڑی عقیدت سے شاہانہ دعوت دی تھی۔

مشاہیر صوفیائے عصر میں سے حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ اور مصنف رسالہ "رکن دین" حضرت شاہ رکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمارے مخدوم جناب پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کے والدِ ماجد حضرت مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی قدس سرہ پر بھی آپ کی خصوصی نظر تھی۔

آپ کو شعر گوئی میں کمال حاصل تھا۔ مکۂ معظمہ میں قیام کے دوران نعتیہ مجالس میں شریک ہوتے اور اپنے کلام بلاغت نظام سے حاضرین کو محظوظ فرماتے۔ ان مجالس میں حاجی امداد اللہ مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک ہوتے تھے اور آپ کے اشعار سُن کر ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی، یہ اشعار مکۂ معظمہ میں خود اپنی مجالس میں پڑھ کر سناتے تھے ؎

دلربائی میں دونوں یکساں ہیں — چشم الطاف اور غضب کی آنکھ
کُحلِ مازاغ سے مکحل تھی — خیر اس نیّرِ عرب کی آنکھ

آپ رامپور کے زمانۂ قیام میں مشاعروں میں شرکت فرماتے۔ نواب مرزا داغ دہلوی اور منشی امیر احمد مینائی آپ کے اشعار پر خوب داد دیتے۔ آپ کا ایک دیوان بھی ہے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ/۱۷ فروری ۱۹۲۴ء میں خانقاہ مظہریہ دہلی

میں ہوئی آپ کے تین صاحبزادے تھے بلال، ابوالحسن زید اور سالم۔ منجھلے صاحبزادے دہلی میں دفنِ
جادہ میں، اللہ تعالے ان کا سایہ مادیر سلامت رکھے۔ دوسرے دونوں کوئٹہ (پاکستان) میں مقیم ہیں
مولانا مولوی محمداہ تسری جنتی مکتوبات مجدد الف ثانی و مولانا محمد عالم آسی امرتسری حضرت شاہ ابوالخیر کے اجازت
یافتگان تھے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:۔

۱۔ تذکرہ مظہر مسعود از پروفیسر محمد مسعود احمد

۲۔ تذکرہ علمائے اہلِ سنت از شاہ محمود احمد کانپور (انڈیا)

۳۔ مقاماتِ خیر از حضرت ابوالحسن فاروقی (خلف الرشید وجانشین حضرت ابوالخیر)

مولانا محمد حسین قصوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ۲۱ اکتوبر ۱۸۶۸ء کو قصور میں ہوئی۔ والدِ ماجد کا اسمِ گرامی حضرت مولانا میاں غلام احمد
تھا جو امرتسر میں فارسی کے مدرس رہے ہیں۔ اور اپنی دینداری اور نیکوکاری میں بہت مشہور تھے انہوں نے
اپنے صاحبزادے (مولانا محمد حسین) کی تربیت بڑے احسن انداز سے کی۔ صرف چھ ماہ میں ہی آپ نے قرآنِ مجید
ختم کر لیا۔ قصور میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد امرتسر چلے گئے اور باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی۔ ابھی ایف۔اے
میں پڑھ رہے تھے کہ والد ماجد نے رحلت فرمائی۔ ۱۸۹۰ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے کیا اور ایم۔اے
(فلسفہ) میں داخلہ لے لیا مگر مجبوریوں کے باعث چھوڑ کر ایس اے وی پاس کر کے تدریسی سلسلہ کی
ابتداء کر دی۔

ابتدائی دو سال ڈیرہ غازی خاں میں تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد آپ کا تبادلہ قصور کے ہائی سکول
میں ہو گیا۔ یہاں آپ دس سال تک سیکنڈ ماسٹر رہے۔ آپ کی قوتِ سماعت ذرا کمزور تھی اس لئے اس کی آڑ لیکر
ایک متعصب ہندو انسپکٹر نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو محکمہ تعلیم سے سبکدوش کروا دیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر آپ
علی پور شریف حاضر ہو گئے اور ارادہ تھا کہ باقی تمام عمر اپنے شیخ کے حضور بسر کر دیں مگر حضرت قبلہ عالم علی پوری
نے رہتک میں سلسلہ اشاعت و تبلیغ کا حکم دیا۔

آپ نے بی۔اے کرنے کے دوران ہی حضرت علی پوری کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی تھی تھوڑے

عرصہ کے بعد آپ کو خلعتِ خلافت بھی عطا ہوگئی بعد ازاں حضرت بابا فقیر محمد چوراہی نے بھی دستارِ خلافت عطا فرما دی تھی۔

رہتک میں آکر ۱۱ر جولائی ۱۹۰۳ء کو "کلرک آف دی کورٹ" کی اسامی پر مامور ہوگئے۔ چودہ سال بعد آپ کا تبادلہ کرنال ہوگیا۔ ۱۹۰۹ء میں آپ نے فریضۂ حج ادا کیا۔ فروری ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۶ء ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کرنال کی عدالت میں بحیثیت مترجم مامور رہے۔ ۱۹۲۶ء میں پنشن پانے کے بعد کرنال ہی کو مستقل مسکن بنالیا اور سلسلۂ عالیہ کی اشاعت پہ توجہ مرکوز کر دی۔ ہریانہ کے علاقہ میں ہزارہا لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور ہزاروں مسلمان آپ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوگئے۔

آپ نے مرشدِ گرامی کے حکم پر تمام دینی، ملی اور علمی تحریکوں میں حصہ لیا۔ بلقان فنڈ، سمرنا فنڈ، حجاز ریلوے، تحریکِ خلافت اور فتنۂ ارتداد وغیرہ میں بھرپور کردار ادا کیا، چندے اکٹھے کئے اور پورے تپاک اور جوش کے ساتھ ان تحریکوں کو کامیاب بنانے میں لگے رہے۔ فتنۂ ارتداد میں آپ نے دردِ قولنج کے شدید دورے کے باوجود پوری تندہی سے حصہ لیا اور آپ کی انہیں خدمات کی بنا پر قبلۂ عالم محدث علی پوری آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ آپ حضرت قبلۂ عالم کے سب سے پہلے خلیفہ تھے اور آپ کے صاحبزادے حافظ نور احمد قصوری مدظلہ جنرل سیکریٹری انجمن خدام الصوفیہ پاکستان، سب سے آخری خلیفہ ہیں۔

آپ کی وفات ۳ر شوال ۱۳۴۵ھ / ۶ر اپریل ۱۹۲۷ء بروز چہارشنبہ ہوئی مزار مقدس کرنال میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ سیرتِ امیرِ ملت — از صاحبزادہ اختر حسین و پروفیسر محمد طاہر فاروقی
۲۔ خزینۂ فیضِ قصوری — از پروفیسر منشا علی

مولانا نبی بخش حلوائی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا ۱۸۵۰ء یا ۱۸۶۰ء میں لاہور کے ایک ارائیں گھرانے میں رونق افزائے جہان ہوئے۔ والد صاحب میاں محمد وارث تھے۔ آپ نے مدرسہ فتحیہ، مدرسہ نعمانیہ لاہور میں مولانا معوذ حسین خطیب بادشاہی مسجد، مولانا محمد ذاکر بگوی، مولانا غلام محمد بگوی، پیر سید عبدالغفار شاہ، مولانا غلام قادر بھیروی سے اکتسابِ

علم کیا اور پھر مولانا غلام دستگیر قصوری نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ حضرت قصوری کے وصال کے بعد حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا۔ غیر مقلدوں کے رد میں آپ نے جو کام سرانجام دیا اس کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ آپ اردو اور پنجابی کے مایہ ناز ادیب اور شاعر تھے۔ آپ نے سب سے بڑا کارنامہ تفسیر نبوی (پنجابی) لکھ کر کیا جو پندرہ مبسوط جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

فرقِ باطلہ کی سرکوبی جس انداز سے آپ نے کی وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ کے کثیر شاگردوں میں مولانا باغ علی نسیم (مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور)، جناب علامہ اقبال احمد فاروقی ایم۔اے۔ مولٰنا حافظ محمد عالم سیالکوٹی اور صوفی غلام حسین گوجروی قابلِ ذکر ہیں جو اس پُرفتن دور میں علم و عرفان کی شمع روشن کر کے اپنے استادِ محترم کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جن کی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ تفسیر نبوی مکمل (۱۵ جلدیں)، پنجابی نظم میں۔
۲۔ جامع الشواہد
۳۔ اظہار انکار المنکرین
۴۔ النار الحامیہ لمن ذم المعاویہ
۵۔ اطلاع الناس فی طلاق الثلاثہ
۶۔ احسان الاموات فی الصدقات والاسقاط۔
۷۔ سبیل الرشاد فی حق الاستاذ
۸۔ تحصیل الزمان فی آداب المشائخ والاخوان
۹۔ [illegible]
۱۰۔ [illegible]

آپ ۱۹۴۴ء میں واصل بحق ہوئے۔ جامع مسجد سٹی کوتوالی بیرون دہلی دروازہ میں مزار پُر انوار ہے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱۔ تذکرہ علمائے اہلسنت لاہور — از علامہ اقبال احمد فاروقی
۲۔ تذکرہ علمائے اہلسنت — از شاہ محمود احمد قادری کانپور (انڈیا)

۳۔ نقوش لاہور نمبر

۴۔ الانظار بین الحقیقۃ والمجاز (مقدمہ)

مہر محمد صوبہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش اندرون دہلی دروازہ لاہور میں ہوئی۔ آپ حضرت غلام مرتضیٰ نقشبندی مجددی المعروف "پیر قلعہ والے" کے مرید صادق تھے۔ آپ ایک باکمال شخصیت تھے۔ آپ سے بے شمار کرامتیں ظہور میں آئیں۔ آپ ایک درویش کامل تھے اور عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھے۔

آپ کا وصال ۸ر فروری ۱۹۴۵ء کو ہوا اور کوٹ خواجہ سعید میں سپرد خاک کئے گئے۔ ساڑھے پانچ سال بعد چند عقیدتمندوں نے رات کی تاریکی میں آپ کے جسد مبارک کو نکالا اور قبرستان میانی صاحب میں دفن کر دیا۔ یہیں آپ کا عالی شان مقبرہ بنایا گیا ہے۔ مزار مبارک مزنگ چونگی سے چوبرجی کو جاتے ہوئے بہاولپور روڈ پر بائیں طرف واقع ہے۔ حضرت میاں ظہورالدین صاحب نقشبندی اس وقت آپ کے سجادہ نشین ہیں۔

آپ نے متعدد حضرات کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ الحاج علم الدین صاحب اور میاں ظہورالدین صاحب سوڈھیوال لاہور آپ کے خلفاء میں خاص مقام رکھتے ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ لاہور میں اولیاء نقشبند کی سرگرمیاں از محمد دین کلیم

۲۔ تسلیم التواریخ

خواجہ قاضی عبداللہ فضلی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ریاست امب میں قاضی محمد علی کے ہاں پیدا ہوئے جنہیں نواب محمد اکرم خاں نے قاضی ریاست مقرر کیا تھا۔ آپ اپنے والد کی سب سے بڑی اولاد تھے۔ والد ماجد سے تحصیل علم کی اور ان کی زندگی ہی میں شیر گڑھ میں قاضی مقرر ہو گئے۔ علمی بحثوں، فنی مناظروں، فقہی مسائل میں بہت جلد ہزارہ کے علماء نے آپ کے علمی تفوق کو تسلیم کر لیا۔

علمی شغل؛ درس و تدریس اور قضاء کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ریاضتیں بھی آپ کا معمول تھیں۔ والدِ ماجد سے روحانی تربیت حاصل کرنے کے بعد آپ نے سلسلۂ نقشبندیہ کے مختلف بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ ریاست امب کے ایک باکمال بزرگ حضرت مولانا باندھی نقشبندی سے بھی مستفید ہوئے۔ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی کی شہرت سنکر پا پیادہ حاضری دی۔

آپ ذوقِ شعری سے بھی سرشار تھے، آپ کا نامکمل دیوان (قلمی) بھی موجود ہے، نمونۂ کلام درج ذیل ہے ؎

ترا قسم بجمال تو میدہم صنما ۔۔۔ قسم بجاہ و جلال تو میدہم صنما

بعشوہ غمزہ و نازت ترا قسم بادا ۔۔۔ قسم بخط و خال تو میدہم صنما

بحسن و خوبیٔ تو آنکہ بے نظیر افتاد ۔۔۔ قسم بغنج و دلال تو میدہم صنما

قسم بہ لعلِ لبانت قسم بزلفِ سیاہ ۔۔۔ بسرو قد و بجمال تو میدہم صنما

چوں بسمل اند بہ تیغِ تو زمرۂ عشاق ۔۔۔ قسم ترا بقتال تو میدہم صنما

بغفلتی تو نظر کن کہ در دمِ آخر ۔۔۔ بود کہ جاں بوصال تو میدہم صنما

آپ تربیتِ مریدین کا انوکھا طریقہ رکھتے تھے۔ اپنے ارد گرد ہجوم سے سخت نفرت رکھتے تھے، جلوت و خلوت میں مصاحبین کو آداب کی تلقین فرماتے۔ نمازِ تہجد میں آٹھ دس سپارے روزانہ پڑھنا آپ کا معمول تھا۔ روزانہ عصر کے بعد مکتوباتِ امام ربانی قدس سرہ کا مطالعہ فرماتے۔ حضرت مجدد الف ثانی سے اویسی نسبت رکھتے تھے۔ ختمِ خواجگان و ختماتِ مجددیہ معصومیہ اکیلے پڑھ لیتے۔ آخر عمر میں بصارت کے زوال کے باوجود نماز باجماعت کو کبھی ترک نہیں کیا۔

۶ مئی ۱۹۴۶ء بوقتِ شب بارہ بجے آپ نے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ آپ نے پانچ صاحبزادے یادگار چھوڑے جو تبلیغِ دین میں مصروف ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱۔ ماہنامہ سلسبیل لاہور (تذکرۃ الاولیاء مجددیہ نمبر)

میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۸۶۵ء/۱۲۸۲ھ میں شرقپور ضلع شیخوپورہ میں ہوئی والدِ ماجد کا اسم شریف میاں عزیز الدین تھا۔ قرآنِ مجید حفظ کرنے کے بعد کچھ عرصہ مڈل سکول میں پڑھتے رہے پھر اپنے چچا حمید الدین سے فارسی کی کتب پڑھ کر خوشنویسی میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔

آپ مادر زاد ولی تھے۔ حضرت بابا امیر الدین کوٹلہ شریف والوں سے بیعت کی تھی۔ آپ سنتِ نبوی کے بہت پابند تھے اور تمام زندگی کتاب و سنت کی ترویج میں بسر کی۔ آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ ہزارہا لوگوں نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔

آپ کے خلفاء میں حضرت سید محمد اسمٰعیل صاحب کرمانوالے، سید نور الحسن بخاری کیلیانوالے، صاحبزادہ محمد عمر بیربل شریف، میاں رحمت علی گھنگ شریف وغیرہ بہت مشہور ہوئے آپ نے پوری زندگی اسلام کی خدمت کے لئے وقف رکھی۔

۳ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ/ ۲۰ اگست ۱۹۲۸ء بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہوا۔ مزار مبارک شرقپور شریف میں مرجعِ خلائق ہے۔

آپ کے بعد آپ کے برادرِ اصغر حضرت میاں غلام اللہ صاحب سجادہ نشین ہوئے جن کی وفات ۷ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ/ یکم نومبر ۱۹۵۷ء کو ہوئی۔ اس وقت میاں غلام اللہ صاحب کے بڑے صاحبزادے حضرت میاں غلام احمد صاحب اور چھوٹے صاحبزادے حضرت میاں جمیل احمد صاحب سجادہ نشین ہیں، دونوں حضرات دینی کاموں میں ذوق شوق سے حصہ لیتے ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ خزینۂ معرفت — از صوفی محمد ابراہیم قصوری
۲۔ عرس اور میلے — از امان اللہ ارمان سرحدی
۳۔ لاہور میں اولیائے نقشبند کی سرگرمیاں — از محمد دین کلیم
۴۔ صوفیائے نقشبند — از سید امین الدین احمد
۵۔ ماہنامہ سلسبیل لاہور (تذکرۃ الاولیاء جدید نمبر)

۵۔ انقلابِ حقیقت — از صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی
۶۔ ہفت روزہ الہام بہاولپور (مشائخ نمبر)
۷۔ مہرِ منیر — از مولانا فیض احمد فیض گولڑوی
۸۔ کلماتِ قدسیہ المعروف بہ فیض نقشبندیہ — از سید شرافت نوشاہی

مولانا امام الدین رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش غالباً ۱۸۶۷ء میں چک عادل ضلع سیالکوٹ کے ایک علمی گھرانے کے بزرگ عالمِ دین مولانا کرم الٰہی کے ہاں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کرنے کے بعد حضرت فقیہ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی کے ہاں زانوئے تلمذ طے کیا اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد سندِ فراغت حاصل کی اور اپنے گاؤں میں جاکر توحید و رسالت کا ڈنکا بجانے لگے۔ اسی دوران آپ کی شادی موضع رائے پور اعوانا میں ہوگئی اور وہیں مستقل طور پر رہائش پذیر ہوگئے۔ ایک دن حضرت امیرِ ملت قدس سرہ رائے پور اعواناں میں تشریف لائے تو آپ حاضر ہوکر شرفِ بیعت سے مشرف ہوگئے اور کچھ عرصہ بعد خرقۂ خلافت کی نعمتِ عظمیٰ سے بھی نوازے گئے۔

آپ نے متحدہ پنجاب کے کونے کونے میں حضرت امیرِ ملت قدس سرہ کے حکم پر طوفانی دورے کرکے مذہبِ حقّہ اہلِ سنت کی تبلیغ فرمائی۔ اس کے علاوہ مرشدِ گرامی نے آپ کو ماہنامہ انوار الصوفیہ کی ادارت اور جامع مسجد گھنٹہ گھر سیالکوٹ چھاؤنی کی خطابت کے فرائض بھی سونپ دئیے جنہیں آپ نے تادمِ زیست بحسن و خوبی نبھایا اور ہزاروں غیر مسلموں کو کفر و شرک کی وادی سے نکال کر مشرف بہ اسلام کیا۔

آپ بہت بڑے عالمِ دین، اعلیٰ پائے کے خطیب اور فنِ مناظرہ میں یکتا تھے۔ اوصافِ پسندیدہ اور اخلاقِ کریمانہ کے حامل، پابندیٔ شریعت اور اتباعِ سنت میں مستعد اور تقویٰ و پرہیزگاری میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ریاست جموں اور اطرافِ ہند میں آپ نے تبلیغ و ارشاد کے لیے بہت دورے کئے ہندوستان کے مختلف علاقوں کے تبلیغی دوروں میں حضرت قبلۂ عالم علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہے۔ فتنۂ ارتداد کے زمانے میں راجپوتانہ اور یوپی کے اضلاع میں گاؤں گاؤں پہنچے۔ آریوں اور مرزائیوں

مناظرے کئے۔ شدھی کی تحریک کو روکنے میں بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ بدمذہب اور بدعقیدہ لوگوں سے سخت متنفر تھے۔

تین مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے تحریکِ پاکستان میں مرشدِ گرامی کے حکم پر مسلم لیگ کی ہر طرح سے مدد کی اور جا بجا دورے کرکے عوام کو تحریک کا ہمنوا بنایا۔ قیامِ پاکستان کے بعد مہاجرین کی آباد کاری کے لئے بہت کام کیا۔

۱۲ را پریل ۱۹۵۲ء کو بعمر ۸۵ سال آپ نے وفات پائی۔ حضرت امیرِ ملت قدس سرہ کے شہزادۂ اکبر حضرت پیر سید محمد حسین علی پوری نور اللہ مرقدہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کو جامع مسجد ملانے پور اعوانان کے صحن میں دفن کر دیا گیا۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :۔

۱۔ سیرتِ امیرِ ملت از صاحبزادہ سید اختر حسین و پروفیسر محمد طاہر فاروقی

۲۔ سوانح فقیہِ اعظم کوٹلوی از صوفی رضاء المصطفےٰ چشتی (قلمی)

شاہ محمد رکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ نواح دہلی کے قصبہ کھیڑلہ (ضلع گوڑگانواں) میں پیدا ہوئے چھ برس کی عمر میں یتیم ہوگئے تو گوڑگانواں سے ترکِ وطن کرکے اپنے ماموں فاضلِ جلیل شیخ فرید الدین کے پاس الور (راجستان) چلے آئے۔ ابتدائی تعلیم یہاں سے حاصل کرنے کے بعد معاصرین علماء سے مختلف علوم و فنون کی تحصیل فرمائی۔ مخدومی حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کے جدِ امجد حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی (م ۱۳۰۹ھ) کے درس میں بھی شریک رہے۔

فنِ خطاطی میں خطاطِ دوقت منشی رحیم اللہ صاحب سے استفادہ کیا۔ فراغت کے بعد حضرت شاہ محمد مسعود دہلوی (شاہی امام مسجد فتحپوری دہلی) سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں ۱۳۰۴ھ میں بیعت ہوئے۔ اور ۱۰ رجادی الثانیہ ۱۳۰۹ھ میں اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔

مکرمی پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کے الفاظ میں آپ " میانہ قد، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں گول چہرہ، گندمی رنگ، سادہ لباس، سادہ مزاج، سادہ گفتار، سادہ خرام ـــ دل تھے کہ کھنچے چلے

جاتے تھے، آنکھیں تھیں کہ سیر نہ ہوتی تھیں ؎

کس قیامت کی کشش اس جذبۂ کامل میں ہے

تیر ان کے ہاتھ میں پیکاں ہمارے دل میں ہے

ان کے دربارِ فیض بار میں غربا بھی آتے، امرا بھی آتے، فقرا بھی آتے، علما بھی آتے، افسران و حکام بھی آتے اور سب کچھ نہ کچھ لے کر ہی جاتے — ہزارہا کفار و مشرکین آئے، دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے اور آن کی آن میں پستیوں سے بلندیوں پر جا پہنچے ؎

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے

یہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل

آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے کچھ یہ ہیں :

۱۔ رسالہ رکن دین (اب تک بہت سے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں)

۲۔ توضیح العقائد مطبوعہ دہلی ۱۳۳۵ھ

۳۔ مولودِ محمود " "

۴۔ روح الصلوٰۃ "

۵۔ رسالہ دافعِ طاعون "

۶۔ رسالہ اربعین "

۲۱ شوال ۱۳۳۵ھ کو آپ کا وصال ہوا آپ کے صاحبزادے مفتی محمد محمود الوری مدظلہ سجادہ نشین ہوئے۔ موصوف آجکل حیدرآباد (سندھ) میں اقامت پذیر ہیں ۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :۔

۱۔ تذکرہ مظہرِ مسعود از پروفیسر محمد مسعود احمد

۲۔ رسالہ رکن دین (مقدمہ)

حافظ عبدالکریم راولپنڈی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت بروز سہ شنبہ ماہِ رجب المرجب ۱۲۶۴ھ/ ۱۱ اپریل ۱۸۴۸ء کو راولپنڈی میں ہوئی۔

بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ چچا میاں پیر بخش نے کفالت و تربیت کی۔ حفظِ قرآن کے بعد راولپنڈی میں ہی درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ پھر حضرت بابا فقیر محمد چوراہی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہو گئے پھر اجازت و خلافت سے بھی نوازے گئے۔ آپ عابد و زاہد اور شب بیدار بزرگ تھے۔ مزاراتِ اولیاء پر حاضری آپ کا معمول تھا۔ ہزارہا مخلوق نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ سفر ہو یا حضر شریعت کی پابندی میں کبھی فرق نہ آنے دیا۔ اکثر اوقات گوشۂ تنہائی میں رہ کر یادِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ مریدوں کو مذہبِ حقہ اہلِ سنت والجماعت کی پابندی کی تلقین فرماتے۔ آپ کے مریدین میں مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں بہت مشہور ہوئے۔

آپ کی تاریخِ وفات ۲۸ صفر المظفر ۱۳۵۵ھ/۲۰ مئی ۱۹۵۶ء کو ہوئی۔ مزارِ مقدس راولپنڈی میں ہے اور صاحبزادہ حبیب الرحمٰن صاحب سجادہ نشین ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ صوفیائے نقشبند — از سید امین الدین احمد

۲۔ جمالِ نقشبند — مرتبہ صلاح الدین احمد مجددی

۳۔ مہرِ منیر — از مولانا فیض احمد فیض گولڑوی

۴۔ افکارِ راولپنڈی ڈائریکٹری ۱۹۶۲ء — از سید غلام مصطفےٰ گیلانی

پیر جماعت علی شاہ ثانی علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۸۵۹ء یا ۱۸۶۰ء میں علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا اسم شریف سید علی شاہ تھا۔ شجرۂ نسب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے آپ نے مولوی عبدالرشید صاحب سے علومِ دینیہ حاصل کئے اور حضرت بابا فقیر محمد چوراہی سے بیعت ہو گئے اور پھر خلقِ خدا کی روحانی تربیت کرنے لگے۔

آپ سفر کی نسبت حضر کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ طالبانِ رشد و ہدایت خود ہی کشاں کشاں چلے آتے تھے اور انوار و برکات سے جھولیاں بھر کر لے جاتے تھے۔ آپ حضرت حافظ محدث علی پوری کی نسبت زیادہ سادگی سے زندگی بسر فرماتے رہے۔ دونوں حضرات ہی بابا فقیر محمد چوراہی سے

بیعت ہوئے تھے۔ بابا صاحب فرمایا کرتے تھے "حافظ جیہا امیر نئیں تے ثانی جیہا فقیر نئیں"

آپ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کی عملی تصویر اور قرونِ اولیٰ کے بزرگوں کے اخلاق کا مجموعہ تھے۔ آپ ایک گوشہ نشین بزرگ تھے۔ آپ کی زیادہ تر توجہ تزکیۂ نفس اور ذکر و اذکار پر مبذول رہی۔ لباس و طعام اور دیگر معمولات میں سادگی کے عدیم المثال نمونہ تھے۔

آپ کی وفات ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ / یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو ہوئی اور علی پور سیداں ہی میں مدفون ہوئے۔ مزارِ مقدس مرجع خلائق ہے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت سید علی حسین شاہ صاحب مدظلہ سجادہ نشین ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱۔ صوفیائے نقشبند از سید امین الدین احمد
۲۔ انوارِ لاثانی
۳۔ تنویرِ لاثانی
۴۔ عرس اور میلے از امان اللہ ارمان سرحدی
۵۔ ماہنامہ سلسبیل لاہور (تذکرۃ الاولیاء جدید نمبر)
۶۔ ہفت روزہ الہام بہاولپور (مشائخ نمبر)
۷۔ مہرِ منیر از مولانا فیض احمد فیض

شاہ حاکم علی ابوالرضا رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش کوٹلی ضلع گوجرانوالہ میں ہوئی۔ والدِ ماجد کا نام شہاب الدین تھا۔ تین سال کی عمر میں صاف باتیں کرنے لگے۔ چار پانچ سال ہی کی عمر میں کئی سیپارے حفظ کر لئے۔ بارہ سال کی عمر میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تو تعلیم کے ساتھ فکرِ معاش بھی دامنگیر ہوئی۔ دن کو کاروبار کرتے اور رات کو مطالعہ کرتے۔ تعلیم کے علاوہ ورزش اور کھیتی باڑی میں بھی پوری دلچسپی سے حصہ لیتے رہے۔ آپ اعلیٰ خوشنویس بھی تھے۔ آپ کی شاعری میں رضائے الٰہی کی جھلک نمایاں طور پر پائی جاتی تھی۔

صاف تھا۔

تحصیلِ علوم کے بعد آپ نے اعلیٰ حضرت قطبِ ربانی حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور پھر واپس لاہور آ کر کچی ٹھٹھی میں رشد و ہدایت کا سلسلہ تا زیست جاری رکھا ہزارہا لوگ آپ سے مستفید ہوئے۔

۲۲ جنوری ۱۹۴۰ء / ۱۳۶۰ھ کو ساڑھے بارہ بجے شب تر لسیٹھ برس کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ ملتان روڈ پر دار الشفقت طبیہ کالج کے متصل کچی ٹھٹھی کو جانے والی سڑک کی دائیں جانب سبز گنبد والا مزار دور ہی سے دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :-

۱۔ ہمارا پنجاب

۲۔ لاہور میں اولیاءِ نقشبند کی سرگرمیاں از میاں محمد دین کلیم

پیر محمد اسمٰعیل روشن سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادتِ مبارکہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ / ۲۳ جون ۱۸۹۰ء ٹکھڑ تحصیل ٹنڈو محمد خاں ضلع حیدر آباد (سندھ) میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا اسم مبارک حضرت مولانا پیر محمد حسین سرہندی بن حضرت سلطان العارفین خواجہ عبد الرحمٰن سرہندی تھا۔ تاریخِ ولادت خود ہی نکالی ؎

چوں جست روشن سالِ ولادتش الحال

بہ فکرِ فازش آمد ہزار بانغ کمال

ابتدائی تعلیم جدِ امجد سے حاصل کرنے کے بعد وقت کے مشاہیر علماء[۱۳] سے اکتسابِ فیض کیا اور مذہب و ملت کی خدمت کے لئے زندگی وقف کردی۔ مذہبی و سیاسی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا۔ جہاد مسجد منزل گاہ سکھر، تحریکِ خلافت، جمعیت علمائے ہند اور مسلم لیگ میں دل و جان سے کام کیا۔ تحریکِ خلافت میں آپ نے علی برادران کے ہمراہ حجازِ مقدس میں موتمرِ عالمِ اسلامی کے اجلاس میں شرکت کی۔ سندھ میں مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھے اور عرصہ تک مسلم لیگ صوبہ سندھ کو شرفِ صدارت بخشا۔ جمعیت علماء ضلع تھرپارکر کے کئی سال تک صدر رہے۔

تحریکِ آزادی میں انگریزوں کے خلاف خوب لڑے۔ ۱۹۲۱ء میں برطانوی شہزادہ ولیعہد ہندوستان

میں آیا تو کانگرس اور تحریکِ خلافت کے رہنماؤں نے مشترکہ طور پر اس کی آمد سے لاتعلقی اور بیزاری کا اظہار کیا جس کی پاداش میں انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر آپ نے اس طرح اپنے جذبات کا اظہار فرمایا

شعلۂ جورستم چو بقاد آمد حرفِ جانبازی پروانہ مرا یاد آمد
آتشِ ہمت چوں تیز کند صرصرِ جور چہ شود ظالم اگر بر سرِ بیداد آمد
بے گناہی است دریں دقت گناہِ وگیز ہست افسانہ کہ وگیز ازپئے امداد آمد

ابنِ سعود نے جب جنت البقیع میں مزاراتِ مقدسہ کو منہدم کرا دیا اور آپ نے اپنی آنکھوں سے یہ قیامت خیز منظر دیکھا تو خون کے آنسو روئے اور پکار اُٹھے

بارِ دگر بسانِ یزیداسے یزیدِ نجد کردی بہ اہلِ بیتِ رسول ایں قدر جفا
در سرزمینِ یثرب گوئی زظلمِ تو آمد بجوش خونِ شہیدانِ کربلا
اہلِ زمیں چہ بلکہ ملائک بہ آسماں ہستند از جفائے تو در نوحہ و عزا

آپ نے فارسی اور سندھی میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ دیوانِ روشن (فارسی) آپ کی یادگار تصنیف ہے جو آپ کے تبحرِ علمی کی منہ بولتی تصویر ہے۔

۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے صاحبزادے پیر محمد اسحاق سرہندی مدظلہ (میرپور خاص، سندھ) سجادہ نشین ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:۔

۱۔ مقدمہ دیوانِ روشن

۲۔ اکابرِ تحریکِ پاکستان از محمد صادق قصوری

پیر محمد حیات سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے آباؤ اجداد کشمیر میں بیج بہاڑہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے بزرگ کشمیر سے منتقل ہو کر سیالکوٹ کے دیہات میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ آپ حضرت امیرِ ملت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ حضرت قبلۂ عالم محدث علی پوری آپ پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ آپ نے دین کی بڑی خدمت انجام دی۔ دیہات کے بہت سے لوگوں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

آپ بڑے بزرگ، متقی، شب زندہ دار، صاحبِ کشف و کرامت ولی اللہ، خوش وضع، خوش خلق اور اسم با مسمّٰی تھے۔ علمِ باطن میں بحرِ بے کنار تھے مجلس میں رونق افروز ہوتے تو مجلس منور ہو جاتی، بہت حیادار اور صاحبِ اسرار تھے۔ حضرت محدث علی پوری کے کشمیر کے تبلیغی دوروں میں اکثر آپ کے ہمراہ ہوتے اور آپ کے مواعظِ حسنہ کا کشمیری زبان میں ترجمہ کرتے رہتے تھے۔ خود بھی اکثر کشمیر کے دوروں پر تشریف لے جاتے اور وعظ و نصیحت سے خلقِ خدا کو فیضیاب فرماتے تھے۔ آپ نے اپنی عمر کا کثیر حصہ مخلوقِ خدا کی خدمت اور دینِ حنفہ کی رہنمائی اور سلسلۂ عالیہ کی ترویج میں بسر فرمایا۔ آپ کے ارادتمند پاک و ہند میں کثیر التعداد ہیں۔

آپ کی وفات ۲۱ر جمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ/۲۶ر جون ۱۹۴۲ء بروز جمعۃ المبارک بعد نمازِ مغرب ہوئی۔ وفات کی خبر آناً فاناً شہر سیالکوٹ میں پھیل گئی اور یارانِ طریقت ملک عبدالعزیز کوٹلوی، جناب عبدالکریم اور جناب نظام الدین موٹر سائیکل کے ذریعے حضرت امیرِ ملت قدس سرہ کے پاس علی پور شریف پہنچے اور رحلت کی خبر دی۔ جنازہ دوسرے دن چار بجے بعد نمازِ عصر محلہ کچی مسجد سے اٹھایا گیا۔

حضرت امیرِ ملت قدس سرہ تشریف لے آئے اور پیر صاحب مرحوم کے چہرہ کو دیکھا جو نہایت نورانی تھا حضرت فقیہِ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی، مولانا مفتی نور الحسن خطیب جامع مسجد عبدالحکیم، مولانا امام الدین ایڈیٹر انوار الصوفیہ، مولانا عبدالغنی خطیب دو دروازہ، مولانا محمد یوسف سیالکوٹی، مولانا سید ابوالبرکات لاہوری و دیگر علمائے کرام کے علاوہ ہزاروں افراد کے اشکوں کے ہجوم میں حضرت امیرِ ملت قدس سرہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور خود بنفسِ نفیس پیر صاحب کے جنازے کو اپنا کندھا دیتے ہوئے قبر تک پہنچے اور اپنے روبرو اپنے محبوب کو سپردِ خاک فرمایا۔ آپ کے صاحبزادگان پیر خلیل احمد، پیر جمیل احمد، پیر بشیر احمد اور پیر محمد شریف کو صبر و شکر کی تلقین فرمائی۔

فقیہِ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی نے تاریخ وصال کہی ؎

تاریخِ وصالِ پاک — ۱۳۶۱ھ

قبلۂ عصر عاشقِ شاہِ لولاک — ۱۳۶۱ھ

چوں ازیں دارِ فنا پیر محمد حیات
روئے خود از ہمہ احباب بپوشد نہفت

بہرِ تاریخِ وصالش چوں نگوں کردم سر
دلم سالش گفت رفت در جنتِ جاوید — ۱۳۶۱ھ

آپ کے صاحبزادے پیر خلیل احمد صاحب جو خود بھی عالم و خطیب ہیں، متقی و صالح بزرگ ہیں، تبلیغ و ارشاد میں سرگرمی سے کوشاں ہیں، نیز آپ کے خلیفہ مفتی محمد شفیع خطیب کاموں کی بھی آپ کے مشن کی تکمیل کے لئے دن رات گامزن ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھیے:

۱۔ سیرتِ امیرِ ملت — از صاحبزادہ سید اختر حسین و پروفیسر محمد طاہر فاروقی
۲۔ راحت القلوب — از مفتی محمد شفیع
۳۔ سوانح فقیہِ اعظم — از صوفی رضا مصطفےٰ چشتی (قلمی)

خواجہ محمد ہاشم بگھاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ راجپوت جنجوعہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی آف موسیٰ زئی شریف سے بیعت و خلافت کے بعد موضع بگھار شریف تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی میں نقشبندی فیض کے چشمے جاری کئے ہزاروں لوگ آپ سے مستفید و مستفیض ہوئے۔

آپ کا انتقال انیسویں صدی کے آخر میں ہوا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ عبد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جنہوں نے والد ماجد کے علاوہ حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی اور حضرت خواجہ سراج الدین موسیٰ زئی شریف سے فیض حاصل کیا تھا) سجادہ نشین ہوئے۔ ۱۹۴۳ء میں آپ وفات پا گئے تو حسبِ وصیت آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد یعقوب صاحب سجادہ نشین ہوئے۔

نوٹ:۔ تاحال یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ خواجہ محمد یعقوب صاحب زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھیے:

۱۔ افکار راولپنڈی ڈائریکٹری — از سید غلام مصطفےٰ گیلانی۔

مولانا محمد عالم آسی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

شعبان المعظم ۱۲۹۰ھ کو موضع رانگھو سیداں ضلع گوجرانوالہ میں متولد ہوئے۔ والد گرامی کا نام مولانا عبد الحمید بن مولانا غلام احمد تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور چلے آئے اور یہاں کے اساتذہ کرام حضرت مولانا غلام احمد

صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ، مولانا ابوالفیض محمد حسن فیضی، مولانا غلام محمد بگوی، مولانا مفتی محمد عبداللہ ٹونکی اور مولانا غلام قادر بھیروی سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے کئی ایک امتحان وظیفہ کے ساتھ پاس کئے۔ فراغت کے بعد دارالعلوم نعمانیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور اس کے علاوہ بھی لاہور کے مختلف مدارس میں پڑھایا۔

پھر امرتسر چلے گئے اور مدرسہ نصرۃ الحق میں ادب کے استاد مقرر ہوئے۔ پھر ایم۔اے۔او ہائی سکول میں عربی کے مدرس مقرر ہوئے۔ جب ایم۔اے۔او کالج امرتسر قائم ہوا تو آپ عربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے اور یہیں سے ریٹائر ہوئے۔

آپ کے مندرجہ ذیل تلامذہ نہایت نامور ہوئے ہیں۔

۱۔ صاحبزادہ محمد عمر بیربل شریف ضلع سرگودھا۔
۲۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، سابق شیخ الادب جامعہ اسلامیہ بہاول پور
۳۔ مولانا غلام محمد ترنم
۴۔ فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری (مدفون بجوار حضرت میاں میر لاہور)
۵۔ حکیم غلام قادر چشتی امرتسری مدفون ملتان

آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل مشہور ہیں:۔

۱۔ الکاویہ علی الغاویہ (ردِّ مرزائیت عربی و اردو)
۲۔ الشہاب علی السلام فی الذب عن حریم الاسلام (عربی) مرزائی مبلغ غلام رسول آف راجکی، کا ردّ
۳۔ المیلاد فی القرآن

اور اس کے علاوہ رسائلِ صرف و نحو بھی موجود ہیں۔

آپ کو اپنے مذہب و مسلک سے گہری وابستگی تھی، "الفقیہ" امرتسر کے خصوصی معاون تھے۔ خطاطی میں کمال حاصل تھا۔ خطِ نسخ میں لکھنے والے لوگ آپ جیسے کم ہوں گے۔ عربی شعر و نثر کی تحریر پر آپ کو بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ حضرت شاہ ابوالخیر عبداللہ محی الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و ماذون تھے۔

آپ کی وفات ۲۰ شعبان ۱۳۶۳ھ/۱۸ اگست ۱۹۴۴ء کو بعد نمازِ جمعہ ہوئی۔ مزار مبارک گورستان بلا کا سنگھ امرتسر میں تھا جو اب دوسری قبروں کے ساتھ ہموار کیا جا چکا ہے۔ آپ کے مزار کے متولی حکیم

غلام قادر چشتی امرتسری (مرحوم و مغفور) تھے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ تذکرہ علماء اہلسنت — از شاہ محمود احمد قادری

۲۔ تذکرہ آتشی — از حکیم غلام قادر چشتی امرتسری مرحوم

۳۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور (ختم نبوت نمبر) ۱۹۷۴ء

۴۔ تذکرہ علمائے امرتسر — از حکیم محمد موسےٰ امرتسری (زیر قلم)

۵۔ اردو انسائیکلوپیڈیا — فیروز سنز لاہور

۶۔ الیواقیت المہریہ — از مولانا غلام مہر علی چشتی

مولانا پروفیسر عابد حسن فریدی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت بہجوئی ضلع مراد آباد (یوپی) میں ۱۷ محرم الحرام ۱۳۰۷/۱۸۸۹ء کو ہوئی۔ والد گرامی کا نام مولوی احمد حسن تھا جو حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ کی اولاد امجاد سے تھے اور ایک مشہور وکیل تھے۔ پروفیسر حامد حسن قادری مولوی احمد حسن کے بڑے صاحبزادے تھے۔

فریدی صاحب نے اسٹیٹ ہائی سکول رامپور سے ۱۹۰۹ء میں انٹرنس کیا۔ ۱۹۱۳ء میں ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ سے بی۔اے کرکے ۱۹۱۴ء میں الہ آباد سے ایل ٹی کی سند حاصل کی۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسلامیہ ہائی سکول اٹاوہ میں مدرس ہوگئے۔ ۱۹۱۷ء میں حلیم مسلم ہائی سکول کانپور میں ہیڈ ماسٹر ہوکر چلے گئے۔ ۱۹۱۸ء میں ایم اے (فارسی) کیا اور ۱۹۲۰ء میں سینٹ جانس کالج آگرہ میں فارسی کے پروفیسر اور صدر شعبہ مقرر ہوئے اور تادم واپسیں اسی عہدہ پر فائز رہے۔

۱۹۲۴ء میں حضرت قبلۂ عالم محدث علی پوری علیہ الرحمۃ فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کے لئے آگرہ تشریف لائے تو آپ ان سے بیعت ہوگئے۔ ہر سال کالج کی تعطیلات کے زمانے میں علی پور شریف حاضر ہوا کرتے تھے حضرت قبلۂ عالم نے آپ کو آگرہ میں "امیر حلقہ" مقرر فرمایا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں علی پور شریف میں حضرت قبلۂ عالم نے آپ کو خلافت سے نوازا تھا۔

بے شمار لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرکے اپنی عاقبت سنواری۔ آپ صاحب

کشف وکرامت بزرگ تھے۔ حضرت قبلۂ عالم محدث علی پوری کو آپ سے بہت محبت تھی۔ سفرِ دکن کے موقع پر آگرہ میں قیام آپ ہی کے ہاں ہوتا تھا۔

آپ کی وفات ۴ جمادی الثانیہ ۱۳۶۴ھ / ۱۷ مئی ۱۹۴۵ء کو ہوئی اور حضرت امیر ابوالعلاء رحمۃ اللہ علیہ کے احاطہ کے باہر حضرت شاہ نور الزمان کے مزار شریف کے بالمقابل سڑک کی دوسری جانب دفن ہوئے حضرت امیر ملت علی پوری نے سفرِ دکن سے واپسی پر مزار شریف پہ فاتحہ پڑھی اور کافی دیر تک مزار پہ انوار پر رُکے رہے۔

آپ کے بڑے صاحبزادے پروفیسر الحاج مولوی زاہد حسن فریدی ایم۔اے گورنمنٹ کالج تلہ گنگ ضلع کیمبل پور میں پرنسپل ہیں۔ دوسرے تینوں صاحبزادے بھی مختلف محکموں میں ملازم ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ سیرتِ امیرِ ملت — از صاحبزادہ اختر حسین و پروفیسر محمد طاہر فاروقی

سید محمد محسن دانشمند داناپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۰ جمادی الثانیہ ۱۲۹۸ھ کو ہوئی۔ والد ماجد کا نام حضرت شاہ محمد اکبر دانشمند داناپوری تھا۔ آپ نے مدرسہ احیاء العلوم الٰہ آباد سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد والد گرامی کے دست مبارک پر بیعت کی اور والد گرامی کی وفات کے بعد ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۲۷ھ بروز جمعۃ المبارک آپ کی رسم سجادگی خانقاہ ابوالعلائیہ داناپور میں انجام پذیر ہوئی۔

آپ طریقت و تصوف کے وہ رموز و اسرار بیان فرماتے تھے کہ سننے والے دنگ رہ جاتے تھے۔ علمی استعداد کے ساتھ ساتھ سیاسی امور میں بھی آپ گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں پٹنہ میں سر امام علی بیرسٹر، مولانا شوکت علی اور مولوی عبدالحفیظ وکیل پٹنہ کی قیادت میں "انجمن حفاظۃ المسلمین" کا سہ روزہ اجلاس ہوا تو اول دن بالاتفاق آپ ہی جلسہ کے صدر مقرر ہوئے۔

آپ نہایت خلیق اور منکسر المزاج تھے۔ طبیعت میں اولوالعزمی تھی، فصیح البیان اور خوش الحان تھے وضع کے پابند اور خوش پوشاک تھے، ہمیشہ انگرکھا، اچکن اور عربی کٹ پائجامہ مقرر رہا۔ شعر و شاعری سے گہری دلچسپی تھی۔

۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ بروز یکشنبہ سات بجے شام آپ نے وصال فرمایا اور دوسرے دن اپنے والدِ ماجد اور جدِ امجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ بزمِ ابو العلاء حصہ دوم

خواجہ محمد حسن جان فاروقی مجددی رحمتہ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ۶ شوال المکرم ۱۲۷۸ھ کو قندھار (افغانستان) میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا اسم مبارک حضرت خواجہ عبد الرحمٰن مجددی سرہندی تھا۔ ماہرینِ علم آپ کی تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے۔ ۱۲۹۰ھ میں آپ کے والدِ ماجد خراسان سے ہجرت کر کے سندھ میں آ گئے۔ یہاں آ کر آپ نے مولانا لعل محمد متعلوی سے اکتسابِ علم کیا۔ اس کے بعد والد صاحب حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ بھی ساتھ تھے وہاں آپ کو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مدرسہ صولتیہ میں داخل کروا دیا گیا۔ شیخ احمد دحلان اور شیخ الحدیث محمد ابو نصر دمشقی سے اسنادِ حدیث حاصل کیں۔ آپ نے اپنے والد ماجد کے دستِ اقدس پر بیعت کی۔

آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں مثلاً:

۱۔ شفاء الامراض
۲۔ انیس المریدین
۳۔ انساب الانجاب
۴۔ الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ
۵۔ طریق النجات مع رسالہ التنویر فی اثبات التقدیر
۶۔ العقائد الصحیحہ فی بیان مذہب اہل السنۃ والجماعۃ
۷۔ رسالہ تہلیلیہ
۸۔ تذکرۃ الصلحاء فی بیان الاتقیاء
۹۔ شرح حکم عطاء اللہ سکندری
۱۰۔ پنج گنج
۱۱۔ سفرنامہ عربستان
۱۲۔ الاشارہ الی البشارہ
۱۳۔ رسالہ فی باب صحۃ الجمعۃ فی القریٰ
۱۴۔ لغات القرآن
۱۵۔ رسالہ در قواعد تجوید

آپ کے کتب خانہ بہت سی نادر و نایاب کتب موجود تھیں۔ آپ نے ردِّ وہابیت میں تحریری و تقریری کام کیا۔

۱۲۹۶ھ میں جب افغانستان کے عوام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تو آپ نے اس میں بھرپور حصہ لیا۔ جنگِ طرابلس میں مجاہدین کی مالی امداد کی تحریکِ خلافت میں دل وجان سے حصہ لیا لیکن ہندوں سے اتحاد کی مخالفت کی۔ تحریکِ پاکستان کا غلغلہ بلند ہوا تو سندھ میں مسلم لیگ کی زبردست حمایت کر کے اس کے امیدواروں کو کامیاب کرایا۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۳۶۵ھ میں ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں ہوئی۔ آج کل غالباً حضرت پیر ہاشم جان سرہندی مجددی مدظلہ سجادہ نشین ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ مونس المخلصین از شاہ آغا مجددی ۳۔ اکابرِ تحریکِ پاکستان از محمد صادق قصوری۔

۲۔ تذکرہ مظہر مسعود از پروفیسر محمد مسعود احمد

فقیہِ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم مبارک محمد شریف، کنیت ابو یوسف اور والدِ ماجد کا اسم گرامی حضرت مولانا عبد الرحمٰن تھا۔ آپ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ درسِ نظامی کی تکمیل اپنے والد گرامی سے کی اور پھر مشقِ مناظرہ کی۔ فراغت کے بعد تبلیغ مسلکِ حقہ اہلِ سنت وجماعت کے لئے کمر باندھی۔ امرتسر سے ہفت روزہ الفقیہ جاری کیا جس کے ایڈیٹر حکیم معراج الدین مرحوم تھے۔ اس اخبار میں آپ نے فقہ حنفی اور مذہب حقہ اہلِ سنت کی حمایت میں جو مضامین لکھے ان کا وزن مولوی ثناء اللہ جیسے متعصب اور کٹر وہابی بھی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے۔ مشہور اہلِ حدیث عالم مولوی محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سے بھی آپ کے متعدد مناظرے ہوئے لیکن بفضلِ خدا آپ کی شخصیت ہمیشہ چھائی رہی۔

آپ تحریر وتقریر، بحث ومناظرہ اور شعر وشاعری میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ لاہور سے لیکر بمبئی تک آپ کی جادو بیانی کا ڈنکا بجتا تھا۔ تاریخ گوئی میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ اردو، فارسی اور عربی میں دسترس حاصل تھی اور تینوں زبانوں میں عمدہ شعر کہتے تھے۔ آپ کو حضرت حافظ عبد الکریم صاحب آف راولپنڈی علیہ الرحمۃ سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ ان کی شان میں آپ نے عربی میں ایک قصیدہ لکھا جو آپ کے کمالِ فن کا مظہر ہے۔ حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ مجھ سے جو کچھ حاصل کرنا تھا وہ

فقیہِ اعظم نے کر لیا ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو چھ سلسلوں کی اجازت مرحمت فرمائی تھی آپ نے نوّے برس کی عمر میں ۵ ار جنوری ۱۹۵۱ء کو رحلت فرمائی۔ حضرت مولانا نور الحسن رحمۃ اللہ علیہ امام مسجد ملا عبد الحکیم (سیالکوٹ) نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور کوٹلی لوہاراں میں دفن ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا محمد بشیر صاحب جانشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے والدِ ماجد کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔

مندرجہ ذیل تصانیف آپ کی یادگار ہیں:۔

۱۔ ضرورتِ فقہ
۲۔ کتاب التراویح
۳۔ صداقت الاحناف
۴۔ کشف الغطاء
۵۔ اباحۃ السبیف
۶۔ نمازِ حنفی مدلل (اسی کتاب پر اعلیٰ حضرت نے تقریظ لکھ کر آپ کو فقیہِ اعظم کا خطاب دیا تھا)
۷۔ نجدیوں سے نفرت
۸۔ تصورِ شیخ
۹۔ اربعین حنفیہ
۱۰۔ فرقۂ شیعہ کی ابتداء
۱۱۔ وہابیہ سے مناکحت
۱۲۔ مستورات کی نماز
۱۳۔ اربعین نبویہ
۱۴۔ تائید الامام باحادیث خیر الانام
۱۵۔ کتاب الوتر
۱۶۔ فقہ دراصل حدیث ہے۔
۱۷۔ دعا بعد جنازہ
۱۸۔ ندائے یا رسول اللہ
۱۹۔ اجتہاد
۲۰۔ تحقیقِ بدعت
۲۱۔ اخلاق الصالحین
۲۲۔ القول الحسن
۲۳۔ شمس الحق
۲۴۔ الحق المبین
۲۵۔ مناظرہ بہلولہ
۲۶۔ مسئلہ طلاق ثلاثہ
۲۷۔ رسالہ تقلید
۲۸۔ منہ مانگی مراد
۲۹۔ ثبوتِ تقلید
۳۰۔ آیاتِ بینات
۳۱۔ انتفاع الاموات بالصدقات
۳۲۔ سنان المقلدین فی صدر غیر المقلدین
۳۳۔ اظہارِ حق

۳۴۔ القول الصائب (مولوی محمد ابراہیم میر کے رسالہ غائبانہ نمازِ جنازہ کے جواب میں۔

۳۵۔ نفیِ فیئ

۳۶۔ علم النبی (علمِ غیب کا ثبوت)

۳۷۔ نصرۃ الحق

- - -

غیر مطبوعہ کتب یہ ہیں :

۳۸۔ مشکوٰۃ شریف کا پنجابی ترجمہ

۳۹۔ فاتحہ خلف الامام (عربی۔اردو)

۴۰۔ مفقود الخبر

۴۱۔ مرزائیت کی تردید

۴۲۔ تحقیق الکلام

۴۳۔ ترجمہ موطا امام محمد

۴۴۔ ترجمہ آثار امام محمد۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱۔ تذکرہ علمائے اہلسنت از محمود احمد قادری

۲۔ مقالاتِ یومِ رضا حصہ سوم

۳۔ روزنامہ سعادت لائلپور ۲۳ مئی ۱۹۶۹ء

۴۔ خلفاءِ اعلیٰ حضرت از محمد صادق قصوری

۵۔ سوانح فقیہِ اعظم از صوفی رضا المصطفےٰ چشتی (زیرِ قلم)

امیرِ ملت حافظ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادتِ باسعادت ۱۸۴۰ء و بروایتِ دیگر ۱۸۳۰ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان میں علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا اسمِ مبارک حضرت سید کریم شاہ رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ کا شجرۂ نسب طرفین سے سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ابتدائی تعلیم علی پور سیداں میں مولوی حافظ قاری شہاب الدین اور مولوی عبد الرشید سے حاصل کرنے کے بعد مولانا قاری عبد الوہاب امرتسری، مولانا غلام قادر بھیروی، مفتی محمد عبد اللہ ٹونکی، مولانا محمد مظہر سہارنپوری، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولوی محمد علی ناظم ندوۃ العلماء، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا میر محمد عبد اللہ، مولانا عبد القادر لاہوری، مولانا ارشاد حسین رامپوری، مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، مولانا عبد الحق الٰہ آبادی مہاجر مکی، مولانا عبد العلی محدث پانی پتی اور ملا

محمد عمر ضیاء الدین شیخ الحدیث استنبول (ترکی) رحمہم اللہ تعالیٰ سے اکتساب علم کیا۔ عرب و عجم کے علماء سے اسناد حدیث حاصل کیں۔ بعد از فراغت علوم دینیہ حضرت بابا فقیر محمد فاروقی نقشبندی چورہ شریف ضلع کیمبل پور سے بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کر کے لاکھوں گم گشتگان راہ کو صراطِ مستقیم پہ گامزن کیا۔

آپ کی مذہبی، تبلیغی، ملّی اور سیاسی خدمات کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ردّ وہابیت میں آپ کے کارنامے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ آپ نے پچاس سے زیادہ حج کئے، سینکڑوں مسجدیں بنوائیں، مدرسے بنوائے، حجاز ریلوے کی تعمیر، علی گڑھ یونیورسٹی اور دیگر اداروں کو لاکھوں کے حساب سے چندہ دیا۔ سیاسی و مذہبی تحریکوں مثلاً تحریکِ خلافت، فتنۂ ارتداد، شدھی تحریک، تحریک شہید گنج، ساردا ایکٹ تحریک، مجلس اتحاد ملت اور تحریکِ پاکستان میں زبردست حصہ لیا۔ شہید گنج کی تحریک میں آپ کو "امیرِ ملت" منتخب کیا گیا۔

آپ آل انڈیا سنّی کانفرنس کے سرپرست تھے۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس نے آپ کی زیرِ صدارت میں مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔ تحریکِ پاکستان میں آپ کی خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ نے مسلم لیگ کی حمایت کی خاطر برِصغیر کے چپہ چپہ کے دورے کئے، گلی گلی، کوچہ کوچہ، نگر نگر اور شہر شہر مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ آپ کے تمام خاندان نے بھی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ ردِّ مرزائیت میں آپ نے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔ مرزا صاحب کی موت آپ کی پیشینگوئی کے مطابق ہوئی (الکاویہ بالغاویہ جلد دوم)

قائدِ اعظم، علامہ اقبال، چوہدری غلام عباس، نواب بہادر یار جنگ، نواب وقار الملک، میر عثمان علی خاں والیٔ حیدرآباد دکن، نادر شاہ والیٔ کابل اور دیگر سینکڑوں اکابرینِ ملت آپ کے لئے دیدہ و دل فرشِ راہ کرتے تھے اور آپ سے عقیدت رکھنے میں فخر کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورے طلب کرتے تھے

علی پور سیداں میں آپ نے "مسجدِ نور" کے نام سے سنگِ مرمر کی ایک عظیم الشان مسجد بنوائی جس کی نظیر تمام ملک میں نہیں ملتی۔ آپ کی سخاوت کی وجہ سے عربی لوگ آپ کو ابوالعرب کہتے تھے۔ ردِّ مرزائیت میں آپ کے کارنامے تاریخ کے صفحات کا روشن باب ہیں۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۲۶، ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۷۰ھ/۳۰، ۳۱ اگست ۱۹۵۱ء بروز جمعرات

جمعہ کی درمیانی رات بوقتِ گیارہ بجے ہوئی۔ مزارِ پُرانوار علی پور سیداں میں مہبطِ انوارِ الٰہیہ ہے۔
پیر غلام دستگیر نامی نے آپ کی تاریخِ وصال یہ کہی ؎

دیں پناہِ علی پور جماعت علی شاہ
۱۳۷۰ھ

آپ کا عرس شریف ہر سال ۲۸، ۲۹ ربیع الاول کو علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ آج کل آپ کے فرزند اصغر شمس الملت حضرت پیر سید حافظ نور حسین شاہ صاحب مدظلہ سجادہ نشین ہیں۔

مزید حالات کے لیے دیکھیے :-

۱۔ سیرتِ امیرِ ملت — از سید اختر حسین و پروفیسر محمد طاہر فاروقی
۲۔ تذکرۂ جماعت — از سید حیدر حسین علی پوری
۳۔ برکاتِ علی پور شریف — از خیر شاہ امرتسری
۴۔ مہرِ منیر — از مولانا فیض احمد فیض گولڑوی
۵۔ پنج گنج علی پوری — از محمد اویس خاں غوری
۶۔ ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور — امیرِ ملت نمبر و محدث علی پوری نمبر
۷۔ سہ ماہی العلم کراچی — اپریل تا جون ۱۹۷۴ء
۸۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور — مئی ۱۹۷۵ء
۹۔ تذکرۂ علمائے اہلسنت — از شاہ محمود احمد قادری کانپور
۱۰۔ لاہور میں اولیائے نقشبند کی سرگرمیاں — از محمد دین کلیم
۱۱۔ عرس اور میلے — از امان اللہ ارمان سرحدی
۱۲۔ اردو انسائیکلوپیڈیا — مطبوعہ فیروز سنز لاہور
۱۳۔ الکاویہ علی الغاویہ — از مولانا محمد عالم آسی امرتسری
۱۴۔ آفتابِ عالمتاب — از بخشی مصطفٰے علی خاں
۱۵۔ اکابرِ تحریکِ پاکستان — از محمد صادق قصوری

۱۲ امیر ملت کے قومی کارنامے از پروفیسر عابد حسن فریدی

سیّد نور الحسن بخاری کیلیانوالے رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ میں ہوئی۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے سے قبل آپ شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور شرقپور شریف آکر بلند آواز سے مرثیہ خوانی کرتے تھے، اچانک ایک دن حضرت میاں صاحب کی نگاہ کا شکار ہو گئے ؎

آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے
تم ہمارے ہم تمہارے ہو گئے

عرصہ تک حضرت میاں صاحب کی خدمت میں رہے اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے بے شمار مخلوق نے آپ سے روحانی استفادہ کیا۔ آپ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے آپکو اللہ تعالٰے نے نگاہ خاص عطا فرمائی تھی کہ جس شخص پر پڑتی تھی وہ بے ہوش ہو جاتا تھا۔ حضرت میاں صاحب کے شیدائی و دیوانہ تھے۔ میاں صاحب کی وفات پر آپ کی حالت بالکل غیر ہو گئی تھی۔

آپ کی وفات ۳ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ/۲۱ نومبر ۱۹۵۲ء کو ہوئی۔ دو صاحبزادے آپ کی یادگار ہیں۔:

۱۔ سید باقر علی شاہ (موجود سجادہ نشین)
۲۔ سید جعفر علی شاہ

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ صوفیائے نقشبند از سید امین الدین احمد
۲۔ ہفت روزہ الہام بہاولپور (مشائخ نمبر)

پیر غلام مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گلچینِ تو از تنگیٔ داماں گلہ دارد

آپ کی پیدائش ۶ رجب المرجب ۱۳۰۰ھ میں درگاہ شریف مجددیہ سرہندیہ مٹیاری ضلع حیدرآباد (سندھ) میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا اسمِ مبارک حضرت پیر خواجہ حاجی عبدالحلیم رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ العزیز تک پہنچتا ہے۔ آپ نے جدِ امجد (حضرت خواجہ عبدالرحیم) قاری عبدالرحمٰن منطوی، عزیز اللہ خان سلیمان خیل قندھاری، الحاج علامہ محمد حسن اللہ یامانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہم سے تعلیم حاصل کی۔ جدِ امجد کے دستِ اقدس پر بیعت کی اور والدِ گرامی سے اجازت و خلافت پائی۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے دوران سید علی وتری اور مولانا عبدالحق مہاجر مکی سے کتبِ احادیث پڑھیں اور اسناد حاصل کیں۔

۱۳۳۱ھ میں والدِ گرامی کی وفات کے بعد مسند آرائے سجادہ ہوئے اور لوگوں کی روحانی تربیت شروع کی۔ انگریزوں سے دشمنی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سوائے کسی اہم مجبوری کے کسی انگریز کو نہیں ملتے تھے۔ انگریزی حکومت نے آپ کو "شمس العلماء" کا خطاب، اہم عہدہ اور دیگر مراعات دینے کی بھرپور کوششیں کیں مگر آپ نے ہر دفعہ اس پیشکش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ آپ نے ہر سیاسی تحریک میں دیوانہ وار حصہ لیا۔ تحریکِ خلافت، تحریکِ ہجرت، انجمن ہلالِ احمر، تحریک مسجد منزل گاہ، جمعیت علمائے ہند، جمعیت علمائے اسلام، انجمن خدامِ کعبہ اور تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا لیکن اپنے عقائد، اصولوں اور ایمان کا کبھی سودا نہیں کیا۔

آپ کو کئی دفعہ حکومت کے سب و شتم کا نشانہ بننا پڑا مگر ہر دفعہ نئی آن، نئی شان سے میدان میں آئے۔ کراچی کے مشہور خالق دینا ہال کیس میں آپ کو علی برادران کے ساتھ دو سال کی قید ہوئی جسے آپ نے بڑے تحمل اور بردباری سے برداشت کیا۔ کئی دفعہ آپ کی زبان بندی ہوئی مگر آپ نے اس کو ہر مرتبہ توڑ دیا۔ بارہا آپ کو جلسوں میں خطاب کرنے سے روکنے کی کوشش کی گئی، ریوالور دکھائے گئے، دھمکیاں دی گئیں مگر فاروقِ اعظم کے لختِ جگر اور مجدد الف ثانی کے نورِ نظر نے علمِ حق و صداقت کو ہمیشہ بلند رکھا۔

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت پیر صاحب بھرچونڈی شریف، پیر پگارا رحمۃ اللہ علیہما آپ کی خدمات کے بہت معترف تھے اور دیدہ و دل فرشِ راہ کرتے تھے۔ سندھ میں تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں مسلم لیگ کی کامیابی میں آپ کا

بہت زیادہ عمل دخل تھا۔

آپ کی رحلت ۱۶ رجمادی الثانیہ ۱۳۷۷ھ/۸ رجنوری ۱۹۵۸ء کو ہوئی اور درگاہ شریف ٹلیاری ضلع حیدرآباد میں دفن ہوئے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :۔

اکابر تحریک پاکستان — از محمد صادق قصوری

میاں غلام اللہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ۱۸۹۱ء میں شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ میں ہوئی۔ آپ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کے برادرِ اصغر تھے، بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ حضرت میاں صاحب نے تربیت و کفالت فرمائی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد طبیہ کالج لاہور سے حکیم حاذق کا امتحان پاس کیا اور میونسپل کمیٹی میں سیکرٹری ہو گئے۔ حضرت میاں صاحب کے فرمانے پر ملازمت ترک کر دی اور راہِ سلوک کی منزلیں طے کرنے لگے چنانچہ حضرت میاں صاحب کے وصال کے بعد آپ سجادہ نشین ہوئے۔

آپ نے تحریکِ پاکستان میں بھرپور کام کیا۔ صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ راوی ہیں کہ :

"شرقپور میں مسلم لیگ کا سب سے پہلا جلسہ حضرت میاں غلام اللہ صاحبؒ کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ جلسہ کے تمام اخراجات آپ نے برداشت کئے۔ یہ وہ دور تھا کہ جب تمام پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کے خوف سے مسلم لیگ کا نام لینا جان جوکھوں کا کام تھا، مگر آپ کی ہمت و جرأت نے مسلم لیگ کو اس علاقے میں عوام کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا۔ اس کے بعد بھی آپ مسلم لیگ کی ہر ممکن امداد فرماتے رہے۔"

آپ کو تبلیغی کاموں کا بے حد شوق تھا۔ ۱۹۴۴ء میں جامعہ حضرت میاں صاحب کی بنیاد رکھی۔ میاں شیر محمد صاحب نے جو کچی مساجد بنوائی تھیں، ان سب کو پختہ بنوا دیا۔ تین دفعہ حجِ بیت اللہ سے سرفراز ہوئے۔

۷ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ بروز بدھ تین بجے ظہر آپ نے اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا اور حضرت میاں صاحب

کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کے دونوں صاحبزادے حضرت میاں غلام احمد اور حضرت میاں جمیل احمد زیب سجادہ ہیں۔ میاں جمیل احمد صاحب اپنی سخاوت اور علم پروری کی بنا پر بہت مقبول ہیں اور پورے ملک میں ان کی شہرت ہے۔

مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو :۔

۱۔ شجرہ طیبہ شائع کردہ میاں غلام احمد شرقپوری

۲۔ تحریکِ پاکستان کے ہیرو از محمد صادق قصوری

پیر نور محمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت ۴ دسمبر ۱۸۹۶ء بروز جمعۃ المبارک لاہور میں ہوئی۔ حضرت پیر خواجہ غلام مرتضٰے نقشبندی آپ کے والدِ ماجد تھے۔ ہوش سنبھالنے پر ابتدائی تعلیم مدرسہ حمیدیہ لاہور میں حاصل کرنے کے بعد درسِ نظامی کا نصاب حضرت مولانا یار محمد خطیب سنہری مسجد لاہور سے مکمل کیا اور اپنے والدِ بزرگوار سے بیعت ہو گئے۔ آپ کو ظاہری و باطنی علوم پر یکساں عبور تھا۔ والدِ گرامی کی وفات کے بعد مسندِ سجادگی پر جلوہ افروز ہو گئے اور پھر علم و عرفان کی نہریں بہا دیں۔

آپ ارائیں برادری کے فرد تھے۔ اس قوم نے حضرت شاہ عنایت قادری (مرشد بلھے شاہ) میاں شیر محمد شرقپوری، مولانا نبی بخش حلوائی اور حضرت کانواں والی سرکار (گجرات) جیسی شخصیات پیدا کی ہیں۔ آپ ہر جمعہ کے بعد حلقۂ ذکر کرتے تھے۔ ہزارہا مریدوں کے باوجود خود کاشتکاری کر کے حلال روزی کماتے تھے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا فی الرسول کا درجہ رکھتے تھے۔

۱۹۲۰ء میں آپ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور ۱۹۳۲ء میں دو حجروں، رہائش گاہ اور باورچی کا اضافہ کیا۔ تصوف پر آپ نے متعدد کتابیں لکھیں، مندرجہ ذیل بہت مشہور و معروف ہیں :۔

۱۔ حجتِ ربانی (دربارۂ علمِ غیب) بجواب مولوی عبدالشکور لکھنوی

۲۔ توثیق الابحاث شرح دردِ مستغاث

۳۔ تحقیق الوجد

۴۔ ظہور الصفات فی جمیع الموجودات

آپ کی وفات ۷۷ ۱۳ھ/ ۲۱ مئی ۱۹۵۸ء بروز صبح ۸ بجکر ۵۰ منٹ پر ہوئی۔ مزار مقدس محلہ عثمان گنج بیرون شیرانوالہ دروازہ نزد ریلوے لائن واقع ہے۔ ۲۶ فروری ۱۹۶۰ء کو محکمہ اوقاف نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا، ایک کمیٹی تشکیل دے دی تھی جو انتظام چلاتی ہے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱۔ انوار مرتعنائیہ

۲۔ لاہور میں اولیاءِ نقشبند کی سرگرمیاں   از محمد دین کلیم

خواجہ محمد قاسم موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ نظیر احمد موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا شجرہ نسب ایران کے مشہور کیانی خاندان سے ملتا ہے۔ آباء و اجداد عہد اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ میں وارد ہندوستان ہوئے تھے۔ آپ کی پیدائش سے قبل والدِ گرامی کو خواب میں متعدد بزرگوں نے آپ کی بزرگی و کمالات کی بشارت دی تھی۔ ۱۸۶۰ء میں تقریباً انیس برس کی عمر میں تمام علومِ مروجہ سے فارغ ہو گئے اور راولپنڈی کے قریب موضع جگیوٹ میں دینی مدرسہ کا اجراء فرمایا اور حضرت خواجہ نظام الدین آف کیاں شریف (کشمیر) کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے اجازت و خلافت حاصل کی۔

مرشدِ گرامی نے جنگل میں بیٹھنے کا حکم دیا اور اس مقصد کے لئے موہڑہ شریف تحصیل کوہ مری کا مقام منتخب کیا گیا۔ ستر برس تک آپ نے عبادت و ریاضت میں گزارے اور ہر سال مرشدِ گرامی کی زیارت سے مشرف ہوتے۔ آپ کی زندگی سنت نبوی کا مکمل نمونہ تھی۔ ہزاروں غیر مسلم آپ کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ستر سال تک آپ سجادۂ فقر پر جلوہ افروز رہے۔ برصغیر کے علاوہ ایران، افغانستان، عرب، تبت، کشمیر وغیرہ سے بھی لوگ آتے اور اپنے دامن فیوض و برکات سے بھر کر لے جاتے۔ آپ ہر سال پابندی سے ماہِ جون میں حضرت غوثِ اعظم اور حضرت خواجہ نظام الدین کیانوی رحمہما اللہ تعالیٰ اور ماہ نومبر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

کا عرس مبارک بڑی دھوم دھام سے مناتے ۔

آپ ایک سو بیس برس کی عمر پا کر ۱۳ر ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ/ ۲۱ر نومبر ۱۹۴۳ء بروز جمعۃ المبارکہ صبح دس بجے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور موہڑہ شریف میں مدفون ہوئے ۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے پیر نظیر احمد رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین ہوئے اور والدِ گرامی کے ارشاد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوشاں رہنے کے بعد ۲۸ر محرم الحرام ۱۳۸۰ھ/ ۲۱ر جولائی ۱۹۶۰ء بروز جمعۃ المبارکہ صبح نو بجے وفات پا گئے ۔

آج کل پیر ہارون الرشید صاحب سجادہ نشین ہیں ۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :-

۱۔ ماہنامہ سلسبیل لاہور جولائی اگست ۱۹۷۳ء

۲۔ تاریخ موہڑہ شریف از مولانا عبدالخالق مجددی خطیب جامع مسجد نور اسلام آباد (قلمی)

۳۔ افکار ڈائرکٹری راولپنڈی ۱۹۶۲ء از سید غلام مصطفٰے خالد گیلانی

پیر سید فیض محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ۱۲۵۵ھ بمقام قلعہ سیداں (قندھار شہر سے چالیس میل مشرق کی جانب) میں ہوئی ۔ آپ سید محمد شاہ کے فرزند ارجمند تھے ۔ آپ مادر زاد ولی تھے ۔ آپ مُلّا راحم دل سے بیعت ہوئے ۔ ہفتہ، عشرہ بعد مرشدِ گرامی کے حضور حاضر ہوتے رہتے تھے ۔ روحانی دولت لوٹنے کے بعد علومِ دینیہ کی تحصیل کا شوق بھی پیدا ہوا ۔ لہذا قندھار شہر میں جا کر مولوی جان محمد مرحوم سے صرف و نحو اور ادبِ عربی کی تحصیل کی ۔ بعد ازاں موضع غنسر کی مشہور درس گاہ سے درسِ نظامی کی تکمیل کی ۔ بعد از فراغت واپس شہر قندھار میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت مُلّا راحم دل شہر کی ایک مسجد میں فروکش ہیں ۔ آپ فوراً ان کی خدمت میں پہنچے ۔ دریائے رحمت جوش میں تھا ۔ پیر کامل مریدِ صادق کو لیکر کابلی دروازہ سے باہر درگاہ حضرت خواجہ ملا محمد عالم نقشبندی (المعروف ملا اخوند صاحب) تشریف لے گئے اور وہاں کچھ دیر مراقبے کے بعد آپ کو خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا اور برصغیر پاک و ہند میں جانے کا حکم دیا ۔ یہ ۱۸۷۰ء کا زمانہ تھا اور آپ کی عمر اس وقت ستر برس کی تھی ۔

آپ بلوچستان کے راستے برصغیر میں داخل ہوئے اور ۱۹۲۰ء تک صحرانوردی اور بادیہ پیمائی میں زندگی گزار دی۔ بلوچستان، سندھ، پنجاب، یوپی، سی پی اور ریاستہائے بہاولپور، جے پور اور جموں و کشمیر کے گوشہ گوشہ میں گئے۔ اور ملتان، لاہور، دہلی، پانی پت، سرہند شریف اور اجمیر شریف حاضر ہوکر مدتِ دراز تک مختلف اولیاء کرام کے مزارات سے فیض حاصل کرتے رہے جن میں حضرت داتا گنج بخش، سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری، خواجۂ بزرگ باقی باللہ، حضرت امامِ ربانی مجدد الف ثانی، خواجہ نظام الدین اولیاء اور خواجہ امیر خسرو وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ دورانِ سفر لاکھوں افراد کو مستفیض فرمایا۔

ستر سال سے اوپر کی عمر میں موضع کڑیالہ نزد دیپو کی ضلع لاہور میں شادی ہوئی۔ موضع فیض آباد نزد تاندلیانوالہ ضلع لائل پور میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور خلقِ خدا کو رشد و ہدایت سے منور فرمانا شروع کر دیا۔

آپ نے ۱۸ رجب المرجب ۱۳۸۰ھ/ ۶ جنوری ۱۹۶۱ء بروز جمعۃ المبارکہ ۴ بجکر ۱۵ منٹ پر علی الصبح وصال فرمایا۔ فیض آباد میں آپ کا شاندار روضہ تعمیر ہو چکا ہے اور آپ کے صاحبزادے سید علی حسین شاہ مدظلہ سجادہ نشین ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ ماہنامہ سلسبیل لاہور (تذکرۃ الاولیاء جدید نمبر)

سراج الملۃ پیر سید محمد حسین شاہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

سراج الملت حضرت پیر سید محمد حسین شاہ صاحب، حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کی پیدائش غالباً ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء سے قبل ہوئی تھی۔ قاری حافظ شہاب الدین سے حفظِ قرآن کرنے کے بعد قلعہ سوبھا سنگھ سے مڈل پاس کیا۔ عربی فارسی کی ابتدائی کتب مولوی عبدالرشید سے پڑھنے کے بعد مولانا نور احمد امرتسری سے استفادہ کیا اور مدرسہ نعمانیہ لاہور میں بھی پڑھتے رہے۔ مدرسہ امینیہ دہلی سے سندِ فراغت حاصل کی۔ اس مدرسہ میں ڈپٹی نذیر احمد اور مفتی کفایت اللہ دہلوی پڑھاتے تھے۔ قیامِ دہلی کے دوران حکیم اجمل خاں کے طبیہ کالج سے طب کی باقاعدہ تحصیل بھی کی۔ حکیم صاحب آپ کی قابلیت کے معترف تھے۔

آپ کو عربی فارسی پر دسترس حاصل تھی۔ بدمذہبوں (وہابیوں) سے آپ کے بارہا تحریری مناظرے ہوئے۔ آپ نے ان کی تحریروں میں بارہا غلطیاں نکالیں جس کی وہ تاویل نہ کر سکے۔ آپ کو کتابوں کی خریداری کا بہت شوق تھا۔ آپ مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں کے مدرس اعلیٰ اور مہتمم بھی تھے۔ حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ وغیرہ کے درس آپ خود پڑھاتے تھے۔ فتویٰ نویسی میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی۔ روزانہ کئی فتوے لکھتے تھے۔ بہت عابد و زاہد اور سخی تھے۔

تحریکِ پاکستان میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ علاوہ ازیں انجمن خدام الصوفیہ، فتنہ ارتداد، تحریکِ خلافت، ساردا ایکٹ اور دوسری تحریکوں میں بھی زبردست کام کیا۔ اس سلسلے میں ملک کے تمام حصوں کے دورے کئے اور کئی کئی ماہ تک گھر کو واپسی نہ ہو سکی۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو وصال فرمایا اور علی پور سیداں میں اپنے والدِ گرامی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ نے دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ حضرت صاحبزادہ سید اختر حسین و صاحبزادہ سید انور حسین، اول الذکر زبردست عالم ہیں، مناظر اور مقرر ہیں اور ثانی الذکر وفات پا چکے ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :-

۱. سیرتِ امیرِ ملت — از صاحبزادہ سید اختر حسین و پروفیسر محمد طاہر فاروقی
۲. تذکرہ شہ جماعت — از سید حیدر حسین علی پوری
۳. افضل الرسل — از سراج الملت (مقدمہ)

خواجہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش میرپور (آزاد کشمیر) کے ایک چھوٹے سے گاؤں للیئیں ہوئی۔ والدِ گرامی حضرت میاں فیض بخش ایک سند یافتہ حکیم ہونے کے علاوہ وقت کے کامل بزرگ بھی تھے۔ آپ کے دادا حضرت میاں محمد عظیم صاحب اولیاءِ عصر میں بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ چار پانچ سال کی عمر ہی میں شفقتِ مادری سے محروم ہو گئے اور پرورش کی ذمہ داری پھوپھی صاحبہ نے سنبھال لی۔

ابتدائی تعلیم دادا جان سے حاصل کرنے کے بعد مولانا نظام دین قصبہ باروال سے تکمیلِ علوم کی اور حضرت شاہ غلام محی الدین باؤلی شریف سے بیعت کی اور حج کے لئے تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ میں

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ چشتیہ میں اجازت و خلافت حاصل کی اور اپنے وطن لدھڑ شریف میں تشریف لے آئے۔ یہاں آکر مدرسہ کا اجرا فرمایا اور نمازِ جمعہ پڑھانا شروع کی۔ آپ کی ان نورانی کوششوں سے پورا علاقہ روحانی طور پر خوب سیراب ہوا۔ آپ ایک عالم دین روحانی پیشوا کے علاوہ بہت بڑے مناظر بھی تھے۔ مرزائیوں، وہابیوں کو کئی دفعہ شکستِ فاش دی۔

آپ کی زندگی نہایت سادہ اور سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ تھی شہرت و ناموری کی کبھی خواہش نہ کی۔ تمام عمر تبلیغ مذہب حقہ میں گزر کر ۱۲ جولائی ۱۹۶۱ء بروز بدھ صبح کے وقت جامِ اجل پی کر اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ آپ کے صاحبزادے مفتی عبدالحکیم مدظلہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور لدھڑ شریف میں ہی مدفون ہوئے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ انوارِ نقشبند   از محمد اسمٰعیل و میاں خوشی محمد

الحاج پروفیسر حامد حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت ۲۹ جمادی الثانیہ ۱۳۰۴ھ/۱۰ مارچ ۱۸۸۷ء کو بچھراؤں ضلع مرادآباد (یو۔پی) میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا اسم شریف مولوی احمد حسن رحمۃ اللہ علیہ تھا جو ریاست رام پور میں وکالت کرتے تھے اور بلند پایہ عالم اور محدث کے لقب سے مشہور تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت زہد الانبیاء بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے، اس بنا پر آپ فاروقی اور فریدی بھی کہلاتے تھے۔

ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد اسٹیٹ ہائی سکول رامپور سے ۱۹۰۹ء میں میٹرک پاس کیا، پھر مدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہو کر فارسی اور عربی کی تحصیل میں مصروف ہو گئے اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور اردو فاضل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد ایف۔ اے کیا۔ غالباً ۱۹۲۳ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کا سالانہ جلسہ حلیم مسلم ہائی سکول کان پور میں منعقد ہوا جس کی صدارت حکیم اجمل خاں فرما رہے تھے۔ ان دنوں آپ حلیم مسلم ہائی سکول کان پور کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ آپ نے "عربی لسانیات" پر ایک بلند پایہ علمی مقالہ پڑھا جس سے حاضرین عش عش کر اٹھے۔ نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن شروانی نے جوش طرب میں پیشانی چوم لی، حکیم اجمل خان نے کرسی صدارت سے اٹھ کر بے اختیار گلے لگا لیا اور پُرجوش الفاظ میں داد دی اور

مولانا سید سلیمان ندوی نے فرمایا "جزاک اللہ! آپ نے ہمارا کام انجام دیا ہے۔" دیگر اکابرین نے بھی آگے بڑھ کر داد تحسین کے ڈونگرے برسائے۔

آپ نے کانپور، مہوچھاؤنی، اٹاوہ، بڑودہ میں بڑی شاندار تعلیمی خدمات سرانجام دیں اور ۱۹۲۷ء میں سینٹ جانسن کالج آگرہ میں پروفیسر ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء میں اپنے برادر گرامی پروفیسر عابد حسن فریدی کے وصال کے بعد اسی کالج میں صدر شعبۂ اردو، فارسی بن گئے اور ۱۹۵۱ء میں ریٹائر ہوئے۔ تعلیمی کارناموں کے علاوہ علمی و تنقیدی کتب بھی آپ کی قابلیت و خدمات کی منہ بولتی تصویر ہیں، صرف چند کتابوں کے نام معلوم ہوسکے جو درج ذیل ہیں:۔

۱۔ داستانِ تاریخ اردو
۲۔ نقد و نظر
۳۔ کمالِ داغ
۴۔ انتخاب مومن
۵۔ تاریخ و تنقید
۶۔ تاریخ مرثیہ گوئی۔
۷۔ منظوم ترجمہ رباعیاتِ عمر خیام
۸۔ منظوم ترجمہ رباعیات ابوسعید ابوالخیر وغیرہ وغیرہ

اس کے علاوہ علم البیان و علم البدیع پر انگریزی میں بڑی معرکۃ الآراء کتاب لکھی جس میں عربی، فارسی، اردو اور انگریزی چاروں زبانوں کی مثالیں لکھی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سی کتب غیر مطبوعہ ہیں۔ مختلف رسالوں میں شائع ہونے والے مضامین اس کے سوا ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے ایم۔ اے کے امتحان کے لئے آپ پر علمی مقالہ لکھا تھا، اب سندھ یونیورسٹی میں ایک صاحب پی ایچ ڈی کے لئے آپ پر مقالہ لکھ رہے ہیں۔

آپ نے دسمبر ۱۹۲۷ء میں علی پور شریف حاضر ہو کر حضرت امیر ملت قدس سرہ سے بیعت کی تھی۔ آپ کے بھائی عابد حسن فریدی کی وفات پر حضرت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ آگرہ تشریف لائے تو ۲ جولائی ۱۹۴۹ء کو آپ کو خلافت سے نوازا۔ آگرہ میں حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کی میزبانی کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوتا تھا۔

۱۹۵۵ء میں آپ کراچی تشریف لے آئے تھے، تمام وقت عبادت و ریاضت میں صرف فرماتے تھے اور سلسلۂ نقشبندیہ کی توسیع میں لگے رہتے تھے۔ ہر ہفتہ باقاعدگی سے آپ کے گھر پر حلقۂ ذکر ہوتا تھا۔ آپ بہت کم گو تھے۔ تواضع، مہمان نوازی، بردباری، انکسار اور راستبازی آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھی۔ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ/۶ جون ۱۹۶۴ء کو آپ کی وفات ہوئی اور آپ کو پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا آپ کے صاحبزادگان ہر سال آپ کا عرس مناتے ہیں۔ ہمارے مخدوم و محترم جناب پروفیسر محمد طاہر فاروقی آپ کے چچا زاد بھائی ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:۔

۱۔ سیرتِ امیرِ ملت از صاحبزادہ سید اختر حسین و پروفیسر محمد طاہر فاروقی

صوفی نواب دین موہری شریف رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ۲۸ صفر المظفر ۱۳۱۹ھ/یکم فروری ۱۹۰۱ء بروز جمعۃ المبارکہ موضع کھمبارہ ریاست جموں و کشمیر میں ہوئی۔ والدِ ماجد کا اسم گرامی بابا احمد دین تھا۔ آپ کی پیدائش پر علاقہ کے مشہور و معروف مجذوب نے مقبولیت کی پیشین گوئی کی تھی۔ آپ کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد والدِ محترم نقل مکانی کر کے موہری شریف ضلع گجرات (پنجاب) میں مقیم ہو گئے۔

آپ نے ۲۹ سال کی عمر میں ۱۵ اپریل ۱۹۲۹ء کو حضرت حافظ عبد الکریم صاحب عیدگاہ راولپنڈی والوں کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی۔ نو ماہ تک حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات کے خزانے لوٹے ۷ مارچ ۱۹۳۱ء کو اجازت و خلافت ملی اور تبلیغ دین و سلسلۂ بیعت شروع کیا۔ پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک مثلاً افغانستان، ایران، عراق اور عرب میں بھی حلقۂ بیعت وسیع تر ہو گیا۔

۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء بذریعہ ٹرانسپورٹ فریضۂ حج ادا کیا۔ تمام زندگی عبادت و ریاضت میں گزار دی آخرکار ۱۲ جولائی ۱۹۶۵ء بروز سوموار اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ کے صاحبزادہ جناب خواجہ محمد معصوم صاحب زیب آستانہ عالیہ ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ جمالِ زریں زر بخت از صاحبزادہ محمد حنیف معصومی مطبوعہ لاہور ۱۳۹۳ھ

۲۔ جمالِ نقشبند از صلاح الدین بی اے

۳۔ ہفت روزہ الہام بہاول پور (مشائخ نمبر)

سید محمد اسمٰعیل کرمانوالے رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت موضع کرماں والا ضلع فیروز پور میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا اسمِ گرامی سید سید علی شاہ تھا سہارنپور کے دینی اداروں سے فراغت حاصل کرکے فیروز پور کے مشہور صوفی بزرگ مولوی شرف الدین چشتی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مرشد کی وفات کے بعد حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پہلی ہی ملاقات میں اجازت وخلافت سے نوازے گئے اور مخلوقِ خدا کی روحانی تربیت کرنے لگے۔

تقسیمِ ملک کے بعد اوکاڑہ ضلع ساہیوال کے نزدیک کچے چک قیام فرما ہوئے جو آپ کی نسبت سے "حضرت کرمانوالہ" مشہور ہوگیا۔ آپ نے یہاں ریلوے اسٹیشن بنوایا۔ جس سے مخلوقِ خدا کو بہت فائدہ ہوا۔ آپ کی مجلس میں بجز دینِ حقہ اور شریعتِ مطہرہ کوئی بات نہ ہوتی تھی۔ زائرین و سائلین آتے اور اپنی اپنی مرادیں لے کر جاتے۔ نماز کی سختی سے تلقین فرماتے۔ طب میں بھی دسترس حاصل تھی۔ آپ کی کرامات زبان زدِ عام ہیں۔ لاہور میں مغلپورہ ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک پرانی مسجد جو زمین میں دب چکی تھی، کو کھدوا کر آباد کیا

آپ کی رحلت ۷؍ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ / ۲۰ جنوری ۱۹۶۶ء کو ہوئی۔

آپ نے اپنے پیچھے دو صاحبزادے سید محمد علی اور سید عثمان علی یادگار چھوڑے۔ اول الذکر آپ کے سجادہ نشین ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱۔ صوفیائے نقشبند از سید امین الدین احمد۔

۲۔ ہفت روزہ الہام بہاول پور (مشائخ نمبر)

خواجہ غلام حسن سوہاگ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ۱۲۸۵ھ کے لگ بھگ موضع ڈگر سوہاگ علاقہ لعل عیسن کروڑ تحصیل لیہ ضلع مظفرگڑھ میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم شریف ملک اسل تھا۔ صغر سنی ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔ سوہاگ

قوم کی ایک پاکباز عورت نے پرورش کی۔ علمِ دین کی تلاش میں ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور دیگر مقامات کے سفر کیے اور اسی سلسلے میں چکڑالہ ضلع میانوالی پہنچے اور مولانا نور خاں سے تکمیلِ علوم کی۔ علومِ باطنی کی تحصیل کے لئے اپنے استادِ گرامی مولانا نور خاں کے ہمراہ حضرت خواجہ محمد عثمان موسیٰ زئی شریف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہو گئے۔ آپ اکثر و بیشتر اپنے مرشد کے حضور حاضر ہوتے۔ نو سال تک مرشد کی بارگاہ میں سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔

آپ بہت خدا رسیدہ بزرگ، شریعت پر عامل، عابد و زاہد اور شب زندہ دار تھے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک اضلاع کیمبل پور، میانوالی، سرگودھا، ڈیرہ اسمٰعیل خاں، بنوں، کوہاٹ، مظفر گڑھ اور افغانستان تک پھیلی ہوئی ہے۔ آپ صاحبِ کرامات بزرگ تھے اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔ ساڑھے چھ سو ہندو اور سکھ آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام سے مشرف ہوئے۔

آپ کی رحلت ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ کو ہوئی۔ تاریخِ وصال اس مصرعہ سے نکلتی ہے

ع مقام یافت در جنت ز ایزد

آپ نے ۲۷ حضرات کو اجازت و خلافت سے نوازا۔

آپ کا عرس مبارک ہر سال ۱۱، ۱۲، ۱۳ ربیع الاول کو حسن آباد (متصل لعل عیسن کروڑ) ضلع مظفر گڑھ میں تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ مظفر گڑھ کے ضلع کی مشہور روحانی شخصیت حضرت پیر عبداللہ بار دھاب آپ ہی کے خلفاء سے ہیں جو مسلکِ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مطابق سنیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک سو برس کی ہے۔ ان کے خلفاء دو سو سے زائد ہیں ان کے ایک خلیفہ حضرت الحاج محمد رمضان صاحب ہمارے کرم فرما ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:۔

۱۔ ماہنامہ سلسبیل (تذکرۃ الاولیاء جدید نمبر)

۲۔ ہفت روزہ الہام مشائخ نمبر

مفتیٔ اعظم محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت مبارکہ ۵ ارجب المرجب ۱۳۰۳ھ/۲۱ راپریل ۱۸۸۶ء بروز چہار شنبہ دہلی میں ہوئی
والدِ ماجد کا اسم مبارک حضرت مولانا محمد سعید (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) اور جدِ امجد کا اسمِ گرامی حضرت شاہ محمد مسعود
(م ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء) تھا۔ چار سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ جدِ امجد نے پرورش فرمائی۔ دو سال
بعد وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے تو جدّہ امجدہ اور عمِ محترم حضرت مولانا سعید الحمید (م ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۴ء)
نے تعلیم و تربیت کا بار اٹھایا۔

حضرت مفتیٔ اعظم نے قاری حافظ حبیب اللہ صاحب سے قرآنِ پاک حفظ کرنے کے بعد وقت کے
جیّد علماء سے علومِ عقلیہ و نقلیہ حاصل کئے اور چودہ سال کی عمر میں سید صادق علی شاہ مکان شریفی
(م ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔ بیعت کے ایک سال بعد مرشدِ گرامی بھی
وصال فرما گئے تو روحانی تربیت جدِّ امجد کے خلیفہ شاہ رکن الدین مصنف رسالہ "رکن دین" نے فرمائی اور
جمیع سلاسل میں اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

شریعت و طریقت کے منازل طے کرنے کے بعد آپ نے جامع مسجد فتحپوری میں امامت و خطابت
کا سلسلہ شروع کیا جو تا زیست جاری رہا۔ جامع مسجد فتحپوری عشق و محبت کا منبع بنی رہی، علم و عرفان کی
نہریں بہتی رہیں، لوگ اپنا اپنا دامن حبِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھرتے رہے، غرض اس مسجد سے حضرت
نے جو روحانی، اخلاقی اور مذہبی تحریک شروع کی اس کے لئے دفتر درکار ہیں۔

آپ نے تحریکِ خلافت میں حصہ لیا اور چھ ماہ تک تحریک کے سیکریٹری رہے مگر بعد میں علیحدہ ہو گئے
کیونکہ آپ حصولِ آزادی میں ہندوؤں کی پیشوائی کے خلاف تھے۔ جب جمعیۃ علماء ہند نے ہندوؤں کی ہمنوائی کے
فتوے دئے تو آپ نے ڈٹ کر مخالفت کی۔ اسی طرح جب بعض مسلم اکابرین نے گائے کی قربانی ترک کرنے
کا مشورہ دیا تو آپ نے اس خیال کی سختی سے تردید فرمائی۔ جب مسلم لیگ نے آزادی کا غلغلہ بلند کیا تو آپ
نے بجان و دل حمایت فرمائی بلکہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت علامہ مفتی محمد مظفر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۱۹۷۱ء) نے مسلم لیگ میں عملی طور پر حصہ لیا اور لیگ کے جلسوں میں خطاب فرمایا۔ اسی طرح حضرت کے ایک
جانثار عقیدت مند سیٹھ احمد حسین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن جب کسی لیگی لیڈر نے کوئی غلط بات کہی تو آپ

نے فوراً انہیں تنبیہ کی اور بالکل لحاظ نہ کیا۔ قائدِ اعظم اور لیاقت علی خاں عموماً آپ سے مشورے طلب کرتے تھے اور آپ کی ہر رائے کے لئے دیدہ و دل فرشِ راہ کرتے تھے۔

قیامِ پاکستان کے بعد آپ دہلی ہی میں قیام پذیر رہے۔ جب احباب و عقیدتمندوں نے پاکستان تشریف لانے کے لئے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا " آپ حضرات کو اجازت ہے جہاں چاہیں جاسکتے ہیں فقیر کو یہیں رہنے دیں، کل قیامت کے دن اگر مولا تعالےٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا، تو اس کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا تو فقیر کیا جواب دے گا؟" چنانچہ آپ دہلی میں رہ کر مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی تربیت فرماتے رہے۔ دو دفعہ پاکستان کا دورہ فرماکر عقیدتمندوں کی دلی آرزوؤں کو پورا کیا۔

آپ کی وفات ۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ/ ۲۸ر نومبر ۱۹۶۶ء بروز پیر ۵ بجکر ۲۰ منٹ پر ہوئی اور جامع مسجد فتحپوری ہی میں آخری آرامگاہ بنی۔ مادۂ تاریخِ وفات " ہائے شمعِ تصوف اب ہے خاموش " ہے۔

پاکستان میں آپ کی جانشینی کے فرائض آپ کے فرزندِ ارجمند جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہٗ ایم۔اے، پی ایچ ڈی، پرنسپل گورنمنٹ کالج مٹھی ضلع تھرپارکر (سندھ) ادا فرما رہے ہیں۔ موصوف دنیائے اہلسنت کے نامور ادیب، مؤرخ اور مصنف ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کا سایہ تا دیر سلامت رکھے۔ آمین ثم آمین

این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

۱۔ تذکرہ مظہرِ مسعود از پروفیسر محمد مسعود احمد

۲۔ حیاتِ مظہری "

۳۔ ماہنامہ ترجمانِ اہلِ سنت کراچی، نومبر ۱۹۷۴ء

۴۔ روزنامہ سعادت لائلپور " ائمۂ اہلسنت نمبر "

۵۔ تذکرہ علمائے اہلِ سنت از محمود احمد قادری کانپور (انڈیا)

۶۔ ہفت روزہ الہام بہاولپور ۳ر جولائی ۱۹۷۷ء

۷۔ اکابرِ تحریکِ پاکستان از محمد صادق قصوری

حافظ سید محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب خلفاء میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم نعمانیہ سے حاصل کرنے کے بعد دیوبند میں داخلہ لے کر مولانا محمد انور شاہ کاشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی سے دورۂ حدیث پڑھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے وطن سہول شریف نزد ریلوے اسٹیشن کالا خطائی ضلع شیخوپورہ میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کی۔

آپ کے آباء و اجداد حضرت خواجہ عبدالخالق جہان خیلی کے عقیدتمندوں میں سے تھے مگر آپ نے اعلیٰ حضرت شرقپوری سے بیعت کرکے اجازت و خلافت حاصل کی۔ حضرت میاں صاحب نے خصوصی توجہ سے نوازا اور ایک ہی نگاہ میں نورٌ علیٰ نور کر دیا۔ آپ اکثر و بیشتر حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر رہتے اور فیوض و برکات لوٹتے۔ ایک دن میاں صاحب نے فرمایا کہ "شاہ صاحب آپ گھر پہ ہی لوگوں کو وظیفہ بتلا دیا کریں۔" آپ نے عرض کیا حضور! بندہ اس قابل نہیں ہے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ تم بتا دیا کرو اللہ تعالےٰ فضل و کرم کرے گا۔ چنانچہ آپ نے ایک رومال عطا فرمایا جو آپ نے بڑے ادب و احترام سے اسے محفوظ رکھا۔

آپ بہت سادہ مزاج اور کھدر کے کپڑے اکثر پہنا کرتے۔ ہر امر میں میاں صاحب کی پیروی کرتے اور اکثر اوقات اذکار و وظائف میں گزارتے۔

آپ کی وفات ١٩٦٧ء میں ہوئی۔ آپ کے صاحبزادے پیر محمد شاہ سجادہ نشین ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :

١۔ صوفیائے نقشبند از سید امین الدین احمد۔

صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ذوالحجہ ١٣٠٥ھ میں بیربل شریف ضلع سرگودھا میں ہوئی۔ والد گرامی کا نام خواجہ احمد سعید بن قیوم عالم خواجہ غلام مرتضیٰ (رحمۃ اللہ علیہم) تھا۔ دادا جان اپنے زمانہ کے مشہور ولی کامل اور عارف باللہ تھے۔ صاحبزادہ محمد عمر نے حفظِ قرآن کے بعد عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم دادا جان سے حاصل کی اور

پھر مدرسہ نعمانیہ لاہور میں مولانا محمد عالم آسی امرتسری، مفتی محمد عبداللہ ٹونکی اور مفتی کفایت اللہ دہلوی سے استفادہ فرمایا۔ اورنٹیل کالج لاہور سے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔ حصولِ علم کے بعد شیرِ ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل ہو گئے اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔

آپ سات سال تک اسلامیہ کالج پشاور میں پروفیسر رہے۔ والدِ ماجد کی رحلت کے بعد ملازمت کو ترک کر کے بیربل شریف کی سجادگی کے فرائض سنبھال لئے۔ آپ بہت بڑے عالم، فاضل، ادیب، صوفی، مبلغ طریقت اور ممتاز مصنف تھے۔ فتویٰ نویسی میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ ہزاروں افراد نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ تصوف کی تعلیمات کو عام کرنے میں آپ کی کوششیں قابلِ ذکر ہیں۔ ماہنامہ سلسبیل لاہور جو تصوف کی تعلیمات کا ترجمان ہے آپ ہی کا جاری کردہ ہے۔

علاوہ ازیں آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں جن کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ انقلابِ حقیقت

۲۔ التوحید

۳۔ طریقت کی حقیقت

۴۔ قرآنی نظریۂ حیات

۵۔ سلوک و مقصدِ سلوک

۶۔ صراطِ مستقیم

۷۔ حقائق و معارف

۸۔ زنبیلِ عمر

اول الذکر کتاب اردو زبان میں تصوف کی لاجواب کتاب ہے اور شہرتِ عام اور بقائے دوام کی حامل ہے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ/۲۶ راگست ۱۹۶۷ء کو ہوئی اور بیربل شریف میں سپردِ خاک کر دیئے گئے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :۔

۱۔ انقلاب الحقیقت
۲۔ ماہنامہ سلسبیل لاہور (تذکرۂ اولیاء جدید نمبر)
۳۔ ہفت روزہ الہام بہاولپور (مشائخ نمبر)
۴۔ ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور ۔ دسمبر ۱۹۷۴ء
۵۔ روزنامہ مشرق لاہور ۳۰ مئی ۱۹۷۰ء

مولانا علی محمد جماعتی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا علی محمد بن مولوی احمد دین بن مولوی عظمت دین بن حافظ محمد (رحمہم اللہ تعالیٰ) موضع فتوحالہ (مضافات فیروز پور) میں پیدا ہوئے۔ باپ دادا نہایت نیک سیرت اور پاکباز تھے۔ آپ انصاری برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ذریعۂ معاش کھیتی باڑی رہا۔ جب سنِ شعور کو پہنچے تو اپنے والدِ ماجد سے قرآنِ کریم پڑھا۔ والدِ گرامی تقریباً چھ ماہ تک سخت علیل رہنے کے بعد خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ نے اس عرصہ میں والد ماجد کی بہت زیادہ خدمت کی یہاں تک کہ کاروبار بھی معطل رہا، اس پر انہوں نے حد درجہ خوش ہو کر فرمایا بیٹا! اس بات کی پرواہ نہ کرنا کہ تم کاروبار نہیں کرتے ہو تو رزق کہاں سے آئے گا، تمہیں اللہ تعالیٰ کبھی محتاج نہ فرمائے گا! اور ہوا یونہی۔

سنِ بلوغت سے بہت پہلے سلسلۂ ازدواج سے منسلک کر دئیے گئے تھے اور پندرہ برس کی عمر میں پروردگارِ عالم نے پہلا بچہ عطا فرما دیا تھا۔ آپ نہایت تنومند اور طاقتور تھے۔ جب آٹھ بچے ہو گئے تو آپ نے دینی علوم کی تحصیل کا قصد کیا۔ فیروز پور چھاؤنی فتووالہ سے فاصلے پر تھی اور ان دنوں حضرت مولانا محمد حسین صاحب (ساکن انگہ شریف) پلٹن میں امام و خطیب تھے۔ مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کے فیض یافتہ تھے اور زبردست عالم تھے۔ آپ روزانہ مولانا کے ہاں یہ طویل فاصلہ طے کر کے جاتے اور ظہر کی نماز واپس آ کر پڑھتے۔ انہی دنوں مناظرِ اسلام مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ بھی کچھ عرصہ کے لئے آپ کے ہاں قیام پذیر رہے اور مولانا محمد حسین سے علم حاصل کرتے رہے۔

مولانا محمد حسین صاحب کو مولانا علی محمد صاحب سے حد درجہ پیار تھا۔

دورانِ تعلیم آپ کو فیروز پور انجن شیڈ میں امامت وخطابت مل گئی تو آپ فتووالہ سے فیروز پور منتقل ہو گئے۔ پھر یہاں سے آپ پلٹن میں روزانہ تین کوس کا فاصلہ طے کرکے جاتے اور ظہر کی نماز آکر پڑھاتے۔ فیروز پور میں حضرت امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب تشریف لائے تو آپ حاضرِ خدمت ہو کر بیعت ہو گئے۔ پیر صاحب کو مولانا سے اس درجہ پیار تھا کہ جب مولانا آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو آپ انہیں عام مریدین کے ساتھ نیچے نہ بیٹھنے دیتے بلکہ ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھا لیتے۔

انجن شیڈ میں آپ نے تقریباً ستائیس سال گزارے۔ اس طویل عرصہ میں آپ نے دینِ مصطفوی کے فروغ کے لئے حد درجہ کوشش کی اور آپ کے تلامذہ اور معتقدین کا ایک خاصا حلقہ بن گیا۔ جناب الحاج نور محمد فیروز پوری (لاہور) اور الحاج محمد حسین صاحب ڈیزل انجن (لاہور) آپ کے وہیں کے معتقدین میں سے ہیں اور قیامِ پاکستان کے بعد بھی تادمِ زیست مولانا کی خدمت کرتے رہے۔

انجن شیڈ میں آخری سال حضرت سید محمد اسمٰعیل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (کرمانوالے) بلاناغہ آپ کے پیچھے نمازِ جمعہ ادا فرماتے رہے۔ معمول یہ تھا کہ شاہ صاحب آپ کے پاس نمازِ جمعہ سے قبل ہی تشریف لے آتے اور آپ ان کی پُرتکلف دعوت کرتے حالانکہ آپ کا مشاہرہ ۔رف پچیس روپے تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد جب انجن شیڈ کا سارا عملہ لائل پور منتقل ہوا تو بحیثیت امام ۔پ کو بھی جانا پڑا۔ وہاں پہنچکر آپ نے چندہ اکٹھا کرکے ایک عالی شان مسجد بنوائی جو رہتی دنیا ۔ک آپ کی یادگار رہے گی۔ لائل پور میں ان دنوں محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب ۔حمۃ اللہ علیہ تشریف لا چکے تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ آپ مدرسہ کی تشکیل کریں۔ چنانچہ ۔ولانا سردار احمد صاحب نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کوشش شروع کر دی اور بے حد تعاون ۔ے لئے مولانا علی محمد صاحب بھی کوشاں رہنے۔ چنانچہ مدرسہ کی کچھ صورت بنی تو مولانا سردار احمد ۔احب نے کتابوں کی کمیابی کی شکایت کی تو مولانا نے یقین دلایا کہ آپ کام شروع کریں کتابیں ۔ں مہیا کروں گا۔ چنانچہ آپ نے درسی کتب کا کافی ذخیرہ [illegible]، کتب [illegible] سے آپ کے

پیش کر دیا اور دار العلوم کا کام شروع کر دیا گیا۔ اس طرح مولانا علی محمد صاحب اس مدرسہ کے بانیوں میں سے ہوئے۔

لائل پور انجن شیڈ میں آٹھ سال رہنے کے بعد ریٹائر ہو کر آپ قصور آ گئے اور دینِ حق کی تبلیغ کرنے کو کوٹ اِل گڑھ کی چھپتی گلی والی مسجد میں کام شروع کر دیا۔ پھر کوٹ حلیم خاں کی قدیم جامع مسجد میں فرائضِ خطابت بھی انجام دیتے رہے۔ ان دنوں یہاں کے امام مسجد مولوی محمد سبحان فیروز پوری تھے۔ قصور میں آپ کے متعلقین میں ہمارے دوست جناب شاہ محمد چشتی سیالوی، مولوی سردار محمد (امام و خطیب جامع مسجد کوٹ حلیم خاں) اور مولوی برکت اللہ (ساکن مان نزد قصور) ہوئے۔

آپ نہایت متقی، عابد و زاہد بزرگ ہوئے ہیں، آپ سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے کتب بینی کا سلسلہ بسترِ وصال پر بھی جاری رہا۔ آپ کے تین لڑکے تھے جنہیں قضائے الٰہی نے دبوچ لیا تھا۔ آخری عمر میں مریض ہو گئے اور عرصہ دراز تک علیل رہے۔ وصال سے چھ ماہ قبل آپ نے بتا دیا تھا کہ مارچ کے مہینے میں میرا وصال ہو گا چنانچہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ/۱۲ جولائی ۱۹۶۹ء/۲۹ مارچ ۲۰۲۶ ب بروز ہفتہ صبح ۸ بجکر ۵۰ منٹ پر آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کو کوٹ ال گڑھ کے قبرستان میں جنازگاہ کے شمال مشرقی کنارے میں سپردِ لحد کر دیا گیا۔ اس وقت آپ کے نواسے حافظ محمد عبد الحق صاحب آپ کی جگہ امام ہیں جبکہ چھوٹے نواسے کا نام عبد الخالق ہے اور یہ دونوں آپ کا سالانہ عرس شریف باقاعدگی سے کرا رہے ہیں۔

نوٹ: یہ تمام تر معلومات ہمیں جناب شاہ محمد چشتی سیالوی قصوری نے مہیا کیں۔

میاں رحمت علی رحمۃ اللہ علیہ

آپ موضع گھنگ شریف نزد کاہنا کاچھا ضلع لاہور کے رہنے والے تھے، بچپن ہی میں حق سبحانہٗ کی محبت دل میں موجزن تھی۔ نو عمری میں مرشدِ حق کی تلاش میں سرگرداں شرقپور شریف پہنچے اور سعادتِ بیعت حاصل کی۔ اگرچہ آپ کو مرشدِ عالی مقام کی مجلس میں بیٹھنے کا زیادہ موقع نہیں ملا تاہم آپ نے میاں صاحب کے ارشادات پر کما حقہ عمل کیا اور میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت و خلافت حاصل کی چنانچہ

مرشدِ گرامی کی نگاہِ فیض سے جلد ہی روحانیت کی بلندیوں پر پہنچ گئے اور زمانے میں آپ کی بزرگی کا ڈنکا بجنے لگا۔

آپ کا لب ولہجہ اور عادات بالکل حضرت میاں صاحب کی سی تھیں اور طبیعت میں انتہا درجے کی سادگی تھی۔ آپ نے تمام عمر مذہبِ حق کی اشاعت و خدمت میں گزاری اور مجرد رہے۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے ہزاروں سیہ کار آپ کی نگاہِ کرم کے صدقے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو گئے۔

عرصۂ دراز تک علیل رہنے کے بعد آپ علاج کی غرض سے میو ہسپتال میں داخل ہوئے اور ہسپتال ہی میں ۲۳ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ/یکم اپریل ۱۹۷۰ء کو اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ نمازِ جنازہ ۲ راپریل کو، جمعرات کے دن صبح دس بجے آپ کی جائے اقامت میں ادا کی گئی اور وہیں مدفون ہوئے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ صوفیائے نقشبند از سید امین الدین احمد

۲۔ ہفت روزہ الہام بہاول پور (مشائخ نمبر)

پیر ولایت شاہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت ۱۸۸۸ء میں رانیوال سیداں ضلع گجرات میں عارفِ ربانی حضرت سید احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہوئی۔ شجرۂ نسب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ حضرت مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ اسلامیہ بہاولپور جامعہ نعمانیہ لاہور سے سندِ فراغت حاصل کی اور گجرات میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ۱۹۱۵ء میں شہبازِ طریقت امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور پھر اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔

آپ ایک جادو بیان مقرر تھے۔ بڑے بڑے جلسوں میں عوام کو مسحور کر دیتے تھے۔ مذاہبِ باطلہ کی تردید دلائلِ قویہ سے فرماتے تاکہ مخالف کو بولنے کی جرأت نہ ہو۔ پنجاب میں وہابیوں اور دیوبندیوں کا زور توڑنے میں آپ کا بہت عمل دخل ہے۔ آپ انجمن خدام الصوفیہ گجرات کے روحِ رواں تھے۔ تحریکِ خلافت، تحریکِ شہید گنج اور تحریکِ پاکستان میں اپنے پیر و مرشد حضرت محدث علی پوری کے شانہ بشانہ کام کیا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے سید محمود شاہ گجراتی مدظلہ تو مسلم لیگ کے باقاعدہ ممبر تھے۔ مسلم لیگ

کی حمایت میں پنجاب بھر کا دورہ کیا۔

گجرات میں ایک عالی شان مسجد "مسجد شاہ ولایت" بنوائی جو بہت خوبصورت اور گوناگوں خصوصیات کی حامل ہے۔ آپ سادہ خوراک کھاتے اور لباس بھی سادہ زیب تن فرماتے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ تمام زندگی اپنے پیر طریقت کے نقش قدم پر چل کر گزار دی۔

۳۱ جولائی ۱۹۷۱ء بروز جمعۃ المبارکہ کو آپ کی رحلت ہوئی اور اپنی بنا کردہ مسجد "مسجد شاہ ولایت" میں مدفون ہوئے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے سید محمود شاہ گجراتی مدظلہ سجادہ نشین ہیں۔ صاحبزادہ صاحب اس وقت جمعیت علمائے پاکستان کے مرکزی نائب صدر ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ حیات شاہ ولایت — از صاحبزادہ ابوالطاہر محمد یونس شاہ کاظمی

۲۔ سیرت امیر ملت — از صاحبزادہ سید اختر حسین و پروفیسر محمد طاہر فاروقی

۳۔ ہفت روزہ الہام بہاولپور (مشائخ نمبر)

پیر خواجہ محمد اکبر علی رحمۃ اللہ علیہ

آپ صاحب کشف و کرامت اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کی زندگی کے اکثر لمحات کشمیر کی بلند اور تاریک پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں میں اعتکافات اور ریاضات کی شکل میں گزرتے۔ درود پاک کی کثرت اور والہانہ محبت کے نتیجہ میں آپ کے پسینہ کی بدبو خوشبو میں بدل گئی تھی۔ ذکر خالق حقیقی میں فنا کا یہ عالم تھا کہ علاقہ پکھو کی مسجد میں ایک محفل ذکر کے دوران جب "ہو اللہ" کی ضرب لگائی تو ساری مسجد لرزنے لگی۔

آپ کی ولادت ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ/۲۱ فروری ۱۸۹۷ء/ماہ پھاگن ۱۹۵۲ بکرمی کو بمقام کوٹلی پیر تحصیل راجوری ریاست کشمیر میں ہوئی۔ آپ کو دیکھتے ہی آپ کے والد ماجد خواجہ محمد شہباز سلطان قادری (جو علم جفر میں مہارت تامہ رکھتے تھے) نے فرمایا کہ یہ لڑکا قوم کا سردار ہوگا، باکمال درویش ہوگا اور اکثر سفر میں رہے گا۔

آپ بچپن ہی سے نفاست پسند، باحیا اور خاموش طبع تھے۔ اوائل زندگی ہی میں والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش برادر اکبر خواجہ محمد عبداللہ سلطان نے کی۔ بعد از تحصیل علوم دینیہ اور ملازمت فوج کے

دوران بتقاضائے ذوقِ طبعی و جستجوئے رہبرِ روحانی سید محمد جعفر علی شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین شاہ دولہ گجرات سے ملاقات ہوئی۔ شاہ صاحب نے بقوتِ فراست و بہ اعانتِ سعادتِ ازلی دیکھتے ہی دستِ اقدس پر بیعت سے سرفراز فرمایا اور باعث سرعتِ تحصیل مراتب و مکاشفات کے چند ہی یوم میں سلسلہ نقشبندیہ کی خلافت و اجازت سے مالا مال ہوئے اور شاہ صاحب نے بوقتِ وصال مریدین کو روحانی تشنگی کی سرابی کے لئے آپ ہی کی طرف اشارہ فرمایا۔

اسی دوران قطبِ وقت خواجہ محمد سلطان عالم صدیقی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں زیارت کے باعث چھچیاں شریف علاقہ میرپور حال آزاد کشمیر بارگاہ سلطان عالم میں حاضر ہو کر صرف ایک ہی ہفتہ تمام سیرِ سلوک مجددیہ کی تکمیل فرمائی۔ بایں طور آپ فیوضاتِ نقشبندیہ و مجددیہ کے مجمع البحرین ثابت ہوئے،

اندریں حالات سرکار چھچی سے شہبازِ طریقت بلکہ شہباز گر کا خطاب حاصل کر کے ملازمتِ فوج چھوڑنے اور پنجاب میں فیوضات کی رسانی کا حکم لیکر بالآخر ضلع ساہیوال کے شہر پاکپتن شریف محلہ پیر کریاں میں مستقل سکونت اختیار فرمائی جہاں پر فیوضاتِ باطنیہ سے ہزاروں کو فیضیاب کیا اور لاکھوں بھٹکے ہوئے انسانوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا۔

آپ نے رشد و ہدایت کے سلسلے میں سب سے پہلے اپنی ذات پر احکاماتِ شریعت کی پابندی کو لازم رکھا اور مریدین کو بھی ہمیشہ یہی تعلیم فرماتے رہتے گویا آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اتباعِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھا اور سیرت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد دلاتا تھا۔ احیاءِ دین و سنت اور قطعِ بدعت و ضلال کی اسی تڑپ کا اظہار ایک دینی درس گاہ جامعہ نقشبندیہ رضویہ (پاکپتن شریف) کی بنیاد رکھ کر کیا لیکن اوراد و مراقبات سے عدم فرصت کی بنا پر جامعہ کی نظامت اپنے بڑے صاحبزادہ محمد نقشبند مدظلہ کے سپرد فرمائی جس سے بے شمار علماء و فضلاء اور حفاظ و قراء فارغ التحصیل ہوئے اور جامعہ تاحال بکمال حسن و خوبی جاری و ساری ہے۔

فروغِ طریقت روحانی کے سلسلہ میں آپ کے تقریباً ۲۵ خلفاء مشہور ہیں جو کہ صاحبِ ذوق و وجدان ہیں۔ آپ کی تعلیمات کا اثر ہے کہ آپ کے دونوں صاحبزادے (صاحبزادہ ابوالطاہر محمد نقشبند صاحب اور صاحبزادہ ابوالحسن فقیر محمد صاحب) بہترین خلف الرشید ثابت ہوئے ہیں اور اپنی اپنی مسانید پر بڑی خوش اسلوبی سے کام کر رہے ہیں۔

آپکا وصال ۲۴ر نومبر ۱۹۷۱ء/ ۵ر شوال ۱۳۹۱ھ بروز بدھ گیارہ بجے دن ہو۔ آپ کا مزار شریف آپ کی رہائش گاہ محلہ پیر کریاں پاکپتن شریف میں مرجعِ خلائق ہے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ تذکرۃ الابرار (زیرِ طبع)

خواجہ عبداللہ جان المعروف بہ شاہ آغا رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت ۸ر جمادی الاول ۱۳۰۵ھ کو ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں ہوئی۔ مادۂ تاریخِ ولادت "نجمِ برجِ فضل وکمال" ہے۔ والدِ گرامی کا اسم مبارک خواجہ محمد حسن جان بن خواجہ عبدالرحمٰن بن خواجہ عبدالقیوم بن شاہ فضل اللہ ہے۔ ابتدائی تعلیم والدِ ماجد سے حاصل کی پھر دیگر اساتذہ سے علومِ عقلیہ ونقلیہ میں کمال حاصل کیا اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں اپنے والدِ مرحوم کے جانشین بنے۔ بڑے متورع و متقی بزرگ تھے۔ سلف صالحین کی سچی یادگار تھے۔ علم وادب کا ایسا شوق تھا کہ باوجود کبر سنی اور ضعف ونقاہت مطالعہ اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے تھے آپ کی گفتگو عالمانہ اور معلومات سے بھرپور ہوتی تھی حلقۂ مریداں ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ آپ کی تصنیف "مونس المخلصین" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

آپ کی وفات ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں ۳۱ر مارچ ۱۹۷۳ء کو ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے برادرِ اصغر حضرت پیر ہاشم جان سرہندی کراچی میں مقیم تھے جن کے حالات آگے آرہے ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ تذکرہ مظہر مسعود از پروفیسر محمد مسعود احمد
۲۔ مونس المخلصین از شاہ آغا

پیر فضل عثمان مجددی کابلی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ۱۳۱۹ھ میں شور بازار کابل میں نامور دینی رہنما اور سیاسی رہبر حضرت نور المشائخ فضل عمر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی پرورش آپ کے دادا حضرت غلام قیوم قدس سرہ نے کی جو سلسلہ مجددیہ کے برگزیدہ بزرگ اور قطب تھے قلیل عرصہ میں علوم معقول ومنقول کی تعلیم مکمل کر کے

اپنے والدِ گرامی حضرت نورالمشائخ سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ معصومیہ قیومیہ میں بیعت کی اور بہت جلد سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرکے خلافت واجازت حاصل کی اور تبلیغِ اسلام میں مشغول ہو گئے۔

جب افغانستان کے فرمانروا غازی امان اللہ خاں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تو جنوبی افغانستان میں تل کے مقام پر آپ نے بھی بھر پور حصہ لیا۔ جب بچہ سقہ نے غازی امان اللہ خاں کے خلاف غدر مچایا تو آپ نے غازی کی بھرپور حمایت کی جس کی پاداش میں آپ کو قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں لیکن آپ کے پائے استقلال میں سرِ مو فرق نہ آیا جب امان اللہ خاں نے تاج وتخت سے علیحدگی کا اعلان کیا تو آپ تاشقند چلے گئے اور پھر نادر شاہ کے زمانے میں واپس آگئے۔

پاکستان سے محبت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ۱۹۵۲ء میں افغانستان نے پاکستان پر حملہ کرنے کے لئے علماء سے جہاد کا فتویٰ حاصل کرنے کی سعی تو آپ نے ڈٹ کر مخالفت کی اس وجہ سے آپ کی جائیداد ضبط کرلی گئی۔ اس کے بعد آپ حج کے لئے گئے اور واپسی پر پاکستان تشریف لے آئے۔ اس دوران آپ کے پاسپورٹ کی میعاد ختم ہوگئی۔ افغانستان کی حکومت نے پاسپورٹ کی توسیع سے انکار کر دیا، حکومت پاکستان نے آپ کو سرکاری مہمان کی حیثیت سے پاکستان میں قیام کی پیشکش کی اور لاہور میں رہائش کا بندوبست کر دیا۔

گیارہ برس بعد ظاہر شاہ نے واپسی کی دعوت دی تو آپ نے انکار کر دیا۔ پاکستان کے طول وعرض میں آپ کے مریدوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ آپ تادمِ زیست مذہب وملت کی خدمت کرتے رہے۔

۱۹ اپریل ۱۹۷۴ء بروز جمعرات لاہور میں آپ کی وفات ہوئی اور میت بذریعہ طیارہ کابل لیجائی گئی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے بدرالمشائخ پیر فضل الرحمٰن مجددی لاہور میں جانشینی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۱ مئی ۱۹۷۴ء
۲۔ روزنامہ مشرق لاہور ۱۸ اپریل ۱۹۷۴ء
۳۔ " امروز " ۱۲ اپریل ۱۹۷۴ء

الحاج بخشی مصطفٰے علی خاں بنگلوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت امیرِ ملت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خلفاء میں سے تھے۔ آپ بنگلور کے رہنے والے تھے۔ بی۔ اے کرنے کے بعد محکمہ پولیس میں ملازم ہوگئے اور ڈی ایس پی کے عہدے تک ترقی کی۔ بڑے دیندار، متقی، صالح اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ حضرت قبلۂ عالم علی پوری قدس سرہ آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے اور آپ کے ظاہر و باطن کی اصلاح و ترقی میں توجہ فرماتے تھے۔ آپ کو بھی اپنے شیخ اور سارے پیرخانہ سے کمال عقیدت اور محبت تھی۔

آپ کی ملازمت کے دوران حضور قبلۂ عالم دکن کے تبلیغی سفر پر تشریف لے جاتے تو بخشی صاحب حاضر خدمت ہو کر دعوت دیتے تھے۔ بارہا حضرت کے ساتھ سعادتِ حج سے سرفراز ہوئے۔ پنشن ملنے کے بعد تبلیغِ اسلام کے لئے زندگی وقف کر دی تھی۔ تقسیمِ ملک کے بعد حضور قبلۂ عالم کے حکم سے مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوگئے اور جماعت منزل تعمیر کرانا شروع کی جس کی اب تک دو منزلیں تعمیر ہو چکی ہیں۔

آپ کی وفات ۶ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ / ۲۲ ستمبر ۱۹۷۲ء کو مدینہ طیبہ میں ہوئی اور آپ جنت البقیع شریف میں دفن ہوئے۔ ایک صاحبزادہ صاحب یادگار چھوڑے جو میجر جنرل کے عہدہ سے ریٹائر ہو کر کراچی میں مقیم ہیں۔

آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف بھی یادگار ہیں:۔

۱۔ آفتاب عالمتاب
۲۔ کوکب غزوۂ بدر
۳۔ تصویر یا تصور
۴۔ جواہر المناقب (فضائل و مناقب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ)
۵۔ سبحۂ اصحاب بدر

وغیرہ وغیرہ

مزید حالات کے لئے دیکھئے:

۱۔ سیرتِ امیرِ ملت — از صاحبزادہ اختر حسین و پروفیسر محمد طاہر فاروقی

پیر غلام محی الدین نیریاں شریف رحمۃ اللہ علیہ

آپ افغانستان کے رہنے والے تھے۔ تجارت خاندانی پیشہ تھا۔ اخروٹ کی فروختگی کے سلسلہ میں آپ سفر میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ دورانِ سفر، حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی کا نام سنا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرفِ بیعت سے مشرف ہو کر واپس وطن آ گئے۔ اب تجارت میں خوب منافع ہوا تو کچھ عرصہ بعد پیر و مرشدِ گرامی کے دربار گوہر بار میں کششِ دیدار کھینچ لائی۔ کچھ عرصہ فیوض و برکات کے خزانے لوٹنے کے بعد مراجعت فرمائی تو تجارت کا کاروبار رُو بہ انحطاط تھا۔ غرض تمام پونجی خسارے کی نذر ہو گئی، پھر مرشد کے حضور پہنچے اور بارہ سال تک خدمت کرتے رہے۔

بارہ سال میں سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد آپ ذرے سے ماہتاب بن چکے تھے۔ مرشدِ گرامی نے پوناڈ مٹی میرخاں (آزاد کشمیر) میں رشد و ہدایت کی شمع فروزاں کرنے کا حکم دیا چنانچہ آپ نے یہاں آ کر جنگل میں منگل کا سماں پیدا کرنے کے لئے تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔ بے شمار لوگ کفر و شرک سے تائب ہو کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہوئے۔

آپ کے خلفاء کی تعداد تیس کے قریب ہے، کرامات بے حد و حساب ہیں۔

۱۱ر اپریل ۱۹۷۵ء بروز جمعۃ المبارکہ دو بجے آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ نیریاں شریف (آزاد کشمیر) میں مرقدِ منور مرجعِ خلائق ہے۔

مزید حالات کے لئے دیکھئے :۔

۱۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، مئی ۱۹۷۵ء
۲۔ ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت کراچی ، ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۵ء

حضرت حافظ پیر محمد ہاشم جان سرہندی قدس سرہٗ

آپ کی ولادت ۱۳۲۲ھ میں ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والدِ گرامی حضرت پیر محمد حسن سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں داخلہ لیا اور مشہور فلسفی و منطقی عالم حضرت مولانا علامہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا اور سندِ تکمیل حاصل کی، اجمیر شریف ہی میں حکیم نظام الدین (برادر مولانا معین الدین اجمیری) سے فنِ طب حاصل کیا اور واپس سندھ میں آکر تدریس و ارشاد میں مصروف ہوگئے۔

آپ نے تحریکِ خلافت اور تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا، دیگر ملی و سیاسی تحریکوں میں بھی وقتاً فوقتاً حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۵۲ء میں علماء کے اس اجلاس میں نمایاں حصہ لیا جس نے حکومت کے چیلنج پر اسلامی دستور کے بنیادی نکات منظور کئے۔ سندھ میں لوری شریف میں حج کا فتنہ برپا ہوا تو اس کا مقابلہ مؤثر طور پر آپ ہی نے کیا۔ دو سال قبل جب چند ملک دشمن عناصر نے اپنے سیاسی مقاصد کی خاطر نئے اور پرانے سندھیوں میں کچھ غلط فہمیوں کو پیدا کر کے نوبت فسادتک پہنچادی تو آپ نے شب و روز کوشش کرنا شروع کی، پورے سندھ کے دورے کئے، وفود روانہ کئے، خطوط لکھے، بیانات دئے، کتابچے شائع کئے اور اتحاد بین المسلمین کے لئے انتھک جد و جہد کی جو نہایت کامیاب ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ نئے اور پرانے سندھیوں کو قریب لانے کے سلسلہ میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

گذشتہ دو تین سال سے آپ سندھو دیش کی مذموم تحریک کے خلاف سینہ سپر تھے اور صوبہ سندھ کے اسلام پسند اور دیندار حلقے کی تنظیم اور بیداری کے لئے بھی آپ نے تمام تر توانائیاں وقف کر دی تھیں، اس سلسلہ میں اپنے ذاتی روپے سے متعدد کتابیں اور رسالے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر شائع کر چکے تھے۔

آپ کے عقیدتمندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ آپ کی عام مجالس اور ہفتہ وار مجالسِ وعظ میں بے شمار لوگ شریک ہو کر فیوض و برکات کے خزانے لوٹتے تھے۔ آپ کے متبسم اور پُر نور چہرہ ۶

دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا۔ شخصی وجاہت، بے مثال حافظہ، وضعداری، صاف گوئی غرض بہت سی صفات آپ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ آخری چند سال سے ٹنڈو سائیں داد سے ناریتہ ناظم آباد کراچی میں منتقل ہو گئے تھے۔

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ، ۲۸ ستمبر ۱۹۷۵ء کو کوئٹہ میں آپ کا وصال ہوا اور آپ کو ٹنڈو سائیں داد میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

زیارتِ فیض بشارت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی یادگار تصنیف ہے۔

مزید حالات کے ملاحظہ ہو:۔

۱۔ تذکرہ مظہرِ مسعود   از پروفیسر محمد مسعود احمد

۲۔ روزنامہ جنگ کراچی   ۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء

نوری بکڈپو لاہور کے علمی و ادبی تحفے

تقدیس الوکیل

براہینِ قاطعہ و انوارِ ساطعہ کے نظریاتی مباحث پر

تاریخی مناظرہ ، مرتبہ مولانا ابو عبد الرحمٰن غلام دستگیر قصوری ؒ

مؤیدہ : شیخ المشائخ خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف

مصدقہ : حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی ۔

اعتقادی و نظریاتی موضوعات سے دلچسپی

رکھنے والے حضرات کے لئے علمی ذخیرہ ۔

کتابت و طباعت عمدہ ، چار رنگہ سرورق

مضبوط جلد ،

قیمت -/۱۲ روپے

تحفۂ شیعہ حصہ اوّل

از : علامہ نور بخش توکلی ایم ۔ اے

جس میں حدیث ثقلین اور حدیث قرطاس کو زیر بحث لایا گیا ہے اور واقعۂ کربلا کے پردہ میں مسئلہ امارت و خلافت اور دیگر اسرار و احادیثِ مذہب شیعہ کے رُخ سے پردہ اٹھایا گیا ہے ۔

طباعت و کتابت معیاری ، سفید کرنافلی کاغذ

قیمت

-/۱۲ روپے

نیا ایڈیشن

مکمل بارہ تقریریں مع خطبات

خطیبِ پاکستان علامہ محمد شریف نوری مرحوم کے قلم سے ، بارہ مہینوں کی بارہ تقاریر کا نادر مجموعہ ۔

علماء ، طلباء اور خطباء کے لئے انمول تحفہ ۔

طباعت	آفسٹ
کتابت	معیاری
گرد پوش	رنگین

ولایتی ریگزین پر طلائی ڈائیوں سے مزین مضبوط جلد

قیمت -/۱۵ روپے

ذکرِ حبیب مکمل

— از —

والدِ ماجد علامہ شاہ احمد نورانی

(جنرل سیکرٹری متحدہ اپوزیشن قومی اسمبلی)

عظیم مصنف کے قلم سے سیرتِ سرکارِ دو عالم پر نظم و نثر کا حسین مرقع ۔

ہر صفحہ پر گنبدِ خضریٰ کا عکسِ جمیل

بہترین کاغذ ، آفسٹ طباعت ، عمدہ کتابت سے مزین ۔

قیمت : ۷/۵۰ روپے

آپ کے ذوقِ مطالعہ کی تسکین کے لئے بہترین کتب

کتاب	مصنف	قیمت
اوراق غم اردو	علامہ ابوالحسنات قادری	۱۸-۰۰
تاریخی مناظرہ بہاولپور	علامہ غلام دستگیر قصوری	۱۲-۰۰
تفسیر نور العرفان	مفتی احمد یار گجراتی	۵۵-۰۰
واعظ حصہ اول	مولانا محمد بشیر کوٹلی لوہاراں	۱۵-۰۰
کشف المحجوب اردو	داتا گنج بخشؒ	۲۱-۰۰
جاء الحق	مفتی احمد یار گجراتی	۲۷-۰۰
کربلا کا مسافر	علامہ مشتاق نظامی	۸-۲۵
جماعت اسلامی	علامہ ارشد القادری	۴-۰۰
تذکرہ علمائے اہلسنت	اقبال احمد فاروقی	۱۸-۰۰
نیر اعظم	محمد اعظم چشتی	۱۰-۵۰
سنت خیر الانام	پیر محمد کرم شاہ	۹-۰۰
مکتوبات امام ربانی اردو	مجدد الف ثانی	۷۲-۰۰
مدارج النبوۃ کامل	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۷۵-۰۰
بہار شریعت کامل	مولانا امجد علی اعظمی	۹۰-۰۰
جذب القلوب	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۳-۵۰
شرح الصدور	علامہ سیوطی	۱۳-۵۰
زلزلہ	علامہ ارشد القادری	۶-۰۰
نشری تقریریں	علامہ محمد شریف نوریؒ	۴-۵۰
مخزن اخلاق	رحمت اللہ سبحانی	۲۱-۰۰

کتاب	مصنف	قیمت
مقیاس مناظرہ	مولانا محمد عمر اچھرویؒ	۱۴-۰۰
حدائق بخشش	مولانا احمد رضا بریلوی	۸-۰۰
کرم بالائے کرم	بہزاد لکھنوی	۹-۰۰
تفسیر نعیمی	مفتی احمد یار گجراتی (فی جلد)	۲۴-۰۰
مرآۃ المناجیح	〃 (فی حصہ)	۲۷-۰۰
شانِ حبیب الرحمٰن	〃 مجلد	۹-۰۰
سوانح گنج بخش	محمد دین کلیم	زیر طبع
سیرت رسول عربی	علامہ نور بخش توکلی	۱۲-۰۰
سچی حکایات	ابو النور محمد بشیر (فی حصہ)	۷-۰۰
خون کے آنسو کامل	علامہ مشتاق نظامی	۱۲-۰۰
مرج البحرین	شیخ عبد الحق	۳-۷۵
گلدستہ نقشبندی	محمد بشیر نقشبندی	۳-۰۰
فوائد الفواد اردو	خواجہ نظام الدین اولیاء	۱۵-۰۰
رحمۃ للعالمین کامل	قاضی سلیمان منصور پوری	۳۵-۰۰
تذکرہ صوفیائے پنجاب	اعجاز الحق قدوسی	۱۸-۰۰
ضیاء القرآن اول	پیر محمد کرم شاہ	۲۵-۰۰
ذکر جمیل	مولانا محمد شفیع اوکاڑوی	۹-۰۰
مقیاس نور	مولانا محمد عمر اچھروی	۹-۵۰
حیات اعلیٰ حضرت	مولانا ظفر الدین بہاری	۱۲-۰۰